سنگتراش
اقلیم علیم

خود آرائی

ناگ بھون کے ابتدائی صفحے پر میں نے اپنی کہانی سے ہٹ کر کچھ "بے ادبی" کی
میری رائے تھی اور اب بھی یہی ہے کہ اپنی تحریر پر خود آرائی اور خود ستائی نامناسب
تحریر کی تعریف یا تنقیص پر دوسروں کا حق ہوتا ہے' مجھے اس سے ہٹ کر کچھ لکھنا
ہے۔ ہوا یوں کہ میری وہ "بے ادبی" کچھ دوستوں کی طبع ہائے نازک پر گراں گزری۔ چند
شکوہ کیا کہ میں نے لکھا ہی تھا تو نواب کے ساتھ دوسرے ہم عصروں کا ذکر کیوں نہیں
دوسرے دردمندوں کو فکر تھی کہ میں نے دنیائے ادب کی مقدس گایوں پر حرف زنی کر
ایک آزار کو دعوت دی ہے۔

قارئین کو مژدہ ہو کہ میرے لکھے ہوئے وہ دو صفحات رائگاں گئے۔ میں خیریت سے
لور بدستور لکھ رہا ہوں مگر اس بار میں نے راہ بدل لی ہے۔ یہ چند سطریں رسم و دستور
مطابق اس صفحے پر حاضر ہیں۔

"سنگ تراش" فروری 1973ء سے بیس ماہ تک ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ کے صفحات
لہ پاتی رہی۔ یوں اپنی ابتداء کے پچیس برس کے بعد یہ کہانی کتابی صورت میں آپ کے
ں میں ہے۔

نام کے عین مطابق یہ ایک سنگ تراش کی فسوں خیز و جنوں انگیز کہانی ہے۔ خادم
ن کا کارواں زیارتوں پر جاتے ہوئے صحرائی قزاقوں کا نشانہ بنا اور وہ خود اغوا ہو کر جبرین
قبیلے کے سردار جوبا کا لے پالک بن گیا۔ وہاں حیرتوں کی ایک نئی دنیا اس کی منتظر تھی۔

اپنے دور کے رجحانات کے مطابق اس داستان میں ہر واقعہ اور ہر کردار اسرار و تحیر
دھندلکوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا ہے۔ ان میں جبرین کے نخلستانی آتش کدے کا
ت ماننی شاید سب سے ممتاز ہے۔

ورق پلٹیے۔ صحراؤں اور نخلستانوں کی سحرانگیز سرزمین آپ کی منتظر ہے۔ میری اس
کو آپ کے لئے اس بار بھی برادرم محمد علی قریشی نے صفحہ بہ صفحہ سجایا ہے۔

اقلیم علیم

مشرق کی سرزمین مقدس ہے' پراسرار ہے! یہاں کی خاک کا ہر ذرہ ناقابل یقین روایات اور داستانوں کا امین ہے۔ اس کی فضاؤں میں ہی فراعین و نمرود کے کبر و جلال میں ڈوبے' خدائی کے دعوے گونجے اور پھر اسی زمین نے ان کے نخوت و غرور سے تنے ہوئے سروں کی ہڈیاں اپنی بے رحم آغوش میں کچل کر ان کا نشان مٹا دیا۔ یہ مقدس زمین نبیوں کے نزول کی گواہ ہے۔ صداقت و عرفان کی ہر غیبی ندا سب سے پہلے یہیں کی فضاؤں میں ابھری اور پھر پورے عالم کو منور کرتی چلی گئی۔ یہاں کے طیور اب بھی داؤدؑ کی خوش الحانی کے گواہ ہیں۔ نیل کا پانی موسیٰؑ کے ہاتھوں فرعون اور اس کے بہکائے ہوئے جادوگروں کے عبرتناک حشر کی علامت ہے۔ طور کی سوختہ چوٹیاں موسیٰؑ کے رب کی تجلی کا پرجلال شاہکار ہیں' یہاں کی فضائیں ایوبؑ کی گریہ و زاری اور صبر و شکر کی نداؤں سے گونج رہی ہیں۔ یوسفؑ کے برادر فروش محسنوں کی شقاوت و سفاکی پر کنعان کے بھیڑیئے آج بھی شرم اور احساس کمتری میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ یہیں ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے اٹھا ہوا' خدا کا پہلا گھر آباد ہے' جس کی چوکھٹ پر آکر ہر جبین میں سجدے مچلنے لگتے ہیں اور گناہوں کا غبار آنکھوں کے راستے پانی بن کر بہہ نکلتا ہے اور اسی سرزمین پر ابراہیمؑ کے پدر' آذر کا جسم خاکی ابدی نیند سویا ہوا ہے' وہی آذر جو سنگتراش تھا' جس کے ہاتھوں پتھر کی بے ڈول چٹانیں حسین بہروپ اختیار کر لیتی تھیں۔ جو اپنے تراشے ہوئے پتھروں کو دیوانہ وار پوجتا تھا' انہیں اپنا خدا کہتا تھا' ان سے رحم' صحت اور رزق کی بھیک مانگتا تھا۔ مسلک نہ سہی مگر پیشے کے اعتبار سے میں بھی آذر کا ہم پیشہ ہوں۔ سنگتراش کے خمیر سے پیدا ہوا مگر پتھر کو خدا نہ کہتا تھا۔ میری کہانی اسرار و تحیر کے ان ماورائی پردوں میں لپٹی ہوئی ہے جن کی تاویل آج تک کوئی نہ کر سکا۔ ابراہیمؑ و ایوبؑ و داؤدؑ و یوسفؑ کے خدا نے بھی ان قوتوں کی موجودگی کی خبر دی ہے اور انہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ فرعونوں کے دیس پر حکمرانی کرنے والی ان نادیدہ قوتوں نے مجھ مجذوب'

سنگتراش کو میرے بچپن ہی میں اپنی عنایات کا مرکز چن لیا تھا۔ سات برس کی ناپختہ کار عمر میں' میں اپنے باپ اور ایک کارواں کے ہمراہ خشکی کے راستے زیارت کے لئے روانہ ہوا تھا۔ ہمالا کے دیس سے نکل کر جوں جوں میں مقدس شہروں اور محترم مقامات سے قریب ہوتا گیا' میرے پورے وجود میں ناقابل بیان ہیجان سا سرایت کرتا چلا گیا۔ اس وقت میں اپنے اس اضطراب کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ لیکن اب خیال آتا ہے کہ صحراؤں کی پراسرار قوتیں مجھے اپنی جانب بلا رہی تھیں' میرا لاشعور ان خاموش نداؤں کو خوب سن رہا تھا اور میں بے چینی کے عالم میں کارواں کے ہمراہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

میرا پورا نام خادم حسین ہے لیکن میرے کانوں نے کبھی یہ پورا نام نہیں سنا۔ مجھے پکارنے والے ہمیشہ صرف حسین کہا کرتے تھے۔ میرے مذہبی سفر کی ابتدا اجمیر شریف سے ہوئی۔ میں راجستھان کے لق و دق اور بے آب و گیاہ ریگستان کو عبور کر کے اس سرزمین میں داخل ہوا جہاں محمد بن قاسم کے قدموں کی گونج ابھری تھی۔ باب الاسلام کی مہمان نواز بستیوں میں پڑاؤ کرتے دو ماہ بعد ہمارا کارواں ایران میں داخل ہوا۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں کسی دور میں ہر طرف آتش کدے روشن رہتے تھے اور یہاں کے بسنے والے آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مگر ایک زمانہ ایسا آیا کہ یہاں کے آتش پرستوں اور مجوسیوں پر حکمرانوں کا عتاب آیا اور انہیں بے دردی کے ساتھ شمال اور مغرب کی جانب ہانک دیا گیا ان کے خون سے زمین کو رنگین کیا گیا اور جو بچ رہے وہ خوف و دہشت کے عالم میں ریگستانوں کی بے کراں وسعتوں میں جا چھپے۔

ایران میں ہم' مشہد' تہران' ہمدان' اصفہان اور شیراز سے ہوتے ہوئے ابادان کی سرحد سے عراق کی حدود میں داخل ہوئے اور نجف و کوفہ سے ہوتے ہوئے کربلا کی خاک پر پہنچے۔ بغداد سے نکلنے کے بعد ایک طوفان کے باعث ہمارا کارواں راستہ بھٹک گیا۔ تین روز تک ہم لق و دق صحرا میں انجانے راستوں پر' منزل کی تلاش میں بھٹکتے رہے' پھر ایک شام ہم پر قزاقوں کے ایک سفاک گروہ نے دھاوا بول دیا۔ ہمارا کارواں شکستہ حال تھا' لوگ اپنی مدافعت نہ کر سکے اور قزاقوں کے ہاتھوں سب لوگ یا تو مارے گئے یا بری طرح زخمی ہوئے۔ لوٹ مار کے بعد جب قزاق واپس لوٹنے لگے تو ان میں سے کسی نے مجھے اپنے اونٹ پر ڈال لیا اور یوں میں اپنے کارواں سے بچھڑ گیا۔

خون ریزی اور درندگی کے ایک معرکے کا نظارہ کرنے کے بعد میری حالت ابتر تھی۔ میں خوف و دہشت کے ساتھ اونٹ کی پشت پر سفر کرتا رہا۔ پھر میرے کارواں کو' میرے بوڑھے باپ کو' خون کا غسل دینے والے بھیڑیئے پرہول نعرے مارتے اپنی بستی میں داخل ہوئے جہاں میری زندگی کا ایک نیا باب میرا منتظر تھا۔

وہ صحرائے عرب کے قزاقوں کا ایک پراسرار قبیلہ تھا' جبرن کے نام سے پہچانا جاتا تھا' یہ صحرائی قزاق اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر صحرا میں دور دور چھاپے مارتے تھے۔ ان کے ہتھیاروں کی زد' آس پاس سے گزرنے والے ہر کارواں پر پڑتی تھی۔ ان کے مخبر صحرا میں دور دور گھوم کر کاروانوں کا کھوج نکالتے تھے اور پھر جبرن کے خون آشام بھیڑیئے موت کے ہرکاروں کے روپ میں اس کارواں کو تہس نہس کر کے مال و زر کے ساتھ ہی جوان لڑکیوں کو اٹھا لاتے اور پھر اس رات کی سیاہی میں جبرن کی بستی گناہوں کی دلدل میں غرق ہو جاتی۔ ناکردہ گناہ لڑکیوں کی عصمت سر راہ پامال کی جاتی پھر مال غنیمت کی تقسیم کے ساتھ ہی زندہ بچنے والی لڑکیوں کو نیلام کیا جاتا تھا۔ جب زیادہ عرصے تک کوئی کارواں جبرن والوں کے چنگل میں نہ پھنستا تو وہ اپنے چہروں پر سیاہ رومال لپیٹ کر صحرا میں دور دور پھیلی ہوئی مقامی بستیوں پر شب خون مارتے۔ بستیوں کو تاراج کر دیتے' مال و زر لوٹ لیتے' عورتوں کو البتہ نہ چھیڑتے تھے' کیونکہ انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ صحرا نشین عرب بہت غیور ہیں۔ قزاقوں کے ہاتھوں اپنے مال و زر کی بربادی تو سہہ سکتے ہیں لیکن جس روز بھی ان کی کسی عورت پر جبرن کے کسی قزاق کا ہاتھ اٹھ گیا' سارے قزاق زندہ جلا دیئے جائیں گے۔

جبرن صحرائے عرب کا ایک پراسرار اور گوشہ نشین قبیلہ ہے۔ اس کے باسی عقیدے کے اعتبار سے مجوسی ہیں مقدس آگ کی پوجا کرنے والے۔ اس قبیلے کے بارے میں مجھے بتدریج جو معلومات حاصل ہوئیں' بہتر ہو گا کہ میں اسی مرحلے پر اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دوں۔ جبرن والوں کے آتش پرست آباؤ اجداد حکمرانوں کے قہر و غضب سے بچنے کے لئے صدیوں قبل ایران سے بے سرو سامانی کے عالم میں فرار ہوئے تھے۔ وہ بڑی مشکلات کا سامنا کرتے' کسی نہ کسی طرح صحرائے عرب کی بے کراں وسعتوں میں پہنچے اور یہاں نہایت پراسرار انداز میں گوشہ نشین ہو گئے۔ موت کے خوف سے انہوں نے اب تک اپنے وجود کو خفیہ رکھا تھا۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اس صحرا میں آگ کو پوجنے والے

صحرائی قزاقوں کا کوئی قبیلہ بھی رہتا ہے۔ لوٹ مار کے ساتھ ہی کشت و خون بھی ان لوگوں کے خمیر میں تھا لہٰذا کبھی کبھار کوئی بھٹکا ہوا مسافر جبرین کی طرف آ نکلتا تو محض اپنے قبیلے کا راز چھپائے رکھنے کے لئے یہ لوگ اسے بے دردی سے ہلاک کر دیتے تھے۔ ان لوگوں کی رسوم نہایت ہی عجیب و غریب تھیں۔ ہر کامیاب چھاپے کے بعد جبرین میں مال غنیمت کی تقسیم پر خاصا ہنگامہ ہوتا تھا۔ پھر رات میں ساغر و مینا اور رقص و سرود کی شب بیدار محفلیں جمتیں، جن میں بستی کے بالغوں کو ہی شرکت کا حق ہوتا تھا۔ جب مال غنیمت میں خوبرو اور جوان لڑکیاں ان قزاقوں کے ہاتھ لگتیں تو جشن کے دوران میں سردار بے حسین ترین لڑکی کو اپنے لئے منتخب کرنے کے بعد، باقی لڑکیاں جبرین کے سنگ دل مردوں کے حوالے کر دی جاتیں۔ ایسی الم رسیدہ اور بدنصیب لڑکیوں کے بدن اس وقت تک جلتی ہوئی موی مشعلوں سے داغے جاتے جب تک وہ اپنے کارواں کو بھول کر جبرین کے قزاقوں کے سردار، جوبا کے اشاروں پر نہ ناچنے لگتیں۔ صحرا کی گوشہ نشینی اور بیرونی دنیا سے ترک تعلق کے باعث اس قبیلے والوں کے رسوم و رواج عام آتش پرستوں سے بالکل ہی مختلف اور وحشیانہ ہو کر رہ گئے تھے۔

جبرین والوں کا سردار جوبا بہت ہی خوفناک شخص تھا۔ ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا۔ اس کے جا بجا کٹے پھٹے اور زخم خوردہ چہرے پر عجیب سی ہیبت برستی تھی۔ وہ جب بھی کسی کی طرف نگاہ بھر کر دیکھتا، سامنے والے کے ہاتھ پیر پھول جایا کرتے تھے۔ جبرین پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد مجھے اپنے ہمراہ لے جانے والے شخص نے سردار جوبا کے سامنے پیش کیا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے سفاکانہ انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔

"جابر..... شاید تو اس لڑکے کو اپنی بیوی کی گود میں ڈالنے کے لئے لایا ہے؟" اس نے حقارت آمیز انداز میں میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں سردار جوبا۔۔۔ میری بیوی اولاد کو ترستی ہے، تو اجازت دے تو میں اسے اپنا بیٹا بنا لوں!" اس شخص نے خوف زدہ آواز میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"آج کی رات رسم پوری ہونے کے بعد تو اسے اپنے گھر لے جا سکے گا۔" سردار نے پر جلال انداز میں کہا۔ "لیکن یہ یاد رہے جابر کہ اب یہ لڑکا یہاں سے فرار نہ ہونے پائے۔"

"تو بڑا رحمدل ہے سردار!" وہ شخص بھرائی ہوئی آواز میں یہ کہتا، دراز قامت سردار جوبا

کے قدموں پر گر گیا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ اس کے بعد مجھے گلے میں رسی ڈال کر جوبا کی اونٹنی کے کھونٹے سے باندھ دیا گیا۔ خوف و دہشت سے میری حالت ناقابل بیان تھی۔ بستی والے مجھے اس طرح دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے جیسے میں ان کے لئے کوئی عجوبہ ہوں۔ یہ صورت حال رات کی سیاہی پھیلنے تک قائم رہی۔ پھر سردار کے وسیع خیمے میں سے شور و غل کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ قہقہوں کی بدمستی بتا رہی تھی کہ خیمے میں شراب کا دور شروع ہو چکا ہے۔

پھر جوبا کا ایک غلام میرے پاس آیا اور مجھے اونٹنی کی کھونٹی سے کھول کر اندر خیمے میں لے گیا۔ وہاں عجیب بدمستی کا سماں تھا۔ سردار جوبا کے قدموں میں ایک آتش دان میں چھوٹا سا الاؤ جل رہا تھا جس میں لوہے کی ایک مہر تپ رہی تھی۔ خیمے کے وسط میں پہنچنے کے بعد جوبا کا غلام واپس لوٹ گیا اور جوبا اس آتش دان میں سے وہ دہکتی ہوئی آہنی مہر، دستے سے تھام کر میری جانب بڑھا۔ میں بری طرح سہما ہوا تھا میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اب جوبا کیا کرنے والا ہے۔ میرے قریب آ کر غیر متوقع طور پر اس نے داہنی لات میری پنڈلیوں پر ماری۔ میں چیخ مار کر چاروں خانے چت زمین پر گر گیا۔ جوبا کسی خونی درندے کی طرح فوراً ہی میرے سینے پر سوار ہو گیا اور مجھے بے بس پاتے ہی لوہے کی وہ تپتی ہوئی مہر میرے سینے کی داہنی جانب کھال پر لگا دی۔

میری فلک شگاف اور لرزہ خیز چیخیں سن کر جوبا وحشیوں کی طرح زور زور سے ہنسنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اس مہر کا مقدس نشان میرے سینے کی جلد پر ثبت ہو چکا ہے تو وہ میرے ناتواں بدن پر سے اتر گیا۔ میں دونوں ہاتھوں سے اپنا زخم تھام کر زمین پر تڑپنے لگا۔ پھر جوبا نے کسی جانب سے ایک سیال کا برتن اٹھا کر میرے بدن پر انڈیل دیا۔ وہ سیال نہ جانے کیسا پر تاثیر تھا کہ میری کھال کی جلن فوراً ہی ختم ہو گئی اور میں کسی سہمے ہوئے چوہے کی طرح زمین پر دبکا پڑا رہ گیا۔

"لے جا جابر! یہ آج سے تیرا بیٹا ہے۔" خیمے میں سردار جوبا کی پاٹ دار آواز گونجی اور یوں میں جبرین کے ایک قزاق کا منہ بولا بیٹا بن گیا۔

جابر اور اس کی بیوی مجھ پر بہت مہربان تھے۔ پورے قبیلے میں وہ واحد گھرانا تھا جہاں اولاد کا نور مفقود تھا۔ ان دونوں نے مجھے پوری توجہ اور محبت کے ساتھ پروان چڑھانا شروع

کیا جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ میرے دل سے اپنے اصل والدین کا صدمہ ختم ہو گیا اور میں نے خاصی حد تک خود کو اس نئی زندگی کے سانچے میں ڈھال لیا۔

جہاں تک رہن سہن کے طور طریقوں اور بول چال کا تعلق ہے' میں چند مہینوں میں ہی اس کا عادی ہو گیا۔ اجنبیت کی تمام دیواریں تیزی کے ساتھ گرتی چلی گئیں لیکن دل پر جبر کرنے کے باوجود میں' جبرن کے دوسرے بچوں کی طرح کبھی بھی قزاقی کے پیشے پر فخر نہ کر سکا۔ لوٹ مار کے یہ اطوار شروع ہی سے مجھے سخت ناپسند تھے۔ جب جبرن والے راتوں کی سیاہی میں اپنے چہروں پر ہوسناک عزائم کی پرچھائیاں لئے' دانت چمکاتے' مظلوم لڑکیوں کے حسین و نازک بدنوں کو موی مشعلوں سے داغا کرتے تو اس سفاکی پر میرا خون کھول اٹھتا تھا لیکن میں خاموش رہنے پر مجبور تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں جابر کا منہ بولا بیٹا ہونے کے باوجود جبرن کے دوسرے درجے کا شہری ہوں۔ میری کوئی بھی ایسی حرکت سرکشی پر مبنی سمجھی جائے گی جو جبرن کی روایات کے خلاف ہو۔ پھر مجھے جوبا کی شہ زور اونٹنی کے پچھلے پیر سے باندھ کر اس وقت تک تپتے ہوئے ریتلے صحرا میں گھسیٹا جاتا جب تک میری چربی پگھل کر صحرا کی پیاسی ریت پر نہ بہنے لگتی۔

جب میں نے لڑکپن کی حدود میں قدم رکھا تو سردار جوبا کے حواریوں نے مجھے بھی قزاقی میں اپنا شریک کار بنانا چاہا' لیکن میں کافی عرصے تک مختلف بہانوں سے اپنی جان بچاتا رہا۔ پوری بستی میں صرف جابر ہی ایسا شخص تھا جو کسی حد تک میرا مزاج سمجھتا تھا۔ مجھ سے محبت کرنے کے باوجود وہ کبھی بھی کھل کر میری حمایت پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اس کے مشورے پر میں ٹولی کی روانگی کے موقع پر عموماً جبرن کے نواحی نخلستان میں جا چھپتا تھا جہاں کی فضا مجھے بے حد پسند تھی۔

کچھ عرصے بعد جابر نے سردار کی خوشامد کر کے مجھے قزاقوں کے گروہ میں شامل ہونے کے بجائے نخلستان کے کاموں پر مامور کرا دیا۔ میرے لئے یہ خبر بہت زیادہ سکون کا باعث ہوئی اور میں فوراً ہی بستی سے نخلستان میں منتقل ہو گیا۔

جبرن کا وہ لہلہاتا نخلستان آج میرے لئے ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ اس کے تصور میں جہاں دل میں گدگدی پیدا کر دینے والی لطیف یادیں پوشیدہ ہیں وہیں ڈراؤنے اور پرہول خواب بھی اس سبزہ زار سے وابستہ ہیں۔

نخلستان کا نگہبان جبرن کا ایک پراسرار بوڑھا مجوسی تھا جسے مانینی کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ وہ بوڑھا بدن کا بہت نحیف مگر دماغ کا شیطان تھا۔ مشہور تھا کہ جوبا کے بیشتر فیصلوں کی پشت پر مانینی کا ہی دماغ ہوا کرتا ہے۔ مانینی کی بینائی اس قدر کمزور تھی کہ شام کے دھندلکے میں اسے آدمی اور اونٹ کا فرق تک معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن وہ محض بو سونگھ کر سو گز دور سے ہی مرد اور عورت میں تمیز کر لیتا تھا اس کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ وہ جسموں سے پھوٹنے والی مہک اور بو کے ذریعہ دور ہی سے جبرن کی ہر عورت اور ہر دوشیزہ کو بخوبی پہچان لیتا تھا۔

مانینی جب سے پیدا ہوا جبرن کے اس لہلہاتے نخلستان ہی میں رہ رہا تھا۔ گو وہ وہاں تنہا رہتا تھا مگر بستی والے اکثر راتوں کی سیاہی میں نہایت گمبھیر سناٹے میں نخلستان کی جانب سے پرہول آوازیں ابھرتی سنتے' تھے' جیسے وہاں عذاب میں مبتلا روحیں اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دب کر یکبارگی سسک پڑی ہوں۔ کبھی نخلستان میں عجیب وضع کے لبادوں میں روشن ہیولے چہل قدمی کرتے نظر آتے' بستی والے دہشت زدہ نگاہوں سے یہ مناظر دیکھتے اور پھر بستروں میں منہ چھپا لیتے۔ کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ مانینی سے کچھ دریافت کر سکے۔ جبرن والے اس پراسرار بڈھے سے حد درجہ خوف زدہ رہتے تھے وہ بستی میں جدھر بھی نکل جاتا لوگوں کی گردنوں کا نخوت آمیز تناؤ مردنی میں ڈھل جاتا۔ قہر بھری آوازوں میں دھاڑنے والے لڑاکا منمناتی ہوئی آوازوں میں اس نحیف و ناتواں بوڑھے کو تعظیم پیش کرتے' جیسے ان کی روحیں مانینی کی غلام ہوں۔ اس بڈھے کی شوکت و سطوت کا یہ عالم تھا کہ وہ ہمیشہ ایک مخصوص راستے سے گزرتا تھا۔ اس راستے پر رہنے والیاں ہر آن اس راستے کو غلاظت اور آلودگی سے پاک رکھتی تھیں کہ کہیں ان کی غفلت کے باعث مانینی کی پیشانی پر سلوٹ نہ آ جائے۔ جبرن کے پرہیبت سردار' جوبا تک میں یہ جرأت نہیں تھی کہ مانینی کے سامنے اپنی اونٹنی کی پشت پر بیٹھا رہ سکے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ مانینی پر نظر پڑتے ہی جوبا کی اونٹنی بلبلاتی ہوئی زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور جوبا سر جھکائے' اچھل کر نیچے اتر آیا۔

جبرن میں رہتے ہوئے میں لاشعوری طور پر مانینی کا احترام کرنے لگا تھا۔ اس احترام میں دلی جذبے سے زیادہ زندگی کی محبت اور موت کا بھیانک خوف رچا ہوا تھا۔ مستقل طور پر نخلستان میں آ جانے کے بعد تو مانینی پوری طرح میرے اعصاب پر چھا گیا۔ مجھے ہر لمحے اس

کی ناراضگی کا ڈر رہتا تھا لیکن پھر بھی میں اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق عقیدت اور احترام کے ساتھ اس بدماغ بڈھے کا ہر حکم بجا لانے کی کوشش کرتا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں کسی طرح اس کا اعتماد جیت سکوں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مانینی بہت سی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ میں اس قریب المرگ بڈھے کے سینے میں دفن ایسے ہی چند راز جان لینے کی خواہش میں اس کی بدکلامی اور تندخوئی سہتا رہا۔

مجھے نخلستان میں رہتے تین ماہ گزر گئے۔ لیکن مانینی نے مجھے اپنے خیمے کے قریب تک نہ پھٹکنے دیا۔ برسوں سے اس کے ساتھ کام کرنے والوں نے مجھے بتایا کہ مانینی کسی بھی وقت غافل نہیں رہتا۔ وہ محض ہوا میں منہ اٹھا کر چند گہرے گہرے سانس لیتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ کون چوروں کی طرح اس کے خیمے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ایک روز دن بھر کی مشقت کے بعد میں کھجور کے درختوں کے سائے میں بیٹھا صحرا کے مغربی گوشوں میں ڈوبتے سورج کی طرف دیکھ رہا تھا کہ یک بیک مجھے اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ میں چونک کر مڑا تو بوڑھے مانینی کو اپنی جانب آتے پایا۔

اس سفید ریش بوڑھے کے پتلے پتلے، سیاہی مائل، ستواں ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ مچل رہی تھی اور وہ تیزی سے پلکیں جھپکاتا، اپنی لاٹھی کے سہارے میری جانب بڑھ رہا تھا۔

"مانینی بابا۔۔ تو کہاں جا رہا ہے؟" میں نے کھڑے ہو کر ادب آمیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"آسمانوں سے ایک خبر آئی ہے۔" وہ اپنا بایاں ہاتھ فضا میں لہرا کر دبی دبی پرجوش آواز میں بولا۔ "تو اپنے خیمے میں چپکے چپکے پتھروں پر انسانوں کی تصویریں ابھارتا ہے نا!"

اس کا لہجہ پریقین اور تائید طلب تھا۔

میں نے ڈوبتی نبضوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس جرم کا اقرار کر لیا۔ جبرین والے سنگتراشی کو گناہ سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ پتھروں پر صرف مقدس ہستیوں کی شبیہہ بنائی جا سکتی ہے۔ ہر کس و ناکس کے مجسمے تراشنے والے کو زندہ درگور کر دینا چاہیے۔

"میں نے جوبا کو خوشخبری سنا دی ہے۔" وہ میرے قریب آ کر رکتے ہوئے بولا۔ "تیرے مقدر میں وہ بات لکھی جا چکی ہے جو انہونی ہے، تیری ہتھوڑی کی ضربوں کی گونج

میں اس عظیم صحرا کے ہر ذرے سے ابھرتی سن رہا ہوں۔ جبرین والوں کو مبارک ہو کہ ان کے قبیلے میں آذر کا ایک ہم پیشہ ابھر رہا ہے۔ جوبا نے تجھے سنگتراشی کی اجازت دے دی ہے۔"

"مانینی بابا!" میں لپک کر اس نحیف مگر پرہیبت بوڑھے کے قدموں میں گر پڑا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں آسمان کی رفعتوں میں اڑ رہا ہوں۔

"تجھ سے اب کوئی کام نہ لیا جائے گا۔ بس اتنا یاد رکھیو کہ میری مرضی کے بغیر میرے خیمے کا رخ کیا تو نحوستیں تیرا گریبان تھام لیں گی۔ مانینی کے منہ آنے والوں کو روئے زمین پر کہیں پناہ نہیں ملتی۔" اس نے ٹھہرے ہوئے مگر دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"میں تیرا غلام ہوں مانینی بابا!" میں نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔ "میں تجھ جیسے محسن سے سرتابی ہرگز نہ کروں گا!"

مانینی کی زبانی مجھے اپنی زندگی کی نوید مل چکی تھی۔ اگلے ہی روز میں کئی اونٹوں پر لاد لاد کر قریبی پہاڑیوں سے پتھر لے آیا۔ میرے دل و دماغ میں ایک ہیجان برپا تھا۔ تصورات کا ایک ہجوم تھا۔ جو پتھروں پر نقش ہونے کے لئے بے چین تھا اور میرے ہاتھ سہمی سہمی، دھیمی ضربوں کے بجائے اب پتھروں پر پوری قوت سے ہتھوڑے برسانے کے لئے بے تاب تھے۔

میں نے بغیر کسی ارادے کے پہلی چٹان پر اپنا کام شروع کر دیا۔

اس وقت میری عمر چودہ برس تھی اور میں شاید ان تمام احساسات سے بالکل بے گانہ تھا جو عالم شباب میں انسان کو زندگی کے حرارت آفریں رنگین گوشوں سے روشناس کراتے ہیں۔

میرے ہاتھ مسلسل چلتے رہے، میں اپنا پہلا مجسمہ جلد از جلد مکمل کر لینا چاہتا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں پہلا مجسمہ زینو کا بناؤں۔ زینو، جو سردار جوبا کی جوان لڑکی تھی۔

اس دور میں مجھے شباب اور محبت کے رموز کا کوئی علم نہ تھا لیکن پھر بھی زینو مجھے پسند تھی۔ میری اس پسند میں وہی معصومیت اور سادگی تھی جو بچوں کو چمکتے ہوئے چاند سے محبت پر مجبور کر دیتی ہے۔

میں وہ مجسمہ تراشتا رہا۔ زینو میرے سامنے نہ تھی جسے دیکھ کر میں مجسمہ پر اس کا پیکر

ابھارتا' پھر یہ میرے فن کی ابتدا تھی۔ میری پوری کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح صحرا کے اس بے رونق پتھر پر میں کوئی بے عیب نسوانی پیکر تراش لوں۔ میرے ہاتھوں میں اعتماد نہیں تھا۔ میری نگاہوں میں باریکی مفقود تھی لیکن دل میں ایک ابدی جذبہ موجزن تھا۔ کچھ کر گزرنے کا جذبہ۔

ساتویں روز صبح سویرے ہی مانیٹی میرے خیمے پر آ موجود ہوا۔ میں اس وقت اپنے کام کی تیاری میں مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو گیا۔

مانیٹی نے اپنی چندھیائی ہوئی نظروں سے اس مجسمے کو دیکھا اور حیران رہ گیا۔ اس کے چہرے پر تحیر کے ساتھ ہی تشویش کے سائے ابھر آئے تھے۔

"کیا زینو تیرے پاس آتی ہے؟" مانیٹی نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"زینو!" میں گھبرا گیا۔ "نہیں تو مانیٹی بابا... بھلا تم یہ کیسے کہہ رہے ہو!"

"قسم ہے اس آگ کی جو ازل سے روشن ہے' یہ مجسمہ تو ہوبہو زینو کا ہے۔" مانیٹی کی آواز میں جوش نمایاں تھا۔

"یہ مجسمہ زینو کا ہے۔" میں خوشی سے چلایا اور گھٹنے زمین پر ٹیک کر غور سے اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔ اسو قت پہلی بار میں نے اس پر غور کیا اور مجھے احساس ہوا کہ میں لاشعوری قوت کے سہارے واقعی زینو کا مجسمہ تراش رہا تھا۔

"دیکھو مانیٹی بابا۔۔۔ میں نے زینو کو سامنے بٹھائے بغیر اس کا مجسمہ بنایا ہے' اچھا ہے نا؟" میں نے مانیٹی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"ہوں۔" وہ دھیمے سے بولا' اس کے چہرے پر یک بیک مردنی چھا گئی تھی۔ چہرے کی بے رونقی کے ساتھ ہی اس کی آواز میں تشویش نمایاں تھی۔ "تو نے اچھا نہیں کیا حسین! جوبا کو معلوم ہو گیا تو وہ تجھے بھیڑیوں سے نچوا دے گا' زینو اس کی عزت ہے۔ جوبا اعلان کر چکا ہے کہ وہ اپنی بیٹی اسی کو دے گا جو پانچ سو قیراط سونا اسے دے سکے' تیرا باپ جوبا کا چرواہا ہے وہ مر کر بھی اتنا سونا جمع نہ کر سکے گا۔"

"کیا کہہ رہے ہو مانیٹی بابا!" میں نے حیرت سے کہا۔ "میں زینو کو خریدنا نہیں چاہتا۔ وہ میرے ساتھ کھیلی ہے' میں اسے پسند کرتا ہوں۔ اسی لئے میں نے بغیر ارادے کے اس کا مجسمہ بنا لیا' یقین کرو مانیٹی بابا! میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ اس طرح زینو کا مجسمہ بن جائے

گا۔"

"تو ابھی جوان نہیں ہوا ہے۔" مانیٹی نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر پرخیال آواز میں کہا۔ "چند ہی دنوں میں جان جائے گا کہ ایک جوان لڑکی پسند آنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔" پھر اس کی آواز یک بیک تیز ہو گئی۔ "میں نہیں چاہتا کہ جوبا تجھے بھیڑیوں سے نچوا دے۔ تو اس مجسمے کو توڑ دے' برباد کر دے' ورنہ جوبا کو بھنک بھی مل گئی تو' تو مارا جائے گا۔"

"اسے توڑ دوں!" بے اختیار میرے منہ سے ایک مایوسانہ کراہ نکلی۔

"نہیں توڑنا چاہتا تو ریت میں دبا دے۔" مانیٹی تیزی سے بولا۔ "تو ابھی بچہ ہے' جوبا تجھ سے پہلے ہی مرے گا۔ اس کے مرنے تک تیرا ہاتھ بھی سچا ہو جائے گا' پھر تجھے زینو کا مجسمہ بنانے سے کوئی نہ روک سکے گا۔"

"دبا دوں گا... دبا دوں گا مانیٹی بابا۔" میں نے خوف زدہ ہو کر روہانسی آواز میں کہا۔ "تم سچ کہتے ہو جوبا بہت ظالم ہے۔"

مانیٹی چلا گیا۔ مجھ پر خوشی اور مایوسی کے ملے جلے جذبات طاری تھے۔ خوشی اس بات کی تھی کہ میں نے بہت کامیابی سے لاشعور میں دبی زینو کی تصویر کو پتھریلے نقوش میں اتنی کامیابی سے ابھارا تھا کہ مانیٹی بھی ایک نظر میں اسے پہچان گیا اور مایوسی اس بات کی تھی کہ مجھے اپنا پہلا شاہکار مکمل کئے بغیر اپنے ہی ہاتھوں صحرا کی ریت میں دفن کر دینا تھا۔ جوبا کی موت کے انتظار میں۔

میں رات گئے تک کھوئے کھوئے انداز میں زینو کے مجسمے کے سامنے بیٹھا رہا۔ صحرا کی نمناک رات ہر طرف پھیل چکی تھی۔ آسمان پر چمکتے تاروں کی دلکش و پراسرار چادر تنی ہوئی تھی۔ میں سوچتا رہا لیکن میرے دل کی خلش کسی طرح کم نہ ہو سکی۔ آخرکار میں نے مانیٹی کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

ریت بھربھری اور نرم تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے زینو کے ادھورے مجسمے کی قبر تیار کی اور صبح کی دھندلائی ہوئی روشنی طلوع ہونے سے قبل زمین کو برابر کر دیا۔

میں ایک فیصلہ کن قدم اٹھا چکا تھا لیکن دل پر بڑا بوجھ چھایا ہوا تھا۔ دماغ میں باغیانہ خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ میرے قدم غیرارادی طور پر مانیٹی کے خیمے کی طرف

جانے والی پگ ڈنڈی پر بڑھنے لگے۔

جب میں درختوں کی اوٹ سے باہر آیا تو مانیئی کے خیمے پر نظر پڑی۔ اس کا خیمہ کسی شعلے کی طرح چمک رہا تھا۔ شاید مانیئی خیمے میں آگ جلا کر عبادت کر رہا تھا۔

ابھی میں مانیئی کے خیمے سے تھوڑی دور تھا کہ یک بیک مانیئی خیمے سے نکلتا نظر آیا۔ اس کے بدن پر صرف ایک چادر لپٹی ہوئی تھی۔ میں نے تاروں کی چھاؤں میں اسے منہ اٹھا کر ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتے دیکھا۔ پھر اس کی تیز آواز رات کے سناٹے میں کسی بدروح کی چیخ کی طرح گونجی۔

"حسین۔۔ لوٹ جا وہیں سے، تو بڈھے مانیئی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ چلا جا ورنہ اس خیمے میں اتری ہوئی نیل کی پرجلال شہزادیوں کی روحیں تجھ سے لپٹ جائیں گی۔ چلا جا ورنہ تو تباہ کر دیا جائے گا۔" مانیئی کی غیض و غضب سے کانپتی کڑکدار آواز نے میرے بدن پر رعشہ طاری کر دیا۔ اس سے قبل کہ میں واپس پلٹتا میں نے مانیئی کے عقب سے ایک بے حد حسین عورت کو آگے بڑھتے دیکھا۔ مانیئی کے خیمے میں جلنے والی آگ کے انعکاس میں وہ پرشکوہ حسینہ بالکل صاف نظر آ رہی تھی، اس کے بدن پر بیش قیمت اور قدیم وضع کا لباس سجا ہوا تھا اور سر پر ایک چھوٹا سا تاج جگمگا رہا تھا! اس وقت مجھے شبہ تک نہ ہو سکا کہ وہ پرشکوہ حسینہ آنے والے دنوں میں میرے لئے ناقابل بیان عذاب اور مصائب کا عنوان ثابت ہونے والی ہے۔ کاش کہ مجھے پہلے سے اس حقیقت کا علم ہوتا اور میں اس خواب ناک پیکر کو دیکھنے سے گریز کرتا تاکہ میں ان ہولناک اور پراسرار تجربات سے محفوظ رہتا جو اس دوشیزہ کے باعث میرا مقدر بنے۔

"چلا جا نابکار!" چند ثانیوں کے ہولناک سکوت کے بعد مانیئی دوبارہ دھاڑا۔ میں پلٹ کر بے اختیار دوڑ پڑا۔

مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے اپنے خیمے کے بجائے بستی کا رخ کیوں کیا۔ اس عورت پر نظر پڑتے ہی یا شاید مانیئی کی قہر میں ڈوبی آواز کے خوف سے میرے بدن کے سارے مساموں کے منہ کھل گئے حلق خشک ہونے لگا۔ دماغ پر دہشت کی دھند چھا گئی۔ اور میں کسی بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح دوڑتا رہا۔

ہوش آیا تو مجھ پر شدید نقاہت طاری تھی۔ بدن بخار سے پھنک رہا تھا۔ اور میری ماں

میرے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔

"میرا بچہ!" مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر میری ماں میرے سینے سے لپٹ گئی اور بین کر کے رونے لگی۔ اس کی گریہ و زاری سے مجھے پتہ چلا کہ میں تین روز سے بے ہوش پڑا ہوا تھا اور اسی دوران میں ایک کارواں کو لوٹتے ہوئے میرا منہ بولا باپ اونٹ سے گر کر، گردن ٹوٹنے کے باعث مرگیا۔

"ماں مجھے میرے اوزار منگا دے..... میں اب مانیئی کے نخلستان میں نہیں جاؤں گا۔ ہرگز نہیں جاؤں گا۔" میں ہذیانی انداز میں چیخنے لگا اور رفتہ رفتہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا۔

پانچ روز بعد میں بستر سے اٹھنے کے قابل ہوا۔

مجھے اپنی بیوہ ماں کی زبانی علم ہوا کہ بیماری کے دوران میں مجھے دیکھنے کے لئے آنے والوں میں سردار جوبا اور اس کی بیٹی زینو بھی شامل تھی۔۔ زینو کا نام سنتے ہی مجھے خلش کا احساس ہوا، شدت سے وہ ادھورا مجسمہ یاد آیا جو میں نے ریت میں دبا دیا تھا لیکن میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔

میری پوری طرح صحت یابی میں تقریباً ایک ماہ لگ گیا۔ اس دوران میں بار بار زینو یاد آتی رہی۔ مانیئی کے کہے ہوئے الفاظ کا مفہوم اب کسی حد تک مجھ پر واضح ہونے لگا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ زینو میرا سر اپنے نرم شانوں پر ٹکا کر اپنی لمبی لمبی اور مخروطی انگلیاں میرے بالوں میں پھیرے، میرے پاس بیٹھی مجھ سے باتیں کرتی رہے اور میں اسے دیکھتا رہوں۔ لیکن راہ تکنے کے باوجود وہ دوبارہ میری عیادت کو نہ آئی۔

میں نے اپنے اوزاروں کے لئے اپنی ماں کو مانیئی کے پاس بھیجا لیکن اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ جوبا نے مجھے نخلستان میں سنگتراشی کی اجازت دی تھی، اس لئے وہ بستی میں اوزار لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ادھر مجھے سردار جوبا کا سامنا کرنے کے تصور ہی سے دہشت ہونے لگتی تھی۔

ایک روز بستی کے سارے مرد سردار کی رہنمائی میں صحرا میں لئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو خبر ملی تھی کہ کوئی کارواں ادھر سے گزرنے والا ہے۔ میں بستی کے آخری کونے پر بیٹھا چند آوارہ کتوں کو لڑتے دیکھ رہا تھا کہ کہیں سے زینو ادھر آ نکلی۔

اس کی کھلی ہوئی آوارہ زلفیں بے حجابی سے سینے پر لہرا رہی تھیں۔ جھیل جیسی گہری

آنکھوں میں شوخی رچی ہوئی تھی۔ سیب جیسی رنگت والے گلابی رخساروں پر زندگی کی تازگی چھلک رہی تھی۔ میں اس سراپا حسن کو دیکھتے ہی بوکھلا کر اٹھ گیا۔

"تم بیمار ہو گئے تھے حسین؟" اس نے میرے قریب آ کر' میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

اس وقت پہلی بار' اسے قریب پا کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ "ہاں زینو! تمہارا باپ بہت ظالم ہے۔"

"کیوں؟" اس کی غزالی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں۔

معاً مجھے خیال آیا کہ ایک غلط بات میرے منہ سے نکل گئی ہے۔ زینو کے ادھورے مجسمے کا تذکرہ شاید میری موت کا بہانہ ہی بن جاتا۔ اس خیال کے تحت میں نے فوراً ہی بات بدل دی۔ "سنگ تراشی میری زندگی ہے زینو لیکن سردار جوبا کہتا ہے کہ میں صرف نخلستان میں ہی اپنا شوق پورا کر سکتا ہوں۔"

"ہاں! مانبی کہتا تھا کہ حسین کے مقدر میں وہ لکھا گیا ہے جو جبرین کے کسی آدمی کی قسمت میں نہیں ہے۔ اور بھی پتہ نہیں وہ بڈھا کیا کیا کہتا تھا۔" یہ کہتے کہتے اس کی آواز میں پرشوق تجسس پیدا ہو گیا۔ "تم پتھروں پر انسانوں کی شکل کھود سکتے ہو نا حسین؟"

"ہاں۔" میں نے پہلی بار اپنی فنکارانہ انا کی تسکین ہوتی محسوس کی اور میرا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

"میرا مجسمہ بناؤ نا!" اس نے ادھر ادھر دیکھ کر رازدارانہ آواز میں کہا۔

"نن.... نہیں زینو۔ تمہارا باپ مجھے بھیڑیوں سے نچوا دے گا۔" میں خوف زدہ آواز میں بولا۔

"میں تمہیں اچھی لگتی ہوں نا؟" وہ میرے اتنے قریب آ گئی کہ اس کے گرم گرم سانس میرے چہرے سے ٹکرانے لگے۔ مجھے اپنا دوران خون تیز ہوتا محسوس ہوا۔

"ہاں زینو!" میں نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر میرا مجسمہ بناؤ!" اس نے اپنا داہنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا۔

"چلی جاؤ زینو!" میں نے منہ پھیر لیا۔ اس روز مجھے پتہ چلا کہ دو جوان جسموں کی قربت کس ہیجان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ "تمہارا باپ پانچ سو قیراط سونا مانگتا ہے۔"

"چپکے چپکے بنا دینا۔ اسے خبر بھی نہ ہو گی!" زینو کی آواز میں التجا تھی۔

میں نے بے اختیار ہو کر اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور آنکھیں موند کر اپنا چہرہ اس کی کھلی ہوئی زلفوں میں چھپا لیا۔

ایک لمحے کے لئے اس نے کوئی تعرض نہ کیا پھر بوکھلا کر مجھ سے الگ ہو گئی اور چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"میں بنا دوں گا زینو مگر میرے اوزار مانبی کے پاس ہیں' سردار جوبا مجھے بستی میں سنگ تراشی کی اجازت نہ دے گا۔" میں نے اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پا کر کہا۔

"آج وہ مسافروں کو لوٹنے گیا ہے۔" زینو نے معصومانہ سادگی سے کہا۔ "شاید لڑکیاں بھی لائے گا پھر جشن ہوگا اور شراب کا دور چلے گا۔ شراب پی کر میرا باپ بہت خوش ہوتا ہے تم اسی وقت آ کر اس سے التجا کرنا وہ تمہیں اجازت دے دے گا۔"

"میں آؤں گا۔ میں آج ہی رات آؤں گا۔" میں نے زینو کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

اسی وقت آس پاس کوئی اونٹ بلبلایا اور زینو ہاتھ چھڑا کر ایک طرف بھاگ گئی۔

میرے پورے وجود پر ناقابل بیان لذت چھائی ہوئی تھی میں خود کو بہت بلند محسوس کر رہا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ زینو کے ساتھ تنہائی کی قربت اور اس کے لمس میں ایک نئی تسکین اور آسودگی محسوس کی تھی۔ مجھے پہلی بار اپنی اہمیت' اور اپنے چاہے جانے کا احساس ہوا تھا۔ میرا دماغ بالکل ہلکا ہو گیا تھا۔ اس وقت زینو نسیم سحری کے کسی خوشگوار جھونکے کی طرح میری خزاں آلود زندگی میں احساسات کی نئی بہار بکھیرتی چلی گئی تھی۔

میں سرشام ہی بستی کی اس ٹکڑ پر آ بیٹھا جدھر سے گزر کر سردار جوبا کو بستی میں داخل ہونا تھا۔

جب دن بھر کے مشقت آزما سفر کے بعد مشرق کا شہنشاہ تھکے ماندے انداز میں مغربی افق پر الوداعی لہریئے بکھیرتا روپوش ہو رہا تھا تو صحرا میں ایک جانب غبار کا طوفان اٹھتا نظر آیا جو تیزی سے جبرین کی بستی کی طرف آ رہا تھا۔

میرا دل بے اختیار تیزی سے دھڑک اٹھا اور میں مستعد ہو کر بیٹھ گیا۔

آہستہ آہستہ اس غبار کی اوٹ سے مجھے سردار جوبا کی اونٹنی نظر آئی اور ذرا ہی دیر بعد فضا اونٹوں کے [illegible]' سردار کے حواریوں کے وحشیانہ نعروں اور کاروان سے اٹھائی ہوئی

لڑکیوں کی دلدوز آہ و زاری سے کانپنے لگی۔

میں اپنی جگہ کھڑا اونٹوں پر لدے اس مال و زر کو دیکھتا رہا جو سردار جوبا نے اس معرکے میں لوٹا تھا۔ میں نے ان تین ہراساں لڑکیوں کو بھی دیکھا جنہیں ان کے ہمراہیوں سے چھین لیا گیا تھا اور جن کے بدن آج کی رات سردار جوبا کے حواری مقدس آگ سے داغنے والے تھے۔

قزاقوں کی یہ ٹولی جب غبار کے بادل اڑاتی اور وحشیانہ نعرے مارتی بستی میں داخل ہو گئی اور غبار کا طوفان دھندلانے لگا تو میں بھی نپے تلے قدموں کے ساتھ بستی میں چل دیا۔

اپنے گھر کی طرف لوٹتے ہوئے میں دانستہ سردار جوبا کے خیمے کے نزدیک سے گزرا۔ جیسے ہی نگاہیں خیمے پر پڑیں' ایک کھڑکی کی اوٹ سے زینو کا مسکراتا ہوا چہرہ [illegible]یا۔ اس نے میری طرف ہاتھ لہرایا اور فوراً ہی پردہ گرا دیا۔۔ میں نے چوری کے احساس کے ساتھ اردگرد خوشی سے چیختے چلاتے ہوئے لوگوں کی جانب دیکھا لیکن ان میں سے کسی نے زینو کو مجھے اشارہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سب خونخوار اور وحشی بھیڑیوں کی طرح لوٹ کا مال تقسیم ہونے کے منتظر تھے۔

رات کا پہلا پہر شروع ہونے تک مجھے انتظار کرنا پڑا۔ پھر رات کے سناٹے میں سردار جوبا کے خیمے کی جانب سے بدمست قہقہے گونجنے لگے تو میں ایک دم نئے عزم کے ساتھ اس کی جانب بڑھنے لگا۔

ابھی میں سردار کے خیمے سے ذرا ہی دور تھا کہ فضا میں کئی دہشتناک نسوانی چیخیں تیر گئیں۔ اسی کے ساتھ وحشیانہ قہقہوں کی ایک تیز لہر ابھری اور میں سمجھ گیا کہ ان لڑکیوں کی آبرو کو داغدار کرنے کے لئے ہوسناک عزائم پوری تندہی سے بیدار ہو چکے ہیں۔

سردار کے خیمے پر پہنچ کر میں چند ثانیوں کے لئے ٹھٹکا اندر سے دیسی شراب کے تیز بھبکے اڑ رہے تھے۔ ساتھ ہی قہقہوں کا شور بھی گونج رہا تھا۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہو گیا۔ میرے لئے سردار جوبا کی کسی خاص محفل میں جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔

اندر کسی نے مجھ پر توجہ نہ دی۔ وہاں کا رنگ ہی عجیب تھا۔ صحرا سے اٹھا کر لائی جانے والی دو لڑکیاں سہمی سہمی لگ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں شراب سے بھری مٹی کی

صراحیاں تھیں اور وہ باری باری وہاں موجود تیس پینتیس آدمیوں کے جام بھرتی جا رہی تھیں۔ ان کے لباس بری طرح نوچے جا چکے تھے اور وہ بار بار اپنا بدن سمیٹنے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں۔ ان کے ننگے بازوؤں اور رخساروں پر لمبی لمبی خراشوں سے خون رس رہا تھا۔ جن سے صاف ظاہر تھا کہ وہاں موجود لوگ دست درازیوں سے بھی گریز نہیں کر رہے تھے۔

وسط میں تیسری لڑکی ناچ رہی تھی۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے جلا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر دہشت کی سیاہی ناچ رہی تھی اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور وہ فریاد طلب نگاہوں سے باری باری ہر ایک کی طرف دیکھتی تھی لیکن بے سود۔ وہ لوگ انسانیت اور رحم کو اسی طرح صحرا کی ریت میں دفن کر چکے تھے جیسے میں نے زینو کے ادھورے مجسمے کو نخلستان میں دفن کر دیا تھا۔

سردار جوبا کی مسند کے قریب چندھیائی ہوئی آنکھوں والا بوڑھا مانینی ایک سلگتی ہوئی مشعل تھامے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس پوری محفل میں وہ واحد شخص تھا جو شراب سے شغل نہیں کر رہا تھا۔

"بول لڑکی۔۔۔ رات گزرتی جا رہی ہے!" اچانک سردار جوبا نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں ناچنے والی کو مخاطب کیا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔" اس نے دلی کرب کے ساتھ مچل کر کہا۔

مانینی زیر زبان کچھ بدبداتا اپنی جگہ سے اٹھا۔

"نہیں نہیں۔" لڑکی دونوں ہاتھ پھیلا کر چیختی ہوئی پیچھے سرکنے لگی۔

بوڑھا مانینی کسی خونی عقاب کی طرح اس سہمی ہوئی چڑیا کی طرف بڑھتا رہا اور لڑکی پیچھے سرکتی رہی۔ اچانک لڑکی کے عقب میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے سردار جوبا کا دست راست اٹھا اور اس نے بے دردی سے لڑکی کو مانینی کی جانب دھکیل دیا۔

لڑکی زور سے چیخ مار کر وسط میں آ گری۔ مانینی نے اس کی گردن پر اپنا داہنا پیر رکھا اور بلند آواز میں کچھ نامعلوم بول پڑھتے ہوئے سلگتی ہوئی مشعل اس نوخیز لڑکی کے سینے سے لگا دی۔

فضا اس کی دلدوز چیخوں سے دہل اٹھی۔ کپڑوں کے ساتھ ہی گوشت جلنے کی ہلکی سی

چاند ابھری اور مانیٹی اس لڑکی کو تڑپتا چھوڑ کر اس اعتماد سے اپنی جگہ پر واپس چلا گیا جیسے وہ کوئی مقدس فریضہ ادا کر کے آیا ہو۔

"ناچو!" سردار جوبا نے اپنے جام میں بچی ہوئی شراب اس بدنصیب لڑکی پر اچھال کر کہا اور وہ مشینی انداز میں اٹھ کر ناچنے لگی۔

میں دم بخود اپنی جگہ پر کھڑا یہ شیطانی کھیل دیکھ رہا تھا۔

اچانک مانیٹی اپنی جگہ پر اچھل کر کھڑا ہوا اور چلایا! "خاموش۔۔۔ میں ایک اجنبی بو سونگھ رہا ہوں۔"

فوراً ہی خیمے میں ایک بھیانک اور بوجھل سکوت چھا گیا۔

مانیٹی نے کسی شکم سیر گھوڑے کی طرح نتھنے پھلا کر چند گہرے گہرے سانس لئے پھر مسکرا کر سردار جوبا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "سردار جوبا۔۔۔ آج تیرے چرواہے کا منہ بولا لڑکا حسین بالغ ہو گیا ہے وہ اس وقت خیمے میں موجود ہے۔"

سردار کی قہر بار نگاہیں فوراً ہی مجھ پر آ پڑیں۔ "نکل جا حسین یہاں سے۔ ابھی تجھے کسی لڑکی میں حصہ نہیں ملے گا۔ اس محفل میں آنے کا حق صرف بستی کے بالغ مردوں کو ہے اور تو ابھی کمسن ہے۔ فوراً اس محفل سے چلا جا۔ سورج کی روشنی پھیلنے سے پہلے' تیرا حق تیرے خیمے کے دروازے پر ڈال دیا جائے گا۔"

"لڑکی نہیں چاہئے سردار۔" میں خود پر قابو پاتے ہوئے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ابھی تیری ماں زندہ ہے۔ مال بھی تجھے نہیں اس کو ملے گا۔" سردار میری بات پوری ہونے سے پہلے چیخا۔

"سردار۔" میں رو دینے والی آواز میں بولا۔ "مانیٹی بابا سے میرے اوزار ولا دو اور مجھے بستی میں ہی سنگتراشی کی اجازت دے دو۔"

"نکل جا۔ کل کا سورج تیرے لئے یہ دونوں خبریں لے کر طلوع ہو گا۔" سردار نے جام کو فضا میں گردش دی اور مانیٹی کو اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھ کر لڑکی کو مشعل سے داغے۔

مانیٹی تقدس کا انداز لئے آگے بڑھنے لگا۔ میرے قدم بھی جم کر رہ گئے۔ سردار مجھے میری کامیابی کی نوید دے کر اب پوری طرح رقاصہ کی طرف متوجہ تھا جو بہت زیادہ دہشت زدہ لگ رہی تھی۔

جیسے ہی مانیٹی اس کے قریب پہنچا وہ پوری قوت سے چیخ پڑی اور سردار جوبا کے قدموں میں جا گری۔

میں اس سے آگے وہاں رکنے کی جرات نہ کر سکا اور باہر آ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ سردار جوبا کے حواری اب باقی ماندہ لڑکیوں کو لے کر کھلے میدان میں نکل جائیں گے اور وہاں ان کے ساتھ وہی کہانی دہرائی جائے گی جو سردار کو پسند آنے والی لڑکی کا مقدر بنی تھی۔ ان کے بدن بھی تھوڑی دیر بعد سلگتی ہوئی مشعلوں کی مقدس آگ سے داغ دار کئے جانے والے تھے۔

اس وقت میرے دل و دماغ پر عجیب سی جذباتی کیفیت طاری تھی۔ پورے وجود پر ہیجان سا چھایا ہوا تھا۔ زینو سے دو دو باتوں اور اظہار محبت کی نشاط انگیز یاد' بوڑھے مانیٹی سے اپنے اوزار واپس مل جانے کی مسرت اور بستی ہی میں سنگتراشی شروع کر دینے کی اجازت نے مجھے مسرت سے دیوانہ کر دیا ہوتا اگر مجھ پر ان بے گناہ اور حسین لڑکیوں کے چہروں کے اندوہناک کرب نے گہرے نقوش نہ چھوڑے ہوتے۔

میں جوبا کے نشاط انگیز خیمے سے نکل کر ذرا ہی دور گیا تھا کہ صحرا کی ریتلی زمین دوڑتے ہوئے قدموں کی گونج سے دھمکنے لگی۔ فضا درندوں سے مشابہ انسانی چیخوں سے لرز اٹھی۔ میں تیزی سے پلٹا تو وہی منظر سامنے تھا جس کے اندیشے سے میں مضطرب تھا۔

بدنصیب کارواں سے اٹھا کر لائی جانے والی دونوں لڑکیاں وحشی ہرنیوں کی طرح دوڑی چلی آ رہی تھیں۔ انہیں تین سمتوں سے سردار جوبا کے بدمست حواریوں نے اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا۔ ان سب کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں دبی ہوئی تھیں جنہیں وہ بار بار لڑکیوں کی جانب بڑھاتے تھے اور جب لڑکیاں وحشت ناک چیخیں مارتی ہوئی آگے بڑھتیں تو وہ ہم آہنگ ہو کر بھوکے بھیڑیوں جیسی غراہٹوں کے انداز میں ہنس پڑتے۔

اس جلوس کو دیکھ کر میں آہستگی سے ایک طرف سرک گیا مجھے علم تھا کہ شراب کے خمار نے ان سب کے ذہنوں سے انسانیت اور شرافت کی آخری رمق تک کشید کر لی ہے' ان کی آنکھوں کے سامنے صرف ہوس کے رنگین لہریئے ناچ رہے ہیں۔ وہ اپنی رفتار کی تیزی میں مجھے روندتے ہوئے یوں گزر جائیں گے جیسے میں انسان نہیں' اس عظیم صحرائی ریت کا کوئی حقیر سا ذرہ ہوں۔ پھر میری زینو اپنی محبت کی کلیاں کھلنے سے پہلے کرب و بیچارگی

کے ہجوم میں گھر جائے گی، اس کا ادھورا سنگی مجسمہ نخلستان کی ریت میں دبا رہ جائے گا اور میری منہ بولی ماں اپنے سر میں خاک ڈالتی، مقدس الاؤ پر پہنچ کر اپنی زلفیں جلا لے گی کیونکہ یہی اس بستی کی ریت تھی۔ ہر لاوارث عورت کو اپنی علامت کے طور پر اپنے بال جلانے پڑتے تھے۔ پھر اس عورت کو گھر سے نکال کر بستی کی چوپال میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ جہاں ہر مرد اپنی مرضی کے مطابق اس کے جسم اور جذبات سے کھیل سکتا تھا۔ جبرین والوں میں لاوارث ہونا بھی بڑا جرم تھا۔

میں اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا، سہما ہوا سا ایک طرف کھڑا رہا۔ میری نگاہیں اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے اس جلوس پر جمی رہیں۔ وہ سب مجھ سے ذرا دور نکل کر کھلے میدان میں ٹھہر گئے اور وہ دونوں خراب نصیب لڑکیاں ان کے نرغے میں پھنس کر رہ گئیں اس کے بعد ان لوگوں نے پھرتی کے ساتھ اپنی مشعلیں ایک جانب پھینک دیں۔ دہکتے ہوئے سرخ شعلوں کی لمبی لمبی زبانیں لہرا کر فضا میں کافی بلندی تک لپکیں اور میں لڑکیوں کی دبی دبی سی چیخیں سن کر لرز اٹھا۔

"تمہیں اپنے دیوتاؤں کی قسم ہمیں اذیت نہ دو، ہمارے جسم اب تمہارے ہیں۔" ان میں سے ایک لڑکی حوصلہ کر کے کربناک اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ اسکے لہجے میں اذیت، بے چارگی اور دہشت کا ایسا عبرتناک امتزاج تھا کہ میں پھر وہاں نہ رک سکا میں جانتا تھا کہ ایسے ہی دو چار فقرے میرے وجود کو ہلا کر رکھ دیں گے اور میں بے قابو ہو کر ان مظلوم لڑکیوں کی حمایت میں جبرین کے سفاک قزاقوں کے مقابلے میں کود پڑوں گا جس کا انجام مجھ پر بخوبی واضح تھا۔

چلتے چلتے میں نے جبرین والوں میں سے کسی درندے کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز سنی۔ اس کا لہجہ طنز و استہزاء سے بھرپور تھا۔ "تمہارے شباب کی کلیوں کو مسلنے سے پہلے ہم تمہارے بدن مقدس آگ سے داغدار کریں گے پھر تمہاری روحیں تک ہماری غلام ہو جائیں گی تم ہتھیار ڈال کر ہم پر احسان نہ کرو۔"

میں اس ہنگامے کو عقب میں چھوڑ کر جلدی جلدی اپنے جھونپڑے پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی ہوا کے دوش پر اس ہجوم کا ڈوبتا ابھرتا شور سنائی دے رہا تھا۔

"کہاں تھا میرے لعل؟" میری منہ بولی ماں بے چینی کے ساتھ میری منتظر تھی۔

"میں سردار جوبا سے اپنا حق لینے گیا تھا۔" میں نے نفرت اور غصے بھرے لہجے میں کہا اور سیدھا اپنے بستر پر جا گرا۔

اس وقت غصے کی شدت اور اپنی بے بسی کے باعث میں قابل رحم گھٹن میں مبتلا ہو کر رہ گیا تھا۔

"حق؟" میری ماں نے حیرانی کے ساتھ دہرایا۔ "تو جبرین کی مٹی سے تو پیدا نہیں ہوا ہے لیکن ہوش یہیں سنبھالا ہے، تو جانتا ہے کہ سردار کے خلاف ایسی باتیں کرنا موت کے نتھنوں میں ہاتھ ڈال دینے کے برابر ہوتا ہے!" اس کا لہجہ سرگوشیانہ تھا اور اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

"موت!" میں نے غصے کے عالم میں بے اختیار اپنے بال نوچ ڈالے۔ "جاؤ ماں، ذرا میدان میں جا کر ان لڑکیوں کو دیکھو، جو آج رات ہر پل مر مر کر بھی زندہ رہیں گی۔ وہ پینتیس چالیس سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ شاید صبح کا سورج ان کی خون میں نہائی ہوئی لاشوں پر ہی اپنی کرنیں بکھیرے گا۔"

مامتا اور روایات کے دوراہے پر پھنسی وہ عورت میرے اس اجنبی انداز گفتگو پر ہکا بکا رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے اس قدر کشادہ ہو گئے کہ آنکھیں پیشانی پر چڑھی ہوئی نظر آنے لگیں۔ وہ چند ثانئے تک مجھے یوں ہی دیکھتی رہی پھر دونوں ہاتھوں سے سینہ تھام کر اپنے بستر پر جا گری۔ اس کا سانس اس قدر تیز چل رہا تھا جیسے وہ میلوں دور سے دوڑتی چلی آ رہی ہو۔

میں نے آنکھیں بھینچ کر کروٹ بدل لی۔ لیکن اضطراب کسی طرح کم نہ ہوا۔ بلکہ آنکھیں بند کرتے ہی ذہن میں ان مظلوم لڑکیوں کی متوقع حالت زار کا نقشہ گھومنے لگا۔ جنہیں جبرین کے درندے ایک دوسرے کے سامنے سر میدان اپنے ہوس ناک عزائم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے والے تھے۔

کچھ دیر اسی عالم میں گزری پھر آہستہ آہستہ میرا غصہ احساس بے بسی میں ڈھلنے لگا اور میں نے سکون قلب کی خاطر سردار جوبا کی حسین اور جوان لڑکی زینو کے تصوراتی ہیولے پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

رات دھیمے دھیمے سرکتی رہی۔ میں کروٹیں بدل بدل کر مضمحل سا ہو گیا۔ ہوا کے دوش

پر وقفے وقفے سے ابھرنے والی آوازوں میں آسودگی سی جھلکنے لگی تھی۔

نہ جانے رات کے کس سمے میری آنکھ لگ گئی اور میں نے خواب میں اسی خوبصورت دلنواز بدن' شیریں لحن' دراز قامت اور پر متانت دوشیزہ کو قرون اولیٰ کی شہزادیوں کے لباس میں دیکھا جس کی جھلک میں نے ایک رات نخلستان میں مانینی کے خیمے پر دیکھی تھی اس کے سر پر قدرے ترچھا ٹکا ہوا طلائی تاج اس کے چہرے کی شگفتگی اور چمک کے سامنے ماند پڑ ہوا تھا۔ وہ بڑے بے حجابانہ اور دلنواز انداز میں میری طرف دیکھ کر خمار آلود مسکراہٹ کے تیر چلا رہی تھی۔

"تت..... تم کون ہو؟" میں نے عالم خواب میں ہکلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"میں نیل کی ایک بدنصیب شہزادی ہوں۔" وہ یک بیک افسردہ سی نظر آنے لگی۔

"بدنصیب!" میں نے تقریباً کراہتے ہوئے کہا۔ اس کی افسردگی سے میرے دل پر چوٹ سی لگی تھی۔

اس نے پروقار اور غمگین انداز میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "میں اپنے دور میں بنت نیل کے نام سے دور دور تک مشہور تھی اور میرا باپ اس وادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حکمراں تھا لیکن آج میں بدنصیب ہوں۔ مانینی کی غلام!"

مانینی کا نام سنتے ہی میں چونک پڑا۔ "تو تم اس کے نخلستان میں رہتی ہو۔"

وہ آہستہ سے ہنسی جیسے بزرگ کسی بچے کی معصومانہ سادگی پر مسکرا دیتے ہیں۔ "اس کا خیمہ میرا زنداں ہے۔ آج کی رات وہ سردار جوبا کی خلوت میں لائے جانے والی نئی لڑکی کو انگاروں کا مقدس غسل دینے میں مصروف ہے اس لئے میں چوری سے باہر نکل آئی ہوں تم پہلے مرد ہو جس کی خاطر میں نے مانینی سے دھوکا کیا ہے۔"

"میری شہزادی۔" میں یہ کہہ کر بازو فضا میں پھیلائے والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا اور اسی وقت میرے شانے پر ایک شدید ضرب پڑی۔

میں ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔ درد کی ایک شدید ٹیس میرے داہنے شانے میں تیر رہی تھی۔ میں ایک ہاتھ سے شانہ سہلاتا' آنکھیں پھاڑتا بستر سے اتر پڑا۔

نیچے آتے ہی میری نظر نحیف و ناتواں بڈھے مانینی پر پڑی اور میں حیرت کے باعث [illegible] تک [illegible] لیا۔

میں عالم خواب سے جیتی جاگتی دنیا میں آ چکا تھا۔ بنت نیل کا مظلوم اور معصوم پیکر کہیں نہ تھا۔ ہاں غصے میں بپھرا ہوا مانینی آہنی شام والی چھڑی ہاتھ میں دبائے میرے سر پر سوار تھا۔ اس کے جھریوں بھرے چہرے کی رگیں غصے سے پھولی ہوئی تھیں۔ ہونٹوں کے گوشے تیزی سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں کے پپوٹے بار بار کھل اور بند ہو رہے تھے۔ اس کا چیتھڑوں میں لپٹا ہوا کمزور بدن بید مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا اور چھڑی والا ہاتھ کسی بھی لمحے دوسرا وار کرنے کے لئے تیار تھا۔

"بول طوسیہ کہاں ہے؟" بڈھے نے غیض و غضب سے لرزتے ہوئے آہنی شام والی چھڑی سے مجھ پر وار کرتے ہوئے پوچھا۔

میں اگر اچھل کر ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو یقیناً میرے بائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔

میں نے سراسیمہ اور خوفزدہ نظروں سے مانینی کے مشتعل چہرے کی طرف دیکھا اور پھنسی پھنسی آواز میں اس سے پوچھا۔ "کون طوسیہ مانینی بابا؟"

"بدمعاش!" مانینی دانت پیس کر پھر میری طرف لپکا۔ "میں تیرے جھونپڑے میں اس کی بو سونگھ رہا ہوں۔ کیا یہ غلط ہے کہ وہ تیرے خواب میں آئی تھی؟"

اس کا لہجہ قہر بداماں تھا اور وہ خود نتھنے پھلا پھلا کر میرے جھونپڑے میں کوئی مخصوص اور مانوس بو سونگھ رہا تھا۔ صبح کے دھندلکے میں میری منہ بولی ماں بدستور اپنے بستر پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے بے چارگی کے ساتھ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں مانینی کی طرف دیکھا اور اسی وقت مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ اسی حسین شہزادی کے بارے میں استفسار نہ کر رہا ہو جو میری تشنہ بانہوں سے چند قدم دور رہ گئی تھی اور عالم خواب میں خود کو بنت نیل کہہ کر مجھ سے متعارف کرایا تھا۔

"تم بنت نیل کی بات تو نہیں کر رہے مانینی بابا؟" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا۔

"ہاں میں اسی لڑکی کو پوچھ رہا ہوں..... وہ میرے خیمے سے غائب ہے!" وہ جھلائی ہوئی آواز میں دہاڑا۔ "میں اس کی بو کا تعاقب کرتا تیرے خیمے تک پہنچا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کافی دیر یہاں رہی ہے۔"

"میں نے خواب میں اسے دیکھا تھا۔" میں نے بے چارگی کے ساتھ ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"تیری یہ مجال!" بڈھا اچھل کر مجھ پر آ پڑا اور میں اپنی پوری کوشش کے باوجود اس عیار چیتے کی زد سے نہ بچ سکا۔ "تو مانیتی کی باندی کے خواب دیکھتا ہے۔"

مانیتی نے میرے سنبھلنے سے قبل ہی پے در پے میرے جسم پر چھری سے کئی ضربیں لگائیں۔ پھر کسی جونک کی طرح میرے بدن سے لپٹ پڑا میں نے استخوانی ڈھانچے سے نجات پانے کے لئے اپنا سارا زور صرف کر دیا لیکن ناکام رہا۔ وہ وحشت اور جنون کے عالم میں میرا بدن نوچ رہا تھا اور بے تحاشا گھونسے برسائے جا رہا تھا۔

"آج مجھے پہلی بار اپنے لگے بندھے راستے سے ہٹ کر تیرے ناپاک جھونپڑے میں آنا پڑا ہے۔" مانیتی ہانپتے ہوئے غرا رہا تھا۔ "تو طوسیہ کو ورغلانا چاہتا ہے لیکن یاد رکھ کہ میری نادیدہ قوتیں جبرن کے ہر باسی کے سر پر حاوی ہیں۔ میں تجھے جلا کر خاک کر دوں گا' تیرا دماغ الٹ دوں گا اور تو خارش زدہ کتے کی طرح اس بے رحم صحرا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مارا مارا پھرتا رہے گا۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟" میں اس کے وحشیانہ اور تند و تیز حملوں سے گھبرا کر چیخ اٹھا۔ "وہ خود ہی میرے خوابوں میں آئی تھی۔"

"خاموش بے لگام---!" مانیتی نے پوری قوت سے میرے منہ پر تھپڑ مار کر کہا۔ "مانیتی کے سامنے اونچی آواز میں بولنے والوں کو جبرن میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہوتا۔"

میں نے اپنے منہ میں' اپنے کٹے ہوئے ہونٹ سے تازہ خون کی گرم گرم لکیریں بہتی محسوس کیں۔ میں نے اس بوڑھے کو زیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر وہ مجھ پر بری طرح حاوی ہو چکا تھا۔ اس سے پہلی بار مقابلہ کرتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے لاغر بدن میں کسی خبیث گینڈے کی روح گھسی ہوئی ہے۔

"میں جا رہا ہوں۔" آخر کار مانیتی مجھے فرش پر دور دھکیلتے ہوئے غرایا۔ "اگر طوسیہ نخلستان میں میرے خیمے میں نہ ہوئی تو میں تجھے زندہ درگور کر دوں گا۔"

میں نفرت اور حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

دروازے تک پہنچ کر وہ ایک بار پھر میری طرف پلٹا۔ "اگر تیرے سوا کسی کو بھی طوسیہ

کی کہانی کا علم ہوا تو وہ تیری زندگی کا آخری سانس ہو گا۔"

پھر وہ تیزی کے ساتھ چلا گیا۔

میں غصے سے بے حال کئی منٹ تک ریتلی زمین پر پڑا رہا' پھر اٹھ کر اپنے سراپا کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ میرا بدن کئی جگہ سے زخمی ہو چکا ہے۔ میں بے بسی کے احساس کے ساتھ اپنے ہونٹ کاٹتا بے خیالی کے عالم میں جھونپڑے سے باہر نکل آیا' جبرن کی روایات کے خلاف! وہاں والے سورج طلوع ہونے سے قبل اپنے گھروں سے باہر ہرگز نہیں نکلتے۔

باہر آتے ہی میری نظریں ایک طرف پڑے ہوئے اپنے اوزاروں پر پڑیں۔ میرے سنگ تراشی کے اوزار کیچڑ میں لتھڑے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی میں اپنی ساری تکلیف بھول گیا غصے کی لہر مسرت میں بدل گئی۔ میری زندگی لوٹ چکی تھی۔ سردار جوبا نے سورج طلوع ہونے سے قبل ہی اپنا عہد پورا کر دیا تھا۔

میں نے وہ اوزار اٹھا کر بے اختیار اپنی چھاتی سے لگا لئے اور بے بسی کے ان لمحات میں خوشی سے میری آنکھیں نم ناک ہو گئیں اوزار مل جانے کے بعد میں جبرن میں اپنی زندگی کا ایک نیا سورج ابھرتا محسوس کر رہا تھا جس میں میرے لئے فنکارانہ آسودگی کا پیغام رچا ہوتا۔

میں نے عقیدت' محبت اور احترام کے ساتھ اپنے تمام اوزار صاف کر کے جھونپڑے میں ایک طرف رکھ دیئے پھر اپنی منہ بولی ماں کی طرف متوجہ ہوا جو ابھی تک بستر پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ پھر اسے بلایا اور اس کا بدن کسی بے جان' اینٹھے ہوئے لاشے کی طرح جنبش کر کے رہ گیا۔ میرے دل میں ایک وسوسے نے سر ابھارا اور میں نے اس کے دل کی دھڑکنیں محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود--- وہاں موت کا بھیانک سکوت اور جمود طاری تھا۔

میں نے اپنی ماں کے سرد اور بے جان رخسار پر ایک طویل بوسہ دیا اور دل گرفتہ انداز میں ایک صندوق میں سے سرخ رنگ کا مخصوص پرچم نکال کر جھونپڑے پر لہرا دیا جو اس بات کی علامت تھی کہ اس جھونپڑے میں کسی کی موت واقع ہو گئی ہے۔

سورج کی پہلی کرنیں طلوع ہوتے ہی بستی زندگی کے شور سے گونج اٹھی اور تھوڑی ہی دیر میں بستی کے لوگ چہروں پر سوگ کا تاثر لئے میرے جھونپڑے پر پہنچنے لگے۔ ہر آنے والا ریت کی چٹکی میرے سر میں ڈال کر روایتی انداز میں اپنے سوگ اور ہمدردی کا

اظہار کرتا رہا اور میں کھوئے کھوئے انداز میں خلا میں گھورتا رہا۔ اس وقت طوبیہ کا حسین اور نشاط انگیز پیکر میرے احساسات پر چھاتا جا رہا تھا۔ منہ بولی ماں کی ناگہانی موت کا صدمہ کہیں لاشعور کی گہرائیوں میں جا سویا تھا۔

اچانک مجھے طوبیہ نظر آئی۔ اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکان لئے ہوئے۔ جھونپڑے میں جمع ہونے والے ہجوم کے عقب میں وہ قدرے اونچی نظر رہی تھی جیسے کسی اونچے پتھر پر کھڑی ہوئی ہو۔ اسے دیکھتے ہی میرے ہونٹ غیرارادی طور پر دائرے کی صورت میں سکڑ گئے، خون کا دوران بدن میں تیز سنسناہٹ پیدا کرنے لگا۔ میں بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ آنے والوں میں بیشتر لوگ میری منہ بولی ماں کی لاش کے گرد جمع تھے۔ چند کی نظریں مجھ پر پڑیں اور وہ متاسفانہ انداز میں سروں کو جنبش دے کر رہ گئے۔ ان کی دانست میں میری یہ ہیئت اس شفیق عورت کی وفات کا رد عمل تھی جس نے بے رحموں کی سرزمین جبرین پر مجھے ماں کا سچا پیار دیا تھا۔

ادھر طوبیہ یونہی خواب ناک انداز میں مسکرائے جا رہی تھی۔ مجھے اٹھتا دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹوں پر انگشت شہادت رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر ہاتھ کی جنبش سے مجھے باہر آنے کی دعوت دیتی واپس مڑ گئی۔

میں دیوانوں کے سے انداز میں لوگوں کے ہجوم میں سے نکل آیا۔ طوبیہ پروقار انداز میں ایک طرف چلی جا رہی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ بستی والوں میں سے کسی کی ہوسناک نگاہیں اس توبہ شکن دوشیزہ پر نہ پڑیں۔ مجھے خیال آیا کہ شاید طوبیہ اپنی پراسرار قوتوں کے سہارے میرے سوا ہر ایک کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اسی لئے اطمینان کے ساتھ جبرین کے بھوکے بھیڑیوں کے ہجوم میں گھس آئی تھی۔

میں نے اس کے قریب ہو جانے کی کوشش میں اپنے قدموں کی رفتار تیز کی اور اسی تناسب سے طوبیہ کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ میں وفور شوق اور جوش سے بے تاب ہو کر اس کے پیچھے لپکا۔ وہ ایک لمحے کے لئے پیچھے مڑی اور اس کی مدھر آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔ کسی گنگناتے ہوئے مترنم پہاڑی جھرنے کی طرح۔

"میرے پیچھے چلے آؤ..... کھجوروں کے جھنڈ تک!"

ہم دونوں اسی طرح دوڑتے رہے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے بے پایاں محرومی کے عالم

میں دنیا کی تمام تر مسرتیں بیک وقت میری گود میں آ گری ہوں۔ میں بے پناہ خوشی کے باعث مانیتی کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔ جس نے صبح سویرے ہی طوبیہ کے بارے میں مجھے خاصی تلخ اور تکلیف دہ سرزنش کی تھی۔ میں اپنے کٹے ہوئے ہونٹ اور چیختے ہوئے زخموں کو بھی بھول چکا تھا۔ اس وقت مجھ پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح طوبیہ کے قریب پہنچ سکوں۔

دوڑتے دوڑتے جب سورج کی روشنی میں لہلہاتے، نخلستان کے درخت نظر آئے تو مجھے ذہنی جھٹکا سا لگا۔ طوبیہ مجھے مانیتی کے نخلستان کی جانب لئے جا رہی تھی۔ ایک ثانئے کے لئے مجھے شبہ ہوا کہ کہیں مانیتی نے طوبیہ کا راز چھپائے رکھنے کے لئے مجھے طوبیہ ہی کے ذریعے نخلستان کی جانب نہ بلایا ہو اور میرے وہاں پہنچتے ہی مجھے ہلاک کر دینے کی نیت رکھتا ہو۔ اسی وقت طوبیہ نے سر گھمایا اور اس کے چہرے کی معصومانہ چمک نے پل بھر میں میرے اس موہوم اندیشے کو جلا کر خاک کر دیا۔ میں مانیتی اور اس کے اندھے انتقامی جذبے کو فراموش کر کے پوری قوت سے طوبیہ کے پیچھے دوڑتا رہا۔

ذرا ہی دیر میں طوبیہ کچی منڈیروں کو پھلانگتی سبزیوں کی کیاریوں میں داخل ہوئی اور انہیں عبور کر کے پل بھر میں ہی کھجور کے درختوں کے ایک گھنے کنج میں روپوش ہو گئی۔ جب میں اس جھنڈ میں داخل ہوا تو طوبیہ ایک اونچے درخت کے تنے سے ٹکی اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو پانے کی نڈھال کوششیں کر رہی تھی۔ اس کے رخسار دوران خون کی تیزی سے رس بھرے اناروں کی طرح دہک رہے تھے۔ اس کی بلوریں آنکھوں کی چمک میں خلوص اور چاہت کی نیلی جھیل لہریں لے رہی تھی۔

اس کے قریب پہنچنے سے قبل میرے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ میں سوچتا رہا تھا کہ اس کے قریب جاتے ہی والہانہ انداز میں اس سے ہم آغوش ہو کر اس کے رس بھرے ہونٹوں سے مٹھاس چرا لوں گا اور جب وہ شرما کر سر جھکائے گی تو اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر کھلے الفاظ میں اپنی محبت کا بھرپور اظہار کر دوں گا لیکن کھجوروں کے اس فلک بوس کنج میں گھستے ہی میرے سارے عزائم ریت کے گھروندوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔ رعب حسن سے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ہم آغوشی تو کجا میں اس پروقار شہزادی کو چھونے تک کی ہمت نہ کر سکا۔ خواب میں نظر آنے والے دھندلائے ہوئے پیکر کے مقابلے میں اس کا جیتا

جاگتا وجود کہیں زیادہ حسین تھا۔ طوسیہ کے زندہ جسمانی روپ کو دیکھ کر میرے سارے تصورات ماند پڑ گئے۔ وہ حسن کا ایک ایسا مرقع تھا جس کے معیار تک میرے فنکارانہ تخیل تک کی رسائی نہیں ہو سکی تھی۔ اس کا شباب' انداز کی فسوں کاری' بدن کا گداز' خد و خال کا تیکھا پن' رعنائی کی اس منزل پر تھا جہاں طائر خیال تک کے پر جلتے تھے۔
اس کا ڈھیلا ڈھالا بیش قیمت لبادہ دوڑتے رہنے کے باعث شانوں سے ذرا نیچے ڈھلک آیا تھا اور اس کے دراز گیسو طلائی تاج کے نیچے سے نکل کر گستاخانہ انداز میں پیشانی پر آوارہ ہو گئے تھے۔

میں کئی منٹ تک ششدر و مبہوت کھڑا اس لاہوتی پیکر جمال کو دیکھتا رہا جس نے میرے بربط دل کے نازک ترین تاروں میں لطیف ارتعاش پیدا کر دیا تھا اور اس کی مسکراتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر جمی رہیں۔

”طوسیہ.... طوسیہ تم کس قدر حسین ہو!“ آخر کار میرے لب کانپے اور میں نے تحسین کے جذبے میں ڈوب کر اس کو مخاطب کیا۔

اس نے بڑی ادا کے ساتھ گردن کو قدرے خم کیا اور درخت کے تنے سے ہٹ کر متحیرانہ سرگوشی میں بولی۔ ”تمہیں میرا نام کس نے بتایا حسین؟“

اچانک میری کھوپڑی میں دھماکہ ہوا۔ اس کے سوال نے مجھے مانینی..... نیم اندھا اور پراسرار مانینی یاد ولا دیا جس نے طوسیہ کی خاطر مجھے سزا دی تھی اور جس کے نخلستان میں' میں اس وقت موجود تھا۔

”سورج نکلنے سے پہلے مانینی میرے جھونپڑے پر آیا تھا۔“ میری آواز یک بیک مضمحل ہو گئی ”اسے تمہاری تلاش تھی۔ رات تم میرے خواب میں آئی تھیں اور مانینی نے مجھے اس کی کڑی سزا دے ڈالی۔“

”مانینی!“ وہ مٹھیاں بھینچ کر نفرت و حقارت کے ساتھ بولی پھر اس کی نظریں میرے زخموں سے پھسلتی پھٹے ہوئے ہونٹ پر جا ٹھہریں۔ ”وہ اس زمین کا بوجھ ہے حسین۔“

”اور تم اس کی قیدی ہو!“ میرے لہجے میں کرب سمٹ آیا۔

”ہاں۔۔۔ مجھے جیتنے کے لئے تمہیں مانینی سے ٹکر لینی پڑے گی حسین!“ وہ قریب بڑھ آئی۔ جذبوں کی شدت آہستہ آہستہ رعب حسن اور نسوانی حجاب پر غالب آتی جا رہی تھی۔

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ”میں تمہاری کہانی سننا چاہتا ہوں طوسیہ.... مانینی تو کیا میں تمہاری خاطر پہاڑوں تک کے ٹکڑے اڑانے کو تیار ہوں۔“

”اوہ تم واقعی انسان ہو حسین!“ وہ بے اختیار میرے سینے سے آ لگی۔

طوسیہ کی سانسوں کا آہنگ تیز ہونے لگا تو وہ کسمسا کر میرے بازوؤں سے نکل گئی۔

”بیٹھ جاؤ حسین!“ وہ نظریں نیچی کئے ایک درخت کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

”تم سچ سچ بتاؤ طوسیہ کہ تم کون ہو؟“ میں نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس کے قریب سرکتے ہوئے پوچھا۔

”یہ صدیوں کی بات ہے....“ وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ”میرا باپ وادی نیل سے میلوں دور تک کی وسعتوں پر حکمران تھا۔ اس کے جلال اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ صحراؤں میں بسے ہوئے سینکڑوں قبیلے اس کے مقابلے پر آئے بغیر اس کے باج گزار بن گئے تھے۔ وہ پتھروں سے تراشے ہوئے دیوتاؤں کا پجاری تھا اور اپنی سلطنت میں کسی دوسرے مسلک کا وجود برداشت نہیں کرتا تھا۔ اسے علاقے فتح کرنے کے لئے کبھی خون کا ایک بھی قطرہ بہانے کی ضرورت پیش نہیں آئی' لیکن مسلک کی خاطر اس نے بستیوں کی بستیاں خون میں نہلا دیں۔ بھرے پرے گھر آگ لگا کر ویران کر دیئے۔ وہ آگ کی پوجا کرنے والوں کا جانی دشمن تھا کیونکہ وہ لوگ بظاہر صنم پرستی پر تیار ہو جاتے تھے لیکن اپنی بستیوں میں چوری چھپے اگیاری بنا لیتے تھے اور وہاں جا کر مقدس آگ کی پوجا کرتے تھے۔ آخر اس نے اپنے لشکر صحراؤں اور آبادیوں میں ہر طرف پھیلا دیئے تاکہ آگ کے پوجنے والوں کو تہ تیغ کیا جا سکے۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ آگ انسانوں کو صرف نقصان پہنچاتی ہے' اس لئے اس کے پجاری بھی کسی اچھے مقصد کے لئے کام نہیں کر سکتے۔ وہ آتش پرستوں کی بستیوں کو گھیر کر ان میں آگ لگوا دیتا اور اس سے جان بچا کر نکلنے والوں کو نیزے بھونک بھونک کر آگ میں جل مرنے پر مجبور کر دیتا۔ وہ آگ سے پناہ مانگنے والوں سے قہقہے لگا کر کہتا تھا ”یہی وہ آگ ہے جسے تم پوجتے ہو' جاؤ اور اپنے اس بھڑکتے ہوئے خدا کا وصال کرو۔ وہ اپنی سرخ سرخ زبانیں نکالے اپنے پجاریوں کے بدن چاٹ لینے کے لئے بیتاب ہے۔“ پھر اس کے خوف سے بہت سے قبیلے گمنام علاقوں میں روپوش ہو گئے۔ ان ہی میں یہ قبیلہ بھی تھا جو اب جبرین کے نام سے اس صحرا میں انسانیت کے خون پر پل رہا ہے۔ اس زمانے میں اس قبیلے کا ایک

پروہت تھا۔ اس کے قبضے میں بے شمار پراسرار قوتیں تھیں۔ اس نے اپنے قبیلے کی ذلت آمیز جلا وطنی اور روپوشی کا انتقام لینے کے لئے میرے باپ پر کئی وار کئے' لیکن اسے آسمانی دیوتاؤں کا تحفظ حاصل تھا لہٰذا پروہت اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ پھر اس پروہت نے مجھے اپنا نشانہ بنایا۔ میرے باپ کے دربار کے مذہبی پیشوا کو اس حربے کا بروقت علم ہو گیا۔ نادیدہ قوتوں کے اس بھیانک ٹکراؤ میں میں چالیس روز تک سکرات کے عالم میں بستر پر پڑی اپنی موت کی منتظر رہی لیکن موت نہ آ سکی۔ البتہ میری روح میرے بدن سے بچھڑ گئی۔ میری روح آتش پرستوں کے پروہت کی قید میں آ گئی اور میرا بدن اپنے محل ہی میں بے جان پڑا رہ گیا۔ میرے باپ نے جبرن کی تلاش اور بیخ کنی کے لئے ہر طرف لشکر بھیجے لیکن اس قبیلے کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ آخر کار میرا بدن محفوظ کر کے صندل سے بنے ہوئے ایک دیوہیکل معبد میں رکھ دیا گیا تاکہ میری روح جب بھی آتش پرستوں کے پروہت کی قید سے نجات حاصل کرے تو اپنے جسم میں واپس لوٹ سکے۔ بس اسی روز سے جبرن کے پروہتوں نے اپنے جدی انتقام کی خاطر مجھے قید کیا ہوا ہے۔ ہر پروہت اپنی موت سے قبل مجھے نئے پروہت کی قید میں دے دیتا ہے اور یہ راز پروہتوں کی نسل میں سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے۔ جس روز بھی میری قید کا یہ راز جبرن کے ہر زندہ باسی کو معلوم ہو گیا اسی روز پروہتوں کا طلسم ٹوٹ جائے گا اور میری روح آزاد ہو کر اپنے بدن میں لوٹ سکے گی۔"

یہ کہہ کر وہ پرخیال انداز میں خاموش ہو گئی۔

میں حیرت سے دم سادھے اس کی کہانی سنتا رہا۔ اس تصور ہی سے میری رگ و پے میں سنسناہٹ ہونے لگی کہ طوسیہ صرف ایک روح ہے۔۔۔ حسین اور دلفریب روح۔

معاً مجھے خیال آیا کہ میں تو اس سے ہم آغوش ہو چکا ہوں ذرا ہی دیر پہلے اس کے لب و رخسار کی حرارت آگیں اور حیات آفریں رعنائیوں سے لذت اندوز ہوتا رہا ہوں۔ کسی روح کے ہیولے کے ساتھ تو یہ سب ہونا ممکن ہی نہیں ہے اور پھر میرے یہ اندیشے سوال بن کر لبوں پر آ گئے۔

"طوسیہ۔۔۔ کیا تم واقعی صرف ایک روح ہو؟"

"ہاں!" وہ نظریں اٹھا کر بولی۔ اس کے ہونٹوں پر عارفانہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی جیسے وہ میرے ذہن میں اٹھنے والے اندیشوں کی تحریر میری پیشانی پر پڑھ چکی ہو۔

"پھر... پھر تمہارا یہ پیکر۔ تمہارا زندہ لمس' تمہارے گداز بدن کی یہ رعنائی.....!" میں الجھن آمیز انداز میں اسی قدر کہہ کر رک گیا۔

"یہ ایک راز ہے..... زندہ حقیقت کی طرح!" وہ ہنس کر بولی۔

"مجھے الجھن میں نہ ڈالو طوسیہ!" میں اضطراری انداز میں اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔

"وقت آنے پر تم سب کچھ جان لو گے۔" وہ اپنا تاج اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔

"کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے طوسیہ؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے جھجکتے جھجکتے اس سے دریافت کرنے کی ہمت کر ہی ڈالی۔

"اگر مانینی کو اس ملاقات کا علم ہو گیا تو وہ مجھ پر بڑا ظلم کرے گا۔ میری روح اندھیرے کھنڈرات اور دھواں اگلتی کھائیوں میں مصائب میں مبتلا کر دی جائے گی۔ اگر محبت نہیں تو مجھے یہ خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی!" میرے اس سوال پر اس کا لہجہ قدرے متاسفانہ ہو گیا۔ "آخر تم نے یہ سوال ہی کیوں کیا؟"

"اب میں بستی میں جا کر چیخ چیخ کر لوگوں کو بتاؤں گا کہ مانینی نے تمہیں قید کیا ہوا ہے۔" میں پرجوش لہجے میں بولا۔ "مانینی کا طلسم ٹوٹ کر رہے گا اور میں تمہیں اپنی زندگی کا شریک بناؤں گا۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ حسین یہ نہ کرنا۔" وہ یکایک بوکھلا گئی۔

"تم ہی نے بتایا تھا نا۔" میں فتح مندانہ لہجے میں بولا۔ "جس روز جبرن کے ہر باسی کو تمہاری قید کا راز معلوم ہو گیا تمہیں نجات مل جائے گی۔"

"ہاں یہ سچ ہے!" وہ میرے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔ "مگر مانینی تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ وہ بہت ظالم ہے میں اپنے کرب سے نجات کے ساتھ ہی تمہاری زندگی بھی چاہتی ہوں! میں ہر آن تمہاری حفاظت کروں گی۔"

مجھے یاد آیا کہ مانینی نے بھی جاتے جاتے مجھے ایسی ہی دھمکی دی تھی۔

پھر میں نے محبت بھرے انداز میں اپنی بانہیں طوسیہ کی پتلی سی کمر میں ڈال دیں۔ وہ ذرا سا کسمائی اور میں نے اسے اپنے قریب کھینچ لیا۔

"تم اچھے سنگتراش ہو نا حسین!" وہ اپنے بدن کا بوجھ مجھ پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"صرف سنگ تراش ہی نہیں طوسیہ بلکہ فنکار!" میں اس کی زلفوں کی مہکار سونگھتا ہوا بولا۔

"تم نے پہلا مجسمہ کس کا تراشا تھا؟" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

میں چونک پڑا۔ "سردار جوبا کی لڑکی' زنبو کا مجسمہ تھا!"

"کیا تمہیں وہ بہت پسند ہے؟" اس بار اس کا لہجہ جذبات سے یکسر عاری تھا۔

"پسند اور محبت دو الگ الگ راستے ہیں طوسیہ!" میں یک بیک جذباتی ہو گیا۔ "زنبو کے ساتھ میں نے بچپن میں ریت کے گھروندے بنائے تھے۔ ہم برسوں سے ایک دوسرے کے ساتھ کھیلے ہیں اور یہی میری پسند ہے۔ پھر ہر جوان مرد کو ہر قبول صورت اور نوعمر دوشیزہ پسند ہوتی ہے مگر اسے محبت نہیں کہا جا سکتا۔ تم یہ سن لو کہ مجھے محبت صرف تم سے ہے اگر تم نے ٹھکرا بھی دیا تو میں اب زندگی بھر تمہاری پرستش کرتا رہوں گا۔ مجھے اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ تم میرے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتی ہو۔"

"میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ٹل گیا۔" وہ پہلی بار شوخ انداز میں ہنس پڑی۔ "مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے اور زنبو کے درمیان تم کسی امتحان میں نہ پڑ جاؤ۔"

"کیا صبح سے مانبی تم سے نہیں ملا؟" میں نے اس کے لبادے کے بندھنوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"ایک بار خیمے میں آیا تھا پھر کچھ کہے بغیر لوٹ گیا۔"

"اور اسے اس دوسری حقیقی ملاقات کا علم ہو گیا تو؟"

"ہو جائے۔ مجھے ایک بار تو یہ خطرہ مول لینا ہی تھا۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور سٹپٹا کر نظریں چرا لیں۔ میری نگاہوں میں چھپا ہوا پیغام اس کے لئے حیا کا باعث بن گیا۔

میرے ذہن سے وقت اور ماحول کا ہر احساس مٹ گیا۔ میرے سامنے بس طوسیہ کا پیکر تھا۔ اس کے وجود کی لذتیں تھیں اور میں زندگی میں پہلی بار اس کے ذریعہ مسرتوں کی ایک نئی کائنات تخلیق کر رہا تھا۔

وقت جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ لمحے صدیوں طویل معلوم ہونے لگے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جنم جنم سے میں اور طوسیہ ایک ہوں۔ لیکن یہ لمحے لازوال ثابت نہ ہو سکے۔ دنیا کی بے ثباتی اس لذت پر بھی غالب آئی اور حسین تصورات میں ڈوبی یہ کیفیت یک بیک ختم ہو

گئی۔

نہ جانے میں کتنی دیر یوں ہی آنکھیں موندے گزرے ہوئے لمحوں کے نشاط آمیز تصور میں کھویا رہا۔ پھر اچانک ہی ایک تحیر آمیز مردانہ غراہٹ سن کر میں چونک پڑا۔

ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو سردار جوبا اور بوڑھے مانبی کے غضب ناک چہروں پر نظر پڑی۔ میں نے بوکھلا کر فوراً ہی اپنا لبادہ پہن لیا اور مجرمانہ احساس کے بجائے تن بہ تقدیر ہو کر سردار جوبا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ پوری قوت سے جبڑے بھینچے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے زخموں کے نشانات سے بھرے ہوئے چہرے کے نقوش غصے کی شدت سے بگڑ چکے تھے اور آنکھوں میں خون اترا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"تیری یہ جسارت ناپاک کیڑے کہ تو سردار جوبا کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے سے بھی باز نہ آیا!" وہ طیش بھرے لہجے میں غرایا۔

میری نگاہیں پوری مستعدی سے اس پر جمی ہوئی تھیں۔ میں اپنی غفلت سے اسے کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا اور بلاوجہ اسے مشتعل بھی کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں کسی نے بہکایا ہے سردار۔ میں جانتا ہوں کہ بستی میں لائی جانے والی ہر اجنبی لڑکی پر سب سے پہلے تمہارا حق ہوتا ہے مگر تنہائی میں اس کے قریب میں خود پر قابو نہ پا سکا۔"

"اجنبی لڑکی!" وہ زمین پر پیر پٹخ کر اتنی زور سے دہاڑا کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے صحرائی پرندے خوف زدہ آوازیں نکالتے فضا میں اڑ گئے۔

"مانبی بابا اسے جانتا ہے لیکن تمہارے لئے یہ اجنبی لڑکی ہی ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"اندھا سمجھتا ہے مجھے۔۔۔!" وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ "کیا اب جوبا اپنی زنبو کو بھی نہ پہچان سکے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بال نوچ لئے۔

زنبو کا نام سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر وزنی لٹھ دے مارا ہو۔ میں نے بوکھلا کر طوسیہ کی جانب دیکھا لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں تھا نہ ہی اس کا تاج یا لبادہ وہاں موجود تھا۔ اس کی جگہ ریتلی زمین پر نیم برہنہ زنبو بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسا ابدی سکون تھا جیسے وہ انتہائی پرکیف لمحے گزار کر ان ہی کے تصور میں سو

گئی ہو۔

اس انکشاف پر میرے حواس باختہ ہو گئے تو کیا گزرے ہوئے لمحے میری نظر کا فریب تھے کہ میں جسے طوسیہ سمجھتا رہا وہ زینو تھی۔ لیکن میرا فریب نظر کیسا وہ تو طوسیہ ہی تھی اس نے خود اقرار کیا تھا' اپنی لرزہ خیز کہانی سنائی تھی' محبت کے عہد و پیمان باندھے تھے' پھر یہ زینو کہاں سے آ پہنچی!

"لعنت ہو میرے مقدر پر۔" سردار جوبا جنون کے عالم میں دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹتا ہوا بولا۔ "تو نے میری لڑکی کی آبرو کو داغدار کیا ہے مگر میں خود تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔"

جوبا کے ان الفاظ نے مجھے صحیح صورت حال کا احساس دلا دیا ورنہ میں تو گھبراہٹ میں زینو کے ساتھ کسی بھی جسمانی تعلق سے انکار کرنے والا تھا۔ جبرین کی روایات کے مطابق اگر کوئی شخص بستی کی کسی لڑکی کے ساتھ چند رسوم کی ادائیگی اور مقدس الاؤ کے سامنے حلف اٹھانے سے قبل ہم بستری کرے تو اس شخص کو کوئی بھی نہیں چھو سکتا تھا۔ آخری چاند کی رات کو باہر سے پکڑ کر لائی جانے والی کنیزیں اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے ایک الاؤ سے اتنی بلندی پر الٹا لٹکا دیتی تھیں کہ الاؤ کے شعلے اس کے سراپا جسم کو نہ چھو سکیں۔ پھر اس الاؤ میں ایک مخصوص وضع کی صحرائی بوٹی ڈال کر اسے روشن کر دیا جاتا تھا۔ یہ صورت حال اس وقت تک برقرار رہتی تھی جب تک زانی کی روح قفس عنصری سے پرواز نہ کر جاتی۔ مجھے یقین تھا کہ اب آخری چاند کی رات تک جبرین میں سب لوگ مجھے منحوس اور نجس سمجھتے ہوئے میرے قریب تک نہ پھٹکیں گے اور نہ مجھ کو ایذائیں دی جائیں گی جبکہ طوسیہ کو اس جگہ دیکھ کر شاید مجھے فوراً ہی ہلاک کر دیا جاتا۔ کیونکہ وہ جبرین کی باسی نہیں تھی۔

اب جہاں مجھے طویل مہلت مل جانے کی خوشی تھی وہیں یہ الجھن بھی تھی کہ طوسیہ اور زینو کا کیا چکر ہے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں نے وہ سارا وقت طوسیہ کی زلفوں ہی کے سائے میں گزارا ہے' جبکہ اس وقت وہاں نیم برہنہ زینو ایسی حالت میں پڑی ہوئی تھی جیسے میں نے وہ رنگین لمحے اسی کے ساتھ گزارے ہوں۔

مانیی جب سے آیا تھا' فضا میں منہ اٹھائے بار بار سر کو مختلف سمتوں میں گھما رہا تھا اور گہرے گہرے سانس لئے جا رہا تھا جیسے کوئی خاص بو سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میں سمجھ گیا۔۔۔۔ میں سمجھ گیا۔" اچانک مانیی بے تابانہ انداز میں بڑبڑایا پھر بلند آواز میں سردار جوبا سے مخاطب ہوا۔ "سردار! تیری زینو کا کچھ نہیں بگڑا' یہاں ایک اور لڑکی تھی جس کے ساتھ اس ملعون نے اپنا منہ کالا کیا ہے!"

"مانیی! میں تیرا احترام کرتا ہوں!" جوبا قدرے ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"قسم ہے مقدس.....!" مانیی نے پرزور لہجے میں اپنی بات دہرانی چاہی لیکن میں نے اس کا فقرہ کاٹ دیا۔

"سردار یہ جھوٹا ہے' یہ تیرے ہاتھوں مجھے مروا کر تجھ پر اور تیری بستی پر نحوست لائے گا۔ زینو اپنی مرضی سے میرے ساتھ یہاں آئی تھی پھر اس کا شباب تیرے خوف پر غالب آ گیا اور میں نے اسے روند ڈالا۔ وہ خود ہی اس پر آمادہ تھی۔"

"بیسوا' کمینی!" جوبا نے بڑھ کر بے رحمی سے زینو کی پسلیوں میں ٹھوکر ماری جو ہم لوگوں کے شور سے بھی بیدار نہ ہو سکی تھی' یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو۔ پسلیوں پر ٹھوکر پڑتے ہی زینو کراہی اور ہڑبڑا کر اٹھ گئی سب سے پہلے اس نے مجھے دیکھا اور میرے گلے سے لپٹ گئی۔ "اوہ حسین میں تو سمجھ رہی تھی کہ میں خواب میں لذتوں میں گم ہوں لیکن یہ تو سب سچ ہے..... بالکل سچ!"

"ہٹو زینو۔۔۔ سردار آ چکا ہے۔" میں نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔ اس نے جیسے ہی جوبا اور مانیی کو دیکھا بوکھلا کر اپنا برہنہ بدن لباس میں چھپانے لگی۔

بوڑھا مانیی ہونٹ بھینچے مجھے گھور رہا تھا۔

"زینو جھوٹی ہے سردار!" مانیی کرخت آواز میں بولا۔ "آگے بڑھ کر حسین کی گردن اڑا دے۔"

سردار اس کی بات کو نظر انداز کر کے زینو کو دیکھتا رہا جو شرم سے سکڑی سہمی ہوئی لباس پہن رہی تھی۔

"اگر تیرا علم سچا ہے تو' تو سردار کو بتا کہ یہاں کون لڑکی تھی!" میں نے زہریلے لہجے میں مانیی سے کہا کیونکہ میں خوب جانتا تھا کہ وہ کسی قیمت پر طوسیہ کا راز نہ کھولے گا۔

اچانک جوبا اپنی لڑکی کی جانب بڑھا اور اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ "تو نے میرے اب بکھیر دیئے کمینی۔۔۔ بستی میں تیری بولی ساٹھ قیراط سونے سے اوپر ہی جانے والی

تھی‘ لیکن اب کوئی تجھے دو قیراط میں بھی نہ بیاہے گا۔ جا میں تجھے عاق کرتا ہوں۔ وہی لاوارث عورتوں والی چوپال تیرا مقدر ہے جہاں بستی کے سب لوگ تجھے اپنا کھلونا بنائیں گے۔“

”بابا!“ زینو بلک کر رو پڑی۔ ”اپنا فیصلہ واپس لے لو حسین مجھے بیاہ لے گا۔“

”نہیں!“ سردار جوبا اتنی زور سے دھاڑا کہ اس کی آواز بھرا گئی۔ ”یہ منحوس زہریلے دھویں سے مارا جائے گا یہ تجھے بیاہ نہیں سکتا۔“

زینو سردار کے پیروں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور وہ اس کے بال نوچ کر اسے دور گھسیٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ حالات کا یہ موڑ بہت ہی غیر متوقع اور نازک تھا مجھے علم تھا کہ مانینی سچ کہہ رہا ہے۔ میں نے نشاط میں ڈوبے ہوئے لمحے طوسیہ کی جوان آغوش میں گزارے تھے جبکہ زینو پراسرار طور پر وہاں نظر آئی تھی اور میں نے محض چند سانسوں کی مہلت پانے کے لئے اسے بھی اپنے گناہ میں آلودہ کر لیا تھا‘ جس کی پاداش میں اس کا باپ اسے گھر سے نکال کر جبرین کے بیوہ خانے میں پھینک رہا تھا۔

”سردار۔۔۔ میں اس کی بولی پانچ قیراط دیتا ہوں!“ میں نے اپنی منہ بولی متوفیہ ماں کی جمع پونجی کا حساب لگا کر سردار جوبا سے کہا۔

”تو اسے کنیز بنائے گا؟“ سردار جوبا نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔“ میں نے گہری متانت کے ساتھ کہا۔ ”میں دستور کے مطابق اب منحوس قرار دیا جا چکا ہوں۔ مجھ سے شادی کا حق چھین لیا گیا ہے مگر میں تجھے پانچ قیراط سونا دے سکتا ہوں۔“

”پاگل ہے تو۔“ سردار جوبا خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ ”پانچ قیراط میں تو جبرین کے چرواہوں کی لڑکیاں بیاہ میں مل جاتی ہیں..... مگر ٹھیک ہی ہے۔ تیرا کون وارث ہے جس کے لئے تو سونا چھوڑے گا۔“ میں خاموش رہا۔

”مہینے کی آخری رات تیری زندگی کا ساز خاموش ہو جائے گا اور پھر زینو اسی چوپال میں پہنچا دی جائے گی۔ کیونکہ جن کنیزوں کے آقا مر جاتے ہیں وہ بھی لاوارث ہی کہلاتی ہیں۔“ سردار جوبا نے زمین پر پڑی ہوئی زینو کو دیکھتے ہوئے کہا جو ریت پر منہ اوندھائے روئے جا رہی تھی۔

”نہیں۔“ میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ”پانچ مہینے تو انتظار کرنا ہی ہو گا۔ کون جانے کہ زینو کی کوکھ میں میرا بچہ پروان چڑھنا شروع ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔!“ سردار جوبا یہ کہہ کر واپسی کے لئے مڑا۔

اس دوران میں کینہ پرور مانینی مجھے گھورتا رہا تھا۔ سردار کے مڑتے ہی وہ لپک کر میرے قریب آیا اور میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ ”مانینی سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ میں یہاں طوسیہ کے بدن کی مہک سونگھ رہا ہوں اور سارا راز جان چکا ہوں۔ وہ بڑی دیر یہاں رکی ہے!“

اسی وقت جوبا ہمیں پیچھے نہ آتا پا کر واپس لوٹا اور مانینی کو رازدارانہ انداز میں مجھ سے سرگوشی کرتے دیکھ کر خاصا حیران ہوا۔

”مانینی بابا۔۔ تو اس چھوکرے کو کیا بتا رہا ہے؟“ اس نے قریب آتے ہوئے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

مانینی غیر فطری اور کھوکھلے انداز میں ہنس کر رہ گیا اور میں نے محسوس کیا کہ جوبا‘ مانینی کی جانب سے شبہات میں مبتلا ہو چکا ہے۔ یہ تبدیلی میرے لئے امید افزا اور خاصی خوشگوار تھی۔

”آؤ زینو۔۔ یہاں سے چلو!“ میں نے زمین پر پڑی ہوئی سردار کی لڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”دور ہٹ!“ سردار اچھل کر میرے اور زینو کے درمیان آ گیا۔ ”پانچ قیراط سونا دیئے بغیر تو اس لڑکی کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے گا۔“

لٹی لٹی زینو ہمارے ہمراہ بستی کی جانب چل دی۔ اس کے لڑکھڑاتے ہوئے قدم مجھے شبہات میں ڈال رہے تھے کہ کہیں طوسیہ کی جگہ وہ وقت میں نے زینو کے ہمراہ ہی نہ گزارا ہو۔ یہ گتھی اس قدر پیچیدہ اور پراسرار تھی کہ میں مسلسل تذبذب کا شکار ہو کر رہ گیا تھا اور بظاہر طوسیہ سے اگلی ملاقات سے قبل اس معمے کا راز حل ہونے کی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔

بستی میں داخل ہونے سے قبل میں نے آتش کدے کے قریبی میدان میں لوگوں کو اپنی منہ بولی ماں کی لاش کے گرد جمع ہو کر آخری رسوم کی تیاریاں کرتے دیکھا۔ میری

خواہش تھی کہ میں بھی ان رسوم میں شرکت کروں لیکن جوبا نے سختی کے ساتھ مجھے روک دیا - زینو کے ساتھ مشکوک حالت میں پائے جانے کے بعد میں جبرین میں تیسرے درجہ کا شہری ہو کر رہ گیا تھا۔ جسے کسی رسم یا تقریب میں شرکت کا حق نہیں تھا۔ اپنے ویران جھونپڑے میں پہنچ کر میں نے سوگ کا سرخ پرچم نوچ دیا اور اندر صندوق میں سے وہ سونا نکال کر سردار کے حوالے کر دیا جو میری منہ بولی ماں نے تقسیم ہونے والے مال غنیمت میں سے پس انداز کر کے میری شادی کے لئے جمع کیا ہوا تھا۔

سونے کے وزن کا اندازہ کر کے جوبا نے زینو کا بازو پکڑ کر بے رحمی کے ساتھ اسے میری جانب دھکیل دیا اور وہ میرے سینے سے لگ کر بے بسی سے رو پڑی۔

اس کی حالت اتنی رقت انگیز تھی کہ میرا دل بھر آیا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ کھل کر اصل صورت حال کا اظہار کر دوں لیکن اول تو جوبا میری بات کا اعتبار نہ کرتا اور دوسری طرف طوسیہ کا نام کھلتے ہی میری جان کے لالے پڑ جاتے۔ موجودہ صورت حال میں کم از کم مجھے اتنی امید تو تھی کہ طوسیہ مجھ سے دور رہتے ہوئے بھی میری حفاظت کرے گی۔

کشاں کشاں ہم سردار جوبا کے خیمے پر پہنچے۔ سردار نے اپنے سیاہ فام غلام طالیس کو بلا کر اشاروں سے میرے بارے میں سمجھایا اور پھر مانینی کے ہمراہ آتش کدے کی جانب لوٹ گیا تاکہ مرنے والی کی آخری رسوم کی ادائیگی شروع ہو سکے۔

سردار جوبا کا دیو پیکر غلام' طالیس کسی گینڈے کی طرح طاقت ور تھا۔ ساتھ ہی وہ سماعت اور گویائی کی قوتوں سے بھی محروم تھا۔ سردار کے جانے کے بعد میں نے کئی بار اشاروں کی مدد سے اس سے بات کرنی چاہی لیکن وہ پتھر کے کسی بت کی طرح نیزہ سنبھالے بیٹھا رہا۔ سردار کی لڑکی زینو کو دوسری کنیزوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ سب بدنصیب لڑکیاں وہ حالات جاننے کے لئے بے چین تھیں جن کے تحت ان کی مالکہ پل بھر میں ان ہی کی صف میں لاکھڑی کر دی گئی تھی۔

سورج غروب ہونے کے بعد جوبا تھکا ہارا واپس آیا اس کے پیچھے آنے والے غلام نے ایک بڑا سا چوبی صندوق میرے سامنے ڈال دیا اور لوٹ گیا۔

جوبا نے لباس کی گرد جھاڑنے کے بعد شراب کے کئی جام حلق میں انڈیلے پھر صراحی

سنبھالے میرے سامنے آ بیٹھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی خاص بات کرنے والا ہے۔

چند لمحوں تک میرے چہرے کو گھورتے رہنے کے بعد اس نے اپنے غلام طالیس کو بھی اشارے سے وہاں سے ہٹا دیا۔

میں ہمہ تن گوش ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تیری زندگی کے دن تو آخری چاند رات کو پورے ہو رہے ہیں حسین!" سردار جوبا کے خوفناک چہرے پر گمبھیرتا طاری تھی اور لہجہ قدرے ہمدردانہ تھا۔

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ اس وقت تک کے لئے تجھے کوئی رعایت نہ دی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے--- میں اس کے لئے تیار ہوں!" میں نے اس کا سودے بازی کا انداز بھانپتے ہوئے ٹھوس موقف اختیار کر لیا۔

"اس صندوق میں تیرے سارے اوزار ہیں۔ جھونپڑے کو آگ لگانے سے پہلے میں نے یہ سب نکلوا لئے تھے۔" وہ میرے سامنے پڑے ہوئے چوبی صندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"کیا اب تمہارا سنگ تراشی کا ارادہ ہے!؟" میں نے حیرت سے دریافت کیا۔

"بکواس مت کرو۔" سردار جھلا گیا۔ "اگر تم میرا ساتھ دو تو یہ اوزار تمہیں مل سکتے ہیں..... اور!" اس نے خاموش ہو کر گرد و پیش میں نظریں دوڑائیں اور رازدارانہ لہجے میں بولا "میں موت سے پہلے تمہیں زینو سمیت یہاں سے فرار ہو جانے میں مدد بھی دے سکتا ہوں۔"

اس بات کی پیشکش پر میرا تجسس بڑھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ جوبا اس وقت بہت زیادہ دلچسپ موضوع پر بات کر رہا ہے۔ "لیکن تمہارا ساتھ کیسے دوں؟" میں نے انجان پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"ٹھہرو--- میں بھی اس معاہدے کا ایک فریق ہوں۔" خیمے میں بوڑھے مانینی کی کرخت اور زہریلی آواز گونجی اور وہ آہنی شام والی چھڑی کو گردش دیتا مردانہ وار اندر گھس آیا۔

سردار جوبا نے شراب کی صراحی کو ایک طرف پھینک دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

یہ صورت حال خاصی سنسنی خیز تھی میں اپنے دونوں دشمنوں کے درمیان سے ایک طرف سرک گیا۔ حالات خود بخود ایسا رخ اختیار کرتے جا رہے تھے کہ مجھے اپنا مستقبل یک بیک تابناک نظر آنے لگا تھا۔ میں اپنی تقدیر کے زہر خند سے قطعی بے خبر تھا۔

بوڑھا مانینی اپنی آہنی شام والی چھڑی کو فضا میں گردش دیتا خیمے میں گھسا چلا آیا اور وسط میں سردار جوبا کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ جوبا کا خوفناک چہرہ غضب کی آگ سے یک بیک دہک اٹھا اس کی بڑی بڑی ڈراؤنی آنکھوں میں خون کی سرخی اتر آئی' اس کے سینے میں اٹھنے والا بلاخیز طوفان نتھنوں کی راہ سے آتشیں پھنکاروں کی طرح خارج ہونے لگا اور اس کا پورا بدن فرط جوش سے کانپنے لگا۔

مانینی کے رکتے ہی فضا میں جوبا کی پھینکی ہوئی صراحی کے ٹوٹنے کی آواز گونجی پھر چند ثانیوں کے لئے اس خیمے میں بس ان دونوں کے چڑھتے ہوئے سانسوں کی گونج باقی رہ گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے روبرو کھڑے خون آشام نگاہوں سے ایک دوسرے کو گھورتے رہے' پھر سردار جوبا کی قہربار آواز نے اس بھیانک سکوت کو توڑا۔

"میں پھر کہتا ہوں مانینی! کہ میں تیری عزت کرتا ہوں!"

"مجھے علم ہے!" نیم اندھے مانینی کی آواز میں زہر کی سی تلخی رچی ہوئی تھی۔ "تیری آواز کے آہنگ اور تیرے لہجے کی گستاخی سے یقیناً میری عزت افزائی ہوئی ہے سردار۔"

"مانینی!" سردار جوبا مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

میں سہم کر ان دونوں خونی بھیڑیوں سے دور ہٹ کر خیمے کی عقبی قنات کے سہارے جا کھڑا ہوا۔

"محترم سردار!" مانینی نے تضحیک آمیز لہجے میں یہ کہتے ہوئے اپنے سر کو قدرے خم کیا۔ "تجھے علم ہے کہ میری نادیدہ قوتیں جبرین کے ہر باسی کے سر پر منڈلاتی رہتی ہیں اور مانینی کے سامنے اونچی آواز میں بولنے والوں کی چمڑی چابکوں سے ادھیڑ دی جاتی ہے۔"

"تجھے میری اجازت کے بغیر اس خیمے میں گھسنے کا حق کس نے دیا؟" سردار جوبا سخت طیش کے باوجود مانینی سے خائف نظر آ رہا تھا۔

"مانیتی حق بانٹتا ہے سردار!" یک بیک اس منحنی سے بوڑھے کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "مقدس الاؤ کا رکھوالا ہے اسے آسمانی قوتوں نے سارے حقوق سونپے ہوئے ہیں۔"

"تیری حکمرانی بس آبیاری تک محدود ہے مانیتی!" سردار کی آواز قدرے دھیمی ہو گئی لیکن لہجہ اب بھی بگڑا ہوا تھا۔ "جبرین کی بستی پر صرف میرا حق ہے!"

"لیکن تو اپنی مرضی سے اس قیدی سے کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔"

مانیتی نے میری طرف چہرہ اٹھا کر گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیسا سمجھوتہ؟" سردار جوبا نے اداکاری کرتے ہوئے، تحیر آمیز آواز میں مانیتی سے سوال کیا۔

مانیتی نہایت مکروہ آواز میں زور سے ہنسا۔ "تیری آواز کیوں لرز رہی ہے جوبا؟ مانیتی کی آنکھیں دلوں کی گہرائی تک رسائی رکھتی ہیں یہ اب تیرا ہی نہیں میرا بھی قیدی ہے تو اپنی مرضی سے اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔"

"پتہ نہیں تو کیا کہہ رہا ہے؟" سردار کا غصہ یک بیک کافور ہو گیا اور اس کے لہجے میں اضمحلال سمٹ آیا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں۔" مانیتی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ "کہ یہ قیدی میری مرضی کے بغیر اب جبرین کی بستی سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

"یہ کوئی نئی خبر نہیں ہے۔" جوبا منہ بنا کر بولا۔ "احتیاط اور اس کی نگہبانی میرا فرض ہے۔"

"پھر یہ صندوق یہاں کیسے آیا؟" مانیتی فرش پر پڑے ہوئے اوزاروں کے چوبی صندوق کو ٹھوکر مارتا ہوا بولا۔"

"یہ سامان میں اس کے حوالے کر دوں گا!" جوبا اب سنبھل چکا تھا۔

"کیوں!" مانیتی کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اس لئے کہ یہ میری مرضی ہے۔" جوبا کا چہرہ ایک مرتبہ پھر پرسکون ہو گیا۔

"لیکن میرا علم کہتا ہے کہ تیری نیت کچھ صاف نہیں ہے۔" مانیتی قدرے آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

"تیرا علم!" سردار جوبا زہرخند کے ساتھ بولا۔ "مانیتی! تیرے ساتھ اب تیرا علم بھی بوڑھا ہوتا جا رہا ہے۔ زیتو میری نگاہوں کے سامنے نخلستان میں قیدی کے قریب برہنہ پڑی ہوئی تھی، اس کی حالت گزرے ہوئے بوجھل اور گناہ آلود لمحوں کی زندہ تصویر تھی، مگر تیرا علم پھر بھی یہی کہتا تھا کہ زیتو کا کچھ نہیں بگڑا۔ تو چاہتا تھا کہ میں بستی کی مقدس روایت کو توڑ کر اپنے ہی ہاتھوں اپنی بیٹی کی آبرو لوٹنے والے کا خون کر دوں اور نادیدہ قوتوں کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤں۔۔۔۔ کیا یہ تیری نیت کا فتور نہیں تھا؟"

"میں پھر کہتا ہوں کہ وہ فریب تھا۔" مانیتی جھلائے ہوئے سے لہجے میں بولا۔ "حسین نے زیتو کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

"تیری دلیلیں بے کار ہیں مانیتی! اس کے مقدر کا فیصلہ چاند کی آخری شب کو ہی ہو سکے گا۔"

"اور اس وقت تک تو اس کو کڑی نگرانی میں رکھے گا۔" مانیتی تادیبی لہجے میں بولا۔

"یہ سب مجھے معلوم ہے۔"

اچانک مانیتی پلٹا اور تیزی کے ساتھ میرے قریب آ کر ٹھہر گیا اور اپنے استخوانی ہاتھ سے میرا شانہ تھام کر دبی دبی سرگوشیانہ آواز میں بولا۔۔۔۔ "میں سب کچھ جان چکا ہوں، اس وقت طوسیہ تیری آغوش کو گرما رہی تھی اور سردار کو زیتو کا فریب دے کر تجھے چند سانسوں کی مہلت دی گئی ہے۔ طوسیہ میری قوم کے دشمن کی بیٹی ہے اور یرغمال کے طور پر اب ہمیشہ ہماری قید میں رہے گی۔ تو اس کا راز جان چکا ہے اور اب یہاں سے زندہ نہ نکل سکے گا۔ میں صحراؤں میں اور پہاڑوں میں بھی تجھے ڈھونڈھ نکالوں گا اور وہ تیری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔ اسے بھول کر ہی تو اپنے آخری دن سکون سے گزار سکے گا۔" اتنا کہہ کر وہ خیمے سے نکلتا چلا گیا۔

سردار جوبا کچھ دیر تک اپنی جگہ پر ہی کھڑا مانیتی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر پرخیال انداز میں مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"مانیتی تجھ سے کیا کہہ رہا تھا؟" سردار جوبا نے قدرے سکوت کے بعد اشتباہ آمیز لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

ان دونوں کے درمیان غلط فہمیوں کی خلیج حائل تھی، سردار جوبا میری جانب جھکتا نظر آ

رہا تھا۔ میرے لئے یہ موقع غنیمت تھا۔ میں نے بکھرے بکھرے الفاظ کو اپنے ذہن میں یکجا کیا اور نفرت و عداوت کے زہر میں بجھا ہوا ایک شوشہ چھوڑ دیا۔

"وہ مجھے تم سے ٹکرا جانے کی ترغیب دے رہا تھا۔" میں نے نظریں جھکا کر کہا۔

سردار جوبا نے اتنی قوت سے اپنے دانت بھینچے کہ اس کے جبڑوں کی وریدیں ابھر آئیں۔ "نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ جوبا جم کر یہ لڑائی لڑے گا۔"

میں خاموش رہا' دراصل میں سردار کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ مانینی کے ساتھ ہونے والے اس پراسرار معرکے میں' میں اس کا ساتھ دوں گا' دل ہی دل میں مجھے مانینی اور جوبا کی قبائلی ذہنیت پر سخت حیرت تھی ذرا ہی دیر میں وہ دونوں برسہا برس کی جگری رفاقت فراموش کر کے ایک دوسرے کے وقار اور خون کے پیاسے بن چکے تھے جیسے وہ جنم جنم سے ایک دوسرے کے حریف رہے ہوں۔

"بولو' تم کیا کہتے ہو؟" آخر سردار نے دھیمی آواز میں بات چھیڑی۔

"کس بارے میں؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"میرا ساتھ دو تو رہائی مل سکتی ہے۔" سردار جوبا پر تجسس آواز میں بولا۔

"میں تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"مقابلہ کڑا ہے' بھاگ نہ جانا۔" سردار جوبا نے میرے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔

"موت اب میرے تعاقب میں ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میرے اندر چھپا ہوا فنکار کرب سے سسک رہا ہے' میرے جذبوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں' میں بے بسی کی زندگی پر مقابلے کی موت کو گلے سے لگانے میں دلی مسرت محسوس کروں گا۔"

"سنو! زینو مجھے بہت عزیز ہے۔" سردار جوبا چوکنی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ بستی کی روایت کے مطابق تمہاری موت کے بعد زینو لاوارث ٹھہرا دی جائے اور اپنے بال جلا کر سر میں دھول ڈالتی چوپال میں جا بیٹھے' جہاں میرے ساتھی اس کے زندہ گوشت پر بھوکے گدھوں کی طرح یلغار کر دیں' ادھر مانینی سے نمٹنا بھی ضروری ہے۔ وہ بہت خبیث ہے' اس کے قبضے میں نادیدہ قوتیں بھی ہیں' وہ جڑی بوٹیوں کے علم کا شہنشاہ ہے۔ دن کی روشنی میں وہ مقدس پروہت کا خول اوڑھے رہتا ہے لیکن میں نے راتوں کی سیاہی میں اسے چوری چھپے نخلستان سے نکل کر آبادی میں گھستے

دیکھا ہے' وہ ہر رات جبرن میں اپنے گناہوں کی سیاہی بکھیرتا ہے۔ پھول جیسی دوشیزاؤں کے بدن اپنی ہوس کی قربان گاہ پر نچھاور کر دیتا ہے اور صبح کے اجالے میں وہ لڑکیاں دبی دبی آوازوں میں اپنی سہیلیوں کو جنس کے دیوتا عاطیس سے ہم آغوشی کی حرارت آگیں اور ناقابل یقین کہانیاں سناتی ہیں۔ جبرن کی کوئی بھی بالغ لڑکی خبیث مانینی کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہتی رات کی تاریکی میں وہ اپنی پراسرار قوتوں سے ان لڑکیوں کو یوں اندھا کر دیتا ہے کہ انہیں مانینی کے بجائے دیوتا عاطیس اپنے بستر پر نظر آتا ہے۔ مانینی کی راہ میں صرف میں ہی ایک رکاوٹ ہوں' وہ اکثر مجھے غلط مشورے دیتا ہے' وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے' لیکن اب میں جبرن کے باسیوں سے ہی اس کے ٹکڑے اڑا دوں گا۔"

"لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر تحیر آمیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"سب کچھ تم کو ہی کرنا ہے۔" جوبا کا لہجہ پرجوش تھا۔

"بتاؤ۔ میں تیار ہوں!" میں اس کے قریب ہی کھسک آیا۔

"ابھی چاند کی آخری تاریخ میں اکیس دن باقی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو کسی دیوتا کا مجسمہ تیار کر لے میرا غلام وہ بت مانینی کے خیمے میں پہنچا دے گا۔ پھر میں جبرن والوں کے ساتھ نخلستان پر دھاوا بول دوں گا۔ جب وہاں سے دیوتا کا بت نکلے گا تو سب یہی سمجھیں گے کہ مانینی ان سے فریب کرتا رہا ہے۔ وہ پتھروں کا پجاری اور ان کا دشمن ہے اور دھوکے سے آگیاری کا پروہت بنا بیٹھا ہے' غیظ و غضب میں بپھرے ہوئے لوگ' پل بھر میں اس کی بوٹیاں اڑا ڈالیں گے۔"

"یعنی تم اس کے خلاف بغاوت کرانا چاہتے ہو؟"

"بغاوت!" سردار جوبا نے تحقیر آمیز انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ "بغاوت! حکمرانوں کے خلاف ہوتی ہے اور مانینی ایک چالاک اور سازشی دشمن کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"خیر میں تیار ہوں لیکن اس سارے منصوبے میں میری رہائی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔"

"مجسمہ نخلستان میں پہنچ جانے کے بعد جب میں بستی میں اپنے شبہات کا اعلان کروں گا تو بستی کے تمام مرد و زن نخلستان کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس خیمے کی پشت پر تین گھوڑے تیار رہیں گے۔ میرا غلام طالیس تجھے تیرے اوزاروں اور زینو سمیت محفوظ مقام

تک چھوڑ آئے گا۔"

جبرین کی آگیاری کے پراسرار پروہت مانینی کے خلاف سازش تیار ہو چکی تھی۔ جس شخص کے سامنے جبرین والے اونچی آواز میں بولتے ہوئے ڈرتے تھے' وہی ذلیل و خوار ہونے والا تھا۔ سردار جوبا میری رضامندی کو زینو سے محبت کا نتیجہ سمجھ رہا تھا۔ لیکن مجھے بنت نیل کی فکر تھی' میری طوسیہ جو مانینی اور اس کی شیطانی قوتوں کے چنگل میں قید تھی۔ میرے دل و دماغ پر طوسیہ اور اس کے فرحت انگیز قرب کی یادیں چھائی ہوئی تھیں۔ مجھے طوسیہ کے حصول کا راستہ اب سہل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ مانینی کی موت کے بعد طوسیہ کی روح یقیناً اس کی قید سے آزاد ہو جاتی اور میں اسے اس کے جسمانی پیکر سمیت اپنا بنا لیتا۔

وقت مختصر اور کام طویل تھا' دن ڈھلنے کے بعد رات آئی' مگر مجھے خبر نہ ہو سکی۔ کافی دنوں کے بعد میری انگلیوں نے ہتھوڑی اور چھینی کا لمس محسوس کیا تھا' مجھ پر عالم خود فراموشی طاری ہوتا جا رہا تھا' دنیا و مافیہا سے بے خبری کے عالم میں ہتھوڑی کی ضربوں اور چھینی کی کاٹ سے پتھر پر خد و خال ابھرتے رہے۔ میرے جذبے دل کی گہرائیوں سے اڈ کر پتھر پر نقش دوام بن جانے کے لئے مضطرب تھے۔ میرے بال بکھر چکے تھے' چٹان سے کٹ کر اڑنے والے سنگریزوں نے میرے چہرے کی کھال ادھیڑ دی' میرے سینے پر زخم لگائے' پھر میرے ہاتھ تکان سے بہک چلے' بار بار ہتھوڑی چھینی سے پھسل کر میری انگلیوں کو کچلتی اور میں ہر نئے زخم کے ساتھ ہی اپنے دل میں عزم تازہ کے سوتے پھوٹتے محسوس کرتا۔

رات ڈھلتی رہی۔ سنگتراش پتھر کا سینہ چیرتا رہا۔ جہاں اب نوکیلے ابھاروں کی جگہ ایک پرہیبت سی شبیہہ کے دھندلے دھندلے خد و خال نمودار ہو چلے تھے۔ ایک مرتبہ پھر میرا ہاتھ بہکا اور ہتھوڑی نے میرا بایاں انگوٹھا کچل ڈالا۔ چھینی میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ میں نے ایک ہلکی سی سسکاری لے کر اپنے ہاتھ پر نظر ڈالی۔ میری انگلیاں لہولہان ہو چکی تھیں اور انگوٹھے کے تازہ زخم سے گرم گرم خون کی گاڑھی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

میں نے اپنے دامن سے لہو کی وہ بوندیں خشک کیں اور زمین پر گری ہوئی چھینی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن مجھ سے پہلے ہی لمبی لمبی مخروطی انگلیوں اور دودھ جیسی رنگت والا ایک نرم و نازک' نسوانی ہاتھ نیچے جھکا اور چھینی سمیت اوپر اٹھتا چلا گیا۔

اس ہاتھ کے تعاقب میں میری نگاہیں اٹھیں اور اٹھی کی اٹھی رہ گئیں۔ خیمے میں رات

کا لامتناہی سکوت حکمران تھا۔ داہنی جانب دو مشعلیں فروزاں تھیں جن کی بھڑکتی ہوئی یرقان زدہ روشنی سے بار بار سکڑنے اور دراز ہونے والے سائے ہیبت کا طلسم باندھ رہے تھے خیمے کے باہر سردار جوبا کے بے رحم اور گونگے بہرے غلام طالیس کی مسلسل اور دبی دبی آہٹیں گونج رہی تھیں جیسے آج کی شب اسے کسی خونریز معرکے کا انتظار ہو۔

"تت..... تم یہاں کیسے آئیں؟" میں نے شوق اور خوف کے ملے جلے جذبات کے تحت کانپتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں اپنے سامنے کھڑی ہوئی پرجلال حسینہ سے سوال کیا۔

اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر غم انگیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "آج کی رات نخلستان ویران ہے' مانینی کسی لمبے سفر پر نکل گیا ہے۔"

میں نے کھڑا ہونا چاہا لیکن کئی گھنٹوں سے مسلسل بیٹھے رہنے کے باعث میری ٹانگیں کانپ گئیں اگر طوسیہ بڑھ کر سہارا نہ دیتی تو میں زمین پر گر پڑا ہوتا۔ "کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری!" طوسیہ درد انگیز لہجے میں بولی۔ "تمہارے چہرے پر خون کی سوکھی ہوئی پپڑیاں جمی ہوئی ہیں' ہاتھ زخموں سے چور ہیں۔ خود پر رحم کرو حسین!"

میں آنکھیں موند کر آسودگی کے احساس کے ساتھ مسکرایا۔ "میرا یہ خون مانینی سے خراج وصول کرنے والا ہے طوسیہ! میں چاند کی آخری شب سے قبل ایک ایسا حسین پیکر تراشنا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر ہر ایک کو دیوتاؤں کا قہر و جلال یاد آ جائے' میں بڑے کرب میں مبتلا ہو گیا ہوں طوسیہ! مجھے کسی دیوتا کا پیکر تراشنا ہے لیکن میں نے آج تک کسی دیوتا کا بت نہیں دیکھا' میں نہیں جانتا کہ وہ کیسے ہوتے ہیں.... وہ کیسے ہوتے ہیں؟" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا سر اس کے شانے سے ٹکا دیا۔

"میری خاطر تم مصیبت میں گھر گئے ہو۔" وہ گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے ہم آغوش ہوتے ہوئے بولی۔

اس کے ان الفاظ نے یک بیک مجھے چونکا دیا۔ تصورات کی ماورائی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آتے ہی مجھے یاد آیا کہ نخلستان میں طوسیہ اور زینو کی ایک پیچیدہ کہانی نے میرے ذہن کو الجھا دیا تھا۔ بوڑھے مانینی کے خیمے میں اترنے والے نیل کی شہزادیوں کے روشن ہیولوں' اور ان کی روایات نے ذہن میں سر ابھارا اور میں طوسیہ کا ہاتھ تھام کر فرش پر ہی بیٹھ گیا۔

"یہ بتاؤ طوسیہ کہ تم صرف روح کس طرح ہو؟" میں نے کانپتی ہوئی زرد روشنی کے انعکاس میں اسکے چہرے پر نظریں جما کر دریافت کیا۔

"تم نخلستان والے قصے سے پریشان ہو شاید۔" اس کے ہونٹوں پر محبت آمیز اور پروقار مسکراہٹ کے پھول بکھر گئے۔

"کیا وہاں تم ہی میری آغوش کی زینت بنی تھیں؟"

"سنو حسین!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں صرف ایک سایہ ہوں۔ جس کا ایک انفرادی روپ بھی ہے اور رنگ بھی لیکن تم چھو کر مجھے محسوس نہیں کر سکتے' میں تمہاری محبت اور زینو تمہاری پسند ہے۔ میں جب بھی مادی پیکر میں تمہارے سامنے آتی ہوں' زینو کے بدن کا سہارا لے کر آتی ہوں۔ لیکن اسے کچھ علم نہیں ہو پاتا۔ اس روز بھی وہ عالم لاہوت کے حسین خوابوں میں گم ہو کر نیند کی وادیوں میں روپوش ہو گئی تھی اور میں نے اپنے جذبوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کا جسم چرا لیا' میں اس میں حلول ہو کر آئی اور تم کو اس بدن میں میرے ہی خد و خال نظر آتے رہے۔ جب جوبا اور مانینی ادھر آئے تو میں لوٹ گئی اور نخلستان کی نرم گھاس پر پڑے ہوئے زینو کے بدن میں اس کی روح لوٹ آئی اور یوں تم سردار جوبا کے قیدی بن گئے۔"

"تو کیا تمہارے خد و خال میری نگاہوں کا فریب ہیں؟" میں نے کھوئی کھوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں! جب تک میں زینو کے بدن پر قابض رہتی ہوں' اس کے نقش و نگار میرا روپ دھارے رہتے ہیں' جیسے اس وقت تم مجھ ہی کو دیکھ رہے ہو۔ اس عالم میں میرے کسی بھی فعل سے نہ زینو کا تعلق ہوتا ہے' نہ اس پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ جب زینو دوبارہ اپنی اصلی حالت میں واپس آتی ہے تو اسے اپنے جسم کے ان گم شدہ لمحوں کی کہانی بھولے بھولے' بے ربط اور دھندلائے ہوئے خواب کی طرح یاد رہتی ہے۔" وہ اپنا سر میرے داہنے شانے پر ٹکاتے ہوئے بولی۔

باہر طالیس کے قدموں کی آہٹیں تیز ہو گئیں۔ مشعلوں کی روشنی مجھے قدرے ماند پڑتی نظر آنے لگی۔

"ایک بات اور بتاؤ گی؟" میں نے اس کی زلفوں سے اٹھتی ہوئی بھینی بھینی مہکار کے

خمار میں ڈوب کر اس سے سوال کیا۔

"میں تم سے دل ہار چکی ہوں حسین!" وہ میری پشت سہلاتے ہوئے بوجھل آواز میں بولی۔ "تم جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

"مانینی کے خیمے پر نظر آنے والے روشن ہیولوں کا کیا راز ہے؟" میں نے اپنا بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ میری سہیلیاں ہیں.... بچھڑی ہوئی روحوں کے ملاپ کو مانینی بہت پسند کرتا ہے' ان ہیولوں کی وجہ سے جبرن والوں پر اس کی قوت کا سکہ جما ہوا ہے۔"

"پچھلی ملاقات میں تم نے اپنے جسمانی وجود کا راز مجھ سے چھپایا تھا طوسیہ!" میں اپنے ہونٹ اس کے رخساروں سے مس کرتا ہوا بولا۔

"ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے حسین!" وہ بولی۔ "میں جبرن کے پروہتوں کے پشتینی انتقام کی قیدی ہوں اور مجھے اپنی زندگی کی خاطر احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔"

"جبرن انسان نما بھیڑیوں کی بستی ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ وحشی درندوں سے بھی بدتر ہیں' اور مانینی ان میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے' وہ تقدس کا لبادہ اوڑھ کر جبرن کی دوشیزاؤں کا دامن عصمت تار تار کرتا رہا ہے اور وہ لڑکیاں عاطیس دیوتا کی ہم آغوشی پر فخرمندی کا اظہار کرتی پھرتی ہیں۔ میں بہت جلد تمہیں اس شیطان کے چنگل سے نجات دلاؤں گا خواہ اس کے لئے مجھے اس مجسمے پر شب و روز کام کرنا پڑے۔"

"میرا جدی مسلک بت پرستی ہے حسین!" وہ بولی۔ "اور تم صنم تراش ہو' میرے محبوب ہونے کے علاوہ میرے لئے محترم بھی ہو' میں ہر آن تمہاری حفاظت کروں گی لیکن تم بھی خود پر رحم کرو تم نے ایک ہی روز میں اپنی کیا حالت بنا لی ہے؟"

"میرا ہر نیا زخم اور اس سے بہنے والی خون کی ہر بوند مانینی سے زندگی کی مہلت چھین رہی ہے طوسیہ! اس کے گھناؤنے کردار نے میرے وجود میں آگ بھڑکا دی ہے' جب تک اس کی بوٹیاں نہ نوچ لی جائیں' مجھے سکون نہیں ملے گا۔"

اس نے بے اختیار میری لہولہان انگلیوں کو چوم لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "دیوتا تمہاری نگہبانی کریں حسین' میں اپنی زندگی تمہارے بغیر بسر نہ کر سکوں گی۔"

میں نے دیوانہ وار اس کا منہ چوم لیا' میرے تھکے ہوئے اعصاب میں نشاط کی لہریں

پھیلنے لگیں' دل و دماغ میں دھنک رنگ جذبوں کا ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ میرے زخم خوردہ ہاتھ فنکارانہ مہارت کے ساتھ جنبش میں آئے اور میں مرمر سے تراشے ہوئے اس زندہ پیکر کی رعنائیوں میں گم ہونے لگا۔ اس کی نگاہوں میں خمار کے لہریئے دوڑ رہے تھے۔ لیکن وہ کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح بار بار چونک رہی تھی۔ جیسے اسے کسی کا خوف ہو۔ جیسے کوئی نادیدہ قوت اس کے تعاقب میں ہو۔ اور جب میں نے اس کے پیکر حسن کی نقاب کشائی کی جرات کی اور رندانہ سرمستی کے ساتھ اس کے لبادوں کے بندھن ادھیڑ ڈالے تو وہ ایک طرف سمٹ گئی۔

"مجھے جانے دو حسین!" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم مانیتی کی لاعلمی میں اس بند خیمے میں کسی دیوتا کا بت تراش رہے ہو' اگر مانیتی میری بو پا کر یہاں تک آ پہنچا تو کھیل بگڑ جائے گا اور دھواں اگلتی ہوئی تیرہ و تار وادیاں میرا مقدر بن جائیں گی۔"

میرے خوابوں کے شیش محل یک بیک بکھر گئے۔ موجودہ حالات میں مانیتی میرا سب سے خطرناک اور مکار دشمن تھا اور میرے مشن کی کامیابی کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ آخری مرحلہ طے ہو جانے تک مانیتی کو میرے اور جوبا کے مشترک عزائم کی بھنک نہ مل سکے۔

میں نے طوسیہ کو چھوڑ دیا' اس نے اپنے یاقوتی ہونٹ میری پیشانی پر ثبت کر دیئے اور ہوا کے دوش پر ہلکورے لیتی خیمے سے نکل گئی۔

میں اس سے کچھ نہ کہہ سکا' میرے کان باہر ٹہلتے ہوئے طالیس کے قدموں کی آوازوں پر جمے ہوئے تھے اور میں طوسیہ کی جانب سے متفکر تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ گونگا اور بہرا غلام طوسیہ کو اپنی وحشیانہ قوت کا نشانہ نہ بنا ڈالے۔ کیونکہ سردار جوبا نے اسے خیمے کی کڑی نگرانی کا حکم دیا ہوا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن خیمے سے باہر نہ مجھے طوسیہ کے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور نہ طالیس کی آہٹوں کے تواتر میں فرق آیا اور میں نے سمجھ لیا کہ طوسیہ اپنی پراسرار ماورائی قوتوں کے سہارے طالیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئی ہو گی۔

میں کافی دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں وہیں بیٹھا رہا ذہن میں عجیب سے لامتناہی سناٹے کی گونج سنسنا رہی تھی۔ آخر میری نگاہیں اس چٹان پر پڑیں جسے میں اپنے ہاتھوں سے

تراش رہا تھا اس چٹان میں انسانی ہیولا ابھر چکا تھا اور تھوڑی سی محنت کے بعد خد و خال کا باریک مرحلہ شروع ہونے والا تھا اس وقت مجھ پر تکان طاری ہو رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں مختصر وقت میں کافی کام نمٹا چکا ہوں اس لئے طبیعت آرام کی جانب مائل ہونے لگی اور میں ایک جانب بچھے ہوئے بستر پر دراز ہو گیا۔

نہ جانے کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ پھر شاید عالم خواب میں ہی میں نے خود کو سردار جوبا کی ایک خاص محفل میں اس کا ہم نشین پایا۔ وہاں میرے اور سردار جوبا کے مقابل بوڑھا مانیتی' جبرین کے دو مشہور شہ زوروں کے ہمراہ براجمان تھا' سردار جوبا کا خیمہ سہمی ہوئی برہنہ تن کنیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں سے کچھ کے سروں پر جنگلی پھول لگے ہوئے تھے' سردار جوبا اور مانیتی کے درمیان کپڑے کی بنی ہوئی شطرنج بچھی ہوئی تھی اور وہ بڑے انہماک کے ساتھ بازی کھیلنے میں مصروف تھا۔

سردار کے مہروں کی تعداد قدرے کم تھی۔ لیکن وہ کھیل پر چھایا ہوا تھا' دوسری طرف مانیتی مزید مہرے پٹوانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس کا چہرہ خاصا گمبھیر تھا۔

پھر اچانک ہی مانیتی نے سردار کے ایک رخ کو پیٹ لیا' جوبا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا' یہ زخم بہت کاری تھا۔ اس نے ایک نگاہ کنیزوں کے ہجوم پر ڈالی اور اگلی چال سوچنے لگا۔

"جوبا! بازی بڑھا دے۔ دس دس کنیزیں۔" مانیتی نے قہقہہ مار کر کہا۔

"منظور۔" جوبا جھلا کر بولا۔ پھر اس نے انگلی کے اشارے سے پھول والی کنیزوں میں سے تین کو علیحدہ ہو جانے کا اشارہ کیا اور وہ پھول اتار کر دوسری جماعت میں مل گئیں۔

"یہ بازی جیت گیا تو کنیزوں کے نیلام میں میرے وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔"

نیم اندھا مانیتی اپنی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ "مجھے اپنے نخلستان میں پتھروں کا مکان تعمیر کرانا ہے۔"

میرا رواں رواں کانپ اٹھا' سردار جوبا اور مانیتی کے درمیان کنیزوں کا جوا ہو رہا تھا اور مانیتی جیتی ہوئی کنیزوں کو کسی نیلام میں فروخت کرنے کا عزم رکھتا تھا۔

پھر سردار جوبا کی ہر چال الٹی ہونے لگی۔ اس کے مہرے تیزی کے ساتھ پٹنے لگے۔ مانیتی کا چہرہ فاتحانہ مسرت سے دمکنے لگا بار بار اس کی نگاہیں پھول والی کنیزوں کے ہجوم پر پڑتی تھیں' میں محسوس کر رہا تھا کہ مانیتی ان کنیزوں سے مالی منفعت حاصل کرنے سے قبل اپنی

ملکیت کا خراج بھی ضرور وصول کرے گا۔

آخر کار مانینی کے سات مہروں کے ہجوم میں سردار جوبا کا شاہ اور وزیر گھر گئے اور شہ پر شہ پڑنے لگی' مات سامنے تھی۔ لیکن جوبا مہرے اٹھنے سے قبل ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھا اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے۔ حلقہ تنگ ہوتا رہا اور جوبا کے مہرے اس طرح نرغے میں آئے کہ چال ہی باقی نہ رہی اور جوبا نے بساط الٹ دی۔

"زندگی میں پہلی بار تو مجھ سے ہارا ہے جوبا!" مانینی فتح مندانہ قہقہہ لگا کر بولا' ورنہ تو زندگی بھر جبرن کے جواریوں سے مال غنیمت میں ملی ہوئی کنیزیں جیتتا رہا ہے۔"

"فتح اور شکست مقدر کے کھیل ہیں مقدس مانینی!" سردار جوبا شراب کی صراحی حلق میں انڈیلتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

"ایک بازی اور ہو جائے تو اسے داؤ پر لگا!" یہ کہتے ہوئے مانینی نے مکارانہ انداز میں میری طرف اشارہ کیا۔ "اور میں اس قیدی کے مقابلے میں اپنی تمام کنیزیں داؤ پر لگاتا ہوں۔"

سردار جوبا نے میری جانب دیکھا' وہ نیم رضامند نظر آ رہا تھا اور شاید مجھ سے نئی بازی شروع کرنے کی اجازت چاہتا تھا۔

"نہیں سردار!" میں نے سر جھکا کر اس سے کہا۔ "آج تمہارے ستارے گردش میں نظر آتے ہیں' یہ بازی پھر کسی وقت سہی۔"

اور جوبا نے میری بات مان لی۔

"مگر تو زیادہ دن مجھ سے نہ بچ سکے گا۔" مانینی نے مجھ سے مخاطب ہو کر زہریلے لہجے میں کہا۔ "تیرا انجام میرے ہی ہاتھوں ہو گا۔"

یہ کہتے ہی مانینی نے ایک خونخوار عقاب کا روپ دھار لیا۔ اور تیزی سے میرے سینے پر ٹوٹ پڑا' اس کے پنجوں کی تیز چبھن سے میری جان نکل گئی اور میں بری طرح چیخنے لگا۔ میں نے اس عقاب کو چھاتی سے نوچ کر دور پھینکنا چاہا' مگر وہ جونک کی طرح میرے سینے سے چمٹا رہا۔ میں چیختا ہوا بستر سے اتر پڑا ----- میں اس وقت اپنے خیمے میں ہی موجود تھا۔ مشعلیں ابھی تک روشن تھیں' ترشی ہوئی چٹان اپنی جگہ موجود تھی اور میرے سینے سے لپٹا ہوا عقاب دلی [illegible] چیخوں کے ساتھ میرے سینے کا گوشت نوچے جا رہا تھا۔ میں نہ جانے کس جال

میں پھنس چکا تھا۔

اذیت کے اس عالم میں مجھے خیمے سے نکاسی کا راستہ تک نہیں سجھائی دیا۔ لیکن باہر پہرے پر موجود گونگا اور بہرا طالیس شاید اپنی چھٹی حس کے سہارے خطرے کی بو پا کر اندر گھس آیا۔ میری حالت دیکھ کر وہ ایک ثانیے کے لئے ٹھٹکا اور پھر ایک جلتی ہوئی مشعل لے کر میری طرف بڑھنے لگا۔

وہ عقاب خطرے کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر فوراً ہی میرے سینے سے الگ ہو کر اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا فضا میں بلند ہوا۔ طالیس نے آنکھیں بند کر کے جلتی ہوئی مشعل سے اس پر وار کیا پگھلی ہوئی گرم گرم چربی کی کئی بوندیں میرے بدن پر پڑیں اور میں دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اسی کے ساتھ فضا اس عقاب کی کریہہ چیخوں سے گونج اٹھی' طالیس کی مشعل نے اس کے پروں میں آگ لگا دی تھی' جلتے ہوئے پروں کی بو پھیلنے کے ساتھ اس آتش زدہ پرندے نے تیزی کے ساتھ خیمے کا چکر کاٹا اور طالیس کے اگلے وار سے قبل ہی خیمے سے نکل گیا۔

میرے لئے یہ نیا تجربہ بہت وحشتناک اور روح فرسا تھا میں فرش پر پڑا تڑپتا رہا۔ طالیس نے جھک کر ایک نظر میرا جائزہ لیا اور تیزی کے ساتھ خیمے سے باہر چلا گیا۔

اس کی واپسی میں چند منٹ سے زیادہ دیر نہیں لگی' اس بار سردار جوبا بھی اس کے ہمراہ تھا اس کے بھیانک چہرے پر فکر و تشویش کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

طالیس نے کسی ماہر جراح کی طرح زخم صاف کر کے ان پر مرہم لگایا اور پھر ان پر پٹی باندھ دی۔ چند ہی سیکنڈ میں مجھے بہت زیادہ سکون کا احساس ہوا اور میں نقاہت کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا جوبا نے سہارے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"مانینی کہاں ہے سردار؟" میں نے خوفزدہ نگاہوں سے اپنے گرد و پیش دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں جوبا سے سوال کیا۔

"میرے خیمے میں موجود ہے۔" جوبا نے متعجب ہوتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس وقت اس نابکار کا خیال کیسے آ گیا؟"

"کیا وہ تمہارے ساتھ کنیزوں کا جوا کھیل رہا تھا؟" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں دوبارہ دریافت کیا۔

"ہاں!" سردار جوبا کے خوفناک چہرے پر حیرت کے گہرے نقوش ابھر آئے۔ "آج میرا مقدر خراب تھا' مانیتی نے آج پہلی بار زندگی میں مجھے شطرنج کی بازی میں مات دی ہے...... مگر..... مگر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟.... تم تو یہیں تھے۔"

سردار کے یہ الفاظ سن کر میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ "مانیتی ابھی تک میری راہ پر لگا ہوا ہے سردار! وہ میری زندگی اجیرن کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"تم دہشت زدہ ہو۔" سردار جوبا نے مجھے بستر پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "مانیتی کا خوف تمہارے اعصاب پر سوار ہے۔ تمہیں سکون کی ضرورت ہے۔"

"میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے سردار!" میں کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ میری ویران نگاہیں خیمے کی فضا میں کسی نامعلوم نقطے پر مرکوز تھیں۔ "اور تم کہتے ہو کہ وہ خواب سچا تھا۔"

سردار جوبا نے بے یقینی کے ساتھ مجھے گھورا' اپنی ہتھیلی سے میری پیشانی کو چھوا اور طالیس کو شراب لانے کا اشارہ کیا۔

"میں ہذیان نہیں بک رہا ہوں۔" میں گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے' مانیتی کی پراسرار شخصیت اور اس کے ہولناک ماورائی حربے مجھے پاگل کر دیں گے۔"

"لو یہ پیو!" سردار جوبا مربیانہ انداز میں میرے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ اور میں نے ایک ہی سانس میں پورا جام خالی کر دیا۔

پھر میں نے اسے اپنی تازہ ترین کہانی سنا دی' فرط حیرت سے اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میرے خاموش ہوتے ہی وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑانے لگا۔ اس کی نگاہیں طالیس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

جوبا نے مخصوص اشاروں میں طالیس کو کڑی لعن طعن کی' اور اس نے زمین پر پیشانی رگڑ رگڑ کر اپنے اشاروں سے اسے یقین دلایا کہ میں تمام وقت اسی خیمے میں مقید رہا ہوں۔ حتیٰ کی میں نے کھلا ہوا آسمان تک نہیں دیکھا۔

"تب پھر تو سچ ہی کہتا ہے۔" آخر کار جوبا نے کہا۔

جوبا نے اپنے خیمے کے واقعات مجھے سنائے جو میرے خواب سے بس اس حد تک مختلف

تھے کہ میں وہاں موجود نہیں تھا اور مانیتی نے عقاب کا روپ نہیں دھارا تھا' بلکہ سردار جوبا اسے انسانی ہیئت میں ہی چھوڑ کر آیا تھا۔ میرا خواب اس حد تک سچا تھا کہ مانیتی نے سردار کو جوئے میں مجھے داؤں پر لگانے کی ترغیب دی تھی۔

"میں جا رہا ہوں۔" خیمے کے واقعات سناتے سناتے اچانک سردار جوبا گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔ "کہیں مانیتی میری تلاش میں اسی طرف نہ نکل آئے۔"

جوبا کے ساتھ ہی طالیس بھی پہرہ دینے کے لئے خیمے سے باہر نکل گیا اور میں کسی پامال' ستم رسیدہ اجنبی کی طرح اپنے ہی تراشے ہوئے پتھر کے بے ہنگم خد و خال کو گھورنے لگا۔

نہ جانے کتنی ہی دیر میں اسی عالم میں کھویا رہا پھر جوبا کے قدموں کے شور سے میری محویت کا طلسم ٹوٹا۔ سردار جوبا کسی بدمست بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ وفور جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کی نگاہوں میں خوف کے دھندلے سائے بھی لرزاں نظر آ رہے تھے۔

اس نے مضبوطی کے ساتھ میرے شانے جکڑ کر ہیجان سے کانپتی ہوئی آواز میں بتایا کہ میرے پاس سے واپسی پر اس نے اپنی نگاہوں سے خبیث مانیتی کا بدن کئی جگہ سے جھلسا ہوا دیکھا ہے' جس وقت سردار جوبا اپنے مخصوص خیمے میں واپس پہنچا تو مانیتی آنکھیں موندے آتش دان کے سامنے آلتی پالتی مارے مراقبے کے عالم میں براجمان تھا اس کے داہنے ہاتھ میں جلتے ہوئے انگارے دبے ہوئے تھے اور اس کا چیتھڑوں جیسا لباس اور گوشت سے محروم بدن جا بجا جھلسا ہوا تھا' سردار جوبا کے واپس پہنچتے ہی مانیتی نے آنکھیں کھول دیں۔ دہکتے ہوئے انگارے آتش دان میں پھینک دیئے اور معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جوبا کو بتایا کہ اس کی عدم موجودگی میں وہ اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنے کی مشق کے طور پر اپنے بدن کو دہکتے ہوئے انگاروں سے داغ رہا تھا تاکہ سردار جوبا کے انتظار کے لمحات باآسانی گزر سکیں۔

"اس نے تیرے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔" جوبا مجھے جھنجھوڑتے ہوئے جوشیلی آواز میں بولا۔ "وہ بہت مکار ہے' وہ بدروحوں اور پراسرار قوتوں کا شہنشاہ ہے' وہی عقاب کے روپ میں تجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے جلے ہوئے بدن کو دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ طالیس نے جس عقاب کو جلا کر زخمی کیا تھا وہ مانیتی ہی تھا۔۔۔ اف! میرے رب! یہ تو میں نے کبھی نہ سنا تھا کہ اگیاریوں کے پروہت خونی پرندوں کا روپ بھی دھار لیتے ہیں۔"

سردار جوبا کے الفاظ کھوکھلے اور عزم متزلزل تھا۔ وہ مانیتی سے بری طرح خوفزدہ اور گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"سردار! اب اس کے دن قریب ہیں۔ میں وقت سے پہلے ہی یہ بت مکمل کر لوں گا۔" میں نے نہایت سوچ سمجھ کر اس سے کہا۔

"نہیں نہیں.... میں مانیتی سے ٹکر نہیں لے سکتا۔" وہ تیزی سے بول اٹھا۔ "میں اس کے خلاف سازش کر کے زندہ نہ بچوں گا۔ اس کی روح زندگی بھر بے آب و گیاہ ریگستان میں میرا تعاقب کرتی رہے گی۔ وہ میری زندگی کو قابل رحم بنا دے گا!"

"سردار! تم مجھ سے عہد کر چکے ہو!" میں اس کے سامنے تن گیا۔

"وہ سب کچھ جان چکا ہے اور مجھ سے اس کا تذکرہ نہ کر کے وہ مجھ سے کھیل رہا ہے، جیسے بلی شکار سے قبل چوہے کو زندگی کی امید دلا دلا کر دوڑاتی اور خوش ہوتی ہے۔"

"بزدل نہ بنو سردار!" میں نے ہمت سے کام لیتے ہوئے واضح لہجے میں کہا۔ "بات اب بہت آگے بڑھ چکی ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ سب واقعات مہیب اتفاقات ہوں، ہتھیار ڈال کر بھی تم مانیتی کے اندھے انتقام سے نہ بچ سکو گے، پھر کیوں نہ تم اس پر آخری وار بھی کر ڈالو۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو ہم اس فتنے کو مٹا دیں گے، اس کی لاش صحرائی گدھوں کے لئے خوان نعمت ثابت ہو گی، باہر سے لائی جانے والی اجنبی لڑکیوں کی لاشیں نوچتے نوچتے وہ بھی اکتا چکے ہوں گے۔"

"خاموش!" جوبا دھیمی آواز میں غرایا۔ "اجنبی لڑکیوں کے طعنے کی ضرورت نہیں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں ان ماؤں کی کوکھ پر جو ایسی لڑکیاں جنتی ہیں جو جبرین کی مردوں کی ہم آغوشی تک نہیں سہہ سکتیں۔"

میری زبان تالو سے جا لگی۔ جوبا ان غیر یقینی اور لرزہ خیز حالات میں بھی وحشیانہ مردانگی کے جدی ورثے کو نہ بھولا تھا۔

"میں نے تجھ سے صرف مانیتی کی خاطر سمجھوتہ کیا ہے۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ "اب اگر تو نے لفظوں کے نشتر چلانے کی جسارت کی تو ایک ہی جھٹکے میں تیری گردن شانوں سے اکھیڑ ڈالوں گا۔ میری رگوں میں صحرا کے بیٹوں کا جری خون دوڑ رہا ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" میں نے سر جھکا کر زخم خوردہ آواز میں کہا۔ لیکن میں خوب

سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ نہ پہنا سکے گا۔ میں اس کی بیٹی زینو کی عصمت چرا چکا تھا۔ کم از کم وہ یہی سمجھ رہا تھا اور جبرین کی روایت کے مطابق وہ مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا، ورنہ نادیدہ قوتیں اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتیں۔

چند لمحوں تک خیمے میں بھیانک سکوت چھایا رہا۔ مشعلوں کی بار بار بھڑکتی اور ماند پڑتی روشنی میں سردار جوبا کا بھیانک چہرہ کچھ اور بھی ڈراؤنا ہو گیا تھا۔

"سن حسین!" آخر اس نے فیصلہ کن لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ "مانیتی، جبرین کی خاک سے ہی پید ہوا ہے اور وہ آگیاری کا مقدس پروہت ہے، اس سے کھلی ٹکر لیتے ہوئے میری روح کانپ رہی ہے۔ تو خاموشی سے مجسمہ تیار کئے جا۔ اگر اس دوران میں مانیتی یہاں آ پہنچا اور اس نے تجھے سزا دینی چاہی تو میں آڑے نہ آؤں گا۔ مجھے اپنی زندگی پیاری ہے۔ ہاں تو ایک بار یہ بت مانیتی کے خیمے میں پہنچا دے تو پھر میں اس سے ٹکرا جاؤں گا۔"

سردار جوبا کی اس درجہ خود غرضی اور مکاری پر میرا خون کھول اٹھا مگر میں نے اپنے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے اس سے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں اس پر بھی تیار ہوں۔ میری زندگی تو ویسے بھی آخری سانسوں پر ہے میں مانیتی سے ضرور انتقام لوں گا۔"

"انتقام!..... کس بات کا؟"

معاً مجھے خیال ہوا کہ میں غلط بات کہہ گیا ہوں۔ انتقام کا تذکرہ کرتے ہوئے میرے ذہن پر طوسیہ کا کرب چھایا ہوا تھا۔ جوبا کے ٹوکتے ہی بات بدل دی۔ "مانیتی نے مہلت دیئے بغیر مجھے تمہارے ہاتھوں مروانا چاہا تھا اور اب عقاب کا یہ حملہ بھی اسی کی شرارت ہے۔"

"یہ تم جانو!.... مگر یہ یاد رہے کہ میں مانیتی کے مقابلے میں کھل کر تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔" سردار جوبا یہ کہتا ہوا خیمے سے واپس چلا گیا۔

وہ چلا گیا۔ میں کافی دیر تک پتھرائی ہوئی آنکھوں سے خیمے سے نکاسی کے راستے کو گھورتا اور کانوں سے بہرے طائیس کے قدموں کی مضطرب آہٹیں سنتا رہا۔ صحرا میں چلنے والی خنک ہوا کے جھونکے خیمے سے ٹکرا کر پرہول سرسراہٹیں پیدا کرتے رہتے اور میرے ذہن میں لاہوتی سناٹے کی بازگشت گونجتی رہی۔ یہ کیفیت بہت دیر تک قائم رہی پھر میرے اعصاب اور حواس پر جمی ہوئی برف دھیمے دھیمے پگھلنی شروع ہوئی اور میں مستقبل کے دھندلائے ہوئے خاکوں میں گھرتا چلا گیا۔

جبرین کے خوفناک اور بے رحم سردار' جوبا کی حسین بیٹی جو میری پسند تھی اب کسی گندے خیمے میں جوبا کی کنیزوں کے ہمراہ اپنے مقدر کے ان تاریک ترین لمحات کی منتظر تھی' جب مجھے چاند کی آخری شب کی ہولناک سیاہی میں مقدس الاؤ کے اوپر الٹا لٹکا کر موت کی سرد اور سفاک ترین وادیوں میں دھکیل دیا جاتا اور وہ اپنے آقا کی موت پر لاوارث قرار دے دی جاتی۔ پھر اسے مقدس الاؤ کے لہو رنگ شعلوں میں اپنی زلفیں جلا کر سر میں خاک اڑانی پڑتی۔ اس کے بعد کے پانچ ماہ اس کی زندگی کے لئے فیصلہ کن ہوتے' اگر اس کی کوکھ میں میرا گناہ انگڑائیاں لینے لگتا اور وہ کوئی زندہ بچہ جن دیتی تو اس کی پیشانی سے لاوارث ہونے کا حقیر ترین داغ مٹ جاتا اور وہ عزت کے ساتھ جبرین میں زندہ رہتی۔ لیکن میں خوب جانتا تھا...... مجھے طوسیہ بتا چکی تھی' مجھ سے مانینی نے کہا تھا کہ میں نے زینو سے گناہ کا رشتہ استوار نہیں کیا ہے۔ ایسی صورت میں جب پانچ ماہ بعد بھی زینو کے شکم میں کسی نئے وجود کے سہمے سہمے سانسوں کا ارتعاش نظر نہ آتا تو پھر وہ دھول ڈال کر جبرین کی اس چوپال میں جا بیٹھتی جہاں عورت کی حیا' اس کی نسوانیت' اس کی دوشیزگی اور اس کے وقار کے دامن کے چیتھڑے اڑائے جاتے تھے۔ جبرین کی لاوارث بیواؤں کے اس مسکن میں' دن کے اجالوں میں اور شب کی گناہ افروز تاریکیوں میں' جبرین کے خون آشام قزاق اپنی ہوس ناک اور ننگی نگاہوں سے اس کا بدن چھیدنے اور پھر اس کے نرم و گداز بدن سے اپنی کرخت نگاہوں کو سیراب کرنے کے لئے در آتے۔۔۔۔۔ اور میری موت کے بعد یہی اس بدنصیب لڑکی کا مقدر ہونے والا تھا کہ وہ اپنے وحشی باپ کی حکمرانی میں اس کی درندہ صفت رعایا کے ہاتھوں یونہی نوچی اور جھنجوڑی جائے۔

جوبا' جس کا چہرہ خوفناک اور جس کے عزائم لرزہ خیز تھے' وہ اپنی بیٹی کی محبت کو اپنی جان اور اپنے اقتدار کے خوف پر قربان کر چکا تھا' وہ پہلے میرا دشمن ہوا۔ پھر خلوت میں مجھ سے سازشی معاہدہ کیا اور جب مانینی نے اپنی پراسرار قوتوں کی کائنات کے ایک گوشے سے پردہ سرکایا تو جبرین کا وہ سورما اپنے عہد کو فراموش کر کے مجھے مانینی کے مقابلے میں بے سہارا چھوڑ گیا' وہ مانینی جو مخنی تھا' مگر اس کے قبضے میں طاغوتی قوتوں کا وہ لشکر تھا' جس کے سامنے بنت نیل بھی بے بس تھی۔

بنت نیل --- میری محبت' میری زندگی کا سرچشمہ اور میری امنگوں کا گداز تھی' وادی

نیل کی عظیم وسعتوں پر حکمرانی کرنے والے ایک صنم پرست کی وہ خوش جمال اور نازک اندام بیٹی' پہلی ہی نظر میں میرے رباب دل کے تاروں پر محبت کے وہ لطیف نغمے جگا گئی تھی کہ اب ان نغموں کے طلسم سے نکل جانا میرے بس میں ہی نہیں رہ گیا تھا۔ مجوسی قزاقوں کے جدی انتقام نے اسے جسم اور روح کے متضاد حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا۔ جسم بے جان اور صحرا کی وسعتوں میں کسی نامعلوم صندلیں معبد کا قیدی تھا اور اس کی روح پیکر سے عاری تھی جس پر جبرین کا مکار پروہت قابض تھا۔

موت میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ مقدس الاؤ کی اذیت ناک موت' یا مانینی کے مقابلے' میں سے مجھے ایک راستہ چننا تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اب اس راہ پر میں تنہا چلوں گا۔ طوسیہ کی روح بھی شاید میرا ساتھ نہ دے سکے۔۔۔۔۔ میں سوچتا رہا۔ سوچتا رہا۔

اور پھر میری ورم آلود نگاہیں پتھر کی اس چٹان پر جم کر رہ گئیں جس میں چھپے ہوئے کسی دیوتا کو مجھے اپنے فن کے سہارے ابھارنا تھا! میں آہستگی مگر عزم کے ساتھ اٹھا' اوزار تھامے اور پھر رات کا پرہول سناٹا' خیمے میں ابھرنے والی سنگ و آہن کی دھمک سے گونج اٹھا۔

وقت ڈھلتا رہا' اور میرے ہاتھوں' بلکہ میرے عزم کے ہاتھوں پتھر کی وہ ٹھوس چٹان' موم کے کسی ڈھیر کی طرح تیزی کے ساتھ یونانی دیو مالا کی طرز کے کسی اجنبی پیکر میں پگھلنے لگی۔

سحر طلوع ہوئی' جوبا کا گونگا اور بہرا غلام' طالیس ناشتے کا سامان لے کر آیا اور لوٹ گیا' پھر دن ڈھلا اور شام بھی آ گئی۔ لیکن میرے ہاتھ نہ رکے۔ میرے ہاتھوں کی رگوں پر ورم آ چکا تھا' اعصاب پر لرزہ چھاتا جا رہا تھا' آنکھوں کے سامنے روشنی کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔ جسم شل ہو چکا تھا۔ گردن ٹوٹتی معلوم ہو رہی تھی' سینے کے زخم سے طویل مشقت اور بے احتیاطی کے باعث خون رسنے لگا تھا' مگر مجھ پر جنون غالب آ چکا تھا۔ میں نے نہ کھانے کا رخ کیا' نہ زخم کی پرواہ کی' نہ لہولہان انگلیاں مجھے پریشان کر سکیں' نہ بینائی کی دھندلاہٹ میری تڑپ پر غالب آ سکی' میں مسلسل اپنے کام میں لگا رہا طالیس کھانے پینے کا سامان لاتا رہا اور یوں ہی واپس لے جاتا رہا۔ کئی بار اس کے قدموں کی آہٹوں اور اس کے حلق سے نکلنے والی دبی دبی غراہٹوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میرے جنون پر حیران ہے لیکن میں نے اس کی طرف دھیان تک نہ دیا۔

تین راتیں آئیں اور بے خبری کے عالم میں گزر گئیں۔ میرا بدن اپنے لہو کی سرخی سے گلنار ہو چکا تھا' بہکے ہوئے ہتھوڑوں اور چٹان سے اڑنے والے تیز دھار ٹکڑوں نے اپنی سفاکی میں کسر نہ چھوڑی تھی لیکن جوں جوں کام آگے بڑھ رہا تھا میرا جوش بھی اپنے عروج پر پہنچتا جا رہا تھا۔

دیوتا کا نچلا دھڑ مکمل ہو چکا تھا برہنہ دھڑ کی رگیں اور پسلیاں تک پتھر پر ابھر آئی تھیں چہرے کے تمام نقوش فنکارانہ باریکیوں کے مرحلے میں داخل ہو چکے تھے میری خون سے چپچپاتی ہوئی انگلیوں کے دھبے اس سنگیں پیکر کو کچھ اور ہی نکھار دے رہے تھے' میں نے پتلے پتلے ستواں ہونٹ' مکمل کئے' کشادہ آنکھوں پر پلکوں کا سنگیں سائبان تیار کیا' پیشانی کی کشادگی میں اقبال مندی کی شان ابھاری' بالوں کے خم درست کئے اور جب میں اس کی پتلی سی ستواں ناک پر آخری ضربیں لگا رہا تھا تو یکبارگی میرا ہاتھ بہکا اور ہتھوڑا گرم ہوتی ہوئی چھینی سے اچٹ کر مجسمے کی داہنی آنکھ کے ڈھیلے پر پڑا اور وہاں عیب پیدا کر گیا۔۔۔۔ میرے دل کی گہرائیوں سے کرب کی ایک ناقابل بیان لہر ابھری اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں نے اپنے پہلے مکمل شاہکار کے اس عیب کو دیکھتا تیورا کر فرش پر پڑے ہوئے پتھریلے ریزوں کے انبار پر ڈھیر ہو گیا۔ فن کار کا فن اس کے اپنے ہاتھوں گھائل ہو چکا تھا۔

وہ خواب کا عالم تھا یا گہری بے ہوشی' یہ مجھے یاد نہیں۔ جب مجھے دوبارہ وقت اور اپنے ماحول کا شعور حاصل ہوا تو میری کرب ناک نگاہیں گونگے اور بہرے طالیس کے چمکدار بدن سے پھسلتی خیمے کا طواف کرنے لگیں۔ اور پھر پتھر کے اس مجسمے پر جا ٹھہریں۔

پتھر کی بھوری چٹان کے نوکیلے اور بھونڈے پن میں سے ابھرا ہوا وہ مجسمہ واقعی شاہکار تھا' میری حساس اور مضطرب نگاہیں بہت آہستہ آہستہ اس مجسمے پر پھسلتی رہیں اور میرا دل گہرے سکون اور آسودگی کے سمندر میں ہلکورے لیتا رہا وہ پیکر اس قدر مکمل اور جاندار تھا کہ پہلی نظر میں اس کی اصل کو پہچاننا دشوار تھا زندگی کے فطری رنگوں سے محروم ہونے کے باوجود یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بت ابھی زندہ ہو کر بول پڑیگا۔ اس کے پتلے پتلے ستواں ہونٹوں پر الم انگیز مسکراہٹ کا گمان ہوتا تھا' جیسے وہ اپنی زخم خوردہ آنکھ پر دلی کرب میں مبتلا ہو' اس کے چہرے پر ایسا جلال چھایا ہوا تھا کہ میں زیادہ دیر نگاہ بھر کر اسے نہ دیکھ سکا۔

میرا بدن بری طرح ٹوٹ رہا تھا' گزرے ہوئے کڑے لمحات کے نقوش میری ہڈیوں

تک میں پیوست ہو چکے تھے۔ جوڑ جوڑ میں درد' اعصاب میں کھچاؤ' خون کی خشک پپڑیوں کے نیچے خوابیدہ زخموں کی کسک سے میرے ذہن پر بار بار دھند چھائی جا رہی تھی' میں نے بلند آواز میں کراہ کر اپنے بدن کو جنبش دی اور سسکی لے کر رہ گیا' میرا جنون اس بار پوری طرح رنگ لایا تھا۔

میں آنکھیں موندے چند لمحے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس خیمے میں میرا تراشا ہوا مجسمہ تھا' یا جبرین کے سردار جوبا کا سدھایا ہوا غلام طالیس' اپنی پیشانی پر کسی کے سخت اور کھردرے ہاتھ کا جلتا ہوا لمس محسوس کر کے میں چونک پڑا اور آنکھیں کھول دیں۔

سماعت اور گویائی سے محروم وہ وفادار غلام مجھ پر جھکا ہوا تھا اور اس کے برہنہ بازوؤں کی مچھلیاں بار بار پھڑک رہی تھیں' اس کا سیاہ اور توانا بدن سیاہ سیپیوں کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کے چہرے کے کرخت نقوش پر نرماہٹ بکھری ہوئی تھی' موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں پر ہمدردانہ مسکراہٹ رقصاں تھی اور اس کے ہاتھ کے دباؤ میں محبت محسوس ہو رہی تھی۔

صحرائی قزاقوں کے خون آشام انبوہ میں اپنا ایک ہمدرد پا کر میں چند ثانیوں کے لئے اپنا عذاب تک بھول گیا اور بے ساختہ میرے لب مسکرا اٹھے۔

ہم دونوں میں ایک غلام تھا اور دوسرا قیدی! نام مختلف تھے مگر حیثیت میں کوئی فرق نہیں تھا اس کے سوا کہ ایک حالات سے سمجھوتہ کر چکا تھا۔ اور اپنے آقا کی خوشنودی کو زندگی کا محور بنا چکا تھا' جبکہ دوسرا حالات سے برسرپیکار تھا۔

میں نے ممنون نگاہوں سے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی آنکھیں مسکرا اٹھیں' اس نے اشارے سے میری حالت دریافت کی اور میں نے بمشکل اسے بتایا کہ میں بھوکا اور پیاسا ہوں۔

میرا مفہوم سمجھتے ہی وہ لپک کر خیمے سے نکل گیا' چند منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں کئی برتن تھے۔ اس نے وہ سامان میرے سامنے رکھ دیا۔۔۔ سامان خورد و نوش کی اشتہا انگیز خوشبو نے مجھے بے چین کر دیا۔ اور میں نے کہنیوں کے بل بستر سے اٹھنا چاہا شاید بے ہوشی کے عالم میں مجھے طالیس نے لٹا دیا تھا۔ کہنیوں پر زور ڈالتے ہی میرے سینے میں درد اٹھا اور میں کراہ کر بستر پر گر گیا۔

طالیس نے خفگی آمیز نظروں سے مجھے گھورا اور پھر سہارا دے کر اٹھا دیا۔ میری بے

صبری اور بے احتیاطی اسے پسند نہیں آئی تھی۔

میرے سامنے رکھے ہوئے برتنوں میں تازہ کھجوریں' ناریل کا پانی' جو کی روٹی اور شراب موجود تھی۔ میں طالیس کی طرف دیکھے بغیر کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

میں جانوروں کی طرح وہ برتن صاف کرتا رہا۔ طالیس سہارا دیئے پر تشویش نظروں سے مجھے گھورتا رہا۔ اور جب میں نے شراب کے برتن سے آخری گھونٹ تک حلق میں انڈیل لیا تو اس نے احتیاط کے ساتھ مجھے بستر پر دوبارہ لٹا دیا۔

آتش شکم سرد ہوتے ہی مجھ پر ایک بار پھر غنودگی کا حملہ ہوا لیکن جونہی وہ مجسمہ یاد آیا میں بے چین ہو گیا' طالیس سے نظریں چار ہوئیں اور میں سوچنے لگا کہ کسی طرح اس کو اپنے ساتھ تعاون پر آمادہ کیا جائے۔ اس کا بہرہ پن اس وقت بہت گراں محسوس ہو رہا تھا۔

اور پھر وہاں اشاروں کی زبان میں گفتگو شروع ہو گئی۔

"کیا جوبا یہاں آیا تھا؟" میں نے ہاتھ کے اشاروں اور ہونٹوں کی جنبش کی مدد سے طالیس سے سوال کیا۔

"وہ اب نہیں آئے گا۔" اس نے اشاروں اور بے معنی آوازوں کا سہارا لیا۔ "میرا ... بیسیوں آدمیوں پر بھاری ہے مگر وہ مانیتی کی نحوست سے بری طرح خوفزدہ ہے۔"

"آج چاند کی کونسی رات ہے؟"

"تیسویں۔"

"جوبا نے مجھے دھوکا دیا ہے!" میں پرجوش اشاروں کے ذریعہ اسے سمجھانے لگا۔ "اب میں چھ سات رات کا مہمان ہوں' مجھ پر ایک ایک پل بھاری گزر رہا ہے۔"

"میں تمہاری کہانی سے لاعلم ہوں۔ میرے آقا نے مجھے تمہاری حفاظت کا حکم دے کر یہاں مامور کیا ہے۔" طالیس نے خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ہاتھ کے اشاروں سے بتایا۔

میں نے ایک طویل سانس لیا اور اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لے کر اسے مختصراً اپنی کہانی سمجھانے لگا' میری پرامید نگاہیں اس سیاہ فام غلام کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات پر مرکوز تھیں اور یہ دیکھ کر میرا دل بلیوں اچھلنے لگا کہ میری بپتا پر اس کا دل موم ہوتا جا رہا ہے۔"

"جب جوبا نے تمہارا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے تو تم نے یہ مجسمہ کیوں تیار کیا ہے؟"

"تم!" میں نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "محض تمہاری امید پر میں نے اپنے شب و روز کا خون کیا ہے.... میری حالت تو تمہارے سامنے ہے!!"

"تمہیں تو میں ہرگز باہر نہ جانے دوں گا۔ وفاداری میرے خون کا جزو ہے۔"

"چلو میں نہیں جاؤں گا.... اگر تم کسی طرح یہ بت مانیتی کے خیمے میں خفیہ طریقے سے پہنچا دو' تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جوبا سے تمہیں رہائی دلا دوں گا۔"

وہ بے اختیاری سے ہنس پڑا۔ "میں حالات سے سمجھوتہ کر چکا ہوں۔ تم مجھے لالچ دلانے کی کوشش نہ کرو۔"

پھر میری یہ بحث طول پکڑنے لگی وہ ذہنی طور پر اپنے حالات سے پوری طرح مطمئن تھا' اس نے سمجھ لیا تھا کہ اسے دنیا میں جوبا کی غلامی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے' میں نے ہر ممکن دلیل سے کام لیا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا اسے مجھ سے ہمدردی ضرور تھی۔ لیکن وہ میری خاطر جوبا کو فریب دینے پر آمادہ نہ تھا۔

اپنا وار خالی جاتا دیکھ کر میں پریشان ہو گیا۔ طالیس کے انکار کے بعد جبرین کی سرزمین پر کوئی ایسا نہ تھا جس کے دل و دماغ پر مانیتی کا خوف حاوی نہ ہو' عورتوں اور مال و دولت کے لئے انسانی خون کی بھیانک ہولی کھیلنے والوں میں کوئی ایسا سورما نہیں تھا جو میرا ساتھ دیتا' مایوسی اور بے بسی کے اس عالم میں' میں نے طالیس پر دوسرے رخ سے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میری خوشامد اور التجاؤں پر اس کا رنگ بدلا' اس کی نگاہوں سے دبا دبا خوف اور تذبذب جھانکنے لگا۔ لوہا گرم پا کر میں نے ساری توانائیوں کے ساتھ آخری ضرب لگائی اور بستر سے گھسٹ کر اس کے قدموں سے لپٹ گیا' وہ یونہی بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ اور پھر جھرجھری لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

میں نے فریادی نگاہیں اس کی طرف اٹھائیں اور وہ مجھ پر جھک پڑا۔

اس نے رازدارانہ اشاروں میں مجھے انتظار کی ہدایت کی اور میرے پاس سے چلا گیا' اس وقت مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ خوشامد کا وار کتنا کاری ہوتا ہے۔ طالیس جیسا اصول

پرست اور سخت گیر غلام بھی میرے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ رات کی سیاہی میں میرے خیمے کے دروازے پر ایک اونٹنی لے کر آیا اور پھر وہ سنگیں مجسمہ اٹھا کر باہر لے گیا' چند ثانیوں کے بعد باہر اونٹنی کی ہمک سنائی دی اور فضا میں گہرا سناٹا چھا گیا۔

طالیس وہ مجسمہ لے کر مانیئی کے خیمے کی طرف جا چکا تھا' اب اس کے مشن کی کامیابی پر میری زندگی اور نجات کا انحصار تھا۔

پھر وقت کی رفتار یک بیک ست پڑ گئی' لمحے رینگنے لگے۔ میرے اعصاب اور دل و دماغ پر ہیجان آمیز وحشت چھانے لگی۔ میں اپنی تمام تکلیفیں بھول گیا۔ زخموں کی کسک اور ان سے رستی ہوئی خون کی لکیریں بھی میرا دھیان نہیں بٹا سکیں۔ میں عالم تصور میں طالیس کو مانیئی کے پرہول نخلستان میں داخل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

جب وقت طویل ہونے لگا اور طالیس واپس نہ آیا تو میں سخت پریشان ہوا' میرے ذہن میں انجانے وسوسوں کی دھند پھیلنے لگی' اپنی بے بسی اور نقاہت پر طیش آنے لگا۔ مشعلوں کی بھڑکتی ہوئی روشنی سے مجھے دہشت محسوس ہونے لگی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے خیمے کے نیالے فرش پر طاغوتی سائے سرکبف ہو کر خونریزی اور جنگ و جدل میں مبتلا ہوں۔

آخر کار میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور میں مٹھیاں بھینچ کر زور سے چیخ پڑا۔

"طالیس!.... تم کہاں رہ گئے میرے دوست!"

میری کرب آلود آواز کا ابھرنا تھا کہ صحرا سے آتی ہوئی خنک ہوا میں یک بیک خوشبوؤں کا ایک طوفان سمٹ آیا۔ میں نے تعجب کے ساتھ گہرے گہرے سانس لے کر ہوا میں رچی ہوئی تیز خوشبوؤں کو سونگھا' مگر کچھ نہ سمجھ سکا۔ ابھی میں خوشبوؤں کے اس سیلاب سے ششدر و مبہوت ہی تھا کہ دوسرا عجیب واقعہ پیش آیا۔ خیمے سے بہت دور کہیں کانسی کی ننھی ننھی گھنٹیوں کا دھیما ترنم گو نجتا سنائی دیا۔ پہلے میں اسے اپنے تھکے ہوئے اور زخم خوردہ اعصاب کا وہم سمجھا۔ لیکن نہیں وہ زندہ حقیقت تھی' آفاق کی رفعتوں میں پھیلی ہوئی وہ نغماتی گونج دھیمے دھیمے زمین کی جانب اترنے لگی۔ میں پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑے اور سر اٹھائے آہنگ اور بو کے اس سرور آمیز عالم میں کھونے لگا۔ گھنٹیوں کا شور آہستہ آہستہ تیز ہوتا رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آسمانوں پر بسنے والی ہزاروں مقدس اور

پاکیزہ روحیں اپنے نرم اور سفید سفید پروں کے سائے میں کسی پرجلال شہزادی کو لئے گنگناتی چلی آ رہی ہیں۔

میرا دل فرط حیرت سے کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا' کرب و اذیت میں مبتلا وجود پر غیر ارادی طور پر فرحت و مسرت کی ایک نادیدہ چادر محیط ہوتی چلی گئی' وہ نغماتی گونج اب بار بار تیز اور دھیمی ہو رہی تھی' جیسے صحرا میں بہت دور سے گزرنے والے اونٹوں کے کارواں کی گھنٹیوں کی آوازیں ہواؤں کے دوش پر آوارہ پھر رہی ہوں' خوشبوؤں کے سرور سے میری شریانوں میں خون کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ میرا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ کانوں کی لویں تپتے ہوئے لوہے کی طرح جلنے لگیں' میں پورے انہماک اور شوق کے ساتھ کسی انہونی کے ہونے کا منتظر تھا۔ مگر کچھ نہ ہوا وہ شور یوں ہی پھیلتا اور گھٹتا رہا۔ آخر تیز خوشبوؤں سے میرا دم گھٹنے لگا' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر آنکھیں بھینچ لیں۔

آنکھیں بند کرتے ہی نہ وہ بو باقی رہی' نہ آوازوں کا ترنم ریز ارتعاش باقی رہا۔ فضا پر ایک مہیب غیر فطری سناٹا پھیل گیا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور میرے دل پر شادی مرگ کی سی ناقابل بیان مگر سرور آمیز کیفیت طاری ہو گئی۔

بنت نیل یعنی طوسیہ میرے سامنے موجود تھی' اس کے سر پر ٹکا ہوا طلائی نشان شاہانہ انداز میں جگمگا رہا تھا۔ اس کی بلور کی طرح چمکتی ہوئی آنکھوں میں دلی کرب کی تحریر ثبت تھی' اس کی ریشمی زلفیں چہرے پر یوں آوارہ تھیں جیسے سرمئی بادلوں کی رنگین مزاج ٹکڑیاں چاند کا چہرہ چوم رہی ہوں' اس کے رخسار انجانے جذبات کی تمازت سے دہک رہے تھے اور بھیگے بھیگے یاقوتی ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"طوسیہ.....!" میرے ہونٹوں سے پرشوق سرسراہٹ گونجی اور میں نے کہنیوں کے بل بستر سے اٹھنا چاہا لیکن کانپ کر گر گیا۔

"لیٹے رہو میرے محسن!!" میں نے اس کے گداز ہاتھ کا لمس اپنے زخمی سینے پر محسوس کیا۔ "تم واقعی بہت جری ہو' تمہارے پیکر میں مجھے اپنا نجات دہندہ نظر آ رہا ہے۔"

میری زبان گنگ تھی' مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ حقیقت ہے' میری نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں' میں اپنے تراشے ہوئے مجسمے' جوبا کے وفادار غلام طالیس اور اپنے خون کے پیاسے مانیئی کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔

"میں نے دو بار ادھر کا رخ کیا مگر تم اپنے کام میں ڈوبے ہوئے تھے' میں چوروں کی طرح اس خیمے کے دروازے سے ہی لوٹ گئی۔" وہ بستر پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم نے اپنے خون میں نہا کر جو کام پورا کیا ہے' شاید وہی مجھے مانیتی سے نجات دلا دے گا۔"

"مانیتی!" میں اس بوڑھے کا نام آتے ہی سراسیمہ ہو گیا۔۔۔ "کہاں ہے وہ' طالیس بھی ابھی تک نہیں لوٹا' تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

میں نے ایک ہی سانس میں اتنے سوال کئے کہ وہ چند ثانیوں تک جواب نہ دے سکی' بس مسکرا مسکرا کر میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر آہستگی کے ساتھ بولی۔ "تمہیں مبارک ہو حسین! طالیس منزل کے قریب تھا!"

"کیا وہ نخلستان میں بحفاظت پہنچ گیا؟" میں ہیجان آمیز لہجے میں بولا۔

"مانیتی شام ہی سے کہیں غائب ہے' آج کل اس کے شب و روز پراسرار مقامات پر گزرتے ہیں۔ میں اس کے خیمے میں تنہا تھی کہ سردار جوبا کے غلام طالیس کو اپنی اونٹنی کی پشت پر سوار' نخلستان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تمہارا ترشا ہوا سنگیں دیوتا بھی اس اونٹنی کی پشت پر لدا ہوا تھا۔ مجھے جیسے ہی یہ اندازہ ہوا کہ تم اپنا کام ختم کر چکے ہو میں خیمے سے نکل آئی۔" وہ میرے قریب سرکتے ہوئے بولی' اس کے گداز بدن کے حیات آفریں لمس سے مجھے اپنی کھوئی ہوئی توانائیاں لوٹتی محسوس ہونے لگیں۔

"کیا طالیس نے وہ مجسمہ مانیتی کے خیمہ میں رکھ دیا تھا؟" میں نے پُرتجسس آواز میں طوسیہ کا ہاتھ دباتے ہوئے سوال کیا۔

"رکھ ہی دیا ہو گا۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "جس وقت میں خیمے سے نکلی اس کی اونٹنی نخلستان سے کئی سوگز دور تھی۔"

"شکر ہے پروردگارا! میں نے آگ کو پیدا کرنے والی قوت کا تصور کرتے ہوئے بے ساختہ کہا۔ "اب جبرین والے ہی اس بڈھے کی ہڈیاں توڑ دیں گے۔ جوبا کی شرط پوری ہو چکی ہے' اب وہ مانیتی کے خلاف کھل کر میرا ساتھ دے گا اور میں اس قید سے نجات پا لوں گا۔" میری آواز فرط جوش سے لرز رہی تھی۔

"صحرا کے کسی نامعلوم صندلی معبد میں میرا حقیقی جسم میرا منتظر ہے حسین!" وہ جذبات

سے مغلوب آواز میں بولی۔ "میں نے مانیتی اور اس کے بزرگوں کے ہاتھوں بڑے درد ناک عذاب سہے ہیں۔ میرے باپ کے درباری پروہت کہا کرتے تھے کہ انسانوں کی روحیں اذیت اور راحت کے ہر احساس سے عاری ہوتی ہیں لیکن اب میں اس بہلاوے کی حقیقت جان چکی ہوں۔ وہ خوشامدی پروہت میرے باپ کو یہ فریب دے کر گھناؤنے گناہوں پر اکساتے رہتے تھے۔ مگر میں یہ کہتی ہوں کہ وہ جھوٹ تھا۔ روحوں کو موت نہیں آیا کرتی' ورنہ میں تو ان اذیتوں سے نہ جانے کتنی بار مر چکی ہوتی۔"

اس کی آواز بھرا گئی' دل میں تھما ہوا دکھوں کا کرب آنکھوں کے راستے پگھل پڑا اور دو گرم گرم آنسو میرے چہرے پر آ ٹپکے۔

"تم رو رہی ہو طوسیہ!" میں نے اسے بے اختیار اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

"نہیں حسین!" وہ میری گرفت سے نکلتے ہوئے بولی۔ "یہ تو خوشی کے آنسو ہیں' کچھ بھی سہی' آخر کو میں ایک عورت ہی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ مسکرا دی۔

"یہ تاج اتار دو!" میں اس کی نمناک آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں کے حسین امتزاج پر غور کرتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"نہیں۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "تم کمزور ہو چکے ہو' تمہارا بدن زخموں سے چور چور ہے۔ میرے قبضے میں بہت سی پراسرار قوتیں ہیں لیکن میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ تمہارے ان موذی زخموں کا علاج کر سکوں' تم ذرا صبر سے کام لو۔"

"طوسیہ!" میری آواز میں التجا اور شکایت سمٹ آئی۔ "میرے احساس بے بسی کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ مجھے خود پر رحم آنے لگے۔ جب آدمی کو اپنی بے چارگی کا اتنا شدید احساس ہونے لگے تو وہ زمین کا بوجھ بن جاتا ہے۔"

"برا مان گئے!" وہ اپنے مخصوص دلربایانہ انداز میں مسکرائی اور اپنے سر سے تاج اتار کر میرے سرہانے رکھ دیا۔ "بس اب تو مسکرا دو!"

اس نے یہ کہہ کر اپنے دہکتے ہوئے رخسار میرے خشک ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

پانی سے محروم لق و دق صحرا میں بھٹکتے ہوئے مسافر کے قدموں میں ہی ٹھنڈے اور شفاف پانی کا حیات افروز چشمہ ابل پڑا تھا اور اسی پر بس نہیں پانی سے لبریز پیانہ خود بخود اس کے ہونٹوں سے آ لگا تھا۔

محرومی کا احساس یک بیک مٹ گیا' ہونٹوں کی خشکی پر صحرائی دوشیزہ کے سلگتے ہوئے ہونٹوں کی نمی غالب آ گئی زخموں کی ہر ٹیس میں درد کے ساتھ ہی لذت کا ایک اجنبی سا احساس سرایت کر گیا۔

"تمہارے ہر انگ سے خوشبو پھوٹ رہی ہے طوسیہ!" میں اس کی زلفوں میں منہ چھپاتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولا۔ "تمہارے آنے سے قبل میں ہواؤں میں یہ بو سونگھ رہا تھا۔"

"میں جب خوشی کے عالم میں باہر نکلتی ہوں تو فضا یونہی مہکنے لگتی ہے اور آج تو میں اپنی مردہ سہیلیوں کے جھرمٹ میں نکلی تھی' ہر طرف گھنٹیوں کا سا شور گونج رہا تھا۔ جبرین والے بھی اپنے گھروں میں پریشان ہوں گے کہ یہ آوازیں کہاں کی ہیں؟" وہ شکستہ آواز میں بولی۔

"ہاں' وہ ڈر رہے ہوں گے۔" میں نے اس کے ڈھیلے ڈھالے شاہانہ لبادے کی دیوار ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے بے خودی کے عالم میں کہا۔

"نہیں حسین!" اس نے بے اختیار میرے ہاتھ تھام لئے۔

میں چونک پڑا۔ گزشتہ چند دنوں میں یہ طوسیہ سے تیسری ملاقات تھی پہلی بار اس نے خود کو میرے قدموں میں ڈال دیا تھا اور اب دوسری بار وہ میرے قرب سے گریز کر رہی تھی۔

"طوسیہ! میں آگ میں جل رہا ہوں۔" میں نے زور آزمائی کرتے ہوئے کہا۔

"میرے مسلک میں یہ گناہ ہے حسین!" وہ کمزور آواز میں بولی۔ "پہلی بار جب میں زینو کے بدن میں تمہارے قریب آئی تھی تو جذبات کے بھنور میں الجھ کر اس حد سے گزر گئی۔ جس سے آگے گناہ کی بے رحم مگر لذت انگیز دلدلیں انسان کو نگل جاتی ہیں..... مگر اب..... اب مجھے مجبور نہ کرو۔"

اس وقت طوسیہ کی منطق میری سمجھ میں نہ آئی۔ کچھ تو اس کے قرب نے میرے ذہن کو آوارہ جذبوں کے ہجوم میں گم کر دیا تھا۔ پھر میری نشو و نما جبرین کے ان ہوس پرست خونی بھیڑیوں میں ہوئی تھی جن کے نزدیک اجنبی لڑکیاں تسکین نفس کا ایک کھلونا تھیں' قبیلے والیوں کے ساتھ رسموں کی ادائیگی سے قبل جو فعل' گناہ تھا' وہ باہر سے لائی

جانے والی اجنبی اور جبرین کی لاوارث عورتوں کے ساتھ روا تھا اور طوسیہ میرے لئے اجنبی ہی تھی۔

"طوسیہ! ضد نہ کرو۔" میرے الفاظ لڑکھڑائے ہوئے تھے۔

"کوئی آ رہا ہے!" وہ گھبرا کر بولی اور اچھل کر مجھ سے الگ ہو گئی' میرا ہاتھ اس کے گریبان پر تھا۔ اس کے اچھلتے ہی اس کا گریبان چاک ہو گیا۔ مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ میرے سرہانے سے اپنا طلائی تاج اٹھایا اور تیزی سے دروازے کی طرف چل دی۔ "آج مانینی کی آخری رات ہو گی۔ پھر ہم ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے قریب آ جائیں گے۔" یہ کہتی ہوئی وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

میں محروم نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھتا رہا' مجھے شبہ تھا کہ وہ کسی کی آمد کے شبہ کو بہانہ بنا کر میری آغوش سے نکلی ہے۔

لیکن میرا یہ اندیشہ چند منٹ بعد ہی باطل ثابت ہو گیا۔

جس دروازے سے طوسیہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح گئی تھی' وہیں سے سردار جوبا کا خوفناک چہرہ طلوع ہو رہا تھا۔

"طالیس کہاں ہے؟" اس نے میری طرف آتے ہوئے دور ہی سے سرد اور تحکمانہ آواز میں سوال کیا۔ میرے الفاظ حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

"ارے..... تو زخمی ہے' وہ چٹان کہاں گئی؟" میرے قریب آتے ہی وہ تحیر آمیز آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔

"وہ چٹان ایک دیوتا کا روپ دھار چکی ہے سردار!" میری قوت گویائی لوٹ آئی اور لہجہ میں فخر کا احساس نمایاں ہو گیا۔

"کہاں ہے وہ مجسمہ؟" سردار جوبا کی انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں بے چینی کے ساتھ خیمے کا طواف کرنے لگیں۔

"وہ اب تک مانینی کے خیمے میں پہنچ چکا ہو گا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"کیسے؟"

"تھوڑی دیر ٹھہرو..... تم سب جان جاؤ گے!" میں نے اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال ہوتا

محسوس کیا۔

"ہوں!!" اس کے حلق سے ایک طویل غراہٹ نکلی اور پھر وہ خونخوار نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ "طالیس کہاں ہے؟"

اس کے لہجے کی سختی پر میں پریشان ہو گیا۔ "وہ..... وہی مجسمہ پہنچانے گیا ہے۔"

"تو نے بدعہدی کی ہے حسین!" وہ ایک دم بپھر گیا۔ "تو جانتا ہے کہ جبرین والے سورج کی روشنی غروب ہونے کے بعد گھروں سے نکلیں تو نحوست ان کو چاٹ جاتی ہے۔"

"مگر طالیس تو باہر سے لایا گیا ہے!" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"یہ کھلی ہوئی بدعہدی ہے۔" وہ زمین پر پیر پٹخ کر دھاڑا۔۔۔۔ "طالیس اب مصیبت سے نہ بچ سکے گا۔"

"آہستہ بولو سردار!" میں نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "اگر طالیس کی قیمت پر مانیٹی تمہاری راہ سے ہٹ جائے تو یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔"

اسی وقت باہر کسی کے دوڑتے ہوئے بھاری قدموں کی دھمک سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ ہم دونوں ہی بوکھلا کر رہ گئے۔۔۔۔۔ اس سے قبل کہ سردار جوبا صورت حال کا اندازہ لگانے باہر نکلتا ایک سیاہ سایہ تیزی سے خیمے میں گھس آیا۔

اس کا داہنا ہاتھ کہنی کے جوڑ سے شاید بے رحمی کے ساتھ توڑ دیا گیا تھا زخم سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے کہنی پر پھٹی ہوئی کھال کے ٹکڑے جھول رہے تھے' اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی داہنی کلائی تھامی ہوئی تھی اور اس سے بھی خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

اس کے روشنی میں آتے ہی مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ سردار جوبا کا وفادار غلام طالیس تھا' اذیت سے اس کا چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ چہرے کے نقوش تک بگڑ کر رہ گئے تھے' اس کی آنکھوں میں لرزا دینے والی ویرانی ناچ رہی تھی' بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باعث پیدا ہونے والی نقاہت سے اس کے پپوٹے بوجھل ہوئے جا رہے تھے۔

"طالیس!" جوبا اسے پہچانتے ہی غیر ارادی طور پر پوری قوت سے چیخ پڑا۔

گویائی اور سماعت کی قوتوں سے محروم وہ وفادار غلام خیمے کے وسط میں پہنچ کر واپس مڑا اور اپنے بائیں ہاتھ میں تھمی ہوئی شکستہ کلائی مشعل کے سامنے بلند کر کے حلق سے بے

معنی آوازیں نکالنے لگا۔ اور ہذیانی انداز میں ہنسنے اور اچھلنے لگا۔

اس کی داہنی کہنی کے ٹوٹے ہوئے جوڑ سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے اور وہ ٹوٹا ہوا ہاتھ فضا میں لہرا لہرا کر مشینی انداز میں ہنسے جا رہا تھا' جیسے تکلیف کی شدت سے اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔

میری نگاہیں سردار جوبا کی دہکتی ہوئی غضب ناک آنکھوں سے چار ہوئیں اور وہ مٹھیاں بھینچ کر میری طرف بڑھنے لگا۔

طالیس کی آواز پر اب اندوہناک نقاہت غالب آتی جا رہی تھی' اس کی آنکھیں شرابیوں کی طرح بوجھل ہوئی جا رہی تھیں اور قدم بھی بہکنے لگے تھے.....

سردار جوبا کا قوی ہیکل اور سیاہ فام غلام' طالیس اپنی داہنی کلائی اپنے بائیں ہاتھ میں اٹھائے مشعل کے سامنے ہذیانی انداز میں چیخیں مار مار کر اچھل رہا تھا۔ اس گونگے اور بہرے غلام کے چہرے کے نقوش اذیت سے بگڑے ہوئے تھے اور اس کی بے معنی آوازوں میں لرزا دینے والی دہشت ناچ رہی تھی۔ اس کی داہنی کلائی کے ٹوٹے ہوئے جوڑ پر کہنی سے گہرے سرخ خون کی لکیریں بہہ بہہ کر اس خیمے کے فرش کو لہو کا غسل دے رہی تھیں اور سردار جوبا کی دہکتی ہوئی غضب ناک نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس اوہام پرست مجوسی کا چہرہ انجانی قوتوں کی دہشت سے بھی متاثر تھا۔ غصے اور خوف کے اس امتزاج نے اس کے کرخت نقوش میں ناقابل بیان ڈراؤنا پن پیدا کر دیا تھا۔ "تو نے مجھ سے کھلی ہوئی بدعہدی کی ہے حسین!" وہ مجھ سے چند قدم دور ٹھہر کر ہیجان آمیز آواز میں بولا۔

"بدعہدی نہیں سردار!" میں خوفزدہ آواز میں بولا۔ "طالیس میرا تراشا ہوا دیوتا کا مجسمہ مانینی کے خیمے میں پہنچا آیا ہے یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" جوبا اپنی مٹھیاں بھینچ کر غرایا۔ "تو نے اپنی ساری عمر جبرین میں گزاری ہے اور تو خوب جانتا ہے کہ رات کی سیاہی میں کھلے آسمان کے نیچے نکلنے والوں پر نحوست کے سائے منڈلانے لگتے ہیں۔ طالیس اندھیرا پھیلنے کے بعد یہاں سے نکلا تھا اور تو دیکھ رہا ہے کہ اس کا داہنا بازو کسی نے بیدردی کے ساتھ کہنی کے جوڑ پر سے توڑ دیا ہے' طالیس تکلیف اور اذیت سے پاگل ہو چکا ہے۔"

خوف سے میرے دل کی دھڑکنیں سست پڑنے لگیں اور میں اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "طالیس نخلستان تک پہنچ گیا تھا' مانینی اپنے خیمے سے غائب تھا' وہ مجسمہ.....!"

طالیس کی ایک بھیانک چیخ سے فضا لرز اٹھی اور میری بات ادھوری رہ گئی۔ طالیس

بوجھل اور بہکے ہوئے قدموں سے ناچتا ہوا تیزی سے میرے قریب آیا اور اپنی دہشت سے پتھرائی ہوئی سرخ آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر' اس نے اپنا ٹوٹا ہوا بازو میرے پھٹے ہوئے گریبان میں پھنسا دیا اور ہذیانی قہقہے لگاتا ہوا پھرتی کے ساتھ میرے خیمے سے باہر کھلی فضا میں نکل گیا۔

طالیس کے ٹوٹے ہوئے خون آلود بازو پر نظر پڑتے ہی میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ قریب سے دیکھنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ طالیس کا وہ بازو واقعی درندگی کے ساتھ توڑا گیا تھا۔

میں نے بے اختیار اپنی نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں۔ ٹوٹے ہوئے پتھروں کا وہ ڈھیر کچی زمین پر پڑا میرا منہ چڑا رہا تھا جسے چھیل چھیل کر میں نے پتھریلی چٹان میں سے' جوبا کی مرضی کے مطابق ایک دیوتا کا پیکر ابھارا تھا۔

سردار جوبا چند منٹ تک پھٹی پھٹی نگاہوں سے طالیس کے خون میں نہائے ہوئے بے جان بازو کو دیکھتا رہا۔ باہر کی فضا میں گونجتے ہوئے طالیس کے ڈراؤنے قہقہے آہستہ آہستہ فاصلے پر معدوم ہوتے جا رہے تھے' یوں لگ رہا تھا جیسے جہنم کے عذاب میں مبتلا بے شمار روحیں ہواؤں کے دوش پر نوحہ کناں ہوں۔

"یہ دیکھ!" سردار جوبا پرجوش آواز میں یہ کہہ کر تیزی کے ساتھ طالیس کے بے جان بازو کی طرف جھپٹا اور اسے اٹھا کر پرجوش آواز میں بولا۔ "اس بازو پر نیزے کی نوک سے ایک نشان بنا ہوا ہے۔ مقدس آگ کی قسم یہ مانینی کا نشان ہے۔ جس سے جبرین میں میرے سوا کوئی واقف نہیں۔ طالیس' مانینی کے ہاتھوں اس حال کو پہنچا ہے۔ میں نہیں مان سکتا' ہرگز نہیں مان سکتا کہ طالیس نے وہ مجسمہ مانینی کے خیمے پر پہنچا دیا ہے۔"

یہ انکشاف میرے لئے لرزہ خیز تھا۔ میری نگاہیں بے اختیار نیچے جھکتی چلی گئیں۔

"تو نے مجھے تباہ کر دیا ہے حسین!" سردار جوبا میرے شانے جھنجھوڑتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر طالیس دن کی روشنی میں یہ کام کرتا تو شاید مانینی کے ہاتھوں برباد نہ ہوتا۔ وہ راتوں میں آزاد پھرنے والی بدروحوں کی نحوست کا شکار ہوا ہے۔ مانینی پراسرار قوتوں کا حکمران ہے۔ نادیدہ روحیں اس کی غلام ہیں۔ نخلستان میں اس کے خیمے پر روشن سائے ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سے ٹکرانے والوں کو روئے زمین پر کہیں پناہ نہیں ملتی۔ تو اپنے آخری سانسوں پر ہے' مگر مانینی میری زندگی کو قابل رحم بنا دے گا میں پاگل

اونٹ کی طرح صحرا میں بلبلاتا پھروں گا اور مانینی بدروحوں کی طرح پاتال میں بھی میرے پیچھے لگا رہے گا۔ میرا انجام بہت برا ہو گا۔ بس ذرا ہی دیر میں مانینی میری بو سونگھتا' یہاں پہنچنے والا ہے۔" جبرین کا وہ شہ زور سردار اوہام کے بھنور میں پھنس کر کسی چوہے کی طرح سراسیمہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی شجاعت بزدلی میں ڈھل چکی تھی۔ اس کی چمکیلی آنکھوں میں غیر یقینی مستقبل کی تشویش اور بے رونقی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے اور وہ طالیس کی کلائی پر کندہ' مانینی کے مخصوص نشان کو یوں گھور رہا تھا جیسے صحرا کی تاریک راتوں میں نظر آنے والا کوئی ڈراؤنا خواب حقیقت بن کر اس خون میں نہائی ہوئی کلائی میں سرایت کر گیا ہے۔

"تیر کمان سے نکل چکا ہے سردار!" میں نے کچھ دیر سکوت کے بعد دھیمی آواز میں کہا۔ "اگر تم سچ کہتے ہو تو میرا تراشا ہوا مجسمہ بھی اب مانینی کے قبضے میں ہو گا' ہمیں اس صورت حال سے نمٹنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔"

"تدبیر۔ اور تیرے ساتھ!" جوبا نے خوف اور حقارت سے میری جانب دیکھا۔ "اب میں تجھے خوب سمجھ چکا ہوں حسین! تیری تیرہ بختی اب ثابت ہو چکی ہے' جس زمین پر تیرا سایہ پڑ جائے وہاں تو شاید سبزہ بھی نہیں اگ سکے گا۔ مانینی کے ساتھ ہی اب میں تجھ سے اور تیری رفاقت سے ڈرنے لگا ہوں۔"

جوبا کے ان بے رحمانہ الفاظ پر میں تڑپ اٹھا۔ وہ اتفاقات کی سیاہی میرے چہرے پر مل رہا تھا۔ میں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن میرے لب کانپ کر رہ گئے۔

"میں جا رہا ہوں۔" جوبا میرے چہرے پر الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے بولا۔ "اب تیرا حشر مانینی کے ہاتھوں ہی ہو گا۔ مجھے زینو کی بھی پرواہ نہیں۔ جبرین کی چوپال میں بیٹھ کر اپنی آبرو لٹانا اس کا مقدر بن چکا ہے۔ میں روایات سے بغاوت کر کے ذلیل اور رسوا نہیں ہونا چاہتا۔ شراب اور کنیزیں مجھے بلا رہی ہیں..... میں جا رہا ہوں۔"

وہ چلا گیا اور میں اس پرہول خیمے میں تنہا رہ گیا' طالیس کی ٹوٹی ہوئی' خون آلود کلائی جوبا حقارت سے فرش پر پھینک گیا تھا۔۔۔ فضا میں بہت دور سے آنے والی' طالیس کی کرب ناک چیخوں اور ہذیانی قہقہوں کی آوازیں میرے وجود میں خوف اور دہشت کی پھریریاں دوڑا رہی تھیں۔

اس خونیں رات کا باقی حصہ میں نے بڑی المناک حالت میں گزارا۔ طالیس کا مردہ ہاتھ

میں نے ڈرتے ڈرتے خیمے سے باہر پھینک دیا۔ طالیس کسی آوارہ بدروح کی طرح ساری رات جبرین کی بستی میں چیختا اور قہقہے مارتا آوارہ پھرتا رہا۔ کبھی اسکی آوازیں اتنی دور ہو جاتیں کہ ان پر وہم کا گمان ہوتا اور کبھی وہ میرے خیمے کے آس پاس منڈلاتا ہوا محسوس ہوتا۔

اس رات میں خیمے میں تنہا تھا۔ جوبا اپنے خیمے میں جا کر شراب و شباب کی سرمستیوں میں اپنا خوف غرق کر رہا تھا' میرا محافظ مانینی کے خوف ناک قہر کا نشانہ بن کر بستی میں دربدر مارا مارا پھر رہا تھا۔ وہاں بظاہر کوئی نہ تھا جو میری راہ میں حائل ہوتا۔ میرے فرار کی راہیں صاف تھیں لیکن میں اس قید خانے سے باہر قدم رکھنے کی جرات نہ کر سکا۔ مقدس الاؤ کے خونیں رکھوالے مانینی' کی دہشت سے میرا رواں رواں کانپ رہا تھا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چٹائیوں کے عقب سے نحیف و ناتواں مانینی کی چندھیائی ہوئی مگر خون آشام نگاہیں میری ایک ایک حرکت کی نگرانی کر رہی ہیں۔

اس رات مجھے ہر آن طوسیہ کا انتظار رہا۔ اس کے تصور سے دل کو ڈھارس سی بندھی ہوئی تھی مجھے امید تھی کہ بنت نیل میری اس بدنصیبی کا کوئی حل ضرور نکال سکے گی۔ مگر رات ڈھل گئی اور وہ نہ آئی۔ میرے کان فضاؤں میں ابھرنے والی ہر آہٹ پر جمے رہے لیکن وہاں' طالیس کی موت سے لرزتی ہوئی چیخوں اور آوارہ ہواؤں کے آسیبی شور کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دی۔ میں فضا میں کانسی کی گھنٹیوں کا لاہوتی ترنم سننے اور خوشبوؤں کا طوفان سونگھنے کو ترستا رہا اور مجھے یقین ہونے لگا کہ طوسیہ بھی مانینی کے عتاب میں مبتلا کی جا چکی ہے۔

اگلی صبح جوبا کے دو ہرکارے میرے خیمے میں آئے اور نیزوں کی نوک پر مجھے وہاں سے لے چلے۔ میرا بدن زخموں سے چور اور حواس منتشر منتشر سے تھے۔ باہر آ کر میں نے طوسیہ کے فرحت آفریں سراپا کی تلاش میں بے تابی سے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ ہاں خیمے سے کچھ دور صحرائی ریت پر پردں سے محروم' مکروہ گردنوں والے کئی مردہ خور گدھ بھیانک چیخیں مارتے طالیس کے مردہ ہاتھ کے لئے لڑ رہے تھے۔

میں جوبا کے خاص خیمے میں پہنچا تو وہاں کی فضا ابھی تک گزری ہوئی رات کے خمار سے بوجھل تھی۔ کنیزوں کے بکھرے ہوئے بال' پامال چہرے اور چور نگاہیں بتا رہی تھیں کہ

زمین پر لڑھکتی ہوئی خالی صراحیوں کی طرح ان کے جسموں سے بھی پچھلی شب ہر لذت نچوڑ لی گئی ہے۔

جوبا کے بڑے بڑے بال بے ترتیبی اور وحشت کے ساتھ اس کے چہرے اور شانوں پر لہرا رہے تھے۔ اس کی بڑی بڑی خونخوار آنکھیں ابھی تک شراب کے نشہ سے دہک رہی تھیں۔ اس کے کٹے پھٹے اور زخم خوردہ چہرے پر عجیب سی محرومی نمایاں تھی اور وہ خود فراموشی کے عالم میں اپنے بدن پر ایک قیمتی چادر ڈالے مسند خاص پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے برابر میں جبرین کا خوفناک پروہت' مانینی بیٹھا ہوا تھا۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی مانینی نے فضا میں اپنا منہ اٹھا کر کئی بار نتھنے پھلائے اور جذبات سے عاری' سرد آواز میں بولا۔ "حسین آ گیا۔ کیا یہ زخمی ہے میں اس کے زخموں سے رستے ہوئے خون کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

سردار جوبا کی ڈراؤنی آنکھیں میری طرف اٹھیں اور وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔ "ہاں مقدس مانینی! تو سچ کہتا ہے۔ یہ واقعی اپنے خون میں نہایا ہوا ہے۔"

اس وقت تک میں مانینی اور جوبا کی مسند کے قریب فرش پر بچھے ہوئے قالین پر بٹھا دیا گیا تھا۔

"میں تیرے پاس اس لئے آیا تھا جوبا کہ حسین کو مانگ لوں۔" مانینی کی آواز میں ہلکا سا طنز چھپا ہوا تھا۔

مانینی کے الفاظ پر جوبا نے بے چینی سے مسند پر پہلو بدلا۔ ایک ثانئے کے لئے اس کے چہرے پر سیاہی آ کر گزر گئی۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ اب مانینی پچھلی رات کے واقعات کا تذکرہ چھیڑ کر بت اور طالیس کی کہانی دہرائے گا۔

"میں اب تک اپنی کنیزوں کے نیلام کے لئے تیرے گونگے اور بہرے غلام طالیس کو ساتھ لیجاتا رہا ہوں۔" مانینی رکے بغیر اپنی بات پوری کر رہا تھا۔ "لیکن یہاں آتے ہوئے میں نے دیکھا کہ اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے اور وہ پاگلوں کی طرح جبرین کے در و دیوار سے سر ٹکراتا پھر رہا ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ میرا دل خوف سے سست پڑنے لگا۔ ادھر جوبا کے چہرے کا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔ مانینی نے جس لاپرواہیانہ انداز میں طالیس کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی حالت کا

سبب جاننے سے گریز کا اظہار کیا تھا۔ وہ بہت زیادہ غیر فطری تھا کیونکہ مانینی' جبرین میں ہونے والے ہر چھوٹے سے چھوٹے قصے کی جڑ تک پہنچنے کا عادی تھا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری آمد سے قبل اس نے جوبا سے پچھلی رات کے پراسرار واقعات پر کوئی بات نہیں کی ہے۔

مانینی خاموش ہوا تو اس کے ہونٹوں پر زہر میں ڈوبی ہوئی بے رحمانہ مسکراہٹ ناچ رہی تھی جیسے سردار جوبا کو بے یقینی اور سنسنی میں مبتلا کر کے اسے دلی خوشی ہو رہی ہو۔

"لے جا..... تو خوشی سے حسین کو لے جا۔" جوبا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ہکلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن یہ منحوس ہے تجھے کنیزوں کے معقول دام نہیں مل سکیں گے۔"

مانینی زور سے ہنسا۔ "منحوس ہے! تو یہ کیسے کہہ رہا ہے؟"

جوبا بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا۔ اس کے ہونٹ کانپے لیکن وہ کوئی معقول جواب نہ سوچ سکا۔

"خیر' کوئی راز کی بات ہو گی۔" مانینی کا لہجہ زہریلا اور بے رحمانہ تھا۔ "لیکن تو جانتا ہے کہ مانینی نحوستوں کا علاج جانتا ہے۔ وہ رات کے اندھیروں میں خیمے سے باہر نکلتا ہے اور آج تک اس کا کچھ نہیں بگڑا ہے۔"

"راز کی بات نہیں مقدس مانینی!" جوبا اپنی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ پڑتے ہی تلملا کر بولا۔ "جبرین میں اس کی عمر کے لڑکے آج بھی اپنی ماؤں کی چھاتیوں سے لپٹ کر سوتے ہیں لیکن اس کی نحوست اس کے ماں باپ کو نگل چکی ہے اور یہ خود ذلیل و رسوا ہو کر اپنے انجام کا انتظار کر رہا ہے۔"

"اس کی انگلیوں میں آزر کے مسلک کی نزاکتیں سوئی ہوئی ہیں جوبا۔" مانینی بولا تو اس بار میں نے بھی اس کے الفاظ میں نیزوں کی سی چبھن محسوس کی۔ "اپنے شب و روز کا خون کر کے دیوتاؤں کے صنم تراشنے والے منحوس نہیں ہوا کرتے!" یہ کہہ کر اس نے جوبا کے شانے پر ہاتھ مارا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔

میرے ذہن میں باریک باریک ٹانگوں والے سینکڑوں کنکھجورے رینگنے لگے۔ شکستہ اعصاب پر ناقابل برداشت تناؤ چھانے لگا۔ مانینی الفاظ کے ہیر پھیر میں جوبا کو بتا رہا تھا کہ وہ پوری سازش سے اسی طرح باخبر ہے جیسے وہ خود اس میں شریک رہا ہو۔ اس کے قہقہے میں

اعتماد کی گونج تھی۔ جوبا کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا اور اس کی قوت گویائی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی
اس نے سراسیمہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بے اختیار میرا جی چاہا کہ میں چیخ چیخ کر
مانینی سے کہوں کہ تو مکار ہے' تو سب جانتا ہے مگر ہمیں دہشت زدہ کرنے کے لئے کھل کر
اس کا اظہار نہیں کر رہا۔ ہاں میں نے اپنی راتوں کا خون کیا ہے' میں نے شب و روز محنت
کر کے اپنی روح کے کرب کو پتھر کے بے رحم کلیجے میں اتارا ہے' میں نے اپنی انگلیاں فگار
کر کے ایک دیوتا کا بت تراشا ہے اور ہاں! طالیس وہی مجسمہ لے جاتے ہوئے تیرے ہاتھوں
گرفتار ہو کر تیری درندگی اور سزا کا نشانہ بنا ہے' مگر میں کچھ نہ کہہ سکا۔ مانینی کی خباثت کے
سامنے میری زبان مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

"تو اس کو آواز دے۔" کچھ دیر تک قہقہے لگاتے رہنے کے بعد مانینی نے ٹھہری ہوئی
آواز میں کہا۔ "میں اس کی نگرانی میں اپنی کنیزوں کو لے کر اس بار مشرق کی طرف جاؤں گا
سنا ہے جبل کی بستی کے امرا اونچی بولیاں لگاتے ہیں۔"

"جبل---!" سردار جوبا نے حیرت سے دہرایا۔ "وہ تو یہاں سے دو روز کی مسافت پر
ہے مقدس مانینی!"

"ہاں" مانینی اس کے تحیر کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "میں اپنا سارا مال بیچ کر ایک
ہفتے میں لوٹ آؤں گا۔ اس بار مجھے نخلستان میں اپنے لئے پتھروں کا مکان بنوانا ہے۔ صحرائی
آندھیوں میں ہر بار میرے خیمے کے تنکے بکھر جاتے ہیں اور پتھر بہت قیمتی ہوتا ہے۔ اس بار
مجھے پیسے کی ضرورت ہے۔"

"لیکن کل چاند کی آخری شب ہے۔ حسین نے زیتو کی آبرو لوٹی ہے۔ بستی کی روایت
کے مطابق اس رات میری کنیزیں اسے مقدس الاؤ کے شعلوں اور دھوئیں پر الٹا لٹا کر ہلاک
کریں گی۔" سردار جوبا نے سراسیمہ لہجے میں ہکلاتے ہوئے کہا۔

"جبرین کا قانون مانینی کی مرضی کا دوسرا نام ہے جوبا!" مانینی کی آواز یک بیک کرخت ہو
گئی۔ "میں ارادہ بدل چکا ہوں۔ حسین زندہ رہ کر اس کا عذاب بھگتے گا۔"

سردار کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آئے۔ اس نے اشارے سے کنیزوں کو
رخصت کر دیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "مقدس مانینی! میں تیرا ہر حکم مانتا ہوں مگر بستی
والے روایت سے بغاوت پر میرے خلاف ہو جائیں گے وہ یہی سمجھیں گے کہ میں نے اپنی

زیتو کو لاوارث ہو کر چوپال میں جانے سے روکنے کے لئے حسین کو معاف کیا ہے' تو یہ کیوں
بھول رہا ہے کہ حسین نے زیتو کو اپنی زر خرید کنیز بنا لیا ہے۔ جبرین والے اپنے نیزے زہر
میں بجھا کر میرے اوپر آ پڑیں گے' میری کنیزیں لوٹ لی جائیں گی' میرے خیمے کو آگ لگا دی
جائے گی اور میرا سر..... میرا سر ٹھوکروں میں لڑھکایا جائے گا۔"

"یہ سب میں نہیں جانتا۔" مانینی بے رحمانہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "حسین زندہ رہے
گا اور میں آج ہی اسے ساتھ لے کر جبل کی بستی کی طرف جا رہا ہوں۔"

"نہیں نہیں..... یہ ظلم نہ کر مقدس مانینی!" سردار جوبا کی آواز بھرا گئی۔

"مانینی کی ہڈیوں پر اپنی سرداری قائم رکھنے کی سازش کرنے والوں پر ظلم روا ہے
جوبا۔" مانینی مسند سے اٹھتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ میں نے تیرے خلاف سازش کی تھی۔" جوبا نے بے اختیار اپنے بال نوچ
ڈالے۔ "میں اندھا ہو گیا تھا' مگر پھر میں نے تیرے خوف سے راستہ بدل لیا حسین نے
طالیس کو بہکایا تھا' مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ مجسمہ طالیس کب لے کر گیا۔"

"مجسمہ! سازش؟" مانینی نے مکارانہ معصومیت سے دہرایا۔ "جوبا تو کیا کہہ رہا ہے' تو
میرا دوست ہے' تو ہرگز میرے خلاف سازش نہیں کر سکتا۔"

"مقدس مانینی!" سردار جوبا اپنا منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑا۔ اس کے سارے
بدن پر زلزلے کی سی کیفیت طاری تھی۔ "طنز کے تیروں سے میرا کلیجہ چھلنی کرنا تجھے زیب
نہیں دیتا..... مجھے معاف کر دے' مجھے معاف کر دے!"

"رونا بزدلی ہے جوبا" مانینی کا لہجہ زہریلا اور تیور خوفناک تھے۔ "اگر جبرین کے شہ
زوروں کو علم ہو گیا کہ ان کا سردار بچوں کی طرح روتا ہے تو وہ ابھی تجھ پر یلغار کر دیں
گے۔"

جوبا کا بدن ایک بار تیزی سے کانپا اور وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں نم
ہو گئی تھیں اور چہرے کے بگڑے ہوئے نقوش بھیانک لگ رہے تھے۔

"حسین نے طالیس کو میرے نہیں تیرے خلاف بہکایا تھا۔" مانینی کے منہ سے
رازدارانہ سرگوشی میں نکلے ہوئے یہ الفاظ میرے ذہن پر وزنی ہتھوڑوں کی طرح گرے۔
"جوبا! تجھے دوست اور دشمن کی تمیز نہیں ہے۔ حسین نے طالیس کو غلامی سے رہائی کا مژدہ

سنا کر تیرے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔"

مانینی یہ کہہ کر تیزی کے ساتھ آگے جھپٹا اور سردار کی مسند خاص الٹ دی۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مانینی نے میری زبان مجھ پر ہی الٹ دی تھی۔ ادھر مسند کے الٹتے ہی جوبا کے منہ سے دبی دبی تحیر آمیز غراہٹ نکلی اور اس کی متحیرانہ نگاہیں میرے تراشے ہوئے پتھر کے اس دیوتا پر جم کر رہ گئیں جو مسند کے الٹتے ہی سامنے نظر آ رہا تھا۔

مجھے طوسیہ کی زبانی علم ہوا تھا اور میں خوب واقف تھا کہ جوبا کے غلام' طالیس نے مجسمہ مانینی کے خیمے میں پہنچانے کی کوشش کی تھی مگر مانینی ہوشیار تھا۔ اس نے طالیس کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر معذور کر دیا۔ اذیت سے اس گونگے اور بہرے غلام کا دماغ الٹ گیا اور وہ کسی کو اپنی کہانی سنانے کے قابل نہ رہا۔ مانینی نے مجسمہ اس سے چھین کر اپنی پراسرار قوتوں کے سہارے جوبا کی مسند کے نیچے چھپا دیا۔ اس طرح اس نے جوبا کو دہشت زدہ کرنے کے ساتھ ہی میرے خلاف بھڑکا دیا تھا' وہ جانتا تھا کہ جبرین میں صرف جوبا ہی میرا ہمدرد ہے۔ اس گھناؤنے حربے کے بعد جوبا کا دل میری طرف سے ہرگز صاف نہ ہوتا اور میں مانینی کے چنگل میں جا پھنستا۔

"حسین لعنت ہو تیری صورت پر' تیرے باپ دادا کی روحوں پر۔" جوبا میری طرف پلٹ کر کسی زخمی درندے کی طرح دہاڑا۔ "تو نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"اس کی سازش بہت کامیاب تھی۔" مانینی میرے اور جوبا کے درمیان نفرتوں کی خلیج بڑھائے جا رہا تھا۔ "لیکن حسین یہ بھول گیا تھا کہ جب جبرین کی مٹی تک سو جاتی ہے تو مانینی جاگتا رہتا ہے۔ میں نے طالیس کو تیرے خیمے سے نکلتے ہوئے پکڑا تھا اور پھر اسے معذور کر کے آزاد کر دیا تاکہ اس کے حشر سے سازش کرنے والے عبرت حاصل کر سکیں۔"

"یہ جھوٹ ہے' یہ جھوٹ ہے!" میں وحشت زدہ آواز میں بول پڑا۔

"مانینی جھوٹ نہیں بولتا۔" جوبا مٹھیاں بھینچ کر غرایا۔ "بس دو روز بعد تیری عبرتناک موت اٹل ہے۔"

"نہیں جوبا۔" مانینی کی پرعزم آواز ابھری۔ "تو بھول رہا ہے کہ مانینی کا ارادہ بدل چکا ہے۔ یہ اب میرا غلام بن کر زندہ رہے گا۔"

جوبا کے چہرے پر ایک بار پھر تذبذب جھلکنے لگا۔ "مگر مقدس مانینی! میں بستی والوں کو

کیسے سمجھاؤں گا۔"

بوڑھے مانینی کے چہرے پر کرختگی ابھر آئی۔ اس نے جوبا کو تحکمانہ انداز میں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں بھی ان دونوں کے عقب میں خیمے کے دروازے کی طرف بڑھا۔

مانینی نے جوں ہی دروازے سے پردہ اٹھایا' جوبا کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "کھیل ختم ہو گیا' پردہ گرا دے مانینی..... پردہ گرا دے!"

پھر ہم تینوں اندر لوٹ آئے۔

اس وقت جبرین کے سردار' جوبا کا خیمہ محاصرے کی حالت میں تھا۔ جبرین کے لوگ نیزوں' کمانوں اور ترکشوں سے لیس خیمے کے چاروں طرف موجود تھے۔ اور اندر میرا تراشا ہوا' دیوتا کا مجسمہ موجود تھا۔ جبرین والے یقیناً مانینی کی ہدایت پر ہی باہر جمع ہوئے تھے۔ اگر مانینی باہر نکل کر انہیں بتا دیتا کہ جوبا کے خیمے میں' مسند کے نیچے سے ایک بت برآمد ہوا ہے اور جوبا چھپ کر اسے پوجتا ہے تو وہ سب وحشیانہ نعرے مارتے' آناً فاناً میں جوبا کے بدن کے ٹکڑے اڑا کر اس کے خیمے کو آگ لگا دیتے۔

دوسری طرف جوبا اگر میرے بارے میں مانینی کی بات مان کر مجھے زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لیتا تو شاید مانینی تو خاموش ہو جاتا لیکن جبرین والے روایت شکنی کے جرم میں جوبا کے لہو سے ہولی کھیلنے پر اتر آتے۔ جوبا کے لئے دونوں ہی صورتیں جاں گسل تھیں۔

"یہ سب تیرے خیمے کے گرد میرے اشارے کے منتظر ہیں۔" مانینی کا چہرہ فاتحانہ شان سے دمک رہا تھا۔ "انہیں کچھ علم نہیں کہ اس خیمے میں کیا کھیل ہو رہا ہے۔ اب اگر تو نے حسین کو اپنی مرضی کے مطابق میرے حوالے نہ کیا تو' تو بت پرستی کے الزام سے نہ بچ سکے گا اور یہ ابھی تجھے روند ڈالیں گے.... تو خوب سوچ لے' میں تجھے تھوڑی دیر کی مہلت دیتا ہوں۔ مجھے آخری فیصلہ چاہئے۔"

جوبا کسی زخم کھائے ہوئے بھیڑیئے کی طرح بے چینی سے خیمے میں ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں شدید غصے کے ساتھ ہی بے بسی بھی ناچ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کبھی اس مجسمے پر جم جاتی تھیں اور کبھی وہ مجھ کو پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورنے لگتا تھا۔ مانینی قالین پر بیٹھ کر ایک صراحی سے شراب پینے میں منہمک ہو گیا تھا اور میں شدید الجھن میں مبتلا تھا۔

مجھے مانیتی کی دھمکی اچھی طرح یاد تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میرا حشر اسی کے ہاتھوں ہو گا اور اسی لئے وہ میرے لئے جوبا سے سودے بازی کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنا غلام بنا کر میری مٹی پلید کرنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے زندہ رکھنے میں اس کا کوئی بڑا مقصد کار فرما رہا ہو۔ پوری بستی میں صرف میں ہی ایسا شخص تھا جسے طوسیہ کا راز معلوم تھا اور جس دن بھی طوسیہ کا راز جبرین والوں میں عام ہوتا' اسی روز نہ صرف وہ مانیتی کی ظالمانہ قید سے رہا ہو جاتی بلکہ تباہی و بربادی مانیتی کا مقدر بن جاتی۔ مانیتی کو خوب علم تھا کہ مجھے طوسیہ سے محبت ہے مگر میں اپنی جان کے خوف سے طوسیہ کی کہانی اپنے سینے میں چھپائے پھر رہا ہوں۔ چاند کی آخری رات کو جب موت میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سینہ سپر ہو جاتی تو میں اپنی بے مقصد موت کے ذریعے شاید طوسیہ کی رہائی اور مانیتی کی بربادی کا سامان کر جاتا۔ مقدس الاؤ کے شعلوں پر تڑپتے ہوئے جب میں چیخ چیخ کر طوسیہ پر مانیتی کے ظلم کی داستان سناتا تو اس کی بازگشت جبرین کے ہر گھر میں گونجنے لگتی۔ یوں میں تو مر جاتا لیکن مانیتی بھی زندہ نہ بچ پاتا۔ اس ملعون نے یقیناً مجھے مایوسی کے اس درجے پر پہنچ کر زبان کھولنے سے باز رکھنے کے لئے زندہ رکھنا چاہا تھا۔ اسے میری زندگی سے محبت نہیں تھی' وہ مجھے بے خبری کے عالم میں گھیر کر ہلاک کرنا چاہتا تھا تاکہ مرتے دم میں طوسیہ کا راز لوگوں تک نہ پہنچا سکوں۔ اور وہ خود نہ صرف زندہ رہے بلکہ طوسیہ کی معصوم روح سے اپنا آبائی انتقام لینے پر بھی قادر رہے۔

جوبا کافی دیر تک خیمے میں ٹہلتا رہا۔ فضا پر موت کا گھمبیر سکوت طاری تھا۔ آخر کسی خیال کے تحت جوبا کی آنکھیں تیزی کے ساتھ چمکنے لگیں اور وہ مانیتی کے قریب جا پہنچا۔

"آج میں تجھے بتاتا ہوں کہ میں عاطیس دیوتا کی کہانی سے باخبر ہوں۔" اس نے مانیتی کے شانے دبوچ کر جوشیلی آواز میں کہا۔ "تو راتوں کی سیاہی میں عاطیس دیوتا کا روپ دھار کر جبرین کی کنواریوں کے بستروں میں سوتا رہا ہے۔ عاطیس کی کہانیوں سے جبرین کی ہر عورت باخبر ہے لیکن مرد لاعلم ہیں۔"

ایک ثانیئے کے لئے مانیتی کا شکن آلود چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔ "باہر کوئی یقین نہیں کرے گا کہ مقدس الاؤ کا رکھوالا' مانیتی راتوں کی سیاہی میں جبرین کی کنواریوں کو عاطیس دیوتا کا فریب دیتا ہے' وہ تجھ سے اس کا ثبوت

مانگیں گے۔"

"میرا مقصد وہ نہیں جو تو سمجھ رہا ہے۔" جوبا کی آواز بدستور جوشیلی تھی۔ "تیرا نام درمیان میں لائے بغیر میں اپنی جان بچاؤں گا اور ہاں میں حسین کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا کہ تو کیا کہہ رہا ہے!" مانیتی کی آواز میں تحیر سمٹ آیا۔

"باہر چل کر تو سب کچھ سمجھ جائے گا۔ عاطیس دیوتا کا مجسمہ کسی نے نہیں دیکھا' ہماری پچھلی نسلیں اسی کی پجاری تھیں۔ میں حسین کے تراشے ہوئے مجسمے کو عاطیس دیوتا کا پیکر کہوں گا اور تو دیکھے گا کہ جوبا کس طرح جبرین والوں کے قہر سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔"

پھر جوبا میرے اور مانیتی کے ہمراہ خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس کے بدن پر ابھی تک چادر لپٹی ہوئی تھی۔ باہر آ کر وہ مٹی کے چبوترے پر جا چڑھا خیمے کا محاصرہ کرنے والوں میں دبی دبی' بے چین سرگوشیاں ابھریں لیکن جوبا نے پراعتماد انداز میں ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کر دیا اور پلٹ کر خیمے کی طرف دیکھنے لگا۔

جب اس کے آدمیوں نے پتھر کا بت اس کے قدموں میں لا کر رکھا تو خیمے کے چاروں طرف پھیلے ہوئے لوگ سمٹ سمٹ کر چبوترے کے سامنے جمع ہونے لگے۔ ان کے تیور چڑھتے جا رہے تھے اور ہاتھ ترکش کی جانب بار بار بڑھ رہے تھے۔

"سنو اس بستی کے رہنے والو!" جوبا کی آواز گونجیلی اور پراعتماد تھی۔ "تم جانتے ہو کہ سینکڑوں برس پہلے تمہارے باپ دادا عاطیس دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ فتح و کامرانی' زندگی اور خوشحالی کے لئے وہ اسی کے سامنے گڑگڑایا کرتے تھے۔" مجمع میں بے چینی کی لہر شدید ہو گئی۔ پیچھے والے پنجوں کے بل اچک اچک کر چبوترے پر پڑے ہوئے مجسمے کو دیکھنے کے لئے بے چین نظر آنے لگے مگر جوبا رکے بغیر جوشیلی آواز میں کہتا رہا۔ "پھر ان کو معلوم ہوا کہ اس دنیا کی سب سے بڑی قوت آگ ہے اور اس کی پوجا ہی میں نجات اور خوشحالی پوشیدہ ہے۔ انہوں نے عاطیس کے بتوں کو آگ میں جلا کر اپنا مسلک بدل لیا۔ پھر وہ دور آیا کہ ہم بت پرستوں کے ہاتھوں رسوا ہو گئے۔ اپنی جانوں کے خوف سے ہم نے صحرا کے اس گمنام گوشے کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا اور یہاں آگیاری تعمیر کر کے مقدس الاؤ روشن کر لیا جو آج تک اپنی روشنی سے ہمارے دلوں کو منور کر رہا ہے لیکن سنو کہ ہم اب بھی عاطیس دیوتا کے اثر میں ہیں۔ آسمانوں سے خبر آئی ہے کہ عاطیس دیوتا راتوں کی سیاہی میں جبرین کی کنواریوں کی

کوکھ میں زرخیزی کے جوہر بکھیرتا رہا ہے.... ٹھہرو' خاموشی سے سنو!" وہ اونچی اور بے چین سرگوشیوں پر زور سے دھاڑا۔ "یقین نہ ہو تو جاؤ' مقدس آگ کی قسم دے کر اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے پوچھ لو۔ وہ سچی ہیں تو تم یہ سب جان جاؤ گے۔" مجمع پر موت کا سا سکوت چھا گیا۔ "بستی کی روایات کا مجرم' حسین ایک سنگ تراش ہے۔ تم میرے قدموں میں جو مجسمہ دیکھ رہے ہو وہ اسی نے تراشا ہے۔ یہ عاطیس دیوتا کا مجسمہ ہے۔"

مجمع میں ایک دم شور و غل بلند ہوا۔ کئی کمانوں سے پیاسے تیر اڑتے میری طرف آئے اور میں چیخ مار کر مانیئی کے عقب میں چھپ گیا۔ جوں ہی جبرین کے قزاقوں کی دیوار حرکت میں آئی مانیئی بھی اچھل کر چبوترے پر جا چڑھا اور جوبا کے ہمراہ مشتعل لوگوں کو پرسکون رہنے کا حکم دینے لگا۔

مانیئی کے دخل کا خاطر خواہ اثر ہوا' بڑھتے ہوئے قدم رک گئے' تیر اپنے اپنے ترکشوں میں لوٹ گئے لیکن ان سب کی بھوکی نگاہیں اب بھی میرے اوپر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا تم سب بہرے ہو گئے ہو' دیکھو جبرین کی فضا طالیس کی دہشت ناک چیخوں سے ابھی تک لرز رہی ہے' حسین کے اوزار خود بخود اس کے پاس پہنچے اور یہ چپکے چپکے عاطیس کا بت تراشتا رہا۔ پچھلی رات اس کے محافظ' طالیس کو پتہ چلا کہ اس کے سردار کا قیدی سنگ تراشی کرتا رہا ہے تو وہ مشتعل ہو کر حسین پر ٹوٹ پڑا لیکن اس سے پہلے کہ عاطیس حسین کی گردن توڑتا' عاطیس کا بت زندہ ہو کر اس سے لپٹ گیا۔" سردار کی آواز میں ڈرامائی طور پر خوف ابھر آیا۔ "اور پھر اس کا داہنا ہاتھ کہنی کے جوڑ سے اکھاڑ دیا اور اب تم دیکھ رہے ہو کہ طالیس پاگل ہو کر جبرین کے طول و عرض میں سر ٹکراتا پھر رہا ہے۔ طالیس کا حشر دیکھ کر میں ڈر گیا ہوں حسین پر عاطیس کی مہربانیوں کا سایہ ہے۔ ہم کتنے بھی شہ زور ہوں لیکن دیوتاؤں سے نہیں لڑ سکتے۔"

جوبا نے قدرے توقف اختیار کر کے مجمع پر نگاہیں دوڑائیں۔ ان سب کے تیور اتر چکے تھے۔ چہروں پر حیرت اور نگاہوں میں خوف سمٹ آیا تھا۔ جوبا نے اپنے اوہام پرست قبیلے کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا اور وہ سب اپنے قہر و غضب کو بھول کر جوبا کے بولنے کے منتظر تھے۔

"زینو میری بیٹی ضرور ہے!" جوبا پھر بولنے لگا۔ "مگر مقدس الاؤ کی قسم میں اسے چوپال

سے بچانا نہیں چاہتا' میں اسے عاق کر چکا ہوں' وہ اب میری بیٹی نہیں ہے' اس پر تمہارا حق ہے' تم چاہو تو اس کے بال پکڑ کر اسے ابھی چوپال میں لے جاؤ مگر میں حسین کی سزا میں فریق نہیں بن سکتا' میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب میں بھی عاطیس کے قہر کا نشانہ بن کر طالیس کی طرح جبرین کی گلیوں میں چیختے پھرنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

سردار جوبا کے خاموش ہوتے ہی ہجوم میں سرگوشیاں ابھرنے لگیں طالیس کی اندوہناک چیخیں اس وقت بھی فضاؤں کے دوش پر آوارہ تھیں اور وہ سب لوگ فیصلہ کی قوت کھو چکے تھے۔

جوبا نے خاموشی کے دوران ان سب کے ذہنی خلا کا اندازہ لگایا اور ان کے سنبھلنے سے قبل ہی اپنی تجویز بیان کرنے لگا۔ "حسین مجرم ہے' اسے کسی قیمت پر آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ بس یہی کافی ہے کہ ہم اس کا خون نہیں بہائیں گے۔ میری تجویز ہے کہ اسے تازندگی مقدس مانیئی کی غلامی میں دے دیا جائے۔ تپتے ہوئے سورج کی روشنی میں نخلستان کی مشقت اس کے لئے عذاب سے کم نہ ہو گی۔"

ہجوم نے نیزے اچھال اچھال کر اپنی تائید کا اعلان کیا۔

"لیکن اس مجسمہ کا کیا ہو گا؟" مجمع میں سے کوئی پوری قوت سے چیخا۔

"بستی میں کئی سرکش اونٹ موجود ہیں۔ اس مجسمہ کو کسی پاگل اونٹ کی پشت سے باندھ کر اسے کھلے صحرا میں دور تک ہانک دیا جائے گا' اسی طرح ہم اس بت سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔" جوبا کے حواس پوری طرح کام کر رہے تھے۔

فضا جبرین کے قزاقوں کے وحشیانہ نعروں سے لرز اٹھی۔ وہ سب جوبا کے ہمنوا تھے۔

"اب اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ' میں نے اسی لئے تمہیں یہاں بلایا تھا۔" مانیئی نے تحکمانہ آواز میں ان سے کہا اور وہ ٹولیوں کی صورت میں وہاں سے لوٹنے لگے۔

جوبا اور مانیئی کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں ان کے چہروں کی تحریر پڑھ کر کانپ اٹھا۔ اپنا وقار اور بھرم جیت لینے پر جوبا کی آنکھوں میں خونخوار سرخی جھلک آئی تھی۔ ان دونوں کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لئے چیلنج اور خون کی پیاس ابھر آئی تھی۔ سردار اور مقدس پروہت کے درجے سے گر کر وہ دونوں ایک دوسرے کے خون آشام حریف بن چکے تھے۔

جوبا واپس اپنے خیمے میں جا گھسا۔ مانیئی نے مالکانہ شان سے میری طرف دیکھا اور پھر

میرا ہاتھ تھام کر مجھے اس جانب لیتا چلا گیا جہاں ایک کھونٹے سے اس کا اونٹ بندھا ہوا تھا۔

مانینی کے قدموں کی آہٹیں سن کر وہ اونٹ محبت بھرے انداز میں بلبلاتا ہوا' بے چینی کے ساتھ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ مانینی نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا اور اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اونٹ ہچکولا لے کر تیزی سے سیدھا ہو گیا' مانینی نے اونٹ کے سنبھلنے پر اس کی چرمی نکیل میرے منہ پر اچھال دی۔ "نخلستان کا راستہ تیرا دیکھا بھالا ہے۔ لیکن ذرا احتیاط سے کام لینا ہو گا' یہ اونٹ بڑا سرکش ہے۔"

میری پیشانی پر مانینی کی غلامی کی مہر ثبت کی جا چکی تھی۔ میں نے نکیل کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور اپنے نئے آقا کی سواری کو نخلستان والی راہ پر ڈال دیا۔

جوبا کے خیمے سے گھروں کو لوٹنے والے لوگوں کی ٹولیاں رک رک کر مقدس مانینی کو تعظیم دینے لگیں۔ وہ سب نفرت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے پارساؤں کی بستی میں کوئی راکھشش گھس آیا ہو۔ میں زیادہ دیر تک ان کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور مجرموں کی طرح نگاہیں جھکا لیں۔

راستے بھر اپنی بدنصیبی اور بے بسی کی دنیا میں کھویا رہا اور جب بستی سے نکلنے کے بعد لہلہاتا ہوا نخلستان نظر آیا تو بے اختیار میرا دل تڑپ اٹھا' نگاہیں بے قراری کے ساتھ طوسیہ کی تلاش میں بھٹکنے لگیں لیکن اس کا کہیں نشان نہیں تھا۔ بنت نیل صحرا کی وسعتوں میں کہیں گم ہو چکی تھی۔

"تو جسے ڈھونڈھ رہا ہے وہ سزا بھگت رہی ہے۔ مانینی کی مرضی سے انحراف کرنے والے کبھی خوش نہیں رہتے۔ وہ یہ سمجھتی تھی کہ میں ہر روز نخلستان سے کسی لمبے سفر پر چلا جاتا ہوں لیکن میری نگاہیں باجرے کے پودوں کی اوٹ سے اس کا پیچھا کرتی رہتی تھیں۔" ویران علاقے میں آنے کے بعد مانینی نے سرد آواز میں کہنا شروع کیا۔ "وہ مجھ سے چھپ چھپ کر تجھ سے ملتی تھی اور میں نے اسے بہت دور ان پہاڑوں کے دھواں اگلتے دہانے میں قید کر دیا ہے' جن کے سینوں میں مقدس آگ کے الاؤ انگڑائیاں لیتے رہتے ہیں۔ وہاں جہنم کی گرمی اور دماغ کو الٹ دینے والی زہریلی ہواؤں کا راج ہے۔ میں اسے مجبور کر دوں گا کہ وہ تجھے کسی خواب کی طرح بھول جائے۔ مانینی کے سامنے پتھروں میں بھی دراڑیں پڑ جاتی ہیں' وہ تو صرف ایک روح ہے۔ جبرین والوں کے آبائی دشمن کی اکلوتی بیٹی کی روح جس کا

کوئی ساتھی اور ہمدرد نہیں۔"

میں نے سر گھما کر کرب آلود نگاہیں مانینی کے چہرے پر ڈالیں تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ "اب تو مانینی کا غلام ہے' اگر آئندہ مجھ سے نگاہیں چار کرنے کی گستاخی کی تو انہیں جھلسا دوں گا۔"

اس کی آواز کی کڑک سے اونٹ بھڑک اٹھا اگر میں نکیل کھینچنے میں ذرا بھی سستی سے کام لیتا تو وہ مجھے روندتا ہوا آگے نکل جاتا۔

مانینی نے مجھے اپنے خیمے سے دور نخلستان میں چھوڑ دیا اور خود آگے بڑھتا چلا گیا۔

نخلستان میں اگی ہوئی سبزیوں کے چھوٹے چھوٹے قطعات پر مانینی کی جوئے میں جیتی ہوئی کنیزیں کام کر رہی تھیں۔ ان کے چہرے سوگوار اور پتھرائے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک دوشیزگی کی حدود میں تھی۔ ان کے خوبرو چہروں اور دلفریب نقوش پر چھائی ہوئی بے رونقی ہولناک حد تک غیر فطری لگ رہی تھی۔ انہوں نے دہشت زدہ نگاہوں سے مانینی کو اپنے اونٹ پر سوار' خیمے کی طرف جاتا دیکھا اور مشینی طور پر ان کے ہاتھوں کی رفتار تیز ہو گئی۔ مانینی سے گزر کر ان کی نگاہیں میرے سراپا سے سرسری طور پر پھسلتی ہوئی دوبارہ منڈیروں' پانی کی نالیوں اور پودوں پر جم کر رہ گئیں جیسے ان کے نزدیک میرا وجود قطعی غیر اہم ہو۔

میں نے میٹھے پانی کے کنویں سے دور دراز قطعات تک نگاہیں دوڑائیں' وہ تعداد میں بیس طرح تیس سے کم نہیں تھیں' میرے قریب ہی ستے ہوئے اور غمگین چہرے والی ایک لڑکی پانی کی نالیوں سے کیچڑ اور خشک پتے نکال کر کنویں سے آنے والے پانی کی گزرگاہ بنا رہی تھی۔

میں اس کے قریب جا پہنچا لیکن میری آہٹوں نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا۔ وہ سر جھکائے تیزی کے ساتھ اپنا کام کرتی رہی۔ میں ایک بار آہستگی سے کھانسا' وہ بری طرح چونک پڑی اور اس کے ہاتھوں کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ نگاہیں اب بھی نیچے ہی جمی ہوئی تھیں۔

"لڑکی!" میں نے نرم آواز میں اسے مخاطب کیا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے میری جانب دیکھا۔ میرے زخمی بدن' ادھڑے ہوئے چہرے اور مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر نظر پڑتے ہی وہ کچھ متحیر سی نظر آنے لگی۔

میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ قدرے گہری ہوئی اور اس کا تحیر بے بسی میں ڈھل گیا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے ہاتھ بہتے ہوئے پانی میں دھوئے اور اپنے بدن سے لباس اتارنے لگی۔

وہ شاید جبرین والوں کی سرشت سے واقف تھی۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ جب کوئی مرد کسی کنیز کے قریب آ کر مسکراتا ہے تو اس کا کیا مقصد ہوتا ہے۔

میں نے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام لئے۔ "نہیں.... میں تمہاری آبرو کا دشمن نہیں، تمہارا ہمدرد ہوں۔"

وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ اس کی خوفزدہ نظریں نخلستان کی وسعتوں میں دوڑنے لگیں جیسے اسے نادیدہ نگاہوں کی نگرانی کا خوف ہو۔

"کیا تم مانینی کی قید میں خوش ہو؟" میں نے اس کی ٹھوڑی تھام کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"تم کون ہو..... چلے جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی۔ "وہ ہر بات جان لیتا ہے، چلے جاؤ میں کچھ نہیں جانتی، میں مقدس مانینی کی کنیز ہوں۔"

وہ زور آزمائی کر کے میرے ہاتھوں سے نکل گئی اور کچھ دور جا کر دوبارہ پانی کی نالیاں صاف کرنے لگی جیسے کوئی بے رحم جلاد چابک سنبھالے اس کے سر پر سوار ہو۔

"حسین! کنویں کے عقبی احاطے میں بندھے ہوئے اونٹوں کو تیار کر لے۔" اچانک دور سے مانینی کی گونجیلی آواز ابھری۔ "ہمیں آج ہی یہاں سے نکلنا ہے۔"

میرے قدم مشینی طور پر اونٹوں کے باڑے کی طرف اٹھنے لگے۔

راستے میں کئی لڑکیاں کام میں مصروف نظر آئیں لیکن کسی نے میری طرف نہ دیکھا۔ مانینی کا خوف ان کے روئیں روئیں میں جاگزیں تھا۔ وہ اپنے سائے تک سے خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔

احاطے میں لٹے ہوئے قافلوں کے اونٹ اور محمل موجود تھے۔ میں نے دو جانور ہی تیار کئے تھے کہ مانینی بھی اپنے اونٹ پر سوار آ پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا لمبا سا چابک لہرا رہا تھا اور وہ نخلستان میں کام کرتی ہوئی تمام کنیزوں کو وہاں ہانک لایا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں بارہ اونٹوں کا کارواں تیار ہو گیا۔ آٹھ اونٹوں پر سجے ہوئے محملوں

میں مانینی کی تمیں کنیزیں سوار ہو گئیں۔ دو اونٹوں پر تازہ پانی کے مشکیزے اور دوسرا ساز و سامان تھا۔ مانینی نے باریک ریشمیں لبادوں سے بھرا ہوا ایک صندوق بھی لاد لیا تھا جو شاید کنیزوں کو پہنانے کے لئے تھے۔

پھر اونٹوں کی نکیلیں ایک قطار میں پرو دی گئیں۔ سب سے آگے مانینی کا اونٹ تھا، اس پر وہ خود چابک سنبھالے سوار تھا۔ اس کے عقب میں کنیزوں سے لدے ہوئے اونٹ تھے اور میں سامان والے اونٹوں کے عقب میں آخری اونٹ پر سوار تھا۔

"تم سب سن لو۔" سفر شروع کرنے سے قبل مانینی مڑ کر چلایا۔ "میرے سارے جسم پر بیشمار آنکھیں ہیں اور میں تنہا تمہارے سروں پر مسلط نہیں ہوں آسمانوں کی مدد میرے ساتھ ہے، نادیدہ روحیں تمہاری نگرانی کریں گی۔ سفر کرتے ہوئے یا کسی پڑاؤ پر اگر تم میں سے کسی نے اندھے صحرا میں فرار ہونا چاہا تو وہ میرے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے گا۔ میں اپنے چابک سے اس کی کھال ادھیڑ دوں گا۔ یہ سفر تم سب کی بہتری کا سفر ہے۔ آنے والے دن حسین کے سوا تم سب کے لئے خوشی کے دن ہوں گے۔ اب تمہارے چہروں پر تازگی اور مسکراہٹ ہونی چاہئے۔"

پھر مانینی کا اونٹ چل پڑا۔ پوری فضا تانبے کی گھنٹیوں کے شور سے گونج اٹھی۔

جس وقت مانینی کا وہ کارواں بستی میں داخل ہوا تو سورج سروں پر آ چکا تھا۔ بستی والے دور ہی سے جرس کارواں کا ترنم سن کر راستے پر جمع ہو گئے تھے اور جھک جھک کر مانینی کو تعظیم دے رہے تھے۔ بستی کے آخری سرے پر سردار جوبا بھی اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ مٹی کے چبوترے پر پڑا ہوا بت اب وہاں موجود نہیں تھا شاید جوبا نے اسے کسی پاگل اونٹ کی پشت سے باندھ کر اونٹ کو صحرا میں ہانک دیا تھا۔

جب تک مانینی کا اونٹ جوبا کے سامنے نہ پہنچا وہ اپنی گردن تانے اور سینہ نکالے آسمان کی جانب دیکھتا رہا، جیسے اس کے نزدیک مانینی غیراہم ہو۔ پھر مانینی کے سامنے آتے ہی اس کا سر آہستہ آہستہ نیچے خم ہوا مانینی نے اپنا چابک فضا میں لہرا کر اسے جھٹکا دیا۔ شڑاپ کی آواز کے ساتھ ہی اونٹوں کی رفتار تیز ہو گئی اور وہ ریت کے بگولے اڑاتے صحرا کی بیکراں وسعتوں میں گھس پڑے۔

ذرا ہی دیر میں جبرین کی بستی غبار کارواں کے پیچھے روپوش ہو گئی۔ فضا اونٹوں کی ہمک

اور گھنٹیوں کے مترنم شور سے گونج رہی تھی۔ ریت کے بگولوں میں مجھے اپنا اگلا اونٹ تک دھندلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مانینی کو دیکھنا چاہا لیکن وہ نظر نہ آیا۔ آنکھوں میں گھسنے والی ریت کے ذرات مجھے آنکھیں بند رکھنے پر مجبور کئے دے رہے تھے اور اسی لمحے ایک تجویز نے میرے ذہن میں سر ابھارا۔

میں نے اپنی آنکھیں موندلیں اور اپنی تجویز پر غور کرنے لگا۔ مانینی پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ میں بھی لاشعور میں اس سے خوفزدہ تھا لیکن اس سے نجات پا لینے کی موہوم سی امید بھی میرے لئے حوصلہ افزا تھی۔ میں جتنا سوچتا رہا' میرا عزم اسی قدر پختہ ہوتا رہا اور میں جبرین سے مناسب حد تک دور نکل آنے کا انتظار کرنے لگا۔

پھر اچانک فضا مانینی کی تیز آواز سے گونج اٹھی۔ اس روز پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ اس کرخت اور ہیبت ناک بوڑھے کے گلے میں ترنم کا سوز بھی پایا جاتا ہے۔ وہ لہک لہک کر صحرا نشین' محمل سواروں کا نغمہ گا رہا تھا۔ اس کی آواز آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی اور حدی کی لے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اونٹ بھی مست ہو کر ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ ویران اور خاموش صحرا میں کارواں کی گھنٹیوں کا تیز شور اور مانینی کی حدی خوانی نے عجیب اور پراسرار سماں باندھ دیا تھا۔

مانینی اپنے صحرائی گیت میں کھویا ہوا تھا۔ محملوں میں بیٹھی ہوئی سہمی سکڑی کنیزیں اپنے غیر یقینی مستقبل اور گمنام منزل کے اندیشوں میں گھری ہوئی تھیں۔ مستی میں آئے ہوئے اونٹ ہچکولے کھاتے' تیزی کے ساتھ جبرین سے دور اور جبل کی بستی سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ ہر ایک اپنی اپنی محویت میں گم تھا اور میرے لئے کچھ کر گزرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔ آزادی کی زندگی کی لگن مجھے بار بار کچھ کر گزرنے پر اکسا رہی تھی۔

آسمانوں کی بلندیوں تک اڑتے ہوئے ریت کے طوفانی بگولوں کے عقب میں دھندلایا ہوا سورج' تھکے تھکے قدموں سے مغرب کی جانب جھکتا جا رہا تھا۔ میرے قیاس کے مطابق ہمیں جبرین کو چھوڑے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ میں نے غیر ارادی طور پر مڑ کر ایک بار پیچھے کی طرف دیکھا اور پھر بہت احتیاط کے ساتھ اپنے اونٹ کے کوہان کے پیچھے سے اچھل کر میں اونٹ کی گردن سے لپٹ گیا۔

میرا اونٹ زور سے بلبلایا' اس کی گھنٹیوں کا شور اپنا تسلسل توڑ کر بے ربط ہو گیا۔

خوف اور سنسنی کے باعث میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا میں کئی ثانیوں تک سانس روکے کسی واقعے کا منتظر رہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ میرا اونٹ اعتدال پر آ گیا تھا۔ اس کی گھنٹیاں دوبارہ ربط میں آ چکی تھیں اور بوڑھا مانینی مسلسل حدی خوانی کئے جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ اپنے نغمہ کے زور سے جبل تک کی دو روز کی مسافت ایک ڈیڑھ پہر ہی میں پوری کر لینی چاہتا تھا تاکہ کنیزوں کا نیلام کر کے جلد از جلد جبرین واپس لوٹ سکے۔

مجھے خوب یاد تھا کہ میرا منہ بولا باپ ایک اونٹ پر سے گرنے کے باعث ہی ہلاک ہوا تھا اور میری ذرا سی غلطی میری گردن بھی توڑ سکتی تھی۔ میں بہت آہستہ آہستہ اونٹ کی گردن پر آگے سرکتا رہا۔ درمیان میں سامان سے لدے ہوئے اونٹ اور غبار کا طوفان حائل ہونے کے باعث کنیزوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ مجھ کو دیکھ لیتیں۔

میرا اونٹ اپنی گردن پر بوجھ محسوس کر کے خاصا پریشان تھا لیکن اس کی نکیل کی رسی اگلے اونٹ سے بندھی ہوئی تھی اس لئے' اپنی وحشت کے باوجود وہ قافلے کی رفتار سے بھاگتے رہنے پر مجبور تھا۔

جب میرے لئے مزید آگے سرکنا ممکن نہ رہا تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنے اونٹ کی نکیل ٹٹولی اور میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا۔ پہلی ہی کوشش میں اس کی نکیل میرے ہاتھ میں آ گئی۔

میں نے نکیل کی مدد سے اپنے اونٹ کی رفتار قدرے تیز کی اور جب نکیل خاصی ڈھیلی محسوس ہونے لگی تو میں نے اسے اگلے اونٹ کی داہنی جانب آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

چند ہی منٹ میں میری کوشش بار آور ہوئی اور میں نے ایک جھٹکا دے کر اپنے اونٹ کی نکیل کا آخری سرا اگلے اونٹ پر لدے ہوئے سامان میں سے نکال لیا۔ اس مرحلہ پر نخلستان کی محنت نے میرا ساتھ دیا کیونکہ وہاں میں نے اپنے ہاتھوں سے اونٹوں کی نکیلیں ایک دوسرے سے باندھی تھیں۔

اب میرا اونٹ کارواں سے الگ ہو چکا تھا' میں احتیاط اور تیزی کے ساتھ واپس کوہان تک سرکا۔ نکیل میرے دانتوں میں دبی ہوئی تھی لیکن میرا اونٹ قافلے کی روانی میں ابھی تک باقی اونٹوں کے پیچھے دوڑا جا رہا تھا۔ کوہان تک پہنچ کر میں پلٹا اور پھر اپنی جگہ تک آ گیا۔

بوڑھے مانیتی کی گونجیلی آواز میں اب دھیما پن آ گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ سانس ٹوٹنے کے باعث ذرا ہی دیر میں خاموش ہونے والا ہے۔

پھر میں نے اچانک اپنے اونٹ کی نکیل کھینچ لی۔ گھنٹیاں تیزی سے چیخیں' میرا اونٹ تکلیف سے بری طرح بلبلایا اور پچھلی ٹانگوں پر رکتا چلا گیا۔

اپنے اونٹ کی دہشت زدہ بلبلاہٹ پر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کارواں کی گھنٹیوں کا شور حالانکہ بہت تیز تھا لیکن میرے اونٹ کی آوازیں اس پر حاوی تھیں۔

جتنی دیر میں میرا اونٹ ٹھہرا اس وقت تک مانیتی کا کارواں خاصی دور نکل چکا تھا۔ پھر شاید مانیتی کو میری کوشش کا علم ہو گیا۔ آگے جاتا ہوا کارواں تیزی کے ساتھ رکنے لگا۔ فضا اونٹوں کے شور سے گونج اٹھی۔ میری لئے فیصلہ کن لمحات آ چکے تھے جتنی دیر میں مانیتی اپنے اونٹ کو قافلے سے علیحدہ کر کے میرے تعاقب میں ڈالتا مجھے دور نکل جانا چاہئے تھا میں نے فوراً اپنے اونٹ کو داہنی جانب گھما کر پوری سرعت سے صحرا میں دوڑا دیا۔

"مجھ سے فرار ممکن نہیں حسین!" فضا میں مانیتی کی قہر سے لرزتی ہوئی آواز گونجی۔

"میرے ہاتھ بہت دراز ہیں۔ تو جلد ہی میرے قدموں میں ڈال دیا جائے گا۔"

میں نے مانیتی کی پرواہ نہیں کی۔ میں اس کے کارواں سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ میرے پیچھے مانیتی کی بھیانک قید اور اذیت ناک غلامی تھی اور سامنے آزادی کی راہ مجھے پکار رہی تھی۔ میں مڑ کر دیکھے بغیر اپنے اونٹ کو پوری رفتار سے آگے دوڑاتا رہا۔ میرے اعصاب پر ناقابل بیان جوش طاری تھا۔ اور میں جلد از جلد اتنی دور نکل جانا چاہتا تھا کہ مانیتی اور اس کے کارواں کی آوازیں بھی میرے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔

میں آگے بڑھتا رہا لیکن میرے کان لاشعوری طور پر عقب میں کسی آواز پر جمے ہوئے تھے۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ جبرین کے مقدس پروہت' مانیتی نے میرا تعاقب نہیں کیا تھا جب کافی دیر گزر گئی اور مجھے پورا یقین ہو گیا کہ مانیتی نے کنیزوں کے ہراساں کارواں چھوڑ کر میرا تعاقب نہیں کیا ہے تو میرے بدن میں سنسنی دوڑنے لگی۔ اس کے آخری الفاظ میرے کانوں میں گونجے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ آخر کیا بات تھی کہ مانیتی میرے فرار کی ناکامی کا یقین تھا۔ اس کے آخری جملوں میں غصے کے ساتھ ہی بلا کا اعتماد تھا جیسے اسے پورا یقین ہو کہ میں اس کے چنگل سے فرار نہ ہو سکوں گا۔

میں صحرا کے اجنبی راستوں سے ناواقف تھا۔ میرے لئے ہر راہ یکساں تھی۔ میں نے اپنے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے مجھے ایک جانب لئے جا رہا تھا۔ مانیتی سے دور نکل آنے کے بعد اب مجھ پر ہلکی سی تشویش چھانے لگی تھی۔ مانیتی اگر کارواں کو چھوڑ کر میرا پیچھا کرتا تو بدکے ہوئے اونٹ اس کی کنیزوں کو لے کر صحرا کی بیکران وسعتوں میں گم ہو جاتے اور وہ اپنی متاع سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ وہ کئی پشتوں سے صحرا کا باسی تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ میں اس سے فرار ہو کر صحرائی عتاب سے نہ بچ سکوں گا۔

مجھے نہ راستوں کا علم تھا نہ میرے پاس کھانے پینے کا سامان تھا' نہ صحرا کی سرد رات سے بچاؤ کا انتظام تھا نہ دن کی جہنمی گرمی سے نجات کی کوئی صورت تھی' مانیتی کو یقین تھا کہ مجھے یہ فرار مہنگا پڑے گا۔ اس کا طویل تجربہ اسے میرے آنے والے لمحوں کی داستان پہلے ہی سنا چکا تھا۔

میں اپنے اونٹ کو پوری رفتار سے دوڑاتا رہا۔ سورج اب مغربی افق پر آسمان اور صحرا کے سنگم کو چھوڑ کر ریت کے لہروں پر روپہلے سمندر کا سماں باندھ رہا تھا۔ طویل جدوجہد کے باعث مجھے پیاس کا احساس ستانے لگا تھا۔ حلق میں پیدا ہونے والی خشکی سے مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔ منصوبہ بندی کے بغیر فرار کی یہ کوشش مجھے مانیتی کی قید سے بھی مہنگی پڑتی نظر آ رہی تھی۔

میں کسی قریئے اور بستی کی امید پر صحرائی راستے عبور کرتا رہا۔ سارا دن دوڑتے رہنے کے باوجود اونٹ کی تازگی اور رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پھر سورج ڈوب گیا۔ صحرا میں روتی ہوئی آوارہ ہوائیں اپنے گمنام مسکنوں میں معدوم ہو گئیں اور صحرا پر خنکی میں ڈوبا ہوا شام کا دھندلکا پھیلنے لگا۔ اس صحرائی سکوت میں میرے اونٹ کے گلے میں پڑی تین گھنٹیوں کی آواز دور تک گونج رہی تھی۔

پھر رات آ گئی۔ دن بھر کی تکان' بھوک اور پیاس کے باعث میری حالت ابتر ہونے لگی۔ فضا میں تیزی سے پھیلتی ہوئی سردی اب ہڈیوں پر اثر کرنے لگی تھی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ اس حالت میں سفر جاری رکھنا محال ہوتا جا رہا ہے۔ اونٹ پر میری گرفت کمزور ہوتی جا رہی تھی اور مجھے اندیشہ تھا کہ وہ اونٹ مجھے اسی عالم میں کہیں گرا کر صحرا میں گم ہو جائے گا۔

میں نے اونٹ کی رفتار کم کر لی۔ میرے حلق میں اب پیاس کے کانٹے پڑنے لگے تھے۔ سورج کی تمازت میں دن بھر کا سفر آہستہ آہستہ رنگ لا رہا تھا۔ آنکھوں میں ریتیلے ذرات کی چبھن سے میٹھی میٹھی سوزش ہونے لگی تھی۔ میری آبلہ پا نگاہیں حسرت اور بے چینی کے ساتھ رات کے پرہول اندھیرے میں ہر طرف اٹھ رہی تھیں لیکن وہاں کسی طرف زندگی یا روشنی کے آثار نہیں تھے' وہ ریگزار رات کی سیاہی میں ڈوب کر صحرائے ظلمات میں بدل چکا تھا جہاں ہر طرف ابدی سناٹا اور سکوت حکمراں تھا۔

آہستہ آہستہ میری حالت غیر ہونے لگی۔ دن کی روشنی میں سورج کے سہارے سمتوں کا تعین آسان تھا لیکن میں ستاروں کی مدد سے راستہ تلاش کرنے کا اہل نہیں تھا۔ میری ناتجربہ کار نگاہوں کے سامنے سیاہ آسمان پر چمکتے ہوئے بے شمار تارے بالکل یکساں تھے اور ان سے کسی رہبری کی امید فضول تھی اور رہبری بھی اسی صورت میں کام آتی جب مجھے کسی منزل اور ٹھکانے کا علم ہوتا لیکن میرے لئے تو ہر سمت اجنبی تھی۔

آخر کار میں نے اپنے اونٹ کو روک لیا اور نیچے اتر پڑا۔ دن بھر سورج کی تپش میں جلتی ہوئی ریت سے سوندھی سوندھی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ میرے برہنہ پیروں نے ریت کی خنکی کو محسوس کیا' سرد ہواؤں میں بڑھتی ہوئی خنکی کی رفتار سے ظاہر تھا کہ جوں جوں رات ڈھلتی جائے گی' صحرائی ہوائیں ناقابل برداشت ہوتی جائیں گی۔

میں نے وہیں رک کر رات گزار دینے کا فیصلہ کر لیا' کھلے آسمان کے نیچے' صحرا کی ٹھنڈی ریت پر میں نے اونٹ کی نکیل اپنی پنڈلی سے باندھ لی اور خود اونٹ کی آڑ میں ریت پر دراز ہو گیا۔ وہ ریت پر بیٹھا اس طرح جگالی کر رہا تھا جیسے وہ ان ہی لمحات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ہر طرف سکوت اور یکسانیت کا دور دورہ تھا' ریت پر کروٹیں بدلتے اور تاروں بھرے آسمان کو تکتے تکتے مجھ پر غنودگی چھانے لگی۔ اور پھر میں نیند کی آغوش میں کھو گیا۔

گہری نیند تو نہ آ سکی' ہاں بھوک اور پیاس نے تھکن سے مل کر غنودگی طاری کر دی۔ اسی عالم میں ایک بار میرے بدن کو تیز جھٹکا لگا۔ ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو میرا اونٹ گردن جھکائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس پر عجیب سی بے چینی طاری تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نکیل تڑا کر کسی نامعلوم منزل کی جانب فرار ہو جانے کے لئے بے چین ہو۔

میں نے اسے پچکار کر بڑی مشکل سے ریت پر بٹھایا اور خود ایک مرتبہ پھر اپنی شکستہ حالت کو بھول جانے کی کوشش کرنے لگا۔

بے بسی اور مجبوری کے ان لمحات میں مجھے شدت سے طوسیہ یاد آ رہی تھی۔ اسے میرے قریب آئے کافی وقت گزر چکا تھا۔ طالیس کے مجسمہ لے جانے کے بعد سے وہ مجھ سے نہیں ملی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اسے ذرا بھی مہلت ملتی تو وہ سیدھی میرے پاس دوڑی ہوئی آتی لیکن مانیتی مجھے بتا چکا تھا کہ اس نے طوسیہ کی مظلوم روح کو گمنام آتش فشانوں کے دہانے میں قید کر دیا ہے۔ اس بے چاری کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ میری محبت میں گرفتار ہو گئی تھی اور مانیتی کے چنگل میں قید ہونے کے باوجود زینو کا پیکر چرا کر میرے پاس آتی رہی تھی۔

غنودگی کے عالم میں' میں ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی مجھے نرم اور ٹھنڈی ریت پر کھینچے لئے جا رہا ہو۔

بے ساختہ چیخ کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی اور میں فضا میں اپنے اونٹ کی غضب ناک آوازیں سن کر کانپ اٹھا۔ اس کی نکیل میری داہنی پنڈلی سے بندھی ہوئی تھی اور وہ تکلیف سے بلبلانے کے باوجود اپنی نکیل سمیت مجھے ریت پر گھسیٹتا ہوا ایک طرف بھاگ رہا تھا۔

میں نے سنبھلنا چاہا لیکن اونٹ کی رفتار تیز تھی۔ اس کی آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ اس کی ناک بری طرح زخمی ہو چکی ہے اور وہ خود تکلیف میں مبتلا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ٹھہرتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس صحرائی جانور کے بدن میں کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہے۔

یہ کیفیت زیادہ دیر باقی نہیں رہی۔ دوڑتے دوڑتے وہ اونٹ ایک بارگی میری جانب پلٹا اور اگلے ہی لمحے اس نے میری ٹانگ اپنے منہ میں دبوچ لی۔ صحرا کی خاموش فضا میری چیخوں سے لرز اٹھی اور پھر وہ اونٹ مجھے ریت پر گھسیٹنے لگا۔ اس کے تیز دانتوں کی چبھن سے میری پنڈلی میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ لیکن وہ رکنے پر تیار نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت اسے اپنی جانب بلا رہی ہو۔

اونٹ کی گھنٹیوں کا بے ہنگم اور خوفناک شور رات کے سناٹے میں گونجتا رہا

اپنی گردن جھکائے' مجھے ریت پر گھسیٹتا ہوا لئے جا رہا تھا۔ مجھے ہر آن یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ اچانک گردن اوپر نہ اٹھا لے۔ ایسی صورت میں میرا معذور ہو جانا بالکل یقینی ہو جاتا لیکن وہ اونٹ ایک خوفناک عفریت کی طرح کسی پراسرار قوت کے تابع محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے کم از کم نقصان پہنچا کر کسی خاص منزل کی طرف لے جانا چاہتا ہو۔ میں جب تک ہوش میں رہا' اذیت اور دہشت سے چیخیں مارتا رہا آخر کار میرے حواس جواب دے گئے۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ میں نے بے بسی کی اس حالت میں صحرا کی ریت پر گھسٹتے ہوئے کتنا سفر طے کیا لیکن یہ اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے کراہ کر آنکھیں کھولیں تو جبرن کا خوفناک بوڑھا' مانتی میرے اوپر جھکا ہوا زہریلے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ان صحراؤں پر مانتی حکمراں ہے حسین!" وہ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر تلخ لہجے میں بولا۔ "میری غلام قوتیں تیرا ہر طرف پیچھا کرتی رہیں گی اب تو مر کر بھی مجھ سے نجات نہیں حاصل کر سکے گا۔"

میں پھٹی پھٹی دہشت زدہ نگاہوں سے اسے گھورتا رہا۔ مجھے اپنی بینائی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مانتی کا وجود اس وقت مجھے کوئی ڈراؤنا خوابی آسیب لگ رہا تھا۔ جس سے فرار ہو کر میں صحرا میں کوسوں دور نکل گیا تھا مگر وہ ایک بار پھر میری زندگی کا مالک بنا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میں نے اٹھنے کی کوشش میں اپنے جسم کو جنبش دی اور کراہ کر رہ گیا۔ میرا سارا بدن بری طرح زخمی تھا۔ داہنی پنڈلی میں ہونے والی شدید ٹیسوں نے مجھے سب کچھ یاد دلا دیا۔

تو کیا وہ اونٹ مانتی کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر مجھے کوسوں دور سے گھسیٹتا ہوا مانتی تک لایا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میرا دل پانی پانی ہونے لگا۔ گزشتہ واقعات بھیانک تصویروں کی طرح میرے پھوڑے کی مانند دکھتے ہوئے دماغ میں چکرانے لگے۔

مانتی کے ہاتھ واقعی دراز تھے اور اس کی قوتوں سے فرار ایک خواب اور سراب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

اس وقت مانتی کا چہرہ بڑا ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ میں نے پھریری لے کر اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

مانتی کے چہرے سے نگاہیں پھسلیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ مجھ

سے تھوڑی دور مانتی کی تمام کنیزیں ایک قطار میں سہمی ہوئی سو رہی تھیں۔ مٹی کے ان کھنڈرات میں بس ایک چراغ روشن تھا۔ اس کی ناکافی روشنی میں اس کھنڈر کے در و دیوار اپنی کہانی سنا رہے تھے۔ کسی زمانے میں وہ کھنڈر بھی یقیناً آباد رہے ہوں گے لیکن ان پر ناچتی ہوئی ویرانی بتا رہی تھی کہ اس کے صحرائی مکین کسی سرخ آندھی یا صحرائی قزاقوں کا شکار ہو کر مدتوں قبل اپنی بستی کو ویران کر چکے ہیں۔ اس وسیع کھنڈر میں ایک جانب مانتی کے کارواں کے تمام اونٹ بیٹھے ہوئے تھے اور سب سے آگے میرا اونٹ تھا۔ اس کی ناک خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر میں ساری کہانی سمجھ گیا۔

مانتی کی خفیہ اور پراسرار قوتوں کے زیر اثر پہلے تو اس اونٹ نے اپنی نکیل کے سہارے مجھے گھسیٹنے کی کوشش کی تھی لیکن لہولہان ہونے کے بعد وہ مزید تکلیف برداشت نہ کر سکا اور دیوانہ وار میری ٹانگ منہ میں دبوچ کر مجھے کسی نادیدہ رہنمائی کے سہارے مانتی تک لے آیا اور یوں میں فرار ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر اس خوفناک بوڑھے کے چنگل میں آ پھنسا تھا۔

"جب سے تو فرار ہوا تھا میں ہر آن صحرا کی ریت پر تیرے قدموں کی آہٹیں سن رہا تھا۔" مانتی دہشتناک ہنسی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "ویران صحرا میں سرسرانے والی ہواؤں میں تیرے بدن کی بو سونگھ رہا تھا' مجھے علم تھا کہ تو صحرا میں ہی پھر رہا ہے۔ اب میں چاہوں تو تجھے چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں' لیکن مجھے اپنے دشمنوں کو مجبور اور بے بس دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ میں تجھے زندہ رکھوں گا..... تو زندہ رہے گا۔"

مجھ پر مایوسیوں کی سیاہ گھٹائیں چھاتی جا رہی تھیں۔ جبرن کی پرہول یادوں کے بعد صحرا کے جگر خراش تجربے نے مجھ سے عزم اور حوصلے کی قوتیں چھین لی تھیں۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مانتی سچا ہے' میرا اس کا مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی کی ٹکر کے مترادف تھا' میں اپنی قوت اور توانائی سے اس ناقابل شکست منحنی بوڑھے کو زیر نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے نمٹنے کے لئے مجھے اس ہاتھی کی سونڈ میں گھسنے کی تدبیریں تلاش کرنی تھیں۔

سسکتی ہوئی رات کے آخری لمحے بڑے کرب کے عالم میں گزرے ان کھنڈرات میں پڑنے والی سورج کی کنواری کرنوں نے مانتی کی آبرو باختہ کنیزوں کو بڑی حسرت کے ساتھ بوسے دیئے۔ موت کے سکوت میں ڈوبے ہوئے کھنڈرات کچھ دیر کے لئے خوف میں ڈوبی

ہوئی چہل پہل میں بدل گئے۔ لکڑیوں کے ڈھیر سے دھوئیں کی بل کھاتی ہوئی لکیریں ابھریں پھر چٹختے ہوئے انگاروں پر آتش شکم کو سرد کرنے کی تیاریاں مکمل ہوئیں۔ ناشتہ کرتے ہوئے میں نے مانیتی کو غور سے دیکھا اس کی چندھیائی ہوئی آنکھیں ایک دراز قامت اور سبک اندام کنیز کے بدن پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کنیز کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر مانیتی کے بے رحم چابک کی نیلی نیلی' تازہ لکیریں ابھری ہوئی تھیں۔ جمے ہوئے خون کی وہ نیلاہٹ مانیتی کی سفاکی کی کہانی سنا رہی تھی۔

ناشتے کے بعد کنیزیں جانوروں کو تیار کرنے لگیں۔ ان کی حرکات و سکنات بالکل مشینی تھیں۔ ان پر مانیتی کی دہشت چھائی ہوئی تھی۔ ان کی چھاتیوں سے قدرے اوپر' چمکتے ہوئے مانیتی کی مہر کے نشانات نمایاں تھے۔ مانیتی جبرین کے سردار جوبا کے خاص خیمے میں ایک جنون خیز محفل میں مقدس آگ میں تپی ہوئی مخصوص مہر' باہر سے لائی جانے والی کنیزوں کے سینوں کو داغدار کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ وہ تقدس میں ڈوب کر اتنی بے رحمی کے ساتھ جسموں کو جلاتا تھا کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

کنیزیں اپنے کام میں لگی ہوئی تھیں ان کے انداز میں نہ احتجاج تھا' نہ مزاحمت کا عنصر نظر آتا تھا۔ آدم کی وہ بیٹیاں مانیتی کے ہاتھوں لاوارث ہو کر اپنا سب کچھ کھو بیٹھی تھیں اور اب جبرین کے درندوں کا دل بھر جانے کے بعد مانیتی جوئے میں جیتی ہوئی ان لڑکیوں کو لاعلمی میں جبل والوں کے درمیان نیلام کرنے لے جا رہا تھا۔ اس مقدس بردہ فروش کا چہرہ آنے والی دولت کی ہوس سے چمک رہا تھا۔

"حسین!" کسی سوچ میں کھوئے ہوئے مانیتی نے اپنی ٹھوکر سے میری پسلیوں کو چھو کر کہا۔ "تیرے فرار کے بعد میری بلند آوازوں سے اس لمبی لڑکی پر دہشت طاری ہو گئی تھی اور وہ ہذیانی انداز میں بال نوچ نوچ کر چیخنے لگی تھی۔ میرے چابک نے اس وقت تو اس کا دماغ درست کر دیا لیکن اب مجھے افسوس ہوتا ہے۔"

میں نے نظر بھر کر زخمی کنیز کو دیکھا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مانیتی جیسا درندہ اپنے کسی فعل پر متاسف بھی ہو سکتا ہے۔ میں اس کی بات کا مفہوم نہ سمجھ سکا اور خالی نظروں سے اس کا منہ تکنے لگا۔

"یہ کنیز اچھے داموں نہ اٹھ سکے گی۔" مانیتی قدرے توقف کے بعد بولا تو اس کی آواز

میں واقعی ملال نمایاں تھا۔ "ہنستے مسکراتے چہروں' گداز جسموں' خوبصورت چہروں' گوری رنگت اور بے داغ چمڑی والی کنیزوں کی بولی بہت اونچی جاتی ہے۔ میری دہشت سے ساری کنیزیں یرقان میں مبتلا نظر آتی ہیں' پھر جبل کے کسی امیر کو پتہ چل گیا کہ میری کنیزوں میں کوئی زخمی بدن والی بھی شامل ہے تو وہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں نے کنیزوں کی مناسب دیکھ بھال نہیں کی ہے اور جبل پہنچنے تک اس کے زخم بھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

وہ خاموش ہوا تو میں الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ آخر اتنی لمبی تمہید کا مقصد کیا تھا؟ لیکن میں نے زبان نہیں کھولی۔ اس کے بولنے کا منتظر رہا۔

"صحرائی گدھ اس کی لاش بڑے شوق سے نوچیں گے!" وہ زخمی کنیز پر نظریں جما کر سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "اس کے بھرے بھرے بدن پر کافی گوشت ہے' میں سوچتا ہوں کہ اسے ان ہی کھنڈرات میں ختم کر دوں' اپنے انجام کے خوف سے شاید باقی کنیزیں مسکرانے پر مجبور ہو جائیں' مجھے ان کی سوگواری سے الجھن ہونے لگی ہے۔"

میں کانپ اٹھا۔ "نہیں مقدس مانیتی!" میرے منہ سے کانپتے ہوئے الفاظ نکلے۔ "تم اسے لمبا لبادہ پہنا دو' نیلام میں بھی آخر میں سامنے لانا' اسے یوں بے قصور ہلاک نہ کرو۔"

"بے قصور!" وہ زور سے ہنس پڑا۔ کنیزیں اس کی آواز پر دہشت سے اچھل پڑیں۔ کئی لڑکیوں کے ہاتھ سے سامان چھوٹ گیا۔

پھر اس نے قریب ہی سے اپنا چابک اٹھا لیا اور دراز قامت کنیز کو مخاطب کر کے زور سے چلایا۔ "او ام الخنزیر' ادھر آ میرے قریب۔"

اس نے ایک نظر مانیتی کو دیکھا پھر اس کے ڈراؤنے چابک کو دیکھتی سحر زدہ انداز میں اس کی طرف بڑھنے لگی۔ دہشت سے اس کا چہرہ اور ہونٹ سفید پڑ گئے تھے' پنڈلیاں بری طرح کانپ رہی تھیں۔

"لباس اتار دے۔" مانیتی سرد لہجے میں غرایا۔ "جبل والے اسے دو چار دینار کی بولی دے کر اپنی عورتوں کے لئے چھڑا لیں گے۔"

وہ کسی ننھی سی چڑیا کی طرح سہمی ہوئی تھی۔ ایک لفظ کہے بغیر لرزتے ہاتھوں سے اپنی حیا کی چادر اتارنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیا اور التجا نقش تھی۔

اس کے بدن سے لبادہ گرتے ہی مانیتی کا چابک والا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ شڑاپ کی آوا
کے ساتھ چابک اس لڑکی کی کھال سے لپٹ گیا اور فضا اس کی چیخوں سے کانپ اٹھی
دوسری کنیزیں اپنے کاموں میں مصروف تھیں، لیکن ان کے بدن بری طرح لرز رہے تھے۔

وہ دراز قامت کنیز پہلے ہی وار میں زمین پر ڈھیر ہو گئی تھی۔ مانیتی نے بے رحمی
ساتھ چابک واپس کھینچا اور اس لڑکی کی کھال چمڑے کے ساتھ چپک کر اکھڑ آئی اور اس
برہنہ بدن سے خون کی لکیریں بہہ نکلیں۔

مانیتی کا ہاتھ دوبارہ لہرایا، ساری کنیزیں چیخیں مار کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں، ز
کنیز تو پہلے وار میں ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔

"ہاتھ روک لے بڈھے!" میں لرزتی ہوئی آواز میں چیخا لیکن اس کا ہاتھ تیسرے و
کے لئے بلند ہوتا رہا۔

مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں لنگڑاتا ہوا اس کی طرف لپکا وہ الٹے قدموں ذرا پیچھے
سرکا اور اس کا چابک میری پنڈلیاں ادھیڑ گیا۔ میں چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

غصے اور نفرت سے میری آنکھیں جل رہی تھیں۔ انتقام کا ناقابل برداشت لاوا میر
وجود میں کھول رہا تھا لیکن میں اس جنمی پروہت کے سامنے بے بس تھا۔

فضا بار بار چابک کی ہولناک آوازوں سے کانپ رہی تھی زخمی کنیز بے ہوش تھ
اس کا بدن ساکت تھا مانیتی کے ہاتھ میں یہ خوبی تھی کہ اس کا ہر وار لڑکی کے بدن پر خون
نئی لکیریں ابھار رہا تھا۔

ساتویں چابک پر زخمی کنیز کا بدن آہستہ سے کانپا اور وہ اذیت و راحت کے جذبوں
بے نیاز ہو کر، ہمیشہ کے لئے مانیتی کی قید سے آزاد ہو گئی۔

"تم سب سنو!" مانیتی اپنے خونیں چابک کو فضا میں پھٹکارتا ہوا کنیزوں سے بولا۔ "ما
تمہارے یرقان زدہ چہروں پر زندگی کا نکھار اور مسکراہٹ دیکھنی چاہتا ہے۔ اگر تم پر یہی م
طاری رہی تو ایک ایک کر کے اسی کے پاس پہنچا دی جاؤ گی۔"

وہ اپنی ہدایت کا رد عمل دیکھے بغیر مٹی میں اپنا چابک صاف کرنے لگا۔

اس روز میں نے زندگی میں پہلی بار اور شاید آخری بار لرزا دینے والا منظر دیکھا۔
اب کنیزوں کی جانب مانیتی کی پشت تھی لیکن ان کی دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں کے

ان کے سوکھے ہوئے ہونٹ پھیل گئے تھے۔ موت کے پسینوں میں نہائی ہوئی وہ لڑکیاں
مسکرانے کی رحم انگیز کوششیں کر رہی تھیں۔ بعض کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے لیکن
ہونٹ پھیلے ہوئے تھے جیسے مانیتی کی نادیدہ قوتیں ان کے جبڑوں میں انگلیاں پھنسا کر ان کے
دہانے چیر رہی ہوں۔

کھنڈرات سے روانگی کے وقت ہر ایک دم بخود تھا۔ وہاں کھیلا جانے والا خونیں ڈرامہ
ہر ایک کے ذہن میں چپکا ہوا تھا۔ جب اونٹ ہمک کر زمین سے اٹھے تو گھنٹیوں کی گونج میں
بھی اس بے گناہ کنیز کی چیخوں کا آہنگ رچا ہوا محسوس ہوا جس کا جرم یہ تھا کہ اس کا بدن
مانیتی کے ہاتھوں داغدار ہو گیا تھا۔

قافلہ باہر نکلتے ہی کھنڈرات کی خشک اور شکستہ دیواروں پر بیٹھے ہوئے گدھوں نے
مسرت سے کریہہ آوازیں نکال کر اپنے محسن مانیتی کو پرجوش طریقے پر الوداع کہا اور میں نے
ایک دیوار کی اوٹ سے مظلوم کنیز کی برہنہ لاش پر ان گدھوں کو منڈلاتے دیکھا اور میرا
اونٹ آگے نکل گیا۔

ان گدھوں کی آوازیں کافی دور تک ہمارا تعاقب کرتی رہیں۔

میں پہلے کی طرح قافلے کے آخری سرے پر تھا، میرا زخمی اونٹ چارے کے بغیر بھی
پہلے جیسی رفتار سے چل رہا تھا۔ میرے لئے اس صحرا کی ہر سمت یکسانیت کا راج تھا لیکن
مانیتی صحرا کا کیڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آنکھ بند کر کے بھی سفر طے کرے تو مقررہ وقت سے
پہلے ہی جبل جا پہنچے گا۔

زخموں اور مسلسل سفر سے چور بدن ریت کے ذروں کے سبب چیخ رہا تھا۔
مشکیزوں میں صرف اسی قدر پانی تھا کہ پینے کا کام دے سکتا تھا۔ ابھی تک اونٹوں کو بھی
پانی نہیں پلایا گیا تھا۔ ہاں سفر شروع کرنے سے قبل جبرین کے نخلستان میں انہیں سیر کر دیا گیا
تھا۔

کچھ دیر بعد مانیتی پھر موج میں آ گیا۔ کچھ دیر قبل والے خون آشام واقعے کا اس پر کوئی
اثر نہیں تھا اور وہ بڑے سوز کے ساتھ حدی کی لے گا رہا تھا، کوئی اجنبی سوچ بھی نہیں سکتا
تھا کہ گانے والے نے ذرا ہی دیر پہلے بھیڑیئے کی طرح کسی نازک اندام دوشیزہ کا بدن نوچا ہو
گا۔

مانیٹی کی آواز بلند ہوتے ہی اونٹوں نے اپنی گردنیں نیچی کیں اور ان کی چال تیز ہ
گئی۔ ان کے قدموں سے اڑنے والی ریت کے بگولے بھی گہرے ہوتے جا رہے تھے
گھنٹیوں کی آواز بتدریج اونچی ہو رہی تھی۔

دن بھر ہمارے اونٹ بلا تکان صحرا میں دوڑتے رہے۔ اس روز مجھے پہلی بار ذاتی
ہوا کہ طویل صحرائی مسافتوں کے لئے اونٹ کو ترجیح کیوں دی جاتی ہے۔

پھر دن ڈھل گیا اور ہر سو شام کا اندھیرا چھا گیا۔ سورج کی روشنی میں بیکراں سمندر
طرح چمکتا اور انگڑائیاں لیتا ہوا صحرا پرسکون ہوتا جا رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ اس شام کے
میں چاند کی آخری شب طلوع ہونے والی ہے۔

یہی وہ شب تھی جب جبرین کے سردار جوبا کی کنیزیں مجھے مقدس الاؤ کے دھویں
لٹکا کر ہلاک کرتیں' بے اختیار مجھے طالیس یاد آیا۔ جو میری مدد کرتے ہوئے مانیٹی کی
رحمی کا نشانہ بنا۔ کون جانے کہ جبرین کی فضائیں ابھی تک اس پاگل کی چیخوں سے گونج
تھیں یا وہ ہلاک ہو چکا تھا۔

اپنی قید کے دوران مجھے اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا کہ سردار جوبا کو اپنی بیٹی زیتو سے
محبت ہے۔ گو ایک مرحلے پر وہ اپنی جان کے خوف سے اس کی آبرو لٹا دینے پر بھی تیار ہ
تھا لیکن میرا قیاس تھا کہ ایک بار حالات پر گرفت مضبوط ہوتے ہی اس نے اپنی بیٹی کو ج
والوں کی ہوسناک نگاہوں سے محفوظ کر لیا ہو گا اور اس سے بھی بڑھ کر مجھے اپنی طوسیہ ک
تھا وہ بے چاری نہ جانے کہاں اور کس حال میں مانیٹی کی سزائیں جھیل رہی تھی۔

میں ان ہی خیالات میں کھویا رہا اور کارواں برق رفتاری سے جبل کی جانب بڑھتا
جہاں ایک نئی کہانی میری منتظر تھی۔ اور میں آنے والے ہولناک لمحات سے قطعی بے
تھا۔

سورج غروب ہونے کے کچھ وقفے بعد فضا میں اچانک مانیٹی کی آواز گونجی۔ "نوید سن
کہ بستی قریب آ چکی ہے۔ مانیٹی فضا میں اجنبیوں کی بو سونگھ رہا ہے۔"

میرا دل بے اختیار اچھل پڑا۔ میں نے غبار کے عقب سے سامنے کسی بستی کے آ
دیکھنے چاہے لیکن بے سود۔ اندھیرے کی پھیلتی ہوئی چادر میں وہاں کسی آبادی کے آثار نہ
تھے' لیکن مانیٹی کے بارے میں میرا تجربہ کہتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ وہ میلوں دور سے

لو لینے والی حیوانی قوت کا مالک تھا اور مجھے کوئی شک نہیں تھا کہ ہمارا کارواں وقت سے
لے ہی جبل کی بستی میں داخل ہو جائے گا۔

کچھ دیر بعد سامنے' بہت دور روشنی کے دھندلائے ہوئے نقطے نظر آنے لگے اور میں
پنے ذہن میں جبل کی خیالی تصویریں بنانے لگا۔

"ہم آج رات ہی جبل میں داخل ہوں گے۔ یہ رات کھلے آسمان کے بجائے کسی
ائے کی چھت کے نیچے بسر ہو گی۔" مانیٹی کی آواز نے ایک بار پھر مجھے چونکا دیا اور مجھ پر
امعلوم سا اضطراب چھانے لگا۔

روشنی کے دھندلائے ہوئے نقطے اب آہستہ آہستہ واضح ہوتے جا رہے تھے۔ میرے
ل میں غیر ارادی طور پر یہ خواہش ابھر رہی تھی کہ کاش اونٹ پل بھر میں یہ فاصلہ طے کر
ں۔ اس وقت میں نے اپنے اس جذبے کو جبرین والوں کی وحشت سے فرار کی خواہش ہی
مور کیا لیکن آنے والے دنوں اور لمحوں نے ثابت کر دیا کہ یہ جبرین والوں سے نفرت نہیں
ا جبل کی پراسرار کشش تھی جو میرے دل میں ایسے جذبے جگا رہی تھی۔

سیاہ آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کی مدھم چھاؤں میں اب جبل کی بستی کے اونچے نیچے
الے نظر آنے لگے تھے۔ چاند کی آخری شب جبرین والوں کے مقدس الاؤ پر زندگی اور
ت کی کشمکش میں گزارنے کے بجائے میں جبل کی کسی سرائے میں بسر کرنے والا تھا۔ میرا
خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ دو روز کی طویل صحرائی بھاگ دوڑ کے بعد میں ایک ایسی
پہنچنے والا تھا جہاں صرف خونخوار مانیٹی ہی نہیں بلکہ اور بھی انسان ہوتے۔

کارواں کی گھنٹیوں کا شور ہمارے جبل میں داخل ہونے سے قبل وہاں ہماری آمد کا
ان کر چکا تھا۔ جب جبل کے روشن ہیولوں نے آبادی کا روپ دھارا تو گندمی رنگت اور
ول جسموں والے بچوں کی ایک فوج بستی سے باہر بے چینی سے ہمارے کارواں کی منتظر
ں۔ ان کے درمیان بہت سے ناقہ سوار نوجوان بھی نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر
ں اور تجسس نمایاں تھا۔ بستی سے کئی فرلانگ باہر' جب ہم ان کے درمیان پہنچے تو انہوں
مسرت بھرے نعروں سے ہمارا استقبال کیا۔ نوجوانوں کی نگاہیں محملوں کے گرد آلود پردوں
اندر داخل ہوئیں اور مانیٹی کے عقب میں کنیزوں کے حسین پیکر دیکھ کر ان کے چہرے
بہانہ انداز میں چمکنے لگے۔

مانیٹی نے قافلے کی رفتار سست کر دی۔ بچے شور مچاتے اور نوجوان اپنی اونٹنیاں کنیزوں کے محملوں سے لگائے چل رہے تھے۔ مانیٹی نے ایک بار پلٹ کر دیکھا لیکن کچھ نہ بولا ہنس ہنس کر بچوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں شوخی اور زندگی نمایاں تھی، میں چھپا ہوا خوفناک بوڑھا نہ جانے کہاں گم ہو چکا تھا۔

پھر ہم جبل کے دروازے پر پہنچ گئے اور میری نگاہوں میں حیرت سمٹ آئی۔

مانیٹی نے سامنے پھیلے ہوئے مکانوں کی جانب دیکھا اور اس کے منہ سے متحیرانہ آزاد ہو گئی۔ ”ارے یہ کیا..... شاید ہم غلط جگہ آ گئے ہیں۔“

بچے حیرانی کے ساتھ مانیٹی کا منہ تکنے لگے۔ نوجوان شتر سوار اپنے اونٹ کنیزوں کے محملوں سے لگائے کھڑے تھے۔ ان کی بے چین اور پیاسی نگاہیں پردوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی کنیزوں کو تاک رہی تھیں۔ رات کی سیاہی محیط ہونے کے باعث میں انہیں پوری طرح تو نہیں دیکھ پا رہا تھا لیکن میرے کان فضا میں دبی دبی پرشوق سرگوشیاں سن رہے تھے۔ اس بستی کے تومند لڑکے مانیٹی کی کنیزوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔

”یہ کون سی بستی ہے لڑکو؟“ مانیٹی نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اونچی آواز میں دریافت کیا۔

اس کی آواز سن کر شتر سوار نوجوان چونکے اور ان میں سے ایک اپنا اونٹ مانیٹی کی طرف لیتا چلا گیا۔ بچے بدستور خاموش تھے۔ نہ جانے وہ یک بیک اپنا شور بھول کر کیوں خاموش ہو چکے تھے۔

”کیا پوچھ رہے ہو؟“ شتر سوار نے مانیٹی کے قریب جا کر سوال کیا۔

”اس بستی کا نام؟“ اس بار مانیٹی کی آواز میں قدرے جھلاہٹ نمایاں تھی۔ شاید وہ بار بار اپنا سوال دہرانے سے چڑ گیا تھا۔

”صحرا کے اس مشرقی حصے پر یہی بستی آباد ہے بابا۔“ نوجوان حیرت کے ساتھ بولا۔ ”کمال ہے کہ تم اس کا نام بھی نہیں جانتے۔ جبل کے امرا کی فیاضیوں کی کہانیاں تو دور دور تک مشہور ہیں۔“

”جبل!“ مانیٹی کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ بستی کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جبل والوں کے مکانوں پر کالے علم کیوں لہرا رہے ہیں، تم لوگ کس کا سوگ منا رہے ہو؟“ میں نے ایک بار پھر شدت سے محسوس کیا کہ مانیٹی کی آواز میں اب وہ رعب اور سرد مہری باقی نہیں

رہی ہے جو جبرین کے سورماؤں کے دل پانی پانی کر دیتی تھی۔ جبل والوں کے درمیان پہنچ ہی وہ چالاک بوڑھا ایک دم بدل کر رہ گیا تھا۔

"جبل والے عاطیس دیوتا کے پجاری ہیں۔" اس نوجوان کی آواز میں تاسف ابھر آیا۔ "ہمیں ایک سنگ تراش کی تلاش ہے بابا' تم ہمارے سوگ کا سبب جان کر کیا کرو گے۔"

"آخری اونٹ پر میرا زخمی غلام سوار ہے۔" مانیٹی جلدی سے خوش ہو کر بولا۔ "وہ سنگ تراش ہے' لیکن تمہیں کیا مشکل درپیش ہے۔"

مانیٹی کے منہ سے یہ خبر سنتے ہی وہ نوجوان بے چین ہو گیا' اور مانیٹی کا فقرہ پورا ہونے سے قبل اپنا اونٹ دوڑاتا میری طرف آیا اور بے یقینی کے ساتھ مجھے گھورنے لگا۔

"چلو سردار کو خبر کریں!" ان میں سے کوئی مسرت بھری آواز میں چلایا اور پل بھر میں سارے شتر سوار بستی کی طرف چل پڑے۔ بچے بھی مسرت آمیز چیخیں مارتے ان کے پیچھے دوڑے اور پھر مانیٹی کا کارواں تنہا کھڑا رہ گیا۔

رات کی سیاہی میں جبل کے مکانوں پر لہراتے سیاہ پرچم بہت ڈراؤنے لگ رہے تھے۔ میں بھی ان ماتمی پرچموں کے بارے میں تشویش اور پریشانی کا شکار ہو گیا تھا۔

شتر سواروں کا ٹولہ آخر کار بستی میں گھس کر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ چیختے چلاتے بچے بھی ان کے تعاقب میں جا چکے تھے۔ بوڑھا مانیٹی چند ثانیوں تک کسی فکر میں ڈوبا رہا پھر اس نے حلق سے آواز نکال کر اپنے اونٹ کو آگے بڑھایا اور خوشگوار خنکی میں ڈوبی ہوئی رات کا سناٹا کارواں کی گھنٹیوں سے گونج اٹھا۔

آہستہ آہستہ ہم بستی میں داخل ہوئے۔ مکانوں سے لوگ نکل نکل کر مانیٹی کے کارواں کو دیکھنے لگے۔ اتنی رات گئے کسی کارواں کا جبل پہنچنا شاید ان کے لئے غیر معمولی بات تھی۔

"اس بستی کی سرائے کدھر ہے؟" مانیٹی نے ایک ادھیڑ عمر شخص کو مخاطب کر کے سوال کیا۔

"اسی راستے پر چلے جاؤ۔ سرائے دار خود تمہارا منتظر ہو گا۔ وہ کئی کوس دور سے کاروانوں کی گھنٹیاں سن لیتا ہے۔" وہ شخص یہ کہتا ہوا مکان میں گھس گیا۔

مانیٹی کا کارواں اس شخص کے بتائے ہوئے راستے پر آگے بڑھتا رہا۔ بستی کے ہر مکان

پر سیاہ ماتمی پرچم لہرا رہا تھا اور ان مکانوں کے چلمنوں کے پیچھے سے عورتیں مانیٹی کے کارواں کو دیکھ رہی تھیں۔

"خوش آمدید... خوش آمدید! میرے معزز مہمانو!" کافی دور نکل آنے کے بعد ادھیڑ عمر کا ایک قوی الجثہ شخص مانیٹی کے اونٹ کے سامنے آ گیا۔ اس کے بشرے سے اس وقت خوش خلقی ٹپکی پڑ رہی تھی۔ لکڑی کے ستونوں پر جلتی ہوئی چربی کی مشعلوں کی روشنی میں وہ شخص بہت چالاک نظر آ رہا تھا۔

"کیا تم ہی اس بستی کے سرائے دار ہو؟" مانیٹی نے اپنا اونٹ روکتے ہوئے نرم آواز میں اس ادھیڑ عمر شخص سے دریافت کیا۔

"ہاں آقا!" وہ کاروباری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "جبل میں آنے والے اجنبی میرے ہی مہمان ہوتے ہیں۔ میرے پاس کنیزوں کے لئے بڑے بڑے خیمے اور پختہ کمرے ہیں' جہاں تمہارا یہ مال بہت محفوظ رہے گا۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے مانیٹی کی کنیزوں کی جانب اشارہ کیا تھا۔

مانیٹی کے اشارے پر سارے اونٹ یکے بعد دیگرے زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔ مانیٹی نے مجھے وہیں رک کر کنیزوں کی نگرانی کا حکم دیا اور خود سرائے دار کے ساتھ رہائشی انتظام دیکھنے اندر چلا گیا۔

پتھروں سے بنی ہوئی وہ سرائے بہت صاف ستھری اور آرام دہ تھی۔ مانیٹی نے اپنے تمام اونٹ اور ان کے ساز سرائے دار کے حوالے کر دیئے اور قیمتی سامان وغیرہ اس بڑے ہال میں لے آیا جہاں سرائے دار کے ملازم' مانیٹی اور اس کی کنیزوں کے لئے بستر لگا رہے تھے۔

"کہاں سے آ رہے ہو میرے آقا؟" سرائے دار نے مانیٹی کے پاس بیٹھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"میں بہت دور سے آ رہا ہوں۔" مانیٹی نے اس کی بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "جبل والوں کی جوہر شناس نظروں کے قصے مجھے یہاں لائے ہیں۔ میں ایسا مال لے کر آیا ہوں کہ جبل والے عمر بھر یاد کریں گے۔"

"ٹھیک کہتے ہو!" سرائے دار ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "میں سورج طلوع ہوتے ہی بستی کے امراء میں تمہاری کنیزوں کے رخسار و کاکل کے افسانے پھیلا دوں گا' پھر

تم دیکھنا کہ تمہیں کتنا مال ملتا ہے۔ یہاں والے تو حسن پر جان دیتے ہیں۔"

"لیکن ایک بات کی مجھے فکر ہے۔" مانینی اچانک بولا۔

"وہ کیا میرے آقا؟" سرائے دار ایک دم مجسم سوال بن گیا۔

"تمہاری بستی پر کالے ماتمی پرچموں کا سایہ مجھے پریشان کر رہا ہے!"

"کیا تمہارا غلام سنگ تراش ہے؟" سرائے دار نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بے اعتباری کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں۔" مانینی تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "مگر تمہیں کیسے معلوم؟"

"یہ خبر پوری بستی میں آگ کی طرح پھیل چکی ہے۔" سرائے دار کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا۔ "پہلے مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ ریتلے صحراؤں سے آنے والوں میں کوئی سنگ تراش بھی ہو سکتا ہے! خیر یہاں تمہیں اس غلام کے بہت اچھے دام مل جائیں گے۔"

"نہیں نہیں!" مانینی کی آواز یک بیک تیز ہو گئی۔ "یہ غلام نیلام نہیں ہو گا..... مگر جبل والوں کو سنگ تراش کی کیا ضرورت ہے؟"

"دراصل ہم لوگ دد....!" سرائے دار کی بات ادھوری رہ گئی' کیونکہ باہر کسی کے وزنی قدموں کی دھمک گونج رہی تھی۔ وہ چہرے پر ناگواری کے اثرات لئے مانینی کے پاس سے اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

مانینی نے اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"یہاں تو نے مجھ سے سرکشی کی تو مر کر بھی نہ بھول سکے گا۔"

اس کی آواز اس بار قہر بار تھی۔ لہجے میں وہی رعونت اور ہیبت تھی جس کے سامنے جبرین کے شہ زوروں کے پتے پانی ہو جاتے تھے۔

چند ثانیوں کے بعد سرائے دار ایک سیاہ پوش کے عقب میں اس ہال میں داخل ہوا۔ آگے آنے والے کے بدن پر سرتاپا سیاہ لبادہ تھا اور شانے پر سیاہ رنگ کا عقاب کڑھا ہوا تھا۔ اپنی شان و شوکت سے وہ بستی کا کوئی سربر آوردہ شخص لگ رہا تھا۔ سرائے دار اس کے پیچھے سینے پر ہاتھ باندھے اور سر جھکائے چلا آ رہا تھا۔

نووارد نے دروازے پر رک کر سرسری نظر سے سہمی ہوئی نیم برہنہ کنیزوں کا جائزہ لیا اور پھر اس کی نگاہیں مجھ پر جم کر رہ گئیں۔

مجھے دیکھتا ہوا وہ سیدھا مانینی کی طرف آیا۔

"جبل کے سردار کے نام پر!" نووارد اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر کڑک دار آواز میں بولا۔

"یہ جبل کے سردار کی فوج کے سالار ہیں بابا!" مانینی کے لبوں پر جنبش سے قبل ہی سرائے دار ایک دم بول پڑا۔

"بیٹھ جاؤ۔" مانینی نے نرم آواز میں نووارد سے کہا۔

"سردار کو خبر ملی ہے کہ تیرے کارواں میں کوئی سنگ تراش بھی ہے۔" نووارد نے مانینی کی پیش کش کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"خبر سچی ہے!" مانینی نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ شاید وہ یہ بھانپ چکا تھا کہ حالات کچھ ناساز ہیں۔

"تو ہی اس کارواں کا مالک ہے؟" اس شخص نے پرمسرت لہجے میں دریافت کیا۔

مانینی نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"تو سن کہ اس غلام کا نیلام نہیں ہو گا۔" نووارد نے میری طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"سردار نے تجھے اس سنگ تراش سمیت اسی وقت اپنے مکان پر طلب کیا ہے۔"

"سنگ تراش۔" مانینی نے کھوئی کھوئی آواز میں دہرایا۔ "آخر جبل والوں کو سنگ تراش کی ایسی کیا ضرورت آ پڑی ہے۔"

"یہ تجھے سردار ہی سے معلوم ہو گا۔" وہ شخص پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

مانینی تھکے ہوئے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور گھوم کر ایک نظر اپنی کنیزوں کے ہجوم پر ڈالی۔ وہ مانینی کی سحر انگیز نگاہوں کا سامنا کرتے ہی بوکھلا کر بھونڈے پن سے مسکرا اٹھیں۔ وہ سب مانینی سے اس قدر دہشت زدہ تھیں کہ اب اپنے نیلام کی سرگوشیاں سن سن کر خوش نظر آنے لگی تھیں۔ شاید ان کی دانست میں مانینی کے قہر و غضب سے نجات کی یہ قیمت بہت کم تھی۔

"ان کنیزوں کو میں نے بڑی محنت اور محبت سے پروان چڑھایا ہے۔" مانینی' سالار کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "میں نے باہر سے آنے والے تاجروں سے نگر نگر جا کر انہیں اس وقت خریدا تھا جب ان کے منہ سے ماؤں کی چھاتیوں کی بو آتی تھی اور اب یہ میری

ساری عمر کی پونجی ہیں۔ اگر میں تمہارے ساتھ چلا گیا تو ان کی حفاظت کون کرے گا۔"

جبل کے سالار کی تیوریاں یک بیک چڑھ گئیں۔ "بڈھے کیا تو جبل کو چوروں کی بستی سمجھتا ہے۔" اس کی آواز سرد اور لہجہ خشم ناک تھا۔ "اس وقت میرے مسلح جوانوں نے سرائے کے گرد گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ لیکن ان کا رکنا ضروری نہیں کنیزیں یہاں محفوظ رہیں گی۔"

"یہ بات نہیں!" مانینی سالار کے قریب کھسک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "یہ سب لڑکیاں جوان ہیں اور جبل کے منچلے جوان انہیں پیاسی نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ مجھے بس یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ لڑکیاں بھٹک نہ جائیں میں بہت غریب آدمی ہوں۔"

"جبل سے آج تک کوئی تاجر اداس نہیں لوٹا ہے بڈھے۔۔۔!" سالار نے مانینی کے خوشامدانہ لہجے کی پرواہ کئے بغیر اونچی آواز میں کہا۔ "جبل کا سردار تیرے ہر نقصان کا ذمہ دار ہو گا۔"

پھر مانینی نے مجھے اپنے قریب بلایا اور میرا ہاتھ تھام کر سالار کے ساتھ سرائے سے نکاسی کے راستے کی طرف چل پڑا۔

ہم باہر آئے تو وہاں سیاہ وردیوں میں ملبوس دیوہیکل صحرائی جوانوں کی ایک مسلح دیوار سرائے کے گرد یوں موجود تھی کہ ان کی نگاہوں سے بچ کر کوئی پرندہ بھی سرائے میں پر نہیں مار سکتا تھا۔

سرائے کے باہر دو پہیوں والا ایک خوبصورت رتھ موجود تھا۔ سالار مجھے اور مانینی کو ہمراہ لے کر اس پر سوار ہو گیا پھر اس نے اپنے جوانوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے رتھ کے پائیدان پر زور سے پیر مارا اور چار کڑیل جوان اس رتھ کو لے کر تیزی کے ساتھ ایک طرف دوڑنے لگے۔

سالار کے جوان چست اور توانا اونٹوں پر سوار رتھ کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔

مشعلوں کی سرخ روشنی اور سیاہ ماتمی پرچموں کے سائے میں جبل کی وہ بستی بہت ہی پراسرار سی لگ رہی تھی۔ رات خاصی ڈھل چکی تھی اور فضا پر سکوت چھا چکا تھا لیکن رتھ کے چوبی پہیوں کی تیز آوازیں اس سناٹے کا سینہ بے دردی سے مجروح کر رہی تھیں۔

مانینی گم صم بیٹھا ہوا تھا جیسے اس کی چندھیائی ہوئی آنکھیں مستقبل کی کوئی ناخوشگوار

تصویر دیکھ رہی ہوں اور یک بیک اپنی اہمیت کا احساس ہونے پر میرا دل کھوپڑی میں دھک دھک کر رہا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ جبل والوں کو کسی سنگ تراش کی تلاش کیوں ہے۔ آخر وہ میری موجودگی کی خبر پاتے ہی اتنے مضطرب کیوں ہو گئے کہ رات گئے ان کے سالار نے سرائے کے گرد گھیرا ڈال دیا۔۔۔۔ رتھ ہچکولے کھاتا خواب ناک روشنی میں نہائی ہوئی اس سوگوار بستی کے راستوں پر بڑھا جا رہا تھا اور میں عجیب و غریب خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کبھی تو مجھے مانینی کی روح فرسا قید سے نجات کی امید ہونے لگتی تھی اور کبھی میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ اس خبیث بڈھے کی پراسرار قوتیں اب ہمیشہ میرے سر پر مسلط رہیں گی۔ مجھے اپنا وہ تلخ تجربہ خوب یاد تھا جب صحرائی سفر کے دوران میں' میں نے مانینی کے کارواں سے فرار ہونا چاہا تھا لیکن موقع پاتے ہی میرا اونٹ مجھے واپس مانینی کی جانب لے بھاگا تھا۔

میں اپنے خیالات کی دنیا سے اس وقت باہر آیا جب وہ رتھ ایک جھٹکے کے ساتھ پتھروں سے بنے ہوئے ایک بلند و بالا مکان کے سامنے ٹھہر گیا۔ اس مکان کی سب سے اونچی فصیل پر بہت بڑا ماتمی پرچم صحرا سے آنے والی نمناک ہوا میں لہرا رہا تھا اور مکان کے باہر مسلح جوانوں کا ایک چاق و چوبند دستہ پہرہ دینے پر مامور تھا۔

سپہ سالار میرا ہاتھ تھام کر نیچے اترا۔ ہمارے عقب میں آنے والے شتر سوار جوان راستہ کاٹ کر اس پرشکوہ پتھریلے مکان کے عقب میں روپوش ہوتے جا رہے تھے۔ پہرہ دینے والوں نے مخصوص انداز میں سپہ سالار کو تعظیم دی اور وہ سر کو جنبش دیتا مجھے اور مانینی کو ہمراہ لئے اس پتھریلے مکان کے اونچے دروازے میں داخل ہو گیا۔

کشادہ دالان سے گزر کر سپہ سالار ہم دونوں کو ایک وسیع کمرے میں لے گیا۔ وہاں فرش پر قیمتی قالین بچھا ہوا تھا اور کمرے کے وسط میں ایک منقش انگیٹھی میں خوشبویات جل رہی تھیں۔ کمرے کی پتھریلی دیواروں پر جا بجا جانوروں کی قیمتی کھالیں لٹک رہی تھیں اور ایک جانب بیش قیمت مسند پڑی ہوئی تھی۔

"آؤ افراہیم۔۔۔ کیا تم مہمان کو لے آئے ہو؟" خوشبویات کے بوجھل بادلوں کے عقب سے ابھرنے والی ایک بارعب آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ہاں محترم سردار۔" سپہ سالار نے سر کو قدرے خم دے کر کہا۔ "سنگ تراش اور اس

کارواں کا آقا دونوں تیری قدم بوسی کے منتظر ہیں۔"

پھر میری نگاہ سردار پر پڑی۔ دیوہیکل جسامت پر تیکھے مردانہ خد و خال اور جھیل جیسی گہرائی لئے سیاہ آنکھیں سحر انگیز لگ رہی تھیں۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بڑی بے چینی سے اپنے سپہ سالار' افراہیم کے مشن کے نتیجہ کا منتظر تھا۔

"سردار کے قدم چومو!" افراہیم نے میرے اور مانیتی کے کانوں کے نیچے تیز سرگوشی کی اور ہم دونوں لپک کر سردار کے قدموں میں زمین پر گر گئے۔

"ان دونوں میں سے آقا کون ہے؟" سردار نے شان بے نیازی کے ساتھ افراہیم سے سوال کیا۔

"یہ بوڑھا" افراہیم نے سردار کے قدموں سے اٹھتے ہوئے مانیتی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا نام مانیتی ہے اور یہ انیس کنیزیں لے کر جبل میں آیا ہے۔ اپنی باتوں سے بہت لالچی اور حریص معلوم ہوتا ہے۔"

میرا خیال تھا کہ مانیتی یہ فقرے سن کر بری طرح بپھر جائے گا اور پھر وہاں زہریلے الفاظ کے تیر چلنے لگیں گے۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ مانیتی یوں مسکرا اٹھا جیسے اپنے تعارف کا یہ انداز اسے پسند آیا ہو۔ جبرن والا خوفناک اور بے رحم مانیتی نہ جانے کہاں جا سویا تھا۔

"مانیتی!" سردار نے خود کلامی کے انداز میں دہرایا پھر مانیتی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "تم صحرا کی کس بستی سے آ رہے ہو؟"

"مسافروں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا سردار!" مانیتی کے لہجے میں خوشامد کی بو نمایاں تھی۔ "جہاں پڑاؤ ڈال دیا بس وہی گھر ہے۔"

"سنو!" سردار پیچھے ہٹ کر مسند پر بیٹھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔ "شاعری اور الفاظ سے کھیلنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری جھلسی ہوئی' تانبے جیسی رنگت مجھے بتا رہی ہے کہ تم نے اپنی عمر تپتے ہوئے صحراؤں میں ہی گزاری ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہیں ایک سنگ تراش غلام کیسے مل گیا!"

مانیتی نے سر گھما کر چندھیائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے بدن میں بے شمار چیونٹیاں سنسنانے لگی ہوں۔ مانیتی کی آنکھوں سے نادیدہ مقناطیسی لہروں کے

بال اڑ رہے تھے۔

"یہ کہانی بڑی عجیب ہے سردار ـــــ بس یہ سمجھ لو کہ یہ لڑکا منحوس ہے اور جس جگہ اس کا سایہ پڑ جائے وہ زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ میں کنیزوں کا تاجر ضرور ہوں لیکن خود غرض نہیں۔ اسی لئے میں اس کو بیچنا نہیں چاہتا۔"

"سن مانیتی۔" سردار مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "میں نحوستوں سے نہیں ڈرتا اور مجھے تیرے اس غلام کی ضرورت ہے۔ اس بستی پر کالے پرچم لہراتے بائیس دن گزر چکے ہیں اور میرے آدمی صحرا میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں تاکہ کسی سنگ تراش کو تلاش کر سکیں۔۔۔"

"وہ ضرور کامران ہو کر لوٹیں گے!" مانیتی اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔ "میں اس بستی میں تمہارا مہمان ہوں اور نہیں چاہتا کہ حسین کی نحوست کا سایہ تم پہ پڑے۔"

سردار کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ میں نے مانیتی کے جھوٹ کا پردہ چاک کرنا چاہا لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری قوت گویائی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ میں نے خبیث مانیتی کی طرف دیکھا لیکن وہ میری طرف توجہ دیئے بغیر سردار کی جانب ہمہ تن گوش تھا۔ شاید اسے میری جانب سے پورا یقین تھا کہ میں اس کی مرضی کے خلاف اس کی کسی بات کی تردید نہ کر سکوں گا۔

"جبل میں وہی ہوتا ہے مانیتی جو سردار چاہتا ہے!" افراہیم نے چیختی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہاری کہانیاں سردار کے ارادے کو تبدیل نہیں کر سکتیں۔"

مانیتی ایک ثانئے کے لئے قدرے پریشان نظر آیا پھر پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "دراصل میں نہیں جانتا کہ جبل والوں کو کسی سنگ تراش کی تلاش کس لئے ہے۔ اگر مجھ پہ اعتماد کیا جائے تو شاید میں معزز سردار کے کسی کام آ سکوں۔"

"پچھلے دنوں اس علاقے میں خوب جل تھل بارش ہوئی تھی۔" سردار کھوئی کھوئی آواز میں بولا۔ "یوں لگتا تھا جیسے صدیوں کی پیاسی زمین پر ہر طرف جل تھل ہو جائے گا۔ تمہیں شاید یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ جبل والے عاطیس دیوتا کے پجاری ہیں۔ معبد کے میدان میں عاطیس دیوتا کا ایک بہت بڑا پتھریلا مجسمہ نصب تھا۔ اس بارش کے دوران قیامت یہ ہوئی کہ

اس بت پر بجلی گری اور وہ مجسمہ جل کر پاش پاش ہو گیا۔ اسی دن سے بستی پر کالے پرچم لہرا رہے ہیں اور جب تک عاطیس دیوتا کا نیا بت نہیں تیار ہو جاتا' ہماری بستی خوشحالی اور سکون کا منہ نہ دیکھ سکے گی!" سردار یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"حسین اس کام کے لئے مناسب نہ ہو گا سردار۔" مانیٹی چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد بولا۔

"تیرا غلام منہ مانگے داموں پر خریدا جائے گا۔" افراہیم نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ تجھے مایوسی نہیں ہو گی۔" سردار نے جلدی سے کہا۔

"نہیں سردار!" مانیٹی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "یہ سودا نہیں ہو سکتا۔"

"ایک ہزار اشرفیاں۔" سردار نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دس ہزار بھی نہیں سردار!" مانیٹی نے نرم آواز میں کہا۔

"تو سردار کے قہر کو دعوت دے رہا ہے بڈھے!" افراہیم نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

"سنو!" مانیٹی کے لہجے میں ناقابل بیان اعتماد ابھر آیا۔ "مانیٹی جبل والوں کے لئے اجنبی ہے۔ جو اسے جانتے ہیں وہ اس کے مشورے مان لیتے ہیں' میں اس بستی میں تمہارا مہمان ہوں اور جبل والوں کی مہمان نوازی اور فیاضی کی کہانیاں ہی مجھے یہاں کھینچ کر لائی ہیں۔ اب اگر تم چاہو تو اس غلام کو مجھ سے چھین سکتے ہو لیکن میں اسے دام لے کر ہرگز نہ بیچوں گا۔"

"گستاخ بڈھے!" سردار مٹھیاں بھینچ کر چیخ پڑا۔ "اگر تو یہاں مہمان نہ ہوتا تو ابھی تجھے زمین میں زندہ درگور کرا دیتا۔ نکل جا یہاں سے' اور تیرا غلام اب جبل سے نہ جا سکے گا۔"

"میں تمہاری مرضی کا غلام ہوں سردار!" مانیٹی کا لہجہ بے حد نرم تھا۔ "میری باتیں تمہیں ناگوار ضرور گزری ہیں لیکن میں مغرب سے آنے والی ہواؤں میں انسانی خون کی بو رچی ہوئی محسوس کر رہا ہوں۔ تم حسین کو چھین لو۔ میں تو صحرا کا مسافر ہوں اپنی کنیزوں کا نیلام کر کے لوٹ جاؤں گا لیکن حسین کی خاطر اگر جبل میں انسانی خون کی ہولی کھیلی گئی تو مجھے بڑا دکھ ہو گا۔"

سردار نے حیران و پریشان نگاہوں سے افراہیم کی طرف دیکھا اور افراہیم غصیلی آواز میں مانیٹی سے بولا۔ "تو دھمکیاں دے رہا ہے بڈھے۔۔۔ عاطیس دیوتا کی قسم اگر جبل کی روایات

کا لحاظ نہ ہوتا تو ابھی تیرے ٹکڑے اڑا دیتا اور تیری ہڈیاں مردہ خور پرندوں سے نچوا دیتا۔"

"کمزور کبھی طاقت ور کو دھمکیاں نہیں دیتا۔ محترم افراہیم!" مانیٹی قالین سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے جو محسوس کیا وہ بتا دیا ہے کہ میرا فرض تھا' یہ غلام آج تک کسی کو راس نہیں آیا اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے محسنوں پر کوئی افتاد نہ آ پڑے۔ تم اب بھی مصر ہو تو میں جاتا ہوں۔ میری کنیزیں میری راہ تک رہی ہوں گی۔ ہاں ایک درخواست ہے کہ کنیزوں کے نیلام تک یہ غلام میرے پاس رہنے دو۔ اپنے کام سے نمٹ کر میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"بس ایک دن کی مہلت دی جا سکتی ہے۔ نیا سورج غروب ہونے کے بعد اسے یہاں پہنچ جانا چاہئے اور ہاں' اس کی حفاظت اب تیری ذمے داری ہو گی۔ اسے کچھ بھی ہوا تو تیرا حشر خراب کر دیا جائے گا۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے۔" سردار نے مجھ پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

میرے دل میں بے اختیار غبار سا امڈ آیا۔ میرا جی چاہا کہ میں سردار سے التجا کروں کہ وہ مجھے اسی وقت روک لے اور مانیٹی سے مجھے نجات دلا دے۔ لیکن مانیٹی میری جانب گھور رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری زبان مجھ سے زیادہ مانیٹی کی تابع ہے۔ میں شدید خواہش کے باوجود سردار یا اس کے سپہ سالار سے کچھ نہ کہہ سکا۔

"میں کل ہی کنیزیں نیلام کر دوں گا۔" مانیٹی نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "حسین کے بارے میں عہد شکنی نہ ہو گی۔ یہ کل شام ہی یہاں پہنچا دیا جائے گا۔"

"اور تم۔" سردار اپنے سپہ سالار سے مخاطب ہو گیا۔ "اس دوران میں پہاڑیوں سے ایک بڑی چٹان معبد کے میدان میں پہنچا دو۔۔۔ کل رات ہی سے یہ سنگ تراش اپنا کام شروع کرے گا۔"

افراہیم نے سینے پر ہاتھ باندھ کر سر کو خم دیا اور مجھے اور مانیٹی کو ہمراہ لے کر باہر چل دیا۔

جب ہم دونوں رتھ پر سوار سرائے میں پہنچے تو آدھی رات ڈھل چکی تھی۔ لیکن سرائے دار منتظر تھا۔ جب اس نے مجھے بھی مانیٹی کے ہمراہ دیکھا تو اپنی حیرت کو نہ چھپا سکا۔

"کیا یہ غلام بھی تمہارے پاس رہے گا؟" اس نے مانیٹی سے تحیر آمیز لہجے میں سوال

کیا۔

"اس کا جسم تو شاید نہ رہے۔" مانیتی پرخیال اور معنی خیز لہجے میں بولا۔ "لیکن اس کی روح میری ہی غلام رہے گی' یہ میرا فیصلہ ہے اور مانیتی کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔"

سرائے وار کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر کو جھٹک کر رہ گیا۔

راہداری میں داخل ہوتے ہوئے میں نے مانیتی کی کنیزوں کی دبی دبی' مسرت آمیز سرگوشیاں سنیں۔ شاید وہ جان چکی تھیں کہ اب جبل میں ان کا نیلام ہو گا اور وہ جبل کے امراء کی زرخرید کنیزیں بنا دی جائیں گی۔ اور یہی بات ان کی مسرت کا باعث تھی۔ مانیتی جیسے ظالم اور خونخوار بھیڑیئے کی قید سے جبل کے امراء کی غلامی لاکھ درجے بہتر تھی اور شاید وہ سب اپنے خوش آئند مستقبل کے بارے میں ہی باتیں کر رہی تھیں۔

جوں ہی میں مانیتی کے ہمراہ اس وسیع کمرے میں داخل ہوا تمام کنیزیں یوں یک بیک خاموش ہو گئیں جیسے ان کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اور ان کی چمکتی ہوئی تجسس آمیز نگاہیں ہماری جانب اٹھ گئیں۔

"تمہارے چہرے شاید مسرت سے دمک رہے ہیں۔ میں اس کمرے کی فضا میں تمہارے دلوں کی پرشوق دھڑکنیں سن رہا ہوں۔ تمہارے جسموں سے اس وقت وہ مدہوش کر دینے والی بو پھوٹ رہی ہے جو مردوں کو دیوانہ بنا کر اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ اب تم ہنسو اور مسکراؤ تاکہ کل تمہارے نیلام میں مجھے اچھے دام مل سکیں۔ روتی ہوئی صورتوں پر کوئی اپنا سرمایہ ضائع نہیں کرے گا۔" مانیتی کے لہجے میں شکست کا ہلکا سا احساس نمایاں تھا۔ جسے میرے سوا شاید کوئی اور محسوس نہ کر سکا ہو۔

پھر مانیتی میرا ہاتھ تھام کر مجھے کنیزوں سے دور ایک گوشے میں لے گیا۔

مشعلوں کی بار بار بھڑکتی اور ماند پڑتی ہوئی روشنی میں کئی ثانیوں تک مانیتی اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورتا رہا۔ پھر تجسس آمیز آواز میں بولا۔ "تیرے مقدر کا ستارہ گردش میں ہے حسین' اگر تو نے جبل والوں میں طوسیہ کی کہانی عام کی یا جبرن کی بستی کا نام عام کیا تو یقین کر لے کہ میں جونک بن کر تیری قبر میں بھی جا گھسوں گا اور تجھے روئے زمین پر مجھ سے پناہ نہ مل سکے گی۔"

طوسیہ کا نام آتے ہی میں بے قرار ہو گیا اور مانیتی کا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے

میں بولا۔ "تمہارا انتقام اسے تباہ کر دے گا مقدس مانیتی' صدیوں کے بعد اب تو تمہارا جذبہ انتقام سرد ہو جانا چاہئے..... اسے رہا کر دو۔ میں عہد کرتا ہوں کہ طوسیہ کی کہانی راز ہی رہے گی اور کوئی نہ جان سکے گا کہ اس صحرا میں کہیں آگ کے پجاریوں کی بھی کوئی بستی ہے' اسے رہا کر دو۔"

"نہیں!" وہ خوفناک آواز میں غرایا۔ اس کے لہجے میں کسی بھوکے درندے کا غضب سمٹ آیا تھا۔ "طوسیہ کے باپ نے میری قوم کو رسوا کیا تھا' ہم دربدر کر دیئے گئے۔ صحرا کی ریت آج بھی ہمارے خون کی سرخی سے نم ہے۔ وہ آزاد نہیں ہو گی۔ یہ قید اس کا مقدر ہے جسے کوئی نہیں بدل سکتا۔"

"وہ میری محبوبہ ہے مقدس مانیتی!" میں نے اس قابل نفرت بوڑھے کی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اس کا فراق مجھے دیوانہ کر دے گا۔ جبل کے بچے میرے پیچھے تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے پھریں گے۔ مجھے اس انجام سے بچاؤ۔"

مانیتی خوفناک انداز میں آہستہ سے ہنسا۔ "یہ تیری بھول ہے حسین! مانیتی نے کبھی شکست تسلیم نہیں کی ہے۔ تو چند ہی دن جبل والوں کا مہمان رہے گا کہ اس کے لئے میں مجبور ہوں پھر تو یہاں سے نکال لیا جائے گا۔ کیونکہ جبرن ہی تیرا وطن ہے!"

میرے سینے میں آگ سی جل اٹھی۔ مانیتی کا لہجہ سخت اور بے رحمانہ تھا۔ وہ مجھے دوبارہ جبرن لے جانے کی دھمکی دے رہا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس سے بحث بے سود ہے۔ وہ خونخوار بھیڑیا ہرگز میری التجائیں قبول نہیں کرے گا۔

اس رات کی باقی گھڑیاں میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے گزاریں مانیتی تو بستر پر دراز ہوتے ہی سو گیا تھا اور اب فضا اس کے تیز خراٹوں کے شور سے گونج رہی تھی۔ کنیزیں کچھ دیر تو خاموش پڑی مانیتی کے سو جانے کا انتظار کرتی رہیں۔ پھر اس کے خراٹے بلند ہوتے ہی بستر سے اٹھ اٹھ کر ایک جگہ جمع ہو گئیں اور دبی دبی آوازوں میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔

مانیتی گہری نیند سو رہا تھا۔ رات کی خمار آلود سیاہی گناہ افروز تھی۔ لذتوں سے محروم' باریک لبادوں میں چھپے ہوئے کنیزوں کے بدن دعوت انگیز تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے بار بار میری طرف اشارے کر رہی تھیں' مگر میرے لئے یہ تمام رنگینیاں اپنی کشش کھو چکی تھیں میرا ذہن پوری طرح اپنی محبوب طوسیہ کے نشاط آگیں تصورات میں ڈوبا ہوا

تھا۔

اور آخر کار کرب میں ڈوبی ہوئی رات ڈھل گئی۔ یادوں کے الاؤ جلتے جلتے ماند پڑ گئے اور سورج طلوع ہونے تک مانینی بھی بیدار ہو گیا تھا اس کے جاگتے ہی سرائے کے اس کمرے کی فضا میں عجیب سی گھٹن سرایت کر گئی۔ اس نے ایک نظر شب بیدار کنیزوں کی طرف دیکھا اور وہاں سے چل دیا۔

ناشتے سے نمٹنے کے بعد مانینی' سرائے دار کے ساتھ سرگوشیوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ غالباً کنیزوں کے نیلام کے بارے میں معاملات طے کر رہا تھا۔

پھر کنیزیں ایک بڑے حمام میں بھیج دی گئیں۔ وہاں سرائے دار نے ایک تجربہ کار بوڑھی مشاطہ کا انتظام کیا ہوا تھا۔

دوپہر کے قریب پہلی کنیز حمام میں سے برآمد ہوئی اور میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے انگ انگ میں خوشبویات رچائی گئی تھیں۔ بالوں کو دل فریب انداز میں سنوارا گیا تھا۔ آنکھوں میں تیرتے ہوئے کاجل کے لمبے لمبے ڈوروں کے باعث خمار ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا تھا۔ اس کا بدن بڑے اہتمام کے ساتھ باریک اور نئے لباس میں اس طرح چھپایا گیا تھا کہ ہر عضو کی جھلکیاں نگاہوں کو دعوت گناہ دے رہی تھیں۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے کنیزیں باہر آتی رہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر بناؤ سنگھار کے نئے نئے انداز آزمائے گئے تھے۔ اس جھرمٹ کو دیکھ کر مجھے یقین ہونے لگا کہ مانینی جبل کے امراء کو بالکل ہی قلاش کر کے چھوڑے گا۔

سب کنیزوں کے جمع ہو جانے کے بعد مانینی نے سرائے دار کو اشارہ کیا اور وہ مجھے ہمراہ لے کر ایک طرف چل دیا۔

مختلف راستوں سے گزرنے کے بعد میں سرائے دار کے ہمراہ سرائے کے خوبصورت خیمے میں پہنچا' جہاں بیک وقت پچاس ساٹھ افراد قالینوں پر براجمان تھے۔ ان سب کی نگاہوں میں انتظار اور بے چینی کی کیفیات نمایاں تھیں۔

ہم دونوں کے داخل ہوتے ہی خیمے میں ہیجان پھیل گیا۔

سرائے دار نے کاروباری انداز میں اپنے سر کو قدرے خم دیا اور خیمے کے ایک سرے پر بنے ہوئے قدرے بلند چوبی چبوترے پر چڑھ کر بولا۔ "انتظار کی ساعتیں ختم ہونے والی

ہیں۔ جبل والوں کی خدمت میں ایک اجنبی تاجر اپنا مال لٹانے آیا ہے۔"

خریداروں کے ہجوم کی نگاہیں بار بار دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

ذرا ہی دیر میں مانینی بھی وہاں آ پہنچا۔ اسے دیکھ کر مجمع پر ایک بار پھر مایوسی چھا گئی۔

"ایک غریب الوطن تاجر جبل کے امراء کو تعظیم پیش کرتا ہے۔" مانینی چبوترے پر چڑھ کر اپنی گونجیلی آواز میں بولا پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "جا۔۔۔ ایک دانہ ان امیروں کے سامنے لے آ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کا شوق اب نقطہ عروج پر پہنچ چکا ہے۔"

میں اس کے اشارے کے مطابق ایک چھوٹا پردہ ہٹا کر بغلی خیمے میں داخل ہوا تو وہاں تمام کنیزیں مجسم قیامت بنی موجود تھیں اور ہر ایک کے بازو پر مخصوص نمبر بندھا ہوا تھا۔

میں ایک نمبر والی کنیز کو ہمراہ لے کر چوبی چبوترے پر آ گیا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور مجھے انسان فروشی کے اس گھناؤنے فعل میں شریک ہوتے ہوئے اپنے مجبور وجود سے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

اس کنیز کے سامنے آتے ہی مجمع میں بے اختیار دبا دبا شور بلند ہوا' کنیز نے گھبرائی ہوئی اور خوف زدہ نگاہوں سے مجمع کو دیکھا اور اس کا چہرہ عرق آلود ہو گیا وہ اپنے جسم کو بل دے کر چھپانے کی کوشش کر رہی تھی جو باریک لبادے میں اپنی پوری تابانی دکھا رہا تھا۔

"صاحبو!" مانینی کی بھرائی ہوئی آواز گونجی۔ "مال حاضر ہے...... یہ خیال رہے کہ اس کنیز کو میں نے تین برس کی عمر میں وساور سے آنے والے ایک تاجر سے مہنگے داموں خریدا تھا۔ اس کے حسن کا شہرہ سن کر تمہارے اس بوڑھے خادم نے پچاس کوس کی صحرائی مسافت طے کی تھی' اور پھر اس تین برس کی لڑکی کو اپنی اولاد کی طرح بڑے ناز سے پروان چڑھایا۔ اور آج تم کو اس نازک اندام اور حسین و جمیل لڑکی کی قیمت لگانی ہے۔"

"سو اشرفیاں۔" ایک ادھیڑ عمر شخص اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے چلایا۔

"یہ تو اس کی ایک مسکراہٹ کے دام ہیں۔" مانینی قدرے احتجاجی لہجے میں بولا۔ "چلو یوں ہی سہی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ قدردانوں کے اس مجمع میں یہ کنیز اتنی سستی نہ جائے گی۔ اسے وہی خریدے گا جو مقدر والا ہے۔ یہ جبل والوں کے ذوق کا امتحان ہے جس کی کہانیاں مجھے کوسوں دور سے اس بستی میں کھینچ لائی ہیں۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ اور کوئی جوہر شناس؟"

"پانچ سو اشرفیاں۔" ایک جوان العمر شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔

"اسے کہتے ہیں قدر شناسی۔" مانی نے ہاتھ اٹھا کر گرہ لگائی اور پھر کنیز کے سراپا کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "دراز قامت، گداز بدن، صراحی دار گردن، کتابی چہرہ، نرگسی آنکھیں، خمدار کاکل، دہکتے رخسار، ستواں ناک، پتلے پتلے گلابی ہونٹ، مخروطی انگلیاں، پتلی سی کمر اور بدن کے قیامت خیز نشیب و فراز۔۔۔ کیا جبل میں اس سے اونچی بولی لگانے والا کوئی نہیں رہا؟"

"چھ سو۔" عقب سے آواز ابھری۔

پانچ سو کی بولی دینے والے نے سر گھما کر پیچھے دیکھا اور پھر تیز آواز میں بولا۔ "سات سو۔"

"ساڑھے سات۔" عقب سے دوسری بولی آئی۔

اس جوان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر مانی نے اسے مخاطب کیا۔ "سوچنے کا وقت نہیں ہے میرے دوست، یہ مال تمہارے لئے ہزار میں بھی سستا ہے۔"

وہ شخص فوراً ہی گری کھا گیا اور جھلا کر بولا۔ "ہزار اشرفیاں۔"

مجمع کو فوراً ہی سانپ سونگھ گیا۔ جوان نے فاتحانہ انداز سے مجمع پر نگاہیں دوڑائیں لیکن وہاں کوئی نہ تھا جو اس سے زیادہ حوصلہ دکھاتا۔ ان سب کو معلوم تھا کہ مانی بہت سی کنیزیں لایا ہے۔ اگر پہلی ہی کنیز اتنی مہنگی جاتی تو بعد والیوں کے دام تو آسمان سے باتیں کرتے لہٰذا وہ سب اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر جبل کے اس جوان کے مقابلے سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔

"ایک ہزار..... ایک!" مانی داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر بولا۔ "جا رہی ہے صرف ایک ہزار میں۔" پھر اس نے مجمع کا رنگ دیکھا اور فوراً ہی بولی ختم کر دی۔ "دو، تین..... مبارک ہو جوان، تم بڑے نصیب والے ہو کہ پہلا سودا ہی اتنا سستا اٹھا لیا۔"

وہ جوان فاتحانہ شان سے اکڑتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا چوبی چبوترے پر آیا۔ مانی نے کنیز کو اس کی بانہوں میں دھکیل دیا۔ اس نے بے اختیار کنیز کے لب و رخسار کی حرارت چرا لی اور پھر اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی مانی کے سامنے الٹ دی۔ "اس میں سے ایک ہزار گن

لو۔"

مانی نے مجھے دوسری کنیز لانے کا اشارہ کیا اور خود اشرفیاں گننے لگا۔ وہ جوان کنیز کی سپردگی سے سرشار ہوا جا رہا تھا۔ اسے بالکل ہوش نہ رہا تھا کہ وہ ہجوم کے سامنے موجود ہے۔ مانی اس جوان کی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، گنتی سے زیادہ اشرفیاں اپنی جانب کھسکاتا جا رہا تھا۔

مانی کی چکنی چپڑی باتیں اور کنیزوں کا جوبن اپنا رنگ جمانے لگا۔ ہجوم بہت تیزی کے ساتھ رنگ پر آتا جا رہا تھا۔ مانی کی باتیں جبل کے ان اہل زر کے ذہنوں کو خمار میں غرق کر کے مفلوج کر چکی تھیں۔ مانی اپنی مرضی کی بولیاں لگوا رہا تھا اور کنیزیں بغلی خیمے سے نکل نکل کر چوبی چبوترے کے راستے جبل کے امراء کے پہلوؤں کی زینت بنتی جا رہی تھیں۔

اور جب آخری کنیز بھی نیلام کر دی گئی تو مانی کے سامنے چمکتی ہوئی اشرفیوں کا اونچا ڈھیر لگ چکا تھا اور خریداروں میں بہت سے تشنہ کام ایسے بھی تھے جن کی سوالیہ نگاہیں بغلی خیمے پر جمی ہوئی تھیں۔

"مال ختم ہو گیا صاحبو!" مانی مایوس خریداروں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "میں پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ بازار عقل کا نہیں، دل کا ہے۔۔۔۔ جنہوں نے عقل سے کام لیا وہ مایوس رہ گئے۔ خیر کوئی بات نہیں، مانی بہت جلد اس بستی میں واپس آئے گا اور اس بار کا خسارہ اگلی مرتبہ ضرور پورا کر لے گا۔ تجارت میں یوں ہی اونچ نیچ چلتی رہتی ہے۔"

وہ بھیڑ آہستہ آہستہ سمٹنے لگی۔ مانی نے ساری اشرفیاں سمیٹ کر تھیلوں میں بھریں اور انہیں پشت پر لاد کر سرائے میں چل دیا۔

اس وسیع ہال میں کنیزوں کے خالی بستر دیکھ کر مجھ پر نہ جانے کیوں مایوسی کی لہر چھانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر قبل جو لڑکیاں مانی کی اسیر تھیں اور جن سے مجھے کسی قدر لگاؤ ہو چلا تھا وہ اب اپنے نئے آقاؤں کے بستروں کی زینت بن چکی تھیں۔ میں نے سر گھما کر نفرت بھری نگاہوں سے مانی کی جانب دیکھا۔ وہ مقدس بردہ فروش اشرفیوں کے تھیلے ایک کونے میں ڈھیر کر رہا تھا۔

میں تھکے ہوئے انداز میں ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔

ابھی مجھے یوں بیٹھے ہوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ سرائے کی بیرونی راہداری وزنی

قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی' یہ آواز اب میرے لئے اجنبی نہیں رہی تھی۔

اس آواز پر مانینی نے چونک کر اپنا سر اوپر اٹھایا' فضا میں کئی گہرے گہرے سانس لئے اور لپک کر میرے قریب آ گیا۔

"افراہیم آ پہنچا ہے۔ میری ہدایت پر تو نے عمل نہ کیا' تو بڑی کڑی سزا جھیلنی پڑے گی۔" اس نے دھیمی مگر دھمکی آمیز آواز میں مجھ سے کہا۔

ابھی میں کچھ کہہ بھی نہ پایا تھا کہ افراہیم وہاں آ پہنچا۔

"آؤ میرے دوست!" مانینی جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔

"آج کا سورج اپنے آخری سانسوں پر ہے' اور تیری کنیزوں کا نیلام ختم ہو چکا ہے میں تجھے اپنا وعدہ یاد دلانے آیا ہوں۔" افراہیم سرد لہجے میں بولا۔

"لے جاؤ' تم اسے بھی لے جاؤ۔" مانینی نے جذبات سے عاری آواز میں کہا۔

"چل حسین! جبل کا سردار تیرا منتظر ہے۔" افراہیم مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور مانینی کی طرف دیکھے بغیر افراہیم کے ساتھ اس وسیع کمرے سے باہر نکل گیا۔

سرائے کے دروازے پر افراہیم کا آراستہ رتھ موجود تھا اس پر جڑی ہوئی دھات کی پٹیاں ڈوبتے سورج کی الوداعی شعاعوں کے انعکاس سے نگاہوں کو خیرہ کئے دے رہی تھیں۔

افراہیم نے احترام کے ساتھ مجھے اپنے پہلو میں جگہ دی' میں نے محسوس کیا کہ مانینی کے برخلاف اس کا رویہ میرے ساتھ معاندانہ نہیں ہے۔

سفر شروع ہوا' جبل کے باسیوں کے چہرے آج مسرت سے دمک رہے تھے' شاید ان سب کو یہ نوید مل چکی تھی کہ سردار نے عاطیس دیوتا کا بت تراشنے کے لئے ایک سنگ تراش تلاش کر لیا ہے۔

مجھے توقع تھی کہ یہ سفر جبل کے سردار کی سنگین حویلی پر ہی ختم ہو گا۔ لیکن میری توقعات کے برعکس افراہیم کا رتھ جبل کے جنوب میں نظر آنے والی دھندلی پہاڑیوں کے دامن کی جانب بڑھا جا رہا تھا' رتھ کھینچنے والوں کے جسموں میں نہ جانے کون سی قوتیں حلول کر گئی تھیں کہ وہ برق رفتاری کے ساتھ رتھ کو اڑائے لئے جا رہے تھے۔ اور ان پر تکان کے آثار نہ تھے۔

سورج کی آخری کرنیں معدوم ہونے کے ساتھ ہی افراہیم کا رتھ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ افراہیم اچھل کر نیچے اترا اور میں نے اس کی تقلید کی۔

گرد و پیش کا جائزہ لینے پر مجھے اندازہ ہوا کہ میں صنم پرستوں کی کسی عبادت گاہ کے قریب موجود ہوں۔ صحرائی شام کے دھندلکے میں تکونے میناروں والی بلند عمارت کی کھڑکیوں میں سے مشعلوں کی تیز روشنی چھن چھن کر باہر میدان میں پھیل رہی تھی' میدان میں ایک طرف جلے ہوئے پتھروں کا ایک ڈھیر موجود تھا۔ جس کے بارے میں مجھے یہ سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بجلی گرنے کے باعث تباہ ہونے والا عاطیس دیوتا کا مجسمہ وہی ہے۔ اس جھلسے ہوئے مجسمے کے قریب ایک بہت بڑی چٹان موجود تھی۔

پتھر کی اس چٹان کے گرد جبل کے جوانوں کی تین قطاریں نیم دائرے کی شکل میں دور تک پھیلی ہوئی تھیں' ان سب کے ہاتھوں میں موی مشعلیں موجود تھیں جو ابھی روشن نہیں کی گئی تھیں۔ جوانوں کے نیم دائرے اور پتھر کی چٹان کے درمیان ایک اونٹ کی محفوظ کی ہوئی کھال بڑے اہتمام کے ساتھ بچھائی ہوئی تھی اور اس پر ایک برتن میں خوشبویات سلگ رہی تھیں۔

"یہ وہی چٹان ہے حسین۔ جس کے سینے کو چیر کر تجھے عاطیس دیوتا کا پیکر ابھارنا ہے۔" افراہیم نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم' اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن میں اوزار کہاں سے لاؤں گا؟" میں نے پرخیال انداز میں اس چٹان پر نظریں جما کر کہا۔

"تیرے اوزار آ رہے ہیں' سردار نے ان کا بندوبست کر لیا ہے' وہ کاہن کے ہمراہ آئے گا تو تیرے اوزار بھی ساتھ لائے گا۔" افراہیم کا لہجہ پرسکون تھا۔

"لیکن میں عاطیس دیوتا کا بت کیسے تراشوں گا۔" میں نے فوری خیال کے تحت پوچھا۔

"اوزاروں سے۔" افراہیم نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"میں نے آج تک عاطیس دیوتا کا مجسمہ نہیں دیکھا میں کسی ان دیکھے دیوتا کے خد و خال پتھر کی چٹان پر کیسے ابھار سکوں گا؟" میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

اس سے قبل کہ افراہیم کچھ کہتا بستی سے آنے والے راستے پر غبار کے بگولوں میں شور کی آوازیں سنائی دیں اور افراہیم اس طرف متوجہ ہو گیا۔

"سردار آ رہا ہے' مقدس کاہن بھی اس کے ہمراہ ہو گا۔" افرائیم میری طرف متوجہ ہوئے بغیر جوشیلی آواز میں بولا۔

میں غور سے ان بگولوں کی طرف دیکھنے لگا۔

ذرا ہی دیر میں جبل کا دیوہیکل اور دراز قامت سردار اپنے رتھ پر سوار وہاں آ پہنچا' اس کے عقب میں گنجی کھوپڑی اور گھنی بھنوؤں والا ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ جس کی آنکھوں میں چھائی ہوئی زردی میں عجیب مردنی اور بے رونقی نظر آ رہی تھی۔

سردار اور کاہن کے اترتے ہی افرائیم سمیت سب لوگوں کے سر وفاداری اور تعظیم کے اظہار میں جھکتے چلے گئے میں نے بھی غیرارادی طور پر ان کی تقلید کی۔

"سنگ تراش کے لئے اوزار پیش کرو!" سردار نے کسی کا نام لئے بغیر اونچی آواز میں کہا۔

میں سیدھا کھڑا ہوا تو میرے سامنے تین جوان ایک وزنی صندوق اٹھائے ہوئے موجود تھے۔

"صندوق کو داہنے ہاتھ سے چھو کر قبول کرو۔" افرائیم کی سرگوشی میرے کان کے نیچے ابھری۔

میں نے داہنے ہاتھ سے صندوق چھوا اور ان تینوں نے اوزاروں کی وہ چوبی پیٹی پتھریلی چٹان کے قریب لے جا کر اونٹ کی کھال پر رکھ دی۔

"مقدس کاہن! رسوم شروع کی جائیں!" سردار' کاہن کی طرف متوجہ ہو کر احترام آمیز لہجے میں بولا۔

"دائرہ!" کاہن نے اپنی داہنی مٹھی کو گردش دے کر کہا۔ میں اس کی آواز سن کر بری طرح چونک پڑا' وہ آواز مجھے مانوس سی لگ رہی تھی۔

وہاں موجود تمام لوگوں نے ترتیب اور تیزی کے ساتھ پتھریلی چٹان کے گرد گھیرا باندھ لیا۔ جس کے وسط میں صرف چار آدمی رہ گئے تھے۔ سردار' مقدس کاہن' افرائیم اور میں۔

"مشعلیں روشن کرو۔" مقدس کاہن کی آواز دوبارہ ابھری' اس کے ساتھ ہی فضا پتھروں کی رگڑ سے گونج اٹھی اور وہاں موجود مشعلیں یکے بعد دیگرے بھڑک اٹھیں۔

صحرائی میدان میں بھڑکتی ہوئی سرخ روشنی میں وہ پرہیبت مگر خوش آواز کاہن میرے

قریب آیا اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے اس جانب لے چلا جہاں اونٹ کی کھال پر خوشبویات سلگ رہی تھیں اور میرے اوزار چوبی صندوق میں بند رکھے ہوئے تھے۔

کاہن نے میرا منہ چٹان کی طرف کیا' میرے دونوں ہاتھ میرے سینے پر باندھے اور مجھے آنکھیں بند کر لینے کی ہدایت کی جس پر میں نے فوری طور پر عمل کیا۔

کاہن کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی چاپ کے بعد اس کی آواز ابھری اور ایک ہی ثانیئے بعد شاید وہاں موجود تمام افراد کی آوازیں اس کے ترنم میں شامل ہو گئیں اور صحرا کا سینہ اس آہنگ کی گونج سے خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزنے لگا۔

وہ سب ایک مخصوص آہنگ میں گا رہے تھے' ان کی آوازوں میں کلیجہ شق کر دینے والی فریاد اور التجا رچی ہوئی تھی' لیکن وہ زبان میرے لئے اجنبی تھی' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عالم بالا کی ستم رسیدہ روحیں ہم آہنگ ہو کر اپنی مغفرت کے لئے نوحہ کناں ہوں۔

جیسے جیسے ان آوازوں میں رقت اور شدت ابھرتی جا رہی تھی' میرے دل و دماغ پر ناقابل بیان سرور چھاتا جا رہا تھا' مجھے اپنا ذہن ہلکا ہوتا محسوس ہونے لگا' روئی کے گالوں اور پھر ہواؤں کے دوش پر آوارہ بادلوں کی طرح! پھر میری قوت سماعت کے لئے ان آوازوں کا وجود مٹ گیا۔ بس کسی لافانی نغمے کی گونج سنائی دے رہی تھی جس میں صرف سوز' صرف ترنم اور صرف موسیقی تھی' ہر آواز اپنی انفرادیت کھو چکی تھی۔

میرا وجود اپنا وزن کھونے لگا۔ میں خود کو زمین سے اوپر فضا میں معلق ہوتا محسوس کر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولنی چاہیں۔ لیکن نہ کھول سکا۔ میرے پپوٹے عجیب سے خمار سے بوجھل ہو چکے تھے' جیسے کسی نادیدہ اور غیر مرئی نازک سے وجود نے اپنی انگلیاں میری آنکھوں پر رکھ دی ہوں۔

آہستہ آہستہ میرا بدن زمین سے اوپر' اور اوپر اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر میں نے یوں محسوس کیا جیسے روئی کے گالوں کی طرح لہراتے ہوئے نمناک بادل میرے بدن سے ٹکراتے گزر رہے ہوں۔۔۔ ہولے ہولے' دھیرے دھیرے' بادلوں کے اس لمس سے میرے بدن میں لطیف سی گدگدی ہونے لگی' میں نے پھر آنکھیں کھولنی چاہیں لیکن بے سود۔ مجھ پر گہرا نشہ چھا چکا تھا۔

آسمانوں کی رفعتوں سے زمین کی پستیوں کی جانب بہتا ہوا پرسوز ترنم کا سیلاب میری

سماعت کے سہارے تیزی کے ساتھ میرے وجود پر اپنی گرفت مضبوط کرتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک مجھے اسی نیم خوابی کے عالم میں پتھر کی وہ چٹان نظر آئی جسے جبل والوں نے عاطیس دیوتا کا بت بنانے کے لئے حاصل کیا تھا۔ وہ چٹان کسی محور کے بغیر آہستہ آہستہ میری نظروں کے سامنے گھومتی رہی' پھر اس کا ایک حصہ پگھلنے لگا۔ بالکل موم کی طرح' جو ذرا سی بھی حرارت پا کر بہہ نکلتا ہے۔

بہت ہی غیر محسوس طریقے پر وہ چٹان پگھلتی رہی اور کسی بت کا روپ دھارتی رہی ادھر وہ پرسوز ترنم میرے کانوں کے راستے میرے ذہن کی گہرائیوں میں پیوست ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک میں چونک پڑا۔ پتھر کی وہ چٹان اب ایک دیوہیکل مجسمے کا روپ دھار چکی تھی' اس پرجلال انسانی مجسمے' اس بت کے چہرے پر ایسا جلال اور ایسی سطوت نمایاں تھی کہ بے اختیار میرا دل عقیدت کے جذبات سے سرشار ہو گیا۔

"یہ کس کا بت ہے؟" میں نے اسی عالم میں اپنے خوابیدہ لاشعور پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا۔

اسی وقت مجسمے کے خد و خال ابھرنے لگے' میں حیرت اور تشویش پر قابو پانے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے اس بت کی جگہ اپنی پیاری طوسیہ کا مسکراتا ہوا زندہ اور متحرک چہرہ نظر آیا۔

میری بنت نیل کے نازک بدن پر قیمتی کپڑے کا لمبا اور ڈھیلا ڈھالا لبادہ لہرا رہا تھا' اس کی پیشانی پر لہراتی چند گستاخ زلفوں کے سوا اس کے سارے بال جگمگاتے ہوئے طلائی تاج کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔

"وہ کس کا بت تھا طوسیہ؟" میں نے کھوئی کھوئی آواز میں اسی عالم خمار میں سوال کیا۔

"عاطیس دیوتا۔" وہ بولی تو مجھے محسوس ہوا جیسے کسی پہاڑی سے بیک وقت بے شمار شوخ و شنگ جھرنے بہہ نکلے ہوں۔

"اور تم اتنے دن سے کہاں غائب ہو؟"

وہ یک بیک اداس ہو گئی اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پر اضمحلال سمٹ آیا۔ " دھواں اگلنے والے اندھیرے غاروں میں مانیتی کا قہر جھیل رہی تھی۔"

"تو کیا اب تم آزاد ہو؟" میں نے پرتجسس لہجے میں دریافت کیا۔

اس نے غمناک اداسی کے ساتھ اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "مانیتی کو زیر کئے بغیر تم کبھی مجھے آزاد نہ دیکھ سکو گے' اس نے مجھے تین دن کے لئے اندھے غاروں میں پھینکا تھا' آج چوتھا دن ہے وہ خود جبل میں موجود ہے اس لئے مجھے نہ روک سکا' اس کو بھنک بھی مل گئی کہ میں یہاں آئی ہوں تو وہ پھر مجھے ان غاروں کے عذاب میں دھکیل دے گا۔"

"تو تم یہاں آئی ہی کیوں ہو؟" عالم خمار میں تکلم کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا۔

"تمہاری یاد لائی تھی۔" وہ مسکرا اٹھی۔ "تم کہو گے تو نہ آؤں گی۔"

میں اس کی اس ادا پر تڑپ اٹھا اور بانہیں پھیلا کر اس کی طرف بڑھا وہ بھی والہانہ انداز میں میری جانب آئی۔ اور عین اسی وقت فضا میں کسی کی غضب ناک آواز گونجی۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے ہزاروں فٹ کی بلندی سے زمین پر پھینک دیا ہو۔ طوسیہ کا پیکر یک بیک غائب ہو گیا اور موسیقی کا پرکیف بہاؤ بھی یکلخت موقوف ہو گیا۔

میں نے اپنے بوجھل پپوٹوں پر زور دے کر بمشکل آنکھیں کھولیں تو کئی ثانیوں تک روشن غبار کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اور جب کئی بار پلکیں جھپکانے کے بعد میں دیکھنے کے قابل ہوا تو بے اختیار خوفزدہ ہو گیا۔

مانیتی جبل والوں کا حلقہ توڑ کر وسط میں سردار کے مدمقابل کھڑا ہوا تھا' وہ اپنے داہنے ہاتھ میں تھامی ہوئی آہنی شام والی مخصوص چھڑی کو غصے کے عالم میں فضا میں گردش دے رہا تھا اس کا پورا بدن بری طرح کانپ رہا تھا اور دہانے سے کف اڑا رہا تھا۔ "یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" وہ چندھیائی ہوئی آنکھیں جھپکا کر غضب ناک آواز میں جبل کے سردار سے کہہ رہا تھا۔ حسین میرا غلام ہے' اس کی یہ جسارت میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ مانیتی کی باندیوں کا تصور کرے اور ان کی آغوش کا متمنی ہو۔"

"تو ضرور دیوانہ ہوا ہے بڈھے!" جبل کے سردار نے اس کا شانہ پکڑ کر بے رحمی اور حقارت سے جھنجھوڑ ڈالا۔ "پتہ نہیں تو کیا بک رہا ہے تجھے یہ جسارت کیسے ہوئی کہ اس مقدس اور خفیہ محفل میں یوں دیوانہ وار آگھسا۔"

"مجھے تمہاری محفل سے کوئی غرض نہیں۔" مانیتی اپنا شانہ سردار کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے غرایا۔ "میں اپنی کنیز کی بو پا کر یہاں آیا ہوں۔"

"اس کے بدن سے کپڑے نوچ لو۔" سردار اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر طیش کے عالم میں دھاڑا۔ "اس پر اتنے کنکر برساؤ کہ اس کا بدن خون میں نہا جائے' پھر اسے ایک پاگل اونٹ کی پشت سے باندھ کر اس اونٹ کو صحرا میں ہانک دو۔"

سردار کے حکم کی دیر تھی کہ بے شمار آدمی مانیتی پر ٹوٹ پڑے۔

"دور رہو' مجھ سے دور رہو۔" مانیتی اپنی آہنی شام والی چھڑی سے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے دھاڑا۔ "آسمان اور تمہاری جلتی ہوئی مشعلوں کی قسم کہ میں اس توہین کا انتقام لوں گا.... بہت جلد جبل والے اور یہاں کی ریت خون میں نہائے گی۔ مانیتی کے منہ آنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔"

"نوچ لو اس کے کپڑے۔" سردار اپنے آدمیوں کی مدافعانہ کوششوں پر مشتعل ہو کر دھاڑا۔

مانیتی کی آہنی شام والی چھڑی اتنی تیزی سے فضا میں گردش کر رہی تھی کہ اس پر نگاہیں جمانا دشوار ہو رہا تھا' اپنے سردار کی للکار سن کر جبل والے ایک متحرک دیوار کی طرح آگے بڑھے ان میں سے کئی مانیتی کی چھڑی کی زد میں آ گئے اور اپنے خون میں نہا گئے۔ مگر انہوں نے مانیتی کو زمین پر گرا ہی لیا۔

مانیتی اپنی غضب ناک آواز میں غراتا اور انہیں گالیاں دیتا رہا۔ لیکن انہوں نے اس کے بدن پر دھجی تک نہ چھوڑی اور پھر الگ ہٹ کر اس پر پتھر برسانے لگے۔

جبل کا سردار نفرت آمیز انداز میں ہونٹ سکوڑے اسے گھورتا رہا۔

مانیتی اس وقت غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ لیکن وہ رحم کی التجا کرنے کے بجائے دانت پیس پیس کر انہیں کوس رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں مانیتی کی قہربار غراہٹیں کراہوں میں بدل گئیں اور پھر وہ تیورا کر صحرا کی خاک پر ڈھیر ہو گیا اس کی آوازیں یکسر معدوم ہو چکی تھیں۔

افراہیم کا اشارہ پا کر دو آدمی مانیتی کی ٹانگیں پکڑ کر اسے ریت پر گھسیٹتے ایک طرف لئے چلے گئے۔

یہ تمام واقعات اتنی تیزی کے ساتھ اور پے درپے پیش آئے کہ میں ہکا بکا تماشائی کی حیثیت میں دیکھتا رہا۔ البتہ ایک بات کا مجھے شدید احساس تھا کہ گنجے سر اور گھنی بھنوؤں والا

کاہن پلکیں جھپکائے بغیر مجھے گھورتا رہا۔

مانیتی کو لے جائے جانے کے بعد جبل والوں نے اپنا حلقہ دوبارہ درست کر لیا۔

"مقدس کاہن! رسوم شروع کرو۔" سردار نے دھیمی اور گونجیلی آواز میں کہا۔

"لڑکی پیش کی جائے۔" کاہن کی میٹھی آواز یوں ابھری جیسے وہ بہت دور واقع کسی گہرے کنویں کی تہہ میں سے بول رہا ہو۔

یہ فقرہ ادا کر کے اس نے زمین پر سے مٹھی بھر ریت اٹھائی چند ثانیوں تک مٹھی پر نظریں جمائے زیر لب کچھ بدبداتا رہا پھر وہ مٹی آسمان کی طرف اچھال دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے داہنے کان کے سوراخ میں کوئی چیز ٹٹول کر باہر کھینچی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے کان کے سوراخ میں سے موٹی سی رسی کا سرا نکل رہا ہے۔

وہ کاہن تیزی کے ساتھ اپنے کان میں سے رسی نکالتا رہا اور اپنے قدموں میں زمین پر ڈھیر کرتا رہا۔ جب ڈھیر اتنا اونچا ہو گیا کہ اس کے پیر رسی میں چھپ گئے تو اس نے رسی توڑ دی اور اس کا سرا واپس اپنے داہنے کان میں ٹھونس لیا۔

اس کام سے نمٹ کر کاہن نے رسی کا ڈھیر اٹھایا اور اسے لے کر عاطیس دیوتا کے جھلسے ہوئے سنگی مجسمے کی طرف چل دیا جو بہت زیادہ خستہ اور شکستہ حالت میں تھا۔

کاہن نے کچھ دعائیں پڑھتے ہوئے عاطیس دیوتا کے جھلسے ہوئے ادھورے مجسمے کے گرد پانچ مرتبہ طواف کیا اور پھر اپنی پرانی جگہ پر لوٹ آیا۔

"اے آسمانوں میں رہنے والے عاطیس دیوتا!" مقدس کاہن نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی رسی کا ایک سرا اپنے داہنے پیر کے نیچے دبا کر عقیدت سے لرزتی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "ہم پشت ہا پشت سے تیرے پجاری ہیں ہماری مسرتیں اور ہماری خوشحالی' تیری مہربانی کا نتیجہ ہے' تیرے نام کو لازوال بنانے کے لئے ہم نے صحرا کے ذرے ذرے کو اپنے قدموں سے پامال کیا اور آگ کے پجاریوں کا گندا خون اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ جس کے عتاب میں آج بھی ہمارے ایک حکمراں کی بیٹی کسی ناپاک مجوسی پروہت کی قید میں ہے اور جس کا بدن آج بھی وسیع صحرا کے کسی گمنام گوشے میں بندھے ہوئے صندلی معبد میں اپنی روح کا منتظر ہے۔" مقدس کاہن کی آواز آہستہ آہستہ بھراتی جا رہی تھی اور اس کا ایک ایک لفظ میرے اعصاب پر دھماکہ بن کر گر رہا تھا۔ وہ یقیناً طوسیہ کی ہی کہانی دوہرا رہا تھا۔

طوسیہ، جو میری محبوبہ اور مانیتی کی قیدی تھی۔ "اے ہمارے مقدس دیوتا!" کاہن کہے جا رہا تھا۔ "ہم نے تیرا بت ترشوایا، تیری عبادت کرتے رہے، مگر تجھے ہمارا امتحان مقصود تھا۔ تیرے مسکن سے چنگھاڑتی ہوئی بجلی زمین کی طرف آئی اور تیرا مقدس پیکر جل کر بکھر گیا اور آج ہم تیرے حضور سرخروئی کے لئے حاضر ہوئے ہیں، تو ہماری قربانی قبول فرما۔"

یہ کہتے ہی اس نے رسی پوری قوت سے اوپر اچھال دی۔ میں رسی کے دوبارہ گرنے کا منتظر رہا۔ مگر وہ رسی اوپر جا کر اس طرح غائب ہوئی کہ اس کا ایک سرا کاہن کے پیر کے نیچے دبا ہوا تھا اور زمین سے بمشکل چند گز اوپر تک وہ رسی نظر آ رہی تھی اور اس سے آگے پراسرار طریقے پر نگاہوں سے اوجھل تھی۔

میں مانیتی کی قید سے نکل کر ایک عجیب و غریب طلسم میں آ پھنسا تھا۔ میرا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔

مقدس کاہن نے پھرتی کے ساتھ زمین سے لٹکتا ہوا سرا زور سے جھٹکا اور پھر حیرت ناک پھرتی کے ساتھ وہ رسی پکڑ کر اوپر چڑھتا چلا گیا۔

جبل والوں کے چہرے بالکل پرسکون تھے جیسے یہ واقعات ان کے لئے معمول کے مطابق ہوں۔ مگر میری حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

زمین سے بیس بائیس فٹ کی بلندی تک وہ کاہن پوری طرح نظر آتا رہا۔ پھر پہلے اس کا سر غائب ہوا، پھر شانے اور دھڑ، حتیٰ کہ پورا بدن نگاہوں سے روپوش ہو گیا، نیچے لٹکتی ہوئی رسی بدستور تیز جھٹکوں سے ہل رہی تھی۔ جس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مقدس کاہن ابھی تک رسی کے سہارے اوپر چڑھ رہا ہے۔

کچھ دیر بعد رسی کی جنبش تھم گئی، میں سانس روکے آنے والے واقعات کا منتظر تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ حقیقت ہی ہے۔

اس کے بعد وہ ہوا جس کے تصور سے آج بھی میرا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے تیز اور پرشور آواز کے ساتھ ایک لمبی لمبی زلفوں والا نسوانی سر زمین پر آ گرا۔ جیسے کسی بدن سے گردن اکھاڑ دی گئی ہو۔ پھر یکے بعد دیگرے دونوں ہاتھ، دونوں ٹانگیں اور آخر میں خون آلود دھڑ نیچے آ گرا۔ خوف اور دہشت کے باعث میرا سانس سینے میں گھٹنے لگا۔

نسوانی جسم کے تمام اعضاء نیچے گرنے کے بعد آخر میں اوپر سے مقدس کاہن کی لیک

تیز اور مسرت آمیز چیخ سنائی دی اور پھر اگلے ہی لمحے میں وہ رسی کے سہارے کسی بندر جیسی پھرتی کے ساتھ نیچے اترتا نظر آیا۔ زمین پر آ کر اس نے نہایت تیزی کے ساتھ بکھرے ہوئے نسوانی اعضاء کو ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر ریت پر اکٹھا کیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ لڑکی خوابناک انداز میں انگڑائی لے کر ریت پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس لڑکی نے اپنی سرخ سرخ نینداسی آنکھوں سے مجمع کا جائزہ لیا اسی اثناء میں کاہن نے افراہیم کی چری پیٹی میں سے تیز دھار خنجر کھینچ لیا تھا۔ جوں ہی وہ لڑکی دوبارہ کاہن کی جانب متوجہ ہوئی۔ کاہن نے اپنے گھٹنے ریت پر ٹیک کر دونوں ہاتھوں سے وہ خنجر لڑکی کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکی پر ایک دم وحشت اور دیوانگی طاری ہو گئی اس نے لپک کر کاہن کے ہاتھوں پر سے خنجر اٹھایا۔ اور دوڑتی ہوئی میرے سامنے پڑی ہوئی چٹان پر چڑھ گئی۔

لڑکی کے اوپر پہنچتے ہی وہاں موجود تمام لوگوں نے ہم آہنگ ہو کر ہیجان آمیز آواز میں "عاطیس" کہا اور ریت پر سجدے میں گر پڑے۔ وہ خنجر بردار لڑکی چٹان پر پہنچ کر بلا توقف نیچے بیٹھی اور نہایت سکون کے ساتھ اس نے اپنے گلے پر خنجر پھیر لیا۔۔۔۔ میرے منہ سے بے اختیار دہشت زدہ چیخ نکلی اور میں نے تڑپتی ہوئی لڑکی کی طرف بڑھنا چاہا۔ لیکن ایک لمحہ نہ چھوڑ سکا۔ جبل والے بدستور ریت پر سجدہ ریز تھے۔

شہ رگ کٹتے ہی لڑکی کا بدن تیزی سے تڑپا اور خنجر اس کے ہاتھ سے اڑ کر دور جا گرا۔ اور وہ خود بھی تڑپتی ہوئی ریت پر آ گری۔ اس کی شہ رگ سے اڑنے والے خون کی بوندیں دور دور تک ریت کو رنگین کر رہی تھیں۔ یہ خونیں منظر ذرا ہی دیر میں ختم ہو گیا اور وہ لڑکی آواز نکالے بغیر ایک بے جان لاش میں تبدیل ہو گئی۔

اس کے تڑپتے ہوئے بدن کا شور ختم ہوتے ہی جبل والے اپنے سردار اور کاہن سمیت سیدھے ہو گئے ان کے چہروں پر ابدی مسرت کی سرخی دمک رہی تھی۔

"مبارک ہو اے اجنبی سنگ تراش!" کاہن میرے قریب آ کر مسرت بھری آواز میں بولا۔ "عاطیس دیوتا نے تجھے اپنا مجسمہ تراشنے کے لئے منظور کر لیا ہے۔۔۔۔ اپنے اوزار نکال اور اس چٹان پر چھینی کی پہلی ضرب لگا کر اپنے کام کا آغاز کر دے۔"

میں نے کسی سحر زدہ معمول کی طرح چوبی صندوق کھول کر اوزاروں کا جائزہ لیا۔ اور چوڑے پھل والی ایک چھینی اور ہتھوڑی لے کر جواں سال دوشیزہ کے لہو میں نہائی ہوئی

چٹان کی طرف بڑھنے لگا۔۔۔ لڑکی کا بے جان بدن ابھی تک ریت پر پڑا ہوا تھا۔

سنگ و آہن کی پہلی جھنکار بلند ہوتے ہی جبل والوں نے ایک بار پھر ہم آہنگ ہو کر "عاطیس" کا نعرہ مارا اور بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ میرے ہاتھ مشینی انداز میں اس چٹان پر حرکت کرنے لگے۔

"تجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" افرائیم میرے قریب آ کر پرجوش آواز میں بولا۔ "تجھے فکر تھی کہ بن دیکھے تو کس طرح عاطیس دیوتا کا مجسمہ تراشے گا تو سن کہ اب عاطیس دیوتا خود تیری رہنمائی کرے گا۔ ہم جاتے ہیں اور تیرے لئے زندگی اور آسائشوں کی دعا کرتے ہیں۔"

پھر جبل کا سردار اپنے رتھ میں سوار ہوا۔ اس کی سواری روانہ ہوتے ہی دوسرے لوگ بھی قطار در قطار وہاں سے واپس روانہ ہونے لگے۔ وہ بار بار اپنی گردنیں گھما گھما کر پرامید نظروں سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔۔۔ آخر کار میں اس پراسرار اور گمبھیر ویرانے میں تنہا رہ گیا میرے ہاتھ تیزی کے ساتھ اس چٹان کو چھیلنے میں مصروف تھے' فضا میں ہر طرف گہری تاریکی کا راج تھا۔ لیکن قریب ہی نظر آنے والے تکونے میناروں والے معبد کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آنے والی روشنی میری رہنمائی کر رہی تھی۔ شروع میں میرے ذہن میں خیالات سر ابھارتے رہے۔۔۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ میں سویا ہوا فنکار بیدار ہوتا چلا گیا' اور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے کام میں ڈوب گیا۔

وہ شب گزری' نیا سورج طلوع ہوا' پھر وہ بھی ڈھل گیا لیکن میرے انہماک میں فرق نہ آیا میرے دل و دماغ اور اعصاب پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ جلد از جلد کسی طرح عاطیس دیوتا کا ایسا مجسمہ تراش لوں جسے دیکھ کر ایک مرتبہ جبل والے بھی حیرت زدہ رہ جائیں۔

معبد کے رکھوالے میرے لئے اوقات مقررہ پر کھانے پینے کا سامان لاتے رہے اور میں اپنی جگہ چھوڑے بغیر اپنے کام میں لگا رہا طویل وقفے کے بعد اپنی فنکارانہ انا کی تسکین کے لئے میسر آنے والی اس آزادی نے مجھے دیوانہ بنا ڈالا تھا' میں کم از کم وقت میں اس مجسمے کو مکمل کر لینا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں عاطیس دیوتا کا وہ پیکر اپنی تمام تر باریکیوں سمیت

جاگزین تھا' جو عالم مدہوشی میں مجھے طوسیہ کے دیدار سے قبل نظر آیا تھا۔

وہ شاید اس کام کی ابتدا کی چوتھی شام تھی' بھونڈی چٹان اب کسی حد تک مجسمے کا روپ اختیار کر چکی تھی چھینی اور ہتھوڑی چلاتے چلاتے میری انگلیاں پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ لیکن منزل قریب ہونے کے باعث میں ہر احساس سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

مغربی افق پر ڈوبتے ہوئے سورج کی لہو رنگ شعاعوں کا جال بکھرا ہوا تھا اور میری ورم آلود آنکھیں ناقدانہ انداز میں اس بھونڈے مجسمے کا جائزہ لے رہی تھیں کہ اچانک فضا میں کسی نقارے پر چوٹ پڑنے کی آواز ابھری۔ پہلی مرتبہ میں نے اس آواز پر کوئی توجہ نہ دی لیکن جب نقارے کی آواز ایک خاص تسلسل کے ساتھ گونجنے لگی تو میں چونک پڑا اور مجھ پر دہشت طاری ہونے لگی۔

وہ تیز آوازیں یقیناً اعلان جنگ کا پیش خیمہ تھیں۔۔۔ آوازوں کا رخ بتا رہا تھا کہ جبل کی بستی کی حدود کے چاروں طرف نقارے پیٹے جا رہے ہیں۔ شاید کچھ نامعلوم لوگ جبل کا محاصرہ کر چکے تھے اور بستی پر خاموشی سے شب خون مارنے کی بجائے دلیری کے ساتھ جنگ کا اعلان کر رہے تھے۔

"بہت جلد جبل کی سرزمین خون میں نہائے گی۔" میرے ذہن میں مانیتی کے الفاظ کی بازگشت گونجی اور میرے ہاتھوں سے اوزار چھوٹ کر نیچے گر پڑے' مانیتی کا خیال آتے ہی میں نے دوبارہ نقارے کی آوازوں پر غور کیا تو مجھے حقیقت کا اندازہ ہو گیا۔

جنگی نقارہ بجانے کا وہ انداز جبرین والوں کے لئے ہی مخصوص تھا' شاید مانیتی اپنی توہین کا انتقام لینے کے لئے جبرین کے قزاقوں کا لشکر جبل کی فصیل تک لے آیا تھا اور اب ان پر حملہ آور ہونے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

جبل کے گرد نقارے گونجتے رہے اور اسی کے ساتھ ہواؤں کے دوش پر مجھے جبل والوں کا ملا جلا شور سنائی دیا۔ شاید وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس ہو رہے تھے تاکہ اپنی فصیلوں پر پہنچ کر جبل کا محاصرہ کرنے والے نامعلوم دشمنوں کی دعوت جنگ قبول کر سکیں۔

میں ابھی اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ بستی کی جانب سے ایک برق رفتار شتر سوار ریت کے بگولے اڑاتا میری جانب آیا۔ وہ اپنے لباس سے افرائیم کی فوج کا کوئی اہم رکن معلوم ہوتا تھا۔

"اس وقت تم آزاد ہو۔" وہ میرے قریب اپنا اونٹ روک کر اونچی آواز میں چلایا۔

"کالے رومالوں سے اپنے چہرے چھپائے ایک لشکر نے بستی کو گھیر لیا ہے' وہ سردار سے بات تک کرنے کو تیار نہیں ہیں ان کے سروں پر خون سوار ہے' اب تمہاری حفاظت ہماری ذمہ داری نہیں ہے' سردار کا حکم ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے تم جہاں چاہو پناہ لے سکتے ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے واپسی کے لئے تیزی کے ساتھ اپنا اونٹ واپس گھمایا۔

"مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "شاید میں حملہ آوروں کو پہچان سکوں گا۔ ان کے سردار کو ختم کرتے ہی تم یہ جنگ جیت لو گے۔ میں اس کی نشاندہی کروں گا۔"

قاصد نے بے اعتباری سے میری طرف دیکھا۔ اور اپنے اونٹ کو ریت پر بٹھا لیا۔ "آؤ میرے پیچھے سوار ہو جاؤ' اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم سردار کے پاس محفوظ رہو گے تو یہ تمہاری بھول ہے جنگ کا سارا زور اسی طرف ہو گا۔"

میرے سوار ہوتے ہی قاصد نے اپنا اونٹ بستی کو جانے والے راستے پر ڈال دیا۔

ہمیں روانہ ہوئے بمشکل چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ جبل کی فصیلوں سے زبردست نعرے بلند ہونے لگے حملہ آوروں کے نقاروں کا شور جنون خیز ہو گیا اور پھر فضا سائیں سائیں کی آوازوں سے گونج اٹھی' فصیل سے چلنے والے تیروں کے شور کے ساتھ ہی فضا زخمیوں کی آہ و بکا سے گونجنے لگی' قاصد کا اونٹ بری طرح بھڑکا اور وحشیانہ رفتار سے بستی کی طرف دوڑ پڑا جیسے موت اس کا تعاقب کر رہی ہو۔

جبل کی دھرتی اور جبل کی فضائیں فریقین کے خوف ناک جنگی نعروں سے لرز رہی تھیں۔ جبل کی فصیلوں سے آہنی تیروں کی چادریں یکے بعد دیگرے بستی کا محاصرہ کرنے والوں کی جانب اڑی جا رہی تھیں۔ جنگی نقاروں کا کان پھاڑ دینے والا شور وحشت کا سماں باندھ رہا تھا۔ اپنے لہو میں غسل کرنے والے زخمیوں کی کرب ناک چیخیں دل و دماغ کو ہلائے دے رہی تھیں۔

جبل کے سردار کا قاصد اپنے بھڑکے ہوئے اونٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور میں مضبوطی سے اس کی کمر تھامے دل ہی دل میں حملہ آوروں کی شکست کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ وحشت زدہ اونٹ جبل کی بستی میں داخل ہوا۔

اس وقت سورج اپنی مسافت پوری کر کے آہستہ آہستہ صحرا کے مغربی افق میں روپوش ہو رہا تھا۔ اس کی سرخ کرنوں میں انسانی لہو کا گہرا رچاؤ نمایاں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دنیا کی تمام طاغوتی طاقتیں جبل اور اس کے اطراف میں جمع ہو کر لہو کی ہولی کھیلنے پر تل گئی ہوں۔

جبل کے مکانوں پر لہراتے سیاہ پرچم ابھی تک جوں کے توں موجود تھے لیکن بستی میں دور دور تک کسی ذی روح کا پتہ نہیں تھا۔ ہر طرف دھول اڑتی نظر آ رہی تھی' جبل کے تمام مرد و زن' بوڑھے اور جوان' اپنے دشمنوں کو تہس نہس کر دینے کے لئے شاید بستی کی فصیلوں پر پہنچ چکے تھے۔

بستی میں سے گزرتے ہوئے میں نے کئی مکانوں سے جلتی ہوئی ہانڈیوں کی تیز بو محسوس کی' شاید عورتوں کو اتنی مہلت بھی نہیں ملی تھی کہ وہ رن میں جانے سے قبل اپنے چولہے سرد کر جاتیں یا ہانڈیاں ہی اتار لیتیں۔

قاصد بمشکل تمام اونٹ پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا۔ جس وقت ہم دونوں جبل کے صدر دروازے پر پہنچے تو سورج اپنے آخری سانسوں پر تھا۔ شور و غل سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ فصیل کے نیچے دور دور تک ہاتھ سے کھینچے جانے والے رتھوں پر تیر' کمانیں' نیزے اور دوسرے آلات حرب لدے ہوئے تھے۔ عورتیں اور بچے نہایت جوش و خروش کے ساتھ وہ سامان فصیل پر برسرپیکار لوگوں تک پہنچا رہے تھے ۔ فصیل پر دشمن کے وار سے زخمی ہونے والوں کو رسی میں بندھے ہوئے تختوں پر لٹا کر نیچے پہنچایا جا رہا تھا جہاں بوڑھی عورتیں اور مرد تندہی سے ان کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ مجھے ان کی تنظیم پر سخت حیرت تھی۔ ذرا ہی دیر میں وہ لوگ اپنے دشمن کا منہ توڑنے کے لئے یوں وہاں آ پہنچے تھے' جیسے وہ حملے کے منتظر رہے ہوں۔

قاصد نے گھبرائے ہوئے اونٹ کو نیچے بٹھانا چاہا لیکن وہ بلبلا بلبلا کر بدک کے جا رہا تھا۔ آخر قاصد نے اونٹ پر سے چھلانگ لگا دی۔ نکیل آزاد ہوتے ہی وہ اونٹ تیزی سے بھاگا اور میں غیر متوقع طور پر زمین پر گر پڑا۔

میری چیخ سن کر ایک جوان لڑکی تیر کی طرح میری طرف آئی اور بڑی محبت کے ساتھ سہارا دے کر مجھے زمین سے اٹھا دیا۔

جبل کے سردار کا قاصد اپنی کمان سیدھی کرتا فصیل پر بنے ہوئے مورچوں میں نہ جانے کہاں روپوش ہو چکا تھا۔

میں نے زمین سے اٹھ کر ادھر ادھر نظریں دوڑائیں لیکن مجھے نہ افراہیم نظر آیا اور نہ ہی جبل کا سردار دکھائی دیا۔

میری پریشانی محسوس کر کے وہ لڑکی جاتے جاتے واپس مڑ گئی۔ "شاید تم جبل میں اجنبی ہو۔" وہ میرے قریب آ کر جلدی جلدی پرجوش لہجے میں بولی۔ "جہاں محفوظ رہ سکتے ہو اسی طرف نکل جاؤ۔ ہم دشمن سے برسرپیکار ہیں۔ اس وقت ہم اپنے مہمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔"

"میں سنگ تراش ہوں۔" میں نے اس کے خاموش ہوتے ہی کہا۔

"تجھے جبل والوں کا سلام اے سنگ تراش۔" اس کے لہجے میں عزت و احترام کے جذبے سرایت کر گئے۔ "کیا دیوتا کا بت تیار ہو گیا؟"

ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ لڑکی اپنے گرد و پیش میں لڑی جانے والی جنگ سے یک بیک لاتعلق ہو گئی ہے۔

"وہ ابھی نامکمل ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ حملہ آور کون ہیں؟" میں نے اپنی بے چینی پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں معلوم۔" وہ پہلو بدلتے ہوئے بولی۔ "ان کے سروں پر خون سوار ہے اور ان کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ لل' لیکن تم جاؤ اپنا کام کرو۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ ہماری لاشوں پر سے گزرے بغیر معبد تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

میں اس لڑکی کی جرات اور بے خوفی پر لرز کر رہ گیا۔ "یہ نہ کہو۔۔۔۔ میں خوف زدہ نہیں ہوں' یہ بتاؤ کہ سردار کہاں ہے؟"

"ادھر ہی تیروں کے بادل اڑ رہے ہیں؟" وہ داہنے پہلو پر فصیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "سردار وہیں ہو گا۔"

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں.... میں وہیں جا رہا ہوں۔" میں نے بے چینی سے کہا اور اس کی بتائی ہوئی سمت میں بڑھ گیا۔

میں کمک لے جانے والوں کی بھیڑ کاٹتا' پتھریلی سیڑھیاں عبور کر کے فصیل پر بنے ہوئے پہلے مورچے میں پہنچا تو وہاں جبل کے دو سپاہی آخری سانسوں پر تھے۔ باہر سے آنے والے تیر فصیل کے سوراخوں سے گزر کر ان کے دلوں میں ترازو ہو گئے تھے اور ان پر سکرات کا عالم طاری تھا۔ ان کے زخموں سے خون کے فوارے ابل رہے تھے' آنکھوں کی پتلیاں چڑھ چکی تھیں اور بدن بری طرح تڑپ رہے تھے۔

ان دونوں سے بے نیاز تیر اندازوں کی ایک صف اپنے کام میں مصروف تھی' انہی کے درمیان جبل کا سردار اپنے سپہ سالار افراہیم سمیت موجود تھا۔

جنگ اتنے عروج پر تھی کہ میں فصیل سے باہر کے حالات کا جائزہ لینے کی خواہش کو نہ دبا سکا اور ایک ترچھی کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔ فصیل سے باہر' صحرائی میدان میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی' سورج کی روشنی سے محروم ہو جانے والی فضا میں گرد و غبار کے کثیف بادل اڑ رہے تھے اور ان کی آڑ میں حملہ آور آہستہ آہستہ پسپا ہوتے نظر آ رہے تھے۔

حملہ آور نشیب میں ہونے کے باعث سخت مشکلات میں پھنس چکے تھے۔ میدان میں جا بجا سیاہ نقابوں والے زخمی اور مردہ پڑے ہوئے تھے جنہیں پسپا ہونے والے اپنے ساتھ ہی لے جانے کی سرتوڑ کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ زخمی ہو کر گر جانے والے یا مردہ حملہ آوروں کے اپنے سواروں سے محروم اونٹ اس گھمسان کے رن میں بلبلاتے ہوئے ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے اور ان کے جسموں میں بھی جبل کی فصیلوں سے چلائے جانے والے تیر پیوست ہو رہے تھے' حملہ آوروں کی نفری کئی سو پر مشتمل تھی اور وہ سب اونٹوں پر سوار تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دور کی مسافت طے کر کے جبل پر دھاوا بولنے آئے ہیں ورنہ ان میں پیدل افراد بھی ہونے چاہئے تھے۔

شام کا دھندلکا اتنا گہرا ہو چلا تھا کہ اس وقت میں کوشش کے باوجود حملہ آوروں کو نہ پہچان سکا' ویسے مانینی کے الفاظ اب بھی میرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ اس نے جبل کے سردار کے سامنے مغرب سے آنے والی ہواؤں میں انسانی خون کی بو کے رچاؤ اور جبل کی سرزمین پر انسانی خون کی ہولی کی باتیں کی تھیں' گو اس ہولناک بوڑھے کا لہجہ معصومانہ اور ہمدردانہ تھا لیکن میں اس کی فطرت سے واقف ہونے کی بنا پر اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ مانینی سردار کو دھمکیاں دے رہا تھا۔

میرے ذہن میں اس وقت بھی یہی بات تھی کہ مانینی میرے چھینے جانے پر جبل سے تو خاموش ہو کر لوٹ گیا' لیکن اب اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لئے جبرین والوں کا لشکر لے کر جبل کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے عزائم لے کر آیا ہے۔ ابھی میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ اچانک ایک دبی دبی اور بے ساختہ انسانی کراہ نے مجھے چونکا دیا۔

میں بوکھلا کر پیچھے مڑا تو میرا پہلا اندیشہ ہی درست ثابت ہوا۔ فصیل کے باہر سے آنے والا ایک تیر جبل کے سردار کے بائیں پہلو میں پیوست ہو چکا تھا۔ میں لپک کر افراہیم کے نزدیک پہنچا' وہ اپنے سردار کے ڈھلکتے ہوئے سر کو اپنے شانے پر سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

سردار کی چیخ سن کر آس پاس موجود لوگوں پر عجیب سی کم ہمتی طاری ہونے لگی اور پل بھر میں سردار کے شدید زخمی ہو جانے کی خبر فصیل سے اتر کر رسد پہنچانے والوں تک میں پھیل گئی۔

جبل والوں کے حملوں کی شدت میں کمی آتے ہی حملہ آوروں میں جوش اور ولولہ سرایت کر گیا اور وہ پسپا ہوتے ہوتے ایک دم پیش قدمی پر اتر آئے۔ ان کے نقاب پوش ساتھی گاجر مولی کی طرح اونٹوں کی پشتوں سے گر کر اپنے ہی جانوروں کے پیروں تلے روندے جانے لگے' لیکن ان کے عزائم بدستور بلند رہے۔

افراہیم نے پنجوں کے بل اچک کر حملہ آوروں کی پوزیشن اور رفتار کا جائزہ لیا اور اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اپنے سردار کے زخمی ہونے کی خبر پا کر اس کے آدمیوں کے حوصلے پست پڑ گئے تھے اور حریف نے شاید صورت حال کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے کاری وار لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر سردار پر نظر ڈالی اور نوشتہ دیوار مجھ پر واضح ہو گیا۔ اس کا دل زخمی ہو چکا تھا' آنکھوں میں مردنی کے سائے لہرا رہے تھے اور جسم پر ہلکا سا تشنج طاری تھا۔ گو اس نے اس عالم میں بھی اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی تھی' لیکن یہ سب چند ہی لمحوں کی بات تھی' صحرا میں لڑی جانے والی روایتی قبائلی جنگوں کی رسم یہی تھی کہ فریقین میں جس کا بھی سردار پہلے مارا جائے وہ فریق اپنے ہتھیار پھینک کر خود کو جیتنے والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

حملہ آوروں کے سردار کو نقابوں کے باعث پہچاننا اور مار لینا بہت مشکل تھا جبکہ جبل کا سردار اجل کے شکنجے میں آخری سانس گن رہا تھا' سردار کی موت کے بعد دنیا کی کوئی طاقت جبل والوں کو حملہ آوروں کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی' کیونکہ ہار جیت کا یہ تصور صحرا میں بسنے والوں کے جدی عقائد سے وابستہ تھا' درختوں سے لے کر آگ اور پتھر کو پوجنے والوں میں یہ تصور مشترک تھا۔

افراہیم نے مجھے اپنے قریب پا کر بے بسی سے میری جانب دیکھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں چمک رہی تھیں۔

"سردار کو سہارا دے کر سیدھا کرو!" میں نے اس کے شانے پر جھک کر تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا اور سردار کے سینے سے تیر کھینچ کر ایک طرف پھینک دیا۔

"نہیں۔۔۔۔ دیوتا کا بت تباہ ہوئے آج تیسویں شب ہے' سردار کے سینے پر تیر پڑتے ہی جبل والوں کے مقدر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔" افراہیم نے ہراساں اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"الگ ہٹو۔" میں نے جوش کے عالم میں زخم خوردہ اور قریب المرگ سردار کو اپنی چھاتی سے نکالتے ہوئے افراہیم کو ایک طرف دھکیل دیا "اور اپنی زبان بند رکھو۔ اب یہ جنگ میں لڑواؤں گا۔"

افراہیم نے بزدلی کے انداز میں میری ہدایت کی تعمیل کی۔ میں نے فوراً ہی سردار کے دل کی دھڑکنوں کا جائزہ لیا' لیکن بتدریج سکوت کے وقفے حائل ہوتے جا رہے تھے' اس کی حالت سخت مایوس کن تھی۔

"سنو!" میں نے سردار کو اپنے بدن سے علیحدہ کر کے سیدھا کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

"جبل کی ماؤں کی کوکھ سے شاید بزدلوں نے جنم لیا ہے کہ ایک اجنبی آج انہیں للکار رہا ہے۔ دیکھو' تمہارا سردار ابھی زندہ ہے۔" میری آواز کافی اونچی ہو گئی۔ تیر اندازوں کے ہاتھ اور ست پڑ گئے۔ ان کے کان میری جانب متوجہ تھے اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر حملہ آور برق رفتاری سے فصیل کے نیچے پہنچ جانے کی کوشش میں لگ گئے تھے۔

"قسم تمہارے پروردگار عاطیس کی' یہ زندہ ہے۔" میری آواز وفور جوش سے کانپنے لگی تھی۔ "لیکن تم حوصلے ہار رہے ہو۔ اگر تم بزدلی دکھاتے رہے تو صحراؤں سے آنے والے یہ حملہ آور تمہاری فصیلیں گرا دیں گے۔ تمہارے جوان تہ تیغ کر دیئے جائیں گے' بوڑھوں کو صحرا میں ہانک دیا جائے گا۔ بچے اور بوڑھی عورتیں ان کی غلامی کریں گی اور تمہاری لڑکیاں ان کے بستر سجائیں گی۔"

میرے آس پاس موجود جبل والوں کے چہرے قہر و غضب سے سرخ ہو گئے اور وہ دیوانوں کی طرح اپنے ترکشوں اور کمانوں سے الجھ گئے' نیچے صحرائی میدان میں پیش قدمی کرنے والے اس اچانک شدت سے بوکھلا اٹھے۔ بے شمار تیروں کی یلغار میں اس بار وہ اتنی تیزی سے پیچھے ہٹے کہ اپنے زخمیوں تک کو اٹھانے کا ہوش نہ رہا۔

سردار کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھاما ہوا تھا اور افراہیم پرامید نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک سردار کے بدن پر کپکپی طاری ہونے لگی اور میرے لئے اس قریب المرگ کڑیل شخص کو سیدھا رکھنا دشوار ہونے لگا۔

"افراہیم۔ سہارا دو۔" میں نے جلدی سے اسے مخاطب کیا۔ افراہیم فوراً ہی میری مدد کے لئے آ گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ سردار اب چند ہی گھڑیوں بلکہ ساعتوں کا مہمان ہے اور

اگر جبل والوں کو یہ علم ہو جاتا کہ ان کا سردار آخری سانسوں پر ہے تو وہ جیتی ہوئی جنگ میں ہتھیار ڈال دیتے لیکن اس وقت ان میں سے کسی کو اتنی مہلت نہیں تھی کہ سردار کا بغور جائزہ لیتا۔

پھر میری اور افراہیم کی نگاہیں چار ہوئیں' ہم دونوں ایک دوسرے کا مقصد بھانپ گئے۔

"سردار کو اسلحہ خانے لے چلو' ہتھیاروں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔" میں نے خاص مقصد کے تحت اونچی آواز میں افراہیم سے کہا۔

"اس وقت سردار زخمی ہے' اس کا یہاں رہنا ضروری ہے۔" افراہیم نے آس پاس کے لوگوں کے ردعمل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"جاؤ۔ اسلحہ خانہ کی خبر لاؤ' آج رات ہم دشمنوں پر باہر نکل کر شب خون ماریں گے اور اگلی صبح تک ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔" ایک مورچے سے جبرین کے کسی ادھیڑ عمر تیر انداز کی کرخت آواز ابھری۔ مجھے بہانہ مل گیا اور میں افراہیم کی مدد سے سسکتے ہوئے سردار کو لے کر فصیل سے نیچے اترنے لگا۔ ابھی ہم بمشکل آدھی سیڑھیاں ہی اترے تھے کہ سردار نے ایک تیز ہچکی لی' اس کا بدن تیزی سے کانپا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور اس کے بدن کا سارا بوجھ میرے ہاتھوں پر آ گیا۔

میرے ساتھ ہی افراہیم نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے پرجوش لوگوں کے ہجوم کی طرف دیکھا اور اطمینان کا یہ سانس لیا کہ کسی کی توجہ ہماری طرف مرکوز نہیں تھی۔

اس سے قبل کہ کسی کو سردار کی موت کی خبر ہوتی میں نے جلدی سے سردار کے بے جان سر کو سیدھا کیا پھر ہم دونوں نے اس بے جان لاش کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے سیڑھیوں پر سے اس طرح نیچے لانا شروع کیا کہ دیکھنے والوں کو اصل صورت حال کی ہوا بھی نہ لگ سکے۔

جبل کا سردار بہت دیوہیکل اور مضبوط جوان تھا۔ ہم دونوں کے لئے اس کے بدن کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ کئی بار ہمارے قدم بھی لڑکھڑائے' لیکن ہم نے حوصلہ نہ ہارا۔

افراہیم یوں تو میری باتوں میں آ کر سردار کی موت کا راز چھپانے پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ اس کے چہرے پر تشویش کے سائے لرزاں نظر آ رہے تھے۔

وہ صحرا کا بیٹا تھا اور صدیوں سے چلی آنے والی روایات اس کے مذہب کا حصہ تھیں اور آج

وہ ایک اجنبی سنگتراش کے مشورے پر صحرا کی جنگی روایت سے بغاوت کر رہا تھا۔

سیڑھیوں کے نیچے ہی سردار کا شاہی رتھ موجود تھا۔ ہم دونوں نے سردار کو اپنے درمیان سیدھا کر کے اس طرح بٹھا لیا جیسے زخمی ہونے کے باعث وہ بہت کمزور ہو گیا ہو۔ افراہیم نے قریب میں کھڑے ہوئے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ رتھ کھینچنے لگے۔

"محترم سردار! اسلحہ خانے کی چابیاں تو تمہارے پاس موجود ہیں نا؟" افراہیم نے اپنے ضمیر کی خلش سے مجبور ہو کر کچھ دور نکل آنے کے بعد اونچی آواز میں پوچھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس طرح افراہیم رتھ کھینچنے والوں کو کسی شبہ کا موقع نہیں دینا چاہتا بلکہ ان پر سردار کی زندگی کا تاثر قائم کرنا چاہتا ہے۔

"نہیں ابھی رہنے دو۔ تمہارے مکان پر پہنچ کر چابیاں لے لوں گا' تم کافی زخمی ہو۔" کچھ دیر کا وقفہ دینے کے بعد افراہیم دوبارہ بولا۔

پھر سردار کے عالیشان سنگیں مکان پر پہنچنے تک خاموشی رہی۔ میں اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا' مجھے پورا یقین تھا کہ جبل پر حملہ آور ہونے والے جبرین کے مجوسی قزاق ہیں۔ مانی اس قدر شیطان صفت شخص تھا کہ مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے جبرین پہنچنے کے بعد اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود جوبا کو اس لشکر کشی پر مجبور کر دیا ہو گا۔

رتھ کھینچنے والوں کو رخصت کر کے ہم دونوں نے سہارا دے کر سردار کی بے جان لاش رتھ پر سے اتاری اور اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے کشاں کشاں پتھر سے بنی ہوئی عالیشان عمارت میں لے گئے جہاں اس وقت مہیب سناٹے کا راج تھا۔

رتھ کھینچنے والے افراہیم سے اجازت پا کر واپس میدان کارزار کی طرف لوٹ گئے تھے۔

جبل کے سارے باسی پہلے ہی اپنی فصیلوں کی حفاظت کے لئے ریت کے صحرائی ذروں کو اپنے زندہ لہو کا غسل دے رہے تھے' چاروں طرف سے ابھرنے والے شور کی بھیانک گونج سردار کی حویلی کے درو دیوار میں ٹکراتی پھر رہی تھی اور اس مہیب ماحول میں افراہیم میرے ہمراہ اپنے سردار کی لاش سمیت موجود تھا۔

سردار کے خاص کمرے میں پہنچ کر ہم دونوں نے احترام کے ساتھ اس کی لاش ایک نرم کھال پر ڈال دی جو سردار کے بستر پر پہلے سے بچھی ہوئی تھی۔

"میں حویلی میں داخلے کے سارے راستے بند کرنے جا رہا ہوں۔ عاطیس کی قسم ہم نے

یہ سازش جبل والوں کی بہتری کے لئے کی ہے' لیکن انہیں بھنک بھی مل گئی کہ انہیں دھوکہ دے کر جنگ میں جھونکا گیا ہے تو ہم نہ بچ سکیں گے' ہماری بوٹیاں نوچ لی جائیں گی۔"

افراہیم خوف زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا جیسے اسے در و دیوار تک سے بے وفائی کا خطرہ ہو۔

میں نے سر کی جنبش سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور پھر افراہیم کے قدموں کی وزنی دھمک حویلی کی بیرونی دیوار میں معدوم ہونے لگی۔

میں کئی منٹ تک فضا میں پھیلی ہوئی مشعلوں کی یرقان زدہ روشنی میں گھورتا رہا' پھر اچانک ہی میری نگاہیں سردار کی لاش پر پڑیں اور میرا رواں رواں کانپ اٹھا' میرا جی چاہا کہ زور زور سے چیخیں مارتا اس ہیبت ناک کمرے سے فرار ہو جاؤں۔

سردار کا بے حس و حرکت جسم بستر پر پڑا ہوا تھا لیکن اس کی کھلی ہوئی بھیانک آنکھیں مجھے اپنی جانب گھورتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں صحرائی قبیلے کے اس مردہ سردار کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایسی ہیبت تھی کہ میرا رواں رواں لرز اٹھا۔

میں نہ وہاں سے بھاگ نکلنے پر قادر تھا نہ میری دہشت کم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ آخر کار میں نے ہیجان اور اضطراب کے عالم میں اس مہیب لاش پر حملہ کر دیا اور درندوں کی سی بے رحمی کے ساتھ اس کے پپوٹے نوچ کر کھلی ہوئی آنکھوں پر گرا دیئے۔

اسی وقت اچانک کہیں سے ایک ہلکی سی آواز ابھری میں نے بھڑک کر وحشت کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا لیکن وہاں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ آواز بالکل ایسی تھی جیسے کوئی میری دہشت سے محظوظ ہو کر دبی دبی آواز میں بے ساختہ ہنس پڑا ہو۔ اس آواز میں عجیب سی بے رحمی اور بھیانک پن تھا۔

یہ احساس ہوتے ہی کہ اس حویلی میں میرے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے جو میری نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر میری نگرانی کر رہا ہے' میری حالت غیر ہونے لگی۔

ایک لمحے کے لئے مجھے گمان گزرا کہ کہیں افراہیم نے یہ حرکت نہ کی ہو لیکن مجھے اپنا یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد محسوس ہوا۔ افراہیم کے قدموں کی مانوس دھمک حویلی کے دور دراز گوشوں میں ادھر ادھر حرکت کرتی سنائی دے رہی تھی۔

کچھ دیر بعد افراہیم واپس آیا تو میرا سینہ کسی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور میرا بدن

خوف کے پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے حسین؟ تم خوف زدہ ہو۔" افراہیم نے اس کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل کرتے ہوئے مجھ سے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"حویلی میں ہم دونوں کے علاوہ اور کون ہے؟" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں افراہیم سے سوال کیا۔

"حویلی تو کیا۔۔۔ پوری بستی میں کوئی اور نہیں ہے۔" اس نے پراعتماد مگر حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"کچھ نہیں... مجھے شبہ ہوا ہو گا۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹکا اور میرے قریب آ گیا۔ "اس کمرے کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے جس کا راستہ میرے سوا اور کسی کو نہیں معلوم۔ سردار کی لاش اس خفیہ تہہ خانے میں چھپا دو' فصیلوں پر لڑنے والوں میں ہم یہ خبر اڑا دیں گے کہ سردار فتح کی دعائیں مانگنے معبد میں جا گھسا ہے اور آخری فیصلہ ہونے تک باہر نہ آئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کھوئی کھوئی آواز میں کہا۔

پھر افراہیم نے سردار کا بستر الٹ دیا۔ اس کے نیچے پتھر کی ایک بڑی سی سل فرش میں بالکل الگ سے جڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ہم دونوں نے مل کر وہ سل ہٹائی تو تہہ خانے کا راستہ سامنے آ گیا۔ جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اس لاش کو اندھیرے تہہ خانے میں اتارنا بہت دشوار ہو گا۔" میں نے سردار کی فرش پر پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔ زیادہ پریشانی کی بات نہیں۔" افراہیم نے قدرے پرسکون لہجے میں کہا۔ "ہم یہیں سے اس لاش کو نیچے پھینک دیں گے۔"

اس کے لہجے کی سرد مہری پر میں کانپ اٹھا۔ سردار کی زندگی کا رفیق اور گہرا ہمدرد اس کی موت کے بعد ایسا بے رحمانہ مشورہ دے رہا تھا۔

دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اس آسان تجویز کو قبول کرنا پڑا۔ ہم دونوں نے سردار کی ٹانگیں پکڑ کر اس کی لاش تہہ خانے کے دہانے تک کھینچی اور پھر اسے اس تاریک خلا میں دھکیل دیا۔

پل بھر کے بعد دیوہیکل لاش کے گرنے کا گونجیلا دھماکہ ہوا' پھر اس کے سیڑھیوں پر لڑھکنے کی آواز سنائی دی جو آخر کار ایک نسبتاً ہلکے دھماکے پر ختم ہو گئی۔

سردار کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہم نے تہہ خانے کا منہ بند کر کے سردار کا بستر اس کی جگہ پر لگا دیا۔

جس وقت ہم دونوں فرش پر سے خون کے دھبے صاف کر رہے تھے کمرے کے ایک گوشے میں ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ میں نے ہڑبڑا کر اس طرف دیکھا تو رگوں میں خون جم کر رہ گیا۔

جبرن کا مقدس مگر خبیث فطرت مانیتی وہاں موجود تھا۔

اس کمرے میں داخل ہونے کا ہر راستہ مسدود تھا' لیکن وہ پراسرار بڈھا نہ جانے کس طرح وہاں آ گھسنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اپنی چندھیائی ہوئی نظریں تیزی کے ساتھ بار بار جھپکا رہا تھا اور اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر زہر میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"مانیتی کے منہ آنے والوں پر خود ان کا مقدر آنسو بہاتا ہے۔" وہ طنز میں ڈوبی فاتحانہ آواز میں بولا۔ "دیکھ لو' مانیتی سچ کہتا تھا' آج جبل کی زمین پر خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے اور تم اپنے انجام سے ڈر کر یہاں گھناؤنی سازشیں کر رہے ہو۔"

میں اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"تو یقیناً کوئی بدروح ہے مانیتی۔" افراہیم کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔ "نجانے تو فصیل سے گزر کر کس طرح اس بند کمرے میں پہنچا ہے' ہم انسانوں کو شکست دے سکتے ہیں' لیکن بدروحوں سے لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں۔"

مانیتی آہستہ سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں عجب انانیت رچی ہوئی تھی۔ "مانیتی اب خوابوں میں بھی تمہیں بدروح بن کر نظر آئے گا۔ اس جنگ میں شکست جبل والوں کا مقدر قرار پا چکی ہے۔ تم نے حسین کو میری غلامی سے چھین کر میرے قہر کو دعوت دی ہے۔ جبل کی یہ بستی تاراج اور ویران کر دی جائے گی' تمہاری عورتیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح صحرا میں ہنکائی جائیں گی اور تمہارے مرد زندہ درگور کر دیئے جائیں گے۔ ان صحراؤں میں ہر طرف مانیتی کی حکمرانی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ مقفل دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ خود بخود کھل گیا۔

ماننی آسودہ اور مطمئن انداز میں دروازے سے گزر گیا۔ اس کے جاتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اور اس کے قدموں کی مدھم سی چاپ فوراً ہی کہیں معدوم ہو گئی۔

ہم دونوں کئی ثانیوں تک خالی الذہنی اور دہشت کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے اور پھر افراہیم دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

"تیرا آقا بدروح ہے حسین..... جبل والوں کے دن پورے ہو چکے' وہ پوری بستی کو روند ڈالے گا۔" افراہیم میرے بدن کو جھنجھوڑتے ہوئے ہذیانی آواز میں بولا۔

اس کا بدن حرارت سے دہک رہا تھا جیسے اسے تیز بخار چڑھ آیا ہو۔ "یہ ششش..... شاید کوئی بھیانک خواب تھا افراہیم؟" میں نے طویل سکوت کے بعد چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا۔ "ہمارا وہم ہمیں ڈرا رہا ہے' ماننی ہم جیسا انسان ہے' بھلا بند دروازوں اور دیواروں سے گزرنا کیسے ممکن ہے۔"

"نکلو۔ یہاں سے باہر نکلو۔" افراہیم بے اختیار میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس حویلی سے ڈر لگ رہا ہے' یہ سردار کے مرتے ہی آسیب زدہ ہو گئی ہے۔"

ہم نے تیزی کے ساتھ دروازہ کھولا اور راہداری میں نکل آئے نکاسی کی سمت کے سارے راستے بدستور بند تھے' ہم ایک ایک کر کے کنڈیاں کھولتے بالآخر باہر آ ہی گئے۔

کھلے آسمان کے نیچے آ کر ہم نے اطمینان کے گہرے سانس لئے۔

جبل کی فضائیں ابھی تک خونیں نعروں سے کانپ رہی تھیں' رات کی سیاہی میں فصیلوں کی جانب آتشیں گولے اڑتے نظر آ رہے تھے۔ شاید دونوں فریق اسی رات جنگ کا فیصلہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اب تیروں کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے پر آتشیں گولے بھی پھینک رہے تھے۔

"جنگ عروج پر ہے۔" افراہیم ایک طرف گھورتے ہوئے بولا۔ "نہ جانے یہ رات کتنی جانوں کی بھینٹ لے کر ٹلے گی۔"

"آؤ۔ اپنے آدمیوں کی خبر لو۔ اگر دشمن فصیلوں سے دور ہے تو دروازے کھول کر اس پر میدان ہی میں ٹوٹ پڑو' یہ رات ڈھلنے سے پہلے فیصلہ ہو جائے تو اچھا ہے۔" میں نے فضا میں اڑتے ہوئے آگ کے گولوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ آؤ۔"

پھر ہم دونوں تیزی کے ساتھ محاذ کی طرف چل پڑے سردار کا خوبصورت رتھ اس کی حویلی کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا۔ ہم ہانپتے' کانپتے فصیلوں تک پہنچے تو کسی نے ہم پر توجہ نہیں دی۔ وہاں ہر ایک کے سر پر خون سوار تھا۔ ان کے جوش و خروش کا یہ عالم بہت حوصلہ افزا تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ باہر والوں کے حوصلے اب پست پڑتے جا رہے ہیں۔ یہاں پہنچ کر یہ بھی انکشاف ہوا کہ آگ کے گولے جبل والے اپنے دشمنوں پر پھینک رہے ہیں' دوسری جانب سے بدستور تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ ہم فصیل پر چڑھے تو مسرت سے دل بلیوں اچھل پڑا۔ حملہ آور فصیل کے باہر بہت دور ہٹ چکے تھے۔ میدان میں جا بجا لاشوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ کئی زندہ اونٹ شعلوں میں لپٹے بلبلاتے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اس ناکافی روشنی میں وہ میدان دشمن کی لاشوں اور زخمیوں سے پٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"دروازے کھول دو اور باہر نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑو۔" اچانک افراہیم کی جوشیلی آواز گونجی۔ محاذ پر پہنچتے ہی اس کا سارا خوف کافور ہو چکا تھا۔

فصیل پر چند ثانیوں کے لئے اس حکم سے افراتفری پھیل گئی۔ پھر نیچے سے فصیل کے آہنی دروازوں کے زنگ آلود قبضوں کا تیز شور سنائی دیا اور جبل کے جری جوانوں کا ایک سیلاب اس فصیل کے باہر پھیلے ہوئے میدان میں امڈ پڑا۔

جب حملہ آوروں نے یہ رنگ دیکھا تو وہ بھی اپنے اونٹوں کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھاتے چلے آئے اور پھر تیر کمان کی جگہ نیزے چمکنے لگے۔ لوہا انسانی خون میں ڈوب ڈوب کر اپنی دھار چمکانے لگا۔ حملہ آوروں کی سیاہ نقابوں کے باعث [illegible] جلتی روشنی میں بھی جبل والوں کے لیے اپنے دشمنوں کو پہچاننے میں دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

جبل والوں کا جوش اپنے عروج پر تھا اور وہ گاجر مولی کی طرح حریفوں کو ڈھیر کر رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ صبح کا اجالا پھیلنے سے قبل ہی اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اس قدر گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی' لیکن مجھے حیرت تھی کہ حملہ آوروں کا سردار کس طرح محفوظ ہے۔ وہاں کسی بھی سوار کے گرد ہجوم نہیں تھا جس کے باعث جوبا کا سراغ پانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

جبل والوں نے اپنے دشمنوں کو فصیل سے دور ہی روکا ہوا تھا۔ وہ جھلا جھلا کر آگے

بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور نیزوں کی نوک پر بے رحمی کے ساتھ پیچھے بھگا دیئے جاتے تھے۔

آخر کار میدان میں گنتی کے چند سیاہ پوش سوار باقی رہ گئے حملہ آوروں کے بے شمار اونٹ آوارہ ہو کر بلبلاتے ہوئے جبل میں گھس آئے تھے جنہیں شہر میں موجود عورتوں نے پکڑ لیا تھا۔

میدان میں بمشکل دس بارہ حملہ آور باقی رہ گئے تھے اور وہ بڑی مہارت کے ساتھ خود کو جبل والوں کے نرغے سے بچائے لڑ رہے تھے۔ ان کا جان توڑ انداز بتا رہا تھا کہ ان کا سردار اب بھی ان کے درمیان ہی موجود ہے۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ سینکڑوں کی نفری کے سامنے وہ چند جیالے زیادہ دیر تک مزاحمت نہ کر سکیں گے اور مار لئے جائیں گے۔ عین اسی وقت رات کے ہولناک اندھیرے میں ایک جانب سے کوئی دبلا پتلا شتر سوار آندھی اور طوفان کی رفتار سے میدان جنگ کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔

وہ چند ثانیوں کے لئے روشنی میں آیا تو میں اسے پہچان کر کانپ اٹھا۔ وہ جبرن کا پراسرار اور خبیث بوڑھا مانیی تھا جو کسی سوکھے ہوئے استخوانی ڈھانچے کی طرح اونٹ پر سوار تھا۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک نیزہ بلند کیا ہوا تھا' جس کی نوک پر کوئی کھوپڑی نظر آ رہی تھی۔

"یہ دیکھو۔ یہ وہی بڈھا ہے۔" افراہیم نے میری پسلیوں میں اپنی کہنی مارتے ہوئے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"جبل والو!" اسی وقت فضا میں مانیی کی آواز کسی بدروح کی پکار کی طرح گونجی۔ "ہتھیار پھینک دو' ورنہ تم کو نحوستیں چاٹ جائیں گی' تمہارا سردار مارا گیا' تم یہ جنگ ہار چکے ہو' دیکھو اس نیزے کی نوک پر تمہارے سردار کا سر ہے جس نے چند روز پہلے ایک منحوس غلام کے لئے اپنی بستی میں صحراؤں کے شہنشاہ مانیی کو بے آبرو کیا تھا۔ مانیی کا رواں رواں انتقام کا پیاسا ہے۔ آج جبل کے بچے بچے سے' بستی کے در و دیوار سے اس کا انتقام لیا جائے گا۔"

اس کی آواز صحرا میں دور دور تک گونج رہی تھی۔ جبل والوں پر ایک دم سکتہ سا

طاری ہونے لگا اور پھر میں نے میدان جنگ میں وہ عبرتناک منظر دیکھا۔

جبل کے جیتے ہوئے کئی سو جوان جبرن کے گیارہ نفوس کے سامنے اپنے ہتھیار زمین پر ڈال رہے تھے۔ وہ قوت میں ضرور برتر تھے' لیکن صحرائی روایات کے مطابق وہ جنگ ہار چکے تھے' ان کے سردار کا سر نیزے پر بلند کیا جا چکا تھا۔

مانیی نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میدان جنگ کا ایک چکر لگایا اور وہاں پر بوجھل اور غیر فطری سناٹا چھا گیا۔ اپنے گیارہ آدمیوں کو رسمی کارروائیوں میں مصروف چھوڑ کر وہ شیطانی قہقہے لگاتا شہر کی فصیل کی طرف واپس لوٹا۔

"اپنے سپہ سالار کو تلاش کرو اور اس کی بوٹیاں نوچ ڈالو۔ بھیانک شکست کا یہ عذاب اسی کا لایا ہوا ہے' تمہارا سردار بہت دیر پہلے مارا جا چکا تھا لیکن اس نے تمہیں دھوکے میں رکھ کر ہم سے جنگ میں مصروف رکھا۔ نوچ لو اس کا بدن... نکال لو اس کی آنکھیں..... یہ جیتے ہوئے مانیی کا حکم ہے اور تم پر اس کی تعمیل واجب ہے۔"

مانیی نے راستے میں سے ہی چیخ چیخ کر حکم دیا اور فصیل پر ہمارے نزدیک موجود عورتیں اور بوڑھے اندھے ہو کر افراہیم پر ٹوٹ پڑے۔

افراہیم کی چیخوں نے میری روح تک کو لرزا کر رکھ دیا۔ لیکن میں کچھ نہ کر سکا۔ میں جانتا تھا کہ اب مانیی مجھے پکڑ لے گا' اس سے قبل کہ وہ اپنے شکاری کتوں جیسے کھوجی میرے پیچھے چھوڑتا میرے لئے جبل سے فرار بہتر تھا۔

مانیی تیزی کے ساتھ فصیل کی جانب اڑا چلا آ رہا تھا۔ میں نے افراہیم کے بے رحمانہ قتل میں مصروف لوگوں کو ایک نظر دیکھا اور فصیل سے نیچے دوڑتا چلا گیا۔

نیچے زخمی اونٹوں کے درمیان سے میں نے ایک صحت مند اونٹ تلاش کیا اور بجلی کی سی سرعت سے اس پر سوار ہو کر اسے ایک طرف دوڑا دیا۔ وہ اونٹ میرا اشارہ پاتے ہی بھڑک کر یوں بھاگا' جیسے موت اس کے تعاقب میں ہو۔

"میرا غلام.... میرا سرکش غلام جبل میں موجود ہے' میں اس کی بو سونگھ رہا ہوں۔" مجھے مانیی کی دیوانہ وار آوازیں سنائی دیں۔ "آج پھر وہ میرے قبضے میں ہو گا' اس کی زندگی اور اس کا مقدر اب مانیی کی مرضی کے تابع ہے۔"

مانیی کے پہنچنے سے قبل ہی میرا اونٹ فصیل کو عبور کر گیا اور میں نے بغیر سوچے سمجھے

اسے جنوبی راستے پر ڈال دیا۔ صحرا کی خنک رات اب سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی۔ نمناک فضا میں انسانی خون کی نشہ آور بو کا بوجھل پن نمایاں تھا اور میں اپنے مستقبل سے بے پرواہ اپنے اونٹ کو پوری رفتار سے اندھیرے صحرا میں دوڑائے جا رہا تھا۔ میرے ذہن پر بس ایک ہی دہشت سوار تھی کہ کسی طرح خود کو مانینی کی بے رحم گرفت سے بچا سکوں۔

ابھی میں تھوڑی دور ہی نکلا تھا کہ مانینی کی چیخیں سنائی دیں۔

"حسین۔۔۔ تو بچ کر کہیں نہ جا سکے گا' یہ بے رحم صحرا تجھے نگل جائے گا۔" وہ پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔ "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تو جبل سے فرار ہو رہا ہے' لیکن تو زندہ رہا تو مانینی کے چنگل سے نجات نہ پا سکے گا' واپس لوٹ آ اسی میں تیری بہتری ہے۔"

میں جھک کر اونٹ کی گردن سے لپٹ گیا' اس کی نکیل بالکل ڈھیلی چھوڑ دی اور وہ ہمک کر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ذرا ہی دیر میں میرے پیچھے مہیب سناٹا گونجنے لگا۔ جبل کی شکست خوردہ بستی سے ابھرنے والا شور بہت دور رہ گیا تھا۔

میں نے کان لگا کر غور کیا تو مجھے وہم ہوا کہ کافی فاصلے سے کئی شتر سوار میرے پیچھے لگے آ رہے ہیں۔ میں بے چین ہو کر سیدھا ہو گیا۔ پلٹ کر پیچھے نظر ڈالی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ صحرا کی بے کراں وسعتیں ظلمات میں نہائی ہوئی تھیں اور اس جگر شگاف تاریکی میں دور دور تک کسی ذی روح کا پتہ نہیں تھا۔

میرا خیال تھا کہ رات اب اپنے آخری سانسوں پر ہے' تھوڑی ہی دیر میں صبح کی سفیدی طلوع ہو گی اور پھر صحرا میں جھلسا دینے والی ہواؤں کا خونیں رقص شروع ہو جائے گا۔ میں تنہا اور بے سرو سامان تھا۔ میرے پاس نہ کھانے کے لئے کچھ تھا نہ پیاس بجھانے کے لئے پانی کی ایک بوند تھی۔ مجھے ہر قیمت پر سورج بلند ہونے سے قبل کوئی پناہ گاہ تلاش کرنی تھی' ورنہ میں مانینی سے بچ کر اس سے زیادہ ہولناک مصائب کا شکار ہو جاتا۔

پچھلے کئی دن بعد اس وقت پہلی بار میں نے جذبات کی پوری شدت سے طوبیہ کو یاد کیا۔ میری محبوب بنت نیل' جو صحرائی قزاق مانینی کی قیدی تھی' بے بسی اور مایوسی کے ان لمحات میں اس کا تصور بے حد جاں فزا تھا۔

اس کی یاد میں کھو کر میں کچھ دیر کے لئے بھول گیا کہ میں کہاں ہوں اور کس مصیبت میں گرفتار ہوں۔ میرا اونٹ ہی اپنی مرضی سے مجھے ایک طرف اڑائے لئے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد مجھے فضا میں کانسی کی بے شمار گھنٹیوں کا دھیما دھیما ترنم بہتا سنائی دیا۔ روح کی گہرائیوں میں اثر کرنے والا وہ سیلاب آسمان کی رفعتوں سے گونجتا محسوس ہو رہا تھا جیسے آسمانوں پر حکمرانی کرنے والی مقدس اور پاکیزہ روحوں نے خوشی سے سرشار ہو کر نغموں کے ساز چھیڑ دیئے ہوں' وہ شور' وہ لاہوتی آہنگ' دھیمے دھیمے مجھ پر بے خودی طاری کرتا رہا' آہستہ آہستہ میں یہ بھولنے لگا کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں' میرے پپوٹے خمار کے لذت بخش احساس سے آنکھوں پر جھکے پڑ رہے تھے اور دل پر سرور کی کیفیت طاری ہوئی جا رہی تھی۔

آہستہ آہستہ موسیقی کا وہ غیر مرئی ترنم اتنا تیز ہو گیا کہ مجھے کائنات کے ہر ذرے اور اپنے جسم کے ہر روئیں سے وہی آواز ابھرتی سنائی دینے لگی۔ "یہ شور کیسا ہے؟ یہ کس کی آمد کا غلغلہ ہے؟" میں نے اسی عالم میں اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوچا۔

"مجھے پہچانو!" مجھے اپنے سامنے ایک دھندلایا ہوا مگر حسین چہرہ نظر آیا' جیسے کوئی خوبصورت سی لڑکی کہر کی اوٹ میں مسکرا رہی ہو۔"

"یہ کون ہے..... آواز تو جانی پہچانی سی لگتی ہے۔" میں نے اس کی آواز سن کر عجیب سی بے چینی محسوس کی۔

"لو۔۔۔ اب پہچانو۔" اس چہرے پر چھائی ہوئی دھند قدرے سمٹ گئی۔

"پتہ نہیں۔۔۔ تم کون ہو؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

وہ آہستہ سے ہنسی۔ اس کی مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔

پھر وہ دھیمے دھیمے آگے بڑھی اور میں چونک پڑا۔ وہی خوبرو خد و خال' وہی پر جلال مسکراہٹ' وہی شاہانہ قامت۔ اس کے سر پر رکھے ہوئے طلائی تاج میں سے آوارہ زلفیں اس کی پیشانی اور رخساروں پر جھول رہی تھیں۔ وہ اپنے ڈھیلے ڈھالے شاہانہ لبادے میں فضا میں تیرتی ہوئی میری طرف آئی اور میرے قریب بیٹھ گئی۔ میرے سینے سے لگ کر۔

"طوبیہ..... تم کہاں ہو' میں تمہارے فراق کی آگ میں جل رہا ہوں' میری روح پر عجیب سی تشنگی چھائی رہتی ہے۔" میں نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

مانینی کی قید میرا مقدر ہے۔ جبل سے واپسی پر وہ بہت غضب ناک تھا' جوبا مرضی نہ ہونے کے باوجود اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا' مانینی جبل پر فوج کشی کر کے تم کو حاصل

کرنا چاہتا تھا' لیکن تم تو نکل آئے ہو۔" وہ مدھر آواز میں بولی۔

"نکل آیا ہوں طوسیہ۔" میں اس کے گلابی ہونٹوں کی مٹھاس چراتے ہوئے بولا۔ "لیکن تمہاری نجات تک میں ان بے رحم صحراؤں کا ایک بھٹکا ہوا مسافر ہوں۔ مانتی ہر قیمت پر میرا پیچھا کرے گا اور میں اس سے ڈرتا ہوں۔ اس کی چندھیائی ہوئی آنکھیں اور اس کی تحکمانہ آواز مجھے مفلوج کر دیتی ہے۔ وہ بوڑھا میرے اعصاب پر سوار ہے۔"

"تم تھکے ہوئے ہو۔ میری آغوش میں سو جاؤ۔ ابھرنے والا سورج شاید تمہارے لئے امید کا کوئی پیغام لے کر طلوع ہو۔" اس نے میرا سر اپنی گود میں چھپاتے ہوئے کہا۔

فضا میں گونجتی ہوئی موسیقی نے اچانک اپنا آہنگ بدل دیا' اس میں تندی کے بجائے سرور بخش دھیما پن سرایت کر گیا اور میرے بدن کے رویں رویں میں گدگدی ہونے لگی۔ دماغ پر فرحت چھانے لگی اور میں نے بے اختیار اپنی آنکھیں موند لیں۔

پھر وہ آوازیں' موسیقی کا وہ خمار آفریں سیلاب بار بار ڈوبتا اور ابھرتا رہا۔ میں دنیا سے بیگانہ ہو کر اس طلسم میں بھٹکتا رہا۔

یہ کیفیت مجھ پر کب تک طاری رہی' مجھے اس کا علم نہیں۔ وہ آنکھوں میں چبھن کا احساس تھا جس کے باعث میری آنکھ کھل گئی۔

حواس بحال ہوتے ہی مجھے ہلکے ہلکے ہچکولوں کا احساس ہوا' سامنے مشرقی افق سے سورج ابھر رہا تھا اور اس کی کرنوں کی روشنی میں صحرا کے سینے پر چمکتے ہوئے آہنی ستون نظر آ رہے تھے۔ یہ سب دیکھتے ہی مجھے صورت حال کا اندازہ ہو گیا۔ میں ابھی تک اپنے اونٹ پر سوار تھا اور میرے سو جانے کے باوجود وہ وفادار جانور مجھے کسی آئل فیلڈ پر لے آیا تھا میں نے اونٹ کی نکیل تھامتے ہوئے گزرے ہوئے تجربات کے بارے میں سوچا۔ نہ جانے طوسیہ واقعی میرے پاس آئی تھی اور مجھے سلا کر چلی گئی تھی یا میں نے وہ سارے واقعات عالم خواب میں دیکھے تھے۔ میں یہ فیصلہ نہ کر سکا۔

فضا میں بھی خوشگوار سی نمی کا رچاؤ باقی تھا۔ صحرا میں زندگی گزارنے والوں کے لئے ایسے لمحات بڑے حسین اور یادگار ہوا کرتے ہیں اور میرے لئے تو بالخصوص وہ لمحات یادگار تھے۔ میں بے یار و مددگار بھٹکنے کے بجائے خود بخود ایک پناہ گاہ تک آ پہنچا تھا۔

سحر طلوع ہو جانے کے باوجود اس آئل فیلڈ پر خواب ناک سکوت چھایا ہوا تھا۔ اونچے

اونچے آہنی ٹاوروں پر رات میں جلنے والی روشنیاں ابھی تک گل نہیں کی گئی تھیں۔ تیل' ریت اور سیاہی میں نہائی ہوئی دیوہیکل مشینیں جا بجا یوں خاموش کھڑی ہوئی تھیں جیسے کائنات کی بے ثباتی کے ابدی فلسفے پر غور کر رہی ہوں' اس آبادی میں کسی جگہ چلنے والے ڈیزل جنریٹر کا ہلکا شور فضا کے سینے میں دھمک پیدا کر رہا تھا۔ میرا اونٹ آئل فیلڈ میں داخل ہوا تو ہر طرف خار دار تاروں کی باڑھ لگی نظر آئی۔ مجھے فیلڈ کے عقب میں سیمنٹ کی چادروں سے بنے ہوئے خوبصورت بنگلوں پر مشتمل آبادی نظر آ رہی تھی اور میں جلد از جلد وہاں پہنچنے کے لئے بے تاب تھا۔

کچھ دیر تک بھٹکنے کے بعد میں ایک ورکشاپ کے شیڈ کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اونٹ کی ہمک سن کر اندر سے ایک سفید فام باہر نکلا۔ اس کے بدن کی سفید کھال صحرائی دوپہر کی تمازت سے جھلس کر تانبے جیسی ہو چکی تھی۔ اس کے بدن پر خاکی رنگ کا صرف نیکر موجود تھا اور سر پر بڑے چھجے والی تنکوں کی ہیٹ لاپرواہیانہ انداز میں جمی ہوئی تھی۔

وہ پست قامت اور قدرے فربہی مائل گورا چند ثانیوں تک متحیرانہ انداز میں مجھے گھورتا رہا۔ میں نے ہاتھ کی جنبش سے اسے تعظیم دی اور وہ رسمی انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ میں نے اپنا اونٹ اس کے قریب لے جا کر روک دیا۔

"کیف حالک؟" اس نے اجنبی لہجے میں میری مزاج پرسی کی اور مجھے یہ جان کر دلی سکون ہوا کہ وہ ٹوٹی پھوٹی عربی جانتا ہے۔

"میں پناہ چاہتا ہوں.... کیا یہ بستی مجھے قبول کر لے گی؟" میں نے اپنے اونٹ سے نیچے اترتے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

"تم کہاں سے آ رہے ہو؟" اس نے کسی فوری خیال کے تحت چونک کر پوچھا۔

"میں جبل سے آ رہا ہوں۔ میری بستی کو صحرائی قزاقوں نے لوٹ کر تاراج کر دیا ہے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلا ہوں۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس جانور کو کھلا چھوڑ دو اور میرے ساتھ آؤ' اگر تم بے سہارا رہ گئے ہو تو میں تمہیں آئل فیلڈ پر چھوٹا موٹا کام دلا دوں گا۔ میں یہاں ڈیزل فورمین ہوں۔ برجر میرا نام ہے۔"

"شکریہ.... میں تمہارا بہت ممنون ہوں!" میں نے احسان مندی کے دلی جذبات کے

ساتھ کہا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔

"اس فیلڈ پر تمہیں کوئی بھی مقامی نہیں ملے گا۔" اس نے آبادی کی طرف جاتے ہوئے بات چھیڑی۔ "یہ بات شاید تمہیں ناگوار گزرے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ادھر والے عام طور پر کند ذہن اور کام چور ہوتے ہیں اور ذرا سی بھی بات ناپسند ہو تو کام بگاڑنے کی گھات میں لگ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کا سارا اسٹاف غیر ملکی ہے۔"

"پھر تم مجھے کیسے کام دلاؤ گے؟" میں نے برجر سے دریافت کیا۔

"فیلڈ منیجر شاید تمہیں مر کر بھی قبول نہیں کرے گا۔ وہ اپنے اصولوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ یہاں کوئی تمہیں گھریلو ملازم بھی نہیں رکھے گا کیونکہ پرانے ملازم اس بات کو ناپسند کریں گے۔ ہاں ہماری فیلڈ اکاؤنٹنٹ کا اردلی بیمار ہو کر رخصت پر گیا ہوا ہے جب تک وہ واپس نہیں آ جاتا تم مس سلوانا کے ساتھ کام کر سکتے ہو۔ وہاں تمہیں گھر کے بعض کام بھی کرنے ہوں گے۔" برجر نے پوری ایمانداری کے ساتھ ساری تفصیلات بتا دیں۔

"میں ہر کام کے لئے تیار ہوں۔۔۔ بس مجھے کچھ دن کے لئے آرام چاہئے' اس کے بعد میں پھر صحرا میں نکل جاؤں گا۔ اس آئل فیلڈ پر ویسے بھی میری زندگی بے مقصد گی۔" میں نے مضمحل آواز میں کہا۔

برجر راستے بھر مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ وہ بہت کھلے دل کا انسان تھا اور بہت زیادہ باتیں کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ کالونی پہنچنے تک مجھے اس کی زبانی فیلڈ کے بیشتر ملازمین کے عادات و اطوار کا علم ہو چکا تھا۔

ایک خوبصورت بنگلے پر رک کر برجر نے اونچی آواز میں مس سلوانا کو آواز دی۔ چند ثانیوں کے بعد ایک بے حد حسین لڑکی شب خوابی کا گاؤن پہنتی ہوئی باہر آ گئی۔

"ہیلو برجر۔۔۔ کیا حال ہیں؟" اس نے دور ہی سے سریلی آواز میں کہا۔

برجر نے انگریزی میں اسے میرے بارے میں کچھ بتانا شروع کیا۔ پہلے تو وہ مجھے سرسری طور پر نظرانداز کر گئی تھی لیکن برجر کے تعارف کرانے پر اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور میں پھریری لے کر رہ گیا۔ اس کی جھیل جیسی گہرائی لئے ہوئے بھوری آنکھیں بہت زیادہ متجسس تھیں۔ ان کی چمک میں ناقابل بیان کشش تھی' ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مسکرا کر مجھے اپنے قریب ہونے کی دعوت دے رہی ہو۔

اپنے اس خیال پر میں نے فوراً ہی خود پر لعنت بھیجی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں کسی لڑکی کو اتنے قریب سے دیکھ سکا تھا اور پھر اپنی ہونے والی مالکن کے بارے میں گندے خیالات کا شکار ہونے لگا تھا۔

پھر مس سلوانا ہم دونوں کو اندر لے گئی۔ باہر آنے سے قبل شاید وہ اپنی خواب گاہ میں شراب سے شغل کرتی رہی تھی کیونکہ ہمیں ایک کمرے میں بٹھا کر وہ اندر گئی اور شراب کی بوتل ساتھ لئے واپس آ گئی اس کے پیچھے ہی سفید رنگ کا ایک خوبصورت سا کتا ہانپتا ہوا آیا تھا۔

"مس سلوانا تمہیں اردلی رکھنے پر راضی ہو گئی ہیں۔ جاؤ تم گھر کا جائزہ لے لو' ہم ذرا کچھ دیر باتیں کریں گے۔" برجر نے مجھ سے کہا۔

میں جھجکتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔

سلوانا خاصی باذوق لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بنگلے میں تین کمرے تھے اور ان میں آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ جس سے اس کے ذوق کا اندازہ ہوتا تھا۔

مجھے ابھی تک ایک بات کی پریشانی لاحق تھی کہ کہیں مانیٹی میری بو سونگھتا ہوا اس آئل فیلڈ تک نہ آ پہنچے۔ اس کے بارے میں مجھے اب تک جتنے تجربات ہوئے تھے وہ سب ہی بے حد تلخ اور ڈراؤنے تھے اس وجہ سے میں کبھی بھی اس کے خوف سے چھٹکارا نہ پا سکا تھا۔

جب میں پورے گھر کا چکر لگا کر واپس آیا تو برجر مس سلوانا کے قریب ہی بیٹھا شراب پی رہا تھا۔

"گھر پسند آیا تم کو؟" برجر نے قہقہہ لگاتے ہوئے دریافت کیا۔ "آپ کی مہربانی ہے۔۔۔ یہ گھر تو جنت معلوم ہوتا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"سنو۔۔۔ مس سلوانا روز صبح نو بجے دفتر جاتی ہیں' تمہیں ان کا ناشتہ تیار کر کے میز پر لگانا ہو گا۔ پھر تم ان کے ساتھ دفتر جایا کرو گے۔ آج بورنگ مشین میں خرابی کی وجہ سے فیلڈ پر کام بند ہے ورنہ اتوار کو چھٹی ہوتی ہے۔ اس دن تم چاہو تو اپنے ذاتی کام نمٹا سکتے ہو۔" برجر نے مجھے میری ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

برجر کچھ دیر بیٹھ کر وہاں سے واپس چلا گیا۔

سلوانا نے کچھ دیر تک میری طرف گھورتے رہنے کے بعد شراب سے دونوں پیالے لبریز کئے اور مجھے ایک جام اٹھانے کا اشارہ کیا۔ میں جبرین میں کئی بار کھجوروں کی دیسی شراب پی چکا تھا اس لئے قدرے پس و پیش کے ساتھ وہ پیانہ خالی کر دیا۔

سلوانا نے بوتل اٹھائی اور میرے برابر میں آ گئی۔ وہ بڑی پرشوق نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی فرمائش پر میں نے یکے بعد دیگرے چھ پیگ خالی کر دیئے۔ اس دوران میں وہ اپنا پہلا ہی گلاس پیتی رہی۔

وہ شراب عجیب شراب تھی۔ اس کا نشہ آہستہ آہستہ اعصاب پر سوار ہو رہا تھا' میری کنپٹیوں میں انگارے چیخ رہے تھے اور نگاہوں کے سامنے روشن دائرے رقص کر رہے تھے۔

"تم بہت خوبصورت ہو مسی۔" میں نے کچھ دیر بعد نشے کی ترنگ میں سلوانا کے بالوں کو چھوتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

وہ زیر لب کچھ کہہ کر میرے قریب سرک آئی۔

"صحرا میں گرمی ہوتی ہے مسی!" میرا حوصلہ بڑھنے لگا۔ "گھر میں لباس کے بغیر رہا کرو' ورنہ بدن پر آبلے پڑ جائیں گے۔"

وہ شاید تھوڑی بہت عربی جانتی تھی کیونکہ میری بات پر اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے اپنا جام فضا میں لہرا کر میرے گال سے چھوا اور پھر مجھ سے بالکل چپک گئی۔

یہ تجربہ میرے لئے بالکل ہی انوکھا تھا۔ اول تو نشے کا سرور اور پھر اس سراپا قیامت کا قرب' میرے لئے سانس تک لینا دوبھر ہو گیا۔

میں ایک دو سیکنڈ تک تو بالکل اس طرح ہکا بکا رہا جیسے کسی نے بے خیالی میں مجھے ٹھنڈے پانی کے گہرے تالاب میں غوطہ دے دیا ہو۔ پھر اس نے جام فرش پر رکھ کر بڑے دلربایانہ انداز میں میرے رخسار پر ہلکی سی چٹکی لی اور میں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

سلوانا ہلکی سی سسکاری بھر کر میری گود میں آ گری۔

اس کا کتا جو ابھی تک بڑے غور سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ سلوانا کو میری بانہوں میں گرا دیکھ کر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔

میں نے سہم کر اپنے دونوں پیر صوفے پر رکھ لئے۔ اس کتے کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں نے اس کی مالکن سے ہاتھ نہ ہٹایا تو وہ بے دریغ مجھ پر حملہ کر دے گا۔

"شٹ اپ میکسی۔" میری سینے پر بہکتے ہوئے سلوانا کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی لیکن اس کتے پر کوئی اثر نہ ہوا۔

سلوانا نے آہستہ سے انگڑائی لے کر اپنے بدن سے گاؤن ڈھلکا دیا اور باریک لباس کے پیچھے چھلکتا ہوا نقرئی بدن بے حجاب نظر آنے لگا۔ میں نے بھڑکتے ہوئے جذبات سے بے قابو ہو کر جوں ہی سلوانا کے لبوں کی حرارت چرانی چاہی وہ خونخوار کتا غرا کر لپکا۔ میرے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ کتا میرے بجائے سلوانا پر حملہ آور ہوا اور اس کی پنڈلی اپنے بھیانک جبڑے میں دبوچ لی۔

سلوانا تکلیف اور دہشت سے بری طرح چیخنے لگی۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے اسے چھوڑ کر دور ہٹ گیا۔

وہ کتا غضب ناک انداز میں سلوانا کی ٹانگیں ادھیڑے جا رہا تھا اور وہ بری طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر مدد کے لئے چلا رہی تھی۔

میں نے جب فرش پر خون کی دھاریں بہتی دیکھیں تو میرا نشہ ہرن ہو گیا۔ میں نے فوراً ہی ایک کرسی اٹھائی اور اس موذی کتے پر وار کرنے کے لئے لپکا۔ لیکن وہ کتا بے حد پھرتیلا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے بدن میں کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہو۔ وہ میرا ارادہ بھانپتے ہی سلوانا کی پنڈلی چھوڑ کر اچھلا اور اپنے دہشت ناک جبڑے میں اس کا گلا دبوچ لیا۔ سلوانا کے حلق سے چند بھیانک چیخیں نکلیں اور پھر وہ خرخراہٹ میں بدل گئیں اور اس کا پورا بدن بری طرح تڑپنے لگا۔

صورت حال کی یہ تبدیلی اس قدر غیر متوقع اور اچانک تھی کہ کرسی میرے ہاتھ میں ہی رہ گئی اور سلوانا کی چیخیں سن کر پڑوس کے لوگ سلوانا کے مکان کے دروازے پر دستک دینے لگے۔

میں کرسی فرش پر پھینک کر دروازے کی طرف بھاگا لیکن اس وقت تک آنے والے دروازہ توڑ کر اندر گھس چکے تھے۔

"کیا ہوا۔۔۔ چیخیں کیسی تھیں؟" آنے والوں میں برجر سب سے آگے تھا اور وہ کا
زیادہ گھبرایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ تھوڑی ہی دیر قبل برجر نے
مجھے سلوانا کے پاس ملازم رکھوایا تھا جبکہ وہ میرے ماضی اور کردار سے بالکل ناواقف تھا
سلوانا کی چیخیں سن کر فطری طور پر اس کے ذہن میں سب سے پہلے اسی شبہ نے سر ابھارا
گا کہ میں نے اس پر دست درازی کی کوشش کی ہے۔

"کتے نے مسی پر حملہ کر دیا ہے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اتنا سنتے
وہ سب مجھے دھکیل کر اندر گھستے چلے گئے۔

اس اثنا میں سلوانا کی آوازیں یکسر معدوم ہو چکی تھیں اور اندر سے شیشے کا سامان ٹو
کی آوازیں ابھر رہی تھیں' جو شاید کتے کی اچھل کود کا نتیجہ تھیں۔

آئل فیلڈ کے ملازمین کے تعاقب میں جب میں اس کمرے میں پہنچا تو سلوانا کی خ
میں نہائی اور ادھڑی ہوئی لاش صوفے کے قریب فرش پر اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ اس
شب خوابی کا لباس بری طرح تار تار ہو چکا تھا۔ وہ سب اسے گھیرے ہوئے کھڑے تھے
وہیں سلوانا کا کتا رحم انگیز آوازیں نکالتا فرش پر تڑپ رہا تھا اس کے منہ سے خون کی دھا
بہہ رہی تھیں اور فرش پر شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔

وہ کتا بار بار سر اٹھا کر بے بسی سے اپنی مالکن کے مردہ جسم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شا
ہی اس کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح اس تک پہنچ جائے لیکن بے سود۔ معلوم ہوتا تھا
کتے نے اپنی مالکن کو غصے میں ہلاک تو کر دیا لیکن خود بھی شیشے کی کرچیں چبا ڈالیں۔

مجھ پر نظر پڑتے ہی برجر خونخوار تیوروں کے ساتھ تیر کی طرح میری جانب آیا۔ م
بوکھلا کر کئی قدم پیچھے سرکتا چلا گیا۔

"یہ سب کیسے ہوا؟" اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اس طرح مجھ سے سوال
جیسے اس کی دانست میں سلوانا کی ہلاکت کی تمام تر ذمہ داری میری ہے۔

"مسی مجھ سے بات کر رہی تھیں کہ کتے نے اچانک ان کی پنڈلی دبوچ لی۔" میں
ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

برجر نے تیز نظروں سے مجھے گھورا پھر بڑھ کر میرا گریبان پکڑ لیا اور تیز جھٹکے کے س
مجھے اپنی طرف کھینچ کر ایک دو گہرے گہرے سانس لئے اور پھر اس کا ہاتھ چل گیا۔

"بکواس کرتا ہے۔ تیرے بدن سے اٹھنے والی خوشبوؤں کی مہک بتا رہی ہے کہ تو نے
سلوانا کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔ یہ خوشبو پوری فیلڈ کالونی میں اس کے سوا کوئی استعمال
نہیں کرتا تھا۔"

باقی لوگ غالباً برجر کی بات تو نہ سمجھ سکے لیکن اس کا انداز دیکھ کر صورت حال خاصی
حد تک سمجھ گئے۔

"تم کالے لوگ احسان فراموش ہوتے ہو' میں نے تجھ پر رحم کھایا اور تو نے پہلی
مہلت میں اس لڑکی پر ہاتھ ڈال دیا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میکسی کس وقت مشتعل
ہو سکتا ہے۔ اس زمین پر تیرا سایہ پڑتے ہی سارا سکون درہم برہم ہو گیا۔ تو نے سلوانا کو
قتل کیا ہے' تو اس کا قاتل ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے مجھ پر لاتوں
اور تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی۔

پھر یک بیک وہاں موجود لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ سلوانا کا وہ کمرہ پہلے ہی
آنے والوں سے بھر چکا تھا' لیکن پھر بھی مزید عورت مرد وہاں چلے آ رہے تھے۔

ان میں سے دو تین عورتوں نے سلوانا کی لاش دیکھتے ہی دہشت زدہ ہو کر رونا شروع کر
دیا۔ باقی لوگ یا تو انہیں خاموش کرانے میں مصروف تھے یا تبصرے کر رہے تھے۔

برجر کافی دیر تک پوری قوت سے مجھے پیٹتا رہا اور میں مزاحمت کی ناکام کوشش کرتا
رہا۔ اس کے دو تین تھپڑوں نے میرے جبڑوں کے جوڑ ہلا دیئے اور میرے ہونٹ دانتوں
کے درمیان کٹ کر بری طرح لہولہان ہو گئے۔ لیکن برجر کے ہاتھ نہ رکے۔ یوں معلوم ہوتا
تھا جیسے وہ مجھے ختم کئے بغیر دم نہ لے گا۔

غصے اور انتقام کے جذبے اپنی جگہ لیکن برجر بھی بنیادی طور پر انسان ہی تھا' تھوڑی دیر
میں کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح زور زور سے ہانپنے لگا۔ وہاں موجود لوگوں میں سے ایک
آدھ کو برجر پر رحم آیا اور وہ اسے پکڑ کر ایک طرف لے گئے۔

میں مجرموں کی طرح اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر فرش پر بیٹھ گیا۔

آئل فیلڈ میں آتے ہوئے میں دو ہیلی کاپٹر دیکھ چکا تھا اور اب مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ
ہیلی کاپٹر کے ذریعے کسی قریبی چوکی سے پولیس طلب کریں گے اور میں قتل کے الزام میں
بازپرس کے ہولناک مصائب میں مبتلا کر دیا جاؤں گا۔

ابھی میں ان مایوس کن حالات پر غور کر ہی رہا تھا کہ باہر سے ایک جانی پہچانی' کر
اور سرد آواز گونجی اور میرا دل بیٹھنے لگا۔

"سنو سفید چمڑی والو!" باہر کوئی اونچی اور تحکمانہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اس صح
بستی پر نحوست کے سیاہ سائے منڈلا رہے ہیں۔ ایک بستی کو خون کا غسل دے کر اجاڑ
والا' بے گناہ اور معصوم بن کر دھوکے سے تمہارے درمیان آ چھپا ہے اور شاید زخمی ہے
مانیئی اس کے زندہ خون کی بو سونگھ رہا ہے۔ یاد رکھو۔ وہ اس بستی میں بھی خون خ
کرائے گا' تمہاری عورتیں بے آبرو ہوں گی اور بچے اپنے باپوں کے سائے سے محروم
جائیں گے۔۔۔ وہ ہمارا مجرم ہے۔۔۔۔ لاؤ اسے ہمارے حوالے کر دو۔"

وہ آواز ابھرتے ہی وہاں موجود لوگوں کی سرگوشیاں دم توڑ چکی تھیں۔ وہ تحیر زدہ ا
خوف آمیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

وہ ہولناک آواز رکتے ہی برجر نے خونخوار نظروں سے میری جانب دیکھا اور اپنی
سے اٹھ کر اونچی آواز میں بولا۔ "تم جو کوئی بھی ہو۔ اندر آ سکتے ہو۔ تمہارا خونیں مجرم اپ
لاش سمیت یہاں موجود ہے۔"

باہر کئی آدمیوں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میں آنے والے واقعات کے
تن بہ تقدیر ہو گیا۔

سلوانا کے مکان کے باہر کئی آدمیوں کے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر وہ آہٹیں
مکان کے اندر بڑھنے لگیں۔ سلوانا کی خوف آور لاش کمرے کے فرش پر پڑی ہوئی تھی اس
کے بے جان بدن کے قریب ہی اس کا کتا ٹیکسی زندگی کی ہر رمق سے محروم بے حس و
حرکت پڑا ہوا تھا۔

کچھ نئے لوگوں کی آمد کی خبر نے ان لوگوں میں عجیب سی سنسنی پھیلا دی تھی جو اس
وقت سلوانا کے مکان پر موجود تھے۔ خوفزدہ عورتوں کے رونے کی آوازیں اب دبی دبی
سسکیوں میں بدل چکی تھیں۔ وہاں موجود سب لوگ انتہائی نفرت اور حقارت بھری نگاہوں
سے مجھے دیکھ رہے تھے جیسے میں ان گوری چمڑی والوں کے لئے کوئی اچھوت ہوں۔ برجر کی
قہربار نگاہیں مجھ پر اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے اس کو غافل پاتے ہی میں وہاں سے بھاگ
نکلوں گا۔

اور میں ان سب کے درمیان اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا جیسے میں نے ہی سلوانا کو
قتل کیا ہو۔ ان لوگوں کے رویئے نے مجھے سخت گھٹن اور ذہنی آزار میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور
اس پر مستزاد' باہر سے آنے والی مانوس اور تحکمانہ آواز تھی۔

وہ یقیناً مانیئی ہی کی آواز تھی۔ شاید وہ میری بو کے سہارے صحرا کے سینے کو روندتا
اپنے کچھ رفیقوں سمیت اس آئل فیلڈ تک آ پہنچا تھا۔ اس نے باہر سے جس انداز میں
مخاطب کر کے میری نحوست اور سیاہ کاری کا افسانہ تراشا تھا۔ اس سے آئل فیلڈ پر رہنے
والے تقریباً سب ہی لوگ متاثر نظر آ رہے تھے۔ گو برجر کے سوا ان میں سے کوئی بھی شاید
مانیئی کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ لیکن اس ملعون کا لہجہ ہمیشہ ہی لوگوں پر اثر انداز ہوتا تھا۔

مانیئی کی آواز سن کر میں حد سے زیادہ مضطرب اور ہراساں ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس
بار مجھ پر قابو پانے کے بعد مانیئی مجھے اذیتوں کے جہنم میں دھکیل دے گا۔ شاید اپنی پراسرار

قوتوں کے سہارے وہ جان چکا تھا کہ جبل میں لڑے جانے والی جنگ نے میری تجویز پر طول کھینچا تھا اور اگر مانیئی جبل کے سردار کی موت کے اعلان میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو جبرین کے رہے سہے دس بارہ آدمی بھی جبل کی فصیلوں سے باہر مار لئے جاتے۔

میری نگاہ دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ قدموں کی آہٹیں ہتھوڑوں کی اذیت ناک گونج کی طرح میرے ذہن پر دھمک رہی تھیں اور پھر صحراؤں کی وہ بدروح سامنے آ گئی۔

اس وقت فتح اور کامرانی کے نشے میں سرشار مانیئی کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ ناقابل شکست اعتماد کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں میں آئل فیلڈ والوں کے نرغے میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ صحرائی قزاقوں کا سردار جوبا اور دو غلام بھی چلے آ رہے تھے۔ قوی ہیکل جوبا کا ستا ہوا چہرہ اس وقت بہت بھیانک لگ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی تیر رہی تھی۔

"ہمیں اندر بلانے والا کون ہے؟" بوڑھے مانیئی نے مجمع سے چند قدم دور رکتے ہوئے اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں کو طائرانہ انداز میں گردش دیتے ہوئے سوال کیا۔

"تم کون ہو؟" برجر مجمع کے وسط سے نکلتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی زبان میں بولا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مانیئی سے مرعوب ہو چکا ہے۔

"میں ان صحراؤں کا کیڑا ہوں۔" مانیئی پرغرور لہجے میں بولا۔ "اور اس شخص کا آقا بھی جو مجھ سے فرار ہو کر تمہارے درمیان آ چھپا ہے.... کہاں ہے وہ؟ اسے میرے سامنے کرو۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور ہاں۔ کیا یہاں کوئی خون ہوا ہے؟ میں یہاں زندگی کی حرارت سے محروم انسانی اور حیوانی خون کی بو سونگھ رہا ہوں۔ حسین۔ شاید زخمی تو ہوا ہے لیکن ابھی زندہ ہے۔ وہ مانیئی سے دور رہ کر آسانی کے ساتھ مر بھی نہ سکے گا۔"

"حسین!" برجر نے گردن گھما کر مجھے آواز دی اور میں شکست خوردہ انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تیرا چہرہ واقعی لہولہان ہے۔" مانیئی نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ "بدنصیبی تیرا تعاقب کر رہی ہے حسین۔ تو مانیئی سے فرار ہو کر کہیں بھی سکھی نہ رہ سکے گا۔ تو دیکھ چکا ہے کہ اس صحرا میں مانیئی سے فرار ناممکن ہے۔"

"یہ کون ہے؟" برجر نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد مانیئی سے مخاطب ہو کر میرے بارے میں دریافت کیا۔

"یہ میرا غلام ہے۔" مانیئی نے بزرگانہ اور مرعوب کن آواز میں کہنا شروع کیا۔ "اس کی پیشانی پر منحوس ستاروں کا سایہ ہے اور یہ جہاں بھی جاتا ہے ذلت و رسوائی اور قتل و خون ساتھ لے کر جاتا ہے۔ میں اسے انسانوں سے دور رکھتا ہوں۔ لیکن یہ مجھے ظالم سمجھتا ہے اور بار بار مجھ سے فرار ہونے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ سنو اس کی وجہ سے یہاں جو بھی خرابی پیدا ہوئی ہے۔ اس پر میں تم سے معافی چاہتا ہوں ذرا یہ تو بتاؤ یہاں کون مارا گیا؟"

"ایک خوبصورت کنواری۔" برجر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تمہارا غلام کچھ دیر پہلے بدحال اور پریشان اس آئل فیلڈ پر پہنچا تھا۔ اس نے اپنی مظلومیت کی جو کہانی سنائی اس سے متاثر ہو کر میں نے اسے سلوانا کے پاس ملازم رکھوا دیا۔ آج آئل فیلڈ کے دو بڑے ڈیزل انجن خراب ہیں اس لئے سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں تھے۔ تمہارے غلام نے تنہائی پاتے ہی حسین و جمیل سلوانا پر حملہ کر دیا۔ اس نے اپنی آبرو بچانے کے لئے مزاحمت کی تو حسین نے بے رحمی سے اسے ہلاک کر دیا۔ سلوانا کے کتے نے بھی اس غلام کے شیطانی اثر میں آ کر اپنی مالکہ کا نازک بدن ادھیڑ ڈالا۔ اور جب وہ مرگئی تو اس کتے نے بھی کرب و اندوہ کے عالم میں خودکشی کر لی۔"

مانیئی نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ "ہاں۔ یہ آوارہ مزاج تو ہے۔ لیکن سنو۔ میں مرنے والی کو زندہ تو نہیں کر سکتا لیکن تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس بستی میں بہت سی خوبصورت کنیزیں پہنچا دوں گا ان کے بدن کا ایک ایک بال تمہاری ملکیت ہو گا۔ تم جیسے چاہو انہیں استعمال کر سکو گے۔ لیکن حسین کو میرے حوالے کر دو۔"

مانیئی کی پیش کش سنتے ہی برجر کی آنکھوں میں ہوسناک چمک کوندنے لگی۔ اور مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ مانیئی بلا کا مردم شناس ہے وہ پہلی نظر میں ہی عیاش برجر کے مزاج سے واقف ہو چکا تھا۔ اور مجھے حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک ایسی پیش کش کر ڈالی کہ اب برجر کے لئے انکار مشکل ہو کر رہ گیا تھا۔

برجر نے پلٹ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ لوگ پوری طرح اسی کی جانب متوجہ تھے۔ برجر نے کسی نامانوس زبان میں ان سب سے چند فقرے کہے اور پھر مانیئی کو آنکھ

سے باہر نکل چلنے کا اشارہ کیا۔

جوبا نے بڑھ کر مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اور پھر میں ان لوگوں کے ہمراہ سلوانا کے مکان سے باہر آئل فیلڈ پر نکل آیا۔ برجر ہمارے ہمراہ تھا۔ ہمارے باہر نکلتے ہی سلوانا کے مکان میں اچانک سرگوشیوں کا تیز شور شروع ہو گیا۔

برجر، مجھ سمیت مانینی اور اس کے آدمیوں کو لئے ہوئے سلوانا کے مکان سے کچھ فاصلے پر بنے ہوئے ایک انجن شیڈ کے نیچے آیا جہاں ہر طرف بیکراں سکوت چھایا ہوا تھا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو میرے دوست؟" مانینی نے وہاں رکنے کے بعد دانستہ بنتے ہوئے برجر سے سوال کیا۔

"تمہاری پیش کش مجھے یہاں تک لائی ہے۔" برجر ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔

"تو تمہیں یہ سودا منظور ہے؟" مانینی نے سپاٹ لہجہ میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن تم لوگ کنیزیں میرے حوالے کرنے کے بعد ہی اپنے اس غلام کو یہاں سے لے جاسکو گے۔" برجر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"یہ بے اعتمادی ہے۔" جوبا نے پہلی بار احتجاجی لہجے میں زبان کھولی۔

"ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔" برجر نے جوبا سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"میری یہ شرط کوئی عجیب شرط نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کنیزیں ملتے ہی تمہارا غلام تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"لیکن تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے وہ کنیزیں تمہاری ہی ملکیت ہوں گی۔ کیا تم اس بستی کے سب سے معزز فرد ہو۔" مانینی کے لہجے میں تجسس نمایاں تھا۔

"اس وقت یہی سمجھ لو۔" برجر جلدی سے بولا۔ "اس کالونی میں ویسے تو فیلڈ منیجر کا حکم چلتا ہے۔ لیکن میں سلوانا سے بہت قریب تھا اس لئے اس معاملے میں میری ہی بات مانی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ کنیزیں یہاں پہنچا دی جائیں گی۔" مانینی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر اس خبیث بڈھے کی جانب دیکھا۔ مجھے اس کے لہجے میں مکاری کی بو محسوس ہوئی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ نیک نیت نہیں ہے۔ بلکہ برجر کو کسی چکر میں

پھانسنا چاہتا ہے۔

"نہیں نہیں۔" برجر جلدی سے بولا۔ "اس کالونی میں کسی کو ہمارے معاہدے کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے۔ یہ سب بات میرے اور تمہارے آدمیوں کے مابین ہی رہنی چاہئے۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟" جوبا نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"سنو! سلوانا کی موت کے بعد اب اس فیلڈ کی زندگی میرے لئے پھیکی اور بے مقصد ہو کر رہ گئی ہے۔ میں یہاں سے اپنا تبادلہ کرا لوں گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کنیزیں کب تک یہاں آ سکتی ہیں؟" برجر پوری طرح مانینی کے جال میں پھنستا جا رہا تھا۔ محض کنیزوں کی خاطر وہ کالونی والوں کو دھوکا دے کر مجھے مانینی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا۔

"تین دن کافی ہوں گے۔" مانینی نے جوبا سے مخاطب ہو کر تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں۔" جوبا نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" برجر پرجوش آواز میں بولا۔ "ہمارا یہ سودا ام خلق کی بستی میں طے پائے گا۔ میں حسین سمیت وہاں پہنچ جاؤں گا تم کنیزیں لے آنا۔"

"یعنی تم وہ کنیزیں لے کر ادھر واپس نہیں آؤ گے؟" مانینی نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔" برجر کھل کر بات کر رہا تھا۔ "میں آج ہی اپنے تبادلے کے احکام جاری کرا لوں گا۔ اور پھر ام خلق میں سودا پورا ہونے کے بعد وطن کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ وہاں ہر ایک یہی سمجھے گا کہ میں کنیزیں خرید کر لایا ہوں۔ یہ میرا پورا منصوبہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" مانینی نے آسودہ انداز میں سر کو جنبش دیکر کہا۔ "میں بوڑھا آدمی ہوں۔ طویل اور تیز صحرائی سفر میرے لئے مشکلات پیدا کر دے گا۔ میرے تمام آدمی تمہارے لئے چھ کنیزیں لینے چلے جائیں گے۔ مگر میں یہیں ٹھہروں گا اور تمہارے ساتھ ہی ام خلق جاؤں گا۔ سودا پورا ہونے کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہوں گے۔ یہ طریقہ تمہیں منظور رہے گا۔"

"تمہاری وجہ سے مجھے دشواری ہو گی۔" برجر سوچتے ہوئے بولا۔ "سلوانا کے قتل کے بعد کالونی والے شاید ہی کسی اور مقامی کو بستی میں رکھنے پر آمادہ ہو سکیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔" مانینی جلدی سے بولا۔ "کسی کو ہوا بھی نہ لگے گی۔ میں تمہارے مکان میں چھپا رہوں گا۔"

میرا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر برجر کو خبیث مانیٹی سے دور رہنے کی ہدایت کروں کیونکہ میں کسی حد تک اس بوڑھے کو سمجھنے لگا تھا۔ اس نے اپنی کہن سالی اور کمزوری کو طویل صحرائی سفر کا بہانہ بنایا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ یہ سب فریب ہے۔ مانیٹی کے جسم میں شیطانی قوتوں کا مسکن تھا وہ بغیر کھائے پئے بھی کئی کئی دن تک اونٹ کی پشت پر سفر کر سکتا تھا لیکن میں کچھ نہ کہہ سکا۔ مانیٹی کے سامنے میرے دماغ اور میری زبان پر ناقابل برداشت جمود چھا جاتا تھا اور میں خود کو اس کے سامنے کسی چوہے کی مانند بے بس پاتا تھا۔

"یہ تم جانو۔" برجر' مانیٹی سے کہہ رہا تھا۔ "تم جب تک خود کو کالونی والوں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکتے ہو۔ میرا گھر تمہارے لئے پناہ گاہ ہو گا لیکن کسی بھی وقت یہاں والوں نے تمہاری بو پا کر کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا تو میں کھل کر کہہ دوں گا کہ تم نے میری لاعلمی میں یہاں پناہ لی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" مانیٹی پرجوش لہجے میں بولا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ یہاں سے ام خلف روانہ ہوتے ہوئے تم کس طرح مجھے اپنے ہمراہ لے جاؤ گے؟"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ میرا کام ہے۔" برجر اب پرسکون ہو چکا تھا۔ شاید وہ مانیٹی کو ایک بے بس و مجبور بوڑھا سمجھ رہا تھا جو اس کی دانست میں کسی بھی وقت مسائل پیدا کرنے کا باعث نہیں بن سکتا تھا اور اس کی اسی بھول پر مجھے غصہ آ رہا تھا۔

جوبا کے مشورے پر مانیٹی نے برجر سے علیحدگی میں کچھ باتیں کی اور پھر جوبا اپنے آدمیوں سمیت اسی ڈیزل شیڈ سے واپس لوٹ گیا۔

جب جوبا اور اس کے ہمراہیوں کے مختصر سے کارواں کا اڑایا ہوا غبار فضا میں تحلیل ہو چلا تو برجر کسی خیال کے زیر اثر چونک کر مانیٹی کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں تو صحرائی بوڑھے!" اس کا لہجہ اس بار بھی احترام اور عقیدت کے تاثرات لئے ہوئے تھا۔ اور وہ بار بار گردن اوپر اٹھا کر گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ "اب تو میرے مکان تک کیسے پہنچے گا؟"

مانیٹی آہستگی سے ہنسا۔ اور میں اس کی بے رحمانہ اور سرد ہنسی پر لرز اٹھا۔ مانیٹی آہستہ آہستہ برجر پر حاوی ہونے کے بعد اپنا اصل رنگ دکھا رہا تھا۔

"کبھی تم نے تپتی ہوئی صحرائی دوپہر میں ریت کے فلک بوس بگولوں کا طوفان دیکھا

ہے؟" مانیٹی نے قدرے آگے جھک کر رازدارانہ سرگوشی میں برجر سے پوچھا۔

وہ بے چارہ گھبرا کر کئی قدم پیچھے سرک گیا۔ اور اس کی آنکھوں میں حیرت کے سمندر انگڑائیاں لینے لگے۔ وہ مانیٹی کی اس بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

"جواب دے او گوری چمڑی والے!" مانیٹی اب پوری طرح اس پر حاوی ہو چکا تھا۔

برجر نے غیرارادی طور پر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"تو سن کہ تو بلند آواز میں مانیٹی کا نام لے کر ان صحرائی بگولوں پر پھونک مار دے تو وہ دم توڑ دیں گے' صحرائی آندھیاں مانیٹی کے اشاروں کی غلام ہیں۔" مانیٹی نے اپنے داہنے ہاتھ کی استخوانی انگلیاں برجر کے شانے میں گاڑتے ہوئے کہا۔

"نہ جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔۔۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟" برجر خوف زدہ اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کی آنکھیں تیزی کے ساتھ گردش کر رہی تھیں۔ جیسے اسے فرار کی کسی راہ کی تلاش ہو۔ یا وہ اس ہولناک بوڑھے کے مقابلے میں کسی مددگار کا متلاشی ہو۔

"حسین میرا غلام ہے اور تو مجھ سے کئے ہوئے عہد کا پابند ہے۔" مانیٹی کا لہجہ پراسرار ہو گیا۔ "تو اسے ہمراہ لے کر اب صحرا کے کسی بھی کونے میں چلا جا۔ میں تیری بو سونگھتا ہوا وہاں تک پہنچ جاؤں گا۔ مانیٹی صحرائی آندھیوں کے سینے میں گھس کر سفر کرتا ہے۔ وہ ریت کے ذروں کا حکمران ہے اس سے عہد شکنی والوں کے انجام پر ہوائیں سسکیاں لیتی پھرتی ہیں۔ پہاڑیاں خون کے آنسو رونے لگتی ہیں اور..... اور چھوڑ تو اب اپنے گھر جا۔ تیرے لئے اسی قدر تعارف کافی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا بدن کانپ رہا ہے۔ کہیں مانیٹی کے راز جان کر دہشت سے تیرا کلیجہ نہ شق ہو جائے ---- اور میرے غلام حسین کو ساتھ لے جا۔ آج کی شب میں تیری چھت کے نیچے بسر کروں گا۔"

میں دیکھ رہا تھا کہ اس وقت بستی میں اکا دکا افراد کی آمد و رفت جاری تھی اور شاید ان ہی لوگوں کی وجہ سے مانیٹی نے برجر پر کوئی حربہ استعمال کرنے سے گریز کیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہ بہت خطرناک تیور لئے ہوئے تھا۔

برجر نے تیزی کے ساتھ پلٹ کر میرا ہاتھ تھاما۔ اور پھر ڈیزل شیڈ کے نیچے سے نکل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سلوانا کے مکان کی طرف چل دیا۔

اس وقت سورج مشرقی افق سے بہت اوپر آ چکا تھا۔ لمبے لمبے دھندلائے ہوئے سائے

مختصر ہوتے جا رہے تھے اور سورج کی تیز کرنوں نے فضا میں سخت تمازت بکھیری ہوئی تھی۔
میں اس وقت برہنہ پا تھا۔ جونہی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر آیا بے چین ہو گیا۔
لیکن میں نے برجر کو اپنی دشواری کا احساس نہیں ہونے دیا۔

کچھ ہی دیر بعد ہم ایک بار پھر سلوانا کے مکان کے اس کمرے میں تھے جہاں اس کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہاں موجود لوگ بہت زیادہ بے چینی کے ساتھ برجر کی واپسی کے منتظر تھے۔ مانیتی اور اس کے ہمراہیوں کو برجر کے ہمراہ نہ پا کر بہت سے چہروں پر شدید تحیر کی لہریں دوڑ گئیں۔

برجر نہایت پرسکون انداز میں ان لوگوں کو مانیتی کے بارے میں کوئی کہانی سنانے لگا۔ لوگوں کے چہروں کے بدلتے ہوئے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ برجر کی کہانی سے مطمئن ہیں۔

اسی اثنا میں ایک ادھیڑ عمر اور قوی الجثہ شخص وہاں آ پہنچا۔ سب نے اس کو جس انداز میں تعظیم دی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ان میں کسی بڑے درجے کا مالک ہے۔ میرا قیاس تھا کہ وہی اس آئل فیلڈ کا منیجر ہے۔

کچھ دیر تک لوگوں سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد تیزی سے حالات سنبھال لئے۔ بستی میں رہنے والوں کو وہاں سے روانگی کا اشارہ کرتے ہوئے وہ اپنی ہی نگرانی میں فیلڈ ہسپتال کے عملے سے سلوانا کی لاش اٹھوانے لگا۔ وہ اس حادثہ سے کچھ زیادہ پریشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

سلوانا کے مکان سے نکلتے ہی بے اختیار میری اور برجر کی نگاہیں اس دور افتادہ ڈیزل شیڈ کی طرف اٹھیں جہاں ہم نے مانیتی کو چھوڑا تھا۔ لیکن اس کا اب کہیں پتہ نہیں تھا۔
معاً میری اور برجر کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں نے اس کی آنکھوں میں بسے ہوئے خوف کا راز پا لیا۔۔۔ مانیتی اس وقت بھی بری طرح اس کے اعصاب پر سوار تھا۔
سلوانا کے مکان سے نکل کر لوگ ٹولیوں کی شکل میں بٹ کر بستی کے مختلف حصوں کی طرف جا رہے تھے۔ کئی افراد نے اونچی آواز میں برجر کو مخاطب بھی کرنا چاہا۔ لیکن وہ پلٹ کر دیکھے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

اس وقت اس آئل فیلڈ میں میری حیثیت ایک اخلاق باختہ خونی سے کچھ مختلف نہیں

تھی۔ لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ منیجر یا دوسرے لوگوں نے میرے خلاف قانونی کارروائی کے بجائے مجھے برجر کے حوالے کیوں کر دیا۔ برجر کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ کسی قانونی کارروائی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس صورت میں صرف یہی بات قرین قیاس رہ جاتی تھی کہ برجر مجھے مانیتی کے حوالے کر دینے پر تلا ہوا تھا۔
اور مانیتی میری روح کا عذاب تھا۔ جس روز سے میرا کارواں لوٹا گیا اور میں جبرین کے ایک چرواہے کے گھر پہنچا شاید اسی روز سے مانیتی نے میرے گرد اپنا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ اس بے رحم اور خونخوار درندے نے ہر طرف سائے کی طرح میرا تعاقب کیا تھا اور مجھے مسلسل اپنا قیدی بنائے رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ محض اپنے جدی انتقام کی خاطر۔۔۔ محض طوسیہ کا راز چھپانے کے لئے۔

معاً میرے کانوں میں طالیس کی کربناک چیخوں کی بازگشت گونجی۔ جوبا کا وہ گونگا اور بہرا غلام جس نے میری خاطر، مانیتی کے خلاف، بغاوت اور سازش کی۔ اور پھر وہ درندگی کے ساتھ معذور کر دیا گیا اس کا عبرتناک انجام یاد آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
ابھی تک تو مانیتی مجھے محض اپنی قید میں رکھنے کے لئے کوشاں تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ کسی روز وہ مجھے تنہائی اور بے بسی کے عالم میں روند کر رکھ دے گا۔ اس کی زندگی اور اس کی پراسرار قوتوں کا سرچشمہ میری محبوب طوسیہ کا راز تھا۔ جس دن بھی بنت نیل کی کہانی صحرا کی فضاؤں میں گونجنے لگتی اسی دن مانیتی ذلیل و رسوا ہو کر مارا جاتا۔۔۔ اور میں اس راز سے واقف تھا، اسی راز کی خاطر، مانیتی مدتوں سے محض میرا تعاقب کر رہا تھا ورنہ روئے زمین پر میرا اس سے بڑا دشمن کوئی اور نہیں تھا۔

میں نے وحشت کے عالم میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ وہاں ہر طرف سکون اور ویرانی کا راج تھا۔ فضا میں آتشی لہریں کوند رہی تھیں۔ اور آئل فیلڈ کے تھکے ہوئے لوگ اس مہلت کو غنیمت جان کر اپنے اپنے مسکنوں میں دبکے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور دس پندرہ آدمیوں کی ایک جماعت صحرا کے اس گوشے میں زندگی کی علامت بنی ہوئی کام میں مگن تھی۔

وہ لوگ اس بڑے ڈیزل انجن کی مرمت کر رہے تھے جس کے باعث کنویں کی کھدائی کا کام رکا ہوا تھا۔ اور انہیں اپنی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس تھا۔ جلد ان کی بھی سفید ہی

تھی۔ وہ بھی اس کالونی کے باسی معلوم ہوتے تھے۔ اور شاید سلوانا کی دلدوز موت کی خبر ان
تک بھی پہنچی تھی۔ لیکن اپنے کام کے سامنے ان کے لئے دنیا مختصر ہو چکی تھی۔ مرنے والی
مر چکی تھی۔ اور وہ اس کے رسمی سوگ میں شریک ہو کر آئل فیلڈ کی فضا میں پھیلے ہوئے
غیر فطری سناٹے کو ہیبت نہیں دینا چاہتے تھے ان کی خواہش یہی معلوم ہوتی تھی کہ جلد از
جلد وہ فضا بڑے انجن کے شوراور کرینوں کے آہنی آہنگ سے گونج اٹھے۔

ان کا انہماک میرے لئے دعوت خیز تھا۔ برجر بھی سر جھکائے اپنی پریشان خیال میں جا
چلا جا رہا تھا۔ بے اختیار میرا جی چاہا کہ دبے پاؤں کسی طرف کھسک کر تیل کے ناکارہ ڈرموں
کے ڈھیر میں چھپ جاؤں اور پھر پہل فرصت میں وہاں سے فرار ہو جاؤں تاکہ برجر مجھے
مانینی کے حوالے نہ کر سکے۔

لیکن عین اسی وقت برجر نے محویت سے چونک کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں
میں خوف، بے یقینی اور تذبذب کی ملی جلی کیفیات جھلک رہی تھیں۔ جیسے وہ مجھ سے راز کی
کوئی بات کرنی چاہتا ہو۔ لیکن افشائے راز سے ڈرتا ہو۔

"برجر! میں اب بھی تم کو اپنا محسن مانتا ہوں۔" میں نے اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں کا
خون صحرا کی زرد ریت پر تھوکتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کہے بغیر مسلسل مجھے گھورتا رہا۔

پھر اچانک ہی ایک جانب ریت کا ہلکا سا بھنور اٹھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ناچتے ہوئے
ریتلے ذرات کا ایک فلک بوس مینار صحرا کے سینے پر حرکت میں آ گیا۔

برجر کے چہرے پر جوش کی علامات نمودار ہوئیں۔ اور وہ میرے بجائے اس دھیمے دھیمے
سرکتے ہوئے ریتلے بھنور کو گھورنے لگا۔

پھر کسی فوری خیال کے تحت وہ تیزی سے اس بگولے کی طرف لپکا اور میں نے اسے
مانینی کا نام لے کر اس صحرائی بگولے کی طرف پھونک مارتے دیکھا۔

تحیر سے میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں جب میں نے دیکھا کہ وہ بگولہ
ایک دم خاک نشین ہو چکا ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں کبھی کوئی بگولہ نہ رہا ہو۔

"وہ بہروپ ہے..... وہ بدروح ہے۔" برجر ہذیانی آواز میں زور زور سے بڑبڑاتا ہوا
میری طرف آیا۔ اور اپنی سرخ سرخ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر میری راہ میں حائل ہو

گیا۔

اس کے وحشت ناک تیوروں نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔ میں گھبرا کر پیچھے سرکا۔ لیکن
برجر نے اچھل کر میری گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی۔ اور میری مدافعت سے پہلے ہی
مجھے ریت پر گرا کر میرے سینے پر سوار ہو گیا۔ میری گردن ابھی تک اس کے ہاتھوں میں دبی
ہوئی تھی۔

"قسم اس چیز کی جسے تو پوجتا ہے بتا وہ بڈھا کون ہے۔ وہ کہاں سے آیا تھا؟" اس نے
گھبرائی ہوئی اور دہشت زدہ آواز میں یہ کہتے ہوئے، میری گردن پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھا
دیا۔

برجر کی اس حرکت نے مجھے سراسیمہ کر دیا۔ اس کی اس حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ
اس وقت اپنے آپ میں نہیں ہے۔ اور میرا گلا گھونٹتے ہوئے اسے ذرا بھی تردد نہ ہو گا۔

"وہ کون ہے کوئی نہیں جانتا۔" میں اپنی گردن اس کی بے رحمانہ گرفت سے چھڑانے
کی کوشش کرتے ہوئے بدقت کہہ سکا۔

"لیکن تم دونوں ایک دوسرے کو خوب جانتے ہو۔" برجر کی آواز پر یک بیک مردنی چھا
گئی۔

"میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ مدتوں سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے وہ بہت خبیث ہے۔
مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بہت کچھ بتاؤں گا۔" میں نے اس کی گرفت
سے نکلنے کی جدوجہد کرتے ہوئے کہا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں مجھے چھوڑ کر اٹھ گیا۔

برجر اس وقت ذہنی طور پر جس مرحلے میں تھا وہ میرے لئے بہت کار آمد تھا۔ میں مانینی
کی دہشت سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنے ساتھ ملا سکتا تھا۔

برجر کے مکان پر پہنچنے تک ہم دونوں خاموش ہی رہے۔

وہ بستی کے دوسری مکانات سے الگ تھلگ ایک مختصر سا چوبی بنگلہ تھا۔ جو کیمپ کے
جنوبی سرے پر ایک سرچ لائٹ کے بلند آہنی مینار کے پہلو میں بنا ہوا تھا۔

مختصر سے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پہنچ کر برجر نے نہایت ندیدے پن سے شراب کے
کئی جام اپنے حلق میں انڈیلے۔ اور پھر کمرے کے دروازوں اور کھڑکیوں کو اندر سے مقفل

کرنے لگا۔

اس کام سے نمٹ کر وہ ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ "اب دیکھتا ہوں کہ وہ حرامزادہ کیسے یہ رات میری چھت کے نیچے بسر کرتا ہے۔"

اس کا لہجہ خاصا پُراعتماد تھا۔ کیونکہ مکان میں داخل ہوتے ہوئے سارے راستے حسب معمول مقفل ملے تھے۔ لیکن میں ابھی تک مطمئن نہیں تھا۔ مجھے یاد تھا کہ جبل کے سردار کی حویلی مقفل ہونے کے باوجود۔ مانیٹی نہایت اطمینان سے وہاں آ کر لوٹ گیا تھا۔

اسی وقت مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ برجر اپنا مکان اتنی دور ہونے کے باوجود سلوانا کی چیخوں پر اتنی جلدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔ اور آخر میں نے یہ سوال پوچھ ہی ڈالا۔

"انتھونی اس پلاٹ پر مرمت وغیرہ کا انچارج ہے۔ اس کا مکان سلوانا کے گھر سے ملحق ہے۔ میں وہاں یہ پوچھنے رک گیا تھا کہ انجن کی خرابی کب تک دور ہو سکے گی۔ فیلڈ پر چار دن سے اسی طرح موت کا سناٹا چھایا ہوا ہے۔" برجر نے خالی الذہنی کے عالم میں جواب دیا۔

پھر برجر کا خوف تشویش میں بدلنے لگا اور وہ مجھ سے مانیٹی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

جب میں نے اسے بتایا کہ مانیٹی کسی صحرائی بستی کا مقدس پروہت ہے تو برجر اچھل پڑا۔ جیسے اسے اپنے مطلب کی بات معلوم ہو گئی ہو۔

"یہ بات طے ہے کہ وہ آدمی ہی ہے۔۔۔ اب میں صورت دیکھتے ہی اس سور کے بچے کو ہلاک کر دوں گا۔۔ اور سن اب میں تجھے اس کے حوالے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

وہ غصیلی اور پرجوش آواز میں بولا۔

اس کے ارادے کا اظہار سن کر فرط مسرت سے میرا دل بلیوں اچھل پڑا اور میں بے اختیار اس کے گلے سے لپٹ گیا۔

"نہیں برجر۔۔۔ تو مجھ سے بدعہدی نہیں کر سکے گا۔" اچانک اس کمرے میں مانیٹی کی سرد، پرسکون اور بے رحمانہ آواز گونجی۔

میرے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ برجر بھی اس طرح اچھل کر مجھ سے الگ ہوا جیسے اس نے بے خیالی میں ننگا برقی تار چھو لیا ہو۔

مانیٹی ایک الماری کے برابر میں کھڑا ہوا تیزی کے ساتھ بار بار اپنی چندھیائی ہوئی آنکھیں بند کر رہا تھا۔ جیسے اسے گھور اندھیرے سے چمکیلی دھوپ میں لا پھینکا گیا ہو۔ اس کا

بدن غصے سے کانپ رہا تھا۔ اور چہرہ تمتماہٹ کے باعث سیاہ پڑا ہوا تھا۔

برجر نے اسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

"میں تجھ سے پہلے یہاں آ چکا تھا۔" مانیٹی کا لہجہ شدید غصے کے باوجود سرد تھا۔ "مانیٹی کی کہی ہوئی ہر بات اٹل ہوتی ہے۔ یاد رکھ کہ تو جب تک ان صحراؤں میں ہے۔ مانیٹی کے ہاتھوں سے نہ بچ سکے گا۔ میں اپنے دشمنوں کو سسکا سسکا کر مارنے میں خاص ملکہ رکھتا ہوں۔"

برجر کچھ نہ بولا۔ وہ مانیٹی کو یوں گھور رہا تھا۔ جیسے کوئی بھیانک خواب اس کا روپ دھار کر نگاہوں کے سامنے آ گیا ہو۔

اس کے بعد مانیٹی نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کے جھریوں دار پپوٹے غیر محسوس طریقے پر بتدریج اوپر اٹھتے گئے اور آخر کار دو ننھے ننھے دہکتے ہوئے الاؤ سامنے آ گئے۔ مانیٹی جسے میں اب تک نیم اندھا سمجھتا رہا تھا بے حد پراسرار اور ہیبت ناک آنکھوں کا مالک تھا۔ اس کی خون کی زندہ سرخی لئے آنکھوں میں چمکتے ہوئے سیاہ ڈھیلے اس کے چہرے کو دہشت ناک بنا رہے تھے۔

پھر نہ جانے کیا ہوا کہ میں تیورا کر فرش پر گر گیا۔ گرتے گرتے میں نے برجر کی غراہٹ سنی۔ وہ کچھ کہتا ہوا مانیٹی کی جانب لپکا تھا۔

جب دوبارہ میری آنکھ کھلی تو برجر کے مکان میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اور فضا وزنی مشینوں کے تیز شور سے لرز رہی تھی۔

کئی منٹ تک میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ میں کہاں ہوں اور کن حالات میں گھرا ہوا ہوں۔ ذہن پر زور دینے کے بعد جب میں سوچنے کے قابل ہوا تو معاً مجھے برجر کا خیال آیا۔ میرے بے ہوش ہونے سے قبل وہ مانیٹی سے الجھ پڑنے کے لئے آگے لپکا تھا۔ اور اب مجھے اس کی جانب سے تشویش ہونی لازمی تھی۔

پہلے میں دم سادھے کمرے میں کسی آہٹ کا منتظر رہا۔ لیکن فضا میں آئل فیلڈ کی بھاری مشینوں کی دھمک کے سوا کوئی نئی آواز نہ سنائی دی۔

پھر میں نے دبی دبی آواز میں برجر کو نام لے کر پکارا۔ لیکن جواب ندارد۔

اس صورت حال نے مجھے سراسیمہ کر دیا۔ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں مانیٹی نے برجر

کو ٹھکانے نہ لگا دیا ہو۔ لیکن اس صورت میں میرا وہاں ہونا بے معنی تھا۔ مانیتی محض مجھے حاصل کرنے کے لئے برجر کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ لہٰذا برجر کو راہ سے ہٹانے کے بعد اسے مجھے وہاں سے نکال لے جانا چاہئے تھا۔ اسی کے ساتھ مجھے خیال آیا کہ مانیتی احمق نہیں ہے برجر کو مار ڈالنے کے بعد وہ کسی قیمت پر مجھے آئل فیلڈ سے باہر نہیں لے جا سکتا تھا۔

برجر کی زندگی کی توقع پیدا ہوتے ہی میں سنبھل کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔

کمرے میں پھیلے ہوئے اندھیرے سے مجھے سخت وحشت ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہاں روشنی کس طرح کی جا سکے گی۔ لہٰذا مجھے مجبوراً تاریکی میں ہی بڑھنا پڑ رہا تھا۔

آگے بڑھتے ہوئے اچانک میرے پیر کسی بدن سے ٹکرائے۔ میں سنبھل کر نیچے بیٹھ گیا اور اس بے حس و حرکت جسم کو ہاتھ سے ٹٹولنے لگا۔

جسمانی ساخت کے اعتبار سے وہ برجر ہی معلوم ہو رہا تھا۔

"برجر --- برجر!" میں نے اس بے ہوش شخص کو تقریباً جھنجھوڑتے ہوئے پرجوش آواز میں پکارا۔

کچھ دیر بعد میری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ اور اس شخص نے کسمسا کر دھیرے سے اپنے بدن کو جنبش دی۔ اور میرا دل بے اختیار تیزی کے ساتھ دھڑک اٹھا۔

کئی مرتبہ تھکے ہوئے انداز میں انگڑائیاں لینے کے بعد وہ شخص مجھے دھکیل کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھتا چلا گیا۔ جیسے اسے کسی کی جانب سے شدید خطرہ لاحق ہو۔ ساتھ ہی وہ بے ربط آواز میں کچھ شور بھی مچا رہا تھا۔ اس کی زبان میرے لئے اجنبی تھی۔ اس لئے میں کچھ نہ سمجھ سکا۔

"برجر! میں حسین ہوں۔" کئی ثانیوں کے بعد میرے حلق سے سہمی ہوئی آواز نکلی۔

جواب میں اس نے ایک گہرا اور پرسکون سانس لیا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ تیرا مردود آقا اب ضرور یہاں آ پہنچا ہے۔"

اس کے لہجے میں اطمینان کے ساتھ ہی خوف بھی نمایاں تھا۔

"روشنی کرو۔ مجھے اندھیرے سے وحشت ہو رہی ہے۔" میں نے اس مرتبہ قدرے

جاندار آواز میں کہا۔

پھر وہاں قدموں کی آہٹ اور پھر سوئچ کا ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ اور کمرہ روشنی میں نہا گیا جس کے باعث میری آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

جب میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو برجر مجھے اپنے سامنے نظر آیا۔ اس کی پیشانی کا داہنا حصہ کافی پھولا ہوا تھا اور خون جم جانے کے باعث جلد پر نیلاہٹ چمک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کند آلے سے اس کی پیشانی پر ضرب لگائی گئی ہو۔

"تم شاید تھوڑی ہی دیر پہلے ہوش میں آئے ہو۔" برجر نے اس قدر سنجیدگی سے کہا کہ مجھے اس کے لہجے میں شبہ کی سی جھلک محسوس ہوئی۔

"تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟" میں نے بلاوجہ مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمہاری آنکھیں سرخ ہیں۔" وہ بدستور سنجیدہ تھا۔ "یہ بتاؤ کہ بیہوش ہونے سے پہلے تمہیں اس کمرے میں مانیتی نظر آیا تھا؟"

"ہاں!" میں نے متحیرانہ لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن تم کیوں یہ سوال پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ وہ خبیث مجھے بھی نظر آیا تھا۔" وہ کھوئی ہوئی آوزا میں بتانے لگا۔ "میں نے مشتعل ہو کر اس پر حملہ کر دیا۔ اور خود پیشانی کے بل فرش پر جا گرا۔ مانیتی اس طرح غائب ہوا جیسے وہ ہوا کا سایہ رہا ہو۔ یا میری نظروں کا واہم ہو۔ لیکم تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اسے دیکھا تھا۔ تو آخر دو آدمیوں کو ایک ساتھ وہم ہونا کیونکر ممکن ہے؟"

میں اتنا تو سمجھ گیا کہ برجر میری طرح مانیتی کی سحر انگیز آنکھوں کا شکار ہو کر بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی پیشانی کی چوٹ خاصی شدید تھی۔ لیکن اس نے مانیتی کے غائب ہونے کی جو کہانی سنائی وہ میرے لئے بالکل نئی اور اجنبی بات تھی۔ مانیتی کے ساتھ میں نے کافی دن گزارے تھے اور کبھی بھی اس کی اس غیرانسانی خاصیت اور قوت کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

"وہ ہم دونوں کے اعصاب پر سوار ہے۔" میں نے اسے تسلی دینے کی نیت سے کہا۔ "دونوں کو ایک ساتھ دھوکا ہونا ناممکن نہیں ہے۔"

"مجھے بہلا رہے ہو؟" وہ تلخ آواز میں بولا۔ اس کی آنکھو ویرانی ناچ رہی تھی۔

"برجر! تم بہت زیادہ پریشان ہو۔" میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"سنو!" برجر میری تشویش کو نظر انداز کرتے ہوئے دبی دبی پرجوش سرگوشی کرنے لگا۔ "سلوانا مرچکی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس قتل میں تم کہاں تک ملوث ہو۔ لیکن تمہارا سزایابی سے سلوانا اب زندہ نہ ہو سکے گی۔ اس کے بغیر آئل فیلڈ کی زندگی میرے لئے بے کیف ہے اور نہ ہی مجھے مانیٹی کی کنیزوں سے دلچسپی ہے۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ وہ تمہیں آئل فیلڈ سے نکالنے کے لئے مجھے آلہ کار بنانا چاہتا ہے۔ وہ بہت بھیانک آدمی ہے۔ میں جلد از جلد اس سے دور نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"تم بہت جلد ساری بات سمجھ گئے۔" میں برجر کے بدلے ہوئے خیالات پر اپنی دلی مسرت کو چھپاتے ہوئے جلدی سے بولا۔ "میں پورے خلوص سے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے سلوانا کو قتل نہیں کیا۔ تنہائی پاتے ہی وہ خود۔"

"بس بس اس کا تذکرہ نہ کرو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں بولا۔ "کتے نے جس طرح اسے مارا ہے میرے لئے وہی کافی تھا۔"

میں سر جھکا کر رہ گیا۔

"فیلڈ کے انجنوں کی مرمت ہو چکی ہے۔" برجر چند لمحوں کے سکوت کے بعد انجنوں پر کان جماتے ہوئے بولا۔ "یہاں عام طور پر رات میں کام نہیں ہوتا۔ لیکن مرمت کے بعد آج رات بھر کام ہو گا۔ فیلڈ پر کئی دنوں سے مہیب سناٹا تھا۔" پھر یک بیک اس کا لہجہ رازدارانہ ہو گیا۔ "اس فیلڈ پر دو ہیلی کاپٹر ہیں۔ ہم دونوں آج رات موقع پاتے ہی یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ تمہیں یاد ہے کہ مانیٹی نے کہا تھا کہ میں جب تک ان صحراؤں میں ہوں۔ وہ میرے پیچھے لگا رہے گا۔ لیکن میں آج ہی صحرا سے دور نکل جاؤں گا۔ اتنی دور کہ مانیٹی مجھ تک نہ پہنچ سکے گا۔ اگر میں کاغذی کارروائیوں اور فیلڈ منیجر کی اجازت کے چکر میں پڑا تو ایک دو دن ضرور لگیں گے۔ اور اب ایک پل بھی صحرا میں نہیں رہنا چاہتا۔۔۔ مجھے یہاں ہر آن مانیٹی کا دھڑکا لگا ہوا ہے۔"

مانیٹی سے بری طرح خوف زدہ ہونے کے باوجود میں اپنی مسرت پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور برجر کے گلے سے لپٹ گیا۔ اس کا یہ پروگرام میرے لئے نئی زندگی کی نوید تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" برجر مجھے الگ ہٹاتے ہوئے بولا۔ "میں ذرا باہر کی سن گن لے کر آتا ہوں۔ نہ جانے وہ لوگ سلوانا کی لاش کا کیا کریں گے؟"

"میں یہاں تنہا رکوں۔" میں نے بوکھلا کر اس سے پوچھا۔

"اس وقت تمہارا کالونی والوں کے سامنے آنا مناسب نہیں۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "کسی کو خیال بھی آ گیا تو تم کیمپ کے گارڈ روم میں بند کر دیئے جاؤ گے اور تمہارا انجام صرف فیلڈ منیجر کی مرضی پر منحصر ہو کر رہ جائے گا۔"

برجر اس وقت لاکھ خوف زدہ اور پراگندہ ذہن رہا ہو لیکن اس نے مجھے نہایت معقول مشورہ دیا تھا۔ موجودہ حالات میں میرا کھلے عام باہر جانا سخت مخدوش تھا بہت ممکن تھا کہ مجھ پر نظر پڑتے ہی کسی کو خیال آ جاتا کہ مجھے برجر کی تحویل سے نکال کر گارڈ روم میں بند کر دیا جائے۔ اور پھر میری پیشانی پر قید' بدنصیبی' تشدد اور بے بسی کی مہر ثبت کر دی جاتی۔

برجر نے آئینے کے سامنے جا کر خود ہی اپنی پیشانی کے زخم کی صفائی کر کے مرہم پٹی کی اور پھر وہاں سے نکل گیا۔ میری درخواست پر اس نے باہر سے جاتے ہوئے دروازہ مقفل نہیں کیا اور اس وقت پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ اب برجر مجھ پر پوری طرح اعتماد کر رہا ہے۔ برجر کے چلے جانے کے بعد میں کافی دیر تک طرح طرح کے پریشان کن اندیشوں میں گھرا اسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ مانیٹی نے وہ رات برجر کی چھت کے نیچے بسر کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تھا۔ اور میں جانتا تھا کہ مانیٹی اپنی بات کو پورا کرنا خوب جانتا ہے۔

رات آ چکی تھی اور مانیٹی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ مجھے ہر آن اس کی آمد کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

آخر کار اپنے بڑھتے ہوئے خوف پر قابو پانے کے لئے میں نے خود کو برجر کے مکان کے جائزے میں مصروف کر لیا۔ تینوں کمروں سے گزر کر میں مختصر سے صحن میں آیا تو ناگاہ میری نظر آہنی ٹاور پر نصب سرچ لائٹ پر پڑی جو فیلڈ کے خاصے بڑے حصے کو روشن کر رہی تھی اور اس سرچ لائٹ کے عقب میں مجھے ایک دھندلا سا انسانی ہیولا نظر آیا جو ڈھیلے ڈھالے لبادے میں ملبوس تھا۔

مجھے بے اختیار اپنی پیاری طوسیہ یاد آ گئی۔ اور عین اسی وقت وہ دھندلا سا انسانی ہیولا سرچ لائٹ والے ٹاور سے کسی ہلکے پھلکے پرندے کی طرح فضا میں تیرتا ہوا میری طرف آنے لگا۔

اس ہیولے کے فضا میں آتے ہی یک بیک میرے کانوں میں کانسی کی بے شمار ننھی

ننھی گھنٹیوں کا جانا پہچانا مترنم شور گونجنے لگا اور مجھ پر وجدانی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میرے رگ و ریشے میں سرور کی ناقابل بیان لہریں انگڑائیاں لینے لگیں۔

میرے اعصاب پر فرط مسرت سے لرزہ سا طاری ہو چکا تھا اور میری متحیر نگاہیں فضا کے دوش پر کسی سبک اندام پرندے کی طرح تیرتے ہوئے تاریک ہیولے پر جمی ہوئی تھیں۔

میں اس وقت بے بسی' خوف اور مایوسی کے کن ہولناک مصائب سے دوچار تھا۔ انہیں ضبط تحریر میں لانا میرے لئے ممکن نہیں ان کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود ایسی صورتحال میں گرفتار ہو چکے ہوں۔ میں اجنبی لوگوں کی آبادی میں محصور تھا۔ میری پیشانی پر ایک خونی کی مہر ثبت تھی اور وہاں والوں کے لئے میری زبان اجنبی تھی۔ دوسری طرف جبرن کا خون آشام بوڑھا میری خاطر جبل کی صحرائی بستی کو تاراج کرنے کے بعد اب یہاں بھی میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ان حالات میں طوسیہ کا نشاط انگیز تصور اور اس کے پراسرار ہیولے کا ظہور میرے لئے تائید غیبی سے کچھ کم نہ تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ ہیولا میری بنت نیل طوسیہ کا ہیولا ہے۔

پھر دھیمے دھیمے وہ ہیولا برجر کے مکان سے چند گز کی بلندی پر فضا میں معلق ہو گیا۔ وہ چہرہ ابھی تک گہری تاریکی کی چادر میں لپٹا ہوا تھا اور مجھ پر عجیب سی سنسنی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی صورت دیکھنے کا تجسس مجھے بے چین کئے دے رہا تھا اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف نگراں تھا۔

معاً میرے کانوں میں گونجتا ہوا لاہوتی ترنم کا سیل رواں ساکت ہو گیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے آسمان کی رفعتوں تک لے جا کر اچانک بے سہارا چھوڑ دیا ہو۔

میری دہشت کو قرار آنے سے قبل ہی فضا میں معلق وہ تاریک ہیولا تیر کی طرح نیچے آیا اور برجر کے مکان کے صحن میں میرے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پڑنے والی روشنی کی پہلی کرن نے میرا دل مسرت سے باغ باغ کر دیا۔ وہ چہرہ میرا جانا پہچانا تھا۔ وہ خد و خال میرے تصور کی معراج تھے۔ ان یاقوتی لبوں کی مسکراہٹ میری خوشیوں کا عرفان تھی۔

"طوسیہ! میری پیاری!" میں نے والہانہ انداز میں دونوں ہاتھ فضا میں اس کی طرف پھیلا کر اسے پکارا۔ لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑی میری طرف دیکھ دیکھ کر آسودہ انداز میں

مسکراتی رہی۔

"آؤ---- میری بانہوں میں آ جاؤ۔" میں نے دوبارہ تشنہ لہجے میں اسے پکارا۔

"نہیں حسین۔" اس کے لبوں کو جنبش ہوئی تو کائنات کے سینے میں سویا ہوا ترنم جاگ اٹھا۔ "میں اس وقت تمہارے قریب نہیں آ سکتی۔ اس وقت میں صرف ایک روح ہوں جسے تم چھو نہیں سکتے۔"

"لیکن میں تو تمہیں دیکھ بھی رہا ہوں۔" میں بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

وہ اٹھلا کر پروقار قدموں کے ساتھ میری جانب بڑھی اور میرے قریب سے یوں گزر گئی جیسے وہ محض سایہ ہو۔ کسی ٹھوس وجود کے بغیر۔

وہ میرے قریب سے گزری تو اجنبی اور تیز خوشبوؤں کا ایک طوفان میرے حواس پر چھا گیا۔ جب وہ ہوا کے لطیف جھونکے کی طرح میرے بدن کو چھوتی گزری تو میں بوکھلا کر پیچھے مڑا۔ اور اسے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا اپنی جانب نگراں پایا۔ اس وقت اس کے لبوں پر غمناک مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"طوسیہ! تم یہاں کہاں بھٹک رہی ہو۔" میں نے اپنے حواس بحال ہوتے ہی اس سے پوچھا۔

"صحرا کی روحیں کبھی ان تپتے ہوئے زرد ریگزاروں سے باہر نہیں جاتیں حسین۔ جب تک میرا گمشدہ جسم مجھے نہیں مل جاتا۔ میں ان ہی وسعتوں میں آوارہ پھرتی رہوں گی۔ مانیتی کی قید نے مجھے مجبور کر کے رکھ دیا ہے وہ مجھے تو بے بس سمجھتا ہے لیکن تمہاری آزادی سے پریشان ہے۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں تم اسے فریب دے کر اس صحرا سے باہر نہ نکل جاؤ۔"

"کیوں---- میرے فرار سے اسے کیا پریشانی لاحق ہے۔" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"یہ مانیتی کا ایک اور راز ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "اس کا طلسم صرف صحرا میں چلتا ہے۔ اگر تم صحرا سے نکل گئے تو مانیتی تمہارے سامنے محض ایک نحیف و نزار بوڑھا ہو کر رہ جائے گا۔ تم میری قید کا راز جان چکے ہو اور اسے ڈر ہے کہ اس کے طلسم سے رہائی پاتے ہی تم مانیتی کے جدی انتقام اور میری قید کی کہانیاں عام کر دو گے اور وہ ذلیل و رسوا ہو

کر مارا جائے گا۔ اس بار وہ جبل سے بری طرح بوکھلا کر تمہاری بو سونگھتا ہوا یہاں تک آیا ہے مجھے یقین ہے کہ اس بار وہ تمہیں بے بس کرتے ہی ٹھکانے لگانے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔ اس کے ارادے نیک نہیں ہیں۔"

میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑتی محسوس کی۔ "اس بار مانیتی میرا سراغ تک نہ پا سکے گا۔ میں نے اس سے نجات پانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ طوسیہ!" میں نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے قدرے مضبوط لہجے میں کہا۔

"مانیتی کسی آوارہ بگولے کی طرح اس آئل فیلڈ میں گھومتا پھر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ذرا بھی موقع ملے تو برجر کو فریب دے کر تمہیں نکال لے جائے۔"

"لیکن تم جانتی ہو کہ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں۔۔۔ اور اسی لئے تمہارے پاس آئی ہوں۔" وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔ "مانیتی تمہاری سرکشی پر اتنا پریشان ہے کہ میری طرف سے غافل ہو گیا ہے۔ میں تو سے جاتے جاتے آخری ملاقات کرنے آئی ہوں۔ نہ جانے صحرا سے نکلنے کے بعد بھی تم مجھے یاد رکھتے ہو یا بھول جاتے ہو۔ میں تمہیں محبت کا پیمان یاد دلانے آئی تھی۔"

اس کی بات پر میں تڑپ اٹھا۔ "تمہاری یاد میرے ہر سانس میں بسی ہوئی ہے طوسیہ۔۔۔ میں ضرور واپس آؤں گا۔ یہ صحرا اب میرے لئے زندگی کی نوید ہیں۔ بنت نیل کا مسکن میری جنت ہے۔"

اسی وقت مکان کے باہر مجھے آہٹ سنائی دی۔ ایک ثانئے کے لئے میری توجہ دوسری جانب مبذول ہوئی اور جب میں واپس پلٹا تو طوسیہ کا وہ دل فریب ہیولا کہیں روپوش ہو چکا تھا۔

میں تشنگی کا احساس لئے اندر پہنچا تو برجر سے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ خاصا بوکھلایا ہوا تھا۔ اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے برجر! تم بہت پریشان ہو۔" میں نے اس سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ وہ بڈھا مستقل میرا پیچھا کرتا رہا ہے۔" برجر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ اس کی بے چین نگاہیں بار بار ادھر ادھر گردش کر رہی تھیں۔

"ہیلی کاپٹر کا کیا ہوا؟"

"ایک کا انجن کچھ خراب ہے اور فیلڈ منیجر نے دوسرے ہیلی کاپٹر سے سلوانا کی لاش کسی قریبی شہر تک بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے جہاں سے اس کی لاش جہاز کے ذریعے وطن لے جائی جا سکے۔ خیر میں تو ہوابازی کا لائسنس رکھتا ہوں۔ سلوانا کی لاش پہنچانے کے بہانے یہاں سے نکل سکتا ہوں۔ لیکن تم یہیں پھنسے رہ جاؤ گے۔ تمہاری نکاسی کی راہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"تم میری مدد کرو۔ تو میں پہلے سے اس ہیلی کاپٹر میں جا چھپوں گا۔" میں نے کہا۔

"ہاں یہ تجویز مناسب ہے۔" برجر کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔

برجر نے اپنے اعصاب کو معمول پر لانے کے لئے شراب کے چند جام اپنے معدے میں انڈیلے پھر ہم دونوں مکان کو یوں ہی کھلا چھوڑ کر باہر نکل آئے۔

صحرائی رات میں رچی ہوئی خنکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنے بدن اور چہرے پر مٹیالے رنگ کی ایک چادر اس طرح ڈال لی تھی کہ پہلی نظر میں دیکھ کر کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔

لوگوں کی نظروں سے بچتے بچاتے ہم طویل چکر کاٹ کر اس نیم تاریک علاقے میں پہنچے جہاں دونوں ہیلی کاپٹر موجود تھے۔

برجر نے چوکنی نگاہوں سے آس پاس کا جائزہ لیا اور پھر بندر کی سی پھرتی سے لٹک کر کھڑکی کے راستے اندر کیبن میں کود گیا۔ اس کے اشارے پر میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

"سنو! یہ کام اب آسان ہو گیا۔" برجر پرجوش آواز میں بولا۔ "اس وقت ہیلی کاپٹر ہمارے قبضے میں ہے۔ اور بڈھا مانیتی بھی لاپتہ ہے۔ ہم ابھی فرار ہو رہے ہیں۔"

"لیکن سلوانا کی لاش کا کیا ہو گا۔" میں نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔ میں صحیح معنوں میں اس بدنصیب لڑکی کے لئے ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔

"یہاں دو زندہ جانوں کی سلامتی کا سوال ہے اور تم ایک لاش کے لئے پریشان ہو۔" برجر پہلی بار غصے میں جھلا کر بولا۔ "اب میرے کان نہ کھاؤ۔ اور خاموشی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

میں نے بے چون و چرا اس کی ہدایت کی تعمیل کی۔

برجر نے فوراً ہی پائلٹ کی سیٹ سنبھالی اور چند دستوں کو گردش دیتے ہی سر پر لگا ہوا

دیوہیکل پنکھا پرشور آواز سے گردش کرنے لگا۔ اسی کے ساتھ برجر نے روشنیاں بھی کھول دیں۔

انجن کا شور گونجتے ہی مجھے کھڑکی سے باہر والے نیم تاریک میدان میں تیزی کے ساتھ روشنی ہوتی نظر آئی اور کئی سمتوں سے بہت سے بوکھلائے ہوئے افراد ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑ پڑے۔

برجر نے ایک لمحہ بھی توقف نہیں کیا اور ہیلی کاپٹر ان لوگوں کے قریب آنے سے قبل ہی ایک تیز جھٹکے کے ساتھ فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔

اچانک ہیلی کاپٹر میں لگے ہوئے آلات پر کسی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دینے لگی۔ زبان اجنبی ہونے کے باعث میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

پھر اچانک زمین سے کئی آتشیں دائرے تیزی کے ساتھ اوپر کی طرف لپکے۔ برجر مجھ سے پیشتر ہی انہیں دیکھ چکا تھا ہیلی کاپٹر ایک ہچکولا کھا کر بائیں طرف جھکتا چلا گیا اور وہ آتشیں دائرے اس سے کافی فاصلے سے گزر گئے۔

"حسین سنبھل کر بیٹھو۔" پنکھڑیوں کے کان پھاڑ دینے والے شور میں برجر پوری قوت سے گلا پھاڑ کر چیخا۔ "وہ حرامزادے فائر کر رہے ہیں۔ مجھے اب ہیلی کاپٹر کو ادھر ادھر ہٹا کر اوپر لے جانا پڑے گا۔ ورنہ کوئی فائر ہمیں زمین کی طرف لے جائے گا۔"

برجر کے ان الفاظ کے بعد ہیلی کاپٹر میں بھونچال آ گیا۔ وہ کسی پتے کی طرح ادھر ادھر جھولتا اوپر اٹھے جا رہا تھا۔ میں بڑی مشکل کے ساتھ اپنی جگہ پر جما ہوا تھا۔ لیکن ہر بدلتے ہوئے زاویئے کے ساتھ مجھے اپنا دل اچھل کر حلق میں آتا محسوس ہو رہا تھا۔

برجر کی جان توڑ کوششوں کے نتیجے میں ہیلی کاپٹر ذرا ہی دیر میں آئل فیلڈ والوں کے فائر کی زد سے صاف نکل آیا۔ اب ہچکولے دم توڑ چکے تھے۔ اور ہیلی کاپٹر تیزی کے ساتھ آئل فیلڈ پر نظر آنے والے روشن نقطوں کو دور چھوڑتا جا رہا تھا۔

"وہ حرام زادے اب اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے کیونکہ دوسرا ہیلی کاپٹر خراب ہے۔" شور میں برجر کی آواز گونجی۔ اس وقت میں نے اس کی آواز میں حوصلہ افزا تازگی محسوس کی۔ "اور وہ ہمارا پیچھا بھی نہیں کر سکیں گے۔ آج کی رات ہم مانینی اور اس کے صحرا سے بہت دور نکل جائیں گے۔"

مانینی کا نام آتے ہی میرا دل کچھ پریشان سا ہو گیا۔ مجھے اب بھی یقین نہیں تھا کہ ہم اتنی آسانی کے ساتھ 'صحرائی بدروح کے شکنجے سے فرار ہو سکیں گے۔"

آئل فیلڈ کی روشنیاں ننھے ننھے نقطوں میں بدل کر آخرکار صحرا پر چھائے ہوئے لامتناہی اندھیرے میں روپوش ہو گئیں جیسے کبھی ان کا وجود رہا ہی نہ ہو۔ ہمارے نیچے تاریکی میں ڈوبا ہوا عظیم صحرا اپنے سکوت میں اسرار کے سمندر سمیٹے پھیلا ہوا تھا۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہیلی کاپٹر کا رخ بدلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ برجر آئل فیلڈ سے اندھا دھند فرار کے بجائے کسی خاص منزل پر پہنچنے کے لئے کوشاں ہے۔

میرے لئے فضائی سفر بالکل اجنبی چیز تھی۔ لہٰذا میں دم سادھے برجر کی جانب سے کسی حوصلہ افزا خبر کا منتظر رہا۔ میں بار بار کبھی اس کی جانب دیکھتا اور کبھی باہر پھیلے ہوئے سیاہ آسمان کو گھورنے لگتا۔ دو تین گھنٹے گزر جانے کے بعد میں نے برجر پر جھلاہٹ چھانے کے آثار دیکھے۔ مختلف آلات کے خانوں سے ابھرنے والی روشنی میں وہ بار بار جھلا کر اونچی آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی ہیلی کاپٹر بھی تیزی کے ساتھ رخ بدل رہا تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ برجر راستہ بھٹک چکا ہے۔ اور اب محض اندازے کی بنا پر صحیح راستہ اختیار کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔

میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ گو مجھے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ راستہ بھٹکنے کی صورت میں ہمارا کیا انجام ہو گا۔ لیکن اتنا معلوم تھا کہ آنے والے حالات سازگار ہرگز نہ ہوں گے۔

ہمیں آئل فیلڈ سے فرار ہوئے تقریباً چار گھنٹے گزر گئے۔ لیکن باہر پھیلی ہوئی ہمہ گیر یکسانیت میں کہیں بھی امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی۔

"حسین!" طویل وقفہ گزر جانے کے بعد برجر نے اونچی اور مایوس آواز میں مجھے پکارا۔

"کیا تم جاگ رہے ہو؟"

"ہاں!" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں مختصر جواب دیا۔

"ہم راستہ بھٹک چکے ہیں۔ تم بھی کھڑکی سے جھانک کر۔ کہیں روشنی یا آبادی کے آثار تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"ہم اس وقت کہاں ہیں؟" میں نے نیم مردہ لہجے میں دریافت کیا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اب ہم زیادہ دیر فضا میں نہ رہ سکیں گے۔ ایندھن جواب دیتا جا رہا ہے۔"

میں بوکھلائے ہوئے انداز میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں روشنی تلاش کرنے لگا۔

ہمیں صحرا میں بھٹکتے کافی دیر گزر گئی لیکن کہیں امید افزا آثار نظر نہیں آئے۔ آخرکار برجر بھی سخت مایوس ہو گیا۔ وہ بار بار ایندھن کا جائزہ لے کر مجھے بتا رہا تھا کہ اب ہم مزید کتنی دیر تک فضا میں پرواز کر سکیں گے۔

"اب ٹنکی بالکل خالی ہونے والی ہے۔ ہم نیچے نہ اترے تو چند منٹ بعد ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہو جائے گا۔ ہماری بدنصیبی یہاں بھی رنگ دکھا رہی ہے۔ تم سنبھل کر بیٹھو۔ میں ہیلی کاپٹر کو نیچے اتارنے جا رہا ہوں۔" برجر کی نیم دلانہ آواز پر میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

برجر کے ہاتھوں نے جنبش کی اور پھر ہیلی کاپٹر نیچے اترنے لگا۔ تیز روشنی میں صحرا کا پرسکون سینہ ہمیں خوش آمدید کہنے کے لئے پوری طرح وا تھا۔

آخری اور ہلکے جھٹکے کے ساتھ ہیلی کاپٹر زمین سے لگ گیا اور اسی کے ساتھ ہی اس کا انجن ایک تھکی ہوئی ہچکی لے کر بند ہو گیا۔

تیز شور میں کئی گھنٹے گزارنے کے بعد وہ مہیب سناٹا بہت زیادہ غیر فطری معلوم ہو رہا تھا۔ اور میں اپنی جگہ سے اٹھنے کے لئے برجر کی نئی ہدایت کا منتظر تھا۔

"یہ رات تو ہمیں اندر ہی بسر کرنی پڑے گی۔" برجر اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے شکست خوردہ اور جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد ہمیں کسی بستی کی تلاش میں ہاتھ پیر مارنے پڑیں گے۔"

"یہ بہت برا ہوا۔" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "صحرا میں بھٹکنے والے بڑی کسمپرسی کے عالم میں جان دیتے ہیں' سورج نکلنے کے بعد تو باہر پھیلی ہوئی خوشگوار خنکی جہنمی بگولوں کی رقص گاہ بن جائے گی۔ رات ڈھلنے سے پہلے ہی ہمیں ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں۔"

پھر ہم دونوں ہیلی کاپٹر سے کود کر نیچے اتر آئے۔ صحرا کی وہ خنک رات کس قدر خوشگوار تھی' یہ میرے بیان سے باہر ہے۔ فضا پر ابدی سکوت اور سناٹا حکمران تھا جیسے صحرا کے اس گوشے میں ابھی زندگی نے جنم بھی نہ لیا ہو' ہوا کے ٹھہراؤ کے باوجود تازگی اور

فرحت کا لازوال احساس' جسم و روح کو عالم نشاط کی سیر کرا رہا تھا۔ برجر نے نیچے آتے ہی چند گہرے گہرے سانس لئے پھر پشت کے بل ٹھنڈی ریت پر اس طرح دراز ہو گیا جیسے کوئی مدتوں سے بچھڑا ہوا بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے لپٹ جاتا ہے۔

"کس قدر سکون مل رہا ہے!" برجر لذت انگیز لہجے میں بولا۔ "میں نے صحرا میں اپنی زندگی اب تک ضائع کی تھی۔ میری راتیں ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں گزرتی رہیں اور میں قدرت کی اس فیاضانہ نعمت سے یکسر محروم رہا جو اس نے تپتے ہوئے صحرا کے باسیوں کے لئے اتاری ہے۔"

"تھکا ہوا انسان اچھا خاصا شاعر ہو جاتا ہے۔" میں نے اس کے برابر میں دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ رات تو گزر جائے گی حسین!" برجر کسی فوری خیال کے تحت چونک کر بولا۔ "لیکن مجھے آنے والے دن کی فکر ستا رہی ہے' ہیلی کاپٹر میں موجود کھانے پینے کا سامان راشن بندی کے ساتھ چار چھ وقت سے زیادہ ساتھ نہ دے سکے گا۔"

"مجھے تو یہاں دور دور تک کسی آبادی کے آثار نظر نہیں آتے صحرا میں تاحد نظر یکسانیت پھیلی ہوئی ہے۔" میں نے اس سے کہا۔ "اگر اس وقت ہم دور نکل کر بھٹک گئے اور ہیلی کاپٹر تک واپس نہ آ سکے تو بڑی بے بسی کی موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا بھی اس سے کم خطرناک نہ ہو گا۔" وہ پرتشویش لہجے میں بولا۔ "آج کا دن ہی منحوس تھا ورنہ میں کئی بار ہیلی کاپٹر میں صحرا عبور کر چکا ہوں اور کبھی راستہ نہیں بھٹکا۔"

طویل سوچ بچار کے بعد برجر ہیلی کاپٹر میں سے کسی مضبوط ریشے کی پتلی سی ڈوری کے کئی بڑے بڑے لچھے لے کر آیا۔

"یہ ترکیب کارگر رہے گی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین صحرائی مہمات میں عموماً اسی طرح راستہ تلاش کرتے ہیں۔" وہ رسی کے گچھے ریت پر ڈھیر کرتے ہوئے بولا۔

"وہ کس طرح؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں احتیاطاً ہیلی کاپٹر کی کچھ روشنیاں کھلی چھوڑ دوں گا جو کافی دور سے ہمیں نظر آتی رہیں گی۔ اس کے علاوہ یہ رسی بھی میلوں لمبی ہے۔ اس کا ایک سرا ہم ہیلی کاپٹر کے نچلے

حصے سے باندھ دیں گے اور جہاں تک جانا ہے رسی جوڑتے چلے جائیں گے اگر کوئی پناہ گاہ مل گئی تو اگلے دن ورنہ آج رات واپسی میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

برجر کی تجویز نہایت معقول تھی لہٰذا میں رضامند ہو گیا لیکن پھر بھی میرے دل میں بے نام سا خوف بار بار سر ابھار رہا تھا۔ یہ بات میرے ذہن سے کسی طرح نہیں نکل رہی تھی کہ ہم دونوں صحراؤں کے پراسرار کیڑے' مانیتی کو دھوکا دے کر فرار ہوئے ہیں اور وہ اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ کئی مرتبہ تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایندھن کے خاتمے اور برجر کے راستہ بھولنے میں بھی مانیتی کی پراسرار قوتوں کی کارفرمائی نہ ہو۔

بہرحال یہ خوف مجھے برجر کی تجویز پر عمل سے نہ روک سکا۔ تجویز کے مطابق اس نے ہیلی کاپٹر کے پنکھے کی چوٹی پر لگی ہوئی سرخ بتیاں روشن کر دیں اور پھر رسی کا سرا ہیلی کاپٹر کے آہنی فریم سے باندھ کر ہم دونوں ایک سمت چل پڑے۔
گچھا زمین پر پڑا ہوا تھا اور اس کا آزاد سرا برجر نے تھاما ہوا تھا۔
اس وقت مطلع بالکل صاف اور موسم خوشگوار تھا۔ ہم تجسس بھری نگاہوں سے دور دور تک پھیلی ہوئی تاریکی میں جھانکتے بڑھتے رہے۔ ایک رسی ختم ہو جانے کے بعد برجر نئی رسی باندھ کر جوڑ لگا لیتا تھا۔

چونکہ ہمیں مختصر وقت میں ہی کہیں پناہ تلاش کرنی تھی لہٰذا ہم تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ میں بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھ رہا تھا اور ہیلی کاپٹر کی روشنی سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ تاروں کی چھاؤں میں ہم جس ریگستانی قطعے کو بالکل ہموار سمجھ رہے تھے وہ درحقیقت ایک کافی بڑا ریتلا ابھار تھا۔ اس کی پوری اونچائی تک پہنچنے کے بعد جوں ہی ہم نیچے اتر رہے تھے ہیلی کاپٹر کی روشنی ٹیلے کی اوٹ میں روپوش ہوتی جا رہی تھی۔
پھر آخرکار ہیلی کاپٹر کی روشنی یکسر غائب ہو گئی لیکن ہمیں اطمینان تھا کہ ہم رسی کے سہارے باآسانی وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔

ہمیں چلتے چلتے کئی گھنٹے گزر گئے لیکن ریگستان میں ہر طرف سناٹا ہی سناٹا بکھرا ہوا تھا۔ میرے قدم جواب دینے لگے تھے ٹھنڈی ٹھنڈی ریت کا لمس مجھے ہر قدم پر وہیں لیٹ جانے کی دعوت دے رہا تھا لیکن صورت حال کی نزاکت مجھے بڑھتے رہنے پر اکسا رہی تھی۔

ہم دونوں تکان کے باعث بالکل خاموشی سے بڑھے جا رہے تھے اور رسی بھی ڈیڑھ میل بعد جواب دیتی نظر آ رہی تھی کہ اچانک پرسکون فضا میں پرشور تلاطم پھیل گیا۔
کسی بھی پیشگی علامت کے بغیر ہمارے قریب ہی ہوا کے تیز جھکڑ کے ساتھ ریت کا چکراتا ہوا بگولا پیدا ہوا اور ہمارے سنبھلنے سے قبل ہی ہمیں گھیر لیا۔
بگولے کی گردش اتنی تیز تھی کہ میرے ہاتھ سے رسی کا گچھا چھوٹ گیا اور زمین سے قدم اکھڑنے لگے۔ ریت کے باریک باریک ذرات پوری رفتار کے ساتھ میرے نتھنوں اور میری آنکھوں میں گھس رہے تھے برجر کی حالت بھی مختلف نہیں تھی وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کے ساتھ ہی دہشت زدہ آواز میں چلا بھی رہا تھا۔
پھر ہم دونوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن اس مرحلے سے پل بھر قبل ہی ہم دونوں مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور بگولا ہمیں زمین سے اوپر فضا میں معلق کر کے تیزی سے کسی انجانی سمت لے جانے لگا۔
اس وسیع و عریض صحرا کی بے رحم تنہائی میں ہیلی کاپٹر کے سوا سر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں تھی اور ہمیں کچھ علم نہ تھا کہ ریت کے وہ ہولناک بگولے ہمیں صحرا کے کس گوشے میں لے جا کر پھینکیں گے انجانے وسوسوں کی دہشت سے میرا دل پوری شدت سے دھڑکنے لگا۔

گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ اس آندھی اور بگولے کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ ہم دونوں جونکوں کی طرح پوری قوت سے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔ ہوا کا غضب ناک دباؤ ہمیں بار بار زمین سے اوپر فضا میں اچھالتا ایک طرف دھکیلے جا رہا تھا۔
معاً مجھے یاد آیا کہ مانیتی نے برجر کو دھمکی دی تھی کہ وہ جب تک صحرا میں ہے مانیتی کی دسترس سے نہ بچ سکے گا اس کے ساتھ مانیتی کا بھیانک چہرہ میری نگاہوں میں گھوم گیا اور میرے حلق سے بے اختیار ایک دبی دبی چیخ نکل گئی۔
اس کے بعد مجھے ہوش نہیں کہ کیا گزری۔
جب دوبارہ میں ہوش میں آیا تو حواس پر ہلکی ہلکی کہر سی چھائی ہوئی تھی اور کانوں میں بے شمار مکھیوں کے شور جیسی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔
میں نے پپوٹوں پر زور دے کر اپنی آنکھیں کھولیں تو مجھے اپنے اردگرد بہت سے

دھندلائے ہوئے اور شناسا ہیولے نظر آئے۔ میں نے کسمسا کر کروٹ لی تو خود کو ریتلی زمین پر پایا۔

پھر اچانک ہی ایک خوفناک چہرہ میرے سامنے آیا اور میرے حواس پر چھائی ہوئی کہر یک بیک چھٹتی چلی گئی' میرے روئیں روئیں میں سنسنی اور خوف کی لہریں سرایت کر گئیں اور مجھے اپنا اندوہناک مستقبل سامنے نظر آنے لگا۔

"اسے بھی یہیں لے آؤ!" اچانک ایک اونچی اور پاٹ دار آواز گونجی اور میں بے اختیار اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ آنے والے لمحات میرے لئے جاں سوز ہوں گے۔

میرے گرد جمع ہونے والے سب ہی لوگ میرے شناسا تھے۔ ان میں سب سے پیش پیش صحرائی قزاقوں کی بستی' جبرن کا سردار جوبا تھا۔ اس کے زخم خوردہ چوڑے چکلے چہرے پر غیض و غضب کی پرچھائیاں ناچ رہی تھیں اور اس کی قہربار نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"گھسیٹ لاؤ اسے ادھر!" وہی پہلے والی سرد اور کرخت آواز دوبارہ ابھری۔

میرے ارد گرد جمع ہونے والے لوگوں کے چہروں پر خوف و دہشت اور تذبذب کی علامات نمایاں تھیں۔ حکم ملنے کے باوجود وہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھٹکے ہوئے تھے اور دزدیدہ نظروں سے اپنے سردار' جوبا کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے اس کی اجازت کے طلب گار ہوں۔

"کیا قہر ہے۔" وہی آواز جھلائے ہوئے لہجے میں سنائی دی۔ "صحرائی ہوائیں اور ریت کے بگولے تک مانینی کے غلام ہیں' اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں لیکن آج اسی کی بستی کے لوگ اس کے حکم سے جان چرا رہے ہیں۔"

"مقدس مانینی!" جوبا نے مڑ کر نرم آواز میں کہا اور پھر اتنی قوت سے اپنے جبڑے بھینچے کہ اس کے چہرے کی تمام وریدیں جلد پر ابھر آئیں۔

"کہہ دے.... آج تجھے بھی کھلی چھوٹ ہے جو چاہے کہہ دے!" مانینی نے جوبا کے دوبارہ بولنے سے قبل ہی غصیلی آواز میں غرا کر کہا۔ "حسین کی پیشانی پر نحوست کی مہر ثبت ہے۔" جوبا کا لہجہ اس بار بھی پرسکون تھا لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر غیض و غضب سے کھول رہا ہے۔ "اور یہ تیرا غلام ہے' تو جانتا ہے کہ حسین کی خاطر ہم نے جبل کی بستی کو تاراج کر ڈالا' مردوں کی گردنیں اڑا ڈالیں' بچوں اور بوڑھیوں کو کنوؤں میں غرق کر دیا اور وہاں کی کنواریوں کو ہم اپنی کنیزیں بنا کر ہانکتے ہوئے جبرن میں لے آئے۔ اب ہم ڈرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے کہیں جبرن پر بھی قحط اور بربادی کے

سامنے نہ منڈلانے لگیں۔"

"مانیتی پہیلیوں سے چڑتا ہے جوبا۔" وہ خبیث بوڑھا [illegible] لہجے میں بولا۔ "تو اپنے دل کی بات صاف صاف کہنے سے کیوں ڈرتا ہے۔" "محترم اور مقدس مانیتی!" جوبا کے وجود میں دہکتا ہوا آتش فشاں اب بھی پرسکون رہا اور وہ صلح جویانہ لہجے میں بولا۔ "یہ تیرا اور تیرے غلام کا معاملہ ہے' کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ تو جبرین والوں کو اس سے دور ہی رکھے' تو اس سے تنہا بھی خوب نمٹ سکتا ہے۔"

مانیتی نے پرشور آواز میں ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔ "ہاں' ہاں' میں تنہا بھی اس سے نمٹ سکتا ہوں۔ اور یہی کیا مانیتی تجھے بھی مسل ڈالنے کی قدرت رکھتا ہے۔"

جوبا نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور میرے گرد جمع ہونے والی بھیڑ تیزی کے ساتھ چھٹ گئی۔

اس وقت معاً مجھے محسوس ہوا جیسی کسی نے گہری نیند کے عالم میں میرے سر پر وزنی ڈنڈا دے مارا ہو۔ میں بوکھلائے ہوئے انداز میں ریتلی زمین پر سے اٹھتا چلا گیا۔

جبرین کے رہنے والے مجوسی قزاقوں کا مسلح کارواں اپنے سردار جوبا کی قیادت میں تیزی کے ساتھ بستی کی جانب چلا جا رہا تھا۔ میں اس وقت بستی سے چند سو گز باہر ریتلے صحرا میں موجود تھا۔ صحرا کی رات دم توڑ چکی تھی اور مشرقی افق سے طلائی کرنوں کے جال میں لپٹا ہوا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اس کی روشنی میں استخوانی بدن' چندھیائی ہوئی آنکھوں اور خوفناک خد و خال والا مانیتی مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر دونوں ہاتھ اپنے کولہوں پر جمائے فاتحانہ شان سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں اپنے مقابل کھڑے ہوئے سفید فام' برجر پر مرکوز تھیں جس کے ہمراہ آئل فیلڈ سے فرار ہونے کے بعد میں ایک ریتلے گرداب کا شکار ہو گیا تھا۔

برجر کا لباس تار تار ہو رہا تھا جیسے بہت سے بھوکے بھیڑیوں نے اس پر یلغار کی ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں دہشت رچی ہوئی تھی۔ اس کی حالت کسی خونی باز کے پنجوں میں پھنسے ہوئے خوف زدہ پرندے سے مشابہ تھی اور وہ رحم طلب نگاہوں سے بوڑھے مانیتی کے چہرے کی جانب تکے جا رہا تھا جیسے اسے وہاں سے نجات کا اشارہ ملنے کی امید ہو۔

"حسین!" مانیتی نے خلا میں کسی نامعلوم نقطے پر نگاہیں جما کر مجھے پکارا۔ بے اختیار

میرے قدموں کو جنبش ہوئی اور میں کسی سہمے ہوئے چوہے کی طرح اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"اسے کہیں لکھ کر رکھ لے۔" مانیتی کی کرخت اور بھونڈی آواز گونجی۔ "صحرا کے ذرے ذرے پر میری گرفت بہت مضبوط ہے' تو اتنی آسانی سے مجھ سے نجات نہ پا سکے گا۔ میری رسائی صحرا کے ہر گوشے میں ہے اور مجھے فریب دے کر صحرا سے فرار ہونا بہت دشوار ہے۔ تیرا بہکایا ہوا جوبا کا غلام' طالیس آج بھی ایک ہاتھ سے معذور جبرین کی فضاؤں میں منہ اٹھائے روتا پھرتا ہے لیکن اس پر جبرین کے ہر گھر کے دروازے بند ہیں اور وہ آوارہ کتوں کے منہ سے بچی ہوئی ہڈیوں پر گزارا کرتا ہے' وہ گونگا تیرے لئے عبرت ہے اور آج سے میں اسی کو تیرے اوپر مامور کرتا ہوں۔"

جوبا کے گونگے شہ زور' طالیس کا نام سنتے ہی میرا رواں' رواں کانپ اٹھا۔ اور مجھے جربین کے سردار کی قید میں گزارے ہوئے وہ دن یاد آ گئے جب میں نے اپنی راتوں کا خون کر کے پتھر کے کلیجے کو چھلنی کر کے عاطیس دیوتا کا پیکر تراشا تھا لیکن مانیتی کی شب بیدار نگاہوں کو فریب دے کر طالیس وہ مجسمہ نخلستان تک نہ پہنچا سکا اور مانیتی نے بے رحمی سے اس کا داہنا ہاتھ توڑ ڈالا۔

ابھی میں اس مخلص گونگے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ فضا ہولناک چیخوں اور قہقہوں سے گونج اٹھی۔ اس آواز میں بلا کا کرب رچا ہوا تھا۔

"سن رہا ہے۔" مانیتی نے مسرت آمیز آواز میں مجھ سے کہا۔ "یہ تیرے ہمدرد' طالیس کی کربناک صدائیں ہیں لیکن یہاں کوئی نہیں جو اس کی مدد کر سکے۔"

"میں کہاں آ پھنسا ہوں.... میرے خدا!" برجر مجھ سے مخاطب ہو کر دہشت زدہ آواز میں کراہا۔

"یہ مانیتی کا مسکن ہے او گوری چمڑی والے۔" مانیتی اپنی چندھیائی ہوئی آنکھیں برجر پر گاڑ کر آہستہ سے بولا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو.... خدا کے لئے مجھے واپس جانے دو' میں تمہارا ہر مطالبہ پورا کرنے پر تیار ہوں۔" برجر تقریباً رو دینے والی آواز میں بولا۔ "تیری آزادی اب ایک خواب بن کر رہ جائے گی۔" مانیتی اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ "جبرین ایک راز ہے اور اس راز کے جاننے والوں کو باہر کی دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔"

اسی اثنا میں جوبا کا گونگا اور بہرا غلام' طالیس وہاں آ پہنچا آوارہ کتوں کی ایک جماعت اس پر بھونکتی ہوئی وہاں تک آئی تھی۔ وہ کتے اپنے دانت چمکاتے طالیس پر غرا رہے تھے اور وہ کے لہرا لہرا کر انہیں خود سے دور رکھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر لباس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا اور صحرائی دھوپ میں آوارہ پھرنے کے باعث اس کی سیاہ رنگت اور بھی جھلس کر رہ گئی تھی۔ اس کے پورے بدن اور چہرے پر لمبی لمبی پرانی اور تازہ خراشوں کے نشانات تھے' جن میں سے جا بجا گاڑھا گاڑھا خون رس رہا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت اور دیوانگی کے ہولناک سائے ناچ رہے تھے اور وہ اپنی بے رونق آنکھوں میں اجنبیت کا احساس لئے اوھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"یہ آوارہ کتوں سے لڑ کر اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔" مانینی کا لہجہ اس بار آسودہ تھا۔ "اور ان مقابلوں میں یہ اکثر لہولہان ہو جاتا ہے مگر پیٹ کا جہنم اسے مجبور کر دیتا ہے۔ یہ میرے خلاف سازش کرنے والے ایک مجرم کا حشر ہے اور میں تم دونوں پر بھی رحم نہیں کروں گا۔"

"بابا! مجھے معاف کر دو!" برجر کانپتی ہوئی آواز میں بولا' اس کا چہرہ دہشت سے تاریک پڑ چکا تھا۔ "میں اب بھول کر بھی صحرا کا رخ نہیں کروں گا اور ہمیشہ میری زبان بند رہے گی۔"

"خاموش!" مانینی پوری قوت سے دھاڑا پھر اس نے جنبش ابرو سے طالیس کو اشارہ کیا اور وہ دیوانہ وار کتوں کو بھول کر میری طرف بڑھنے لگا۔ مانینی کے اشارے پر سارے کتے خوف زدہ آوازیں نکالتے ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ اس سے قبل کہ میں طالیس کا عندیہ سمجھ پاتا' اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر مجھے اپنی پشت پر لاد لیا۔ پھر اس نے برجر کا بھی یہی حشر کیا اور ہم دونوں کو اپنی پشت پر لاد کر بستی کی جانب لے چلا۔ مانینی اس کے چلنے کا انتظار کئے بغیر ہی بستی کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔

طالیس اپنی دیوانگی کو بھول کر کسی وفادار کتے کی طرح ہمیں اپنی پشت پر لادے بے تکان مانینی کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ اس کے غلیظ بدن سے پھوٹنے والی بو سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا اور برجر تو اس سیاہ فام وحشی کی بے رحم گرفت میں آتے ہی بے ہوش ہو چکا تھا۔

ہم بستی میں داخل ہوئے تو جبرن والوں کی اونچی آوازیں یک بیک ماند پڑ گئیں۔

راستوں سے گزرنے والے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اپنی اپنی جگہ رک گئے' شتر سواروں کے اونٹ بلبلاتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے' جیسے مانینی کے سامنے ان کے قدموں کی سکت دم توڑ چکی ہو۔ راستے کے دونوں جانب بنے ہوئے خیموں اور جھونپڑوں میں رہنے والے ادب اور احترام کے ساتھ اپنے دروازوں پر نکل آئے تھے اور سر جھکا جھکا کر اپنی بستی کے مقدس پروہت کو تعظیم دے رہے تھے۔ مانینی پروقار انداز میں سر کی جنبش سے ان کی تعظیم قبول کرتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے گزر جانے کے بعد جبرن والوں کی متحیرانہ نگاہیں دور تک ہمارا تعاقب کر رہی تھیں۔

سردار جوبا کے خیمے کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے تند خو اور بدمزاج سردار کو دست بستہ سر جھکا کر مانینی کو تعظیم دیتے دیکھا۔ پھر ہم جبرن کی اس چوپال کے نزدیک پہنچے جہاں جبرن کی بے یار و مددگار اور روایات شکن عورتیں اور لڑکیاں بٹھا دی جاتی تھیں اور ان کے جسموں پر رشتوں کے امتیاز کے بغیر جبرن کے ہر مرد کا مساوی حق ہوتا تھا۔ مانینی کے گزرنے کی خبر پا کر چوپال والیاں بھی احترام کے ساتھ باہر آ چکی تھیں۔

ان ہی میں سردار جوبا کی جواں سال لڑکی زینو بھی نظر آئی جس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں اس شراب کا خمار تیر رہا تھا جو جبرن کے ہوس پرست بھیڑیئے' اس کے دہانے میں انڈیل دیتے تھے۔ اس کے سارے چہرے اور برہنہ حصوں پر جبرن والوں کے دانتوں کے نیلے نیلے نشانات دور ہی سے چمک رہے تھے۔

زینو۔۔۔ جو میری محبت کا دم بھرتی تھی اور جس کا روپ چرا کر میری پیاری طوسیہ مجھ سے ملتی رہتی تھی' اب بہت ہی جاں گسل اور آبرو ریز حالات سے دوچار تھی۔ اس کا سگا باپ اس سے قطع تعلق کر چکا تھا اور وہ اپنا نوشتہ تقدیر پورا کرنے کے لئے چوپال میں پھینک دی گئی تھی۔

زینو سمیت ان تمام لڑکیوں نے دہشت اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ سر جھکا کر مانینی کو تعظیم دی اور جب میں طالیس کی پشت پر لدا ان کے قریب سے گزرا تو زینو یکبارگی زور سے چیخ پڑی۔

"حسین.... میرے سنگتراش' کیا تو اب بھی زندہ ہے؟"

لیکن میں اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکا اور طالیس مجھے لئے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ خاصی دیر تک چلتے رہنے کے بعد آخرکار نخلستان کے پرفضا مقام پر ہمارے سفر کا اختتام ہوا۔ مانیئی کے حکم پر طالیس نے مجھے اور بربر کو درختوں کے ایک کنج میں نم آلود زمین پر ڈال دیا اور مانیئی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے خیمے میں جا گھسا۔

"تنہائی پاتے ہی میں نے طالیس کو جھنجھوڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے یا نہیں' لیکن وہ اجنبی اور وحشتناک نظروں سے میری جانب دیکھتا رہا۔ جب میں نے کئی مرتبہ اسے چھیڑا تو اس نے غرا کر غصیلے انداز میں میرے سر کے بال اپنی مٹھی میں بھینچ کر دو تین زور دار جھٹکے دیئے اور میرے سینے پر گھونسہ مار کر مجھے نیچے پھینک دیا۔

میرے حلق سے دبی دبی چیخ نکلی' لیکن بربر نے مجھے سہارا تک نہیں دیا۔ وہ سہمے ہوئے انداز میں دور کھڑا مجھے اس طرح گھورے جا رہا تھا' جیسے میں کوئی ہولناک آسیب ہوں۔

"میں کہاں پھنس گیا' نہ جانے یہ جادوگروں کی کون سی بستی ہے' دہشت سے میرا سینہ پھٹا جا رہا ہے.... اوہ خدا! میں کیا کروں!" بربر کراہتا ہوا ایک درخت کے تنے سے ٹک گیا۔

اسی اثناء میں مانیئی اپنے خیمے سے برآمد ہوا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں زیتون کے تیل میں بھیگا ہوا ایک چرمی چابک تھا جسے وہ زور زور سے فضا میں گردش دے رہا تھا۔ بربر' مانیئی کو دیکھتے ہی کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چلانے لگا۔ اس کی حالت بہت زیادہ ابتر تھی۔ اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی نگاہیں مانیئی کے چابک کے ساتھ ساتھ گردش کر رہی تھیں۔ قریب آ کر مانیئی نے وہ چرمی چابک طالیس کی طرف بڑھا دیا۔

طالیس نے قرون اولیٰ کے کسی خون آشام جلاد کی طرح اپنے دانت چمکا کر پھرتی کے ساتھ وہ چابک لے لیا اور مانیئی کا اشارہ پا کر بے رحمانہ انداز میں بربر پر ٹوٹ پڑا۔

طالیس اس وقت دیوانے کے بجائے مانیئی کا زرخرید غلام نظر آ رہا تھا۔ سیاہ فام غلام کو اپنی جانب آتا دیکھ کر بربر تیز چیخیں مارتا ہوا میری آڑ لینے کے لئے لپکا لیکن میں اس چابک کی دہشت کے باعث ایک طرف ہٹ گیا۔

وہ لمبا چابک فضا میں لہراتا ہوا بربر کی پنڈلیوں سے لپٹ گیا اور وہ دلدوز چیخ مار کر منہ کے بل زمین پر گر گیا اور اس کے ہونٹوں سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں۔ طالیس اپنی جگہ

پر چابک سنبھالے اس کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہا۔

"چل او نابکار.... تیرا مقدر تجھے پھر اس نخلستان میں کھینچ لایا ہے۔" مانیئی نے سرد اور کرخت آواز میں مجھے للکار کر کہا۔

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا گہرا سانس لیا کہ چابک سے نجات ملتی نظر آ رہی تھی۔

مانیئی مجھے ہمراہ لے کر خاموشی کے ساتھ نخلستان کے اس کنویں کی طرف چل دیا جہاں سے نخلستان کی آبیاری کے لئے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ ہمارے عقب میں رہ رہ کر بربر کی جگر شگاف چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے ایک بار پلٹ کر دیکھا تو لرز کر رہ گیا۔ بربر زخموں سے چور وحشت کے عالم میں ایک طرف دوڑ رہا تھا اور طالیس چرمی چابک اس پر برساتا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس کے سیاہ چہرے پر اس وقت دیوانگی کے بجائے گہرا سکون نمایاں تھا۔

"مانیئی کو فریب دینے کی سزا اس سے بھی زیادہ مہیب ہو سکتی ہے حسین!" مانیئی میری جانب دیکھے بغیر سرد آواز میں بولا۔ "تیرا گورا ساتھی اب سسکا سسکا کر اسی نخلستان میں مار ڈالا جائے گا اور کوئی اس کی مدد کو نہ پہنچ سکے گا۔ پھر اس کی ادھڑی ہوئی لاش پر صحرائی گدھ دعوت اڑائیں گے۔"

"مجھے رہا کر دے مقدس مانیئی' تیرا راز امانت بن کر میرے سینے میں دفن ہے!" میں نے ڈرتے ڈرتے پہلی بار اس خونخوار بڈھے کو مخاطب کیا۔ "رہائی!" وہ بھیانک انداز میں ہنسا پھر سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "طوسیہ کا راز تیرے سینے میں دفن ہے اور جب تک تو خود منوں مٹی تلے دفن نہیں ہو جاتا' مانیئی تیرا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"مقدس مانیئی! میری مظلومیت پر رحم کر دے' اس نخلستان سے مجھے خوف آتا ہے۔ یہ سبزہ زار مجھ سے میری نیندیں چھین لے گا' مجھے جبرین میں واپس جانے دے۔"

"تو اس رعایت کا مستحق ہرگز نہیں ہے!" مانیئی کا لہجہ کرخت ہو گیا۔ "میں تجھے سازشوں کے لئے آزاد نہیں چھوڑ سکتا۔ اب تو اسی نخلستان میں رہے گا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

کنویں پر پہنچ کر وہ نحیف و نزار بڈھا ٹھہر گیا۔ میری نگاہیں پتھر کے ان دو بڑے بڑے

ٹکڑوں پر پڑیں جو کنویں کی منڈیر کے قریب ہی گھاس کے قطعہ پر پڑے ہوئے تھے ان پتھروں کے پاس میرے اوزاروں کا صندوق بھی تھا۔

"تو نے ایک بار جوبا سے مل کر میرے خلاف سازش کی تھی نا!" مانینی نے عجیب و غریب تائید طلب لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔ میں فیصلہ نہ کر سکا کہ اس کی بات کا کیا جواب دوں۔

"بول حسین!" مانینی نے تجھے ہی مخاطب کیا ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولا۔

"تو خود ہی سب کچھ جانتا ہے مقدس مانینی!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔" وہ تیز آواز میں بولا۔ "اور سن' جوبا کے ساتھ مانینی کے خلاف سازش کر کے تو نے ذلت اور رسوائی کا معاہدہ کیا تھا اور آج میں تجھے ایک سازش کی دعوت دیتا ہوں۔ جوبا کو ہماری بستی میں بہت طاقت مل گئی ہے۔ وہ میری پراسرار قوتوں سے ڈر کر میرے سامنے جھکتا ہے ورنہ اس کے دل میں میری عزت نہیں وہ مجھ سے باغی ہو چکا ہے اور اب اس کی سزا یہی ہے کہ جبرن کے جن باسیوں کے بل پر وہ اکڑتا ہے' ان ہی کے ہاتھوں اس کی بوٹیاں نچوا دی جائیں اور اس کا سر ان ہی کے نیزوں پر بلند کیا جائے۔"

ایک سازش کی سزا میں ابھی تک بھگت رہا تھا اور اب دوسری سازش کے تذکرے سے میرا رواں رواں کانپ اٹھا جوبا کو گو غیر مرئی اور پراسرار قوتوں کی حمایت حاصل نہیں تھی لیکن وہ کینہ پرور اور بے رحم شخص تھا۔ اس نے اپنی جان کے خوف سے جس طرح اپنی بیٹی زینو سے دستبرداری اختیار کی تھی اس کے بعد ہی سے میں جوبا سے نفرت کرنے لگا تھا۔

"مقدس مانینی تو مجھے مار کیوں نہیں دیتا۔" میں نے شدید اندرونی اضطراب کے ساتھ کہا۔

وہ معنی خیز انداز میں ہنسا۔ "کیا تو زندگی سے اتنا ہی بیزار ہو گیا ہے؟" اس سے پیشتر کہ میں کچھ کہتا برجر کی ہولناک چیخیں نخلستان میں چکراتی ہمارے قریب آ پہنچیں۔ اس کی سفید جلد پر جا بجا نیلی دھاریاں ابھری ہوئی تھیں۔ جلد پھٹ جانے کے باعث خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں اور وہ نقاہت سے لڑکھڑاتا ہوا پناہ کی تلاش میں دوڑ رہا تھا لیکن طالیس فرشتہ اجل کی صورت میں چابک پھٹکارتا اس کے سر پر سوار تھا۔

مانینی کو دیکھتے ہی برجر کی نگاہوں سے قہر اور نفرت کی چنگاریاں برسنے لگیں۔ اس نے پوری قوت سے کام لے کر دوڑ لگائی اور طالیس کے چابک کی زد سے نکل کر مانینی پر آ پڑا۔ برجر خاصا تندرست اور بھاری بھرکم شخص تھا لیکن مانینی کے قدم نہ لڑکھڑائے۔ بس اس کے حلق سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی اور پھر برجر نے اس کا گلا دبوچ لیا۔

"تو صحرار کی بدروح ہے.... میں تجھے مار ڈالوں گا' تجھے فنا کر دوں گا۔" وہ مانینی کا گلا دبوچتے ہوئے ہذیانی انداز میں چلائے جا رہا تھا۔ اس سے پیشتر کہ برجر مانینی کو بے بس کر پاتا' طالیس اس کے سر پر آ پہنچا۔ اس نے چابک ایک طرف پھینکا اور بائیں ہاتھ سے برجر کی گردن پکڑ کر اسے زمین سے اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ مانینی اچھل کر الگ ہٹ گیا اور اپنی گردن سہلانے لگا۔ ادھر طالیس نے برجر کو کافی بلندی تک اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اس کے اٹھنے سے قبل ہی دوبارہ اسکے سینے پر سوار ہو گیا۔

برجر اس کے نیچے بری طرح تڑپا لیکن طالیس نے اپنا گھٹنا اس کے سینے پر رکھ دیا اور بائیں ہاتھ سے اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ برجر کے حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس کا بدن بری طرح مچل رہا تھا' سانس رک جانے کے باعث اس کا سفید فام چہرہ سیاہی مائل رنگت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

چند ہی منٹ میں زندگی اور موت کا یہ معرکہ طے ہو گیا۔۔۔ برجر نہایت بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا جا چکا تھا۔ برجر کا بدن پوری طرح ساکت ہونے کے بعد طالیس اس کی لاش پر سے اٹھ گیا۔ اس وقت وہ اپنے بشرے ہی سے خونی نظر آ رہا تھا۔

جذبات سے عاری نگاہوں سے برجر کی لاش کو گھورنے کے بعد طالیس تیزی سے نیچے جھکا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اسے اپنے کندھے پر لاد کر بستی کی طرف چل دیا۔

"تجھے ان پتھروں پر عاطیس کے پیکر تراشنے ہیں۔" طالیس کے چلے جانے کے بعد مانینی نے سرد اور جذبات سے عاری آواز میں مجھ سے کہا۔ اس وقت مانینی کے تیور بہت خراب تھے اور میرے لئے اس سے بحث کی کوئی گنجائش نہیں تھی لہٰذا میں سر جھکا کر ان پتھروں کی جانب بڑھ گیا۔ "میری نگاہیں ہر وقت تیرا پیچھا کرتی رہیں گی۔" مانینی اپنے خیمے کی جانب لوٹتے ہوئے تہدیدی لہجے میں بولا۔ "اور میں تیری بو پا کر پاتال تک پہنچ جاؤں گا۔ قسم اس مقدس آگ کی جو ازل سے روشن ہے' اگر تو نے اس بار مجھ سے فریب کیا تو تیری زندگی کو

عبرت کا یادگار نمونہ بنا دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ اپنی آہنی شام والی چھڑی ٹیکتا خیمے کی جانب چل دیا۔

میں نے بے بسی اور ناامیدی کے عالم میں ان دونوں پتھروں کو دیکھا اور پھر اپنے اوزاروں کا صندوق کھولنے لگا۔ اس وقت تک سورج کافی بلندی پر آ چکا تھا۔ کرنوں کی تمازت سے زمین جھلسنے لگی تھی اور نگاہوں کو اس جھلسی ہوئی دوپہر کی تاب نہ تھی۔ لیکن میں اپنے کام کے لئے مجبور تھا۔

میں نے نیم دلی اور پژمردگی کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کیا۔ ہلکے ہلکے ہاتھوں سے پتھر پر آہنی ضربیں لگائیں اور میرے اردگرد سنگریزوں کی برسات ہونے لگی۔ اپنے کام کے ساتھ ہی غیرارادی طور پر میری نگاہیں مانینی کے خیمے کا بھی طواف کر رہی تھیں۔ لیکن مانینی اندر گھسا نہ جانے کس کام میں مصروف تھا کہ دوبارہ باہر نکلتا نظر نہیں آیا۔

دن آہستہ آہستہ ڈھلتا رہا اور جب سورج تھکے قدموں سے مغربی وادیوں میں اتر رہا تھا تو مجھے اپنے عقبی کنج میں ہلکی سی آہٹ سنائی دی اور میں نے سرسری طور پر سر گھما کر پیچھے دیکھا لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا اور میں اس آہٹ کو اپنا وہم سمجھ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

ذرا ہی دیر میں سورج غروب ہو گیا اور وہاں ہر طرف سرمئی اندھیرا پھیلنے لگا۔

جب تک میری نگاہیں کام کرتی رہیں میں سنگ و آہن میں الجھا رہا لیکن جب بڑھتا ہوا اندھیرا میرے لئے دشواریاں پیدا کرنے لگا تو میں نے ہاتھ روک لیا۔

اندھیرا پھیل جانے کے باوجود مانینی کے خیمے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اور اس کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ اس نے مجھے کام کے بارے میں تو بتا دیا تھا لیکن اندھیرا پھیل جانے کے بعد کے لئے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہو گا۔

اتنا عرصہ جبرین میں گزارنے کے باوجود مانینی کا خیمہ میرے لئے ایک راز تھا۔ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ وہاں کیا کچھ ہے اور مانینی فرصت کے لمحات میں وہاں گھسا کیا کرتا رہتا ہے۔

میرے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ میں مانینی کے کسی حکم کی خلاف ورزی کئے بغیر اس خیمے میں گھس سکتا تھا۔ اگر مانینی وہاں موجود ہوتا تو اس سے اگلی ہدایات لے کر لوٹ آتا اور اس کی غیر موجودگی کی صورت میں' میں اس خیمے کا بھرپور جائزہ لے سکتا تھا۔

میں خیمے کی طرف جانے کا ارادہ کر کے کنویں کی منڈیر سے ذرا ہی آگے بڑھا تھا کہ اچانک عقب سے کسی نے دھیمی آواز میں پکارا۔

وہ آواز اپنی کرختگی اور لہجے کے باعث مردانہ معلوم ہو رہی تھی۔ میں کسی چیتے کی سی پھرتی سے واپس پلٹا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا کھجور کے اونچے اونچے درخت ہوا کے جھونکوں کے ساتھ سرسرا رہے تھے اور میں ان کے درمیان تنہا کھڑا ہوا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے سرگوشیانہ آواز میں سوال کیا۔

"اپنے سامنے والے درختوں کے کنج میں چلے آؤ۔ میں تمہارا دوست ہوں۔" وہی آواز دوبارہ ابھری۔ اس بار میں آواز پہچان گیا وہ جبرین کے سردار جوبا کی آواز تھی۔

میں سمجھ گیا کہ جوبا میرے لئے کوئی خاص پیغام لے کر آیا ہے۔ میں تیزی کے ساتھ درختوں کے درمیان جا گھسا۔ چند ہی منٹ کی کوششوں کے بعد میں جوبا کے سامنے پہنچ گیا۔

وہ ایک درخت کے تنے سے پشت ٹکائے چوکنے انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

"خسین! کیا تو مانینی کا وفادار ہو چکا ہے؟" جوبا نے مجھ پر نظر پڑتے ہی سپاٹ لہجے میں اپنا پہلا سوال کیا۔ ایک ثانئے کے لئے مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں مانینی بھی آس پاس ہی موجود نہ ہو اور میرا جواب سنتے ہی سامنے آ جائے لیکن میں جوبا کے ساتھ اپنے تعلقات کی تجدید میں کوئی خطرہ بھی مول لینا نہیں چاہ رہا تھا۔

"مانینی کی وفاداری بھی ایک عذاب سے کم نہیں ہے سردار!" میں نے طویل سانس لے کر سرگوشیانہ لہجے میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"تو جانتا ہے کہ مانینی اس وقت کہاں ہے؟" جوبا نے دریافت کیا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن دوپہر میں آخری بار میں نے اسے اپنے خیمے میں گھستے دیکھا تھا۔"

"وہ اس وقت خیمے میں نہیں ہے۔ وہ چوروں کی طرح یہاں سے نکلا ہو گا۔ اس وقت وہ میرے خیمے پر شراب کے نشے میں دھت پڑا ہوا ہے۔ وہ میرے پاس جبل سے لوٹی ہوئی کنیزوں میں سے حصہ طلب کرنے آیا تھا اور ان میں سے ایک خوبصورت لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ دیوانہ ہو گیا۔ اپنے تقدس کے ظاہری خول کے باعث' وہ اور کچھ تو نہ کر سکا لیکن وہ لڑکی اس کی ساقی گری پر مامور کر دی گئی اور وہ اس کے ہاتھوں اس وقت تک پیتا رہا جب تک کہ اس کے حواس اس کا ساتھ نہ چھوڑ گئے۔"

"وہ تمہارے خیمے میں بے ہوش ہوا ہے۔" میں نے اپنے وجود میں مسرت کی لہر دوڑتی محسوس کی۔

"یہ اسے ہلاک کرنے کا سنہرا موقع ہے حسین!" جوبا میرے شانے پکڑ کر پرجوش آواز میں بولا۔ "یہ پہلا موقع ہے کہ مکار مانئی سے غفلت ہوئی ہے ورنہ وہ بڈھا ہمیشہ محتاط رہتا ہے۔ ہم جبرن والے تو شاید اب بھی اس پر یوں غفلت میں ہتھیار نہ اٹھا سکیں کیونکہ ہم سب اس کے سحر میں ہیں۔ ہاں تو اس کو ہلاک کر سکتا ہے' تو جانتا ہے کہ وہ کس قدر بدطینت اور مکار ہے۔"

"ہاں۔۔ میں راضی ہوں۔"

"تو آؤ ویران راستوں سے ہم بہت جلد بستی میں جا نکلیں گے۔"

پھر ہم دونوں جیسے ہی درختوں کے کنج سے باہر نکلے' کچھ فاصلے پر مانئی کی سرد آواز سنائی دی۔

"میرے نخلستان میں جوبا کی بو آ رہی ہے' میری اجازت کے بغیر ادھر آنے والے میرے قہر کو دعوت دیتے ہیں۔ آخر جوبا کو یہ جرات کیسے ہوئی۔" پھر اس نے غصیلی آواز میں پکارا۔ "جوبا.... جوبا' میں تیری بو سونگھ چکا ہوں۔"

تاریکی میں ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں پلٹ کر دوبارہ درختوں کے کنج میں جا گھسا۔

"ہاں مقدس مانئی!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جوبا کی مٹھاس میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ "میں یہاں موجود ہوں۔"

"تو جہاں ہے وہیں ٹھہر۔ میں خود تیرے پاس آ رہا ہوں۔" مانئی کا لہجہ اس بار اشتعال آمیز تھا۔ جوبا کی نخلستان میں موجودگی شاید اسے ناگوار گزری تھی۔ چند ہی ثانیوں میں مانئی شاید جوبا کے قریب آ پہنچا۔ "تو میری اجازت کے بغیر یہاں کیوں آیا ہے؟" مانئی کی آواز قہرناک تھی۔

"میں روشن سر والے ایک کتے کے تعاقب میں تیرے غلام حسین تک پہنچا تھا۔" سردار جوبا نے پورے اعتماد کے ساتھ ایک فرضی کہانی چھیڑ دی۔ "وہ کتا مجھے اپنے خیمے کے عقب میں نظر آیا تھا میرے لئے وہ عجیب چیز تھی اس لئے میں اس کا پیچھا کرنے لگا لیکن وہ

یہاں پہنچ کر غائب ہو گیا۔ تیرا غلام کنویں کی منڈیر سے ٹیک لگائے لیٹا ہوا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اسے روشن سر والے کتے کے بارے میں کچھ علم نہیں۔"

"روشن سر والا کتا۔" مانئی نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔ "جوبا کیا میں تیری اس کہانی پر یقین کر لوں؟"

"اس وقت میری یہاں موجودگی بھی ایک کہانی ہی کہلائے گی مقدس مانئی!" جوبا اپنے لہجے میں قدرے تلخی پیدا کرتے ہوئے بولا۔ "میں یہیں رکتا ہوں' تو اپنے غلام سے میری باتوں کی صداقت دریافت کر لے!"

"غلام آقاؤں کی سچائی کی گواہی نہیں دے سکتے جوبا!" مانئی بھیانک انداز میں ہنس پڑا۔ "مجھے تیری بات کا یقین تو ہے لیکن پریشانی کی بات یہ ہے کہ نخلستان کی فضاؤں میں مجھے کسی کتے کی بو نہیں محسوس ہو رہی!"

"مانئی!" سردار جوبا کی آواز غراہٹ میں بدل گئی۔ "تو مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے۔"

"نہیں جوبا۔" مانئی کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ "اس صحرا میں ہر طرف ایسے ہزاروں راز بکھرے پڑے ہیں جن پر سے آج تک کوئی پردہ نہیں اٹھا سکا۔ ہاں تو یہ بتا کہ کس کس نے تجھے اس طرف آتے دیکھا ہے؟"

مانئی کے لہجے پر میں کانپ اٹھا۔ وہ جوبا کو لفظوں کے جال میں پھنسا کر یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ اسے کسی نے نخلستان کی طرف آتے نہیں دیکھا اس بات کی تصدیق کر لینے کے بعد وہ جوبا کو ہرگز زندہ نہ نکلنے دیتا۔

"بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے!" یہ کہتے ہوئے جوبا کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ نمایاں تھی۔ شاید وہ بھی مانئی کے عزائم بھانپ چکا تھا۔

"تو اس وقت خوف زدہ ہے جوبا!" مانئی پھر ہنس پڑا۔ "جا اب بستی میں لوٹ جا۔ تجھے یہ نہ بھولنا چاہئے کہ تیری حکومت نخلستان کے اس پار تک ہے۔ مانئی کی قلمرو میں آنے والے بڑی مشکل میں پڑ جاتے ہیں لیکن میں رحم دل ہوں۔ جا واپس لوٹ جا۔"

جوبا کے قدموں کی چاپ دور ہونے لگی۔

چند ثانیوں کے بعد مانئی میرے پاس آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ پر تشدد کر کے جوبا کی آمد کا راز اگلوانے کی کوشش کرے گا لیکن اس نے جوبا کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

"مجسمے تیار ہونے تک تجھے اپنی راتیں اسی نخلستان میں کھلے آسمان کے نیچے بسر کرنی ہوں گی حسین!" وہ میرے سامنے آ کر پرسکون لہجے میں بولا۔ "اگر تو نے میرے خیمے کا رخ کرنے کی کوشش کی تو آسمانوں سے اترنے والی بلائیں جونک بن کر تیرا بدن چاٹ جائیں گی۔"

"میں جانتا ہوں مانینی بابا!" میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن میں بھوکا ہوں۔"

"تیری سزا تو یہی ہونی چاہئے کہ گونگے طالیس کی طرح آوارہ کتوں سے لڑ کر اپنا رزق حاصل کرے لیکن میں رحم دل ہوں۔ لے اس وقت یہ کھا لے۔"

یہ کہہ کر مانینی نے اونٹنی کے دودھ سے بنے ہوئے پنیر کے چند ٹکڑے میری طرف بڑھا دیئے اور لاپرواہیانہ انداز میں اپنی چھڑی لہراتا اپنے تاریک خیمے کی طرف چل دیا۔

میں شدید بھوک کا شکار تھا اس لئے بے صبری کے ساتھ پنیر کے نمکین ٹکڑے کھانے لگا۔

پنیر کھانے کے بعد تکان کا احساس کچھ اور بڑھ گیا۔ میں نے زمین پر لیٹ کر سو جانا چاہا لیکن پچھلی شب آئل فیلڈ سے فرار کے بعد کے واقعات یکے بعد دیگرے ذہن میں ناچتے رہے۔ برجر کا عبرتناک انجام رہ رہ کر مجھے اپنا حشر یاد دلا رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ مانینی کسی نہ کسی موقع پر میرا بھی وہی حشر کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد مانینی کا خیمہ روشن ہو گیا اور اس جانب سے بہت سی ملی جلی آوازیں ابھرنے لگیں۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر دیکھنے لگا لیکن مجھے وہاں کچھ نظر نہ آ سکا' ان آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ خیمے میں مانینی کے علاوہ غیر انسانی قوتیں بھی موجود ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ شور تھم گیا اور میں پریشان خیالی کے عالم میں دوبارہ نرم نرم گھاس پر لیٹ گیا۔ تمام تر اندیشوں کے باوجود ذرا ہی دیر میں مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔

رات کے کسی پہر میں میرے کانوں میں دھیما دھیما ترنم گونجنے لگا۔ اس لاہوتی ترنم کی گونج میں مٹھاس اور حلاوت کے سمندر انگڑائیاں لے رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ آہنگ بلند ہوتا چلا گیا اور میں بے چین ہو کر بیدار ہو گیا۔ میرے اردگرد ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔ نخلستان کے دوسرے سرے پر بنا ہوا مانینی کا خیمہ نندای روشنی میں لپٹا کھڑا تھا۔

گو وہاں کوئی نہیں تھا لیکن وہ ترنم ریز موسیقی بتدریج بڑھتی ہی رہی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے صحرا میں گھومنے والے خانہ بدوش نغمہ خوانوں کا کوئی طائفہ اپنے ساز بجاتا تیزی کے ساتھ میرے قریب چلا آ رہا ہو۔ پھر اس موسیقی میں یک بیک بے شمار نقرئی گھنٹیوں کا سرور بخش آہنگ شامل ہو گیا اور میں اضطراب کا شکار ہو گیا۔ یہ سب آوازیں اب میں جان چکا تھا۔

میری طوسیہ۔۔۔ بنت نیل میرے پاس آ رہی تھی۔

ابدی مسرت کے ان لازوال لمحوں میں بھی مانینی کا خوف میرے لاشعور کی گہرائیوں میں چھپا ہوا تھا اور میری نظریں بار بار اس خونخوار بڈھے کے روشن خیمے کا طواف کر رہی تھیں۔ مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہ موسیقی کا شور سن کر اپنے خیمے سے باہر آنے والا ہے۔

پھر فضا میں ہر طرف خوشبوئیں پھیلنے لگیں' مجھے اپنا وجود ہلکا ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ ترنم اور خوشبوؤں کے اس سیلاب میں گھرا' میں خود کو بادلوں سے بھی اوپر اڑتا محسوس کر رہا تھا' سرور کے ناقابل بیان احساس کے ساتھ میرے پپوٹے بوجھل ہو کر آنکھوں پر جھکے پڑ رہے تھے۔ پھر یک بیک موسیقی کا وہ شور رک گیا۔ میں نے وحشت کے عالم میں آنکھیں کھولیں تو خوشبوؤں سے معطر فضا میں میری پیاری طوسیہ کا مسکراتا ہوا' پروقار چہرہ میرے سامنے تھا۔

"طوسیہ!" میں دنیا و مافیہا کو بھول کر دیوانہ وار اس کی طرف بڑھا اور وہ خود آگے بڑھ کر میرے پھیلے ہوئے بازوؤں میں آ گئی۔ اس کے ڈھیلے ڈھالے سفید لبادے اور اس کے سیمیں بدن سے خوشبوؤں کی مہکار پھوٹ رہی تھی۔ اس کے سر پر سجے ہوئے طلائی تاج میں سے جھانکتی ہوئی ریشمی زلفیں میرے بدن سے ٹکرا ٹکرا کر لذت و انبساط کے نت نئے راز آشکار کر رہی تھیں۔

"حسین!" وہ دھیمے سے کسمسا کر میرے بازوؤں سے نکلتے ہوئے بولی۔ "یہ تمہارے لئے عمل کا وقت ہے' مانینی کا مقدر اس وقت سویا ہوا ہے۔ تم اس پر فیصلہ کن وار کر سکتے ہو۔ جاؤ اور چیخ چیخ کر جبرین والوں کو میری کہانی سنا دو۔"

"مانینی کہاں ہے طوسیہ؟" میں نے حیران و پریشان لہجے میں پوچھا۔ "وہ بہت ظالم ہے' مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اس کی دہشت نے مجھے برباد کیا ہوا ہے؟"

"تمہیں یاد ہے کہ جوبا نے تمہیں مقدس مانینی کے گھناؤنے کردار کی کچھ کہانیاں سنائی

تھیں۔"

"ہاں۔۔۔ جوبا کہتا تھا کہ مانیتی راتوں کی سیاہی میں جبرین کی کنواریوں کے بستر آلودہ کرتا ہے اور انہیں صنم پرستوں کے عاطیس دیوتا کا فریب دیتا ہے اور وہ کنواریاں صبح بیدار ہو کر اپنی ہجولیوں کو بڑے فخر اور عقیدت کے ساتھ بتاتی ہیں کہ کس طرح پچھلی شب کی سیاہی میں عاطیس دیوتا نے انسانی روپ میں آ کر ان کی کوکھ میں زرخیزی کے جوہر بکھیرے ہیں۔"

"تم ٹھیک سمجھے!" طوسیہ جلدی سے بولی۔ "مانیتی درندوں سے بھی بدتر ہے۔ اس وقت وہ جبرین کے سب سے بڑے چرواہے راعون کی اکلوتی بیٹی کی خواب گاہ میں گھسا اس معصوم لڑکی کی آبرو کو اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔ جب تک مانیتی گہرے پانی کے تالاب میں نہ نہائے اس کی پراسرار قوتیں اس کا ساتھ نہیں دیں گی۔ اس وقت وہ محض ایک مجہول اور چالاک بوڑھا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ پاک ہو کر اپنی قوتیں دوبارہ حاصل کر لے، تم بستی میں میری کہانی عام کر دو۔"

"طوسیہ!" میں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

"جاؤ... یہ وقت قیمتی ہے' طوسیہ پر بے چینی طاری ہونے لگی۔ "مانیتی پر گناہ اور ذلت کا یہ شوق مدتوں میں سوار ہوتا ہے اگر یہ وقت گزر گیا تو نہ جانے تمہیں کب تک انتظار کرنا پڑے۔"

"جا رہا ہوں.... طوسیہ میں جا رہا ہوں۔" اس کے لبوں کی حرارت چرا کر میں درختوں کے کنج سے نکلا اور دیوانہ وار بستی کی طرف دوڑ پڑا۔ "حسین! میں یہیں تمہاری منتظر ہوں!" مجھے اپنے عقب میں طوسیہ کی آواز سنائی دی۔

"میں وہیں آؤں گا طوسیہ!"

اس وقت میرے بدن میں نہ جانے کہاں کی پھرتی سما چکی تھی کہ میں برق رفتاری سے بستی کی جانب چلا جا رہا تھا۔ جوں جوں بستی قریب آ رہی تھی آوارہ کتوں کا تیز شور واضح ہوتا جا رہا تھا۔

دوڑنے کے ساتھ ہی ساتھ میرا دماغ بھی تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ راعون کا مکان سردار جوبا کے خیموں کے نزدیک ہی ہے اور اگر میں طوسیہ کی کہانی کا سر عام اعلان کرنے کے بجائے صرف جوبا کو پوری تفصیل بتانے کے ساتھ ہی راعون کے یہاں

مانیتی کی موجودگی کا راز افشاء کر دوں تو جوبا' مانیتی کو عین موقع پر رنگے ہاتھوں گرفتار کر لے گا اور پھر اس بڈھے کا حشر ہمارے ہاتھوں ہو گا۔"

میں بستی میں داخل ہوا تو ایک کوڑے کے ڈھیر پر پندرہ بیس کتوں کے درمیان طالیس کو موجود پایا۔ وہ دیوہیکل سیاہ فام اپنے اکلوتے گھونسے اور دونوں لاتوں سے کتوں کو مار رہا تھا لیکن وہ اس کے گرد دائرہ باندھ کر اسے بھنبھوڑ کھانے پر تلے ہوئے تھے۔

میں اس وحشیانہ معرکے سے بچتا ہوا تیزی کے ساتھ آگے دوڑتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں جوبا کے خیمے سامنے نظر آنے لگے' ان کے قریب ہی بنے ہوئے راعون کے مکان پر خواب ناک خاموشی مسلط تھی۔

میں راعون کے مکان کے قریب سے گزر کر سردار جوبا کے خیمے پر پہنچا تو اندر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا اور دروازے پر ایک پہرے دار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

فیصلہ کن لمحات قریب آ چکے تھے۔ مانیتی اس وقت مجھ سے چند قدم دور راعون کی بیٹی کی خواب گاہ میں داد عیش دے رہا تھا۔ جوش اور ہیجان کے سبب میرے اعصاب پر انتشار چھایا ہوا تھا اور دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا' دوران خون کی شدت سے شریانیں پھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

میں نے جوبا کے خیمے پر رک کر اونگھتے ہوئے غلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ "کون ہے؟" وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"سردار جوبا کہاں ہے؟" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔ تاریکی کے باعث وہ مجھے نہ پہچان سکا اور جھلا کر مجھے پیچھے دھکیل دیا۔

"سردار جوبا اس وقت آرام میں ہے' وہ اجنبیوں کا غلام نہیں ہے۔"

مجھے اس غلام پر سخت طیش آیا لیکن میں خود پر قابو پا کر اس کے قریب پہنچ گیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "تم مانیتی کو جانتے ہو نا' اس نے نیل کے ایک حکمراں کی بیٹی طوسیہ کو قید کیا ہوا ہے' طوسیہ کی روح مانیتی کی قیدی ہے اور اس کا جسم صحرا کے کسی گوشے میں بنے ہوئے صندلیں معبد میں بند ہے۔" طوسیہ کا راز بیان کرتے ہوئے سنسنی کے باعث میری زبان پر لکنت طاری ہونے لگی۔ "اور مانیتی مقدس پروہت نہیں' وہ کمینہ ہے۔ اس وقت بھی وہ راعون کی بیٹی کی خواب گاہ میں ہے' میں جوبا کو یہی سب بتانے آیا ہوں' جاؤ

میں جوبا کو بتاتا ہوں کہ تم بستی میں چیخ چیخ کر یہ کہانی عام کر دو ... ہاں سنو! میں اجنبی نہیں ہوں' میرا نام حسین ہے حسین!" وہ غلام ہکا بکا کھڑا میرا منہ تکتا رہا۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ مجھے مجذوب سمجھ رہا ہو۔ پھر جوں ہی میں خاموش ہوا مجھے اپنے عقب میں مانیتی کی غضب ناک غراہٹ سنائی دی۔ "ہاں میں جانتا ہوں کہ تیرا نام حسین ہے۔"

ٹھیک اسی وقت راعون کے مکان سے شور و غوغا بلند ہوا اور کئی مرد ہتھیار سنبھالے باہر نکل آئے۔ مانیتی کی آواز سن کر میں اس کی جانب پلٹا ہی تھا کہ اس نے میری گردن دبوچ لی۔

"میں کافی دیر سے تیری بو سونگھ رہا تھا مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تو کس نیت سے بستی میں آیا ہے؟"

راعون کے مکان سے نکلنے والے اس کے جوان بیٹے تھے غصے کے باعث ان کے بدن کانپ رہے تھے وہ غیض و غضب کے عالم میں دھاڑتے ہوئے ہم لوگوں کی طرف آئے۔ سب سے پہلے انہوں نے بے رحمی کے ساتھ جوبا کے غلام کو زمیں پر گرا کر گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس کا بدن سونگھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" ان میں سے ایک نے کسی بھیڑیئے کی طرح غرا کر کہا۔ پھر راعون کے لڑکوں نے مانیتی کا رخ کیا۔

"مقدس مانیتی ذرا اسے کچھ دیر کے لئے ہمارے حوالے کر دے۔" ان میں سے ایک نے اپنے غصے پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے؟" مانیتی نے اپنی آواز میں رعب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کسی نے ہماری بہن کی آبرو لوٹی ہے۔ ہم سو رہے تھے۔" غصے کے باعث بولنے والے کے منہ سے الفاظ اٹک اٹک کر ادا ہو رہے تھے۔ "کہ کوئی اس کی خواب گاہ سے نکل کر گھبرائے ہوئے انداز میں بھاگا اور ہم بیدار ہو گئے۔ وہ بدنصیب دو دن بعد بیاہی جانے والی تھی۔ اس کی ماں نے اس کے جسم پر خوشبوئیں ملی ہوئی تھیں اور اب جبرن کے جس مرد کے بدن سے وہ خوشبو آئے گی ہم اس کی بوٹیاں اڑا دیں گے۔ ہماری بہن اپنی ماں کی چھاتیوں میں منہ چھپائے بلک بلک کر رو رہی ہے۔"

"یہ تمہارے حوالے ہے!" مانیتی نے غیر ارادی طور پر پیچھے سرکتے ہوئے مجھے ان

داروں کے آگے دھکیل دیا۔

اس وقت تک آس پاس کے مکانوں سے بہت سے لوگ ہتھیار سنبھال کر باہر آ چکے تھے۔ جبرن کا سردار جوبا بھی اپنے خیمے سے باہر آ گیا تھا۔ سورج کی روشنی غروب ہو جانے کے باعث لوگ ڈرتے ڈرتے گھروں سے نکل رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟" جوبا کی آواز پر نشے کے اثرات ابھی تک باقی تھے۔

"محترم سردار۔" نگہبان نے اپنے سر کو خم دے کر کہا۔ "حسین تیرے لئے ایک چھوٹی کہانی لے کر..."

اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی مانیتی پوری قوت سے دہاڑتا ہوا اس غلام کی طرف لپکا "خاموش---- ورنہ ابھی یہاں تیری لاش تڑپے گی۔"

راعون کے لڑکے مجھے کسی جانور کی طرح زمین پر الٹ پلٹ کر میرا بدن سونگھ رہے تھے۔ جوں ہی مانیتی جوبا کے غلام کی طرف لپکتے ہوئے ان کے نزدیک سے گزرا' ان میں سے ایک نے مانیتی کی طرف منہ کر کے گہرا سانس لیا اور پھر مجھے چھوڑ دیا۔

"اسے چھوڑ دو---- یہ نہیں ہے!" اس نے اپنے بھائیوں سے یہ کہتے ہوئے آنکھ سے مانیتی کی جانب اشارہ کیا جو اب بھی جوبا کے غلام کی طرف متوجہ تھا۔

راعون کے لڑکوں نے مجھے چھوڑ دیا اور گرد و پیش کے ماحول کو بھول کر کینہ توز نظروں سے مانیتی کی جانب گھورنے لگے۔ لیکن وہ ابھی تک اس سنسنی خیز موڑ سے بے خبر تھا۔

"مقدس مانیتی!" جوبا نے آگے بڑھ کر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "تو اکثر اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگا ہے۔ میرے غلاموں کی زبان بندی تیرا حق تو نہیں ہے۔"

"مانیتی اس صحرا کا حکمراں ہے اور یہاں وہی قانون بنے گا جو مانیتی چاہے گا۔" مانیتی اپنی آہنی شام والی چھڑی سے جوبا کی پیشانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "مانیتی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس بستی پر اور اس بستی والوں پر اس کا کیا حق ہے---- کسی کو یہ سبق دینے کی ضرورت نہیں۔"

میں اس وقت شدید اعصابی اختلال میں مبتلا تھا' میرے پورے بدن میں بے شمار چیونٹیاں سنسنا رہی تھیں۔ میں نے مانیتی کے خلاف زبان کھولنی چاہی لیکن الفاظ حلق ہی میں

پھنس کر رہ گئے۔ طوسیہ سے مانیٹی کی کمزوری کا علم ہو جانے کے باوجود اس وقت میں مانیٹی سے بری طرح خائف تھا۔ وہ سخت نامساعد حالات میں گھرا ہونے کے باوجود جس طرح جوبا کو للکار رہا تھا اس کے پیش نظر مجھے یہ یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ مانیٹی اپنی پراسرار قوتوں سے محروم ہو کر اب ایک کمزور اور ناتواں بوڑھا ہو کر رہ گیا ہے۔

"مانیٹی!" اچانک راعون کا ایک لڑکا اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا اور توہین آمیز لہجے میں مانیٹی کو للکار کر اس کی طرف لپکا۔ ایک ثانئے کے لئے وہاں جمع ہونے والوں کو سانپ سونگھ گیا۔۔۔ مانیٹی بجلی کی سی پھرتی سے پیچھے پلٹا۔ مجمع کا چہرہ اس انداز تخاطب پر دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

اس سے پیشتر کہ راعون کا لڑکا مانیٹی سے لپٹ پڑتا، مجمع میں سے کسی کی مذہبی عقیدت نے جوش مارا اور شائیں کی آواز کے ساتھ ایک تیر اس کی گردن میں ترازو ہو گیا۔

وہ کڑیل جوان دلدوز چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا اور اس سے قبل کہ اس کی نبضیں ٹٹولی جاتیں اس کا بدن کانپ کر ہمیشہ کے لئے ساکن ہو گیا۔

اس حادثے کی وجہ سے چند سیکنڈ کے لئے لوگوں کی توجہ مانیٹی کی جانب سے ہٹی اور وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کسی طرف کھسک گیا۔

اپنے بھائی کی موت کا یقین ہونے کے بعد راعون کے لڑکوں نے سر اوپر اٹھایا اور غصے سے ناچ اٹھے۔

"وہ فرار ہو گیا۔۔۔ دیکھو تمہارا مقدس پروہت مجرموں کی طرح منہ چھپا کر بھاگا ہے۔ پھیل جاؤ پوری بستی میں اور اسے تلاش کر کے اس کے ٹکڑے اڑا دو!" ان میں سے ایک مٹھیاں بھینچ بھینچ کر بولا۔ فرط غضب سے اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا تھا۔

"اور سنو!" میں نے بھی زبان کھولی۔ "اس نے طوسیہ کو قید کیا ہوا ہے۔ صنم پرستوں کی شہزادی کی روح اس کے ستم کا شکار ہے۔" میں مجمع کے درمیان کھڑا ہو کر کسی مقرر کی طرح ان سب کو طوسیہ کی رحم انگیز سرگزشت سنانے لگا۔

راعون کے لڑکوں کی شوریدہ سری اور الزام تراشی نے جبرن والوں پر اتنا اثر نہیں کیا تھا لیکن جوں ہی میں نے ببانگ دہل طوسیہ کی داستان چھیڑی تو جبرن والوں کا خون جوش مارنے لگا۔ ان قزاقوں کے چہروں سے خون کی پیاس نمایاں ہونے لگی اور وہ ٹولیاں بنا بنا کر

جبرن کے گلی کوچوں میں پھیلنے لگے۔ ان میں راعون کے لڑکے پیش پیش تھے جو مانیٹی کے سبب اپنے ایک جوان بھائی کی موت اور بہن کی آبرو کا تازہ داغ کھا چکے تھے۔

"حسین! میرے دوست!" جوبا دونوں بانہیں پھیلا کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ "اب مانیٹی اسی سرزمین پر ذلیل و رسوا کیا جائے گا جہاں اس کے نام کا سکہ چلتا تھا۔"

اسی وقت آس پاس سے آوارہ کتوں کا شور سنائی دیا پھر فضا طالیس کے بھیانک قہقہے سے لرز اٹھی۔ رات کی سیاہی میں ابھرنے والی ان آسیبی آوازوں کے درمیان مانیٹی کی دہشت زدہ چیخیں بھی ابھریں، جیسے وہ کسی چیز سے خوف زدہ ہو کر اپنا بچاؤ کر رہا ہو۔

پھر کتوں کا وہ شور قیامت کا سماں باندھنے لگا۔ وہ آوازیں مختلف سمتوں میں بھٹکتی آہستہ آہستہ جوبا کے خیموں کے نزدیک آ رہی تھیں۔

اس وقت وہاں میرے اور جوبا کے سوا دس بارہ آدمی اور رہے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ تھے جو شور اور ہنگامے کی آوازیں سن کر بستی کے اندرونی حصوں سے قدرے تاخیر سے وہاں پہنچے تھے۔ اور ابھی تک پوری صورت حال سے واقفیت حاصل نہیں کر سکے تھے۔ ہم لوگ سانس روکے آنے والے لمحات کے منتظر رہے پھر سامنے والے میدان میں ایک عبرتناک منظر نظر آیا۔

تاروں کی چھاؤں میں بستی کے تمام آوارہ کتے ایک دائرے کی صورت میں مانیٹی کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے تھے اور طالیس کے اشاروں پر اس خبیث بڈھے کو جوبا کے خیموں کی جانب ہانک رہے تھے۔ جب بھی مانیٹی ٹھٹکتا، کتے اس پر ٹوٹ پڑتے اور مانیٹی بری طرح چیخنے لگتا۔ ان کتوں کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر طالیس ان پر قابو نہ پائے رکھتا تو وہ بے رحمی کے ساتھ اس کی بوٹیاں اڑا ڈالتے۔

مانیٹی کے اس شایان شان جلوس کے پیچھے جبرن کے بے رحم لڑاکا اور قزاق اپنی کمانیں کھینچے اور نیزوں کا رخ مانیٹی کی جانب کئے چلے آ رہے تھے کہ وہ کتوں سے بچ کر اگر کسی طرف بھاگنے کی کوشش کرے تو چشم زدن میں اسے زمین پر ڈھیر کر دیں۔

راعون کے لڑکے بھی آنے والوں میں شامل تھے۔ وہ بار بار کتوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے مانیٹی کی طرف لپکتے تھے مگر گونگا طالیس بڑی پھرتی اور مہارت کے ساتھ اپنے ایک ہاتھ کے سہارے انہیں واپس دھکیل دیتا تھا۔

طالیس کی دیوانگی رخصت ہو چکی تھی۔ مانینی کے یوں زیر ہونے پر وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کی پھرتی اور چالاکی بھی واپس آ چکی تھی۔

طالیس نے اپنی زندگی کا جو حصہ ذلت کے عالم میں گزارا اور وہ اپنے رزق کے لئے کتوں کا ہم نوالہ رہا وہ ضائع نہیں ہوا تھا۔ طالیس نے ان ہی کتوں کے ذریعے مانینی کو گھیرا تھا اور اس وقت وہ کتے یوں اس کے اشارے پر چل رہے تھے۔ جیسے طالیس ان کا آقا ہو۔

آخر کار مانینی جوبا کے سامنے آ پہنچا۔ جوبا نے اپنے پرانے غلام طالیس کو اشارہ کیا کہ وہ کتوں کو وہاں سے ہٹا دے۔ طالیس نے فرماں بردار غلام کی طرح حلق سے چند بے معنی آوازیں نکال کر اپنا ہاتھ لہرایا اور وہ تمام کتے دبی دبی آوازیں نکالتے بستی میں بھاگ گئے۔

مانینی کا پورا بدن کتوں کے دانتوں اور پنجوں کے زخموں سے لہولہان ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا کر زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ سردار جوبا کے خیمے کے سامنے دور دور تک جبرین والوں کا مشتعل اور بے چین ہجوم جمع تھا۔ وہ سب ہی جوبا کی زبان سے پوری کہانی سننے کے لئے بے تاب تھے۔ قریبی خیموں اور مکانوں میں سے عورتوں کے ہجوم جھانک رہے تھے۔ ہر ایک اس انقلاب کا راز جاننا چاہتا تھا' جس نے پل بھر میں مانینی کے تقدس کے مصنوعی خول کو تار تار کر کے اس کے کراہت آمیز کردار کو بے نقاب کر دیا تھا۔ اور جبرین کا وہ معزز پیشوا اب خاک میں بیٹھا ہوا تھا۔

سردار جوبا نے کچھ دیر تک مجمع کا رنگ دیکھا پھر اپنے خیمے کے سامنے بنے ہوئے چبوترے پر چڑھ گیا۔

اس پر نظر پڑتے ہی سرگوشیاں دم توڑ گئیں اور وہاں مہیب سناٹا چھا گیا جس میں لوگوں کے چڑھے ہوئے سانسوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"تم لوگ اب اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ' مانینی کے مقدر کا فیصلہ سورج کی روشنی میں کیا جائے گا۔" جوبا نے اونچی آواز میں کہا۔

"نہیں ہمیں مانینی کا سر چاہئے۔" مجمع میں سے بہت سی آوازیں آئیں۔

"تم سب جانتے ہو۔" جوبا انہیں خاموش کرانے کے بعد بولا۔ "کہ جبرین میں سورج غروب ہونے کے بعد گھروں سے نکلنا نحوست کی نشانی ہے۔ رات کی سیاہی میں گھروں سے کھلے آسمان کے نیچے نکلنے والوں کو نادیدہ بلائیں چاٹ جاتی ہیں۔ مانینی راتوں کی سیاہی میں

بتان سے بستی میں آ کر گناہوں کی تخم ریزی کرتا رہا اور آج یہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ت کی انتہا کو پہنچا دیا گیا۔ اب ہمیں اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ غلطیوں ر غلط فیصلوں کا وقت ہے' ہم صبح کا اجالا پھیلتے ہی مانینی سے اپنا برسوں کا حساب بے باق یں گے۔"

جوبا کے خاموش ہوتے ہی مجمع میں ملی جلی سرگوشیاں پھیلیں اور لوگ واپس لوٹنے ۓ۔

"لیکن سردار! یہ بہت مکار ہے کہیں موقع پا کر فرار نہ ہو جائے۔" راعون کا ایک لڑکا با کے قریب آ کر بولا۔

"تم فکر نہ کرو۔۔۔ صبح تک مانینی میرے پاس بستی والوں کی امانت ہے۔" سردار جوبا ے پرعزم لہجے میں یہ کہہ کر اسے مطمئن کر دیا۔

طالیس تماشائیوں کے ہجوم سے نکل کر خود بخود سردار جوبا کے غلاموں کی صف میں آ ڑا ہوا تھا۔ مانینی کے بے بس ہوتے ہی طالیس اس کے سحر سے آزاد ہو چکا تھا۔

"اس کے ہاتھوں اور پیروں میں آہنی بیڑیاں ڈال کر اسے مویشی خانے کے برابر والی ٹھری میں بند کر دو۔ یہ بہت مکار ہے اس کا خیال رکھنا کہ فرار نہ ہونے پائے۔" سردار با نے اپنے غلاموں سے مخاطب ہو کر کہا۔ پھر طالیس کو خاص اشاروں کی مدد سے مانینی کی رانی کی ہدایات دینے لگا۔

سردار جوبا کی موجودگی میں ہی مانینی کو طوق اور بیڑیاں پہنا دی گئیں اور طالیس اسے لیتا ہوا مویشی خانے کی طرف لے چلا جو سردار جوبا کے رہائشی خیموں کے عقب میں تھوڑی وری پر واقع تھا۔ میرا تو ارادہ تھا کہ مانینی کو وہاں بند کر کے ہی واپس آئیں لیکن جوبا اپنے موں اور خاص طور پر گونگے طالیس کی وجہ سے بہت زیادہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔

سردار جوبا نے مجھے اپنے ہمراہ خیمے میں چلنے کی دعوت دی جسے میں نے خوشی سے قبول ر لیا۔

جب جوبا نشست گاہ سے گزر کر اپنے خواب گاہ میں جانے لگا تو میں ٹھٹک کر رہ گیا۔

"سردار میں یہیں رات بسر کروں گا۔" میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "میری خواب گاہ میں نئی آرام دہ بستر ہیں۔ میں

کسی کنیز کو وہاں سے ہٹا دوں گا تجھے آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں تیرا احسان مند ہوں سردار مگر مجھے یہیں سونے دے۔"

جوبا نے اپنے سر کو جنبش دی اور اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

اس وقت نشست گاہ میں صرف ایک موی شمع روشن تھی۔ اپنے لئے جگہ کا انتخاب کرنے کے بعد میں نے وہ مشعل بھی گل کر دی اور اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔

مجھے امید تھی کہ بنت نیل مانیتی کے ستم سے نجات پانے کے بعد اب یہ رات میرے ساتھ گزارے گی۔ میں اس کے انتظار میں بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ سردار جوبا کا وہ خیمہ مانوس خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔ میں نے ہڑبڑا کر اٹھنا چاہا لیکن ایک نرم و نازک نسوانی ہاتھ نے میرے سینے پر دباؤ ڈال کر مجھے دوبارہ لٹا دیا۔

ان ہاتھوں کا لمس میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ رات کی تاریکی میں طوسیہ کا جواہر نگار طلائی تاج جگمگا رہا تھا اور قیمتی پتھروں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ میرے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اس کا مسرور چہرہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔

میں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر اس کے لب و رخسار کی حرارت میری روح کو آسودگی اور فرحت کی نئی کہکشاؤں کی سیر کرانے لگی۔

"مانیتی کا انجام مبارک ہو طوسیہ۔" اپنے وجود کو بہکے ہوئے جذبات کے بھنور سے نکالنے کے لئے میں نے گفتگو کا سلسلہ چھیڑ دیا۔

"ابھی نہیں پیارے حسین!" وہ میری پیشانی چوم کر بولی۔ "مانیتی اپنی غیر انسانی قوتوں سے تو محروم ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے اب بھی ڈر ہے۔"

"ڈر کس بات کا۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "اپنی قوتوں سے محروم ہو جانے کے بعد اب وہ نہ تمہیں پابند کر سکتا ہے' نہ پریشان کر سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میری چھٹی حس کہتی ہے کہ وہ خبیث بڈھا پھر نئے گل کھلائے گا۔ اس کا نام مانیتی ہے۔ وہ اتنی آسانی سے شکست نہیں مانے گا۔"

"تم تو مجھے اس سے ڈرا رہی ہو۔" میں نے دھیمے سے ہنس کر کہا۔

"سنو حسین!" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "میرا جسم اب میری روح کو پکار رہا ہے۔

میں اس وقت بھی سردار جوبا کی لڑکی زینو کا بدن چرا کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ صدیوں کی یکسانیت سے میں اکتا گئی ہوں۔ اب مجھے میرا جسم چاہئے۔"

"صبح کی روشنی میں مانیتی کا فیصلہ ہوتے ہی میں یہ بستی چھوڑ دوں گا طوسیہ!" میں نے اس کے رخسار پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "صحرائی قزاقوں کی اس بستی سے مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"نہ جانے وہ صندلیں کلیسا کہاں ہے' تمہیں اس کی تلاش میں بھی بھٹکنا ہو گا۔ میری خاطر تم بڑی دشواریوں میں پڑ گئے ہو حسین!" وہ کرب آمیز لہجہ میں بولی۔

"اگر وہ اسی صحرا میں ہے تو میں اسے تلاش کر لوں گا۔ طوسیہ میں تمہارے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہوں۔ اگر مانیتی راہ میں حائل نہ ہوتا تو تم اب تک اپنے اصل روپ میں آ چکی ہوتیں۔"

"اب تم سو جاؤ۔۔۔ رات کافی ڈھل چکی ہے اور تم پچھلی شب سے تھکے ہوئے ہو!" وہ میرے بالوں میں اپنی مخروطی انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

اسی وقت خواب گاہ سے جوبا کی آواز آئی۔ "حسین! کیا تو وہاں تنہا ہے؟"

"ہاں سردار!" میں نے بوکھلا کر جلدی سے جواب دیا۔ "بھلا یہاں کون آئے گا۔" یہ کہہ کر میں نے اپنے سرہانے دیکھا تاکہ طوسیہ کو روانہ کر سکوں لیکن وہ سردار جوبا کی آواز سنتے ہی میری کسی ہدایت کا انتظار کئے بغیر رخصت ہو چکی تھی۔

"میں انجلی کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ جبل سے لوٹی ہوئی بہت حسین کنیز ہے۔ تو اس کی آغوش میں آرام سے سو سکے گا۔" جوبا نے وہیں سے کہا۔

پھر تاریکی میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میں نے چڑھتے ہوئے نسوانی سانسوں کی دھمک اپنے قریب محسوس کی۔

"انجلی۔" میں نے آہستہ سے اسے پکارا۔

"کنیز حاضر ہے میرے آقا۔" افسردگی میں لپٹی ہوئی مترنم آواز ابھری۔

مجھے اس کی آواز سے اس کی مظلومیت کا احساس ہوا پھر طوسیہ سے وفا کا عہد یاد آیا اور میں نے منہ پھیر کر کروٹ لے لی۔

"تم میرا سر سہلاتی رہو!" میں نے محتاط لہجے میں اس سے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

آہستہ آہستہ مجھ پر غنودگی چھانے لگی اور پھر میں نیند کی آغوش میں کھو گیا۔

صبح میری آنکھ کھلنے کا سبب تیز شور تھا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ خیمہ سورج کی کرنوں سے منور ہو رہا تھا اور میں وہاں تنہا تھا۔ خیمے سے باہر بے شمار آدمیوں کے شور کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں جن کے باعث صورت حال کا اندازہ لگانا دشوار تھا۔

میں باہر جا کر صورت حال کا جائزہ لینے کی نیت سے اٹھا ہی تھا کہ سردار جوبا آندھی کی سی رفتار سے خیمے میں داخل ہوا اور میرے شانے دبوچ کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "غضب ہو گیا حسین! مانیی، طالیس اور دوسرے غلاموں کو فریب دے کر کوٹھری کی کھڑکی گرا کر طوق اور بیڑیوں سمیت فرار ہو گیا۔ طالیس غصے سے پاگل ہو کر اپنے بال نوچتا صحرا میں نکل گیا ہے۔ بستی کے تمام آوارہ کتے بھی اس کے ساتھ ہیں۔"

یہ خبر سن کر میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ طوسیہ کا اندیشہ سو فیصدی درست ثابت ہوا تھا۔

"اور یہ باہر شور کیسا ہے؟" میں نے جوبا سے پوچھا۔

"جبرین والے مانیی کے مقدر کا فیصلہ کرنے کے لئے جوق در جوق چلے آ رہے ہیں.... انہیں ابھی تک مانیی کے فرار کا علم نہیں ہوا ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"راعون کے لڑکے نے پچھلی رات ہی تجھے ہوشیار کیا تھا یہ خبر سن کر بستی والے پاگل ہو جائیں گے۔" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"اب کیا کرنا چاہئے؟" جوبا بہت زیادہ مضطرب تھا۔

"جبرین والوں کو پوری بات بتا دو۔ تم مانیی کے فرار کو زیادہ دن نہ چھپا سکو گے!" میں نے سردار جوبا کے لئے اپنے دل میں ہمدردی محسوس کی۔

"لیکن ان کے عتاب سے میں کیسے بچوں گا؟" جوبا کراہا۔

"ہاں۔ یہ بتاؤ کہ مانیی کی تلاش میں کسی کو نخلستان کی طرف بھی بھیجا ہے؟" میں نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کسی فوری خیال کے تحت پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ وہ ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گا۔" جوبا نے لاپرواہی سے میری بات کو نظرانداز کر دیا۔

"اونٹ سنبھالو۔ وہ ادھر ہی گیا ہو گا۔" میں نے جوبا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے کہا۔

ہم باہر جمع ہونے والوں کی بھیڑ کاٹتے تیزی کے ساتھ مویشی خانے پہنچے اور آناً فاناً میں دو اونٹوں پر سوار ہو کر نخلستان کی طرف روانہ ہو گئے۔

بستی سے نکل کر ہمیں دور ہی سے نخلستان نظر آنے لگا۔ مانیی کا خیمہ بھی اپنی جگہ صحیح سالم کھڑا ہوا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ میرا اندیشہ غلط نکلا مگر میں نے جوبا پر اپنے اس خیال کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اس وقت خاصا زود حس ہو رہا تھا۔

جس وقت ہمارے اونٹ پوری رفتار سے دوڑتے ہوئے نخلستان کے لہلہاتے سبزہ زار میں داخل ہوئے تو مانیی کے خیمے میں آگ بھڑک اٹھی۔

"وہ وہیں ہے... وہ وہیں ہے۔" سردار جوبا جوشیلی آواز میں چلایا اور ہمارے اونٹ ہمک کر اور تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔

ہمارے نخلستان کے وسط میں پہنچنے تک مانیی کے خیمے میں کئی جگہ آگ لگ چکی تھی۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ مانیی آگ لگانے میں ایسا منہمک رہے کہ ہم اس کے سر پر پہنچ جائیں۔ لیکن تقدیر کو یہ منظور نہیں تھا۔ ہم نے شعلوں کے عقب سے ایک اونٹ نکلتے دیکھا جس کے کوہان سے ایک مختصر سا استخوانی ڈھانچہ لپٹا ہوا تھا۔ آتش زدہ خیمے کی اوٹ سے نکلتے ہی وہ اونٹ بھڑک کر پوری رفتار سے آگے دوڑنے لگا۔ اونٹ کے بھاگنے کے ساتھ ہی آہنی بیڑیوں اور طوق کے بجنے کی مسلسل آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"وہ جا رہا ہے۔" سردار جوبا بے تابی کے ساتھ چلایا۔ "اونٹوں کی رفتار تیز کرو۔ ہم ذرا ہی دیر میں اسے جا لیں گے۔"

مانیی کا اونٹ بجلی کی سی سرعت سے دوڑ رہا تھا۔ ہم اس کا تعاقب کرتے چند ہی منٹ میں لہلہاتے نخلستان سے نکل کر ریگستان میں داخل ہو گئے۔

"مانیی ٹھہر جا۔ ورنہ تو صحرا میں بھوکا پیاسا مارا جائے گا۔" سردار جوبا اپنے اونٹ کی پشت پر اچک کر پوری قوت سے چلایا۔

مانیی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور چند ہی منٹ بعد صحرا کی فضا میں مانیی کی حدی کی لے گونج اٹھی۔ وہ پرسوز آواز میں حدی خوانی کر رہا تھا۔

مانیٹی کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور اس کا اونٹ ریت کے بگولے اڑاتا لحظہ بہ لحظہ ہم سے دور ہونے لگا۔ "تو بھی حدی گا..... خاموش کیوں ہے حسین، دیکھ وہ نکلا جا رہا ہے۔" جوبا جھلائی ہوئی آواز میں دھاڑا۔

میں نے اپنی زندگی میں کبھی حدی خوانی نہیں کی تھی۔ لیکن اس وقت مانیٹی کو جا لینے کی ایسی دھن سوار تھی کہ میں نے اپنی بے ہنگم آواز میں ایک صحرائی نغمہ چھیڑ دیا۔ جوبا جھلائے ہوئے انداز میں چیخ چیخ کر میرا ساتھ دینے لگا۔ اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ مانیٹی کو گالیاں دینے کا تصور کر کے نغمہ گا رہا ہو۔

ہمارے اونٹوں کی رفتار میں قدرے اضافہ ہوا لیکن مانیٹی اب بھی ہم سے تیز جا رہا تھا۔ صحرا کی اتھاہ وسعتوں میں کسی سمت کا تعین کئے بغیر وہ اپنی موت سے فرار حاصل کر راہ تھا۔ عین اسی وقت بائیں جانب آوارہ کتوں کا غور بلند ہوا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"طالیس.... طالیس۔" سردار جوبا نے بے قراری کے عالم میں اپنے سیاہ فام غلام کو پکارا اور فورا ہی اس گونگے نے ایک تیز چیخ کے ساتھ اپنی موجودگی کا اعلان کیا۔

پھر سردارجوبا پر دورہ سا پڑ گیا۔ وہ چیخ چیخ کر حلق سے بے معنی آوازیں نکال رہا تھا۔ لیکن میں یہ محسوس کر کے حیران رہ گیا کہ طالیس کافی دور ہونے کے باوجود جوبا کا مدعا سمجھ گیا اور جوبا کے خاموش ہونے سے پہلے ہی آوارہ کتوں کا غول ہمارے اونٹوں کے آگے، مانیٹی کے تعاقب میں بڑھنے لگا۔

مانیٹی کی حدی کی گونج اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس کا اونٹ ہم سے بہت دور نکل چکا تھا۔ طالیس کے آوارہ کتے اس کے تعاقب میں تھے اور ہمارے اونٹ پوری رفتار سے اسی جانب دوڑے جا رہے تھے۔

میں جوبا اور طالیس کی لایعنی چیخوں کے درمیان خاموش ہو گیا تھا لیکن جوبا نے غضب ناک غراہٹ کے ساتھ مجھے دوبارہ نغمہ گانے کا حکم دیا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے آوازیں ملانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے صحرائی گیت گانے لگے۔

اس بار ہمارے اونٹوں کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ مانیٹی کے اونٹ کے ساتھ ہی غبار کے طوفان میں چھپے ہوئے کتوں کا شور بھی بتدریج ہم سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

صحرا کے اس حصے میں جنون، ہنگامہ اور سنسنی کی ایک عجیب سی فضا طاری ہو چکی تھی۔ حرائی قزاقوں کی بستی، جبرن کا مغرور پروہت اپنا گھناؤنا کردار بے نقاب ہونے کے بعد ٹ پر سوار ہو کر لحظہ بہ لحظہ جبرن سے دور، صحرا کی بے کراں وسعتوں میں روپوش ہوتا جا تھا۔ اس کے اونٹ کے قدموں سے اڑنے والے غبار کے باعث اب اسے دیکھنا ناممکن ہو رہ گیا تھا۔ سردار جوبا کے گونگے غلام کے سدھائے ہوئے کتے، جہنمی بلاؤں کی طرح شور تے اس ریتیلے گرداب میں مانیٹی کا ناکام تعاقب کر رہے تھے۔ میرا اور سردار جوبا کا اونٹ قابل نہیں تھا کہ مانیٹی کو پکڑ سکے۔ گونگا طالیس ہم سے بہت پیچھے بے معنی آوازیں نکالتا ل ہی دوڑا چلا آ رہا تھا۔

آثار سے صاف ظاہر تھا کہ مانیٹی ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ اپنی پراسرار قوتوں کا م ٹوٹنے کے بعد بھی وہ مکار بڈھا ہمیں زک دے گیا تھا۔

سردار جوبا نے مانیٹی کے شجرہ کے بارے میں مغلظات بکتے ہوئے اپنے اونٹ کی نکیل نچ لی۔ میں نے بھی اس کی تقلید میں ایسا ہی کیا۔

"سورج غروب ہونے کے بعد نحوست کا دور شروع ہو جاتا ہے۔" سردار جوبا جھلائی ئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "رات کا اندھیرا غلطیوں اور غلط فیصلوں کا وقت ہوتا ہے اور میں کل اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ صبح کی روشنی میں مانیٹی کا مقدر طے کیا ئے گا اور دیکھ لے کہ یہ فیصلہ غلط ثابت ہوا، مانیٹی مہلت پا کر فرار ہو چکا ہے۔"

"جبرن والے مانیٹی کے منتظر ہیں سردار! وہ اس کے لہو سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے ں۔" میں نے دھیمی آواز میں مانیٹی کے اس ازلی حریف کو اکسایا۔

"یہ بے رحم صحرا اسے نگل جائے گا۔" جوبا غصیلی آوز میں بولا۔ "مانیٹی اب اپنی قوتوں ے محروم ہو چکا ہے۔ جبرن والے اب اس کے طلسم سے آزاد ہیں۔ وہ کبھی لوٹ کر ادھر

نہ آئے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو!"

پھر جوبا نے اپنا اونٹ بستی کی طرف گھما لیا۔ مانینی کا اونٹ اب صحرا میں بہت دور نکل چکا تھا۔ غبار کا طوفان دھندلا چلا تھا اور مانینی کے تعاقب میں جانے والے کتوں کی خونخوار غراہٹیں بھی معدوم ہو چکی تھیں۔

"یہ طوسیہ کی کہانی کیا تھی؟" بستی کی طرف واپس جاتے ہوئے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جوبا نے اپنا اونٹ میرے اونٹ کے برابر میں لاتے ہوئے چونک کر پوچھا۔

"کیا وہ کہانی سچی ہے سردار!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس کا راز عام ہوتے ہی جبرین والے بھڑ گئے۔ اگر مانینی کا مقدر ساتھ نہ دیتا تو وہ بڑی بے بسی کی موت مارا جاتا۔ راعون کے لڑکوں کے تیور بہت خراب تھے۔" سردار جوبا کہہ رہا تھا۔

ہم دونوں کے اونٹ تیز رفتاری کے ساتھ دوڑتے رہے۔ جبرین کی پراسرار بستی کے دھندلائے ہوئے آثار تیزی کے ساتھ نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ راہوار مشرق ظلمات کی چادر کو تار تار کرتا اب کافی بلندی تک ابھر آیا تھا۔ سورج کی کرنوں میں صحرا کی ناقابل بیان روایتی تمازت رچی ہوئی تھی اور ہم دونوں کے بدن پسینوں میں ڈوب چلے تھے۔

میں دیکھ رہا تھا کہ جوں جوں بستی قریب آتی جا رہی ہے، سردار جوبا پر عجیب سی بے چینی کی لہر طاری ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے بشرے پر فکر و تشویش کی پرچھائیاں لرزاں نظر آ رہی تھیں۔

جب ہم جبرین سے چند فرلانگ دور رہ گئے تو جوبا نے اپنے اونٹ کی نکیل پوری طاقت سے کھینچ لی اور وہ صحرائی جانور کرب سے بلبلاتا اپنی پچھلی ٹانگوں پر اٹھتا چلا گیا۔

میں جوبا کی طرح سنگ دل نہیں تھا اس لئے میرا اونٹ رفتار کی روانی میں کافی آگے تک بڑھتا چلا گیا اور پھر میں نے آہستہ آہستہ اسے روک لیا۔

"حسین۔" سردار نے اپنے اونٹ پر میرے قریب آتے ہوئے دور ہی سے پکارا۔ "اب میں اپنی بستی والوں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

"سردار یہ تیری ہی نہیں، سب کی بدنصیبی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ کہنے سے بات نہ بنے گی۔ وہ مکار زانی بڈھا میرے پاس بستی والوں کی امانت تھا اور میں اس کی حفاظت نہ کر سکا، جبرین والوں کے ہاتھ میرا گریبان تھام لیں گے۔"

"بات تو رسوائی کی ہے.... لیکن طالیس کہاں گیا۔" میں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر چونکتے ہوئے اس گونگے اور وفادار غلام کے بارے میں دریافت کیا۔

"میں اسے خوب جانتا ہوں۔" جوبا بولا۔ "وہ اب مانینی کو زندہ یا مردہ لائے گا ورنہ خود بھی صحرا میں بھٹک کر جان دے دے گا اور جبرین کا رخ نہیں کرے گا۔"

"مانینی کے ساتھ ہی تو اپنے ایک وفادار غلام سے بھی محروم ہو گیا۔" میں نے اپنے دل میں شیر دل طالیس کے لئے ہمدردی کا جذبہ محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"جب تک ان صحراؤں سے قافلے گزرتے رہیں گے، جوبا کو غلاموں کی کوئی کمی نہ ہو گی۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "میں تجھ سے اس وقت اپنی پریشانی کی بات کر رہا ہوں۔"

"بستی میں جا کر مانینی کے بارے میں کوئی کہانی پھیلا دے۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد اسے مشورہ دیا۔ "جبرین والے جانتے ہیں کہ مانینی کو پراسرار قوتیں حاصل تھیں، وہ کبھی تیری بات کو نہ جھٹلا سکیں گے۔"

"جوبا اپنے آدمیوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔" وہ غرا کر بولا اور اس کے خونخوار چہرے سے غصہ جھلکنے لگا۔

"سچ بول کر تو اپنی عزت کھو بیٹھے گا سردار!" میں اپنے الفاظ پر زور دے کر بولا۔ "مانینی کے فرار کی کہانی سے میں واقف ہوں۔ اور تجھ سے اپنی زبان بند رکھنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ طالیس تیرا راز داں تھا اور اب وہ صحرا میں کہیں گم ہو چکا ہے۔ وہ لوٹ بھی آیا تو تیرے جھوٹ کا پردہ چاک نہ کر سکے گا۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ پورے جبرین میں تیرے سوا کوئی اس گونگے کی زبان نہیں سمجھتا۔"

سردار جوبا نے غور سے میری جانب دیکھا، جیسے میرے چہرے سے میرے خلوص کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔ پھر پرخیال آواز میں بولا۔ "تیری تجویز مجھے منظور ہے لیکن تو نے عہد شکنی کی تو اس کی قیمت چکانی مشکل ہو جائے گی۔ میرا نام جوبا ہے اور مجھے سینکڑوں انسانوں کے قتل کا تجربہ ہے۔"

اس کا لہجہ واضح طور پر دھمکی آمیز اور تیور خطرناک تھے۔

"فن کار کبھی عہد شکن نہیں ہوتا سردار۔" میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "اگر تیرے پاس اس سے بہتر کوئی تجویز ہو تو میں اپنا مشورہ واپس لیتا ہوں۔"

سردار یک بیک اونچی آواز میں ہنس پڑا۔ "دیئے ہوئے مشورے واپس نہیں لئے جاتے.... اب تو بستی میں واپس جا کر خود ہی کوئی کہانی سنائے گا' میں دیکھ چکا ہوں کہ تیری آواز اور تیرا لہجہ جبرین والوں پر کافی اثر کرتا ہے۔"

اس بار سردار کا لہجہ فراخدلانہ تھا۔ میں سرہلا کر رہ گیا۔

جب ہم نخلستان کی جانب سے بستی میں داخل ہوئے تو بستی میں جبرین کے قزاق ٹولیوں میں بٹے خونخوار کتوں کی طرح گھوم رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک مشتعل اور مضطرب تھا۔

"سب لوگ میرے خیمے پر آ جاؤ۔" سردار نے چیخ کر وہاں موجود لوگوں سے کہا اور اپنے اونٹ کو تیزی سے آگے دوڑاتا رہا۔

جب ہم سردار جوبا کے خیموں کے عقب میں واقع مویشی خانے کے نزدیک سے گزرے تو وہاں چند خیموں سے دھواں اٹھتا نظر آیا۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ چنگاریاں بھی اڑتی نظر آ رہی تھیں۔

"فساد.... یہاں فساد کے آثار ہیں۔" جوبا یہ کہتا ہوا بے اختیار اپنے ست رفتار اونٹ کی پشت سے کود پڑا اور مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے خیموں کے درمیانی راستوں میں گھس پڑا۔

میں بھی اپنے اونٹ سے کود کر اس کے پیچھے ہو لیا۔

مویشی خانے کے عقب میں صحرائی قزاقوں کے چند خیمے آباد تھے۔ جب ہم تنگ راستوں سے نکل کر وہاں پہنچے تو ہر طرف شدید افراتفری اور لوٹ مار کے آثار نظر آئے۔ ریت پر بے شمار انسانی قدموں کے بے ترتیب نشانات بکھرے ہوئے تھے جیسے بہت سے آدمی وہاں جم کر ایک دوسرے سے دو بدو لڑتے رہے ہوں۔ ایک خیمے کو بری طرح پھاڑ کر نذر آتش کر دیا گیا تھا۔ ادھ جلے خیمے سے اٹھتے ہوئے دھوئیں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حملہ آوروں پر جلدی اور گھبراہٹ طاری رہی ہو اور وہ اپنی اس کیفیت کی بنا پر اس خیمے کو پوری طرح آگ نہ لگا سکے ہوں۔

"تکامہ! تکامہ!" سردار جوبا نے جلے ہوئے خیمے کے قریب پہنچ کر اس کے مکین کو پوری قوت سے کئی بار پکارا۔

میں کسی آواز کا منتظر رہا لیکن جواب ندارد۔ ہاں وہاں سے کچھ فاصلہ پر سردار کے خیموں کی جانب سے ایک بڑے ہجوم کی ملی جلی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

جب سردار سے ضبط نہ ہو سکا تو وہ میرا ہاتھ تھام کر پھرتی سے ادھ جلے خیمے میں گھس پڑا اور اس کی عقابی نظریں بے چینی کے ساتھ کسی ذی روح کو تلاش کرنے لگیں۔

تکامہ کے خیمے میں بھی دھاچوکڑی کے آثار تھے جیسے آگ لگنے سے قبل وہاں بھی گھمسان کا رن پڑا ہو۔ سارا مال و اسباب بری طرح تباہ کیا گیا تھا۔

"نہ جانے یہاں کیا ہوا ہے۔" جوبا کسی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس قصے کے بارے میں لوگ کیا جانتے ہیں؟"

ہم دونوں اپنے اپنے اونٹ کی پشت پر سوار ہو کر تیزی کے ساتھ جوبا کے خیمے کی طرف چل دیئے تاکہ ادھر کے حالات کا بھی کچھ اندازہ ہو سکے۔

سردار جوبا کے وسیع خیموں کے سامنے والے میدان میں جبرین کے بے شمار قزاق پھیلے ہوئے تھے۔ ان سب کے تیور بگڑے ہوئے تھے اور ان کی بے چین نگاہوں میں انتظار کی کیفیت نمایاں تھی۔

جوبا کو آتا دیکھ کر سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور پل بھر میں وہاں پھیلا ہوا شور سکوت میں بدل گیا۔ ہر شخص جوبا کی زبان سے مانیٹی کے بارے میں کوئی خبر سننے کا منتظر تھا۔

سردار جوبا ایک جگہ اپنا اونٹ روک کر اس کی پشت سے اتر پڑا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی پھر ہم دونوں قزاقوں کے ہجوم کے درمیان سے گزرتے ہوئے جوبا کے خیمے کے سامنے والے بلند چبوترے پر جا پہنچے۔

سردار جوبا نے بہت محتاط اور گہری نظروں سے وہاں جمع ہونے والوں کے تیور بھانپے پھر اس کی رعب دار گونجیلی آواز ابھری۔ "تکامہ کہاں ہے؟"

ایک ثانئے کے لئے جبرین والوں کو سانپ سونگھ گیا۔ چڑھے ہوئے تیور اتر گئے اور وہ سردار جوبا سے آنکھیں چرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"تکامہ کہاں ہے؟" انہیں متزلزل دیکھ کر جوبا غصیلی آواز میں دھاڑا۔ اچانک مجمع کے آخری حصے میں حرکت پیدا ہوئی اور لوگ سرک سرک کر کسی کے لئے راستہ بنانے لگے۔ میری بے چین نگاہیں اسی طرف جم کر رہ گئیں۔ چند ہی ثانیوں میں آنے والا سامنے آ گیا۔

میں نے ایک نظر جوبا کی طرف دیکھا۔ زخموں کے پرانے نشانات سے بھرا ہوا اس کا چوڑا چکلا چہرہ غصے کی شدت سے تاریک پڑ گیا تھا اور وہ اپنے ہونٹ دانتوں میں دبائے آنے والے کو گھور رہا تھا۔

آنے والا جبرین کا ایک شہ زور لڑاکا تھا۔ اس کا نام حبشی تھا۔ حبشی کا تندرست بدن سر سے پیر تک خون کے چھینٹوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے اور اس نے اپنی بانہوں پر خون آلود سفید چادر میں ڈھکی ہوئی کوئی وزنی چیز اٹھا رکھی تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے اس کے قدم کانپ رہے تھے لیکن وہ بڑی بے خوفی کے ساتھ سردار جوبا کی جانب دیکھتا ہوا آگے آ رہا تھا۔

سردار جوبا کے بلند چبوترے کے قریب آ کر حبشی ٹھہر گیا اور بڑی جرات کے ساتھ بولا۔ "تکامہ مارا گیا سردار، اس کے خیمے کو آگ لگا دی گئی ہے۔"

"یہ مجھے بھی معلوم ہے۔" جوبا چیختے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سب کیسے ہوا، کیا جبرین والے اب اپنے ہی آدمیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں!؟"

"جبرین جادوگروں کے لئے نہیں ہے سردار۔" حبشی نے یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں اٹھائی ہوئی تکامہ کی چادر پوش لاش جوبا کے قدموں میں پھینک دی۔

میں نے ایک نظر تکامہ کی خون میں نہائی ہوئی لاش پر ڈالی اور کانپ کر رہ گیا۔ تکامہ بڑی بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ "کیا تکامہ جادوگر تھا؟" جوبا نے متحیرانہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں، بستی والوں نے اس کے خیمے پر روشن بدن اور سنہرے تاج والی ایک شہزادی کھڑی دیکھی۔ جب اس کو للکارا گیا تو وہ فوراً غائب ہو گئی۔ اس کے بعد تکامہ کا خون ہم پر واجب ہو گیا۔ ہم نے کند تلواروں سے مار مار کر اسے ہلاک کر دیا، اس کا خیمہ جلا دیا گیا۔"

"لیکن تم لوگوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار کس نے دیا۔" سردار جوبا غضب ناک آواز میں دھاڑا۔

"کسی نے نہیں۔" حبشی کی نگاہیں نیچے جھک گئیں۔ "یہ میرا قصور ہے، میں نے اشتعال میں آ کر تکامہ کے خیمے پر حملے میں پہل کی تھی۔ پھر سب لوگوں نے میری تقلید کی، جبرین میں فیصلے صادر کرنا تیرا حق ہے اور میں نے تیری حق تلفی کی ہے۔"

"میں بہادری اور سچائی کی قدر کرتا ہوں حبشی!" سردار جوبا چند ثانیوں کے سکوت کے بعد نپی تلی آواز میں بولا۔ "جا میں نے تیرے فیصلے کی تائید کی مگر آئندہ میں ایسی غلطی کو نہ بخشوں گا۔"

"سردار!" حبشی نے سر جھکا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تو اپنے لوگوں پر بہت مہربان ہے!"

وہ دونوں اپنی گفتگو میں مصروف تھے لیکن حبشی کی زبان سے روشن بدن اور طلائی تاج والی کسی شہزادی کا ذکر سنتے ہی میں بے چین ہو گیا۔ مجھے بے اختیار طوسیہ یاد آ گئی۔ وہ بدنصیب شہزادی اب روحانی طور پر سفاک مانیتی کی قید سے نجات پا چکی تھی مگر اس کا جسم اب بھی صندلیں معبد کا قیدی تھا۔ مانیتی کی بے بسی، قید اور پھر فرار کے پے در پے واقعات نے مجھے اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی کہ میں اپنی پیاری طوسیہ کے بارے میں کچھ سوچ سکتا۔

"سردار، جبرین والے اب مانیتی کے منتظر ہیں۔" حبشی نے اپنی جاں بخشی کے بعد بستی والوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں جوبا سے کہا۔

مانیتی کا نام آتے ہی جبرین والوں میں ایک اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

"مانیتی!" سردار جوبا نے چڑھتے سورج کی طرف چہرہ بلند کر کے گمبھیر آواز میں کہا۔ "اس ناپاک اور ملعون بڈھے کی کہانی تم حسین سے سنو گے۔"

اچانک لوگوں میں دبی دبی پرجوش سرگوشیاں پھیلنے لگیں۔ سکوت کا سینہ چاک ہو گیا اور استفسار طلب نگاہیں جوبا کے چہرے سے ہٹ کر مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔

میں نے فوری طور پر اپنے حواس کو مجتمع کیا اور لوگوں پر اثر انداز ہونے کے لئے طوسیہ کی قید سے کہانی شروع کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔ "جبرین میں بسنے والے مقدس آگ کے پجاریو! کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری تاریخ کیا ہے اور تم اس صحرائے اعظم کے اس گوشے میں گمنامی کی زندگی کیوں بسر کر رہے ہو؟"

"نہیں!" مجمع نے ہم آہنگ ہو کر پرجوش آواز میں جواب دیا۔

"تو سنو کہ صحرا کے طول و عرض سے لے کر نیل کے کناروں تک ایک دور میں پتھروں کے پجاریوں کی حکومت تھی۔ وہ عاطیس دیوتا کے سنگیں بت بنا کر ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ان کے حکمران کا ایمان تھا کہ آگ سراسر بدی ہے اور اس کے پجاری کبھی اچھائیوں پر عمل نہیں کر سکتے۔ اس نے تلوار کی قوت سے آتش پرستوں کو مذہب بدلنے پر مجبور کیا اور جو اپنی جدی روایات سے منہ موڑنے پر آمادہ نہ ہوئے ان کا خون بہایا گیا۔ آگ اور خون کی اس ہولی میں مجوسیوں کے قبیلے اس سنگ پرست حکمران کے خوف سے فرار ہونے لگے اور جس کا جدھر منہ سمایا وہ ادھر ہو لیا' تمہارا قبیلہ بھی نیل کے بائیں کنارے کی ایک زرخیز بستی کو خیر باد کہہ کر صحرا میں گھس پڑا اور تمہارے پرکھوں نے صحرا کے اس گوشے میں پناہ لی۔ جہاں تم آج بھی آباد ہو۔ پھر تمہارے پروہتوں پر انتقام کا جنون سوار ہوا۔" میری آواز بتدریج بلند آہنگ ہوتی جا رہی تھی۔ جبرن والے ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔ حیرت سے ان کے دہانے کھلتے جا رہے تھے۔

میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "جبرن میں اس وقت آتش پرستوں کے بڑے بڑے پروہت جمع تھے۔ وہ اپنے اختلافات کو بھلا کر دن رات اس عمارت کی تعمیر میں مصروف ہو گئے جہاں آج بھی مقدس آگ روشن رہتی ہے اور جس آتش کدے میں تم عبادت کرتے ہو۔ وہاں آگ روشن کرنے کے بعد سارے پروہت اس آتش کدے میں جا گھسے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ اندر کیا کر رہے ہیں۔ کئی دن گزر گئے لیکن سنگ پرستوں کے حکمران پر تمہارے پروہتوں کا کوئی وار نہ چلا۔ پھر انہوں نے اپنے علم سے سراغ لگایا کہ اس بادشاہ کی ایک ہی لڑکی ہے جس سے اسے بے اندازہ محبت ہے۔ اس شہزادی کا نام طوسیہ تھا۔ تمہارے پروہت اپنے عمل سے اس لڑکی کی روح کو اس کے جسم سے الگ کر کے قید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس بادشاہ کو اپنے کاہنوں کی مدد سے پتہ چل گیا کہ آتش پرستوں کے کسی گمنام قبیلے کے کاہنوں نے یہ وار کیا ہے۔ اس نے اپنی بیٹی کے بے روح بدن کو تازہ پھولوں کے انبار میں چھپا دیا اور اپنے لشکر صحرا کے چپے چپے میں پھیلا دیئے۔ جب مدتیں گزرنے کے بعد بھی اس قبیلے کا سراغ نہ ملا تو اس بادشاہ نے صحرا کے سینے پر صندل کی لکڑی سے ایک خوبصورت کلیسا تعمیر کرایا اور اپنی لڑکی کا بے روح بدن وہاں محفوظ کر دیا۔ وہ بدن

صدیوں سے اسی صندلیں کلیسا میں اپنی روح کا منتظر ہے... تمہارے پروہت انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ انہوں نے یہ راز ہر ایک سے پوشیدہ رکھا اور طوسیہ کی روح نسل در نسل تمہارے پروہتوں کی قید میں رہی اور اب تک وہ مانینی کی قیدی تھی۔"

میں ایک ثانئے کے لئے خاموش ہوا اور وہ سب بے چین ہو کر پہلو بدلنے لگے۔ وہ جلد از جلد سب کچھ جان لینا چاہتے تھے۔ ان کے چہرے فرط جوش سے سرخ ہوئے جا رہے تھے۔

"مانینی کو تم لوگ مقدس سمجھتے تھے۔" میں نے اپنے ذہن میں سچ اور جھوٹ کا تانا بانا ترتیب دے کر کہنا شروع کیا۔ "مگر وہ راتوں کی گناہ پرور اور نحوست آمیز تاریکی میں طالیس دیوتا کے اوتار کا روپ دھار کر تمہاری کنواریوں کی آبرو سے کھیلتا رہا۔ وہ خوش تھیں کہ کوئی ماورائی قوت راتوں کی سیاہی میں ان کی کوکھوں میں زرخیزی کے جوہر بکھیر رہی ہے۔ مانینی تقدس کے لبادے میں ایک درندہ تھا' وہ اس منصب کا ہرگز اہل نہیں تھا' جو تم نے اسے سونپا ہوا تھا۔ اس نے طوسیہ پر بھی بہت ستم ڈھائے پھر اس شہزادی سے ایک سمجھوتہ کر لیا' تمہاری بے خبری میں مانینی نے مٹی سے بت بنائے اور نخلستان کی تنہائی سے ناجائزہ فائدہ اٹھا کر اس نے اپنا مسلک بدل لیا۔ اس کے صلے میں عاطیس دیوتا نے اس کو بہت سی جادوئی طاقتیں دے دیں۔ وہ تمہارے درمیان آتش پرست تھا لیکن نخلستان کی خلوت میں وہ بت پرست تھا۔ اور جب تمہیں ہوش آیا اور تمہارے سردار نے مانینی کو مویشیوں کے اصطبل میں قید کر دیا تو کسی نے نخلستان میں جا کر مٹی کے بتوں کو نہ توڑا۔ کل رات ان بتوں کی جادوئی قوت سے طالیس کی بینائی جاتی رہی اور اصطبل کا دروازہ خود بخود کھل گیا اور مانینی چوروں کی طرح یہاں سے نکل کر نخلستان جا پہنچا۔ جب صبح کے اجالے میں یہ راز کھلا تو میں سردار جوبا کے ہمراہ نخلستان پہنچا مگر مانینی کو بروقت خبر ہو گئی اور وہ دھوئیں کی پتلی لکیروں کا روپ بدل کر آسمانوں کی طرف اڑ گیا۔ ہم نے اپنے اونٹوں پر میلوں دور تک اس دھوئیں کا پیچھا کیا۔ اس پر اپنی کمانوں سے تیر پھینکے لیکن ہم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور وہ دھواں اوپر اٹھتے اٹھتے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا' تم پر اب شکرانے کی عبادت لازم ہے کہ تمہاری بستی کو اس سے نجات مل گئی۔"

جبرن والوں میں پھیلی ہوئی سنسنی' خوف میں بدل گئی اور وہ دبی دبی آوازوں میں

سرگوشیاں کرتے وہاں سے منتشر ہونے لگے۔

"تو بڑا چالاک ہے حسین!" سردار جوبا نے پسلیوں میں کہنی مار کر میرے کان کے پیچھے مسرت سے کانپتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔ "مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اتنے اعتماد سے جھوٹ بول لیتا ہے!"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور وہ مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ میدان بالکل صاف ہو گیا اور ہم تکامہ کی ادھڑی ہوئی لاش کو اسی چبوترے پر چھوڑ کر خیمے میں واپس آ گئے۔

خیمے میں پہنچ کر جوبا والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا اور جذبہ احسان مندی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "حسین تو جو چاہے مجھ سے مانگ لے' آج میں تجھے منہ مانگا انعام دوں گا۔"

"مجھے اس وقت صرف تنہائی کی ضرورت ہے سردار!" میں نے اپنی طوسیہ کی یاد کی کسک محسوس کرتے ہوئے کہا۔

سردار جوبا نے میرے شانے اپنی مٹھیوں میں جکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ خود سے الگ کر دیا اور میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔ "تو سنگ تراش ہے نا حسین!"

"ہاں سردار وہی میرا فن ہے اور وہی میری زندگی۔"

"تو مژدہ ہو کہ آج سے میں تجھے جبرن میں سنگ تراشی کی اجازت دیتا ہوں' تجھ سے کوئی نہ پوچھ سکے گا کہ تو پتھر کے بت کیوں تراشتا ہے۔"

"جوبا۔" میں اس سے بغل گیر ہو گیا۔

"اس وقت تنہائی تیرا منہ مانگا انعام ہے۔" جوبا میری گرفت سے نکلتے ہوئے بولا۔ "میں جا رہا ہوں۔ میری کنیزیں کئی روز سے میری منتظر ہیں اور مجھے آج کی رات جشن کا انتظام بھی کرنا ہے کیونکہ میری بستی کو مانینی کے شکنجے سے نجات ملی ہے۔"

جوبا چلا گیا اور میں اس وسیع خیمے میں تنہا رہ گیا۔

سورج کی تیز کرنیں خیمے کی کھڑکیوں سے گزر کر اندر چکا چوند پیدا کر رہی تھیں' میں نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں کے چرمی پردے گرا دیئے اور خود طوسیہ کے بارے میں سوچتا ہوا قالین پر آ بیٹھا۔

میری جستجو کا ایک مرحلہ طے ہو چکا تھا' مانینی اپنے لوگوں کے ہاتھوں ذلت و رسوائی داغ کھا کر بے سرو سامانی کے عالم میں صحرا کی بے رحم وسعتوں میں فرار ہو چکا تھا۔ اس پراسرار قوتوں کا طلسم بکھر چکا تھا اور میری طوسیہ کی مظلوم روح اب اس کی قید سے آزاد ا۔

میں انتظار کے کرب میں مبتلا قالین پر پہلو بدلتا رہا۔ میرے کان فضا میں کانسی کی بوں کے مانوس ترنم کے منتظر تھے اور نگاہیں طوسیہ کے پرجمال' شاہانہ پیکر کی جھلک دیکھنے بے تاب تھیں۔

پردوں کی سرسراہٹ اور ذرا ذرا سی آہٹ پر میں چونک پڑتا تھا' مگر انتظار کے لمحات تے رہے' میں بے چین ہو کر خیمے سے باہر نکل آیا اور سمت کا تعین کئے بغیر آہستہ آہستہ ۔ طرف چل پڑا۔

اس وقت میری سماعت مفلوج ہو چکی تھی۔ نگاہوں کے سامنے طوسیہ کا تصوراتی پیکر پ بدل بدل کر لہرا رہا تھا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔

پھر اچانک ایک نسوانی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "حسین۔"

اس آواز میں حیرت [illegible] محبت [illegible] وصل کی لذت [illegible] تھی اور اس سے پہلے ۔ میں اپنی تصوراتی دنیا سے باہر آ کر [illegible] اور حرارت میں ڈوبا ہوا ان پیکر مجھ سے لپٹ گیا۔

یک بیک میری سماعت [illegible] پردے ہٹ گئے اور میں نے خود کو جبرن کی ، چوپال کے قریب پایا [illegible] اور بے سہارا [illegible] کی طرح جبرن ے آوارہ مزاج مردوں [illegible] کے لئے سجا دی [illegible]۔

میں نے اپنے بدن سے [illegible] ہوئی لڑکی کو بمشکل [illegible] سے الگ کیا [illegible] ہی ے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ جبرن کے سردار' جوبا کی ٹھکرائی ہوئی بیٹی زینو تھی' جسے اپنے پ کی زندگی میں ہی محض میری خاطر اس چوپال میں پھینک دیا گیا تھا۔

"حسین تو بڑا سنگدل ہے!" زینو نے میرے سینے پر گھونسا مارتے ہوئے روہانسی آواز میں ا۔

قزاقوں کے سردار کی لڑکی کے چہرے پر اس وقت بے آبروئی کی وحشت سوار تھی۔

آنکھوں میں بھیانک بے رونقی اور سردمہری رچی ہوئی تھی' حسین زلفیں گرد و غبار کی وجہ سے الجھ کر بدوضع ہو چکی تھیں لیکن اس کے بھرے بھرے رخساروں پر اس وقت بھی زندگی کی شفق رنگ تازگی بکھری ہوئی تھی۔ اس کے ورم آلود گلابی ہونٹ اور برہنہ شانوں کے نیلے نیلے داغ جبرن کے ہوس پرست بھیڑیوں کے ستم کی کہانی سنا رہے تھے۔

"زینو' میں تجھے لینے آیا ہوں۔" میں نے اپنی ندامت کو چھپاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

وہ وحشت ناک آواز میں زور سے ہنس پڑی۔ "جبرن کی روایت ہے کہ چوپال والیوں کو کوئی گھر نہیں لے جاتا۔ تو جوان ہے اور تیری راتیں بھی کٹھن گزرتی ہوں گی' آ جا! آج جبرن والوں پر شاید شراب بند کر دی گئی ہے' اسی لئے میں آزاد ہوں۔ جلدی سے چوپال میں آ جا ورنہ نشے میں ڈوبے ہوئے بھیڑیئے مجھے چھین کر لے جائیں گے۔ چوپال میں آنے والا ہر شخص مجھ پر ٹوٹتا ہے۔ سردار کی بیٹی سے کھیل کر وہ بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔"

"نہیں زینو!" میں نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "تو جوبا کی بیٹی بن کر اس کے خیمے میں رہے گی۔ میں ان میں سے نہیں ہوں جو نشہ کر کے اپنے مقام سے گر جاتے ہیں۔"

"سن! تو بڑا پاک باز ہے۔" وہ آگے جھک کر اپنی پیشانی میرے چہرے سے ٹکا کر ہذیانی آواز میں بولی۔ "مانینی مر جائے تو بستی والے تجھے اس کی جگہ پروہت بنا دیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ میری گرفت سے آزاد کرایا اور قہقہے لگاتی چوپال کی طرف بھاگ گئی۔

میں کئی ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں وہاں کھڑا رہا۔ پھر تھکے ہوئے قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔

زینو نے اس وقت ذہنی طور پر مجھے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا اور میں طوسیہ کے بارے میں سوچنے کے ساتھ ہی اپنے وجود پر بھی ندامت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے حالات کے چنگل میں پھنس کر جس طرح زینو کو آلہ کار بنایا تھا وہ رویہ میرے لئے سوہان روح تھا۔ زینو کی آمد نے میرے اس خوابیدہ احساس کو پوری شدت سے بیدار کر دیا تھا۔

بستی میں اب جا بجا مشعلیں روشن ہونے لگی تھیں۔ رات کی پھیلتی ہوئی سیاہی میں آسمان پر جھلملاتے ہوئے ستارے نمودار ہو رہے تھے۔ بستی کے وسط سے واپس لوٹتے

ہوئے میں نے محسوس کیا کہ جبرن کی فضا آوارہ کتوں کے شور سے محروم ہو چکی ہے۔

اسی کے ساتھ مجھے طالیس کا خیال آیا۔ وہ گونگا حبشی اپنی کوتاہی کا داغ مٹانے کے لئے جان کی بازی لگا کر صحرا میں جا گھسا تھا اور شاید اس کو ساتھ لئے بغیر جبرن کے کتے بھی واپس نہ آتے۔

سردار جوبا اپنے خیمے میں بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب سے لبریز مٹی کی صراحی موجود تھی اور ایک کنیز ہولے ہولے اس کی پشت سہلا رہی تھی۔

"تو کہاں چلا گیا تھا حسین!" جوبا نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"بستی تک گیا تھا!" میں نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"کیا کسی پر دل آ گیا ہے؟" جوبا اس وقت بہت زیادہ مسرور تھا۔

"جوبا۔۔ میں تیری بیٹی کے لئے اداس ہوں۔"

"کیا تو اس سے شادی کرے گا؟" جوبا نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں! میں اسے تیری بیٹی کے ہی روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں!" جوبا صراحی پھینک کر کھڑا ہو گیا اور غصیلی آواز میں بولا۔ "چوپال میں جانے والیاں کبھی اپنے گھروں کو واپس نہیں جاتیں۔ یہ تجویز میرے لئے ایک گالی ہے۔"

"تو میرا سر قلم کر دے!" میں نے بے دلی سے کہا۔

"نہیں۔۔ تو میرا دوست ہے!" جوبا ہنس پڑا۔ "زینو کو بھول جا اب وہ بازاری عورت ہے اور وہاں آج رات آتش کدے میں ایک خاص عبادت ہو گی جہاں بستی کا پروہت بھی چنا جائے گا۔ پھر ساری رات جشن ہو گا۔ مانینی پر فتح کا جشن۔" وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "جوان اور نوخیز کنیزوں کے جلوے آج تجھے مدہوش کر دیں گے۔"

میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

پھر جوبا وہاں سے چلا گیا اور میں اس وسیع خیمے میں تنہا رہ گیا۔ وہاں صرف ایک مشعل جل رہی تھی اور اس کی لو کے ساتھ گھٹتے بڑھتے سائے اس خیمے میں طاغوتی قوتوں کی جنگ کا سماں پیدا کر رہے تھے۔

میں کافی دیر تک بے چینی کے ساتھ طوسیہ کو یاد کرتا رہا۔ میرے لئے اس کی طویل غیر

حاضری سخت الجھن اور تشویش کا باعث تھی۔ جس دن سے میں نے اسے دیکھا تھا' جب بھی اسے دل کی گہرائیوں سے یاد کیا وہ ہمیشہ میرے پاس آئی تھی۔ اس وقت تو وہ مانیتی کی قید میں تھی لیکن اب وہ آزاد ہو چکی تھی اور آزادی ملنے کے باوجود وہ میرے پاس نہیں آئی تھی۔

ان حالات میں بنت نیل کی جانب سے میری تشویش بالکل برحق تھی لیکن مجبوری یہ تھی کہ میں اس روح کی تلاش میں کسی سے مدد نہیں لے سکتا تھا اور میرے لئے یہ سراغ پانا مشکل تھا کہ وہ اس وقت صحرائے اعظم کے کس گوشے میں اور کس حال میں ہے۔

میں ان ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک خیمے میں کسی کے قدموں کی دھمک گونجی اور میرا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔

میں نے سر گھمایا تو سردار جوبا نشے کی حالت میں میری جانب بڑھا آ رہا تھا۔

اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی' آنکھیں خمار سے خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے چہرے پر ہوسناک چمک کوند رہی تھی اور اس کے سر پر کسی پرندے کی کھال پڑی ہوئی تھی۔

"جوبا---!" میں نے خلاف توقع اسے موجود پا کر متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"چلو--- آتش کدے میں عبادت شروع ہو چکی ہے۔ ذرا ہی دیر میں معبد کے دیوہیکل دروازے بند ہونے والے ہیں!" وہ میرے قریب آ کر ٹھہری ہوئی مگر قدرے بھاری آواز میں بولا۔

جوبا نشے کی حالت میں بہت خطرناک ہو جاتا تھا۔ اس عالم میں وہ بحث کرنے والوں کے لئے قہر مجسم ثابت ہوتا تھا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے ہمراہ خیمے کے عقبی دروازے سے کھلی فضا میں نکل آیا۔

یہاں سے ہم دونوں الگ الگ اونٹوں پر سوار ہو کر بستی کے آخری سرے کی جانب روانہ ہو گئے۔ روانگی سے قبل جوبا نے میرے سر پر بھی ایک کپڑا ڈال دیا تھا۔

بستی میں ہر طرف غیر معمولی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بیشتر خیموں اور مکانوں کی چھتوں پر شکاری باز پھڑپھڑا رہے تھے۔ جبرین والوں نے اپنے روایتی طریقے پر اپنے پالتو باز کے ایک ایک پنجے میں ڈوری باندھ کر اپنے مکانوں کے سب سے بلند حصوں پر چھوڑ دیئے تھے اور وہ

تیز آوازیں نکال کر بار بار بلندی کی جانب پرواز کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ان کے پنجوں سے بندھی ہوئی ڈوریاں انہیں دوبارہ نیچے آ جانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

جبرین کی بستی میں اس وقت کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا' بستی کے آوارہ کتے اپنے آقا طالیس کے ہمراہ مانیتی کے تعاقب میں صحرا میں گم ہو چکے تھے اور بستی کی عورتیں اپنے خیموں میں دبکی شاید آرام کر رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں ہم بستی سے نکل آئے اور کچھ فاصلے پر آتش کدے کی عمارت نظر آنے لگی۔ اس عمارت پر دل کھول کر چراغاں کیا گیا تھا اور یہ چراغاں جبرین والوں کے لئے عیاشی سے کم نہ تھا۔۔ کیونکہ جبرین والے مشعلوں میں جانوروں کی چربی جلایا کرتے تھے جس کا حصول اس لق و دق صحرائی خطے میں جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

آتش کدے کے برابر میں ایک بہت وسیع احاطہ تھا جس پر ترپالوں سے سایہ قائم کیا گیا تھا۔ آتش کدے کا بڑا چوبی پھاٹک کھلا ہوا تھا لیکن اس احاطے کا داخلی راستہ بند تھا۔

جبرین والوں کی اوہام پرستی کا یہ عالم تھا کہ سورج کی روشنی غائب ہونے کے بعد جوبا کو مجبوراً آسمان کے سائے تلے نکلنا پڑا تو اس نے نہ صرف اپنے سر پر کھال کا سایہ کر لیا تھا بلکہ میرے سر پر بھی کپڑا ڈال دیا تھا۔ اسی ضمن میں آتش کدے سے ملحقہ احاطہ بھی آتا تھا۔ وہ جبرین والوں کے لئے جمع ہونے اور جشن برپا کرنے کی جگہ تھی۔ اور آج شب کی سیاہی میں وہاں جشن کا آغاز ہونا تھا۔ لہٰذا اس کھلے احاطے پر بھی ترپالیں تان دی گئی تھیں اور غالباً بستی کے سارے مرد سورج ڈھلنے سے قبل ہی وہاں جمع ہو چکے تھے۔

اونٹوں سے اتر کر ہم دونوں آتش کدے کی جانب بڑھے۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا کیونکہ میرے لئے اس آتش کدے میں داخل ہونے کا یہ پہلا موقع تھا۔ عرصہ دراز تک جبرین میں رہنے اور وہاں کے ایک باسی کا منہ بولا بیٹا ہونے کے باوجود میں ان آتش پرستوں کی مذہبی رسوم سے ناواقف تھا۔ البتہ یہ ضرور معلوم تھا کہ اس آتش کدے میں ہر کس و ناکس داخل نہیں ہو سکتا۔ بستی کے کچھ گنے چنے اور سربرآوردہ لوگوں کے علاوہ نہ عورتیں اس آتش کدے میں داخل ہو سکتی تھیں۔ نہ غلام اور نہ اجنبی ان اطراف میں آنے کا حق رکھتے تھے۔

انجانے خوف کے تحت آتش کدے کے پھاٹک پر پہنچ کر میرے قدم رک گئے۔

جوبا نے پلٹ کر غصیلی نگاہوں سے میری جانب گھورا اور پھر ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر کھینچنے لگا۔

جوں ہی جوبا نے چوبی پھاٹک عبور کیا' کسی تاریک گوشے سے ایک عمر رسیدہ شخص نمودار ہوا اور اس نے پھاٹک کو مقفل کر دیا۔

میں نے پلٹ کر اس شخص کی جانب دیکھا اور کسی گمنام خوف کے تحت کانپ اٹھا۔

بوڑھا کسی طرح سو برس سے کم نہ تھا۔ اس کی لمبی لمبی جٹائیں چاندی کے تاروں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔ اس کی داڑھی' بھنویں اور پلکیں تک برف کی طرح سفید ہو چکی تھیں۔ مگر جسمانی طور پر وہ حیرت ناک حد تک صحت مند تھا۔ اس کی کمر بالکل سیدھی اور اعصاب رعشے کی کیفیت سے محفوظ تھے۔ اس کا چہرہ خون کی سرخی سے تانبے کی طرح دمک رہا تھا اور اس کی ادھ کھلی آنکھوں میں ہولناک چمک نمایاں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میں کیا۔ کوئی مضبوط اعصاب کا مالک بھی اس کی پوری کھلی ہوئی آنکھوں میں جھانکنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔"

جوبا آتش کدے کی عمارت کے برآمدے نما حصے میں رکا۔ اس پراسرار بوڑھے کے مڑنے کا منتظر رہا۔ جوں ہی وہ چوبی پھاٹک مقفل کر کے جوبا کی طرف پلٹا جوبا کے خوفناک چہرے پر نرم مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سرجاہا! کیا حال ہیں تیرے؟" جوبا کے لہجے سے برابری اور دوستی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"آج بستی کے مقدر کا ستارا چمکا ہے جوبا۔" اس بوڑھے نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اس کی آواز عمر کے مقابلے میں کافی مضبوط اور گمبھیر تھی۔ "دیکھ آج کون نیا پروہت ہوتا ہے!"

جوبا زور سے ہنسا اور دائیں بائیں دیکھ کر سرجاہا کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "یہاں کوئی اجنبی نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جبرین کا اگلا پروہت کون ہو گا۔"

سرجاہا کچھ نہ بولا اور آتش کدے کے اندرونی حصے کی جانب ہماری پیشوائی کرنے لگا۔

چند کشادہ راہداریوں اور ایک لمبوترے کمرے سے گزر کر ہم وسیع ہال میں داخل ہوئے جہاں صرف بھڑکتے ہوئے الاؤ کی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس پراسرار روشنی میں بہت سے آدمیوں کے چڑھتے ہوئے سانسوں یا لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

وہاں دیوار گیر آتش کدے کے سامنے نیم دائرے کی صورت میں باادب بیٹھے ہوئے لوگوں پر ہم تینوں کی آمد کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بدستور اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے مقدس آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں کی طرف دیکھتے رہے۔ جیسے وہ زندہ انسانوں کے بجائے پتھر کے بت ہوں۔

میں' سرجاہا اور جوبا کے ہمراہ ان حلقہ بند لوگوں کے برابر میں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔

"زندگی!" اچانک نیم دائرہ کے داہنے سرے پر بیٹھے ہوئے شخص نے وجد بھری آواز میں ہانک لگائی۔

"موت!" میری حیرت دور ہونے سے قبل ہی اس کے برابر والا شخص بھرپور آواز میں لا۔

"رزق!" تیسری آواز آئی اور پھر وہ لوگ باری باری ایک ایک لفظ کہنے لگے۔

آثار سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں موجود ہر شخص کو اپنی باری پر کسی خاص ترتیب کے تحت کوئی خاص لفظ ادا کرنا پڑے گا۔

جوبا نے مجھے وہاں لانے سے قبل آتش کدے کی رسوم اور آداب کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ ان آداب سے لاعلمی کی صورت میں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ میں نے بوکھلا کر اپنے اطراف میں نظر ڈالی اس قطار میں سرجاہا مجھ سے پہلے اور جوبا میرے بعد تھا۔

"قوت!" میں ابھی اسی تذبذب میں مبتلا تھا کہ جوبا نے اپنی باری آنے پر زور سے کہا۔ میں بری طرح گھبرا گیا۔ جب سکوت کا وقفہ کئی سیکنڈ طویل ہو گیا تو جوبا نے زور سے میری پسلیوں میں اپنی داہنی کہنی ماری۔

"محبت" بوکھلاہٹ اور بے اختیاری کے عالم میں میں کراہا۔

"اے آگ! جو ازل سے روشن ہے۔" میرے منہ سے یہ لفظ ادا ہوتے ہی سرجاہا کی عقیدت سے بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "اے مقدس آگ! تیرے سچے پجاری آج تیرے سامنے موجود ہیں۔ انہوں نے تجھ سے جو کچھ مانگا دلوں کی گہرائیوں سے مانگا ہے۔ انہوں نے تیرے مقدس اجالے کو اپنی جانوں پر کھیل کر روشن کیا ہوا ہے' ان کے دل تیری روشنی

سے منور ہیں اور یہ صحرا کے اس گوشے میں چھپ کر تیری بے حرمتی کرنے والوں
ہولناک انتقام لے رہے ہیں۔ تو بھی ان کی مرادوں کو پورا کر دے۔" سرجاہا کی آ
مضبوط آہنگ بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا۔ "مقدس آگ کے یہ پجاری آج ایک فریب
کھا کر یہاں آئے ہیں۔ تیرے سب سے بڑے پجاری اور پروہت نے ان سے فریب
تیری عظمت کے تصور سے اس کے سامنے سروں کو خم کرتے رہے۔ اور وہ اپنی ہی بستی
...اریوں کو بے آبرو کرتا رہا۔ اپنا راز فاش ہونے پر وہ خونی بھیڑیا جبرین کی اس معصوم
سے صحرا میں فرار ہو گیا ہے۔ یہ اب اپنے نئے پروہت کے متلاشی ہیں۔ تیری نشانی، تیری
مقدس نشانی ہم میں سے جس کے پاس آئے گی اب وہی جبرین کا مقدس پروہت بنے گا۔
تیری کوکھ میں پروان چڑھنے والے عقرب کے منتظر ہیں!"

سرجاہا کے خاموش ہوتے ہی تین آدمی تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور آ
بڑھ کر دیوار گیر آتشی الاؤ میں ہاتھ ڈال کر نہایت اطمینان سے مٹھی بھر انگارے باہر نکا
لائے، جیسے ان کے ہاتھوں کے لئے اس آگ کے شعلے بے اثر ہوں۔

اپنی مٹھیوں میں انگارے سنبھالے وہ واپس اپنی جگہوں پر آئے اور نہایت اطمینان سے
لکڑی کے جلتے ہوئے انگارے چبانے لگے۔ اچانک میرے بدن سے کسی کا ہاتھ ٹکرایا، میں
نے چونک کر سر گھمایا تو سرجاہا میری طرف جھک کر سردار جوبا کے ہاتھ سے ایک چھوٹا سا
مٹی کا برتن لے رہا تھا۔

جوں ہی وہ برتن سرجاہا کے ہاتھ میں آیا وہ یوں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا جیسے وہاں کچھ بھی
نہ ہوا ہو۔ آتش کدے میں موجود دوسرے لوگ اس خفیہ لین دین سے بالکل لاعلم تھے۔

یہ واقعہ میرے لئے کسی طرح ایک پہیلی سے کم نہ تھا۔ ابھی میں اس کے بارے میں
سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سرجاہا کی تیز چیخ سے آتش کدے کی فضا گونج اٹھی۔

"بچھو..... بچھو میرے پاس ہے!" بے ساختہ چیخوں کے بعد سرجاہا خوشی سے کانپتی ہوئی
آواز میں بولا۔

"مقدس پروہت!" سردار جوبا سمیت تمام حلقہ بند لوگوں نے ہم آواز ہو کر کہا اور الاؤ
کے سامنے سجدے میں گر کر اپنی پیشانیاں فرش پر رگڑنے لگے۔

میں ان رسوم میں سازش کی بو پا چکا تھا اس لئے بے خوف ہو کر سجدے میں گرنے

کے بجائے اپنی جگہ پر سیدھا بیٹھا رہا۔ سرجاہا نے جھک کر غور سے میری جانب دیکھا اور کچھ
کہے بغیر سیدھا ہو گیا۔

کچھ دیر تک یوں ہی مقدس الاؤ کے سامنے سجدہ ریز رہنے کے بعد وہ لوگ سیدھے ہو
گئے اور سرجاہا نے آگے بڑھ کر دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھا لئے۔ اس دوران میری نظریں اس
آتش کدے کے فرش پر رینگتے ہوئے بچھو پر جمی رہیں۔ سرجاہا کے الفاظ کے مطابق وہ بچھو
مقدس لاؤ سے جنم لے کر اس تک آیا تھا لیکن میں مٹی کی ہانڈی کی تلاش کی ناکام کوشش
کر رہا تھا جو جوبا نے سرجاہا کے حوالے کی تھی۔

چند منٹ بعد عبادت کا یہ دور ختم ہو گیا۔

پھر ان لوگوں نے باری باری اس بچھو پر لکڑی سے ایک ایک ضرب لگائی اور آخر میں
سرجاہا نے پوری قوت سے اسے کچل کر ہلاک کر دیا اور الاؤ میں پھینک دیا۔

جوبا نے میرا ہاتھ تھاما اور سرجاہا کے پیچھے پیچھے آتش کدے سے باہر نکل آیا۔ وہاں
موجود باقی لوگ بھی اس کی تقلید کر رہے تھے۔

آتش کدے سے باہر آ کر یہ جماعت ملحقہ احاطے کی طرف چل دی۔ سب سے پہلے
جوبا اس احاطے کا بند راستہ کھول کر اندر داخل ہوا اس کے پیچھے سرجاہا اور پھر میں اندر پہنچا۔
اس احاطے میں عجیب ہی رنگ تھا۔

ہر طرف مشعلوں کے شعلے بھڑک رہے تھے اور ان کی روشنی میں جبرین کے بہت سے
جوان قیمتی قالینوں پر پڑے شراب کے جام پر جام خالی کر رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر
تیس چالیس سہمی ہوئی کنیزیں ایک دوسری سے چپکی ہوئی بیٹھی تھیں۔

جوبا اور سرجاہا کے پہنچتے ہی سب لوگوں نے کھڑے ہو کر تعظیم دی اور جوبا شاہانہ انداز
میں ان کے درمیان سے گزر کر بیش قیمت مسند پر جا بیٹھا۔

مجھے اس نے اشارے سے اپنے قریب ہی بلا لیا تھا۔

"مقدس سرجاہا! تجھے جبرین والوں کی مذہبی رہنمائی مبارک ہو!" سردار جوبا نے کہا۔
"آج مانتی کی شکست اور تیرے انتخاب کی خوشی میں یہاں جشن ہو گا۔"

"تو جانتا ہے جوبا کہ میں نے مقدس الاؤ کی خوشنودی کے لئے اپنی عمر وقف کر دی اور
برسوں سے اسی عمارت میں رہا اور آخر کار میری سن لی گئی، تو نے دیکھا کہ اس بار کسی انسانی

جان کی بھینٹ کے بغیر کتنی آسانی سے مقدس الاؤ والا بچھو نمودار ہو گیا۔" سرجابا نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

"ہاں میں خوب جانتا ہوں۔" جوبا مکارانہ لہجے میں بولا۔

اسی وقت کنیزیں اپنے کندھوں پر شراب کی صراحیاں اٹھائے آ پہنچیں اور اس شیطانی سیال کے جام بھر بھر کر ہر ایک کو پیش کرنے لگیں۔

"آؤ۔ تم سب میرے سامنے آ جاؤ!" جوبا نے ہاتھ اٹھا کر کنیزوں سے کہا۔

وہ سب سہمی سہمی' ایک دوسرے کی اوٹ میں چھپتی اس کے سامنے آ پہنچیں۔ وہ کنیزیں جوان اور کمسن تھیں۔ ان میں سے کسی کی عمر بیس برس سے اوپر نہیں تھی۔ ان کے حسین چہروں پر سوگوار سا اضمحلال چھایا ہوا تھا اور ان کی آنکھوں میں دہشت کے سائے ناچ رہے تھے۔

سردار جوبا بھوکی نگاہوں سے ان کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک کنیز کو اپنے قریب طلب کیا۔ وہ ایک دو قدم آگے بڑھ کر ٹھٹک گئی۔

"آگے آؤ!" جوبا دھاڑا۔

جوبا کی آواز سے اس لڑکی پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی اس کے نزدیک پہنچ گئی۔

جوبا نے آگے جھک کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے حلق سے سہمی ہوئی چیخ نکلی اور وہ جوبا کی آغوش میں آ گری۔

وہاں موجود بدمست جوانوں نے دل کھول کر قہقہے مارے۔

"ناچو۔۔۔ تم سب ناچو!" جوبا نے باقی کنیزوں کو اشارہ کیا۔ دہشت زدہ جسم اور سہمے ہوئے قدم جنبش میں آئے اور جبرن کے بدمست جوانوں کے حلق سے نکلنے والی کریہہ آوازیں ان کے قدموں کا ساتھ دینے لگیں۔

جوبا نے اپنی آغوش میں گری ہوئی کنیز پر دست درازی شروع کر دی تھی اور وہ مچل مچل کر خود کو اس بھیڑیئے کے حملوں سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔

جب وہ جوبا کے قابو میں نہ آئی تو جوبا نے جھلا کر اس کے بدن سے کپڑے نوچ ڈالے اور بے رحمی کے ساتھ اسے اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر اس کے نرم و نازک رخساروں میں

اپنے دانت پیوست کر دیئے اس کے حلق سے دردناک چیخ نکلی اور وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے جوبا کی گرفت سے آزاد ہو کر ناچتی ہوئی کنیزوں کے جھرمٹ میں جا گری۔

یہ دیکھ کر سفید بالوں والا نیا پروہت' سرجابا بجلی کی سی سرعت سے اپنی جگہ سے اچھلا اور ایک مشعل سنبھال کر فرش سے اٹھتی ہوئی کنیز پر جا سوار ہوا۔

اس سے قبل کہ وہ بدنصیب لڑکی کچھ سمجھ پاتی۔ سرجابا نے زیر لب کچھ بدبداتے ہوئے جلتی ہوئی مشعل سے اس کا سینہ داغ دیا۔

وہ کنیز اذیت سے تڑپ اٹھی۔ لیکن وہاں موجود لوگوں کے دل میں ذرا رحم نہ آیا۔ وہ ہم آہنگ ہو کر اس طرح ہنس پڑے جیسے یہ ان کا دل پسند کھیل ہو۔

وہاں آہستہ آہستہ جنون اور درندگی کا سماں پیدا ہونے لگا تھا۔ ناچتی ہوئی کنیزوں کو اپنے حلقے میں گھیرے ہوئے بدمست قزاق بری طرح نوچ رہے تھے۔ جوں ہی کوئی کنیز ان کی رسائی میں آتی وہ بے رحمی سے اس کا بدن اپنے پنجوں اور دانتوں سے ادھیڑ ڈالتے۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ ایک کنیز کسی کی گرفت میں آئی اور اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکال کر اسے اپنے برابر والے کی طرف دھکیل دیا اور وہ بدنصیب کنیز اس وقت تک ایک سے دوسرے کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہی جب تک لڑکھڑا کر زمین پر نہ گر گئی۔

سرجابا کے ہاتھوں داغی جانے والی کنیز اب فرش پر پڑی کراہ رہی تھی۔ جوبا کی آنکھوں میں ہوسناک چمک کوند رہی تھی اور شراب کے گھونٹ لے لے کر بڑے شوق سے اس کو گھور رہا تھا۔

وہاں موجود لوگوں کی نگاہیں بار بار جوبا کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں ہوس کا خمار تیر رہا تھا۔ مال و زر کے لٹیرے اب آبرو کے پیاسے نظر آ رہے تھے۔

آخرکار جوبا ایک نعرہ مار کر اپنی مسند سے کودا اور قالین پر کراہتی ہوئی کنیز پر جا پڑا۔ اس کا نیم برہنہ بدن پوری قوت سے اچھلا لیکن جوبا کسی بھوکے عقاب کی طرح اس پر سوار رہا۔

جوبا کا اس کنیز پر یوں حملہ آور ہونا گویا دوسروں کے لئے من مانی کا اشارہ تھا۔ وہ احاطہ شراب کے نشے میں دھت لوگوں کی بے ہنگم چیخ و پکار سے لرز اٹھا پھر ان آوازوں میں کنیزوں کی خوف زدہ چیخیں بھی شامل ہو گئیں۔ جبرن کے قزاق ان کنیزوں کو اپنے بے رحم بازوؤں میں دبوچ کر ناچ رہے تھے۔

اس احاطے کی فضا میں اس وقت درندگی کا راج تھا۔ مجھ پر شدید اضطراب چھایا ہوا تھا۔ ان گھناؤنی حرکتوں سے نفرت کے باوجود میں مزاحمت نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت میرے علاوہ صرف سرجاہا اپنی جگہ پر موجود تھا ورنہ ہر ایک نفس کی آگ میں جھلس رہا تھا۔

"سن حسین!" اچانک سرجاہا نے میرے شانے کو جھنجھوڑ کر کہا اور میں اس کے منہ سے اپنا نام سن کر چونک پڑا کیونکہ ابھی تک اسے میرا نام نہیں بتایا گیا تھا۔

"یہ تیری بدقسمتی ہے کہ آج پراسرار آتش کدے کا ایک راز تجھے معلوم ہو گیا ہے۔" سرجاہا دھمکی آمیز سرگوشیانہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اب تیری زندگی کا انحصار تیری عقل مندی پر ہے۔"

"میں سمجھا نہیں مقدس سرجاہا!" میں واقعی کچھ نہ سمجھ سکا۔

"بس یہ یاد رکھ کہ میرے پاس آنے والا بچھو مقدس آگ میں سے نمودار ہوا تھا اور تو نے عبادت کے دوران میں مجھے جوبا سے کوئی چیز لیتے نہیں دیکھا تھا!" وہ غرا کر بولا۔

"اوہ۔۔۔" میں طویل سانس لے کر بولا۔ "تو مطمئن رہ مقدس سرجاہا! میں اس مٹی کے برتن کو بھول چکا ہوں تو کبھی میری زبان سے یہ کہانی نہ سنے گا۔"

"یہی بہتر ہے!" وہ زیر لب بدبدایا۔

عین اسی وقت کنیزوں کے جھرمٹ میں مجھے اپنی پیاری طوبیہ نظر آئی اور میرا دل مسرت سے اچھل پڑا۔ میں نے غیر ارادی طور پر سرجاہا کی طرف دیکھا۔ گو وہ اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ناچتے ہوئے شیطانی پیکروں کو ہی دیکھ رہا تھا لیکن اس کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ طوبیہ اسے نظر آ رہی ہے۔

میں بے قرار ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

طوبیہ نے مسکرا کر ہاتھ کی جنبش سے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور مڑ کر باہر جانے والے راستے کی طرف چل دی۔

میں جوں ہی آگے کی طرف لپکا کسی نے پشت سے میری گردن دبوچ لی۔

میں خوف اور جھلاہٹ کے ملے جلے تاثرات کے تحت پیچھے مڑا تو سرجاہا کا خوف ناک چہرہ سامنے موجود تھا۔ "کہاں جا رہا ہے۔ جبرن کی ان پرکیف محفلوں کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ سورج کی روشنی پھوٹنے سے پہلے کوئی اس احاطے سے باہر نہ جا سکے گا۔" اس کا لہجہ

سرد اور خوفناک تھا۔

"میں پیشاب کرنے جا رہا ہوں۔" میں نے اپنی گردن اس خبیث بڈھے سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

"تو جھوٹا ہے!" وہ گرج کر بولا۔ "یہ نہ بھول کہ اب میں جبرن کا پروہت اور مقدس الاؤ کا رکھوالا ہوں۔ میرے پاس بہت سی قوتیں ہیں اور میں جانتا ہوں کہ تو اس وقت یہاں سے کیوں نکلنا چاہتا ہے۔"

میری گردن ابھی تک سرجاہا کی گرفت میں تھی۔ میں نے بمشکل سر گھما کر دیکھا تو طوبیہ نکاسی کے راستے کے قریب میری منتظر تھی اور غصیلے انداز میں میری اور سرجاہا کی کشمکش کو دیکھ رہی تھی۔

اسے متوجہ پا کر میرا حوصلہ بڑھ گیا۔ "چھوڑ دے سرجاہا' میرے منہ آنے والوں کا انجام تجھے خوب معلوم ہے' مانتی اس وقت بھی پاگل کتے کی طرح بھوکا پیاسا صحرا میں بھٹک رہا ہو گا۔" طوبیہ کی موجودگی کے احساس نے اس وقت مجھ میں بلا کی قوت ارادی اور بے خوفی پیدا کر دی تھی۔

ایک ثانیے کے لئے سرجاہا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس نے میری گردن چھوڑ دی۔

اس سے رہائی پاتے ہی میں اچھل کر بھاگا لیکن میرے پیر کسی چیز میں الجھ گئے اور میں منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ میں نے جھک کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے قدم ہلائے اور مجھے محسوس ہوا کہ میرے قدم کسی نادیدہ جال میں پھنس چکے ہیں۔

سرجاہا کے ہونٹوں پر خبیث مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جیسے وہ میری الجھن سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

سردار جوبا سمیت وہاں موجود دوسرے لوگ اس الجھاؤ سے بالکل ہی لاعلم تھے اور اپنی بدمستیوں میں مصروف تھے۔ بدنصیب کنیزوں کے جسموں سے لباس نوچے جا چکے تھے۔ نازک اور گداز جسموں پر بے شمار خراشیں پڑ چکی تھیں لیکن وہ اب بھی چیخ چیخ کر اپنی مدافعت کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں۔ جن کنیزوں کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی وہ جبرن کے

بھیڑیوں کے ہاتھوں ذلت اور بے توقیری کا نشانہ بن رہی تھیں۔

"تو جانا چاہتا ہے تو چلا جا' میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تیرے منہ آنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔" سرجابا میری جھلاہٹ اور بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔

میں نے بے بسی سے طوسیہ کی جانب دیکھا اور وہ کسی سبک رفتار پرندے کی طرح ہوا کے دوش پر اٹھ کر تیرتی ہوئی میری طرف آنے لگی۔ سرجابا نے چونک کر نتھنے سکوڑے' جلدی جلدی چند گہرے سانس لئے اور گھبرا کر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "روح' یہ صدیوں پرانی روح کی بو یہاں کیسے آ پہنچی' یہاں کونسی روح آ گھسی ہے!؟"

طوسیہ نے میرے قریب آ کر تیزی سے میرے گرد دو چکر لگائے اور میرے پاؤں اس نادیدہ جال سے آزاد ہو گئے۔ پھر وہ سرجابا کی طرف گئی' مجھے طوسیہ کا داہنا ہاتھ فضا میں بلند ہوتا نظر آیا اور اسی کے ساتھ سرجابا ایک کریہہ چیخ مارتا مسندوں کے اوپر جا گرا۔

اس کی چیخ اتنی شدید تھی کہ نشے اور بدمستی کے خمار کے باوجود سب لوگ چونک پڑے۔

سب سے پہلے سردار جوبا اس کنیز کو چھوڑ کر اٹھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "سرجابا کیا بات ہے' وہ کون ہے جو جبرن کے مقدس پروہت کو چیخنے پر مجبور کر رہا ہے؟"

"یہاں ایک روح آ گھسی ہے جوبا!" سرجابا اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہونٹ کئی جگہ سے پھٹ چکے تھے اور اس کی آواز میں خوف کی لرزش نمایاں تھی۔

"روح!" جوبا نے حیرت سے دہرایا۔ "جبرن میں بدروحوں کا کیا کام؟"

اس وقت تک طوسیہ میرے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف چل پڑی تھی۔

"تیرا غلام حسین منحوس ہے جوبا!" سرجابا تیز آواز میں بولا۔ "اسی کی وجہ سے مجھ پر کسی نادیدہ قوت نے وار کیا ہے۔ میں یہاں کسی صدیوں پرانی روح کی بو بھی محسوس کر رہا تھا' مجھے شک ہے کہ نیل کی شہزادی' طوسیہ کی روح حسین پر فریفتہ ہے۔ اس صدیوں کی قیدی روح نے مانیٹی کو برباد کیا اور اب مجھ پر وار کیا ہے!؟"

"سرجابا!" سردار جوبا غضب ناک لہجے میں دھاڑا۔ "جبرن کا پروہت ہو کر بھی تو کسی سہمی ہوئی بیوہ کی طرح منمنا رہا ہے۔ یاد رکھ کہ جبرن والے بزدل پروہت کے لئے سخت گیر ہوں گے۔"

اس احاطے میں ساری سرگرمیاں موقوف ہو چکی تھیں۔ سب لوگ الوؤں کی طرح آنکھیں جھپکا جھپکا کر جوبا اور سرجابا کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے ان کے ذہن ماؤف ہو چکے ہوں۔

"حسین جاتا ہے تو جانے دے!" جوبا کہہ رہا تھا۔ "وہ اب کسی کا غلام نہیں ہے!"

"نہیں۔۔۔ وہ جبرن کا راز جان چکا ہے' وہ یہاں سے گیا تو دنیا جان جائے گی کہ صحرا کے اس گوشے میں آتش پرست صحرائی قزاقوں کی کوئی بستی آباد ہے!" سرجابا کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

جوبا کا جواب میں نہ سن سکا اور طوسیہ کے ہمراہ اس احاطے سے باہر نکل گیا۔

اس وقت طوسیہ محض ایک روح تھی۔ روح۔۔۔ جس کا کوئی جسم نہیں تھا' جو حسین خد و خال اور اپنی انفرادیت کے باوجود ہوا کے کسی جھونکے کی طرح لطیف تھی۔

میں اس وقت طوسیہ کو اپنی آغوش میں لے کر سینے سے لگانے کے لئے بے تاب تھا لیکن مجبور تھا۔

شیطانی جشن والے احاطے سے اب پھر بدمستی اور شوریدہ سری کا ہنگامہ ابھرنے لگا تھا۔ وہاں انسان شراب کے خمار میں ڈوب کر درندوں کی صف میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ پامال کنیزوں کی دلدوز چیخیں فضا کا سینہ چاک کر رہی تھیں۔ لیکن جبرن کی بے رحم سرزمین پر کوئی نہ تھا جو ان کی مدد کرتا۔ ان کے جسم نوچے جا رہے تھے' مشعلوں سے داغے جا رہے تھے اور قبائے آبرو تار تار کی جا رہی تھی اور یہ ظلم مانیٹی کے ظلم سے نجات کے شکرانے کے طور پر کیا جا رہا تھا۔

احاطے سے کچھ دور نکل آنے کے بعد مجھ سے نہ رہا گیا اور میری شکایت الفاظ میں ڈھل گئی۔ "طوسیہ۔۔۔ تم کہاں تھیں۔ میں تمہارے فراق میں تڑپ رہا تھا۔"

"مانیٹی کا دماغ الٹ چکا ہے حسین!" وہ میری طرف دیکھ کر باوقار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میری قید اسے بہت مہنگی پڑی ہے اور اب وہ صحرا میں اس صندلیں کلیسا کی تلاش میں ہے جہاں میرا جسم قید ہے میں خود اس کلیسا کے مقام سے بے خبر ہوں اسی لئے میں مانیٹی کے تعاقب میں نکل گئی تھی کہ شاید صندلیں کلیسا کا سراغ مل سکے۔ لیکن سردار جوبا کا گونگا اور معذور غلام قہر مجسم بنا اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ ہر قیمت پر مانیٹی کو مار دینا چاہتا

ہے اور طالیس کا خوف مانیتی کے اعصاب پر اس بری طرح سوار ہے کہ وہ بار بار سمتیں بدل رہا ہے۔ مانیتی اونٹ پر سوار ہے اور طالیس پیدل ہے۔ جبرین کے آوارہ کتوں کا غول بھی طالیس کے ہمراہ مانیتی کا پیچھا کر رہا ہے۔ ان کتوں نے کئی بار مانیتی کو زیر کر کے اسے لہولہان کر ڈالا' لیکن وہ سخت جان بڈھا ہر بار ان کے چنگل سے زندہ بچ نکلا۔ مجھے یقین ہے کہ طالیس اسے اتنی آسانی سے ہلاک نہ کر سکے گا۔"

اچانک دور سے ایک ناقہ سوار ہمیں احاطے کی جانب جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کے جسم کی ساخت سے میں فوراً ہی اسے پہچان گیا وہ سردار جوبا کا مخبر تھا اور یقیناً کسی کاروان کے گزرنے کی اطلاع پہنچانے جا رہا تھا۔

"طوسیہ۔۔۔ میں تمہارے فراق کی آگ میں جل رہا ہوں۔" میں مضطربانہ لہجے میں اس سے بولا۔ "اب ہم فوراً ہی اس صندلیں کلیسا کی تلاش میں نکلیں گے۔ تمہاری روح تمہارے جسم کے بغیر ہمیشہ بے چین رہے گی۔"

"ہاں قدرتی موت کے بغیر روح اور جسم کی جدائی عذاب ہوتی ہے حسین!" وہ دکھی لہجے میں بولی۔ "ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر جاندار کے لئے سانس مقرر ہیں اور وہ سانس پورے ہوتے ہی موت واقع ہو جاتی ہے۔ میری روح صدیوں سے بدن سے بچھڑی ہوئی ہے اس لئے میرا جسم سانس لینے سے معذور ہے یہی وجہ ہے کہ میں اب تک ایک زندہ جسم سے بچھڑی ہوئی روح ہوں۔ نہ جانے میرے کتنے سانس باقی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے جسم سے ملاپ ہوتے ہی چند سانسوں کے بعد میری زندگی کا تار ٹوٹ جائے اور تم تنہائی کے کرب کا شکار ہو جاؤ۔" وہ آزردہ لہجے میں بولی۔

"کسی کو نہیں معلوم طوسیہ!" میں جذباتی لہجے میں بولا۔ "کہ اس کی زندگی کب تک ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ تم سے پہلے میرے ہی سانس پورے ہو جائیں!"

"ایسا نہ سوچو حسین!" وہ ایک دم بول پڑی۔ "تمہارے بعد تو میں تنہا رہ جاؤں گی۔"

"اب ہم صحرا کا سفر کیسے کر سکیں گے طوسیہ؟" میں نے چند ثانیوں تک خاموشی سے چلتے رہنے کے بعد کہا۔

"میرے لئے تو بھوک اور پیاس بے معنی ہے۔ ہاں تم صحرائی سفر کی سختیاں نہ جھیل سکو گے۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔" میں نے کہا۔ اس نے چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں دیکھا۔۔۔ اور بے ساختہ مسکرا دی۔ "میں سمجھ گئی' تمہاری تجویز بہت معقول ہے۔"

"بھلا کیا تجویز ہے میری؟" میں نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"جوبا کا مخبر ابھی کسی کاروان کے گزرنے کی اطلاع لایا ہے۔" وہ تائید طلب لہجے میں کہنے لگی۔ "ہم جبرین والوں کے سواری کے جانوروں کی رسیاں کھول کر انہیں صحرا میں ہانک دیں تاکہ وہ لوگ اس قافلے کو تاراج نہ کر سکیں۔ پھر تم اس کاروان میں شریک ہو جاؤ اور جبرین سے دور کسی بستی میں پڑاؤ کر کے زاد راہ کا انتظام کرنے کے بعد صندلیں کلیسا کی تلاش میں نکلا جائے۔"

"بالکل۔ بالکل یہی تجویز ہے میری!" میں بے تابانہ لہجے میں بولا۔

"تم بستی کی طرف چلو۔۔۔ میں ابھی آتی ہوں۔" طوسیہ نے کہا اور فوراً ہی میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔

میں تیزی کے ساتھ ویران صحرائی قطعہ عبور کر کے بستی کی جانب بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد بستی کی حدود میں داخل ہوا تو ہر طرف سے اونٹ نکل نکل کر صحرا کی جانب بھاگتے نظر آئے۔ ان کی نکیلیں غائب تھیں اور وہ آزاد ہو کر پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے۔

بستی میں ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ جبرین کے باسی بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ راستوں پر اور خیموں پر آرائشی مشعلوں کی روشنی بدستور موجود تھی۔ خیموں اور مکانوں کی چھتوں پر بندھے ہوئے باز بھی اونگھ رہے تھے۔

بستی میں پہنچ کر میں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس موقع پر سردار جوبا کی بیٹی زیتو سے میرا سامنا ہو!

سردار جوبا کے خیمے اس وقت نگہبانوں کی تحویل میں تھے۔ مجھے علم تھا کہ جوبا اپنی تمام کنیزوں کے ہمراہ وہاں سے غائب ہے اس لئے میں نے ادھر ہی کا رخ کیا۔

جوبا کے مجلسی خیمے پر کوئی غلام موجود نہیں تھا۔ میں بلا روک ٹوک اندر داخل ہو گیا۔ چند ثانیوں تک ادھر ادھر کی سن گن لینے کے بعد میں عقبی دروازے کی جانب بڑھا۔ اس

سے نکل کر میں مٹی کی دیواروں سے بنی ہوئی راہداری میں نکل آیا جس کے اختتام پر سردار جوبا کا اسلحہ خانہ تھا۔ جوبا کے اسلحہ خانے میں بھانت بھانت کے بے شمار ہتھیاروں کے ساتھ ہی خورد و نوش کے خشک سامان کے ڈھیر بھی موجود رہتے تھے اور اس وقت میں اسی نیت سے ادھر آیا تھا کہ چند ہتھیار اور خورد و نوش کا مختصر سا سامان اپنے قبضے میں لے لوں۔

ابھی میں اس سلحہ خانے کا قفل توڑنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اچانک طوسیہ وہاں پہنچی۔ "حسین اپنی جان کی فکر کرو اور کہیں پناہ لے لو!" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟" میں بوکھلا گیا۔

"وہ کوئی صحرائی کارواں نہیں ہے۔ یہاں سے تین کوس کی مسافت پر قزاقوں کی ایک اور گمنام بستی ہے۔ مانیتی جان بچا کر کسی نہ کسی طرح وہاں پناہ لینے میں کامیاب ہو گیا۔" طوسیہ جلدی جلدی مجھے بتانے لگی۔ "اور جب طالیس اس کے تعاقب میں وہاں پہنچا تو بے دردی کے ساتھ ذبح کر دیا گیا۔ مانیتی اس وقت غصے اور انتقام سے پاگل ہو رہا ہے۔ اس کی پراسرار قوتیں ختم ہو چکی ہیں اس لئے وہ سازش پر اتر آیا ہے۔ اس نے جبرین اور یہاں کے باسیوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے اس بستی کے سردار کو جبرین کی دولت کی فرضی کہانیاں سنا کر ایسا اکسایا ہے کہ وہ فوراً ہی اپنی بستی والوں کے ساتھ نکل پڑا ہے۔ میں اس کارواں کی خبر لینے سے پہلے جبرین کے مویشیوں کو جنگل میں ہانک چکی ہوں اور اب ان لوگوں پر مانیتی کے حمایتیوں کا حملہ بڑا بھاری پڑے گا اب تم فوراً کسی طرف نکل بھاگو۔"

ابھی طوسیہ کی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ کہیں سے بہت سے آدمیوں کا ملا جلا شور سنائی دیا۔ میں پھرتی کے ساتھ اسلحہ خانے کی راہداری کی دیوار کود کر باہر آیا اور جوبا کے خیموں کا ایک طویل چکر کاٹ کر بستی کے وسطی حصے میں آ پہنچا۔

طوسیہ کہیں روپوش ہو چکی تھی۔

سامنے سے مجھے سردار جوبا اپنے حواریوں اور نئے پروہت سرجاہا کے ہمراہ اپنے خیموں کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ وہ سب غصے کے عالم میں کسی کو مغلظات بک رہے تھے۔ ذرا ہی دیر میں ان کے طیش کا سبب میری سمجھ میں آ گیا۔ آتش کدے کے قریب سے ان کے مویشی بھی ہنکا دیئے گئے تھے اور انہیں پیدل ہی اپنی بستی کی طرف بھاگنا پڑا تھا۔

کوشش کے باوجود میں یہ نہ سمجھ سکا کہ جبرین والے صحیح صورت حال سے واقف ہو

چکے ہیں یا اب بھی اس کارواں کو سونے کی چڑیا سمجھے بیٹھے ہیں۔

جبرین کے خیموں میں زندگی نمودار ہونے لگی تھی اور وہ لوگ اپنے سروں پر بھانت بھانت کی ٹوپیاں جمائے اسلحہ بند ہو کر باہر آنے لگے تھے۔ جب میں نے خیموں کی اوٹ میں گھوم گھوم کر یہ صورت حال دیکھی تو یقین آ گیا کہ جبرین والے متوقع خطرے سے آگاہ ہو چکے ہیں۔

مانیتی نے نیم دیوانگی اور شکست کے اس عالم میں بھی اپنے حواس پر قابو رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جبرین والے شب کی سیاہی میں نیم دلی بلکہ خوف کے ساتھ کھلے آسمان تلے نکلتے ہیں اسی لئے اس نے گمنام بستی والوں کو شب خون پر اکسایا ہو گا۔

ذرا ہی دیر میں سردار جوبا بھی اسلحہ بند ہو کر اپنے آدمیوں سمیت باہر آ گیا اور جبرین والے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔

"سنو مانیتی نے اس مٹی سے غداری کی ہے۔" سردار جوبا غیض و غضب سے کانپتی ہوئی آواز میں دھاڑنے لگا۔ "جس پر اس نے ایک حقیر لومڑے کی طرح جنم لیا۔ اس کے ساتھ آنے والے کبھی نیک نیت نہیں ہو سکتے۔ وہ یقیناً جبرین کو لوٹنے اور برباد کرنے آ رہے ہیں لیکن ہماری بستی میں اب بھی مانیتی کے ہمدرد موجود ہیں جنہوں نے ہمارے اعتماد اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہماری سواری کے مویشیوں کو صحرا میں ہانک دیا۔ اب حملہ آور لونٹوں پر ہوں گے اور ہم اپنی زمین پر ان کا مقابلہ کریں گے۔ آج کی رات ہمارے لئے بھاری ضرور ہے مگر ہم ان پر غالب آئیں گے۔ ہمیں دست بدست جنگ کے بجائے زہریلے تیروں سے مقابلہ کرنا ہے۔ ہم پیدل رہ کر تیر کمان سے ہی لڑ سکتے ہیں' ہمارے دوسرے ہتھیار بیکار ہو چکے ہیں۔ تم سب تین ٹکڑیوں میں بٹ جاؤ۔ ایک ٹکڑی میرے ساتھ بستی کے آخری سرے پر چھپ کر دشمن کا انتظار کرے گی۔ دوسری سرجاہا کے ساتھ بستی کے قلب میں ان کا انتظار کرے گی اور تیسری جماعت راعون کے بڑے لڑکے کی کمان میں رہے گی اور جہاں ضرورت ہو' ادھر جا کر لڑے گی۔ دشمن کے آنے سے پہلے سب لوگ کمین گاہیں ڈھونڈ لو۔ آنے والوں کو یہ معلوم نہ ہونا چاہئے کہ ہم ہوشیار ہو چکے ہیں۔ اس طرح ہم انہیں بہت زیادہ نقصان پہنچا کر ہراساں کر سکیں گے۔ سب کان کھول کر سن لو کہ ان کا سردار ادھیڑ عمر کا یک چشم آدمی ہے۔ میرے مخبر نے اطلاع دی ہے کہ اس کی ایک آنکھ پر

سیاہ ریشم کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور اس کے سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید ہیں۔"

سردار جوبا کی ان ہدایات پر لوگوں میں سخت ہیجان اور جوش پیدا ہو گیا اور وہ رضاکارانہ طور پر تین جماعتوں میں تقسیم ہونے لگے۔

سردار جوبا والی جماعت اس کی رہنمائی میں دوڑتی ہوئی بستی کے آخری سرے کی طرف چل دی۔ سرجابا نے اپنے آدمیوں کو رہائشی خیموں اور مکانوں کے عقب میں اور چھتوں پر بھیجنا شروع کر دیا۔ راعون کے لڑکے والی ٹکڑی نے پھرتی کے ساتھ تمام مشعلیں گل کر دی تھیں اور رات کی گھور سیاہی میں سردار جوبا کے خیموں سے آگے بڑھ گئی۔

جبرن کی بستی اس وقت گہری تاریکی میں ڈوب چکی تھی۔ ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا جس میں سنسنی اور ہیجان انگڑائیاں لے رہا تھا۔ جبرن والے اپنی کمین گاہوں میں سانس روکے دبکے ہوئے تھے چھتوں پر موجود سائے کبھی کبھی اوپر اٹھ کر صحرا کی جانب نظر ڈالتے تھے جدھر سے حملہ آوروں کے آنے کا امکان تھا۔

انتظار، دہشت اور بے چینی کے یہ لمحات صبر آزما ہوتے جا رہے تھے۔ فضا میں ابھی سے انسانی لہو کی بو کا رچاؤ محسوس ہونے لگا تھا اور میرے اعصاب پر سخت تناؤ طاری ہو چلا تھا۔

"ہوشیار!" اچانک ایک مکان کی چھت سے دبی دبی پرجوش آواز بلند ہوئی۔ کمین گاہوں کی تاریکی میں ہتھیاروں کے ٹکرانے کی مدھم آوازیں ابھریں جیسے لوگوں نے پہلو بدلے ہوں اور پھر وہاں ایسا گہرا سکوت چھا گیا۔ جیسے جبرن کی آبادی موت کی آغوش میں جا سوئی ہو۔

اچانک کسی خیمے سے کسی بچے کے رونے کی آواز ابھری جس پر سب ہی لوگ چونک پڑے مگر وہ آواز بلند ہونے سے قبل ہی نرخرے کی بے ہنگم آوازوں میں گھٹ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس بدنصیب بچے کی سنگ دل ماں نے بے رحمی کے ساتھ اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

کچھ دیر بعد صحرا کی جانب سے آنے والی ہوا کے دوش پر اکا دکا اونٹوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ آنے والوں نے اپنے اونٹوں کے گلوں سے گھنٹیاں اتاری ہوئی ہیں۔

"رات کی سیاہی میں آج پوری بستی کھلے آسمان تلے نکل پڑی ہے، میرا تو دل کانپ رہا

ہے۔ نہ جانے آج کی رات جبرن پر کیا قیامت گزرتی ہے۔" میرے قریب ہی ایک خیمے کی اوٹ میں چھپے ہوئے ایک شخص نے نیچی آواز میں بڑبڑا کر اپنے ساتھی سے کہا۔

"خاموش رہ۔" دوسرے نے سرگوشیانہ آواز میں اسے جھاڑ دیا۔ "یہ مایوسی کا وقت نہیں ہے، جبرن والوں نے جبل کی بستی کو تاراج کر دیا تھا تو آنے والوں کی کیا ہستی ہے۔ ہم یقیناً ان پر بھاری پڑیں گے۔"

پھر اچانک بستی کے آخری سرے سے غلغلہ بلند ہوا۔ اس میں جبرن والوں کے وحشیانہ جنگی نعرے بھی تھے اور زخمی ہونے والوں کی بھیانک چیخیں بھی۔

بستی کے آخری سرے پر معرکہ چھڑ چکا تھا۔ جبل کو خون کا غسل دینے والوں کی اپنی سرزمین پر انسانی لہو کی ہولی شروع ہو چکی تھی اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ مانیئی کی اس انتقامی کوشش کا کیا نتیجہ ہو گا۔

میں بدستور سانس روکے اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ میرا ذہن ماؤف ہو چکا تھا اور میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ اس خوفناک جنگ سے خود کو بچانے کے لئے کہاں پناہ لوں۔

پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

رات کی ہولناک سیاہی میں بستی کے آخری سرے سے گونجنے والی بھیانک چیخیں انسانی بربریت کا ماتم کر رہی تھیں۔ اونٹوں کی آوازوں سے عجیب وحشت ٹپک رہی تھی۔ ان آوازوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے حملہ آوروں پر سردار جوبا کی ٹولی کا وار بہت کاری پڑا ہو۔

اس جانب اتنی گھمسان کی لڑائی چھڑ چکی تھی لیکن سرجاہا کی جماعت والے ابھی تک سانس روکے اپنی جگہوں پر دبکے ہوئے تھے۔ ان کی یہ خاموشی میرے لئے عجیب اور ناقابل فہم تھی۔

اپنی جگہ سے ہٹ کر میں آہستہ آہستہ سردار جوبا کے خیموں کی جانب سرکنے لگا۔ احتیاط کے باعث مجھے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گزرنا پڑ رہا تھا کہ مبادا میں کسی سے ٹکرا کر نیچے نہ گر جاؤں۔ اور کسی نیزے کی زہر میں ڈوبی ہوئی انی میرے سینے میں پیوست نہ ہو جائے۔

اتنی احتیاط کے باوجود اچانک میرا داہنا بازو کسی شخص سے ٹکرایا اور فوراً ہی کسی نے مجھے دبوچ لیا اور کڑک دار لیکن دھیمی آواز میں پوچھا۔ ”کون ہے؟“

میں آواز پہچان گیا اور میرے بدن سے پسینے بہہ نکلے۔ اگر وہاں جبرن کا کوئی اور باشندہ ہوتا تو میں باآسانی اپنا نام بتا سکتا تھا لیکن اس وقت سرجاہا میرے مقابل تھا اور وہ جشن کے دوران میں طوبیہ کے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد شاید میرا دشمن ہو چکا تھا۔

”تو کون ہے؟“ سرجاہا نے میرے بے حس و حرکت بدن کو جھنجھوڑ کر دوبارہ پوچھا۔

مجھے فوراً ہی ایک تدبیر سوجھی اور میں نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ کر سارا وزن سرجاہا پر ڈال دیا۔ سرجاہا نے گھبرا کر ایک بار پھر میرے بدن کو جنبش دی اور میں کسی بے جان لاش کی طرح زمین پر گر گیا۔

”ارے۔۔۔ یہ تو شاید مر گیا۔“ سرجاہا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

پھر شاید وہ میرے بدن کو ٹٹولنے کے لئے نیچے جھکا لیکن میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کوئی آواز پیدا کئے بغیر ایک طرف لڑھک چکا تھا۔

”کہاں گیا۔۔۔ یہ کدھر گیا؟“ سرجاہا کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آواز نکلی۔

میں کچھ دور تک زمین پر لڑھکنے کے بعد پھرتی کے ساتھ ایک مکان کی دیوار سے لگ کر سرجاہا سے دور کھسکتا چلا گیا۔ ادھر سرجاہا کئی آدمیوں کے ساتھ میرے بارے میں بات کر رہا تھا۔

”اسے تلاش کر مقدس سرجاہا!“ ایک شخص کی جوشیلی آواز ابھری۔ ”وہ یقیناً حملہ آوروں کا مخبر تھا اور اسی نے ہماری بے خبری میں ہمارے مویشی آزاد کئے ہوں گے۔“

جب سرجاہا کا دھندلا ہیولا میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں احتیاط سے پنجوں کے بل دوڑتا ہوا سردار جوبا کے خیموں کی طرف ہو لیا مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ سرجاہا مجھے نہ پہچان سکا۔

چند سو گز کے فاصلے پر لڑی جانے والی جنگ میں اب لحظہ بہ لحظہ شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ سردار جوبا حملہ آوروں کو بستی سے باہر روکنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

سردار جوبا کے خیموں میں پہنچ کر میں نے چھپ جانے کا ارادہ کیا لیکن باہر لڑی جانے والی جنگ میرے اعصاب پر اس بری طرح سوار تھی کہ میں زیادہ دیر تک وہاں چھپا نہ رہ سکا اور سردار جوبا کے خیمے سے نکل کر زمین پر کہنیوں کے بل بستی کے آخری سرے کی طرف رینگنے لگا۔

وہاں جنگ پورے عروج پر تھی۔ دشمن کو فریب دے کر تیروں کی بارش کا شکار بنانے کا منصوبہ کارگر رہا تھا۔ جبرن والے اپنی کمین گاہوں سے بھرپور تیر اندازی کر رہے تھے۔ ان کے حملوں کی شدت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں حملہ آوروں کے ہاتھوں زیادہ نقصان نہیں اٹھانا پڑا ہے۔

ادھر حملہ آور بھاری نقصان اٹھانے کے بعد ہوش میں آ چکے تھے۔ اس محاذ پر لڑنے والے اپنے اونٹوں سے نیچے آ چکے تھے اور ان کے وحشت زدہ جانور تیروں کی باڑھ سے

زخمی ہو کر بلبلاتے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں میں نے محسوس کیا کہ حملہ آوروں کی بڑی تعداد بستی کے گرد پھیلتی جا رہی ہے۔ جوبا کو الجھائے رکھنے کے لئے پندرہ بیس حملہ آور اسی جگہ ڈٹے ہوئے تھے۔

یہ صورت حال جبرین والوں کے اور خصوصاً میرے لئے بہت تشویش ناک تھی۔ مائین کی فتح کے بعد میرا حشر عبرتناک ہوتا جبکہ جبرین والوں کی فتح میں میری نجات پوشیدہ تھی۔ سردار جوبا غالباً ابھی تک دشمن کی چال نہیں سمجھ سکا تھا۔۔۔۔۔ دشمن کے ست پڑتے ہوئے حملے پر وہ پوری فیاضی سے اپنے آدمیوں کے تیر ضائع کرا رہا تھا۔ راعون کے لڑکے کی ٹکڑی بھی غالباً اس سے آ ملی تھی اور اب بستی کے دفاع کا انحصار صرف سرجاہا کے آدمیوں پر رہ گیا تھا۔ اگر حملہ آور کئی سمتوں سے جبرین پر یلغار کر دیتے تو ان کو سنبھالنا کسی کے بس کی بات نہیں رہتی۔

میں زمین پر رینگتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا اور جبرین والوں میں جا پہنچا۔

"سردار جوبا کہاں ہے؟" میں نے ایک تیرانداز کے کان میں سرگوشی کی۔

"تو کون ہے؟" اس نے بھڑک کر اپنا نیزہ میرے سینے سے لگا دیا۔

"حسین۔۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ میرے پاس جوبا کے لئے ایک اہم خبر ہے۔ وقت ضائع نہ کرو ورنہ بستی تاراج کر دی جائے گی۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"وہ ابوسقر کے خیمے کی آڑ میں ہے۔" اس نے جلدی سے کہا اور پھر دشمن پر وار کرنے میں مصروف ہو گیا۔

میں خود کو تیروں کی برسات سے بچاتا بمشکل ابوسقر کے خیمے تک پہنچ سکا۔ سردار جوبا اپنے چند جانثاروں اور قاصدوں کے ذریعے وہاں سے اپنے لشکر کی کمان کر رہا تھا۔"

"سردار اپنے عقب کی خبر لے۔" میں اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ "دشمن بستی کو گھیر رہا ہے۔"

میری آواز پر جوبا ایک دم چونک پڑا پھر جوشیلی آواز میں بولا۔ "آگیاری کی قسم تو جبرین کا نمک خوار ہے اور تیری لائی ہوئی خبر سچ ہے۔"

پھر وہ اپنے آدمیوں کی طرف گھوم کر چیخا۔ "پسپا ہوتے ہوئے سرجاہا کے آدمیوں سے جا ملو۔ دشمن چاروں طرف سے یلغار کر کے ہمیں ایک دوسرے سے کاٹنے کی فکر میں

ہے۔"

اور یوں جنگ تیزی کے ساتھ جبرین کی گلیوں میں پھیلنے لگی۔

حملہ آور اندر گھستے ہی ویران خیموں اور مکانوں کو لوٹنے لگے۔ بستی میں بڑھنے سے قبل وہ اپنے عقبی خیموں اور مکانوں کو نذر آتش کرتے جا رہے تھے۔

اندھیری رات میں جبرین کی بستی آہستہ آہستہ بھیانک شعلوں میں گھرتی جا رہی تھی وہاں گھمسان کا رن پڑا تھا۔ اور اجل پر قادر قوتیں ہر طرف سرگرم عمل تھیں۔

بستی کے وسط میں سرجاہا کے لشکر سے ملنے سے قبل ہی بستی کے چاروں طرف سے حملہ آوروں کی بے شمار شتر سوار ٹکڑیاں ابل پڑیں۔

"ہتھیار ڈال دو۔۔۔ ہم خراج لے کر تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔" حملہ آوروں میں سے کوئی پوری قوت سے چیخ کر اعلان کر رہا تھا۔ "ورنہ تمہاری بستی جلا کر راکھ کر دی جائے گی۔ تمہاری عورتوں کو ہلوں میں جوتا جائے گا اور مردوں کی کھوپڑیوں میں شراب پی جائے گی۔"

"کمین گاہوں سے نکل کر ان کے اونٹوں کو معذور کر دو۔" سردار جوبا غضب ناک آواز میں دھاڑا۔ "اور ان کے سردار کا سر نیزوں پر بلند کر دو۔"

جوبا کی آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ جبرین والے چیونٹیوں کی طرح اپنی کمین گاہوں سے ابل پڑے اور وہاں دست بدست جنگ چھڑ گئی۔

بستی عورتوں کی دلدوز آہ و بکا اور بچوں کی دہشتناک چیخوں سے لرز رہی تھی' جبرین میں موت کی چیرہ دستیاں اپنے عروج پر تھیں۔ اپنے اور بیگانے کی تمیز مٹ چکی تھی۔ ہر ایک اپنی راہ میں آنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے لئے بے چین تھا۔

پھر حملہ آوروں میں سے کوئی چیخا۔ "خیموں کو آگ لگا دو۔ بربادی اس بستی کا مقدر قرار پا چکی ہے۔"

اس آواز کے ساتھ ہی آتش گیر مادے کے دھماکے ہوئے اور جبرین میں ہر طرف شعلے ہی شعلے نظر آنے لگے۔ مکانوں میں چھپی ہوئی عورتیں اپنے بچوں کو چھاتیوں سے لپٹائے میدان جنگ میں آ نکلیں اور گاجر مولی کی طرح دونوں طرف سے آنے والے بھٹکے ہوئے تیروں کا نشانہ بننے لگیں۔

ہر طرف آگ پھیل جانے کے باعث اب ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ حملہ آور پیدل ہو کر بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ آخری آدمی تک مقابلہ کرنے کا عہد کر کے آئے ہیں۔

اچانک ایک طرف اونٹ کی پشت سے ایک ادھیڑ عمر شخص نیچے کودتا نظر آیا جس کی داہنی آنکھ پر سیاہ ریشم کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے گرد حملہ آوروں کی بھاری جماعت نے حصار باندھا ہوا تھا۔ کیونکہ حملہ آوروں کے سردار کو پہچان لینے کے بعد جبرین والوں کے حملوں کا زور اسی طرف ہو گیا تھا۔

جوبا نے اسے پہچانتے ہی اپنے ایک اسلحہ بردار غلام سے دو نیزے چھینے اور بجلی کی سی سرعت کے ساتھ گردش دیتا اسی جانب بڑھنے لگا جدھر حملہ آوروں کا سردار اپنے جاں فروشوں میں گھرا ہوا تھا۔

جوبا کے آدمی اس کی حفاظت کے لئے لپکے لیکن میں نے انہیں روک دیا۔ "اسے اکیلا جانے دو' تمہارے گھیرے سے دشمن کو معلوم ہو جائے گا کہ وہی تمہارا سردار ہے۔"

"لیکن ادھر مانینی بھی موجود ہے۔" کسی نے غصیلی آواز میں کہا۔

عین اسی وقت کسی جانب سے جبرین والوں نے پرجوش نعرہ مارا۔ ان کی ملی جلی آوازوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مانینی کو نرغے میں لے چکے ہیں۔

میں نے جبرین کے ایک بے جان جنگجو کا نیزہ سنبھالا اور خود کو ہر وار سے بچاتا مانینی سے اپنا حساب چکانے کے لئے آگے بڑھنے لگا۔

میں وہاں پہنچا تو سرجابا کی معیت میں جبرین والوں نے دس پندرہ حملہ آوروں سمیت مانینی کو اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا۔ وہ سب لوگ زخموں سے چور تھے۔ ان کے ہتھیار گر چکے تھے لیکن جبرین والے وحشیانہ نعرے لگا لگا کر ان کے جسموں کو بے رحمی سے چھلنی کر رہے تھے۔

دوسری طرف جنگ کا سارا زور یک چشم سردار کے گرد سمٹ چکا تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔

سخت جان اور بے رحم مانینی اب خود موت کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کا استخوانی بدن جا بجا زخم کھایا ہوا تھا۔ اور جبرین والے لحظہ بہ لحظہ اس کے گرد اپنا دائرہ تنگ کرتے جا

رہے تھے۔

میں بار بار اپنی جگہ بدلتا رہا آخر ایک بار مانینی میری زد میں آ ہی گیا اور میں نے اپنا نیزہ اس کے بائیں شانے میں اتار دیا۔

مانینی اذیت سے چیخ کر پلٹا اور میں جبرین والوں کے حلقے سے الگ ہو کر وسط میں آ گیا۔

جبرین والوں نے میری اس جرات پر پرجوش ہو کر نعرے مارے اور نہتے حملہ آوروں کو نیزوں کی باڑھ پر ہانکتے ہوئے مجھ سے دور لے گئے۔

اس وقت موت کو سامنے پا کر مانینی کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں میرے بے چین نیزے کی انی پر جمی ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے سرکتا جا رہا تھا۔

کئی منٹ تک اسے دہشت زدہ کرنے کے بعد میں نے بجلی کی سی سرعت سے مانینی کی پسلیوں سے نیچے ایک وار کیا اور وہ چیخ مار کر دوہرا ہو گیا۔ میں اس کے سر پر سوار اس کے سیدھا ہونے کا منتظر رہا۔ جبرین والے اس مقابلے پر دل کھول کر داد دے رہے تھے۔

مانینی سیدھا ہوا تو اس کے زخموں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ لیکن اس بدحالی کے باوجود وہ سخت جان بڈھا اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں رحم و التجا کے بجائے ان لمحات میں بھی نفرت اور قہر کی بجلیاں کوند رہی تھیں اور اس کے منہ سے رحم کی کوئی فریاد نہیں نکلی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی انا شکست کو سامنے پا کر بھی اسے سرکشی پر اکسا رہی ہو۔

پھر میں نے اس کی پنڈلی سے نیزہ آر پار گزار دیا اور مانینی کی چیخ سے فضا لرز اٹھی۔

"حسین! تو بھیڑیا ہے' جبرین والوں کے اس غول نے تیری اتنی ہمت بڑھائی ہے کہ تو میرا غلام ہو کر مجھ پر ہی ہتھیار اٹھا رہا ہے قہر ہو تجھ پر' تیرے اجداد کی روحوں پر' تیرے پیاروں پر' تیرے زندہ بدن کو صحرائی گدھ نوچیں!"

اس قدر ہولناک اور خونریز ماحول میں بھی جبرین والوں کی زندہ دلی باقی رہی اور وہ مانینی کی بے بسی پر دل کھول کر قہقہے لگانے لگے۔

"مانینی' حسین کو برباد کر دے۔ دیکھ یہ تیری مٹی پلید کر رہا ہے۔ بلا لے اپنی پراسرار قوتوں کو' پھاڑ دے اس کا کلیجہ اپنی بے رحم آنکھوں سے۔" ایک شخص استہزائیہ قہقہوں کے درمیان بولا۔

"بستی جل جائے گی مگر آج مانجی کا فتنہ بھی مٹ جائے گا۔ یہ سودا ان داموں مہنگا نہیں ہے۔" کسی اور نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

میں بار بار مانجی کے جسم کو چھیدتا رہا۔ وہ بڈھا بے شمار زخم کھانے کے باوجود ابھی تک اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ آخر میں نے اس کی پسلیوں پر وار کیا اور وہ مغلظات بکتا خاک پر ڈھیر ہو گیا۔ اس وقت بھی اس کی انا زندہ تھی وہ خود پر جبر کر کے آہ و زاری سے گریز کر رہا تھا۔

میں نے اس کی پسلیوں سے نیزہ نکال کر اس کی ابلی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔ وہ زمین پر کہنیوں کے بل پیچھے سرکتا رہا اور میں اس پر مسلط رہا۔

آخر میں نے نیزہ بلند کر کے اس کے دل کے مقام پر وار کیا۔ مانجی کا بدن بری طرح تڑپا۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکلی اور اس کی چندھیائی ہوئی آنکھیں کشادہ ہو کر اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔

میں نے اس کی بدلتی ہوئی حالت پر گھبرا کر نیزہ اسی کے سینے میں چھوڑ دیا اور خود بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

مانجی نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے میں پیوست نیزہ تھاما ہوا تھا اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھتی جا رہی تھیں یک بیک اس کے جسم پر شدید تشنج طاری ہوا۔ میں سمجھا کہ اب وہ دم توڑنے والا ہے۔ لیکن اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے سینے سے نیزہ باہر کھینچ لیا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے زمین سے اٹھ گیا۔

دہشت سے جبرن والوں کی چیخیں نکل گئیں اور وہ مجھے اس خبیث بدروح کے مقابل تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

نقاہت اور اذیت سے اب مانجی کے پپوٹے آنکھوں پر جھکے پڑ رہے تھے' اس کا بدن بے شمار زخموں سے چھلنی تھا۔ دل میں آر پار سوراخ ہو چکا تھا۔ لیکن وہ کانپتے ہاتھوں سے نیزہ سنبھالے میرا نشانہ لے رہا تھا۔

دہشت سے میرا گلا خشک ہونے لگا۔ زمین پر پڑے ہوئے نیزوں پر میں نے نظر ڈالی' لیکن انہیں اٹھانے کی ہمت نہ کر سکا کہ مبادا مانجی وار نہ کر گزرے۔

آخر اس کی انگلیاں اکڑنے لگیں اور نیزہ چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ اس کا پورا بدن اب

اکڑتا جا رہا تھا۔ لیکن وہ سخت جان بوڑھا اپنے ناتواں قدموں پر ہی کھڑا ہوا تھا۔

"ما..... مانجی..... کسی غلام کے..... غلام کے ہاتھوں نہیں مر سکتا۔" وہ بھاری اور اکھڑی اکھڑی آواز میں بولا۔ جیسی اس کی زبان اینٹھ رہی ہو۔ "وہ سردار جوبا کے ہاتھوں ہی مرے گا۔"

اس کا جسم کانپا اور وہ کسی بے جان لاشے کی طرح زمین پر گر گیا۔ اس کا بدن بے حس و حرکت ہو چکا تھا اور پھٹی ہوئی آنکھیں میری جانب نگران تھیں۔

مانجی کی دہشت سے میرے اعصاب بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ میں نے جھک کر زمین سے نیزہ اٹھایا اور اس کی آنکھیں پھوڑ دینے کی نیت سے آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور اس کے لرزتے کانپتے لیکن پراعتماد اور باوقار الفاظ نے مجھ پر لرزہ طاری کر دیا۔ اور میرے ہاتھ سے نیزہ گر گیا۔

"مانجی..... مانجی مقدس ہے اور تو غلام ہے۔ تو ہرگز اسے نہ مار سکے گا۔" اتنا کہہ کر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور میں بے اختیار ایک طرف بھاگ نکلا۔

حملہ آوروں کے سردار والی جماعت کے گرد اب جنگ کا زور بندھا ہوا تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے پھر جوں ہی میں دوڑتا ہوا ایک بے جان لاش سے ٹھوکر کھا کر گرا' جبرن والوں کی جانب سے فتح کا فلک شگاف نعرہ بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے یک چشم سردار کا سر نیزہ پر اٹھا دیا گیا۔

اس کا سر بلند ہوتا تھا کہ میدان جنگ پر ایک سیکنڈ کے لئے سنسنی خیز سکوت چھا گیا۔ پھر حملہ آور ہتھیار پھینکنے لگے اور جبرن والے فتح کے نشے میں بدمست ہو کر ناچنے لگے۔

"مانجی کہاں ہے؟" سردار جوبا نے شکست خوردہ حملہ آوروں کی بھیڑ سے نکلتے ہوئے چیخ کر پوچھا۔

"وہ حسین کے ہاتھوں مارا گیا۔" کسی نے جواب دیا۔

"حسین کے ہاتھوں؟" سردار جوبا کی آواز تحیر آمیز تھی۔ "کہاں ہے اس کی لاش؟"

اس وقت تک میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا۔ میں نے بھڑکتے شعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ جوبا سر سے پیر تک خون میں نہایا ہوا ہے۔

غیر ارادی طور پر میں بھی اٹھ کر جوبا کے پیچھے پیچھے مانجی کے آخری دیدار کے لئے چل

دیا۔

جوبا وہاں پہنچ کر مانینی کی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی لاش سے تھوڑی دور ہی ٹھہر گیا۔

"تو یہ اپنے انجام کو پہنچ ہی گیا۔" جوبا نے سرد لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" مانینی کا بے جان بدن بری طرح تڑپا اور وہ اکھڑی ہوئی آواز میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔ "مانینی کسی غلام کے ہاتھوں نہیں مر سکتا۔ آخری وار تجھے ہی کرنا ہو گا۔"

مانینی کی آواز اس قدر غیر فطری اور ڈراؤنی تھی کہ جوبا سمیت ہر ایک خوفزدہ ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تجھے حسین ہی ختم کرے گا۔" سردار جوبا فیصلہ کن لہجے میں بولا اور مجھے اشارہ کیا۔

میں نیزہ سنبھال کر جوں ہی آگے بڑھا مانینی کے سوکھے لب کانپے لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔ پھر اس نے اندھوں کی طرح دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے جیسے میرا وار روکنا چاہتا ہو۔

میں نے خاموشی سے نیزہ اٹھایا اور اس کے دل میں ترازو کر دیا۔

مانینی کا دھڑ پشت کے بل زمین سے چند انچ اوپر اٹھا اور پھر نیچے گر گیا۔ اس بار وہ سخت جان اور انا پرست بوڑھا واقعی مر چکا تھا۔

"سارے قیدیوں کو گھیر کر جلتے ہوئے خیموں میں پھینک دو۔" سردار جوبا مانینی سے نمٹنے کے بعد بھیانک اور بے رحمانہ آواز میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔ "یہ آگ سے نکلنا چاہیں تو نیزوں کی نوک پر انہیں شعلوں میں دھکیل دو۔ تھوڑی ہی دیر میں سورج طلوع ہونے والا ہے۔ روشنی پھیلتے ہی ہم حملہ آوروں کی بستی پر جا پڑیں گے۔ اور ان کی عورتوں اور مال و زر پر اب ہمارا حق ہے۔ دیکھو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہنے پائے۔"

سردار جوبا کا فرمان سن کر قیدیوں نے کوئی فریاد نہیں کی۔ ہاں اذیت ناک موت کے تصور سے ان کے چہرے پھیکے پڑ گئے۔ اور وہ سب اپنے ہونٹوں پر زبانیں پھیرنے لگے۔

وہ جانتے تھے کہ ہتھیار ڈالنے والوں کے مقدر کا فیصلہ فاتح سردار کی زبان کرتی ہے اور صحرا کی روایات کی طابق فاتح کبھی اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرتے۔

ذرا ہی دیر میں ہر طرف سے قیدی گھیر گھیر کر ایک جگہ جمع کئے جانے لگے۔ جب آنے والوں کا سلسلہ رک گیا تو سردار جوبا نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ قیدیوں کو سب سے بھیانک آگ کی جانب ہانکنے لگے۔

قیدیوں کے چہرے دہشت سے دھواں ہو رہے تھے۔

آگ کے فلک بوس شعلوں سے چند قدم کے فاصلے پر قیدی ٹھٹک گئے۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خود چل کر سسکتی ہوئی موت کو گلے سے لگا لے۔

جبرن والے نیزے تان کر ان نہتے قیدیوں پر ٹوٹ پڑے اور پھر وہاں آہ و بکا کا ایک دلدوز سماں بندھ گیا' جس پر جبرن والے درندوں کی طرح قہقہے لگا رہے تھے۔

ان کے نیزوں کی پیاسی انیاں قیدیوں کو آگ میں دھکیل رہی تھیں۔ فضا گوشت جلنے کی بو سے بوجھل ہوئی جا رہی تھی۔ جھلستے ہوئے شعلوں سے گھبرا کر جو بھی قیدی باہر نکلتا' جبرن والوں کے نیزے اسے واپس آگ میں اچھال دیتے۔ موت کی چیرہ دستیاں عروج پر تھیں اور جوبا کسی آسودہ تماشائی کی طرح یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ جبرن پر حملہ آور ہونے والوں کی دلدوز اور ڈراؤنی چیخیں جبرن کے قزاقوں کے وحشیانہ نعروں کی گونج میں دم توڑنے لگیں۔ بستی کا وسیع حصہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ زمین مرنے اور زخمی ہونے والوں کے لہو سے سرخ ہو رہی تھی۔ حملہ آوروں سے انتقام لینے والے یہ بھول چکے تھے کہ انہوں نے اس خونیں معرکے میں اپنے بھی بہت سے ساتھی کھوئے ہیں۔ اور بہت سے زخموں سے چور ان کی مدد کے منتظر ہیں۔

زمین پر تاحد نظر خون میں نہائی اور خاک میں لتھڑی ہوئی انسانی لاشیں صحرائی بھیڑیوں کی سنگدلی کا شاہکار تھیں۔ زخمی سسک اور چیخ رہے تھے۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا جو ان پر توجہ دیتا۔ ہاں جبرن کی رہنے والیاں دیوانہ وار لاشوں کو پلٹ پلٹ کر اور زخمیوں کو پکار پکار کر اپنے محرموں کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان کی بے قراری اور نوحہ خوانی سے فضا کا سینہ لرز رہا تھا۔ زمین کانپ رہی تھی لیکن جبرن کے شہ زور مرد اس وقت جوش انتقام میں بہرے اور اندھے ہو چکے تھے۔ وہ اس وقت صرف اپنے دشمنوں کے لہو سے اپنے سینوں میں بھڑکتی ہوئی آگ سرد کرنی چاہتے تھے۔

آخر شعلوں سے گھرے خیموں میں پھینکے جانے والے آخری حملہ آوروں کی دردناک چیخیں بھی دم توڑ گئیں اور شعلوں میں سے بے شمار ہڈیوں کے چٹخنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اپنی پیشانیاں خاک پر ٹکا دو۔" اچانک سرجابا ایک مردہ اونٹ پر چڑھ کر راہبانہ انداز

میں اپنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بولا۔ "آج ہماری بستی مقدس آگ میں گھری ہوئی ہے۔ ہم نے ایک بدطینت کو مقدس پروہت بنا کر اپنے سروں پر مسلط کیا تھا' پھر وہ باہر سے کمک لے کر ہم پر آ پڑا۔ یہ ہمارا گناہ تھا اور آسمان سے یہ آگ قہر بن کر ہم پر نازل ہوئی ہے۔ اسے سرد کرنا گناہ ہے' جب تک یہ شعلے سرد نہ ہو جائیں سجدے میں گرے رہو۔ یہ مقدس سرجاہا کا حکم ہے جو ازل سے روشن رہنے والی آگیاری کا محافظ ہے۔"

سب لوگ تیزی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر سجدے میں گر گئے اور مجھے بھی ان کی تقلید کرنی پڑی۔

"آنسو نہ بہاؤ۔" اب سرجاہا شاید جبرن کی عورتوں سے مخاطب تھا' تمہارے مردوں نے تمہاری آبرو کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ تم جاؤ اور محفوظ خیموں میں اپنے سر چھپا لو۔ مقدس آگ کا قہر ختم ہونے پر ہی تمہارے مقدروں کا فیصلہ ہو سکے گا۔ جاؤ کھلے آسمان کے سائے سے اپنے سروں کو بچاؤ' ورنہ تم بستی سے باہر والوں کے ہاتھوں پڑ کر دوغلے بچوں کو جنم دو گی اور تمہاری آبرو لوٹ لی جائے گی۔"

میں جبرن والوں کے ہمراہ سجدے میں پڑا رہا۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ ہوا کے ساتھ شعلوں کے بھڑکنے کے شور میں ہڈیوں اور کوکلوں کے چٹخنے کی آوازیں بتدریج ماند پڑتی رہیں پھر شعلوں کی خونیں سرخی میں ملگجے اجالے کی دھنک نکھرنے لگی لیکن سرجاہا کی جانب سے کوئی نئی ہدایت نہیں ملی۔

رات کے بے رحم لمحات ڈھل گئے۔ پھر سحر طلوع ہوئی اور صحرائی سورج کی کرنیں نوکیلے نیزوں کی طرح جسموں کو چھیدنے لگیں۔ لیکن قہر کی آگ روشن تھی لہٰذا سب بدستور سجدہ ریز رہے۔

پھر رفتہ رفتہ سورج کی شعاعوں میں جہنم کی تپش جلوے بکھیرنے لگی اور پوری دوپہر میں جبرن والوں کے ہمراہ آتش خورشید کا غسل کرتا رہا۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے جبرن والے کتوں کی طرح منہ سے زبانیں نکالے ہانپ رہے تھے۔ لیکن کسی کی مجال نہ تھی جو سر اٹھاتا یا حرف شکایت زبان پر لاتا۔

جب سورج ہمارے جسموں پر اپنا سفر مکمل کر کے مغرب کی وادیوں میں روپوش ہونے لگا تو کم و بیش پندرہ گھنٹوں کے بعد وہاں پہلی انسانی آواز گونجی۔

"مژدہ ہو کہ قہر کی ساعتیں بیت گئیں۔" یہ سرجاہا کی مسرت سے کانپتی ہوئی آواز تھی۔ "اٹھو اور اپنے مردہ دشمنوں سے انتقام لو۔ اس کے بعد ہی تمہارے زخمی تمہاری مدد کے مستحق ہوں گے۔"

سب لوگ غضب ناک آہنگ کے ساتھ نعرہ مار کر سیدھے ہو گئے' میں بھی خاک پر سے اٹھ گیا۔

آگ جبرن کی بستی کے بہت بڑے حصے کو جلا کر خاکستر کر چکی تھی۔ شعلوں کی غضب ناکی دم توڑ چکی تھی۔ اب جا بجا راکھ اور چنگاریوں کے سلگتے انباروں سے دھوئیں کی لکیریں اٹھ رہی تھیں۔

جبرن والوں نے ایک نظر اپنی بستی پر ڈالی اور پھر زمین پر بکھری ہوئی لاشوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حملہ آوروں کے بے شمار اونٹ اب بھی اپنے سواروں سے محروم ادھر ادھر بلبلاتے پھر رہے تھے۔

قزاقوں نے چن چن کر حملہ آوروں کی لاشیں ایک طرف ڈھیر کرنی شروع کر دیں انہیں اس کام کے لئے کسی نے ہدایات نہیں دی تھیں۔ لیکن یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خوب جانتے ہوں کہ جنگ جیتنے کے بعد انہیں کیا کرنا ہے۔

لاشوں کا انبار لگانے کے بعد وہ بھوکے پیاسے قزاق بپھرے ہوئے درندوں کی طرح حملہ آوروں کے آوارہ اونٹوں پر جا چڑھے اور ان کی مہاریں تھام کر انہیں دشمن کی لاشوں پر دوڑانے لگے۔ جنہیں اونٹ نہ مل سکے وہ ان لاشوں پر کنکر برسانے لگے۔ ساتھ ہی وہ بلند آواز میں مرنے والوں کو بددعائیں دیتے جا رہے تھے۔

سورج کی روشنی معدوم ہونے تک وہ لاشیں پوری طرح روندی جاتی رہیں۔ زمین کے اس خطے پر اس وقت بربریت اور درندگی کا راج تھا۔ جبرن والوں کے ہذیانی قہقہوں سے ابھی تک خون کی پیاس جھلک رہی تھی۔

"اب تم پر زخمیوں کی مدد اور رزق کا ذائقہ حلال ہے۔" سرجاہا نے اپنا اونٹ کچلی ہوئی لاشوں کے انبار پر سے اتارتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔ "زخمیوں کو بچے کھچے خیموں میں لے جاؤ اور مرنے والوں کی عورتوں کو بستی کی چوپال میں ہانک دو۔ آج ان کے دعویدار مارے گئے اور ان کے جسموں پر تم سب کو برابر کا حق ہے۔"

اسی وقت ان درندوں کی بھیڑ سے الگ ہو کر جوبا میری جانب آیا۔ "میرے خیمے جلا دیئے گئے۔" وہ قہر سے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "یہ رات شراب میں ڈوب کر ہی گزار سکتا ہوں۔ حملہ آوروں کی بستی کا آخری تنکا تک جلائے بغیر مجھے چین نہ آئے گا۔ غصے سے میری ہڈیاں چیخ رہی ہیں بس آج کی رات..... اور صبح کی روشنی میں ہم اس بستی کی طرف کوچ کریں گے جس نے غدار مانینی کو پناہ دی' جہاں ہمارے قاتلوں نے جنم لیا۔ مقدس اگیاری کی قسم! میں ان عورتوں کو گیدڑوں اور بھیڑیوں سے نچواؤں گا۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی دوڑ رہی تھی اور اس کے جھلسے ہوئے برہنہ شانوں کی مچھلیاں تیزی سے پھڑک رہی تھیں۔

پھر میں نے سر جھکا دیا اور سردار جوبا میرا ہاتھ تھام کر تیزی سے بستی کے اس حصے کی جانب چل دیا جہاں آگ کے شعلوں نے زیادہ تباہی نہیں پھیلائی تھی۔

خیموں کے قریب سے گزرتے ہوئے اندر سے سہمی سہمی نسوانی آوازیں سنائی دیں۔ جوبا غور سے ہر خیمے کا جائزہ لے رہا تھا لیکن میں اس کا مقصد نہ سمجھ سکا۔

ایک بڑے سے خیمے کے قریب وہ ٹھٹکا اور پھر اونچی آواز میں بولا۔ "مقدس اگیاری کے نام پر! یہ خیمہ اب میری ملکیت ہو گا۔ جبرن کا سردار جوبا اندر والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے سروں کو ڈھانپ کر کھلے آسمان کے نیچے نکل آئیں۔ بستی کے سب سے بڑے خیمے پر اب صرف سردار کا ہی حق ہے۔"

اس کی بات ختم ہونے سے قبل ہی اس خیمے کے اندر سے بہت سی ڈری سہمی عورتیں ایک دوسرے پر گرتی پڑتی باہر آنے لگیں۔ ہر ایک نے اپنے سر پر کچھ نہ کچھ ڈالا ہوا تھا کیونکہ باہر اب رات کی سیاہی پھیل چلی تھی جو ان کے عقیدے کی رو سے نحوست کی علامت تھی۔

سردار جوبا ہر جانے والی کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جوں ہی ایک دراز قامت' گداز بدن' خوش جمال لڑکی سامنے آئی جوبا نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ناریہ - ٹھہر جا۔" جوبا نے بھرائی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں اس سے کہا۔ "چوپال میں ہنکائی جانے سے قبل یہ رات تو میرے ساتھ بسر کرے گی۔ اگیاری کی قسم تیرا شوہر مارا گیا ہے۔ اس کی لاش میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور اب مین تجھ سے اپنا حق

طلب کرتا ہوں۔"

"وہ مارا گیا؟" اس لڑکی کے منہ سے سہمی سہمی تحیر آمیز آواز نکلی اور وہ بے چون و چرا سردار جوبا کے پہلو میں آکھڑی ہوئی۔ جذبات سے عاری کسی زندہ مشین کی طرح۔

اور جب اس خیمے سے آخری عورت بھی باہر آگئی تو سردار جوبا مجھے اور جواں سال بیوہ ناریہ کو ہمراہ لے کر اندر گھس گیا۔ وہاں ایک دھندلی سی مشعل روشن تھی۔

جوبا نے اپنے شانے سے وزنی تلوار اتار کر میری طرف بڑھا دی۔ "حسین! یہ باہر لٹکا دے تاکہ آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ جوبا کا نیا مسکن یہی ہے۔"

میں باہر کی طرف چل دیا۔ ابھی میں تلوار لٹکا بھی نہ پایا تھا کہ اندر سے بے ساختہ نسوانی ہنسی کی آواز ابھری' میں نے ایک ثانئے کے لئے سوچا کہ مجھے اندر لوٹنا چاہئے یا باہر ہی رہنا چاہئے۔ اسی وقت اندر سے جوبا نے مجھے پکارا۔ وہ مجھے خیمے کے اندر طلب کر رہا تھا۔

اس خیمے میں حیا سوز منظر میرا منتظر تھا۔ چند گھنٹوں کی بیوہ' ناریہ سردار جوبا کے پہلو میں پیال پر پڑی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اور جوبا آہستہ آہستہ اس کے بدن سے حجاب کے پردے سرکا رہا تھا۔

"تیرا گداز بدن فاتح سردار کا انعام ہے ناریہ۔" سردار جوبا اپنے سفید چمکیلے دانت اس نازک اندام لڑکی کے بدن میں گاڑتے ہوئے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا اور وہ لذت آمیز انداز میں ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ "تیرے بدن کا خمار حملہ آوروں کی بستی کو روندنے تک ہر آن مجھے نئی قوت بخشے گا۔ شراب اور شباب! آج کی رات یہی دو چیزیں جوبا کو تسکین پہنچا سکتی ہیں۔ اگر سورج کے سائے سے محروم اندھیروں کی نحوست کا خوف نہ ہوتا تو اگیاری کی قسم میں ابھی کوچ کا حکم دے دیتا لیکن میں آسمانی فیصلوں پر قدرت نہیں رکھتا۔ میں مجبور ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے پیال کے نیچے سے مٹی کا ایک برتن اٹھایا اور شراب کی خاصی مقدار اپنے معدے میں انڈیل لی۔

جبرن کی رسمیں عجیب تھیں۔ ناریہ اپنی بیوگی کے سوگ کے بجائے سردار کی ہم آغوشی کی لذت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ شراب جوبا پی رہا تھا لیکن خمار ناریہ پر چھا رہا تھا۔ جوبا مجھے اندر طلب کرنے کے بعد بالکل بھول چکا تھا کہ وہ وہاں تنہا نہیں ہے۔ گو اس نے کئی بار

میری جانب دیکھا' لیکن اس پر چھائی ہوئی حیوانیت نے شرم کے جذبے کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

عین اسی وقت جب وہ دونوں خود فراموشی کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے خیمے کے باہر سرجاہا کی آواز سنائی دی۔ وہ جوبا سے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

"اسے بلا لے' اندر بلا لے حسین۔" سردار جوبا نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور اپنی ہی جگہ کھڑا رہا۔

"اندر بلا لے۔" جوبا جھلا کر بولا۔ "سرجاہا بچہ نہیں بالغ ہے اور جبرین کے بالغوں کے درمیان کوئی راز نہیں ہوتا۔ مقدس سرجاہا کو اندر بلا لے۔"

میں نے آگے بڑھ کر خیمے کا پردہ اٹھایا۔ سرجاہا اور میری نگاہیں چار ہوئیں۔ اس نے زیر لب کچھ کہا اور میری گردن کی جنبش پر اندر آ گیا۔

اس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ اور خون آلود چرمی ٹکڑا موجود تھا جس میں کئی سوراخ نظر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے مقدس سرجاہا؟" سردار جوبا نے ناریہ کو الگ کیے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"محترم سردار! مانینی تو مارا گیا۔" سرجاہا کہنے لگا۔ "مگر اس کے سینے پر یہ چمڑا بندھا ہوا تھا۔ اس پر آڑی ترچھی لکیریں کھدی ہوئی ہیں۔ جیسے کوئی عمل نقش کیا گیا ہو۔"

"چمڑا؟" جوبا کی تحیر آمیز آواز ابھری اور وہ ناریہ کو چھوڑ کر پیال سے نیچے اتر آیا۔ "کیا تجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا ہے؟"

"نہیں سردار!" سرجاہا کی آواز میں اضمحلال نمایاں تھا۔ "مانینی مجھے ناپسند کرتا تھا اور اس نے آگیاری کے راز مجھ سے چھپا رکھے تھے۔"

"یہ تو اپنے سینے سے باندھ لے۔" سردار جوبا اس کے قریب پہنچ کر اس چرمی ٹکڑے کو دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ ایک نقشہ ہے اس کی کہانی میں تجھے پھر کبھی بتاؤں گا۔ یہ کئی نسلوں سے ہمارے پروہت کے پاس چلا آ رہا ہے۔"

"تو بہت فیاض اور مہربان ہے جوبا۔" سرجاہا کا لہجہ احسا نمندانہ تھا۔ "تجھے آگیاری سے ہر آن تعاون ملے گا تو واقعی پرستش کے قابل ہے۔"

پھر وہ لوٹ گیا اور ناریہ نے سردار جوبا کو اپنے پاس بلا لیا۔

مانینی کے سینے سے ملنے والے اس چرمی نقشے کے انکشاف نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ میرے لاشعور میں اس نقشے کی کہانی جاننے کی خواہش اتنی شدت سے ابھری تھی کہ اب میں صرف اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

سرجاہا کے لائے ہوئے مسئلے سے نمٹتے ہی سردار جوبا جواں سال بیوہ ناریہ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ ناریہ کا دہکتا ہوا گندمی بدن حجاب کے پردوں کو چیرتا ہوا اپنی تابانیوں کے جلوے بکھیر رہا تھا۔ اس کے بدن کے خمار انگیز نشیب و فراز مجھے آنے والے دنوں کی کہانی سنا رہے تھے۔ شاید چوپال میں کوئی بھی عورت ناریہ جیسی نہ تھی اور مجھے یقین تھا کہ جبرین کے سنگدل بھیڑیئے اس نازک اندام اور بدنصیب دوشیزہ کو اس کی بیوگی کی ہولناک سزائیں دیں گے۔

اور ناریہ اپنے مستقبل کو بھول کر جوبا کی وحشیانہ دراز دستیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ مچل مچل کر اداؤں کے ناوک چلا رہی تھی اور جوبا اپنے ہوش و حواس کھوتا جا رہا تھا۔ کئی بار اس نے ناریہ کے جسم میں اپنے دانت پیوست کر دیئے اور وہ لذت انگیز انداز میں بس ہولے ہولے کراہتی رہی۔

حسن اور گناہ کا وہ امتزاج ترغیب انگیز تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اس امتحان گاہ سے نکل بھاگوں لیکن بستی کے سردار کا حکم تھا..... کہ میں وہیں ٹھہروں۔ کوئی چارہ نہ پا کر میں نے نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں لیکن اس پیال سے ابھرنے والی آوازیں میرے وجود میں دہکتی ہوئی آگ کو بھڑکاتی رہیں اور ذرا ہی دیر میں مانینی کے سینے سے برآمد ہونے والے چرمی نقشے کا خیال میرے ذہن سے محو ہو گیا۔

آخر کار صبح کی اولین کرنیں نمودار ہوئیں اور میرے کانوں میں سردار جوبا کی غراہٹ کے ساتھ ہی ناریہ کی خوفزدہ سی چیخ گونجی۔ پلٹ کر دیکھا تو جوبا نے اپنے شانوں پر پڑی ہوئی چرمی چادر ناریہ کے بدن پر ڈال دی تھی اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے نکاسی کے راستے کی طرف دھکیل رہا تھا۔

"سردار..... مجھ پر رحم کرو' میں اپنی زندگی تیرے قدموں میں گزارنا چاہتی ہوں۔"

ناریہ بھرائی اور سہمی ہوئی آواز میں اس سے التجا کر رہی تھی۔

"نہیں!" سردار جوبا مغلوب الغضب ہو کر دھاڑا۔ "چلی جا اس چوپال میں جہاں تیرا مستقبل تیرا منتظر ہے۔ مجھے میرا انتقام پکار رہا ہے۔ حملہ آوروں کی بستی میرے قہر کی منتظر ہے۔"

اور جوبا نے سنگدلی کے ساتھ اسے خیمے سے باہر دھکیل دیا۔

ناریہ کو بے آبرو کر کے ذلت کی راہ پر دھکیلنے کے بعد جوبا تیزی سے خیمے میں واپس آیا اور میرے مقابل کھڑا ہو کر تیز نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔

میں اس کے تیوروں کا مقصد نہ سمجھ سکا اور سٹپٹا کر اس سے نظریں چرا لیں۔

"حسین!" جوبا نے سختی سے میرا شانہ تھام کر گمبھیر آواز میں کہا۔ "میں نے تجھ پر بھروسہ کیا ہے اور اب تجھ پر سچ واجب ہے۔ میں جو پوچھوں تجھے سچ بتانا ہو گا۔"

"سردار کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچے گی۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"کیا بنت نیل تجھ سے محبت کرتی ہے؟" جوبا نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سوال کیا۔

میرے بدن میں یک بیک کروڑوں چیونٹیاں سنسنانے لگیں۔ نہ جانے جوبا نے کس مقصد کے تحت مجھ سے یہ سوال پوچھا تھا۔ سرجابا جو جبرن کے دوسرے سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک تھا' پہلے ہی میرا مخالف ہو چکا تھا کیونکہ میں آتش کدے میں ہونے والی خاص پوجا کا راز جان چکا تھا اور اب سردار جوبا کو اپنا مخالف بنانا زندہ درگور ہونے کے مترادف تھا۔

سرجابا جشن کے دوران ہی یہ شبہ ظاہر کر چکا تھا کہ وہاں صدیوں پرانی کوئی روح موجود ہے اور پھر میرے ایما پر بنت نیل کی روح نے اسے زخمی بھی کیا تھا لہٰذا میں نے بہتر یہی سمجھا کہ سردار جوبا سے صحیح صورت حال کا اعتراف کر لوں۔

"یہ درست ہے معزز سردار!" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"خوب!" جوبا کا لہجہ معنی خیز تھا۔ "اس نے سرجابا پر کیوں وار کیا تھا؟"

"دراصل" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "آتش کدے میں پوجا کے دوران میں جب سرجابا تم سے مٹی کی ہانڈی لے رہا تھا تو میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد سرجابا مجھے اپنی نظروں میں رکھنا چاہتا تھا۔ جشن کے دوران میں جب سب لوگ کنیزوں سے کھیلنے میں مصروف تھے تو طوسیہ آئی۔ میں اس کی طرف لپکا تو سرجابا نے میرے قدموں میں

نادیدہ جال الجھا دیا اور طوسیہ کو محض میری خاطر سرجابا کو نیچا دکھانا پڑا۔"

جوبا کے چہرے پر خوف کی علامتیں جھلکنے لگیں اور وہ مجھ سے چند قدم دور سرک گیا۔

"جبرن والے بدروحوں سے ڈرتے ہیں اور وہ تیرے قبضے میں ہے۔ تو جو....!"

"نہیں سردار!" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تیرا اور جبرن والوں کا احسان مند ہوں۔ کسی کو اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ روح ضرور ہے لیکن بدروح نہیں۔"

"وہ جو بھی ہو حسین لیکن مجھے تیرے خمیر میں بدی کی بو آتی ہے۔" جوبا قدرے خائفانہ اور قدرے متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "مانیئی کی بربادی میں تیرا ہاتھ تھا' گوروں کی صحرائی بستی میں تیری وجہ سے خون خرابا ہوا۔ جبل والے تیری حمایت میں اجاڑ دیئے گئے اور اب....." وہ ایک ثانئے کے لئے خاموش ہوا اور پھر مضمحل لہجے میں بولا۔ "اب شاید میں تیری زد میں آ چکا ہوں۔"

"نہیں سردار!" میں تحیر آمیز آواز میں بولا۔ "قسم ان جہانوں کے پروردگار کی کہ حسین تجھ سے دغا نہیں کرے گا۔ محترم سردار جو میرا ہے میں اس کا ہوں۔ ہاں مجھے سرجابا سے خوف ہے کہیں وہ میرے مقابل آ کر مجھے امتحان میں مبتلا نہ کر دے۔"

جوبا نے بڑھ کر والہانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور مسرت سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ تجھ سے نہیں الجھے گا۔ وہ مجھ سے سرکشی نہیں کر سکتا.... ہاں بستی میں کسی کو خبر نہ ہو کہ ایک روح تیری عاشق ہے۔ وہ مجھ سے تو کوئی تعرض نہ کریں گے لیکن دہشت زدہ ہو کر بھڑکے ہوئے اونٹوں کی طرح صحرا میں نکل بھاگیں گے۔ یہ بستی ویران ہو جائے گی اور اس کے اجڑنے کے بعد میرے اجداد کی نسل مٹ جائے گی۔ میں تجھے جبرن میں اپنا ہاتھ بنا کر رکھوں گا۔"

مسرت کے بے اختیارانہ جذبات سے میرا دل بھر آیا۔ پہلے میں جبرن میں تیسرے درجے کا غلام تھا۔ جس کا سایہ نحوست کی نشانی سمجھا جاتا تھا اور اب اسی بستی کا سردار میرا مطیع ہو چکا تھا۔ اس پر میری گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی نجات کے لئے جس وقت مانیئی کے بارے میں ایک فرضی کہانی کی تائید کی تھی۔ وہ اسی وقت میرے جال میں پھنس گیا تھا لیکن طوسیہ کی روح کا راز معلوم ہو جانے کے بعد تو نہ صرف وہ خود خوفزدہ ہو گیا تھا بلکہ اب پوری بستی میرے قبضے میں آ چکی تھی۔ طوسیہ کی روح کا راز ظاہر کر کے

میں کسی بھی وقت پوری بستی کو تہ و بالا کر سکتا تھا۔

پھر ہم دونوں اس خیمے سے باہر آئے۔ ہر طرف صبح کے سورج کی روپہلی کرنوں کا جال پھیل چلا تھا۔ خیمے کے باہر ایک تندرست اونٹ بندھا ہوا تھا جو شاید پچھلی رات بستی والے اپنے سردار کے لئے وہاں چھوڑ گئے تھے۔

بستی کی فضا میں ابھی تک پچھلی شب کو زندہ جلائے جانے والے حملہ آوروں کے جسموں کی بوجھل بو رچی ہوئی تھی۔ جلے ہوئے خیموں اور مکانوں کے سلگتے ہوئے ملبے سے دھویں کی لکیریں اٹھ رہی تھیں اور ادھر ادھر بکھری ہوئی مسخ شدہ لاشیں پچھلی رات کی بربریت کی کہانی سنا رہی تھیں۔

جوبا نے خیمے کے دروازے سے اپنی کند تلوار اتار کر ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور پھر قریب سے گزرنے والے ایک قزاق کو طلب کر کے اس کا اونٹ میرے حوالے کر دیا۔

"کوچ سے پہلے بستی کا بھی ایک چکر لگا لیں۔" اس قزاق کو بھیجنے کے بعد جوبا نے کہا اور میں اس کی تائید میں سر ہلا کر رہ گیا۔

بستی کے رہے سہے مکانوں اور خیموں سے زخمیوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں آنے جانے والوں کے بشروں سے تاسف اور ظفرمندانہ غرور کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے۔

جب ہم دشمن کی لاشوں کے ڈھیر کے نزدیک سے گزرے تو میرا رواں رواں کانپ اٹھا۔ ان میں کوئی لاش قابل شناخت نہیں رہی تھی۔ ہر مرنے والا اپنے انفرادی خد و خال کھو کر ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور کچلے ہوئے لوتھڑوں کی اس پہاڑی کا ایک حصہ بن چکا تھا۔

پھر ہم چوپال کی طرف گئے۔ وہاں اس وقت شیطان برہنہ ہو کر رقص کناں تھا۔ جبرین کے شرابی قزاق نشے میں چور ہو کر چوپال والیوں کے جسموں سے لپٹے ہوئے تھے۔ ان میں شرم یا گناہ کا ہر احساس مفقود تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شارع عام پر کوئی مہذب اخلاقی مظاہرہ کر رہے ہوں۔

"رات ڈھل چکی ہے۔" سردار جوبا نے چند ثانیوں تک چوپال کا جائزہ لینے کے بعد اونچی اور کرخت آواز میں کہا۔ "حملہ آوروں کی بستی ہمیں پکار رہی ہے۔ جو رہ گیا وہ کنیزوں اور مال غنیمت کا مستحق نہ ہو گا۔"

اس کا اعلان سنتے ہی لوگوں نے نعرے مارے اور اپنی بستی کی بے سہارا عورتوں اور

لڑکیوں کو دھکیل دھکیل کر جانوروں کی تلاش میں پھیلنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں سردار جوبا کا کیل کانٹے سے لیس لشکر تیار ہو چکا تھا اور ہر ایک بے چینی کے ساتھ روانگی کے حکم کا منتظر تھا۔

جوبا نے آخری بار اپنے آدمیوں کا تنقیدی جائزہ لیا اور اس کا اونٹ ہمک کر ایک طرف چل پڑا۔ باقی لوگوں نے اس کی تقلید کی اور قزاقوں کی وہ ٹولی غبار کے بگولے اڑاتی جبرین سے دور ہونے لگی۔ قزاقوں کی پیشہ ورانہ روایات کے مطابق روانگی سے قبل ہی جانوروں کے گلے سے گھنٹیاں اتار کر پھینکی جا چکی تھیں۔

جوں جوں سفر طے ہو رہا تھا قزاقوں کا جوش و خروش وحشت کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے جانور کو پوری رفتار سے دوڑا رہا تھا۔

دوپہر سے قبل ہی صحرا کے سینے پر ایک بستی کے آثار نظر آنے لگے جوبا نے چیخ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ سب نہایت منظم طریقے پر نیم دائرے کی شکل میں پھیلنے لگے۔

یہ سب کچھ اتنی تنظیم اور ترتیب کے ساتھ ہوا کہ اس بستی سے کئی فرلانگ کے فاصلے پر جبرین والے اس کے چاروں طرف پھیل گئے اور سردار جوبا مجھے اور سرجاہا کو ہمراہ لے کر اس بستی کی جانب چل پڑا۔

بستی والے ابھی تک شاید اس ناگہانی افتاد سے بے خبر تھے۔ کیونکہ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی تحیر آمیز نگاہوں نے ہمارا استقبال کیا۔

بستی کے وسط میں پہنچ کر جوبا ٹھہر گیا لیکن اونٹ کی پشت سے نہ اترا۔ بستی والے اسے کوئی قاصد سمجھ کر تیزی سے اس کے گرد جمع ہوتے جا رہے تھے۔

"کیا یہ وہی بستی ہے جس پر ایک آنکھ والا حکمران ہے؟" جوبا نے بارعب آواز میں کہا۔

"ہاں۔ کیا تم سردار کی جانب سے کوئی خبر لائے ہو؟" ایک قبول صورت اور دراز قامت لڑکی نے اپنی بستی کی ترجمانی کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم سب مال و زر اور اناج اپنے ہمراہ لے لو۔ تمہارے مرد اس بستی میں یرغمال بنا لئے گئے ہیں اور انہیں چھڑانے کے لئے تمہیں یہ قیمت ادا کرنی ہو گی۔" جوبا نے کہا۔

"نہیں۔" وہی لڑکی بولی۔ "لعنت ہے ان مردوں پر جو ہتھیار سجا کر نکلے اور چوہوں کی طرح پکڑ لئے گئے۔ اب ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اگر آج کا سورج غروب ہونے سے قبل مال و زر اور اناج وہاں تک نہ پہنچا تو سب مار ڈالے جائیں گے اور تمہاری نسل ختم ہو جائے گی۔" جوبا پرزور لہجے میں بولا۔

"بستی میں بچے موجود ہیں۔ یہ بڑے ہو کر نسل چلائیں گے۔ بزدلوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں جاؤ تم واپس لوٹ جاؤ۔"

ہم تینوں نے اپنے اونٹ واپس گھما لئے۔

"تیری یہ تدبیر میری سمجھ میں نہ آ سکی محترم سردار!" بستی سے نکلتے ہوئے سرجابا بولا۔

"اب پوری بستی تہہ و بالا ہو جائے گی۔ بہت سی حسین لڑکیاں ماری جائیں گی۔" جوبا غصیلی آواز میں بولا۔ "میری کوشش تو یہ تھی کہ صرف بوڑھے اور بچے ہی مارے جائیں۔ جوان اور خوبرو لڑکیوں کو کوئی گزند نہ پہنچے مگر یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی!"

اسی وقت بستی میں غلغلہ ہوا۔ ان آوازوں میں جوش اور ہیجان پایا جاتا تھا۔ شاید بستی والوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ شترسواروں نے پوری بستی کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

"حملہ کر دو۔" جوبا نے پوری قوت سے چیخ کر کہا اور نیزہ تھام کر اونٹ دوبارہ بستی کی طرف گھما لیا۔

جبرن سے آئے ہوئے قزاقوں نے وحشیانہ جوش کے ساتھ نعرے لگائے اور پھر ان کے اونٹ ہر طرف سے بستی پر یلغار کے لئے بڑھنے لگے۔

چند ہی منٹ میں وہ ہنستی کھیلتی بستی موت کے خونیں چنگل میں پھنس گئی۔ جبرن والے بلا کسی امتیاز کے ہر ایک کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی آہ و بکا نے دلدوز سماں باندھا ہوا تھا۔ گو وہ سب بھی اپنے وسائل کے مطابق ہتھیار بند ہو کر مقابلہ کر رہے تھے لیکن منظم اور تجربہ کار صحرائی قزاقوں کے لشکر کے سامنے ان کی ایک نہ چل سکی۔ بمشکل ڈیڑھ دو گھنٹے ہی میں سارا معاملہ نمٹ گیا اور جبرن والے مکانوں میں گھس کر سارا مال غنیمت یکجا کرنے لگے۔ ساتھ ہی وہ روپوش ہونے والوں کو بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ٹھکانے لگا رہے تھے۔

"بس مجھے یہی فکر تھی۔" سردار جوبا اپنے چند شہ زوروں کے درمیان کہہ رہا تھا۔

"ساری لڑکیاں ماری گئیں اور ہم کنیزوں سے محروم ہو گئے۔"

اس بستی سے زر و جواہر اور اناج کا بہت بڑا اور بیش قیمت ذخیرہ ہاتھ لگا جسے اونٹوں پر بار کر دیا گیا۔ جبرن والوں میں صرف دس بارہ آدمی زخمی ہوئے تھے جنہیں تندرستوں نے اپنے اونٹوں پر بٹھا لیا اور قزاقوں کا یہ لشکر مکانوں کو نذر آتش کر کے واپس لوٹنے لگا۔ اس بستی کے مرنے والے اور زخمی مشعلوں کے درمیان گھرے رہ گئے تھے۔

سورج اب مغرب کی جانب جھکتا جا رہا تھا اور سردار جوبا کو رات کی سیاہی پھیلنے سے قبل جبرن پہنچنے کی فکر تھی۔ ڈھلتے سورج کی تمازت سے ہر ایک پسینوں میں شرابور تھا لیکن جفاکش اونٹ پوری رفتار سے صحرائی راستے پر دوڑ رہے تھے۔

ابھی یہ قافلہ بمشکل چند ہی میل بڑھا تھا کہ فضا پر یک بیک سکوت سا چھا گیا۔ عمر رسیدہ لوگوں نے اس غیر فطری تبدیلی کو تشویش کی نظروں سے دیکھا اور پھر پورے کارواں میں تشویش پھیلتی چلی گئی۔ ان میں سے ہر ایک ہراساں نظر آ رہا تھا۔

سردار جوبا نے اپنا اونٹ روک کر مغرب کی جانب نگاہ دوڑائی اور متفکرانہ انداز میں سرجابا کی طرف دیکھا۔ نئے پروہت نے سردار کی تشویش بھانپ کر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور اگلے ہی لمحے میں سردار جوبا کارواں والوں کے لئے احکام صادر کرنے لگا۔ اونٹ روک لئے گئے لوگوں نے ان کی مہاریں تھام کر اپنے گرد اونٹوں کا حلقہ باندھ لیا۔ وہ سب رہ رہ کر خوفزدہ نگاہوں سے مغرب کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ذرا ہی دیر میں اس ہنگامے کا سبب میری سمجھ میں آ گیا۔ مغرب سے ایک خوفناک صحرائی آندھی ہماری جانب بڑھی آ رہی تھی۔ صحرائی بگولوں کے میلوں اونچے میناروں کے باعث سورج دھندلا چکا تھا اور لحظہ بہ لحظہ فضا میں گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔

"سب ایک دوسرے کے ہاتھ تھام لو۔" اچانک سردار جوبا چیخنے لگا۔ "عفریت موت کی آندھی ہے۔ ایک ہی جھونکے میں سب کو اڑا لے جائے گی۔"

ادھر اونٹ بلبلائے جا رہے تھے۔ صحرا کے جانور آنے والے لمحات کی بو پا چکے تھے اور اب ہر قیمت پر اپنی مہاریں چھڑا کر بھاگ جانا چاہتے تھے لیکن ان کے مالکوں نے اپنے اپنے جانور کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قابو میں کیا ہوا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہولناک صحرائی آندھی سروں پر آ پہنچی۔ چیختی چنگھاڑتی ہواؤں میں

ناچتے ریتلے ذرات نے پل بھر میں ہر ایک کو اندھا کر دیا۔ لوگوں کے پیر زمین سے اکھڑنے لگے۔ اونٹ وحشت زدہ آوازوں میں بلبلا کر اپنی گردنیں ریتلے ٹیلوں پر چھپانے لگے۔ وہ بھیانک آندھی اس خونیں کارواں کا تنکا تنکا بکھیر دینے پر تلی ہوئی تھی۔

یک بیک ہواؤں کے غضب ناک شور، مصیبت زدہ قزاقوں کی چیخ و پکار اور اونٹوں کے شور سے بھی اونچی ایک بھیانک چیخ گونجی اور اپنی بے بسی کے باوجود میرا دل دہل اٹھا۔

وہ لرزہ خیز انسانی چیخ غیر فطری انداز میں دم توڑ گئی اور اسی کے ساتھ آہستہ آہستہ صحرائی آندھی کا زور ٹوٹنے لگا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد میں اپنی آنکھیں کھولنے کے قابل ہوا تو وہاں ہر طرف بربادی کے آثار تھے۔ جبرین کے کئی قزاق نتھنوں میں ریت گھسنے اور دم گھٹنے کے باعث ہلاک ہو چکے تھے زندہ رہ جانے والوں کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ بہت سے اونٹ طوفان سے بوکھلا کر اپنی نکیلیں تڑا کر فرار ہو چکے تھے اور ریت کا وہ خوفناک طوفان مشرق کی جانب بڑھا جا رہا تھا۔

"اوہ۔ یہ مارا گیا' چیخ شاید اسی کی تھی!" اچانک کسی کی متحیر اور خوفزدہ آواز ابھری۔

میں فوراً ادھر پہنچا تو صحرا کے سینے پر جبرین کے نئے پروہت سرجاہا کی مسخ شدہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کی بری طرح کچلی ہوئی لاش ریت اور خون میں نہائی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی دیو قامت درندے نے اسے سر سے اونچا اٹھا کر بے رحمی کے ساتھ نیچے پٹخ دیا ہو۔

چند ہی ثانیوں میں جوبا بھی وہاں آ پہنچا اور سرجاہا کی لاش دیکھ کر اس کے ہونٹ تنفر آمیز انداز میں سکڑ گئے جیسے اس کے لئے سرجاہا کی موت سخت غصے کا باعث بنی ہو۔

"یہ بھی مارا گیا حسین!" جوبا نے سرد اور جذبات سے عاری آواز میں مجھ سے کہا۔ اس کی آنکھوں سے اس وقت خوف نمایاں تھا اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ سرجاہا کی موت پر اسے مجھ سے شکایت ہے جیسے میں ہی اس واقعے کا ذمہ دار رہا ہوں۔

میں اس کے جواب میں کچھ نہ بولا۔

سرجاہا کی لاش کو گھورنے کے بعد جوبا.... اس کے سینے پر کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ میں نے فوراً اس پر بوکھلاہٹ طاری ہوتے دیکھی۔ اور اس نے ہڈیوں اور گوشت کے اس ڈھیر کو پوری طرح کھنگال ڈالا لیکن اسے مطلوبہ شے نہ مل سکی۔

اپنی تلاش میں ناکام ہو کر جوبا تیر کی طرح میری جانب آیا اور میرا شانہ تھام کر مجھے ایک طرف لے چلا۔ جبرین والے حیران و پریشان یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔

"سرجاہا مارا گیا اور اس کے سینے سے چرمی نقشہ غائب ہے!" مجھے تنہائی میں لے جا کر سردار جوبا نے زبان کھولی۔

"کیا تو مجھے اس کا ذمہ دار سمجھتا ہے سردار؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ روح تجھ پر عاشق ہے!" سردار جوبا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دبی دبی مگر پرجوش آواز میں بولا۔ "اور اس چرمی ٹکڑے کا تعلق بھی شاید اسی سے ہے۔"

"اسی سے تعلق ہے؟ وہ کیسے؟" میں اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

"یہ ہمارا ایک جدی راز ہے مگر میں تجھے اپنا رازداں بناؤں گا۔" جوبا ہذیانی انداز میں بڑبڑایا۔ "میری بستی کی رونق اور آبادی اب تیرے رحم و کرم پر ہے۔ ہم انسانوں سے نہیں ڈرتے مگر روحوں سے ہمارا دم نکلتا ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں اب پوری طرح تیری گرفت میں آ چکا ہوں۔ تیرے منہ آنے والوں کا حشر میری عبرت کے لئے کافی ہے۔ میں راستے میں یہ کہانی سناؤں گا۔"

سورج دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد اب آخری منزل کی جانب جھکتا جا رہا تھا۔ اس ناگہانی طوفان نے جبرین والوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ ہر قیمت پر دھندلکا پھیلنے سے قبل اپنی بستی میں واپس لوٹنا چاہتے تھے۔ اس لئے سرجاہا اور طوفان سے ہلاک ہونے والوں کی لاشوں کو وہیں چھوڑ کر یہ کارواں باقی ماندہ اونٹوں پر سوار ہو کر بستی کی جانب چل پڑا۔ جانوروں کی کمی اور مصلحت کی خاطر جوبا نے مجھے بھی اپنے ہی اونٹ پر سوار کر لیا تاکہ راستے میں بے خوف و خطر دو ٹوک باتیں ہو سکیں۔

"سرجاہا ناگہانی مارا گیا ہے حسین!" قافلے سے کچھ آگے نکل جانے کے بعد سردار جوبا نے شکایتی لہجہ میں کہا۔

"لیکن میں اس معاملے سے بالکل لاتعلق ہوں سردار۔"

"میں نہیں مان سکتا حسین۔" وہ مضمحل آواز میں بولا۔ "ہم بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ اس چرمی ٹکڑے پر کسی صحرائی مقام کا نقشہ ہے جہاں ایک بدروح نے چھینا ہوا جسم قید ہے۔ وہ بدروح ہمارے مذہب اور ہماری جانوں کی دشمن ہے اور اس نقشے کی حفاظت ہر

پروہت کا مذہبی فریضہ ہے اور تیری زبان سے طوسیہ کی کہانی سننے کے بعد مجھے یقین ہے کہ چرمی نقشہ اسی سے تعلق رکھتا ہے۔"

سردار جوبا کے الفاظ نے مجھے بے چین کر دیا۔ "صندلیں کلیسا... تو نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا سردار کہ وہ چرمی نقشہ صندلیں کلیسا کا ہے۔"

"اور اس نے سرجاہا کو محض اس لئے ہلاک کر دیا ہے کہ اس کی زندگی میں اس سے وہ نقشہ چھیننا ناممکن تھا۔" جوبا نے بالآخر اپنی بات مکمل کر ہی لی۔

"سن جوبا۔" میں یک بیک جوش میں آ گیا۔ "تو جس آگ کو پوجتا ہے وہ سراسر بدی ہے۔ اسی آگ سے ابلیس نے جنم لیا تھا جو آج خلق خدا کو بہکانے پر تلا ہوا ہے۔ تو آگ کا نہیں شیطان کا پجاری ہے' اور شیطان مجسم گناہ ہے۔ سرجاہا الاؤ کا پروہت تھا اور یوں وہ شیطان کا رکھوالا بھی تھا۔ قسم پروردگار کی کہ وہ مارا بھی گیا تو کوئی برائی نہیں۔ طوسیہ نے اسے عذاب کی زندگی سے نجات دلائی ہے اور مجھے سرجاہا کی موت کا کوئی غم نہیں ہے۔ مجھے صدمہ تو اس نقشے کا ہے۔ اگر وہ نقشہ طوسیہ کے پاس نہ ہوا تو جبرن کی گلیاں ویران ہو جائیں گی اور تو قابل رحم حالت میں در بدر بھٹکتا پھرے گا۔"

جوبا کا بدن جھرجھری لے کر رہ گیا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں جانتا تھا کہ ایک دن یہی ہو گا۔ میں تیرے فریب کا شکار ہوا ہوں اور اب مجھے اپنی اس کوتاہی کی سزا بھگتنی ہی ہو گی۔"

"سزا نہیں سردار۔" میں یک بیک نرم پڑ گیا۔ "تو میرا محسن ہے' میرا دوست ہے' میری ذات سے تجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ ہاں اس چرمی نقشے کی تلاش میں تجھے میری مدد کرنی ہو گی۔"

جوبا چند ثانئے تک تو خاموش رہا پھر پرخیال انداز میں بولا۔ "تجھے کیسے علم ہو گا کہ وہ چرمی نقشہ تیری محبوبہ کی روح کے قبضے میں نہیں ہے۔"

"وہ آئے گی' جلد ہی میرے پاس آئے گی اور اگر وہ نقشہ اس کے پاس نہیں ہے تو جبرن کے کسی بدنیت قزاق نے اس پر قبضہ جما لیا ہے۔ تجھے میری خاطر پوری بستی کی تلاشی لینی ہو گی۔ طوسیہ میری زندگی ہے اور اس کا جسم روح سے جدا کر کے قید کیا جا چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نقشے کے ذریعے میں اپنی طوسیہ کو اس کا گمشدہ پیکر واپس دلا سکوں

گا۔"

"تو زبان سے دوستی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن تیری باتوں سے دھمکی کی بو آتی ہے حسنین!" جوبا تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "تجھے مجھ پر بالا دستی حاصل ہے۔ میں وہی کروں گا جو تو چاہے گا کیونکہ مجھے اپنی اور بستی والوں کی زندگیاں پیاری ہیں۔"

میں خاموش رہا۔

دراصل میں بھی جوبا کے دل سے اپنا خوف مٹانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس کی بے خوفی کسی بھی وقت مجھے مہنگی پڑ سکتی تھی۔

دھندلکا پھیلنے سے ذرا ہی دیر قبل کارواں جبرن کی بستی میں جا گھسا۔ آتش زدہ خیموں اور مکانوں کے ملبے سے ابھی تک دھوئیں کی لکیریں خارج ہو رہی تھیں۔ جبرن والیوں نے کچلی ہوئی لاشوں کا ڈھیر شاید زمین میں دفن کر دیا تھا کیونکہ اب کہیں بھی کسی لاش کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

قافلہ سردار جوبا کے نئے خیمے کے سامنے جا کر رکا اور سارا مال غنیمت اونٹوں پر سے اتار کر اندر پہنچا دیا گیا۔ سردار جوبا اپنی تلوار سونتے پوری کارروائی کی نگرانی کرتا رہا۔

"جاؤ اور یہ رات اپنی عورتوں کے ساتھ بسر کرو۔" سارے اونٹ خالی ہو جانے کے بعد سردار جوبا نے قزاقوں کو حکم دیا۔ "مال غنیمت کے حصے صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی تمہارے مکانوں کے دروازوں پر ڈال دیئے جائیں گے۔"

پھر سردار جوبا مجھے ہمراہ لے کر خیمے میں آ گیا۔ وہاں کنیزوں کا ایک جم غفیر ساغر و مینا سنبھالے اس کا منتظر تھا۔ جوبا کو دیکھتے ہی وہ سب سہمے ہوئے انداز میں ایک قطار میں کھڑی ہو گئیں۔

جوبا نے کسی بھوکے درندے کی طرح جھپٹ کر ایک دبلی پتلی اور خوبرو کنیز کو اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر اوپر اچھالا کنیز کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی سی چیخ نکلی لیکن اس سے قبل کہ وہ زمین پر گرتی' قوی ہیکل جوبا نے اسے اپنی آغوش میں لپک لیا۔

جوبا حسب معمول اپنے گھناؤنے کھیل میں مصروف ہو گیا اور میں طوسیہ کے انتظار کے کرب میں مبتلا ایک مسند پر دراز ہو گیا۔ چرمی نقشے کی کہانی اور پھر صحرائی سفر کے دوران میں اس کی پراسرار گمشدگی نے مجھ پر ناقابل بیان اضطراب طاری کر دیا تھا۔

شراب کے کئی پیالے خالی کرنے کے بعد سردار جوبا کنیزوں کو ہانکتا ہوا مال غنیمت کے انبار کی طرف لایا اور پھر اپنی نگرانی میں اسے بہت سے حصوں میں تقسیم کرانے لگا۔

میں خالی الذہنی اور کرب کے عالم میں یہ سب تماشا دیکھتا رہا۔ طوسیہ کی طویل غیر حاضری پر مجھے سخت تشویش لاحق تھی۔ اور میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کہاں گم ہو گئی ہے۔

سردار جوبا شراب کے جام پر جام پیتا رہا اور مال غنیمت کی تقسیم کراتا رہا۔ پھر اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے سروں پر کسی چیز کا سایہ کر کے بستی کے ہر مکان کے دروازے پر مال و زر اور اناج کی ڈھیریاں بقدر حصہ رسدی ڈال دیں اور وہ تمام کنیزیں یکے بعد دیگرے اس خیمے سے نکل گئیں۔

تنہا رہ جانے پر سردار جوبا بھاری آواز میں قہقہہ لگاتا میری جانب آیا۔ "سنگتراش! میرے دوست اب وہ نہ آئے گی۔ عورت کی ذات بڑی ہرجائی ہوتی ہے۔ وہ مانینی اور آگ کے پجاریوں سے نجات پا چکی ہے اور اب وہ تیرا رخ نہ کرے گی.....!"

"خاموش!" اس کی بات کاٹ کر میں غصے سے چیخ اٹھا۔ "وہ ضرور آئے گی۔ وہ مجھ سے بدعہدی نہیں کر سکتی، طوسیہ مجھ سے فریب نہیں کر سکتی!"

"میرے دوست! جوبا تجربہ کار بھیڑیا ہے۔" وہ ایک اور صراحی خالی کر کے میرے پہلو میں آ بیٹھا۔ "میں پرندوں کی اڑان سے ہواؤں کا رخ بھانپ لیتا ہوں۔ جیتی جاگتی عورتیں ہمارے ہاتھوں بے بس ہو جاتی ہیں۔ جب وہ دغا دے جاتی ہیں تو بھلا غیر مرئی پیکر کس گنتی میں ہیں۔ تو ایک روح کے فریب میں مبتلا ہے۔ اسے بھول جا۔ دیکھ! میری کنیزیں کیا کسی سے کم ہیں!"

"جوبا!" میں اپنی جگہ سے اٹھ کر غصیلی آواز میں دھاڑا۔ "یہ نہ بھول کہ تیری بستی والے میری قوت سے لاعلم ہیں۔ اگر میں تیری اس ہرزہ سرائی کا جواب دینے پر اتر آیا تو تیرے لئے پناہ مشکل ہو جائے گی۔"

جوبا نے خوفزدہ انداز میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھا جیسے میں اس کے لئے کوئی اجنبی مخلوق ہوں۔ پھر وہ اپنا منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر مسند میں گر پڑا اور تیزی سے ہانپنے لگا۔

میں انتظار اور بے چینی کے عالم میں وقت گزارتا رہا طوسیہ کو نہ آنا تھا نہ وہ آئی۔ جوبا کی کنیزیں مال غنیمت کے حصے مکانوں کے دروازوں پر چھوڑ کر واپس آتی جا رہی تھیں اور جوبا قدرے خوفزدہ انداز میں مجھ سے دور بیٹھا شراب سے شغل کر رہا تھا۔ آنے والی کنیزیں ادب و احترام کے ساتھ اس کے گرد حلقہ باندھتی جا رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب خیمے میں میری موجودگی سے لاعلم ہوں۔

آخر میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ طوسیہ کے انتظار میں میری ہڈیاں تک سلگ رہی تھیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور گونجیلی آواز میں بولا۔ "جوبا۔۔۔۔ میرے اوزار کہاں ہیں؟"

"وہ... وہ میرے جلے ہوئے خیموں کے آس پاس ہی ہوں گے۔" وہ نرم آواز میں بولا۔ "مگر اتنی رات گئے تو ان کا کیا کرے گا؟"

"وہ خود کو کیا سمجھتی ہے!" میں غصیلی آواز میں غرایا۔ "میں اس جیسے ہزاروں پیکر تراش سکتا ہوں۔ وہ آئے گی اور اسے آنا ہی پڑے گا۔"

جوبا تشویش آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتا میرے قریب آیا۔ اور میری پیشانی کو چھوتے ہی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ "تیری پیشانی جل رہی ہے' تیری آنکھوں میں وحشیانہ سرخی ناچ رہی ہے حسین! تجھے اس وقت آرام کی ضرورت ہے!"

"نہیں" میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔ "میرے اوزار کہاں ہیں میں اس کا مجسمہ تراشوں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے کیسے فریب دے سکتی ہے!"

"باہر رات کا اندھیرا پھیلا ہوا ہے کہیں یہ نحوست تجھے نہ چاٹ جائے۔" وہ دھیمی مگر تشویش آمیز آواز میں بولا۔ "میں اس وقت تجھے باہر جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"نحوست!" میں نے تحقیر آمیز ہذیانی قہقہہ لگایا۔ "یہ بڈھے مانینی کی تراشی ہوئی داستان تھی تاکہ رات کی تاریکی میں کوئی اس کے گھناؤنے کاموں میں حارج نہ ہو سکے۔ وہ مر گیا اور تو..... تو شاید میری رہبری کے لئے زندہ ہے..... کہاں ہیں میرے اوزار؟"

میں نے دیکھا کہ جوبا میری تغیر آمیز حالت پر دہشت زدہ ہو چلا ہے۔ اس نے مجھ پر سے نظریں ہٹائے بغیر ایک کنیز کو اشارہ کیا اور وہ الٹے قدموں خیمے سے باہر چلی گئی۔

کچھ دیر تک وہاں گہرا سناٹا طاری رہا۔ میں بس اپنے چڑھے ہوئے سانسوں کا شور سن رہا

تھا۔

پھر وہ کنیز سردار جوبا کے دو غلاموں کے ہمراہ میرے اوزاروں کا صندوق لئے واپس آئی اور میں ان غلاموں کی طرف بڑھ گیا۔ "یہاں نہیں' کھلے آسمان کے نیچے اور نحوست کے اندھیرے میں یہ سامان رکھ دو باہر کئی چٹانیں موجود ہیں۔ میں ان کا سینہ چیر کر حسن کے لازوال پیکر تراشوں گا۔ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے..... فن..... فنکار کی محبت اتنی آسانی سے نہیں مر سکتی' میں اس کہانی کو لازوال بنا دوں گا' لوگ میرے تراشے ہوئے بتوں کو دیکھ کر اس کہانی کو یاد رکھیں گے!" میں یہ کہتا ہوا سردار جوبا کے خیمے سے باہر نکل آیا۔ جوبا کے دونوں غلام میرے آگے آگے تھے۔

پھر میرے اوزار پتھر کی تین بڑی چٹانوں کے نزدیک رکھ دیئے گئے۔ زمین پر بیٹھتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میرے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے' آنکھوں کے سامنے تاریکی کے گنجان دائرے ناچ رہے تھے اور کنپٹیوں میں انگارے چٹختے محسوس ہو رہے تھے۔

شاید جوبا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ شاید میں بخار اور ہذیان میں مبتلا تھا اور شاید مجھے صرف آرام ہی کی ضرورت تھی' شاید طوسیہ کے فراق میں۔

"نہیں.... میں بیمار نہیں ہوں!" میں اپنے اوزار نکالتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "فنکار کبھی بیمار نہیں ہوتا' فنکار کبھی بیوفا نہیں ہوتا' کبھی بے وفا نہیں ہوتا۔"

ہتھوڑی نکال کر میں نے پتھر پر پوری قوت سے ضرب لگائی' سنگریزے اڑ کر میری برہنہ کلائی سے ٹکرائے اور میں نے گہرے سکون کا سانس لیا' پھر چھینی نے میری انگلیوں میں جنبش کی اور درمیانی تاریخوں کے چاند کی پھیکی روشنی میں جبرین کی خوابیدہ رات سنگ و آہن کی کرخت نغمگی سے گونج اٹھی۔

طوسیہ کی محبت میری زندگی تھی' اس کا تصور میرا سکون تھا' اس کا آہنگ میرے لئے نغمہ تھا اور اس کا فراق میرے لئے جہنم تھا۔ وہ کئی پہروں سے مجھ سے دور تھی اور میرے وجود میں لاوا دہک رہا تھا۔ میرے ہاتھ چلتے رہے' سنگریزے اڑتے رہے اور بکھرتے رہے' میری انگلیاں دکھنے لگیں' بازو شل ہونے لگے اور پھر وہ مرحلہ آ پہنچا جہاں میں یک بیک ہر احساس سے عاری ہو گیا۔

صحرا کی مشرقی وسعتوں سے مسکراتی کرنوں کا سنہرا جال ابھرا اور جبرین کی قبرستان جیسی

فضا میں زندگی انگڑائیاں لینے لگی۔ راہ گیروں اور سواروں نے حیرت سے مجھے دیکھا مگر میں نے سر نہ اٹھایا۔ پھر کسی وقت جوبا کی کوئی باندی میرے لئے اونٹنی کا دودھ اور چند کھجوریں رکھ گئی مگر میں بھوک اور پیاس کے احساس سے عاری ہو چکا تھا۔ میرے ہاتھ اور پیر چلتے رہے اور آنکھیں اس پتھر میں چھپے طوسیہ کے تیکھے اور دلکش خد و خال دیکھتی رہیں۔

دن طلوع ہوا اور ڈھل گیا' شام آئی اور گزر گئی' رات نکھری اور بکھرنے لگی۔ میں اپنے کام میں گم ہو کر جذب اور جنون کے اس مرحلہ پر پہنچ چکا تھا کہ مجھے اپنے اردگرد طوسیہ کے سینکڑوں لاہوتی پیکر' نت نئے انداز میں رقصاں نظر آ رہے تھے' میرے کانوں میں رہ رہ کر اس کی رسیلی اور محبت آمیز آواز گونج رہی تھی۔

دوسرے دن ہتھوڑی میری گرفت سے نکل گئی اور میں محویت سے چونکا تو پتہ چلا کہ میری انگلیاں اینٹھ چکی ہیں۔ بازوؤں اور شانوں پر ورم آ چکا ہے او انگلیاں لہولہان ہو چکی ہیں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر زمین سے ہتھوڑی اٹھانی چاہی اور تیورا کر ادھورے مجسمے پر ڈھیر ہو گیا' آنکھوں کے سامنے لامتناہی اندھیرا ناچنے لگا اور کانوں پر بے کراں سکوت طاری ہو گیا۔

ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک پیال پر پایا۔ جسم کو جنبش دینی چاہی تو اذیت کے احساس سے چیخ نکل گئی۔

"لیٹا رہ..... لیٹا رہ حسین!" جوبا نے کسی طرف سے نمودار ہو کر میرے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔ "تیری انگلیاں زخمی اور بدن کمزور ہے!"

"تو جھوٹا ہے۔" میں نے یک بیک اپنے بدن میں توانائی کی ایک لہر کوندتی محسوس کی اور ایک جھٹکے سے بستر سے نیچے اتر پڑا۔ "تو اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے' یہ ہرگز نہ ہو گا' اس کا ادھورا پیکر مجھے پکار رہا ہے۔ وہ آئے گی اور پتھر کے اسی مجسمے میں آئے گی۔ سب دیکھیں گے کہ بہت جلد پتھر کا وہ بت بول پڑے گا' مجھ سے بغل گیر ہو گا....."

میں تیز رفتاری کے ساتھ جوبا کے خیمے سے باہر نکل آیا اور وہ متحیرانہ انداز میں مجھے گھورتا ہی رہ گیا۔

وہ بت گویا مسکرا کر میری طرف نگراں تھا۔ خد و خال میں آخری چوٹوں کی تشنگی نمایاں تھی۔ میں چند ثانیوں تک ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا اور پھر اوزار سنبھال کر اسے نکھارنے لگا۔

جوں جوں ضربیں پڑ رہی تھیں اور طوسیہ کا وہ سنگیں بہروپ اپنا روپ دکھا رہا تھا' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے سر پر جما ہوا ترچھا تاج عجیب شان دکھا رہا تھا۔ کشادہ پیشانی پر وریدوں کا ہلکا ہلکا ابھار سانس لیتا محسوس ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں ابدی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ ستواں ناک سے وقار ٹپک رہا تھا' رخساروں کے ابھار دعوت دے رہے تھے اور پتلے پتلے ہونٹ بس جنبش ہی کیا چاہتے تھے۔

میں نے ہونٹوں کے داہنے گوشے میں ہلکی سی آخری چوٹ لگائی اور تنقیدی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

وہ پیکر ہر طرح مکمل تھا۔ میرے وجود میں مسرت کا خمار انگڑائیاں لینے لگا۔ میرا شاہکار مکمل ہو چکا تھا۔ میں اسے گھورتا رہا لیکن نہ ان آنکھوں نے جنبش کی نہ وہ لب کانپے۔۔۔ مایوسی کی ایک لہر میرے دل سے ابھری اور پورے سراپا پر چھاتی چلی گئی۔

یہ بولتی کیوں نہیں.... یہ خاموش کیوں ہے؟ میں نے سوچا۔

جبرین کی وہ شب بھی ہمیشہ کی طرح ساکت اور خاموش تھی۔۔۔ صحرائی قزاق راتوں کی نحوست کے خوف سے اپنے اپنے مسکنوں میں دبکے پڑے تھے اور میں چودھویں کے چاند کی بھرپور روشنی میں اس بت کے سامنے دوزانو بیٹھا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"بول طوسیہ!" میں نے کرب آمیز آواز میں یہ کہہ کر پوری قوت سے اس کے شانے پر ہتھوڑی کی ضرب لگائی۔

چند سنگریزے فضا میں بکھرے اور میں دیوانوں کی طرح اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا! میرے کانوں میں کانسی کی بے شمار گھنٹیوں کا مترنم شور گونج رہا تھا اور میں فضا میں خوشبوؤں کے بادل اڈتے محسوس کر رہا تھا۔ وہ ترنم اور وہ خوشبوئیں سب میری شناسا تھیں۔ طوسیہ' میری طوسیہ آ رہی تھی۔

اسی عالم دیوانگی میں میری نظر اس مجسمے پر پڑی۔ اس کے لبوں کو جنبش ہوئی اور طوسیہ کی مانوس مگر سرسراتی ہوئی آواز میرے کانوں میں ترنم کا رس گھول گئی۔

"حسین! پیارے حسین" اس نے چپکے سے مجھے پکارا تھا۔

وہ آواز سنتے ہی میرے بدن پر لرزہ چھا گیا اور میں کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

فضا ابھی تک کانسی کی گھنٹیوں کے ترنم ریز شور سے گونج رہی تھی اور فضا میں خوشبوؤں کا ایک طوفان اڈا ہوا تھا۔ اپنے ہی تراشے ہوئے طوسیہ کے پتھریلے بت کے لبوں کو جنبش کرتے دیکھ کر میرے پورے بدن پر خوشی' حیرت اور خوف کے باعث لرزہ طاری ہو چکا تھا' مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں زمین سے اٹھ سکوں۔ بس جبرین کی خاک پر پڑا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس زندہ بت کو گھورے جا رہا تھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو حسین؟" طوسیہ کا زندہ بت مخصوص اور میٹھے انداز میں مسکرا کر ادا کے ساتھ بولا اور اسی وقت میں نے اپنے شانوں پر کسی کے ہاتھوں کا حرارت آگیں' نرم و نازک لمس محسوس کیا اور ہلکی سی چیخ مار کر اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

طوسیہ کا سدا بہار' مسکراتا پیکر میری پشت پر موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں بوکھلا گیا اور پلکیں جھپکا کر طوسیہ کے سنگیں مجسمے کی طرف دیکھا۔

وہ بے جان بت اپنے امر نقوش سمیت بالکل ساکت کھڑا ہوا تھا۔ بالکل اسی حالت میں جیسا میں نے اسے تراش کر چھوڑا تھا۔ مسکراتا بے جان بت!

"میں حالات کے سامنے بے بس ہو گئی تھی حسین!" طوسیہ میرے قریب آتے ہوئے بولی۔ "مجھے اس چرمی نقشے کی تلاش تھی اور میں نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتی پھری ہوں....!"

"تو وہ تمہارے پاس نہیں ہے!" میں اس کی بات کاٹ کر حیرت اور غصے سے بولا۔

"میرے ہی پاس ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "جوں ہی مجھے یہ سراغ ملا کہ اب وہ نقشہ سر جلہا کے پاس موجود ہے میں نے اسے ٹھکانے لگا کر وہ نقشہ حاصل کر لیا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ڈھیلے ڈھالے لبادہ کی بغلی جیب سے چمڑے کا ایک ٹکڑا نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے چمڑے کا وہ ٹکڑا اس کے ہاتھ سے لے کر بغور دیکھا لیکن اس پر بنی ہوئی آڑی ترچھی لکیروں اور مختلف علامات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکا۔ چمڑے کے اس ٹکڑے پر خون کے خشک دھبے پڑے ہوئے تھے اور نیزے کی انی کے تین سوراخ بھی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سوراخ نقشے کے ابتدائی یا آخری حصے پر تھا۔

"کیا تم اس سے کوئی مطلب اخذ کر سکی ہو؟" میں نے اس سے پوچھتے ہوئے اپنا سر اوپر اٹھایا تو اس نے پھرتی سے وہ چرمی نقشہ مجھ سے چھین لیا اور گھبرائی ہوئی نگاہوں سے میرے عقب میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"کوئی آ رہا ہے' بس تم خاموش کھڑے رہو!"

گو یہ اطلاع پا کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں اور میرا جی چاہ رہا تھا کہ فوراً ہی پیچھے مڑ کر آنے والے کو دیکھوں لیکن میں نے یہ حماقت نہیں کی۔ ویسے میں متجسس ضرور تھا۔۔۔ جبرن والے اپنی روایات کے قیدی تھے اور ان ہی میں ایک روایت رات کی سیاہی میں پوشیدہ نحوستوں سے متعلق تھی۔

میں نے آہستہ آہستہ اپنے تراشے ہوئے مجسمے پر نگاہیں ڈالتے ہوئے گردن گھمائی تو چاند کی دودھیا روشنی میں جبرن کا جہاندیدہ بوڑھا ابوسقر میری جانب چلا آ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے برہمی ٹپک رہی تھی اور تیور بگڑے ہوئے تھے۔

"آؤ ابو سقر! تم رات کے اندھیرے میں کہاں بھٹک رہے ہو؟" میں نے مضمحل آواز میں اسے پکارا۔

"جوبا کی بزدلی نے مجھے تیرے پاس آنے پر مجبور کیا ہے حسین!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"یہ مسلح ہے' اس وقت اس سے دور ہی رہ کر بات کرنا۔" میرے کانوں میں طوسیہ کی آواز گونجی۔ میں بوکھلا کر اس کی طرف پلٹا لیکن اسی وقت مجھے یاد آیا کہ اسے میرے سوا کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے۔

"جوبا کی بزدلی!" میں نے حیرت سے کہا۔ "جبرن والوں پر بزدل کب سے حکمرانی کرنے لگے ابو سقر؟" میرے لہجے میں اس بار حیرت کے ساتھ ہی طنز کی تلخی بھی رچی ہوئی تھی۔

"جب سے سرداروں نے باہر سے آنے والوں کو کھلی چھوٹ دینی شروع کی ہے!" وہ اپنے سر پر بندھے ہوئے ریشم کے سفید رومال کی گرہیں ٹٹولتے ہوئے بولا۔

"ابو سقر!" میرا لہجہ گمبھیر ہو گیا۔ "تم بستی کے معززین میں گنے جاتے ہو' مجھے مجبور نہ کرو کہ میرے لہجے کی گستاخی تمہارے بوڑھے اعصاب کو اذیت میں مبتلا کر دے!"

"یہ تو نہ سنا تھا نہ دیکھا تھا!" وہ آہستہ آہستہ بولا۔ اس کا داہنا ہاتھ ابھی تک اس کی پشت پر چھپا ہوا تھا اور مجھے اندازہ تھا کہ اس کے داہنے ہاتھ میں کوئی مہلک ہتھیار چھپا ہوا ہے "کہ جبرن کی خاک پر سنگتراش اپنے اوزار بجاتے پھریں گے لیکن جوبا نہ جانے کیوں تجھ سے ڈرتا ہے' تجھے سرعام صنم تراشی کی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ تو دن کے اجالے میں جبرن والوں سے ڈرتا ہے نہ رات کے اندھیروں میں لپٹی نحوستوں سے گھبراتا ہے۔ تیری وجہ سے ہر ایک پریشان ہے اور میری تو چھٹی حس کہتی ہے کہ آخر کار تیری وجہ سے ہم پر بربادی آئے گی۔"

"اور اسی لئے تو میرا خاتمہ کرنے آیا ہے!" اس کی جانب سے مصالحت کی کوئی امید نہ پا کر میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور میرے لہجے میں نفرت کی بو نمایاں ہو گئی۔

"ہاں!" اس نے داہنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور میں نے اس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے خنجر کے پھل کی چمک دیکھی۔ "آج میں تیرا قصہ ہی نمٹا دوں گا۔ تو جبرن والوں کے لئے ایک روگ بن کر رہ گیا ہے!"

یہ کہتے ہوئے وہ بوڑھا کسی پھرتیلے چیتے کی طرح خنجر تانے میری طرف لپکا۔

میں نے پیچھے سرک کر اپنا دفاع کرنا چاہا لیکن اسی وقت میرے کانوں میں طوسیہ کی مسکراتی گنگناتی آواز آئی۔ "ڈرو نہیں حسین! اپنی جگہ کھڑے رہ کر تماشا دیکھو!"

گو مجھے یقین ہو گیا کہ اب ابو سقر میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا لیکن طوسیہ کی یقین دہانی کے باوجود مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو چلی تھی۔

"او بڈھے!" جوں ہی ابو سقر میرے قریب پہنچا میرے کانوں میں طوسیہ کی آواز آئی اور وہ یک بیک بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اس بار طوسیہ نے بھی براہ راست اسی کو مخاطب کیا تھا اور اس کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے طوسیہ کی آواز سنی ہے۔

ابو سقر کی توجہ ہٹتے ہی میں نے اپنے گرد و پیش میں نگاہیں دوڑائیں مگر اب طوسیہ کا کہیں پتہ نہیں تھا اور ابو سقر دہشت زدہ انداز میں طوسیہ کے بت کو گھورے جا رہا تھا۔ یوں

لگ رہا تھا جیسے وہ نسوانی آواز کا مخرج اسی بت کو سمجھ رہا ہو۔

میں نے زور سے قہقہہ لگایا۔ "میری طرف دشمنی کی نگاہ اٹھانے والوں کا عبرتناک انجام ہو گا ابو سقر! جوبا تیرا سردار بزدل نہیں ہے وہ کچھ سمجھ کر ہی مجھ سے الجھنے سے گریز کرتا ہے۔"

"نہیں۔۔۔۔ یہ میرا وہم ہے' پتھر کے بت کبھی نہیں بول سکتے۔" کئی منٹ کے الجھن اور خوف آمیز انتظار کے بعد ابو سقر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "تو اپنے حلق سے عورتوں کی سی آوازیں پیدا کر کے مجھے وہم میں نہیں ڈال سکتا' آج میں تیرا قصہ تمام کر کے ہی واپس لوٹوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ خنجر والا ہاتھ بلند کر کے میری جانب بڑھا۔

"حسین زندہ بتوں کی تخلیق کرتا ہے او آگ کے پجاری!" طوسیہ کی آواز پھر ابھری اور ابو سقر میری طرح دہشت زدہ ہو کر چیخ پڑا۔

"پتھر کا بت.... اس کے لب ہل رہے ہیں' یہ بول رہا ہے' یہ بول رہا ہے!" یہ کہتا ہوا وہ وہاں سے سرپٹ بستی کی جانب بھاگ نکلا۔

اس کے جاتے ہی طوسیہ نمودار ہو گئی اور میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ "آؤ کسی گوشہ عافیت میں چل کر گفتگو کریں ہمیں اس نقشے پر غور کرنا ہے۔"

ہم دونوں قریب ہی بنے ہوئے جانوروں کے ایک ویران اصطبل کے عقب میں جا پہنچے۔

"چمڑے کے اس ٹکڑے پر تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟" اس نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آڑی ترچھی لکیروں کا ایک بے مقصد سا جال!" میں نے کہا۔

"لیکن یہ اس صندلیں کلیسا تک پہنچنے کی کلید نہیں ہے۔ آگ کے پجاریوں کو بھی اسی غلط فہمی نے صدیوں سے فریب میں مبتلا رکھا ہے کہ یہ لکیریں ہی نقشہ ہیں اور اس کی مدد سے انہوں نے کئی بار صحرا میں میرا جسم تلاش کیا ہے لیکن ناکام رہے۔ میرے باپ کے معتقدوں نے اس چرمی ٹکڑے پر خاص قسم کے سیال سے وہ نقشہ بنایا تھا جو ایک خاص عمل کے بغیر نہیں آ سکتا اور اصل نقشے کی حفاظت کے لئے اس پر لکیروں کا جال بنا دیا تھا تاکہ

شخص اسی میں الجھا رہے!" وہ اپنا سر میرے شانے پر ٹکا کر بولی۔

پھر طوسیہ نے مجھے اصل نقشے کو ظاہر کرنے کا طریقہ بتایا جس کے مطابق مجھے بہت سی چیزیں حاصل کرنی تھیں اور ان سب کا سفوف بنا کر چرمی ٹکڑے کو سفوف میں لپیٹ کر دھیمی آنچ پر گرم کرنا تھا' اس طرح کہ اس پر چاند یا سورج کا سایہ تک نہ پڑ سکے۔ سات پہر کے اس عمل کے بعد اصل نقشہ چرمی ٹکڑے پر ابھر آتا اور میں کسی صحیح سمت میں پیش قدمی کے قابل ہو جاتا۔

طوسیہ نے مجھے یہ سب بتایا پھر میں نے اس کے کاکل و رخسار سے زندگی کی رعنائیاں سمیٹیں اور وہ اپنی انجانی دنیا میں لوٹ گئی۔

میں وہاں سے اٹھا اور نئے عزم کے ساتھ سردار جوبا کے خیمے کی طرف چل دیا۔

جوبا کے خیمے میں پہنچا تو ایک چونکا دینے والا منظر میرا منتظر تھا۔

جوبا کے نئے خیمے میں بچھے ہوئے قالین پر ابو سقر اوندھے منہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور جوبا اس سے بے نیاز کنیزوں کے جھرمٹ میں بستر پر دراز تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ پاتے ہی جوبا اچھل کر بستر سے اترا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے میرے قریب آ پہنچا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جوبا کو نشے کے عالم میں لڑکھڑاتے دیکھا تھا۔

اس نے قریب آ کر اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی کے ساتھ میرے شانوں پر جما دیئے اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تو لمحہ بہ لمحہ مجھ پر اور میرے اعصاب پر حاوی ہوتا جا رہا ہے' دیکھ تیرا ایک اور دشمن مارا گیا' اب تو میں تجھ سے ڈرنے لگا ہوں۔"

"میرا دشمن!" میں ابو سقر کے بے جان جسم پر جھکتا ہوا حیرت سے بولا۔ "بھلا اس معزز بوڑھے کو مجھ سے کیا دشمنی تھی' ارے! اس کے نتھنوں اور دہانے پر تو خون جما ہوا ہے!"

"ہاں۔۔۔۔ یہ میرے پاس آیا تھا' تیری آزادی اور سنگتراشی پر یہ چراغ پا تھا اور مجھ سے مطالبہ۔۔۔۔ کر رہا تھا کہ میں تجھ پر پابندی عائد کروں۔ میں نے اس سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ سب کچھ کر سکتا ہوں مگر حسین کے مقابلے پر نہیں آ سکتا۔ یہ سنتے ہی ابو سقر بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو گیا۔ میرا قیاس تھا کہ وہ تیرے قتل کی نیت سے گیا تھا اور ابھی کچھ دیر قبل یہ دہشت سے کانپتا ہوا اور ہذیان بکتا بھاگا بھاگا یہاں

آیا۔ اس کے منہ سے بمشکل تیرا نام نکلا اور یہ تیورا کر نیچے گر گیا۔ میں قریب پہنچا تو اس کے نتھنوں اور دہانے سے خون رواں تھا۔ شاید دہشت سے اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی تھی!" قدموں کی لڑکھڑاہٹ کے باوجود جوبا کا لہجہ مضبوط اور ہوش مندانہ تھا۔

معاً مجھے اپنی مطلوبہ چیزوں کا خیال آیا اور میں نے جوبا کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ "یہ بتاؤ کہ کیا ابوسقر خونی تھا؟"

"ابوسقر!" جوبا یہ کہہ کر زور سے ہنسا۔ "جبرین میں کوئی جوان اور بوڑھا ایسا نہیں ہے جو انسانی لہو کی ہولی نہ کھیل چکا ہو۔ یہ بزدلوں کی نہیں سورماؤں کی بستی ہے حسین! تجھے بھی پارسائی کا دعویٰ تھا لیکن آج تیرے ہاتھ بھی مانینی کے خون سے رنگے ہوئے ہیں!"

"سنو! مجھے ابوسقر کا کاسہ سر درکار ہے!"

"خونی کا کاسہ سر؟" جوبا کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں اور وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں۔ اور کسی بانجھ عورت کی چوٹی کے چند بالوں کی بھی ضرورت ہے' باقی چیزیں میں خود مہیا کر لوں گا۔" میں نے اسے اپنی ضروریات سے باخبر کرتے ہوئے کہا۔

"پناہ.... مقدس اگیاری کی پناہ! کیا تو جادو کرنے کا ارادہ رکھتا ہے حسین؟" جوبا کی آنکھیں فرط حیرت سے کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

"مجھے جو بھی کرنا ہے' تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"لے لے' تو ابوسقر کی کھوپڑی بھی لے لے' میں اس کی لاش بستی کے کسی ویران گوشے میں پھکوا دوں گا.... اور بانجھ عورت کے بال بھی مل جائیں گے۔ مانینی اور سرجابا کو بار بار میری کنیزوں کے حمل ضائع کرنے پڑتے تھے لیکن میری دو کنیزوں کو چھ سات سال سے اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی ہے' ان کی کوکھ بہت ہلکی ہے' تو کہے تو میں دونوں کی چوٹیاں تک کاٹ کر تجھے دے سکتا ہوں!"

اب جوبا پوری طرح میری مٹھی میں آ چکا تھا۔ میری ہدایت پر اس نے تیز دھار خنجر سنبھالا اور آہستہ آہستہ ابوسقر کی لاش سے سر جدا کرنے لگا۔ خیمے میں موجود کنیزیں فرط دہشت سے ایک کونے میں سکڑی کانپ رہی تھیں۔ یہ بھیانک کھیل ان کے نازک ذہنوں پر

بوجھ ثابت ہو رہا تھا۔

پھر جوبا ابوسقر کی کھوپڑی بالوں سے ہاتھ میں لٹکائے اٹھ گیا۔

"تو کس کنیز کے لئے کہہ رہا تھا؟" میں نے جوبا سے پوچھا۔

"صاتن کو یہاں بھیجو!" جوبا نے کنیزوں کی طرف مخاطب ہو کر سرد آواز میں کہا۔

ایک دراز قامت' کشادہ بدن اور خوش جمال دوشیزہ کانپتی ہوئی آگے بڑھ آئی۔ دہشت سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"کبھی تمہاری کوکھ میں زندگی کلبلائی ہے لڑکی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

اس نے آہستہ آہستہ اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔

میرا اشارہ پا کر جوبا نے ابوسقر کی کھوپڑی قالین پر رکھ دی اور خنجر سنبھال کر کنیز کی طرف بڑھا۔

کنیز اسے یوں اپنی طرف آتا دیکھ کر چیختی ہوئی پیچھے سرکی اور تیورا کر فرش پر گر گئی۔ شاید اسے اندیشہ تھا کہ جوبا اسے ذبح کر ڈالے گا۔

جوبا کسی بھیڑیے کی طرح اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ کنیز کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور جوبا نے خنجر کے ایک ہی وار میں اس کی پوری چوٹی کاٹ لی۔

خلاف توقع اتنی سی کارروائی پر گلو خلاصی ہونے پر کنیز کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے اپنی ساتھیوں کے جھرمٹ میں جا پہنچی۔

میں سردار جوبا سے کنیز کے بال اور ابوسقر کی کھوپڑی لے کر باہر آ گیا اور ایک طویل راستے کا چکر کاٹ کر مویشیوں کے ویران اصطبل تک جا پہنچا۔ یہ دونوں چیزیں اصطبل کی ایک کوٹھری میں چھپانے کے بعد میں اسی وقت بقیہ چیزوں کی تلاش میں نکل پڑا۔

مجھے باقی ماندہ چیزوں کی تلاش میں زیادہ دیر تک سرگرداں نہیں رہنا پڑا۔ رات کے آخری پہر تک مطلوبہ چیزیں میرے قبضے میں آ چکی تھیں۔

جب میں سردار جوبا کے نئے خیمے کے نزدیک سے گزرا تو میرا تراشا ہوا طوسیہ کا سنگیں پیکر اسی جگہ ایستادہ تھا جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔

کوٹھری میں داخل ہو کر میں نے وہ سب سامان ایک طرف رکھا اور دروازہ بند کرنے کے لئے پیچھے پلٹا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ سردار جوبا کی عتاب زدہ اور بدنصیب لڑکی زینو

کوٹھری کی چوکھٹ پر ہاتھ جمائے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بال پاگلوں کی طرح چہرے پر بکھرے ہوئے تھے' آنکھوں میں اور چہرے پر بے خوابی کی وحشت بکھری ہوئی تھی۔ پتلے پتلے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور وہ جارحانہ انداز میں میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"زینو تو رات کے منحوس اندھیرے میں یہاں؟" اس پر نظر پڑتے ہی میرے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی۔

"ہاں۔۔۔ میں کافی دیر سے چوروں کی طرح تیرا پیچھا کر رہی تھی۔" وہ کوٹھری میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "اور میں نے ابھی اسے ٹھکانے لگا دیا ہے!"

"کسے؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جوبا... میرا خود غرض اور بزدل باپ۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ "وہ تجھ سے خوفزدہ تھا لیکن تجھے سخت ناپسند بھی کرتا تھا۔ جوں ہی تو اس کے خیمے کے قریب سے گزرا وہ دبے پاؤں تیرے پیچھے لپکا مگر میں نے اچھل کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ اس نے جس روز مجھے چوپال میں ڈالا تھا اسی روز سے میں انتقام کی آگ میں جل رہی تھی اور آج مجھے وار کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ تیری وجہ سے گھبرایا ہوا تھا اس لئے میں نے بڑے آرام سے اسے مار ڈالا اور اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔"

"تو نے جوبا کو مار دیا۔" میں نے تحیر آمیز آواز میں پوچھا۔

"یہ ابوسقر کی کھوپڑی یہاں کیسے سجی ہوئی ہے؟" وہ آگے بڑھ کر کھوپڑی اپنے ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے بے خوفی کے ساتھ بولی۔ چاند کی دھیمی دھیمی روشنی کے انعکاس میں اس وقت زینو مجھے کوئی بدروح نظر آ رہی تھی۔

"اسے وہیں رکھ دے!" میں تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ "میں یہاں اپنے دشمنوں کی کھوپڑیاں جمع کر رہا ہوں اور ابوسقر میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔"

اس نے وہ کھوپڑی فرش پر رکھ دی۔ "دشمنوں کے سر!" اس نے خوشی سے کہا۔

"چل تو پھر جوبا کا سر بھی یہیں کاٹ لائیں' وہ بھی تو تیرا دشمن تھا۔"

"اس وقت تیرا یہاں ہونا مناسب نہیں ہے زینو!" میں اپنی جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "تو چوپال میں واپس چلی جا' میں ابوسقر کی کھوپڑی خشک کرنے کے بعد ادھر آؤں گا۔"

وہ تیزی سے میرے قریب آئی اور اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال کر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ میرے لبوں پر ٹکا دیئے۔ "تجھے معلوم ہے ناحسین کہ میں تجھے چاہتی ہوں!"

میں نے آہستگی کے ساتھ اسے خود سے الگ کر دیا اور وہ میٹھی نظروں سے میری طرف دیکھتی اس کوٹھری سے نکل کر باہر کی طرف چل دی۔

میں دروازے پر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے فوراً دروازہ بند کر لیا اور لکڑیاں یکجا کر کے آگ روشن کرنے لگا۔

میں نے اگلے سات پہر اسی کوٹھری میں بند رہ کر گزارے۔ اس دوران میں مجھے ہر آن کسی کی آمد کا دھڑکا لگا رہا کیونکہ زینو کو میری اس کمین گاہ کا علم ہو چکا تھا اور اس کا ذہنی توازن بھی میری دانست میں بگڑا ہوا تھا ان حالات میں کچھ بعید نہیں تھا کہ اس نے میرے پاس سے واپس جا کر پوری بستی میں میری روپوشی کی خبر نہ پھیلا دی ہو' مگر غنیمت ہوا کہ میں نے وہ عرصہ بہت اطمینان سے گزار لیا۔

آگ سرد کرنے سے پہلے ہی میں نے اس چرمی ٹکڑے پر سے جھلسے ہوئے سفوف کی تہیں صاف کیں اور یہ دیکھ کر میرا چہرہ دمک اٹھا کہ چرمی ٹکڑے پر بنی ہوئی لکیروں سے قطع نظر زرد رنگ کی لکیروں سے بنا ہوا ایک نقشہ نمایاں ہو چکا تھا۔ اس سفوف کے اثر سے مانیلی کے خون کے دھبے بھی صاف ہو چکے تھے اور چمڑے کا رنگ نکھر آیا تھا۔

میں نے وہ ٹکڑا روشنی کے قریب لے جا کر اس کا جائزہ لیا تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ نیزے کے سوراخ دو مقام پر اصل نقشے کی لکیروں کو کاٹ رہے ہیں۔

میں نے وہ چرمی نقشہ اپنے لباس میں چھپایا اور پھر کوٹھری کا دروازہ کھول کر ادھر اودھر کی سن گن لیتا باہر نکل آیا۔ زینو کی زبان سے سردار جوبا کے قتل کی خبر ملنے کے بعد مجھ پر ایک نئی فکر سوار ہو چکی تھی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ بستی میں جوبا کی موت کے بعد کیا صورت حال ہو گی۔ کم از کم ایک بات تو یقینی تھی کہ جبرن میں ابوسقر کی سی سوچ رکھنے والے خاصے لوگ موجود تھے۔ ابوسقر اور جوبا کی موت کے بعد ان لوگوں کا میری جانب سے بدظن اور مشکوک ہونا یقینی ہو گیا تھا۔ اور بستی سے نکلنے سے قبل مجھے اس صورت حال سے مقابلے کے لئے تیار ہونا تھا۔

میں مویشیوں کے اس اصطبل سے چوروں کی طرح دبے قدموں باہر نکلا جبرن کی آبادی

شام کے دھندلکے میں ڈوبی ہوئی تھی اور ایک جانب سے چیخ و پکار اور ہنگامے کی آوازیں ابھر رہی تھیں جن میں جبرین کے اظہار مسرت کا وحشیانہ انداز نمایاں تھا۔

جوبا کی موت کے موقع پر بستی میں کسی خوشی کا برپا ہونا میرے لئے حیرت ناک تھا۔ میں نے ان آوازوں کی سمت میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

شام کا گہرا اندھیرا اور جبرین والوں کی اوہام پرستی میرے لئے مددگار ثابت ہو رہی تھی۔ میں بڑی آسانی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

بستی کے قلب میں پہنچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ہاؤ ہو کا وہ سارا شور جوبا کے نئے خیمے کی سمت سے بلند ہو رہا ہے۔ اس شور میں جبرین والوں کی وحشیانہ آوازوں کے ساتھ ہی دلدوز نسوانی چیخیں بھی شامل تھیں۔

میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی اور میں تھوڑی ہی دیر میں جوبا کے جھونپڑے کے قریب جا پہنچا۔

پھوس کی دیواروں سے شعلوں کی تیز روشنی چھن چھن کر دور تک پھیل رہی تھی۔ میں باہر پھیلے ہوئے سناٹے سے فائدہ اٹھا کر اس جھونپڑے کے عقب میں جا پہنچا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ہی مجھے پھوس کی دیواروں میں اتنی جگہ مل گئی جس سے میں اندر کا جائزہ لے سکتا تھا۔

اس جھونپڑے میں' میں نے جو کچھ دیکھا اس کا تصور تک لرزہ خیز ہے۔ اس کشادہ جھونپڑے میں روایت کے مطابق جبرین کے بیشتر بالغ مرد موجود تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں شراب' کا پیانہ یا صراحی نظر آ رہی تھی۔ ان سب کے چہروں پر شیطانی عزائم ناچ رہے تھے۔ سرخ سرخ آنکھوں میں ہوس کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں اور ان کے وسط میں گیارہ بارہ جواں سال اور خوبرو لڑکیاں سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ ان لڑکیوں کے روئیں روئیں سے خوف و ہراس ٹپک رہا تھا اور وہ بڑھتے ہوئے ہاتھوں سے خود کو بچانے کے لئے ایک دوسرے کی آڑ میں چھپنے کی ناکام مگر رحم انگیز کوششیں کر رہی تھیں۔ ان کے لباس نوچے جا چکے تھے' بال بکھرے ہوئے تھے' چہروں اور جسم کے برہنہ حصوں پر تازہ خراشوں اور زخموں کے نیل نمایاں تھے۔ جبرین کے چند سورما اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے ان کے گرد چیخ چیخ کر ناچ رہے تھے۔

جبرین والوں کی ایک دوسری بدمست ٹولی کے درمیان مجھے اپنی پیاری طوسیہ کا وہ سنگیں بت نظر آیا جو میں نے والہانہ محبت اور شب و روز کی محنت کے بعد تراشا تھا۔ اس حسین اور پرجلال پیکر کے گلے میں شکستہ جوتوں کا ایک ہار پڑا ہوا تھا۔ اس کے سر پر سجے ہوئے شاہانہ تاج پر جبرین والوں نے کیچڑ کا ڈھیر ملا ہوا تھا۔ وہ بار بار اس مجسمے پر شراب کی کلیاں کرتے اور تھوکتے جا رہے تھے۔ ان کے ہم آہنگ شور میں بس بار بار ایک ہی فقرے کی تکرار تھی۔ "ہمارے سردار کا اقبال بلند رہے' اس بستی میں بدروحوں اور ان کے چاہنے والوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے!"

اچانک ایک نوعمر شخص نے اپنی مشعل سے گھری ہوئی ایک لڑکی کا بازو داغ دیا اور فضا اس کی بھیانک چیخ سے لرز اٹھی۔

جھونپڑے میں موجود لوگوں نے مل کر نعرے لگائے اور وہ شخص فاتحانہ شان سے مشعل اچھالتا لڑکیوں کے گرد ناچتا رہا۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھا اور ان لڑکیوں سے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہہ رہا تھا۔ "تم خوش نصیب ہو کہ تم پر پابندیاں عائد کرنے والے ہمارے سورماؤں کے ہاتھ مارے گئے۔ تم جوان ہو اور آزاد ہو۔ جھکا دو اپنے سر اور چوم لو ہمارے قدموں کو کہ اسی میں عیش ہے۔ تمہاری مزاحمت سے تمہاری روحوں کا بوجھ نمایاں ہے' ہم مقدس آگ کا غسل دے دے کر تمہیں پارسا بنائیں گے پھر تم ساری عمر یہاں عیش کرو گی' نہ تمہیں بچے جننے کی مشقت جھیلنی ہو گی نہ ان کی پرورش کا روگ تمہارے حسن کو گھنائے گا۔ ہماری عورتیں بہت زرخیز ہیں' اس کام کے لئے وہی کافی ہیں۔۔۔ آؤ اور خود کو ہماری آغوش میں گرا دو۔۔۔!"

وہ بکواس کرتا رہا اور میں غصے سے کھولتا رہا۔ وہ سب لڑکیاں میرے لئے نئی تھیں اور جشن کی نوعیت سے میرے لئے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ جبرنی قزاقوں نے کسی نئے ڈاکے میں انہیں مال غنیمت بنایا ہے۔ لیکن طوسیہ کے بت کے ساتھ ان کا حقارت آمیز رویہ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔

بظاہر یوں لگ رہا تھا جیسے میری روپوشی کو انہوں نے میرے فرار کا نتیجہ سمجھا ہے اور اب اس جشن کے موقع پر طوسیہ کے بت کی تذلیل کر کے مجھ سے نجات کی خوشی بھی منا رہے ہیں۔

گو وہ لوگ اپنی زبانوں سے بار بار سردار' سردار کہہ رہے تھے لیکن میں ان کے نئے سردار کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پیشترمیں سردار جوبا کے جانشین کی شخصیت سے واقف ہونا چاہتا تھا۔

جبرین والوں کا جشن جاری رہا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر گناہ کے پتلوں کی طرح چیختے رہے' ان کی مشعلیں لڑکیوں کے جسموں کو داغدار کرتی رہیں اور میں مناسب موقع کا منتظر رہا۔

پھر اچانک ان کے چنگل میں پھنسی ہوئی ایک لڑکی مشعل کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا لباس پھاڑ کر ان پر اچھال دیا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر قالین پر بیٹھ گئی۔ "ہمارے شوہر' باپ اور بھائی تمہارے ستم کا نشانہ بنے' سارا مال و زر تم نے لوٹ لیا اور لو اب میں بھی تمہاری جاگیر ہوں..... میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں لڑکی ہوں اور خوبصورت ہوں' بدصورت ہوتی تو اپنی سہیلی کی طرح میں بھی مار دی جاتی اور اس گھناؤنے کھیل سے بچی رہتی۔" اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اسے سپر ڈالتے دیکھ کر تین چار قزاق اپنی مشعلیں اور شراب کی بوتلیں پھینک کر اس کی طرف لپکے۔ ہر ایک نے اپنے حریفوں پر نظر ڈالی اور پھر وہ اس لڑکی کو بھول کر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ ہجوم خوشی کے نعرے مارتا پیچھے سرک گیا تا کہ لڑنے والوں کو کشادہ جگہ میسر آ سکے۔ اسی اثنا میں ان میں سے ایک کے سر پر شراب کی بوتل پڑی اور اس کا سارا بدن خون میں نہا گیا۔

"ٹھہرو!" اچانک اس جھونپڑے میں سب آوازوں پر حاوی ایک کرخت اور تحکمانہ آواز ابھری اور میرا دل یک بیک بلیوں اچھل پڑا۔ خیمے میں یک بیک سناٹا چھا گیا۔ بس لڑکی کے رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے پھوس کی دیوار والے سوراخ میں سے زاویہ بدل کر جھانکنا چاہا لیکن میں بولنے والے کی شکل نہ دیکھ سکا۔ ویسے مجھے اتنا یقین ضرور تھا کہ میں نے آواز پہچاننے میں غلطی نہیں کی ہے۔

"لڑکیوں کی خاطر خونریزی کرتے تمہیں شرم آنی چاہئے!" وہی سرد آواز دوبارہ ابھری۔ "میں یہاں سے ایک اشرفی اچھالتا ہوں۔ تم میں سے جو وہ اشرفی حاصل کرے گا یہ لڑکی اسی

کی ملکیت ہو گی۔"

پھر اس سناٹے میں ہلکا سا کھناکا ہوا جیسی کسی نے چٹکی سے سکہ اچھالا ہو اور میں نے ایک طلائی سکہ فضا میں اڑتا ہجوم کی طرف آتا دیکھا۔ پندرہ بیس قزاق اسے فضا ہی میں لپکنے کے لئے ایک دوسرے سے الجھ پڑے' لیکن سکہ نیچے گر گیا اور وہ غراتے ہوئے قالین پر گر گئے۔

"مل گیا۔" چند ثانیوں کی دھینگا مشتی کے بعد ایک زخمی قزاق اپنی داہنی چٹکی میں دبا ہوا سکہ بلند کر کے مسرت کے ساتھ چیخا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے سر کے شدید زخم سے بہتے ہوئے خون کو یکسر فراموش کر چکا ہو۔

"اس کنیز پر تیرا ہی حق ہے..... جا یہ رات تیرے لئے نشاط کی رات ہے!" وہی شناسا آواز دوبارہ سنائی دی۔ اس بار اس میں خفگی کے بجائے بشاشت نمایاں تھی۔

یہ مژدہ سنتے ہی وہ زخمی قزاق حلق سے بے معنی آوازیں نکالتا کسی بھیڑیئے کی طرح اس روتی ہوئی الم رسیدہ لڑکی کے بدن سے لپٹ گیا۔

"تم سب گناہ گار ہو۔" ایک شخص اپنی مشعل سے ایک اور دبلی پتلی لڑکی کے جسم کو داغتے ہوئے بولا۔ "تمہارا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم ایسے کمزور لوگوں میں پیدا ہوئیں جو تمہاری حفاظت نہ کر سکے۔ اب تم جب تک ہماری آغوش میں اپنی راتیں نہیں گزارو گی تم سکھی نہیں رہ سکو گی۔"

اتنی دیر میں' میں جبرین کی صورتحال کا اندازہ لگا چکا تھا۔ قیدی لڑکیوں کی بے حرمتی اور طوسیہ کے سنگیں پیکر کی تذلیل پر میری کنپٹیاں چیخ رہی تھیں۔ جبرین کے وہ سفاک اور بدذوق لٹیرے جس بت کی توہین اور تحقیر کر رہے تھے وہ نہ صرف میری محبوبہ کا بے جان پیکر تھا بلکہ ایک فنکار کا شاہکار بھی تھا۔

پھوس کی دیوار سے ہٹ کر میں نے چند ثانیوں تک اپنے اعصابی انتشار سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی پھر میں فیصلہ کن انداز میں جھونپڑے کے داخلی دروازے کی طرف چل دیا۔

جب میں اندر داخل ہوا تو نشے میں بدمست لوگوں میں سے کسی نے مجھ پر توجہ نہیں دی نہ ہی کسی نے مجھے پہچانا۔ لیکن چند قدم آگے بڑھتے ہی اعزازی مسند پر بیٹھے ہوئے

جوبا نے مجھے دیکھ لیا اور اس کے چہرے پر یک بیک ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ اچھل کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

اس کو یوں بدکتا دیکھ کر چند افراد چونکے اور لمحہ بھر میں وہاں سراسیمگی پھیل گئی۔ جوبا کی خوفزدہ نگاہوں کے تعاقب میں سب نگاہیں خوف' حیرت اور دہشت بھرے تاثرات کے ساتھ مجھ پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

"تم سب کو فریب دیا گیا ہے۔" میں نے ان کے درمیان میں رک کر فاتحانہ شان سے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں زندہ ہوں اور تمہاری ہی بستی میں موجود ہوں.....!"

"ٹھہرو.......میں تم سے تنہائی میں بات کروں گا۔" جوبا نے مضطربانہ انداز میں میری بات کاٹ دی۔

"تو بہت مکار ہے جوبا' میں بند دیواروں کے پیچھے اب تجھ سے کوئی معاہدہ نہیں کروں گا۔" میں بپھرے ہوئے انداز میں اس پر برس پڑا۔ "یہ دیکھو' یہ میرا شاہکار ہے' اسے ایک سنگتراش نے محبت کے لازوال جذبے میں ڈوب کر شب و روز کی محنت سے تراشا ہے۔ تم سب میرے مجرم ہو' تم نے اس پر تھوک کر اور اس پر شراب کی کلیاں کر کے صرف ایک بت کی تذلیل نہیں کی ہے بلکہ تم نے میرے فن کو دھتکارا ہے' میرے جذبے کا خون کیا ہے اور اب مجھ پر کسی عہد کی کسی وعدے کی پابندی لازم نہیں ہے۔"

"بستی والوں نے سنا ہے کہ تو ایک روح پر حکمران ہے!" جوبا نے انجان بنتے ہوئے تصدیق طلب لہجے میں پوچھا۔

"لیکن کس سے سنا ہے!" میں غصے سے پاگل ہو کر پوری قوت سے چیخا۔ "یہ ایک راز تھا اور تیرے سوا شاید کوئی اس سے آگاہ نہیں تھا۔"

"یہ تیری بھول ہے حسین!" جوبا کی آواز یک بیک مضمحل ہو گئی۔ "اس بستی میں ابو سقر کے بہت سے ہم خیال تھے' جب اس کی سربریدہ لاش راستے میں پڑی ملی تو بستی والے کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ مقدس آگیاری کی قسم کہ ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے یہ بستی بڑی محنت سے بسائی تھی' مجھے اس خاک کے ذرے ذرے سے محبت ہے۔ میں اسے اجڑتا نہ دیکھ سکا۔ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ تو لاپتہ ہے..... میں نے جبرین والوں کو خوش خبری سنا دی کہ 'ایک روح کا محبوب اس بستی سے جا چکا ہے اور اب ہم اس کے سحر سے آزاد ہیں!"

میں چند ثانیوں تک اسے گھورتا رہا۔ پھر بستی والوں سے مخاطب ہوا۔ "جاؤ اپنے اپنے سروں کو ڈھانپ کر اپنے اپنے گھر پہنچو' میں سننا چاہتا ہوں کہ تمہارا سردار کیا کہتا ہے؟"

وہ سب سر جھکائے تھکے تھکے قدموں سے باہر جانے لگے قیدی لڑکیاں قالین پر بیٹھی حیرت سے میری جانب نگراں تھیں۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ جبرین کے بے لگام اور سرکش بھیڑیئے میرے سامنے یوں ڈرے سہمے چوہوں کی طرح کیوں دبکے ہوئے ہیں۔

"یہ جا رہے ہیں اور اب ان میں سے کوئی اس بستی میں نہیں رکے گا۔" جوبا میرے قریب آ کر التجا آمیز لہجے میں بولا جیسے اس بارے میں میری مدد کا متمنی ہو۔ میں نے قہر بھری نگاہوں سے جوبا کو گھورا اور جانے والوں سے بولا۔ "تم میں سے کوئی یہ بستی نہیں چھوڑے گا' یاد رکھو کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ابو سقر کی کھوپڑی میرے قبضے میں آ چکی ہے' تم جہاں بھی جاؤ گے وہ تمہارا کھوج نکال لے گی اور تمہارے نرخرے نوچ ڈالے گی۔"

چہروں پر دہشت کی سیاہی اور گہری ہو گئی۔

"اور یہ لڑکیاں؟" آخری قزاق کے بھی نکل جانے کے بعد جوبا نے قیدی لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"لعنت ہے جوبا تیری قوم پر۔" میں نے اسے پھٹکارا۔ "دیکھ تیرے سورماؤں نے ان کا کیا حشر کیا ہے' اب ان کے ننگے جسموں کو ڈھانپنا تیرا فرض ہے۔" جوبا نے ایک چوبی صندوق سے کئی چادریں نکال کر ان سکڑی سہمی لڑکیوں پر اچھال دیں اور وہ جلدی جلدی اپنے جسم چھپانے لگیں۔

"تم سب آزاد ہو۔" میں نے انہیں مژدہ سنایا۔ "اب کوئی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ یہ رات تم اسی چھت کے نیچے بسر کرو' میں اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔"

جوبا بے چون و چرا میرے ہمراہ باہر نکل آیا۔

ویران اصطبل میں پہنچنے تک ہم دونوں خاموش رہے۔ جوبا مجرموں کی طرح سر جھکائے میرے پیچھے چلا آ رہا تھا جیسے وہ میرا پشتینی غلام ہو۔ احاطے میں پہنچتے ہی وہ بے اختیار میرے قدموں میں گر پڑا۔ "مجھے معاف کر دے حسین' میں نے تیری طاقت کا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔"

"مجھے تو حیرت ہے جوبا کہ تو اب تک زندہ کیسے ہے!" میں نے اپنے پیر چھڑانے کی

کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تو نرم خو بھی ہے میرے محسن۔" وہ زمین پر سے اٹھتے ہوئے گڑگڑایا۔ "میں تجھے قتل کرنے کی نیت سے تیرے پیچھے لپکا تھا مگر کسی نسوانی ہیولے نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں تیری محبوب کے ہاتھوں بے بس ہونے کا تصور کرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں فوراً ہی اپنے خیمے میں جا گھسا۔ پھر اگلی صبح بستی والوں کو ابوسقر کی سربریدہ لاش ملی اور مجھے یہ بستی آباد رکھنے کے لئے وہ کچھ کرنا پڑا جس سے میں پہلے ہی تجھے باخبر کر چکا ہوں۔ پھر دن میں ہمیں ایک قافلے کی خبر ملی اور ہم نے بڑی کامیابی سے کارواں والوں کو ختم کر کے ان کے مال و زر' مویشیوں اور لڑکیوں پر قبضہ کر لیا۔"

"تو تنہائی میں مجھ سے کیا چاہتا ہے؟" میں نے لاپرواہیانہ انداز میں اس سے پوچھا۔

"جبرن کی رونق۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ بھری پری بستی ویران ہو!"

میں چند ثانیئے خاموش رہا پھر بولا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن ایک شرط پر!"

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" جوبا کا چہرہ یکبارگی خوشی سے دمک اٹھا۔

"نہیں پہلے میری شرط سن لے۔" میں تیز لہجے میں بولا۔ "ایسا نہ ہو کہ ایک بار پھر تو عہد شکنی کر بیٹھے' یہ یاد رہے کہ اس بار میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

"کہہ ڈال۔" جوبا سر جھکا کر بولا۔ "اس بار تجھے مجھ سے شکایت نہ ہو گی۔"

"تو نے اپنی بستی والوں سے طوسیہ کے بت کی بہت تحقیر کرائی ہے۔" میں ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اب تمہاری سزا یہ ہے کہ وہ مجسمہ اپنی اگیاری کے سامنے نصب کرو۔۔۔ اگر کسی وقت بھی تم نے وہ مجسمہ ہٹانے کی کوشش کی تو یہ بات مجھ سے چھپی نہ رہ سکے گی اور جبرن والے میری رسائی سے نہ بچ سکیں گے۔"

"یہ بہت کڑی شرط ہے حسین!" جوبا کا چہرہ ستا گیا۔ "تجھے علم ہے کہ آگ کے پجاریوں کو سنگ تراشی اور صنم پرستی سے نفرت ہے' شاید میں اپنی بات نہ منوا سکوں گا۔"

"یہ میرا حکم ہے اور ہر ایک کو ماننا ہی پڑے گا۔" میرا لہجہ اٹل تھا۔ "اور ہاں۔۔۔ جو نئی لڑکیاں تیری قید میں ہیں' انہیں آزاد کرنا ہو گا' میری نگرانی میں تیرے آدمی انہیں ان کی بستی میں پہنچائیں گے!؟"

"شرط پر بات کی جا سکتی ہے لیکن تو کہتا ہے کہ یہ تیرا حکم ہے' اب میرے لئے بحث

کی گنجائش نہیں رہی۔" جوبا یہ کہہ کر شکست خوردہ انداز میں وہاں سے چل دیا۔

جوبا کے چلے جانے کے بعد میں ویران اصطبل کے احاطے میں ہی کھڑا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں یہ رات کہاں بسر کروں؟

میں ان ہی تفکرات میں کھویا ہوا تھا کہ جانی پہچانی خوشبوؤں کے ساتھ فضا میں لاہوتی ترنم کا سرور آمیز سیلاب امڈ پڑا اور میں بے چین ہو کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔

ذرا ہی دیر میں وہ ترنم دھیما ہونے لگا۔ پھر مجھے چاندنی کے دھوئیں میں سے طوسیہ کا سدا بہار پیکر نمودار ہوتا نظر آیا۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مسکرائے جا رہی تھی۔

جب وہ میرے قریب آ کر رکی تو میں نے والہانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے لیکن میرے ہاتھ اس کے لطیف پیکر سے گزر کر آپس میں ٹکرا گئے۔ اس وقت وہ خد و خال اور قامت و جسامت کے ایک بے وجود پیکر میں تھی جسے دیکھا جا سکتا تھا لیکن چھونا محال تھا۔

"تم نے جو کچھ کیا وہی درست تھا حسین!" آخر اس کے ہونٹ ہلے۔ "جوبا کے ساتھ تمہارا سمجھوتا بہت معقول تھا' اس بستی کا آباد رہنا ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے۔"

"چرمی ٹکڑے کا وہ نقشہ ظاہر ہو چکا ہے طوسیہ' اب یہاں سے روانگی میں تم میری رہنمائی کرو۔" میں نے مسرت آمیز لہجے میں اس سے کہا۔

طوسیہ نے فوراً ہی وہ نقشہ طلب کیا۔ اس کی ہدایت پر میں نے وہ نقشہ زمین پر ہی بچھا دیا اور وہ چاند کی دھیمی دھیمی روشنی میں میرے ہمراہ اس نقشے پر جھک پڑی۔

کچھ دیر تک ان زرد لکیروں پر غور کرنے کے بعد وہ خوشی کے ساتھ اٹھی اور مجھے راستے کے بارے میں ہدایات دینے لگی۔ اس کی دانست میں نیزوں کے سوراخ نے جن دو مقامات پر نقشے کو قطع کیا تھا۔ ان کے سبب سے سفر میں رکاوٹ کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"اب تم صبح ہی کوچ کر دو' ان لڑکیوں کو تمہیں اپنی نگرانی میں کسی شہر میں پہنچانا ہو گا' ہو سکتا ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں جبرن کے قزاقوں کی نیت خراب ہو جائے۔"

"زاد راہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میری دانست میں یہ سفر دس بارہ دن کا ہو گا۔ رسد سے لدا ہوا ایک اونٹ بھی تمہارے لئے کافی ہو گا۔۔۔ تم اب آرام کرو' میں جاتی ہوں۔"

"طوسیہ تمہارا یہ غیر محسوس پیکر مجھے بے چین کر دیتا ہے' میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ فاصلے بہت جلد ختم ہونے والے ہیں حسین' تم ان باتوں پر اپنا دل چھوٹا نہ کیا کرو' میں تم سے دل ہار چکی ہوں۔ اور اب ہمیشہ کے لئے تمہاری ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ یک بیک غائب ہو گئی۔

اگلی صبح جبرین میں زندگی بہت ست تھی۔ لوگ یوں سر جھکائے ایک دوسرے کے قریب سے نکل رہے تھے' جیسے وہ اپنے ہاتھوں کسی قریبی عزیز کی تدفین کر کے آ رہے ہوں۔

میں لڑکیوں سے ان کی منزل کے بارے میں دریافت کر چکا تھا' وہ صلامہ کی بستی جانا چاہتی تھیں۔ میری زبان سے باعزت آزادی کا مژدہ پا کر وہ خوشی سے بدحال ہوئی جا رہی تھیں اور بار بار مجھے احسان مندانہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

جب وہ بارہ لڑکیاں اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو گئیں تو جوبا کے چار آدمی بھی تیار ہو گئے۔ جوبا نے ان خوش نصیب لڑکیوں پر آخری بار حسرت بھری نگاہ ڈالی اور مجھے ہاتھ کا الوداعی اشارہ کرتا ہوا اپنے نئے جھونپڑے میں گھس گیا۔ میرے اشارے پر وہ سب اونٹ حرکت میں آ گئے' فضا گھنٹیوں کے ترنم سے گونج اٹھی اور میرا کارواں آہستہ آہستہ بستی سے نکل کر کھلے صحرا کی بے رحم وسعتوں میں داخل ہونے لگا۔ صلامہ کی بستی میرے لئے نئی تھی لیکن جوبا مجھے بتا چکا تھا کہ جبرین سے چالیس میل شمال میں ایک سرسبز صحرائی نخلستان کا نام صلامہ ہے۔ شہری آبادیوں سے قریب ہونے کے باعث صلامہ والے زراعت کے ساتھ ہی تجارت بھی کیا کرتے تھے۔ جوبا کے آدمی مجھ سے بہت زیادہ دہشت زدہ تھے اور مستعدی کے ساتھ قافلے کو شمال کی جانب لئے جا رہے تھے۔ ان پر اپنی ہیبت قائم رکھنے کے لئے میں نے ان سے کوئی غیر ضروری بات نہیں کی اور قافلے کے عقب میں آگے بڑھتا رہا۔ قافلے میں شریک لڑکیاں میرے حسن سلوک سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہی تھیں۔

صلامہ پہنچنے کی جلدی میں ہم نے دوپہر میں کہیں پڑاؤ نہیں کیا بلکہ دھوپ کی ناقابل برداشت تپش کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ شام کا دھندلکا پھیلنے سے ڈیڑھ دو گھنٹے قبل ہی ہمیں شمال میں ایک بستی کے آثار نظر آئے اور جبرین والوں نے اپنے اونٹ روک

لئے۔

"تمہاری منزل سامنے ہے' اب ہم واپس جانا چاہتے ہیں!" ایک قزاق نے مجھ سے کہا۔

"تم رات میں سفر کرو گے؟" میں نے ان کے خوفزدہ چہروں پر نظریں جما کر پوچھا۔

"ہم اس کے عادی ہیں۔" وہی شخص دوبارہ بولا۔ "رات کی خوشگوار فضا میں ستارے ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ ہم جلد از جلد اپنی بستی میں پہنچنا چاہتے ہیں۔"

میں نے سامنے نظر آنے والی بستی کے آثار پر ایک نظر ڈالی اور ان چاروں کو واپسی کی اجازت دے دی۔ مجھ سے چھٹکارا پاتے ہی انہوں نے اپنے اونٹ گھمائے اور پھر پوری برق رفتاری کے ساتھ واپس روانہ ہو گئے شاید انہیں خدشہ رہا ہو گا کہ میں دوبارہ انہیں نہ روک لوں!

جب وہ کافی دور نکل گئے تو میں اپنا اونٹ آگے بڑھا لایا اور کارواں کو اس بستی کی طرف لے جانے لگا جو قیدی لڑکیوں کی منزل تھی۔

ابھی ہمارا قافلہ اس صحرائی بستی سے کئی فرلانگ دور تھا کہ بستی کی جانب سے بہت سے شتر سوار اپنی طرف آتے دکھائی دیئے لیکن میں نے رکنا مناسب نہ سمجھا۔ ہمارے اونٹ تیزی کے ساتھ آگے ہی بڑھتے رہے۔ جب تک آنے والے ہمارے سروں پر نہ پہنچ گئے' مجھے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ پوری طرح مسلح ہیں۔ ایک حیرت ناک بات یہ تھی کہ وہ سب جدید طرز کے آتش گیر اسلحوں سے لیس تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ مسلح نوواردوں کو دیکھ کر میری ہمراہی لڑکیاں سراسیمہ سی نظر آنے لگی ہیں۔ وہ ہکا بکا ہو کر آنے والوں کو دیکھے جا رہی تھیں ان کی نگاہوں میں آنے والوں کے لئے شناسائی کے تاثرات یکسر مفقود تھے۔ ادھر ان مسلح افراد کے تیور بھی اچھے نہیں تھے۔ وہ سب ہی مجھے خشمناک نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ لیکن لڑکیوں کی جانب دیکھتے ہوئے ان کے چہروں پر ہوس اور بدنیتی کی چمک نمایاں ہو جاتی تھی۔

ان لوگوں نے آتے ہی مستعدی کے ساتھ ہمارے گرد گھیرا ڈال دیا۔

"اب تو ہمارا قیدی ہے اجنبی!" آنے والوں میں سے ایک خونخوار سے شخص نے اپنا اونٹ میرے نزدیک لا کر کہا۔

"قیدی؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تمہیں تو میرا احسان مند ہونا چاہئے کہ میں تمہاری

بستی کی عورتوں کو صحرائی قزاقوں کے چنگل سے عزت و آبرو کے ساتھ بچالایا ہوں۔"

اس نے دانت پیس کر میرے پیٹ میں ایک گھونسا مارا۔ "فریب نہیں چلے گا' ہماری عورتیں کبھی بستی سے باہر نہیں نکلتیں اور ہم کبھی دوسروں کا احسان نہیں لیتے۔"

گھونسے کی ضرب خاصی شدید تھی۔ میرے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی اور میں اپنا پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

"ان سب لڑکیوں کو بستی کے باہر ہی سے نخلستان میں پہنچا دو ان کے اونٹوں پر کوئی سامان نظر نہیں آتا۔ میں اس قیدی کو مال بردار اونٹ سمیت سردار الپسی کے پاس لے جا رہا ہوں۔" اسی خونخوار شخص نے دوسروں سے کہا۔

"تمہاری واپسی تک ہم وہیں ان کی نگرانی کریں گے۔" ایک شخص نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

وہ خونخوار شخص انہیں آنکھ مار کر بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا۔ "ضرور نگرانی کرو' لیکن سردار الپسی کے فیصلے کے بغیر کوئی ان کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

اس کے ہوسناک لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ نگرانی سے اس کے ساتھیوں کا کیا مقصد ہے۔

"تم کہتے ہو کہ یہ لڑکیاں تمہاری نہیں ہیں۔" میں بدستور اپنا پیٹ تھامے ہوئے اس خونخوار شخص سے بولا۔ "اگر یہ سچ ہے تو ہم تمہاری بستی میں داخل ہوئے بغیر آگے نکل جائیں گے' ہم صلامہ جانا چاہتے ہیں اور بھٹک کر اس طرف آ نکلے ہیں۔"

"صلامہ!" وہ شخص یہ کہہ کر گونجیلی آواز میں زور سے ہنس پڑا اور دوران خون سے اس کا گندمی چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تو کیا یہ لڑکیاں صلامہ ہی کی رہنے والیاں ہیں؟"

"ہاں۔۔" میں جلدی سے بولا۔ "صحرائی قزاقوں نے ان کے مردوں کو ہلاک کر دیا۔ زاد راہ لوٹ لیا اور وہ ان سب کو بے آبرو کرنا چاہتے تھے کہ میں انہیں وہاں سے نکال لایا۔"

"تو انہیں قزاقوں سے چھین لایا۔" وہ بے اعتباری اور مضحکہ خیز لہجے میں بولا۔ پھر وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہے تم میں کوئی ایسا سورما جو تن تنہا قزاقوں سے مقابلہ کر کے اتنی لڑکیاں لے بھاگے؟"

"یہ جھوٹا ہے۔" کئی حقارت بھری آوازیں ابھریں۔ "یہ لڑکیاں اس کی کنیزیں ہیں اور یہ انہیں بیچنے کے لئے صلامہ لے جا رہا تھا۔"

"خیر یہ سچا ہو تو بھی صلامہ والے ہمارے دوست نہیں ہیں۔ اب یہ لڑکیاں ہماری ملکیت ہیں اور اس بدبخت کے مقدر کا فیصلہ تو سردار الپسی ہی کرے گا۔"

لڑکیاں بہت زیادہ خوفزدہ تھیں۔ آنے والے مشکل لمحات کے تصور ہی سے ان کے چہرے دھواں ہو رہے تھے اور میں دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیج رہا تھا۔ میں نے رہبری کے لئے سردار جوبا کے آدمیوں پر بھروسہ کر کے سخت غلطی کی تھی۔ غالباً وہ لوگ انتقام کی خاطر مجھے صلامہ کے بجائے اس بستی کے نواح میں پہنچا کر خود دور ہی سے فرار ہو گئے تھے۔

"آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو' میں اس طرف کسی بری نیت سے نہیں آیا ہوں۔" میں نے شدید الجھن کے عالم میں اس خونخوار شخص سے کہا۔

"تیری نیت جو بھی ہو لیکن تو صلامہ والوں کا ہمدرد ہے' یہ معلوم ہو جانے کے بعد تو سردار الپسی بھی تجھے معاف نہیں کر سکے گا۔" وہ لاپرواہیانہ لہجے میں بولا۔

اس دوران میں باقی لوگ صلامہ والیوں کو نرغے میں لے کر بستی کی جانب چل دیئے تھے۔۔۔ ان کی سمت بتا رہی تھی کہ وہ بستی میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ مشرقی سمت سے چکر کاٹ کر کہیں پہنچنا چاہتے ہیں۔

"سردار الپسی کون ہے؟" میں نے اس خونخوار آدمی کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے مجھے یوں گھورا جیسے میری کم علمی اور بے خبری اسے گراں گزری ہو' پھر تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "تو سردار الپسی کو نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟"

"جانتا ہوتا تو تم سے کیوں پوچھتا؟" میں نے جواب دیا۔ "میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"وہ ان صحراؤں میں خدا کا انعام ہے۔ اس کی بدولت ہم بڑی خوشحالی اور عیش کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمیں اپنی بستی سے باہر قدم نکالے بغیر ضرورت اور تعیش کی ہر چیز میسر آ جاتی ہے۔"

اس کے منہ سے خدا سن کر میں چونک پڑا اور بے اختیار مجھے وہ دن یاد آ گئے جب

میں زیارت کی خاطر اپنے بزرگوں کے ہمراہ روانہ ہوا تھا پھر میری بدنصیبی نے مجھے جبرین والوں کے ٹکڑوں پر پلنے پر مجبور کر دیا اور ہمارے قافلے کا ایک ایک مرد ان کے ہاتھوں مار ڈالا گیا۔

"تمہارا مذہب کیا ہے دوست؟" چند ثانیوں کی تفکر آمیز خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"دوست!" اس نے حقارت سے دہرایا۔ "سردار الیسی کی اجازت کے بغیر کوئی ہمارا دوست نہیں ہو سکتا۔ ہمارا کوئی مذہب نہیں ہے' بس ہم تو سردار الیسی کے پیروکار ہیں۔ وہ خدا اور اس کے بیٹے کا ذکر کرتا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی لئے ہم بھی خدا کو سب سے برتر سمجھتے ہیں۔"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس خونخوار شخص نے جس انداز میں سردار الیسی کا تذکرہ کیا تھا۔ اس نے میرے دل میں یہ جاننے کی خواہش پیدا کر دی تھی کہ وہ کون ہے۔

"اور اس بستی کا نام کیا ہے؟" میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

"جہاں دس پانچ آدمی بس جائیں وہ بستی ہوتی ہے' نام کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے جواب دیا اور میں نے اس کے لہجے سے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں اس کے ہمراہ بستی میں داخل ہوا تو تندرست مشکی گھوڑوں پر سوار دو مقامیوں نے اس کا استقبال کیا۔ ان پر نظر پڑتے ہی مجھے لانے والا خونخوار شخص یک بیک سہما ہوا نظر آنے لگا۔

"کیا یہ اکیلا تھا؟" ایک گھڑ سوار نے ایسے لہجے میں پوچھا جس سے تحکم اور بالا دستی کی بو آتی تھی۔

"ہاں۔ اس کے ساتھ بارہ جوان اور خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔" وہ خونخوار شخص ان کی جانب جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "میں نے انہیں نخلستان بھیج دیا ہے۔"

ان دونوں نے ہاتھ کے اشارے سے خونخوار شخص کو روانہ کر دیا اور میرے اونٹ کو اپنے درمیان میں لے کر ایک طرف بڑھنے لگے بستی میں گھستے ہی میرے ذہن میں عجیب و غریب الجھنیں سر ابھارنے لگی تھیں۔ یہ گمنام بستی دوسری صحرائی آبادیوں کے مقابلے میں بالکل مختلف تھی۔ سارے ہی مکان سیمنٹ اور پتھروں سے بنے ہوئے تھے جبکہ ان علاقوں

میں پختہ مکانات کا تصور ہی مفقود تھا۔ مکانوں کے رکھ رکھاؤ سے اس بستی کے مکینوں کی خوشحالی صاف ظاہر تھی۔ زندگی میں بھی ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا جو عام طور پر خوش باش صحرائی باشندوں میں نہیں پایا جاتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں تپتے ہوئے ریگ زاروں کے سینے پر بسی ہوئی کسی مہذب اور متمدن آبادی میں آ گیا ہوں۔ لیکن مجھے لے جانے والے دونوں گھڑ سوار ایک متضاد تصور ابھار رہے تھے۔ ان کے جسموں پر باقاعدہ لباس سے مشابہ کوئی چیز نہیں تھی۔ بس سیاہ نیکروں سے ستر پوشی کا کام لیا گیا تھا۔ ان کے شانوں سے رائفلیں لٹک رہی تھیں اور آنے جانے والے احترام کے ساتھ سر جھکا جھکا کر انہیں تعظیم پیش کرتے جا رہے تھے لیکن میں اس احترام میں خوف کی آویزش بھی محسوس کر رہا تھا۔

"تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو؟" کچھ دور تک چلنے کے بعد میں نے ان دونوں سے پوچھا۔ انہوں نے میری بات یوں سنی ان سنی کر دی جیسے وہ گونگے اور بہرے ہوں۔

آخر کار میں نے تن بہ تقدیر ہو کر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ بستی کے تقریباً وسط میں پہنچ کر مجھے کچھ دور گڑگڑاہٹ کی دھیمی دھیمی گونج سنائی دینے لگی۔ جوں جوں میں آگے بڑھتا گیا وہ آواز قدرے واضح ہوتی گئی۔ مانینی کی قید سے فرار ہونے کے بعد میں ایک آئل فیلڈ پر ڈیزل انجنوں کا بے پناہ شور سن چکا تھا اس لئے یہ آوازیں میرے لئے اجنبی نہیں تھیں۔

ان دونوں نگہبانوں کے ساتھ بستی کی گلیاں عبور کرنے کے بعد میں نے ایک مختصر سا میدان پار کیا اور بستی سے الگ تھلگ ایک منزلہ سفید عمارت کے احاطے پر رک جانا پڑا۔ گڑگڑاہٹ کی وہ آواز اسی عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے ابھر رہی تھی۔

گھوڑوں کے سموں نے جب احاطے کے سامنے بنے ہوئے پختہ فرش پر اپنے ہم بجائے تو کسی جانب سے ایک مقامی نکلا اور گھڑ سواروں کو دیکھتے ہی پھاٹک کھول دیا۔ ان دونوں نے اپنے ساتھ مجھے بھی اونٹ پر سے اتارا اور تینوں جانور اس سفید مکان کے نگران کی تحویل میں دے کر مجھے اندر لیتے چلے گئے۔

وسیع سبزہ زار کے درمیان بنی ہوئی پختہ روش اور برآمدے سے گزر کر میں ایک طویل راہداری میں داخل ہوا۔ راہداری کے سرے پر داہنی جانب بنے ہوئے ایک کمرے کے باہر

مجھے روک دیا گیا اور ان دونوں میں سے ایک اندر داخل ہو گیا۔

اس کی واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ باہر آ کر اس نے اپنے ساتھی کو کسی کی غیر موجودگی کی اطلاع دی اور وہ دونوں مجھے لے کر راہداری میں آگے بڑھ گئے۔

راہداری کے اختتام پر شاید ایک اور کمرہ تھا۔ جوں ہی ہم تینوں اس کے قریب پہنچے وہ دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ میں خوفزدہ ہو کر بے اختیار پیچھے ہٹ گیا لیکن انہوں نے بے رحمی سے میرے شانے جکڑ کر مجھے اندر دھکیل دیا۔ اس سے قبل کہ میں واپس پلٹتا وہ دروازہ خود بخود بند ہو چکا تھا۔ میں نے اس پر خاصی زور آزمائی کی، لیکن اسے کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ناچار میں واپس لوٹا اور اس کمرے کے ساز و سامان پر نظر پڑتے ہی حیران رہ گیا۔ وہ کمرہ آراستہ تھا۔ وہاں ایسی ایسی چیزیں موجود تھیں جن سے میں بالکل ہی ناواقف تھا اور جن کی موجودگی میرے لئے سخت حیرانی کا باعث تھی لیکن آج شہری زندگی سے ناواقف ہونے کے بعد میں اس کمرے میں موجود ہر چیز کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں۔

اس کمرے کی دیواروں پر ہر طرف اونچے اونچے ریشمی پردے لہرا رہے تھے۔ چھت سے لٹکے ہوئے کئی برقی فانوس روشنی سے جھلملا رہے تھے۔ اس وقت تک میں روشنی کے قدیم طریقوں سے ہی واقف تھا جس میں مشعلوں سے کام لیا جاتا تھا اب جو اچانک وہ برقی فانوس دیکھے تو ذہنی طور پر میں سردار الپسی کی قوتوں سے خائف ہو گیا۔ بستی کی خوشحالی، دروازے کا خود بخود آسیبی انداز میں کھلنا اور بند ہونا، پھر برقی روشنیاں اور بیش قیمت صوفے وغیرہ مجھے مرعوب کرنے کے لئے کافی تھی۔

میرا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا اور میں آہستہ آہستہ کمرے کے وسط میں پڑے ہوئے صوفوں کی طرف بڑھ رہا تھا کہ کسی جانب سے روشنی کا ایک تیز جھماکا ہوا اور میں بے اختیار اپنے قریبی صوفے پر گر گیا۔ صوفے سے جسم ٹکراتے ہی کوئی شیر خوار بچہ بلک کر رویا جیسے وہ کسی چیز کے نیچے دب گیا ہو۔ آواز میرے صوفے ہی سے آئی تھی۔ اس لئے میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور وہ آواز فوراً موقوف ہو گئی۔ میں نے صوفے پر نظر ڈالی، لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ہر طرف نظریں دوڑائیں لیکن اس کمرے میں اپنے سوا بچے کا تو کیا کسی مکھی تک کا وجود دریافت نہیں کر سکا اور کمرے میں پھیلی ہوئی غیر معمولی خنکی کے

باوجود میرے بدن کے تمام مساموں کے دہانے کھل گئے اور میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

میں سخت دہشت کے عالم میں کمرے کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ بچے کے رونے کی آواز کے بعد میں کہیں بھی بیٹھنے کی ہمت نہ کر سکا، مجھے وہ کمرہ آسیب زدہ معلوم ہو رہا تھا اور میں خود کو خطرے میں پھنسا محسوس کر رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں مانبی سے چھٹکارا پا کر کسی بڑے خبیث کے چکر میں آ پھنسا ہوں۔

مجھے اسی عالم میں نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ پھر یک بیک وہ کمرہ گھور تاریکی میں ڈوب گیا اور میں نے اپنے شانے پر ہلکا سا دباؤ محسوس کیا۔ میرے حلق سے بے ساختہ گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ واپس پلٹا تو گھور اندھیرے میں دو بڑی بڑی، سرخ آنکھیں انگاروں کی طرح چمکتی نظر آئیں۔ زمین سے اوسط انسانی قامت کی بلندی پر موجود وہ دہکتی ہوئی آنکھیں میری ہی طرف نگراں تھیں۔

ان بھیانک آنکھوں کی طرف دیکھتے ہی میرا دماغ سن ہو کر رہ گیا، جسم میں کروڑوں چیونٹیاں سنسنانے لگیں اور میں دہشت کے باوجود اس طرف سے نظریں نہ ہٹا سکا۔

"کون ہے یہاں؟" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ جواب میں ان آنکھوں کی سمت سے ایک دبا دبا استہزائی قہقہہ ابھرا اور اس کی گونج پگھلے ہوئے گرم گرم سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتی چلی گئی۔

"تم کون ہو؟" چند ثانیوں بعد کسی جانب سے ایک خوابناک مگر سرد سی آواز ابھری۔

"غلام حسین!" میں نے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس کی۔

"تم اس وقت کیا دیکھ رہے ہو؟" وہی سرد اور خوابناک آواز، جس میں غنودگی طاری کر دینے والی پراسرار تاثیر رچی ہوئی تھی۔

"دو بڑی بڑی حیوانی آنکھیں.... انگاروں کی طرح جلتی ہوئی!" یہ جواب دیتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ تیزی کے ساتھ میرا ذہن ماؤف ہو چلا ہے اور زبان بھی بھاری ہو چکی ہے۔

"اور؟" مجھ سے پوچھا گیا۔

"وہی دو ڈراؤنی آنکھیں!" اس بار میرے لہجے میں لکنت تھی۔

"اور؟" اس بار لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"سرخ اور بھیانک دو آنکھیں۔" میں بمشکل جواب دے سکا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

"سلگتی ہوئی دو حیوانی آنکھوں کے جہنم میں...!" اس بار مجھے زبان تک ہلانی دشوار معلوم ہو رہی تھی۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" میں نے وہی آواز سنی لیکن اس بار میں شاید جواب نہ دے سکا۔ میرا جسم بالکل ہلکا ہو چکا تھا اور میں خود کو فرحت انگیز اتھاہ گہرائیوں میں دھنستا محسوس کر رہا تھا۔

یہ کیفیت کب تک قائم رہی مجھے کچھ یاد نہیں۔ آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر موجود پایا۔ وہ سبز دیواروں والا ایک اجاڑ سا کمرہ تھا جس میں میری ہستی کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ سرہانے کی کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ویران صحرا کی وسعتیں سورج کی روشنی میں جگمگاتی نظر آ رہی تھیں اور کمرے کا واحد دروازہ کھلا ہوا تھا۔

اس وقت میرا سر خاصا بھاری ہو رہا تھا اور بدن کا جوڑ جوڑ اس طرح دکھ رہا تھا جیسے کسی نے بے رحمی کے ساتھ میرے بدن پر مسلسل بید برسائے ہوں اور ذہن میں عجیب سا خلا محسوس ہو رہا تھا۔

میں جن پراسرار اور غیریقینی حالات سے دوچار تھا' ان کی بناء پر کسل مندی کے باوجود زیادہ دیر تک بستر پر پڑا نہ رہ سکا۔ کمرے سے باہر نکلا تو سر پر سائبان کا سایہ تھا۔ اس سے آگے مختصر سا احاطہ تھا جس کا راستہ آبادی میں کھلتا تھا۔

پچھلی شام میں جس سفید عمارت میں لے جایا گیا تھا' اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ میری لاعلمی میں مجھے اس جگہ منتقل کر دیا گیا ہے لیکن یہ بات میرے لئے حیرت ناک تھی کہ وہاں پر کسی قسم کی نگرانی یا روک ٹوک نہیں تھی۔

میں نے کچھ دیر تک ادھر ادھر کا جائزہ لیا پھر اس مکان سے باہر نکل آیا۔ سورج خاصا بلند ہو چکا تھا لیکن بستی میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ وہ سب سر جھکائے لاتعلقانہ انداز میں ایک دوسرے کے قریب سے یوں گزرے جا رہے تھے جیسے انہیں ایک دوسرے سے کوئی سروکار نہ ہو یا وہ آپس میں اجنبی ہوں۔ مشکی گھوڑوں پر سوار اکا دکا مسلح اور نیم برہنہ آدمی بھی آتے جاتے نظر آئے۔ ان کے گھوڑوں کی دھیمی چال اور ان کی نگاہوں کی

گردش سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یا تو انہیں کسی کی تلاش ہے یا وہ بستی کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہیں۔ پہلے تو مجھے شبہ ہوا کہ شاید وہ میری ہی تلاش میں ہیں لیکن جب ایک سوار مجھے دیکھ کر نظرانداز کرتا گزر گیا تو میرا یہ خوف زائل ہو گیا۔

کسی قسم کی پابندی نہ ہونے کے باعث میرے دل میں پختہ عمارتوں اور خوشحال مکینوں کی اس بستی کے بارے میں جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ کئی ثانیوں تک میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ مجھے کدھر جانا چاہئے۔ آخرکار میں اسی طرف چل پڑا جدھر بیشتر افراد جا رہے تھے۔

لوگوں کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ سب ہی بجھے بجھے اور بیزار ہیں۔ کچھ لوگوں پر جھلاہٹ بھی طاری تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ فلسفیوں کی بستی ہو اور ان میں سے ہر ایک کائنات کے پیچیدہ مسئلوں پر غور و فکر میں مصروف ہو۔

میں اب شدت سے بھوک محسوس کر رہا تھا لیکن مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں اپنی آتش شکم کہاں اور کیسے سرد کر سکوں گا نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ اس بستی میں میری کیا حیثیت ہے۔ اگر میں ابھی تک قیدی ہی تھا تو مجھے یوں بے مہار کیوں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور اگر آزاد تھا تو اس بستی میں میرا کیا مستقبل تھا۔

میں بڑے غور سے ایک ایک آنے جانے والے کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا لیکن نہ ہی مجھے وہ دونوں گھڑسوار نظر آئے جنہوں نے مجھے سفید عمارت میں قید کیا تھا نہ ہی صحرا میں ملنے والا خونخوار شخص نظر آیا۔ آخرکار میں نے شدید بھوک اور بے زاری سے مجبور ہو کر ایک جواں سال شخص کو روک ہی لیا۔

"ہوں۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں غرا کر میری طرف پلٹا جیسے میں نے اسے ٹوک کر کوئی ناقابل معافی جرم کیا ہو۔

"میں اس بستی میں اجنبی ہوں...!" میں نے سٹپٹا کر کہنا شروع کیا لیکن اس نے جھلا کر میری بات کاٹ دی اور چڑچڑے لہجے میں بولا۔

"پھر میں کیا کروں؟ میں نے تو تجھے یہاں نہیں بلایا تھا۔"

مجھے اس سے اتنی سرد مہری کی توقع نہیں تھی کیونکہ میں نے کافی احتیاط کے ساتھ اسے بات کرنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ میں پھر بول پڑا۔ "میں صحرا سے پکڑ کر یہاں لایا گیا ہوں اور اب لاوارثوں کی

طرح بھوکا پیاسا مارا مارا پھر رہا ہوں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کس کی قید میں ہوں!؟"

گو اس بار اس نے میری بات نہیں کاٹی لیکن اس کے چہرے پر بدستور لاتعلقی اور جھلاہٹ چھائی رہی۔ میری بات ختم ہونے پر وہ لاپرواہی سے بولا۔ "تو وہی ہے نا جو ایک روح کا عاشق ہے۔"

اس کے منہ سے یہ الفاظ سن کر میں بری طرح چونک پڑا اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔ "یہ تم نے کس سے سنا ہے؟" میں نے نرم لہجے میں دریافت کیا۔

اس نے اپنی کھوئی کھوئی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ "سردار الپسی سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ اس کے آدمی صبح سویرے ہی بستی والوں کو سب کچھ بتا چکے ہیں۔"

"تم سردار الپسی کے ٹھکانے تک رہنمائی کر سکو تو بڑی ہی مہربانی ہو گی۔" الپسی کا نام آتے ہی میں خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "میں شاید اسی کا قیدی ہوں۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہاں میری کیا حیثیت ہے اور مجھے کب تک یوں ہی بھوکا پیاسا رہنا پڑے گا۔"

اس نے یوں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہدی ہو۔ "کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتا ہے' نہ اسے آج تک کسی نے دیکھا ہے۔ وہ جب چاہے گا خود ہی تجھ تک پہنچ جائے گا۔"

اسی وقت دو آدمی کسی بات پر آپس میں الجھ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نے دوسرے کو زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر گلا گھونٹنے لگا۔ ان کے قریب سے مقامی یوں لاتعلقانہ انداز میں گزر رہے تھے جیسے وہ اندھے اور بہرے ہوں۔

میں ان دونوں میں بیچ بچاؤ کرانے کی نیت سے آگے بڑھا ہی تھا کہ میرے مخاطب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روک لیا اور برا سا منہ بنا کر بولا۔ "انہیں کسی کی ضرورت نہیں ہے وہ خود ہی فیصلہ کر لیں گے یا سردار الپسی کے آدمی آ کر قصہ چکائیں گے۔ مرنا چاہتا ہے تو بے شک اپنی ٹانگ اڑا دے' وہ دونوں ہی آپس کا جھگڑا بھول کر تجھے ٹھکانے لگا دیں گے۔"

میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر جھٹک کر رہ گیا۔ نہ جانے میں کن لوگوں میں آ پھنسا تھا۔

نیچے دبے ہوئی فریق کی گھٹی گھٹی چیخیں سن کر کسی جانب سے سردار الپسی کا ایک نیم برہنہ گھڑ سوار تیزی کے ساتھ ان دونوں کے قریب پہنچا اور چمڑے کا چابک سنبھال کر

گھوڑے سے اتر پڑا۔

وہ دونوں ابھی تک ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے میں مصروف تھے۔ گھڑ سوار انہیں مغلظات بکتا' ان پر پل پڑا۔ دو تین ہی چابکوں نے ان کا غصہ ہرن کر دیا اور وہ فوراً ایک دوسرے کو چھوڑ کر سہمی سہمی چیخیں مارتے مختلف سمتوں میں بھاگ گئے۔

ان کا جھگڑا نمٹا کر گھڑ سوار اپنا چابک لپیٹتا گھوڑے پر سوار ہو کر ایک طرف چل دیا۔

"بستی والے سردار الپسی کے آدمیوں ہی سے ڈرتے ہیں' تجھے تو وہ بلاتامل پیس کر رکھ دیتے۔" وہ شخص اس بار قدرے ہمدردانہ لہجے میں مجھ سے بولا۔

اس حادثے نے مجھے خاصا پراگندہ کر دیا۔ یہ لوگ تو جبرن کے قزاقوں سے بھی زیادہ خون آشام اور وحشی تھے۔ اب مجھے ان کے درمیان خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

"تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟" میں نے بے چارگی کے ساتھ پوچھا۔

اس نے سختی کے ساتھ اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "ہمیں اتنا راشن نہیں ملتا کہ اجنبیوں کو اپنا مہمان بناتے پھریں۔ سردار الپسی کے آدمی ہی تیری مشکل حل کر سکتے ہیں۔ سردار الپسی کو اجنبیوں سے نفرت ہے۔ اس بستی میں لایا جانے والا کوئی اجنبی آج تک زندہ نہیں لوٹا ہے۔" وہ اپنے راستے پر بڑھتے ہوئے بولا۔

اب میں پھر اکیلا رہ گیا تھا۔ اس شخص کے ذریعے مجھے اس بستی کے بارے میں جو کچھ پتہ چلا وہ میری تشویش میں اضافے کے لئے بہت کافی تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے بستی سے باہر نکلنا چاہئے ایسی صورت حال میں یہ بھی پتہ چل جاتا کہ میں قیدی ہوں یا اب آزاد کیا جا چکا ہوں یہ بھی امکان تھا کہ فرار کی کوشش کے نتیجے میں کوئی مجھے گرفتار کر کے الپسی تک پہنچا دے۔ ایسی صورت میں میری پریشانیاں بڑی حد تک دور ہو سکتی تھیں۔

بستی عبور کرتے ہوئے نہ جانے کیوں مجھے طوسیہ کا خیال آ گیا۔ اس مقامی نے جس لاپرواہیانہ انداز میں میرے ایک روح پر عاشق ہونے کا تذکرہ کیا تھا اس سے یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ یہ لوگ اوہام پرست نہیں ہیں جس کی وجہ شاید سردار الپسی پر پختہ اعتماد ہو۔ البتہ یہ بات میرے لئے پریشان کن تھی کہ میں نہ سردار الپسی سے ملا اور نہ ہی کسی اور سے طوسیہ کے بارے میں بات ہوئی لیکن سردار الپسی کے ذریعے پوری بستی کو اس راز کا علم ہو چکا تھا۔

سوچتے سوچتے میرا ذہن پچھلی رات کو نظر آنے والی خوفناک آنکھوں کی طرف مائل ہوا اور میرے دل میں طوسیہ سے نفرت کا غبار اٹھ آیا۔ طوسیہ صرف ایک روح تھی اور اسے انسانی پیکر میں لانے کی خاطر میں مسلسل مصائب سے دوچار ہو رہا تھا اور ابھی تک صندلیس کلیسا تک رسائی کی کوئی صورت بنتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں تو اس کی خاطر دیوانہ ہوا جا رہا تھا لیکن وہ اپنا جسم حاصل کرنے کے لئے اتنی خود غرضی اختیار کئے ہوئے تھی کہ میری آزادی بلکہ میری زندگی تک کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ اس وقت طوسیہ کا تصور مجھے ایک بھیانک سراب نظر آ رہا تھا جس کا تعاقب کرنے والے بے رحم صحراؤں میں سسک سسک کر جان دے دیتے ہیں۔ آخر میں اتنے خطرات کیوں مول لوں۔ طوسیہ کے بغیر بھی میں زندہ رہ سکتا ہوں۔ اگر میں اس کی خاطر جوبا سے بگاڑ پیدا نہ کرتا تو مصائب میں گرفتار ہوئے بغیر بہت سی کنیزیں حاصل کر سکتا تھا اور شادی کے لئے جبرین میں ایک سے ایک حسین لڑکی موجود تھی۔

طوسیہ خود غرض اور فریبی ہے' مجھے اس سے نفرت ہے۔ میں اسے بھول جاؤں گا۔ وہ مانیٹی کی قیدی ہی ٹھیک تھی' اب بھی اگر کوئی خواہش ظاہر کرے تو میں طوسیہ کی روح کو اس کا قیدی بنانے میں مدد کروں گا' مجھے وہ چرمی نقشہ تلف کر دینا چاہئے تاکہ میرے بعد کوئی اور اس ساحرہ کے فریب میں مبتلا نہ ہو سکے۔

میرے ذہن میں یہ زہریلے خیالات چنگاریاں بھڑکا رہے تھے۔ میں نے اسی وقت چرمی نقشہ تلف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن جب میں نے اسے تلاش کیا تو وہ میرے پاس موجود نہیں تھا۔

خس کم جہاں پاک۔ میں نے دل میں سوچا اور پھر چونک پڑا کیونکہ آخری گلی عبور کرتے ہی بستی کے کنارے پر پہنچ چکا تھا' میرے سامنے وسیع صحرا پھیلا ہوا تھا اور وہ خوف آور بستی میرے پیچھے تھی۔

میں چند قدم اور بڑھا' اسی وقت فضا میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور چابکوں کی شائیں شائیں کی آوازیں گونجیں اور آس پاس سے سردار الپسی کے دو گھڑ سوار اپنے چابک لہراتے نمودار ہوئے۔ وہ تیزی کے ساتھ میری ہی طرف بڑھے آ رہے تھے۔

میں نے ان کی زد سے بچ کر واپس بستی میں گھسنا چاہا لیکن ایک چابک میری پشت پر پڑا اور میں منہ کے بل ریت پر ڈھیر ہو گیا ان میں سے ایک نے بے دردی کے ساتھ مجھے اپنے گھوڑے کی پشت پر لادا اور تیز رفتاری کے ساتھ بستی میں گھستا چلا گیا۔

میں لباس کے نیچے اپنی پشت پر کسی سیال کی لکیر بہتی محسوس کر رہا تھا۔ ساتھ ہی چابک کے لگائے ہوئے زخم میں ناقابل برداشت سوزش اور تکلیف ہو رہی تھی لیکن الپسی کے آدمی نے میری ایک نہ سنی اور اپنے گھوڑے کو پوری رفتار سے دوڑاتا رہا۔

میرا خیال تھا کہ اس بار میرا سفر سردار الپسی کے کسی ٹھکانے پر ختم ہو گا لیکن خلاف توقع وہ شخص بستی کے ایک بارونق بازار میں رک گیا اور میرا ہاتھ کھینچ کر بے رحمی کے ساتھ مجھے گھوڑے کی پشت سے اتار دیا۔

"میں بھوکا ہوں۔" اس شخص کے روانہ ہونے سے قبل ہی میں التجا آمیز لہجے میں بولا۔

"اسے ایک سکہ دے دو!" اچانک اس شخص کی پشت سے لٹکتے ہوئے چرمی تھیلے سے بھرائی ہوئی انسانی آواز ابھری جس میں تحکم نمایاں تھا۔

اس گھڑ سوار نے فوراً ہی اپنے نیکر کی جیب سے کسی سفید اور چمکدار دھات کا بنا ہوا ایک گول سکہ نکالا اور میری طرف اچھال کر آگے بڑھ گیا۔

وہ سکہ میرے ہاتھ میں تھا اور میں حیران و پریشان اسی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ تھیلے سے ابھرنے والی آواز نے مجھے شدید الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس وقت میں ٹرانسیٹر وغیرہ کے تصور تک سے ناآشنا تھا اس لئے یہ سوچنے لگا کہ اس مختصر سے تھیلے میں آخر کس قد و قامت کا انسانی بدن تھا جو اتنی روانی کے ساتھ بول لیتا ہے۔

بہرحال یہ بستی بڑی ہی عجیب و غریب تھی اور ابھی مجھے نہ جانے کتنے حیرت ناک تجربات سے دوچار ہونا تھا۔ میرے دل میں' نہ جانے کیوں سردار الپسی کے لئے احترام اور عقیدت کا جذبہ امڈا پڑ رہا تھا۔ میں جلد از جلد اس ہستی کا دیدار کرنا چاہتا تھا جو بے شمار خوبیوں اور قوتوں کی مالک تھی۔

میں نے اس سکے کا جائزہ لیا۔ اس پر ایک طرف ادھ کھلی انسانی آنکھ بنی ہوئی تھی اور دوسری جانب کسی قسم کی مہر ابھری ہوئی تھی۔ وہ سکہ کسی سفیدی مائل چمکدار دھات سے ڈھالا گیا تھا۔

وہ شخص مجھے سکہ تو دے گیا تھا لیکن میں اس کے استعمال سے ناواقف تھا۔ کافی دیر

تک سوچتے رہنے کے بعد میں اس بارونق بازار میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

ایک جگہ مجھے رک جانا پڑا کیونکہ کہیں قریب ہی سے بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز بو آ رہی تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد میں ایک گلیارے میں جا پہنچا لیکن وہاں مجھے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بو کسی مکان سے آ رہی تھی۔ میں تھکے تھکے قدموں سے پھر بازار میں لوٹ آیا اور ایک پختہ دکان نما عمارت کی طرف بڑھا جہاں مقامیوں کی ایک لمبی سی قطار لگی ہوئی تھی۔

میں چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھا تو پتہ چلا کہ اس جگہ اناج کے دانے' تمباکو کی تھیلیاں اور شراب کی بوتلیں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ میں اسی جگہ رک کر انکھیوں سے تقسیم کے طریقے کا جائزہ لیتا رہا پھر اسی قطار کے آخر میں جا کھڑا ہوا جو تیزی کے ساتھ آگے سرک رہی تھی۔

جب تک میرا نمبر آتا میرے پیچھے کافی لوگ آ چکے تھے ان میں سے کسی نے بھی مجھ سے مخاطب ہونے کی زحمت نہیں کی تھی' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ اپنے کام سے کام رکھنے کے عادی ہوں۔

میرے آگے والے آدمی نے اس دکان میں موجود شخص کو تین سنہری سکے دیئے۔ میں اس کے پیچھے سے اچک کر ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ دکان والے نے کچھ کہے سنے بغیر چند تھیلے' بوتلیں اور پڑیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اسی کے ساتھ تینوں سنہری سکے بھی واپس کر دیئے جنہیں جیب میں ڈال کر وہ شخص سامان اٹھائے قطار سے نکل گیا۔

جگہ خالی ہو جانے پر میں نے اپنی مٹھی میں دبا ہوا سفید سکہ دکان والے کے سامنے کر دیا۔ سکے پر نظر پڑتے ہی اس نے مجھے گھور کر دیکھا جیسے میں نے اس کے ساتھ جعلسازی کی کوشش کی ہو پھر سخت آواز میں بولا۔ "یہ سکہ تجھے کہاں سے ملا؟"

"ایک گھوڑے والے نے دیا ہے۔" میں نے اپنا ہاتھ پیچھے سرکاتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

میرے جواب پر اس شخص کے چہرے پر اطمینان کی سرخی پھیل گئی۔ اس نے آنکھوں سے اپنے آدمی کو اشارہ کیا اور وہ اپنے ہاتھ میں ایک جوتا سنبھالے دکان سے باہر کود آیا۔

میرے سنبھلنے سے پہلے ہی اس نے میرے سر پر دوبار زور زور سے وہ جوتا رسید کیا اور

پھر دکان میں جا گھسا۔ "یہ کیا حرکت ہے یہ سکہ میرا بنایا ہوا نہیں ہے۔" میں اس کی توہین پر جھلا کر چیخا۔

"چیل کی طرح کیوں چیخ رہا ہے۔" میرے پیچھے کھڑے ہوئے قطار بند شخص نے میرے پہلو میں ٹھوکا دیتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ "اونچی آواز سے میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔"

میں بری طرح سٹپٹا کر رہ گیا اور مجھ سے اس کی بات کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ دکان والے نے اس دوران میں دو تھیلیاں میرے آگے سرکا دیں اور وہ سفید سکہ بھی مجھے لوٹا دیا۔ میں تھیلیاں اٹھا کر تیزی کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں پاگلوں کی بھیڑ میں آ پھنسا ہوں۔ بستی میں ہر ایک ہی مجھے پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

ایک نسبتاً پرسکون اور ویران گلی میں پہنچ کر میں ایک مکان کی دیوار کے سائے میں جا بیٹھا۔ میری بھوک اب نقطہ عروج پر تھی اور میں جلد از جلد وہ تھیلیاں کھولنی چاہتا تھا۔

ایک تھیلی میں بھنے ہوئے گیہوں کے دانے اور دوسری میں گڑ کے ڈلے دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا اور میں نے فوراً ہی اپنی آتش شکم سرد کرنی شروع کر دی۔ وہ دونوں نعمتیں میسر آنے کے بعد میں جوتے کھانے کی کوفت تک بھول گیا اور میرے دل میں اس دکاندار کے لئے احسان مندی کا جذبہ جاگ اٹھا جس نے مجھے نہ صرف وہ لذیذ غذا فراہم کی تھی بلکہ سکہ بھی لوٹا دیا تھا۔

دونوں تھیلیاں خالی کر کے میں اٹھا ہی تھا کہ اچانک کسی نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ میں، اپنی توانائی کو بحال پا کر جھلائے ہوئے انداز میں گریبان پکڑنے والے کی طرف پلٹا تو سخت حیرت ہوئی۔ وہ درمیانی عمر کی ایک صحت مند عورت تھی جس کے چہرے کے نقوش کافی دل آویز تھے۔ وہ داہنے ہاتھ سے میرا گریبان تھام کر مجھے ایک مکان کے دروازے کی جانب کھینچ رہی تھی اور بائیں ہاتھ کی انگلی ہونٹوں پر جما کر خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

عورت کے رویئے نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا اس وقت پوری گلی ویران پڑی ہوئی تھی اور ہم دونوں کے سوا وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے غصے پر قابو پا کر خود کو اس عورت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ مجھے لے کر اسی مکان میں جا گھسی جس کی دیوار کے

نیچے میں موجود تھا۔

وہ ایک کشادہ اور صاف ستھرا مکان تھا اور اس عورت کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہیں تھا۔ ایک کمرے میں گھس کر عورت نے پھرتی کے ساتھ اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ کمرہ اپنی آرائش کے اعتبار سے کسی جوڑے کی خواب گاہ معلوم ہو رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" دروازہ بند کرنے کے بعد وہ عورت ایک طویل سانس لے کر بولی۔

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے بستر پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تم وہی ہو نا جسے سردار الپسی کے آدمی' ہرمن نے صحرا سے پکڑا ہے؟" وہ الٹا مجھ سے ہی پوچھ بیٹھی۔ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"کیا یہ سچ ہے کہ تم ایک روح کے عاشق ہو؟"

اس عورت کے اس سوال پر میں چونک پڑا۔ وہ مجھ سے طوسیہ والے قصے کی تصدیق کر رہی تھی۔ اس اعتبار سے وہ دوسرے مقامیوں سے مختلف اور میرے لئے کار آمد تھی کیونکہ اسے سردار الپسی کی جانب سے میرے بارے میں پھیلائی جانے والی کہانی پر یقین نہیں تھا۔

"ہاں۔ یہ درست ہے۔" میں نے کہا۔

"سنو۔ ہم لوگ روحوں کے پجاری ہیں اور سردار الپسی ایک بہت بڑا.....!" عورت نے جوشیلے لہجے میں کہنا شروع کیا لیکن کمرے میں ایک نئی آواز سن کر یک بیک اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"حسین یہ مکان تیرے لئے چوہے دان ثابت ہو گا' خیریت اسی میں ہے کہ جلد از جلد یہاں سے نکل جا۔" طاق میں سجے ہوئے ایک مختصر سے چوبی مجسمے سے وہی بھرائی ہوئی انسانی آواز ابھر رہی تھی جس کے حکم پر ایک گھوڑے سوار نے مجھے سفید دھاتی سکہ دیا تھا۔

اس عورت کا چہرہ دہشت سے سفید پڑ گیا تھا اور وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس چوبی بت کی جانب دیکھے جا رہی تھی جو اب خاموش ہو چکا تھا۔

وہ آواز سنکر میں بغیر سوچے سمجھے دروازے کی طرف لپکا۔ عورت بدستور بے حس و حرکت کھڑی ہوئی تھی۔ کنڈی نیچے سرکا کر میں نے جوں ہی دروازہ کھولا تو ایک شخص پر میری نظر پڑی اور میں بھونچکا رہ گیا۔ صحرا میں مجھے قید کرنے والا خونخوار شخص غضب ناک تیور لئے باہر موجود تھا۔

اپنی حیرت پر قابو پا کر میں فوراً ہی سنبھل گیا کیونکہ بظاہر حالات میرے خلاف تھے اور میں اس نئے سنسنی خیز موڑ کے نتائج سے بے خبر تھا شاید اس بھرائی ہوئی اور پراسرار انسانی آواز کی ہدایت اور تادیب درست ہی تھی اور مجھے وہ کمرہ چوہے دان بنتا نظر آ رہا تھا۔

اس کے بعد

?

سنگتراش

کے دوسرے حصے

کا مطالعہ کریں!

Click on http://www.Paksociety.com for More
2
سنگتراش
اقلیم علیم
DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM
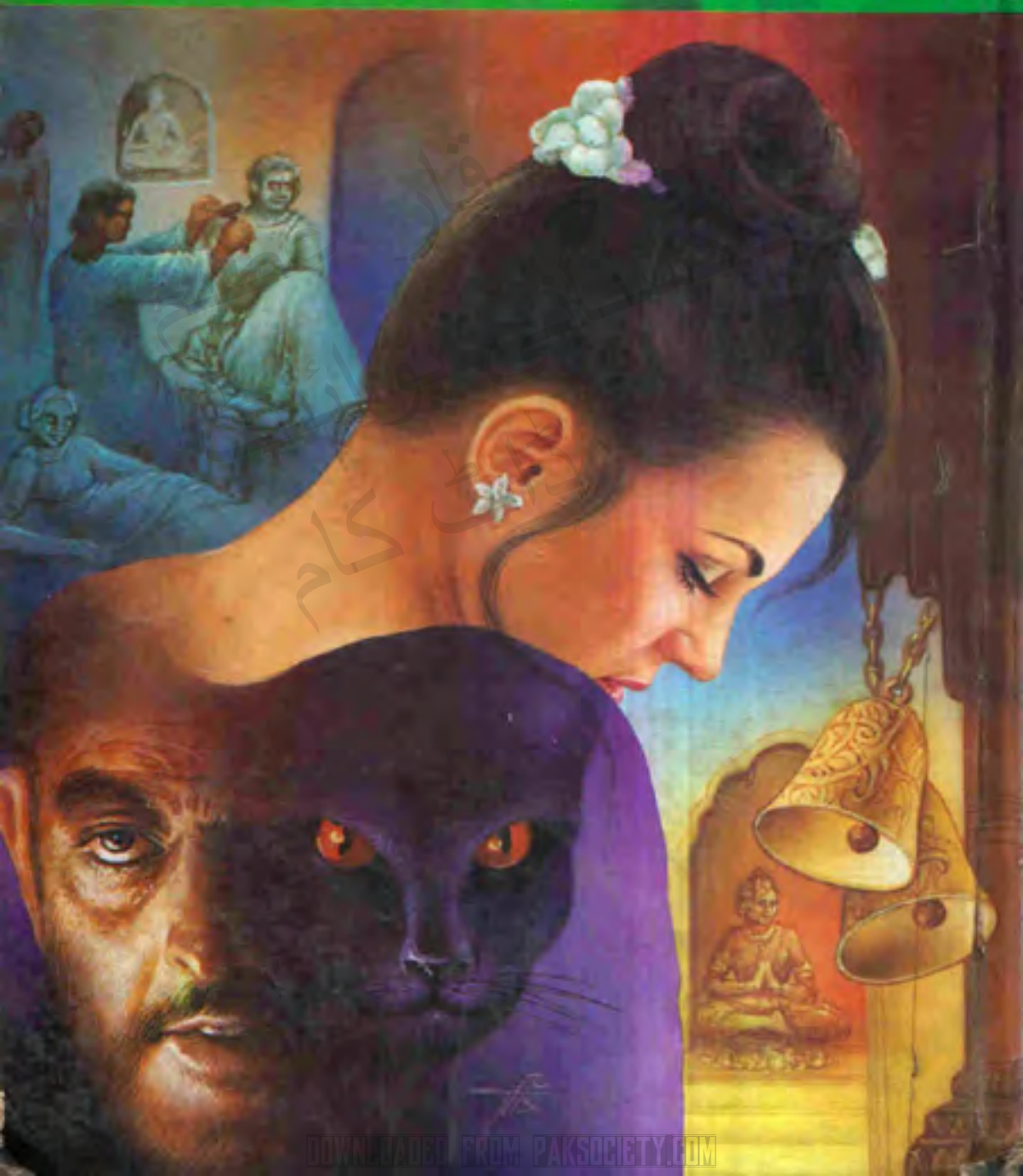
آنے والا چند ثانیوں تک دروازے کے باہر کھڑا خونخوار نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا۔ مجھے اس مکان میں لانے والی عورت کا چہرہ ابھی تک خوف سے دھواں ہو رہا تھا۔ وہ کبھی طاق میں سجے ہوئے چوبی مجسمے کو دیکھ رہی تھی اور کبھی آنے والے کو تک رہی تھی۔

"اسے یہاں کون لایا ہے؟" آخرکار اس شخص نے اندر داخل ہوتے ہوئے غصیلی آواز میں عورت سے پوچھا۔

"میں..... میں اسے مکان میں لائی ہوں۔" وہ عورت اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ "ہرمن تم یقین کرو' میں اسے کسی بری نیت سے اندر نہیں لائی ہوں۔"

"ہوں۔" اس کے حلق سے غراہٹ ابھری۔ "شاید خواب گاہ اندر سے بند کر کے تم دونوں عبادت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔" وہ عورت کے مقابل رک کر بولا۔

"یہ ہمارے مکان کی دیوار سے لگا بیٹھا تھا' ہرمن میں تمہاری بیوی ہوں اور مقدس روحوں کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرا ارادہ تم سے بیوفائی کا نہیں تھا۔" وہ چند قدم پیچھے سرک کر ہکلاتے ہوئے بولی۔

"کیا تجھے نہیں معلوم کہ یہ اجنبی سردار اپی کے عتاب میں ہے اور بستی میں کوئی اسے اپنی چھت کے سائے میں پناہ نہیں دے سکتا!" ہرمن کا لہجہ زہریلا تھا۔

"معلوم تھا..... لیکن کسی نے اسے ہمارے مکان میں آتے نہیں دیکھا تھا۔" دور دور تک کسی گھوڑے والے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔"

"تو سمجھتی ہے کہ سردار اپی غافل رہتا ہے۔" ہرمن غرایا۔ "وہ ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے اور اس وقت میں تیرا شوہر بعد میں ہوں' پہلے سردار اپی کا گھوڑے والا ہرکارہ ہوں' تیری غلطی ناقابل معافی ہے اور میں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کر سکتا۔"

یہ کہہ کر ہرمن اس کی طرف جھپٹا اور وہ ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی ایک طرف بھاگی لیکن ہرمن نے پل بھر میں اسے جالیا اور زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

"کوئی تیری مدد کو نہیں آ سکتا۔" ہرمن اس کا گلا دبوچتے ہوئے وحشیانہ لہجے میں بولا۔ "بستی والوں کو کسی بھی معاملے میں دخل کا کوئی حق نہیں ہے۔ گھوڑے والے تیری آوازیں سن کر ادھر آ بھی نکلے تو میرا گھوڑا باہر بندھا دیکھ کر واپس لوٹ جائیں گے' تجھے اب زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے!"

چوبی بت سے ابھرنے والی پراسرار آواز اور ہرمن کے تیوروں نے مجھے بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ہرمن اس عورت کو ہلاک کرنے کے درپے تھا اور عورت کی گھٹی گھٹی چیخیں بتدریج دم توڑتی جا رہی تھیں' لیکن میں اس کی مدد کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

اس وقت نہ جانے کیوں میرے ذہن میں وہ دو بڑی بڑی دہکتی ہوئی آنکھیں سر ابھار رہی تھیں جن سے اس پراسرار بستی کے سفید مکان میں میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔

چند ہی منٹ میں ہرمن کی بے رحمانہ گرفت میں اس کی بیوی کی مدافعانہ مزاحمت دم توڑ گئی' اس کا بدن آخری بار تیزی کے ساتھ تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

ہرمن اپنی بیوی کو ہلاک کرنے کے بعد لاپرواہیانہ انداز میں اس کی لاش پر سے اترا اور سرد نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔

"میں بے قصور ہوں' تمہاری بیوی زبردستی مجھے اندر لائی تھی۔" اسے اپنی جانب متوجہ پاتے ہی میں خوفزدہ آواز میں اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"بے قصور!" ہرمن یک بیک زور سے ہنس پڑا' اسی کے ساتھ اس کے تیور بھی معمول پر آ گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ چند ثانیوں قبل والے قتل اور مقتولہ کی لاش کو یکسر بھول گیا ہے۔ "اگر تو بے قصور ہوتا تو بستی میں یوں دربدر مارا مارا نہ پھرتا۔"

"تم یقین کرو کہ میں بالکل بے قصور ہوں۔" میں دیوار سے ٹک کر ہانپتے ہوئے بولا۔

"اس بستی میں آنے والے بے گناہ اجنبیوں کو سردار اپی فوراً ہی موت کے گھاٹ اتروا دیتا ہے۔" ہرمن ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔ "تیری سسکتی ہوئی زندگی یقیناً کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہے!"

...ش اس کے حوالے کر کے اسے بستی سے باہر ہانک دو' یہی اس کی سزا ہے۔"

دیوار گیر طاق میں سجے ہوئے چوبی بت سے وہی سرد اور بھرائی ہوئی آواز ابھری' جیسے ہدایت دینے والا خواب گاہ میں ہونے والی تمام گفتگو لفظ بہ لفظ سنتا رہا ہو۔

"ہرمن تیرا غلام ہے سردار اپی' تیرے حکم کی تعمیل ہو گی۔" ہرمن اس آواز کے معدوم ہوتے ہی چوبی مجسمے کی جانب منہ کر کے سر جھکاتے ہوئے مودبانہ لہجے میں بولا' جیسے وہ حکم دینے والے کو اپنے سامنے موجود سمجھ رہا ہو' کسی جیتے جاگتے انسان کی طرح۔

اس وقت تک میں یہ سمجھ چکا تھا کہ ہرمن مجھے قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا لیکن اس کی زبان سے ہونے والے اس انکشاف نے مجھے چونکا دیا تھا کہ وہ پراسرار آواز سردار اپی کی ہی ہے۔ وہ آواز میرے لاشعور کی گہرائیوں سے چپک کر رہ گئی تھی۔ جب اس بے نام بستی میں ایک قیدی کی حیثیت میں مجھے سفید عمارت میں پہنچایا گیا تو وہاں ایک تاریک کمرے میں اسی بھرائی ہوئی سرد آواز سے میرا واسطہ پڑا تھا' ہرمن کے اس انکشاف نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ تاریکی میں میرے ذہن اور اعصاب کو مفلوج کر دینے والی انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی بڑی بڑی حیوانی آنکھیں سردار اپی ہی کی تھیں۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ سردار اپی جو اس بستی والوں کے لئے محض ایک خوف آور نام تھا' کسی خاص مقصد کے تحت میرے سامنے آ چکا تھا لیکن اس طرح کہ تاریکی کے باعث اس کی آنکھوں کے علاوہ جسم کا ہر حصہ گھور اندھیرے کا ایک جزو بن کر میری نظروں سے روپوش تھا۔

"یہ لاش اپنے کندھے پر لاد کر فوراً اس چھت کے نیچے سے نکل جا' یہ سردار اپی کا حکم ہے۔" ہرمن کی کرخت اور تحکمانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ اس عجیب و غریب حکم پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ہرمن نے چند ثانیوں تک انتظار کیا اور پھر تیزی کے ساتھ اپنی کمر سے بندھا ہوا چمڑے کا چابک کھول کر میری جانب جھپٹا۔ میں ایک بار ایسے ہی ایک چابک کا مزا چکھ چکا تھا لہٰذا خود کو اس کی زد سے بچانے کی کوشش میں پیچھے ہٹتا دیوار سے جا لگا' لیکن ہرمن بہت موذی تھا۔ اس نے بے تکلف میرا داہنا شانہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔

جوں ہی ہرمن نے دوبارہ چابک والا ہاتھ بلند کیا۔ میں چیختا ہوا اس کی بیوی کے بے جان جسم کی طرف دوڑ پڑا۔ ہرمن اپنی جگہ رک کر اطمینان کے ساتھ میرا جائزہ لینے لگا۔ میں نے تھوڑی سی کوشش کے بعد اس کی بیوی کی لاش کو اپنے کندھے پر لاد لیا۔

"باہر۔ فوراً باہر نکل جا اس مکان سے!" ہرمن مجھے وہیں رکا دیکھ کر دہاڑا۔ میں اپنے کندھے پر وہ لاش اٹھائے تیزی کے ساتھ مکان سے نکل آیا۔

ہرمن کی بیوی گو اتنی وزنی نہیں تھی لیکن میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ مکان سے باہر آ کر میں ایک جگہ رک گیا۔ دروازے پر بندھا ہوا ہرمن کا گھوڑا بار بار اپنے سم زمین پر مار کر ہنہنا رہا تھا۔

چند ثانیوں بعد ہرمن اس مکان سے باہر نکلتا نظر آیا اور میں خوفزدہ ہو کر چند قدم آگے بڑھ گیا لیکن ہرمن نے مجھے یوں نظرانداز کر دیا جیسے اس کے نزدیک اب میری کوئی اہمیت نہ ہو' اس کا یہ رویہ دیکھ کر میری ہمت قدرے بحال ہوئی اور میں اسی جگہ رک گیا۔

ہرمن نے باہر آ کر دروازہ بند کیا اور کنڈی لگا کر اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر تیز رفتاری سے ایک طرف روانہ ہو گیا۔

اس وقت میں عجیب مشکل میں گرفتار تھا۔ سردار اپی کا خوف میرے اعصاب پر پوری طرح حاوی تھا۔ اس کی خوفناک حیوانی آنکھیں بار بار میرے تصور میں ابھر کر مجھے ڈرا رہی تھیں اور میری عقل کام نہیں کرتی تھی کہ ہرمن کی بیوی کی لاش سے کس طرح چھٹکارا حاصل کروں گا' گو اس وقت ہرمن کا مکان بالکل خالی تھا میں نے ایک دو بار سوچا کہ خاموشی سے وہ لاش اسی مکان میں ڈال دوں لیکن سردار اپی اور بولتے ہوئے چوبی مجسمے کا خوف میرے قدموں کی زنجیر بنا ہوا تھا۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ سردار اپی کوئی خوفناک بدروح ہے اور وہ میری ایک ایک نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا ہے۔ میری دانست میں اس خوفناک' نادیدہ ہستی کو فریب دینا ناممکن تھا۔

میں زیادہ دیر تک ہرمن کے ویران مکان کے سامنے نہ رک سکا کیونکہ وہ مکان اب میرے لئے ناقابل بیان حد تک ڈراؤنا بن چکا تھا۔ میں نے اپنے کندھے پر لدی ہوئی ہرمن کی بیوی کی لاش کو پوری طرح سنبھالا اور بستی کے اجنبی راستوں پر کسی منزل کا تعین کئے بغیر ایک طرف چل پڑا۔ دوپہر کے سورج کی تمازت ڈھلتے ہوئے لمحوں کے باوجود جلد کو جھلسائے دے رہی تھی۔

تھوڑی دور کی مسافت میں کئی مقامی سر جھکائے لاتعلقانہ انداز میں میرے قریب سے گزر گئے۔ ان کی بوجھل بوجھل آنکھوں میں عجیب سی بے رونقی رچی ہوئی تھی اور یوں

لگ رہا تھا جیسے وہ گرد و پیش تو کیا خود اپنی ذات تک سے بے زار ہو چکے ہوں۔

آبادی کے ایک بارونق حصے میں پہنچنے تک میں سر سے پیر تک پسینے میں شرابور ہو گیا' میرا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اس حصے میں بہت سے بچے مجھے حیرت سے گھور رہے تھے ان میں سے ایک آدھ نے کچھ دور تک میرا تعاقب بھی کیا تھا۔

آخر تکان اور پیاس سے نڈھال ہو کر میں کسی سایہ دار جگہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا اور آخرکار ڈھلتے سورج کی مخالف سمت میں ایک وسیع احاطہ کا لمبا سایہ مل ہی گیا۔ میں نے دیوار کے قریب ایک ہموار اور صاف ستھری جگہ پر اپنے کندھے سے ہرمن کی بیوی کی لاش اتاری اور اس پر نظر پڑتے ہی میرا رواں رواں کانپ اٹھا۔

مرنے والی کی آنکھیں آخری لمحوں کی دہشت سے بری طرح حلقوں سے باہر ابل پڑی تھیں۔ ہونٹوں کے داہنے گوشے سے زبان باہر لٹک رہی تھی۔ بھینچے ہوئے جبڑوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی زبان دانتوں کے درمیان بری طرح دبی ہوئی ہے۔ اس کا سارا چہرہ نیلا پڑ چکا تھا اور بدن پر ہلکا ہلکا ورم نمایاں ہو چلا تھا جس کے باعث زندگی میں دلکش نظر آنے والی عورت کی لاش بہت ہیبت ناک صورت اختیار کر چکی تھی۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اس کے لباس کا ایک حصہ اس کے چہرے پر ڈالا اور اپنے چہرے سے پسینہ صاف کرتا دکان کی طرف چل دیا تاکہ اپنی پیاس دور کر سکوں۔ ابھی مجھے اس بستی میں پانی کا کوئی کھلا ذخیرہ نظر نہیں آیا تھا' جہاں سے میں کسی کی مدد کے بغیر اپنی پیاس بجھا سکتا۔

معاً مجھے سفید دھات کا وہ چمکیلا سکہ یاد آیا جو سردار اپی کی ہدایت پر ایک گھوڑے والے نے مجھے دیا تھا۔ میں نے اپنی جیب ٹٹول کر وہ سکہ نکالا اور ایک ایسی دکان کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں دور ہی سے ولایتی شراب کی بوتلیں سجی نظر آ رہی تھیں۔

"میں پیاسا ہوں.... مجھے پانی مل سکے گا؟" میں نے دکان پر پہنچ کر نوجوان دکاندار سے شاہدانہ لہجے میں دریافت کیا۔

خلاف توقع اس نے مجھے یوں گھور کر دیکھا جیسے مجھے چور اچکا سمجھتا ہو پھر ترش لہجے میں بولا۔ "سکہ ہے تیرے پاس؟"

میں نے اپنی ہتھیلی میں دبا ہوا سفید سکہ اس کے سامنے کر دیا۔

"اوہ سفید سکہ!" وہ حیرت سے بولا۔ "یہ تو بڑے دنوں بعد نظر آیا ہے، تجھے کہاں سے ملا؟"

اس کے سوال پر میں سٹپٹا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سکہ اسی کی ملکیت رہا ہو اور چوری ہونے کے بعد غیر متوقع طور پر میرے پاس نظر آیا ہو۔

"میں نے کہیں سے چوری نہیں کیا۔ یہ مجھے ایک گھوڑے والے نے دیا تھا۔" میں نے کھسیانی ہوئی آواز میں اپنی صفائی پیش کی۔

"اوہ۔" اس نے اطمینان آمیز انداز میں ہونٹ سکوڑے اور نیچے جھک کر کوئی چیز اٹھا، بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

اس کے جھکتے ہی میری چھٹی حس نے مجھے جوتے بازی کے خطرے سے خبردار کر دیا تھا۔ وہ جوں ہی وزنی جوتا سنبھالے مجھ پر حملہ آور ہوا میں نے جھلاہٹ اور غصے کے عالم میں آگے جھپٹ کر مضبوطی سے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔ وہ شاید میرے اس ردعمل کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے جوتا اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور میں نے اسے بڑی آسانی سے زمین پر گرا دیا۔

چیخ کے ساتھ ہی اس کے حلق سے گندی سی گالی نکلی مگر میں گرا ہوا جوتا اٹھا کر اس کے سینے پر چڑھ گیا اور بلا توقف اس کے سر اور چہرے پر جوتے برسانے شروع کر دیئے۔ وہ سخت بدحواسی کے عالم میں چیخ چیخ کر اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

کئی منٹ کی جان توڑ کوشش کے بعد وہ مجھے اپنے سینے پر سے گرانے میں کامیاب ہو سکا لیکن اتنی ہی دیر میں اس کا سارا چہرہ لہولہان ہو چکا تھا۔ آس پاس کے دکانداروں اور راہ گیروں میں سے کسی نے ہم دونوں کے درمیان بیچ بچاؤ کی کوشش نہیں کی۔

زمین سے اٹھ کر وہ کسی ارنے بھینسے کی طرح دوبارہ مجھ سے آ ٹکرایا۔ اس کی بے تدبیری کے باعث میں نے اس کی گردن اپنے پہلو میں دبوچ لی اور بائیں ہاتھ سے اس کی پسلیوں میں دو تین ہی گھونسے رسید کئے تھے کہ وہ بری طرح ہانپتا ہوا کسی بے جان شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں اس سے اپنا پیچھا چھڑا کر سیدھا اس کی دکان میں گھستا چلا گیا اور جو بوتل سب سے پہلے ہاتھ لگی اس کی کاگ اڑا کر اسے منہ سے لگا لیا۔

بوتل خالی کرنے میں واپس پلٹا تو میرے ہاتھوں زخمی ہونے والا دونوں ہاتھوں میں اپنی

پسلیاں دبائے بری طرح تڑپ رہا تھا۔ یہ شاید میری خوش بختی ہی تھی کہ اس وقت آس پاس سردار اپی کا کوئی گھڑسوار موجود نہیں تھا ورنہ ابھی تک تو میری شامت آ چکی ہوتی۔

اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر میں نے پھرتی کے ساتھ اس دکان سے شراب کی بوتلیں اٹھائیں اور تیز تیز قدموں سے چلتا دکانوں اور راہ گیروں کی اوٹ میں گم ہو گیا۔ ساتھ ہی میں بار بار مڑ کر بھی دیکھتا جا رہا تھا، اور میرے کان گھوڑوں کے سموں کے شور پر لگے ہوئے تھے۔

کم از کم اس موقع پر بستی والوں کی ایک دوسرے سے لاتعلقی میرے لئے بہت سود مند ثابت ہوئی تھی۔

ابھی میں تھوڑی ہی دور نکلا تھا کہ تیز شراب اپنا اثر دکھانے لگی۔ اور میں نے اپنے پہلو سے گزرتی ہوئی ایک نوعمر لڑکی کو اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

وہ اس آفت ناگہانی سے گھبرا کر بری طرح چیخنے لگی اور اسی جدوجہد میں، میں لڑکھڑا کر اس سمیت نیچے ڈھیر ہو گیا۔

لڑکی کی دہشت زدہ چیخیں سن کر بھی مقامیوں میں سے کسی نے دخل اندازی کی زحمت نہیں کی لیکن میری جدوجہد کامیاب ہونے سے قبل ہی ایک طرف سے سردار اپی کا کوئی گھڑسوار فضا میں چابک پھٹکارتا ہوا ادھر آ پہنچا۔ دو تین ہی چابکوں نے میرا سارا نشہ ہرن کر دیا اور میں لڑکی کو بھول کر بری طرح چیختا ہوا ایک طرف بھاگ نکلا۔

"پکڑ لو اسے!" گھڑسوار نے کڑکدار آواز میں کہا اور نیم مردہ لوگوں کے سے انداز میں گزرنے والے کئی مقامی، جونکوں کی طرح مجھ سے لپٹ پڑے۔ اس اثنا میں وہ شخص گھوڑا آگے بڑھا لایا تھا۔

"اسے کسی تالاب میں اچھی طرح غوطے دو تاکہ اس کا نشہ ہرن ہو جائے۔" گھڑسوار نے ان لوگوں سے کہا۔ شاید اسے میری تمام حرکتوں کا علم ہو چکا تھا۔

مجھے گھیرنے والے مقامی اب ہشاش بشاش نظر آنے لگے تھے۔ ان کی بے رونق آنکھوں میں زندگی کی مسرت بھری چمک کوند رہی تھی اور وہ مجھ سے یوں لپٹے پڑ رہے تھے جیسے انہیں برسوں کے بعد اپنا دل پسند شغل میسر آ سکا ہو۔ انہوں نے میری چیخوں کی پرواہ کئے بغیر مجھے اٹھا کر گندے پانی کے ایک جوہڑ میں اچھال دیا۔ سیاہی مائل بدبودار پانی میں غوطہ

کھاتے ہی میرے حواس باختہ ہو گئے اور میں کسی نہ کسی طرح گندے تالاب سے باہر نکل آنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

میرے باہر آتے ہی سردار اپی کے ہرکارے نے اپنا گھوڑا میری طرف دوڑا دیا۔ اس کے تیوروں سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے اپنے گھوڑے کے سموں تلے کچل دینا چاہتا ہو۔ میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ دوبارہ اسی جوہڑ میں کود کر اپنی جان بچاؤں۔

دو تین غوطے کھانے کے بعد میری حالت غیر ہو گئی اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں اب کچھ ہی دیر کا مہمان ہوں۔ اسی عالم میں کسی نے مجھے سہارا دیا اور میں جوہڑ سے باہر آ کر گرم گرم ریت پر اوندھے منہ گر گیا میرا سانس بری طرح اکھڑ رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے زرد دائرے ناچ رہے تھے۔

"خبردار جو اب اس لاش کو اپنے کندھے سے اتارا' سردار اپی کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کی کھال کھنچوا دی جاتی ہے۔" گھڑ سوار نے یہ کہتے ہوئے اپنے آگے لدی ہوئی ہرمن کی بیوی کی لاش میرے اوپر پھینک دی۔

میں خود کو بدقت تمام اس وزنی لاش کے نیچے سے نکال سکا اور پھر میں جوں ہی لڑکھڑاتا ہوا سیدھا کھڑا ہوا گھڑ سوار نے چابک لہرا کر مجھے فوراً ہی وہ لاش اٹھانے کا اشارہ کیا۔

اس وقت میری حالت خستہ ہو چکی تھی مگر چابک کے خوف نے مجھے وہ لاش کندھے پر لادنے پر مجبور کر دیا۔ اسی کے ساتھ سردار اپی کا گھوڑے والا وہاں سے روانہ ہو گیا۔

میں ساری شام وہ لاش کندھے پر اٹھائے بستی میں گھومتا رہا اور جب اندھیرا پھیلنے لگا تو میں بستی کے ایک نسبتاً بے رونق حصے میں جا بیٹھا۔ یہاں ایک جانب پختہ مکانات کی طویل قطار نظر آ رہی تھی اور اس کے سامنے کسی بہت وسیع احاطے کی لمبی سی دیوار تھی۔

چابکوں کی مار نے مجھے اس بری طرح ادھیڑا تھا کہ تنہائی میسر آنے کے باوجود میں اس لاش کو کندھے سے نہ اتار سکا' بلکہ اسے یوں ہی سنبھالے رہا۔

ابھی میں اس ناگہاں مصیبت سے چھٹکارا پانے کی کوئی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک فضا میں کہیں بہت دور نقرئی گھنٹیوں کا دھیما دھیما مترنم شور گونجنے لگا۔ اسی کے ساتھ ہوا کے دلکش جھونکوں میں خوشبوؤں کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ آہنگ و بو کا یہ امتزاج میرے لئے اجنبی

نہیں تھا۔ میں بے قرار ہو کر اس لاش سمیت اٹھ گیا اور رات کے گہرے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر گھورنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری روح پورے جسم سے سمٹ کر کانوں اور آنکھوں میں اتر آئی ہے۔

پھر خوشبو کا وہ سیلاب تیز ہونے لگا۔ نقرئی گھنٹیوں کا سرور آگیں آہنگ تیزی کے ساتھ قریب آتا محسوس ہونے لگا۔ بے اختیار میرا جی چاہا کہ میں دیوانہ وار رقص شروع کر دوں۔

پھر وہ دلنواز ساعت آ ہی گئی جب مجھے اپنی محبوب طوسیہ کا نیم روشن سا ہیولا فضا میں سبک بادلوں کی طرح تیرتا نظر آیا۔ حسین خد و خال پر جگمگاتا تاج اس کے جلال کو چار چاند لگا رہا تھا اور وہ دلربا پیکر والہانہ انداز میں دونوں ہاتھ آگے بڑھائے فضا میں تیرتا میری جانب آ رہا تھا۔

جوں ہی وہ میرے نزدیک پہنچی مترنم شور یکبارگی موقوف ہو گیا اور وہ مجھ سے چند قدم دور رک کر کرب آمیز انداز میں زیر لب مسکرانے لگی۔

"حسین! تم میری خاطر بہت صعوبتیں جھیل رہے ہو.... اور یہ تمہارے کندھے پر کیا لدا ہوا ہے؟" وہ ہرمن کی بیوی کی لاش دیکھ کر چونک پڑی۔

"یہ میری سزا ہے طوسیہ!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر یہ کہتے ہوئے وہ لاش زمین پر ڈال دی۔ طوسیہ کی موجودگی سے مجھے تقویت ملی تھی۔

"سزا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں طوسیہ! بھیڑیوں کی اس اجنبی سرزمین پر میں تم سے دور رہ کر بہت اداس تھا۔ جبرین کے سردار جوبا نے میرے ساتھ دغا کی ہے۔ اس کے آدمی مجھے مظلوم لڑکیوں کی بستی صلامہ پہنچانے کے بجائے یہاں چھوڑ گئے۔ بس تمہاری محبت کے سہارے زندہ رہا ہوں۔ ورنہ زندگی اب ایک بوجھ معلوم ہوتی ہے۔"

"ہمت نہ ہارو حسین.... میں خود کتنی مضطرب ہوں' شاید تمہیں احساس نہیں' لیکن ہم بہت جلد ایک دوسرے کے ہونے والے ہیں' بہت جلد۔"

اس وقت اچانک میں نے اپنے ذہن میں چبھن سی محسوس کی اور میرے لاشعور سے دو دہکتی ہوئی' خوفناک حیوانی آنکھیں ابھر کر میرے وجود پر حاوی ہوتی چلی گئیں۔ ان آنکھوں کے تصور سے میں پھریری لے کر رہ گیا اور مجھے احساس ہوا کہ طوسیہ خود غرض ہے' وہ اپنی

زندگی کی خاطر میرے جذبات کی شدت سے کھیل رہی ہے۔ وہ میری دشمن ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے' سخت ترین نفرت۔

شاید اس ماورائی دوشیزہ نے اپنی قوت کے سہارے میرے چہرے پر میری بدلتی ہوئی ذہنی کیفیات پڑھ لیں اور اضطراری طور پر ایک قدم آگے بڑھ کر تشویش آمیز لہجے میں بولی۔

"کیا بات ہے حسین' تم خاموش کیوں ہو' تمہارے چہرے سے کیسی الجھن ٹپک رہی ہے؟"

"نہیں طوسیہ۔ مجھے فریب نہ دو۔" میں تلخ لہجے میں بولا۔ "تمہارا بہروپ میرے سامنے ننگا ہو چکا ہے۔ تم محبت کے نام پر میری زندگی سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں....!"

"حسین حسین....!" وہ میرے بدلے ہوئے رویئے پر سراسیمہ سی ہو گئی۔

"بس میرا نام نہ لے!" میں غصے سے تقریباً چیخ پڑا۔ "تجھے نہ مجھ سے محبت ہے' نہ میری زندگی سے' تو صرف اپنی طبعی زندگی چاہتی ہے۔ مانیئی نے تیرے ساتھ جو کچھ کیا وہ درست تھا۔ میں اب تیرے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بن سکوں گا۔"

اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری باتوں سے سخت دلی صدمہ پہنچا ہے۔ وہ گم صم میری صورت تکتی رہی۔ لیکن میرے دل میں اب اس کے لئے ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"حسین' تمہیں کیا ہو گیا' تمہیں کیا ہو گیا میرے محبوب!" وہ اندوہناک لہجے میں بولی۔

"عشق نے مجھ سے عقل چھین لی تھی طوسیہ۔" میں زہریلے لہجے میں بولا۔ "تیرا حسین پیکر' تیری گداز آغوش کا تصور میری فکر کے سامنے دیوار بن گیا تھا اور اب میں نے یہ حصار توڑ دیا ہے میں سوچ سکتا ہوں' سمجھ سکتا ہوں' طلسم بکھر چکا ہے اور اب تجھے ان صحراؤں میں کوئی اور دیوانہ تلاش کرنا ہو گا۔" میں اس سے یہ سب کہہ رہا تھا۔ میری نگاہیں اس کے لرزتے ہوئے ہیولے پر مرکوز تھیں مگر مجھے اس کے پیش منظر میں دو خوفناک حیوانی آنکھیں اپنی جانب گھورتی نظر آ رہی تھیں۔

"اس کمین میں نے سن لیا' سب کچھ سن لیا۔" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم سنگ تراش ہو اور میں تمہاری بت پرست۔ میں نے تمہیں چاہا اور تم نے مجھے نئی زندگی سے محبت کا احساس دلایا لیکن جب تم دل تعلق کے ان نازک تاروں کو توڑتے ہو تو تمہارے سکون اور سلامتی کی خاطر یہ بھی سہی' مجھے اب نئی زندگی تو کیا' ...... بے کیف زندگی سے بھی نفرت

ہے۔ تمہاری زبان سے نئی زندگی کا طعنہ میرے لئے ایک گالی ہے حسین' تم خوش رہو' سلامت رہو' میری مظلوم دعائیں ہر آن تمہارے ساتھ ہوں گی!" یہ کہہ کر اس نے بے اختیار اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اس کے بدن کی لرزش سے ظاہر تھا کہ وہ رو رہی ہے..... شاید اپنے عزائم بے نقاب ہو جانے کے صدمے سے وہ مایوسی میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"اس کا امتحان لے حسین' اگر یہ اپنے عشق میں سچی ہے تو اسے خود کو تیرے حوالے' تیری مرضی کے حوالے کر دینا چاہئے۔" ہرمن کی بیوی کی لاش کی کمر سے جھولتے ہوئے ایک تھیلے میں سے وہی سرد اور بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ وہ تھیلا گو ابھی تک میری توجہ کا مرکز نہیں بن سکا تھا لیکن میں اتنا قیاس کر سکتا تھا کہ شاید ہرمن نے قتل کے بعد ہی وہ تھیلا اس لاش کی کمر سے باندھ دیا ہو گا۔

وہ دبی دبی تحکمانہ آواز سن کر نہ میں خوفزدہ ہوا' نہ مجھے حیرت ہوئی۔ اس وقت تو بس حیوانی آنکھیں میرے اعصاب پر سوار تھیں اور میں عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا تھا۔ میرے ذہن میں بس ایک ہی خیال سمایا ہوا تھا کہ طوسیہ میری دشمن ہے۔ مجھے اس سے شدید نفرت ہے اور روئے زمین پر سرد اور بھرائی ہوئی آواز والا نامعلوم شخص ہی میرا ہمدرد اور مخلص ہے۔

لاش سے وہ آواز ابھرتی سن کر طوسیہ یک بیک چونک پڑی۔ اور جوں ہی وہ آواز معدوم ہوئی طوسیہ جوشیلے لہجے میں بولی۔ "حسین تم فریب کھا رہے ہو' صحرا نشینوں کو کچھ علم نہیں کہ باہر کی دنیا کتنی ترقی کر چکی ہے۔ تم مان لو کہ اس لاش کی کمر سے ٹرانسمیٹر باندھا گیا ہے اور یہ لاش اسی لئے تم پر مسلط کی گئی ہے کہ کوئی دور رہ کر تمہاری ساری باتیں سن کر تمہیں احکام دے سکے۔ یوں آنکھیں نہ پھاڑو حسین' ٹرانسیٹر واقعی ایسی ہی جادوئی مشین ہے۔ تم کسی خطرناک آدمی کے چنگل میں....!"

"بس خاموش۔" میں غصیلی آواز میں دھاڑا۔ "میں خود اپنا برا بھلا سمجھ سکتا ہوں۔"

"اس وقت تو یہی مشکل ہے حسین۔" وہ مضطرب نظر آنے لگی تھی۔ "تمہاری رہنما حسیتیں کہیں سو چکی ہیں' تم کسی اور کے ذہن سے سوچ رہے ہو۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں حسین! ہوش میں آؤ۔ دیکھو میں وہی طوسیہ ہوں۔ تمہاری بنت نیل ہوں' جس کی خاطر تم مدتوں سے مصائب جھیل رہے ہو۔" اس کی آواز میں اب وحشیانہ جوش عود کر آیا

تھا۔ "تم یقین کرو حسین کہ میرے باپ کے بہت سے درباری پروہت بھی ایسے ہی جادوگر تھے۔ ان کا شکار وہی کرتا تھا جو وہ چاہتے تھے وہی سوچتا اور کہتا تھا جو کہلوانا چاہتے تھے' ان کی دہکتی ہوئی بے جان آنکھوں کے سامنے بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔"

میں بے رحم نگاہوں سے اس کی جانب گھورتا رہا۔ "تو اب بھی مجھ سے محبت کا دعویٰ رکھتی ہے طوسیہ؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اس سے پوچھا۔

"ہاں.... میں صحرا میں جب تک بھٹکتی رہوں گی تجھے نہ بھلا سکوں گی حسین' ہرجائی محبوب! تیری بے رخی کا یہ گھاؤ تو اب ہمیشہ کے لئے میرا مقدر بن چکا ہے۔ میں بدنصیب ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"اگر تو سچی ہے تو خود کو میرے حوالے کر دے۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تو اب بھی میرا مالک ہے حسین لیکن تو جانتا ہے کہ میں اپنا کھویا ہوا جسمانی پیکر حاصل کئے بغیر محض ایک زندہ سایہ ہوں جسے تو چھو نہیں سکتا ورنہ میرا جسم تیرے ہی لئے ہے۔ تیری ہم آغوشی میرے لئے باعث مسرت ہے۔ میں اپنا سر تیرے قدموں میں رکھ دوں گی...!" وہ یک بیک رونا بھول گئی۔

"جسم نہیں میں تیری روح کا سودا کر رہا ہوں طوسیہ' خود کو میرے حوالے کر دے۔ میں جب چاہوں تجھے طلب کروں' جو کام چاہوں تجھ سے لوں..... یہ تیرا امتحان ہے طوسیہ!" میرا لہجہ اب اٹل تھا۔

"میں منظور کرتی ہوں۔" وہ مسرت اور غصے سے ملی جلی آواز میں بولی۔ "اگر میری محبت سچی ہے تو میں تجھے جیت لوں گی۔ میں نے عبادت کر کے تیرے وصال کی دعائیں مانگی ہیں' اگر عاطیس دیوتا کا وجود ہے تو وہ تیرے دل کو موم کر دے گا۔ میں خود کو تیرے حوالے کرتی ہوں!"

"یوں نہیں طوسیہ!" میں مکارانہ لہجے میں بولا۔ دہکتی ہوئی حیوانی آنکھیں ابھی تک میرے شعور پر حاوی تھیں۔ "تیری کلید چاہئے' مجھے تجھ پر پورا اختیار چاہئے۔"

وہ چند ثانیوں تک برہم نظروں سے میری طرف گھورتی رہی پھر تیز آواز میں بولی۔

"میں جا رہی ہوں' میرے ہٹنے کے بعد تجھے یہاں ایک طلائی بت پڑا ہوا ملے گا اس پر کانسی کے تار سے لکیر کھینچ کر تم جب چاہو مجھے طلب کر سکتے ہو' میں تمہارا ہر حکم ماننے پر مجبور

ہوں گی۔"

اپنی بات پوری کرتے ہی وہ اچانک غائب ہو گئی۔ تاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں اس جگہ ایک ننھا سا طلائی بت چمک رہا تھا جہاں طوسیہ کا پیکر چند ثانیوں قبل موجود تھا۔

میں نے بیتابی کے ساتھ آگے بڑھ کر سونے کا وہ ننھا سا مجسمہ اٹھا لیا۔ اس کا وزن بمشکل چند تولے رہا ہو گا۔ وہ اتنا مختصر تھا کہ میں نے باآسانی اسے اپنے ایک ہاتھ کی مٹھی میں دبا لیا۔

میرے شعور پر ابھی تک دو بڑی بڑی' دہکتی ہوئی حیوانی آنکھیں مسلط تھیں اور میں اس احساس سے خوش تھا کہ میں اپنی ایک دشمن' طوسیہ کو فریب دے کر اپنے قبضے میں کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اس وقت طوسیہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس بت کی قوت آزماؤں لیکن اس وقت میرے پاس کانسی کی کوئی بھی چیز نہیں تھی۔ لہٰذا مجھے اپنی اس خواہش کو خیرباد کہنا پڑا۔

اب میں ہرمن کی بیوی کی لاش کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔ صحرائی رات کی خنکی کا احساس بھی معدوم ہو چکا تھا۔ میں احتیاط کے ساتھ اس طلائی بت کو اپنی مٹھی میں دبائے ٹہلتا ہوا ایک طرف چل دیا۔

ابھی میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ کہیں قریب ہی کسی دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں سراسیمہ ہو کر واپس بھاگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہرمن کی بیوی کی لاش کندھے سے اتارنے کی پاداش میں ایک مرتبہ پھر چابک سے میری گوشمالی ہو گی۔

آنے والا بڑی تیزی کے ساتھ آیا۔ میں ہرمن کی بیوی کی لاش سے کافی دور تھا کہ وہ میرے سر پر آ پہنچا اور میں خود کو اس کے وحشی گھوڑے کے سموں سے بچانے کی کوشش میں ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

اس نے رکتے ہی مجھے اپنے پیچھے سوار ہونے کا حکم دیا اور میں نے بے چون و چرا اس کی تعمیل میں عافیت سمجھی۔ سردار اپی کے گھڑسواروں کے چابکوں کا خوف میرے اعصاب پر مسلط ہو کر رہ گیا تھا۔

مجھے ہمراہ لیتے ہی اس نے اپنا گھوڑا ایک طرف دوڑا دیا۔ ذرا ہی دیر میں ہم بستی سے باہر نکل آئے۔ کچھ دیر کے طوفانی سفر کے بعد وہ گھوڑا ایک نیم روشن دو منزلہ عمارت کے

قریب رک گیا۔ باہر جلتے ہوئے اکا دکا برقی لیمپوں کی نندا سی روشنیوں میں دو مسلح اور چاق و چوبند آدمی کسی جانب سے نکل کر ہماری طرف آئے۔

"سردار اپی کا قیدی۔" مجھے لانے والے نے ان دونوں سے کہا۔

انہوں نے مجھے نیچے اترنے کا اشارہ کیا اور گھڑ سوار مجھے ان دونوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر دوبارہ بستی کی جانب واپس لوٹ گیا۔

ان دونوں مسلح آدمیوں نے مجھے عمارت کے داخلی راستے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔

وہ غالباً خاصی وسیع عمارت تھی۔ کئی ویران کمروں اور راہداریوں سے گزر کر جب میں ایک برآمدے میں پہنچا تو داہنی جانب بنے ہوئے ایک وسیع ہال کے بند دروازوں کے عقب سے دبی دبی انسانی آوازیں ابھرتی محسوس ہوئیں' یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں بہت سے لوگ بیک وقت بول رہے ہوں۔

سفر کا سلسلہ ایک ایسے دروازے کے سامنے ختم ہوا جس کے اوپر سرخ رنگ کا مدھم روشنی والا بلب روشن تھا۔ وہ دونوں مجھے ہمراہ لئے باہر ہی رکے رہے۔ چند ثانیوں کے بعد وہ سرخ بلب بجھ گیا اور دروازے پر سبز روشنی نمودار ہو گئی۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور دوسرے نے بے رحمی سے مجھے اندر دھکیل دیا۔ اس سے قبل کہ میں واپس پلٹتا وہ دروازہ بند ہو کر خود بخود مقفل ہو چکا تھا۔

یہ احساس ہوتے ہی کہ میں اس کمرہ میں قید کیا جا چکا ہوں' مجھ پر وحشت سوار ہونے لگی۔ اس کمرے میں ہلکی ہلکی سبز روشنی یوں پھیلی ہوئی تھی کہ میں خود کو سبز دھند میں گھرا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

اچانک اس سبز دھند میں میرے سامنے دو دہکتی ہوئی حیوانی آنکھیں متحرک نظر آئیں۔ ان میں اتنی زبردست مقناطیسی کشش تھی کہ میری نظر ادھر ہی جم کر رہ گئی۔

"تم کون ہو حسین؟" اس سبز دھند میں ایک جانی پہچانی سرد اور خواب ناک آواز ابھری۔

"آنکھوں کا غلام۔" میری بے جان سی آواز ابھری۔

"تمہیں طوسیہ سے سخت نفرت ہے!؟" وہی تلقین آمیز آواز ابھری۔

"ہاں مجھے اس سے نفرت ہے!؟"

"اسے اسی وقت یہاں طلب کرو۔" مجھے حکم دیا گیا۔

"مجھے کانسی کی کوئی چیز چاہئے۔" میں نے مجبوری کے عالم میں کہا۔ آنکھیں ان ہی دو آنکھوں پر جمی رہیں جو حرکت کرتی میری جانب بڑھ رہی تھیں پھر ایک سرد انسانی ہاتھ نے کانسی کا تار میرے داہنے ہاتھ میں تھما دیا۔

اچانک میرے پپوٹے بوجھل ہو کر میری آنکھوں پر جھکنے لگے۔ چند سیکنڈ بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو میرے سامنے ایک پستہ قامت اور گٹھے ہوئے جسم والا ایک سفید فام موجود تھا۔ اس کی آنکھوں پر موٹے موٹے تاریک شیشوں کی عینک یوں جمی ہوئی تھی کہ اس کی آنکھیں پوری طرح چھپی ہوئی تھیں۔ اس کے داہنے ہاتھ میں جلتا ہوا سگار دبا ہوا تھا اور ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

میں نے طلائی مجسمہ نکالا اور اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ ننھا سا بت صناعی کا لاجواب نمونہ تھا۔ سوفے پر عالیس دیوتا کے خد و خال بہت مہارت اور کاریگری کے ساتھ اجاگر کئے گئے تھے۔ میں نے مشینی انداز میں کانسی کے تار سے اس طلائی بت پر ایک لکیر کھینچی اور فضا اچانک مانوس خوشبوؤں سے بھر گئی۔ میں نے نگاہ اٹھائی تو طوسیہ کا روحانی ہیولا میرے اور اس چشم پوش سفید فام کے درمیان موجود تھا۔ طوسیہ اس وقت سخت برہم نظر آ رہی تھی۔

میں نے کھوئی کھوئی لاتعلقانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور تحکمانہ آواز میں اس سے کہا۔ "مجھے یقین آ گیا کہ تم میرے قبضے میں ہو' اب تم جا سکتی ہو۔"

وہ فوراً ہی غائب ہو گئی اور کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔ میں نے ایک دو بار پلکیں جھپکا کر سبز دھند میں نگاہیں دوڑائیں تو وہ جلتی ہوئی بے رحم آنکھیں وہاں موجود تھیں۔

"طوسیہ ایک خواب تھا' اب تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں' تم اسے بھول جاؤ گے.... بالکل بھول جاؤ گے۔" وہی آواز ابھری اور میں خاموش رہا۔ قدرے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ "تم سو رہے ہو' گہری نیند تم پر غالب آ رہی ہے... تم سو رہے ہو۔"

میرا ذہن بھاری ہونے لگا اور پھر میں تیورا کر نیچے ڈھیر ہو گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو میں نے خود کو پختہ فرش پر ایک کمبل پر دراز پایا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا تو پتہ چلا کہ میں ایک پختہ کوٹھری میں موجود ہوں۔

باہر آیا تو ہر طرف سورج کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔۔۔۔ میری کوٹھری کے برابر میں دور تک ویسی ہی کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں جن کے چاروں طرف دور دور تک افیون اور حشیش کے پودے اگے ہوئے تھے۔ ان باقاعدہ کھیتوں میں بہت سی لڑکیاں کام کر رہی تھیں۔ کھیتوں کے اختتام پر ایک کافی بلند دیوار تھی جو چاروں طرف نظر آ رہی تھی۔ احاطے کی مشرقی سمت میں ایک کافی وسیع اور خوشنما دو منزلہ عمارت نظر آ رہی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا کہ اس عمارت سے گزرے بغیر ان کھیتوں سے باہر نکلنا محال ہے۔

میں کھوئی کھوئی نظروں سے یہ سب دیکھتا دوبارہ کوٹھری میں آ گیا۔ میرے وجود پر اس وقت عجیب سی بے نام اداسی مسلط تھی جیسے میری کوئی عزیز شے مجھ سے بچھڑ گئی ہو لیکن میں اپنی اس محرومی کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔ کچھ دیر تک بے مقصد بیٹھے رہنے کے بعد مجھے شدید بھوک کا احساس ہوا۔ میں نے غیرارادی طور پر اپنی جیبیں ٹٹولیں تو وہ سب خالی تھیں۔ سردار اپسی کے گھڑسوار کا دیا ہوا سفید سکہ میرے پاس موجود نہیں تھا۔

آخرکار میں اس کوٹھری سے باہر آ گیا۔ اب باہر کام کرنے والی لڑکیوں سے مدد لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ میں جوں ہی پہلی لڑکی کے قریب پہنچا وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذہن پر ذرا سا زور دیتے ہی میں بھی اسے پہچان گیا۔ وہ ان میں سے ایک تھی جنہیں میں جبرین والوں کے ستم سے نجات دلا کر صلامہ لے جا رہا تھا۔

"تم نے ہمیں کہاں لا پھنسایا ہے حسین!" وہ میرے قریب آ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میرے ساتھ جبرین کے قزاقوں نے فریب کیا تھا' مجھے خود علم نہیں کہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔" میں نے آس پاس نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اب ہم کبھی بھی یہاں سے نہ نکل سکیں گے۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "سردار اپسی کی اجازت کے بغیر یہاں سے کوئی باہر قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ وہ ہر وقت ہر ایک کی نقل و حرکت سے باخبر رہتا ہے۔ ہمیں سارا دن یہاں نشہ آور پودوں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے اور سرِشام ہی بن سنور کر ہمیں دو منزلہ عمارت کے ایک بڑے ہال میں پہنچنا پڑتا ہے جہاں بستی والے اپنی خونخوار بیویوں سے چھپ کر عیاشی کے لئے آتے ہیں۔"

"خونخوار بیویاں!؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ یہ لوگ روحوں کے پجاری ہیں۔" لڑکی مجھے بتانے لگی۔ "ان کی عورتیں سب کچھ نظرانداز کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ بات برداشت نہیں کر سکتیں کہ ان کے مرد غیر عورتوں سے تعلق رکھیں۔ سردار اپسی کو یہاں کسی نے نہیں دیکھا لیکن ہر ایک اس کے نام ہی سے کانپتا ہے۔ اس نے لوگوں کو نشے کا عادی بنا کر اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔ وہ ان سے جو کام چاہتا ہے لیتا ہے اس کے جو خاص کارندے ہیں ان کے لئے اس نے عمارت میں ایک ہال بنایا ہوا ہے جہاں وہ اپنی بیویوں کی لاعلمی میں ہم جیسی بدنصیب لڑکیوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے ہیں۔"

"سنو اس وقت میں بہت زیادہ بھوکا ہوں' تمہاری یہ باتیں میرا پیٹ نہیں بھر سکتیں۔" میں نے اچانک اس کی بات کاٹ کر کہا۔

وہ مجھے ہمراہ لے کر پختہ عمارت کی طرف چل دی۔

کھیتوں والے رخ پر ہی ایک بہت بڑا ہال بنا ہوا تھا جس میں لمبی لمبی میزوں کے ساتھ چوبی بنچیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہال کے ایک رخ پر وسیع سا کاؤنٹر تھا جس کے عقب میں دو تین آدمی بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

"ناشتہ!" لڑکی نے کاؤنٹر پر پہنچ کر زور سے کہا۔

"بھاگ جاؤ۔ یہ ناشتے کا وقت نہیں ہے!" ایک ادھیڑ عمر شخص چونک کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ رات ہی یہاں لایا گیا ہے' سردار اپسی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ کوئی شخص بھوک سے مرجائے۔" وہ لڑکی اونچی آواز میں بولی۔

"اوہ۔۔۔ میں سمجھا یہ دوبارہ آیا ہے!" ادھیڑ عمر شخص کا لہجہ یک بیک نرم پڑ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں مجھے نمکین گوشت کے تلے ہوئے پارچے' شراب کی ایک بوتل اور جو کی تازہ روٹی مل گئی۔ لڑکی مجھے وہاں چھوڑ کر واپس جا چکی تھی۔

دوپہر تک میں یونہی بے مقصد وہاں ٹہلتا رہا۔ پھر اچانک وہاں ایک تیز سائرن کی آواز ابھری اور سب لوگ جوق در جوق کھانے والے ہال کی طرف جانے لگے۔ چونکہ میں نے تھوڑی ہی دیر قبل اچھی طرح سیر ہو کر ناشتہ کیا تھا اس لئے میں نے ان کی تقلید نہیں کی۔

جب ان کھیتوں میں اکا دکا افراد باقی رہ گئے تو ایک نوجوان شخص نے دور سے اشارہ کر

کہ مجھے اپنی جانب بلایا۔ میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا تو وہ کھیتوں کے درمیان ایک دور افتادہ کنج کی طرف بڑھنے لگا۔ ذرا ہی دیر میں' میں نے اسے جا لیا۔

"تم وہی ہو نا جس کے قبضے میں ایک روح ہے؟" اس شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ بالکل غیرارادی طور پر۔

"سنو سردار اپی بہت بڑا مکار ہے۔" وہ جوشیلی آواز میں بولا۔ "لوگ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی زبان کھولتے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا نشہ بند نہ ہو جائے۔ سردار اپی نے پوری بستی کو نشے کا عادی بنایا ہوا ہے جن لوگوں سے وہ خاص کام لیتا ہے انہیں چوری چھپے عورتیں بھی دی جاتی ہیں۔ وہ پچھلے کئی برسوں سے اس بستی پر قابض ہے۔ یہاں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا ہے لیکن اس کے گرگے کہتے پھرتے ہیں کہ وہ روحوں کا حکمران ہے۔ اگر تم چاہو تو سردار اپی کا فریب ختم کر سکتے ہو۔"

"میں خود اس کو نہیں جانتا۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ میرا دوست اور ہمدرد ہے!" میں نے اپنے ذہن میں آئی ہوئی بات اس کے سامنے اگل دی۔

"اگر آج تم بستی والوں کو یقین دلا دو کہ تمہارے قبضے میں ایک روح ہے تو وہ سب آنکھیں بند کر کے تمہارے پیچھے ہو لیں گے۔ تمہیں ہماری مدد سے انکار نہیں کرنا چاہئے!"

"مگر میں تو خود یہاں اس کا قیدی ہوں!" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے ذہن پر غنودگی کا شدید دباؤ محسوس کیا۔ میرے لاشعور سے دو دہکتی ہوئی حیوانی آنکھیں ابھر رہی تھیں۔

"تم بزدل اور خود غرض ہو...!" میں اس کی زبان سے صرف اسی قدر سن سکا اور پھر تیورا کر کھیتوں کی نرم اور گیلی باڑھ پر گر گیا۔

اس کے بعد مجھے اس وسیع احاطے میں کئی دن گزر گئے۔ میں خاصی حد تک سمجھ چکا تھا کہ سردار اپی نے یہاں کیا گورکھ دھندا پھیلایا ہوا ہے لیکن میرے ذہن میں اس کی جانب سے باغیانہ خیالات جگہ نہ پا سکے۔

سردار اپی میری دانست میں کوئی صحرائی باشندہ نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں غیرانسانی کشش موجود تھی اور اسی کے سہارے اس نے اس بستی میں اپنے کچھ ہمنوا پیدا کر لئے تھے۔ پھر اس نے یہاں اپنا جال پھیلا کر نشہ آور چیزوں کے ذریعے آبادی کو اپنا مطیع کر لیا۔

اس کے بعد اس کے لئے یہاں افیون اور حشیش کی وسیع پیمانے پر کاشت کا کھلا موقع تھا چند ہی دنوں میں مجھے علم ہو چکا تھا کہ باہر سے آئے دن جیپوں میں لوگ ان کھیتوں میں آتے رہتے تھے اور منشیات کی بھاری مقدار ساتھ لے جاتے تھے مجھے یقین تھا کہ سردار اپی اس سودے کے عوض بھاری رقم اور مال حاصل کرتا ہو گا۔

اس سارے معاملے میں ایک بات میرے لئے تعجب خیز تھی' سردار اپی نے آخر مجھے اس چکر میں کیوں ملوث کیا تھا۔ اس احاطے میں ابھی تک مجھ سے کوئی کام نہیں لیا گیا تھا اور میں ہر وقت سردار اپی کے لئے احسان مندانہ جذبات محسوس کرتا تھا کیونکہ اس نے مجھے طوسیہ کے فریب سے نجات دلوائی تھی۔

وہ شاید گیارہواں دن تھا۔ باہر ہر طرف دودھیا چاندنی کا غبار پھیلا ہوا تھا۔ لڑکیاں اپنی اپنی کوٹھریوں میں جا چکی تھیں اور میں فرش پر بچھے ہوئے کمبل پر پڑا بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا کہ یک بیک میرے ذہن میں انجانی سی خلش سر ابھارنے لگی۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ خود پر قابو پا سکوں لیکن میری یہ خلش اتنی بڑھ گئی کہ میرے لئے لیٹے رہنا دشوار ہو گیا۔

آخر کار میں کسی نامعلوم قوت کے زیر اثر اپنی کوٹھری سے نکل کر کھیتوں کے درمیان سے گزرتا ایک طرف چل دیا۔ بظاہر میرا کوئی ارادہ نہیں تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

میرے بڑھتے ہوئے قدم اسی وقت رکے جب میرے سامنے احاطے کی دیوار حائل ہو گئی۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں وہاں رکا ہی تھا کہ اچانک فضا میں مانوس خوشبوئیں ابھرنے لگیں اور لحظہ بھر میں طوسیہ کا دلفریب پیکر چاندنی میں میرے روبرو آ موجود ہوا۔

طوسیہ پر نظر پڑتے ہی میرے دل و دماغ میں ہلچل سی برپا ہو گئی اس وقت اس کی جانب سے میرے دل میں ملے جلے جذبات ابھر رہے تھے جن میں بے پایاں محبت کے ساتھ ہی نفرت کا بھی امتزاج تھا' میں اس کے قریب جانا چاہتا تھا لیکن کوئی نامعلوم قوت مجھے اس سے دور رہنے پر اکسا رہی تھی۔

طوسیہ کا چہرہ بھی اس وقت گمبھیر نظر آ رہا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک میری جانب دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مجھ سے نفرت کرنے میں تمہارا قصور نہیں ہے حسین!" اس کے لہجے میں

ملال نمایاں تھا۔ "میری بدقسمتی سے تم ایک ایسے نابکار شخص کے چنگل میں آ پھنسے ہو جس کی آنکھوں میں پراسرار تاثیر ہے۔ وہ خود کو روحوں کا عامل ظاہر کر کے مدتوں سے اس بستی پر راج کر رہا ہے اور اس نے نہایت مکاری کے ساتھ تمہیں مجھ سے بدظن کر دیا ہے۔ اپنی دانست میں اس نے میرا دیا ہوا طلسمی مجسمہ تم سے چھین کر مجھے اپنے قبضے میں کر لیا ہے مگر اب اس کا حشر خراب ہونے والا ہے' آج تک وہ خود کو بستی والوں سے چھپائے رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بستی میں اس کے خلاف دبی دبی بغاوت سر ابھار رہی ہے۔ کل ... بستی میں ایک کھلا دربار لگا رہا ہے جہاں وہ پہلی بار خود موجود ہو گا۔ ... میرے ذریعے بستی والوں پر اپنی روحانی قوت کا رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ کل تم باہر نکلو اور اپنی آنکھوں سے اس کا حشر دیکھو!"

اتنا کہہ کر طوسیہ یک لخت غائب ہو گئی۔ میں خاصی دیر تک وہیں کھڑا رہا' پھر آہستہ آہستہ اپنی کوٹھری میں واپس آ گیا۔

اگلے دن میں نے اپنے اردگرد خاصی تبدیلی محسوس کی۔ لوگوں میں دبا دبا سا جوش پایا جا رہا تھا۔ دوپہر کے بعد تیزی کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ عمارت میں بھی نسبتاً سناٹا چھایا ہوا تھا۔

میں موقع پا کر تیزی کے ساتھ عمارت کی جانب بڑھنے لگا۔ وہاں کسی نے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ عمارت میں پہنچنے کے بعد میں کافی دیر تک مختلف کمروں اور روشن راہداریوں میں بھٹکتا رہا۔ پھر آخرکار نکاسی کی سمت میں پہنچ ہی گیا۔

سردار اپی کے اس پراسرار ٹھکانے سے میں خلاف توقع آسانی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ بستی کی روشنیاں مجھ سے خاصی دور تھیں لیکن میرے پاس کافی وقت تھا' اس لئے میں مناسب رفتار سے بستی کی جانب چل دیا تاکہ اپنی آنکھوں سے سردار اپی اور طوسیہ کا ٹکراؤ دیکھ سکوں۔

میں بستی میں پہنچا تو وہاں زبردست جوش و خروش پایا جا رہا تھا مرد اور عورتوں کی ٹولیاں پرشور آوازوں میں باتیں کرتی آبادی کے وسطی حصے کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

میں ان لوگوں کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔

آبادی کے درمیان ایک بہت بڑے میدان میں چند بڑے بڑے بلب روشن تھے۔

میدان میں بستی والے تیزی کے ساتھ جمع ہوتے جا رہے تھے اس میدان کے ایک سرے پر

کافی اونچا اسٹیج بنا ہوا تھا جس پر اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ میں وہاں موجود لوگوں کے درمیان گھومتا رہا۔ میرے اعصاب پر کھچاؤ سا طاری ہو چلا تھا۔ گو ابھی تک طوسیہ کے بارے میں میرے خیالات ہمدردانہ نہیں تھے مگر مجھے سردار اپی سے بھی لگاؤ نہیں رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ میدان ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھچا کھچ بھر گیا اور اسٹیج کے نیچے سردار اپی کے بہت سے گھوڑے سوار جمع ہوتے نظر آنے لگے۔

اچانک اسٹیج کے عقبی حصے سے کئی افراد اوپر آتے نظر آئے اور مجمع پر گہرا سناٹا چھا گیا۔ ان کے وسط میں وہی پستہ قامت سفید فام تھا جو افیون کے کھیتوں کے قریب واقع عمارت میں ایک بار مجھے نظر آیا تھا اس وقت بھی اس کی آنکھوں پر موٹے موٹے تاریک شیشوں کی عینک جمی ہوئی تھی۔

اسٹیج کے اگلے سرے پر آ کر عینک والے نے چند ثانیوں تک مجمع کا جائزہ لیا پھر شستہ مقامی زبان میں بولا۔ "سردار اپی آج خود تمہارے سامنے موجود ہے!"

وہی سرد اور بھرائی ہوئی آواز تھی اس کی جسے سن کر دو مرتبہ میرے ذہن پر خواب ناک سی دھند چھا گئی تھی۔ بستی والوں کے چہرے حیرت زدہ نظر آ رہے تھے۔ سردار اپی کی شخصیت کو یوں غیرمتوقع طور پر اپنے سامنے پا کر ان پر بے یقینی کی کیفیت طاری تھی۔

"میری قوتوں پر کچھ لوگوں کو شبہ ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد دوبارہ بولا۔ "میری معمول روحوں نے مجھے خبر دی ہے کہ بعض ذہنوں میں زہریلے خیالات پروان چڑھ رہے ہیں۔ سردار اپی تمہارے ذہنوں میں جھانکنے کی قدرت رکھتا ہے اور آج تم خود اپنی آنکھوں سے میری قوت کا مظاہرہ دیکھو گے۔"

اتنا کہہ کر اس نے اپنے لمبے سے لبادے کی ایک جیب سے کوئی چمکتی ہوئی چیز باہر نکالی جسے میں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا کہ وہ وہی طلائی بت تھا جو میں نے طوسیہ سے حاصل کیا تھا۔

"اب تم یہاں اپنی آنکھوں سے ایک روح کو دیکھو گے!" سردار اپی کی سرد اور بھرائی ہوئی آواز سناٹے میں گونج رہی تھی۔ "یہ وادی نیل کے حکمراں کی بیٹی کی صدیوں پرانی روح ہے اور میرے اشاروں کی غلام ہے!"

اتنا کہہ کر اس نے طلائی بت پر کسی چیز سے لکیر ڈالی۔ معاً آسمان کی جانب ایک ...

دھماکا بلند ہوا۔ میں نے بستی والوں کے ساتھ خوفزدہ نگاہوں سے اوپر دیکھا تو دہکتے ہوئے انگاروں کا ایک بہت بڑا گولا تیزی کے ساتھ نیچے اترتا ہوا نظر آیا۔

طوسیہ کے آنے کا یہ انداز میرے لئے بالکل نیا تھا لیکن بستی والوں کی حالت تو بہت ابتر تھی۔ انہوں نے جوں ہی وہ آتشیں گولا دیکھا وہ سب زیر لب کچھ بدبداتے ہوئے اپنی اپنی جگہوں پر سجدے میں گر گئے۔

"اٹھو۔۔۔ اور اپنی آنکھوں سے سردار اپی کی قوت کا مظاہرہ دیکھو!" اسٹیج سے بھرائی ہوئی تحکمانہ آواز ابھری۔

سب لوگ سہمے ہوئے انداز میں زمین سے اٹھ گئے۔

وہ آتشیں گولا ٹھیک اسٹیج کے اوپر آ کر ایک ہی مقام پر تیزی کے ساتھ گردش کرنے لگا۔ سردار اپی سر اوپر اٹھائے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک وہ گولا اسی جگہ معدوم ہو گیا اور سردار اپی کے سامنے فضا میں طوسیہ کا دلفریب پیکر معلق نظر آنے لگا۔

"اس میدان پر ایک چکر لگا کر پھولوں کی بارش برساؤ!" سردار اپی نے بلند آواز میں طوسیہ کے روحانی پیکر کو حکم دیا۔

طوسیہ نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں کانپ اٹھا۔ وہ اس وقت سخت غضبناک نظر آ رہی تھی۔

طوسیہ نے ایک نظر مجمع کو دیکھا پھر اس نے اپنا داہنا ہاتھ سردار اپی کی جانب بلند کیا۔ طوسیہ کی ہتھیلی سے چنگاریوں کی بوچھاڑ اڑ کر سردار اپی کے چہرے پر پڑی اور وہ بری طرح چیختا ہوا اسٹیج پر الٹ گیا۔

یہ دیکھتے ہی مجمع میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور سب لوگ دوبارہ زمین پر سجدے میں گر گئے۔

ادھر سردار اپی بوکھلا کر اسٹیج سے اٹھا ہی تھا کہ طوسیہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے فضا میں معلق کر دیا۔ سردار اپی کسی نامانوس سی زبان میں بری طرح چیخنے لگا۔

پھر سردار اپی کا معلق جسم آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہونے لگا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا حیرت بھری نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اوپر اٹھتے اٹھتے سردار اپی کا جسم کسی ننھے سے پرندے جتنا رہ گیا تو طوسیہ نے اپنے ہاتھ کو تیزی سے جھٹکا اور سردار اپی فضا میں قلابازیاں

کھاتا نیچے آنے لگا۔

اس پراسرار شخص کا بدن ایک پرشور دھماکے کے ساتھ چوبی اسٹیج پر گرا' سردار اپی کے حلق سے ابھرنے والی آخری چیخ بہت ہی دہشتناک تھی جس کے بعد اس میدان پر سناٹا چھا گیا۔ سجدے میں گرے ہوئے لوگ اپی کی اس ہولناک چیخ پر خوفزدہ ہو کر اچھل پڑے اور اس میدان میں افراتفری پھیل گئی۔ ان میں سے جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر ہی بھاگ لیا تھا۔ میں خود کو بمشکل اس یلغار سے محفوظ رکھ سکا سردار اپی کے گھڑ سوار بری طرح بوکھلا کر ہجوم کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے روندتے وہاں سے فرار ہو رہے تھے۔

اچانک طوسیہ فضا میں تیرتی ہوئی تیزی کے ساتھ میری جانب آئی اور میں اس کے پیچھے پیچھے ایک طرف دوڑنے لگا۔ طوسیہ کے ہیولے کو دیکھ کر لوگ خود بخود میرے لئے راستہ چھوڑتے جا رہے تھے۔

میدان کا ایک طویل چکر کاٹ کر میں طوسیہ کے ہمراہ اسٹیج کے عقب میں پہنچا۔ یہاں کئی تندرست مشکی گھوڑے موجود تھے۔ میں پھرتی کے ساتھ ایک گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا۔

"جبرین سے چھڑائی ہوئی لڑکیوں کا کیا بنے گا طوسیہ؟" میں نے مڑ کر اس سے پوچھا۔

"فکر نہ کرو۔ اس بستی کی عورتیں بہت خونخوار ہیں وہ خود ہی انہیں صلامہ تک پہنچا دیں گی' سردار اپی کے کھیت بھی ان سے نہ بچ سکیں گے!"

میں نے فوراً ہی اپنے گھوڑے کی راسیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور وہ تیزی کے ساتھ صحرا کی جانب دوڑنے لگا۔ طوسیہ کا پیکر میرے روانہ ہوتے ہی غائب ہو چکا تھا۔

سردار اپی کی غیرمتوقع موت کے بعد بھی رہ رہ کر مجھے اس کی خوفناک آنکھیں یاد آ رہی تھیں لیکن اب میرا ذہن ان کی گرفت میں نہیں تھا اور نہ ہی میرے ذہن میں طوسیہ کی جانب سے باغیانہ خیالات سر ابھار رہے تھے۔ کیونکہ فتنے کی جڑ ہی مٹ چکی تھی۔

کئی گھنٹوں کی طویل مسافت کے بعد صحرا میں ایک طرف ننھے ننھے روشن نقطے ٹمٹماتے نظر آئے اور میں نے گھوڑے کو اسی سمت میں ڈال دیا۔

خیموں پر مشتمل اس آبادی کے باہر آوارہ کتوں نے میرا استقبال کیا۔ مگر میں ان کی پرواہ کئے بغیر آگے ہی بڑھتا رہا۔ بستی میں پہنچا تو کتوں کا شور سن کر کئی صحرائی باشندے

غنودگی کے خمار سے بوجھل آنکھیں لئے اپنے خیموں سے باہر آ چکے تھے۔

میں نے انہیں بتایا کہ میں صحرائی قزاقوں کے حملے سے جان بچانے کی کوشش میں اپنے کارواں سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گیا ہوں' اور روشنیاں دیکھ کر ادھر آ نکلا ہوں۔

وہ صحرائی خانہ بدوش تھے۔ انہوں نے میری فرضی کہانی سن کر مجھے اپنے یہاں پناہ دے دی۔

میرے انکار کے باوجود انہوں نے مجھے اچھی طرح کھانا وغیرہ کھلایا اور ایک خیمے میں لگا ہوا بستر میرے حوالے کر دیا۔

گزرے ہوئے بھیانک واقعات کا تصور اس قدر لرزہ خیز تھا کہ شاید ساری رات مجھے نیند نہ آتی مگر سفر کی تکان سے نڈھال ہو کر میں تھوڑی ہی دیر میں سو گیا۔

رات میں کسی وقت اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یوں معلوم ہوا جیسے کوئی مجھے جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا تو مشعل کی روشنی میں طوسیہ کو اس خیمے میں موجود پایا۔

"یہ نقشہ لو۔" طوسیہ نے دبی دبی آواز میں یہ کہتے ہوئے صندلیں کلیسا کا چری نقشہ میرے آگے ڈال دیا۔ "میں منزل کا تعین کر چکی ہوں' تم جلد از جلد یہاں سے نکل چلو۔ اس مقام سے صحرا میں شمال کی جانب تیرہ کوس کی مسافت کے بعد ایک بستی کے کھنڈر آئیں گے۔ وہاں میں دوبارہ تم سے ملوں گی اب بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے' مانیٔی مرنے کے بعد بھی میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس کی بدروح ہر قدم پر ہمارے آڑے آئے گی۔"

"مانیٔی!" میرے منہ سے ایک طویل سانس نکلی۔ "یہ تو واقعی تمہارا ازلی دشمن معلوم ہوتا ہے طوسیہ' کیا تم اس سے ہمیشہ کے لئے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتیں؟"

"سب کچھ ہو گا' لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت تم یہاں سے نکل چلو تاروں بھری رات میں تمہارا سفر آرام سے کٹ جائے گا قطبی ستارہ اس وقت تمہاری بہترین رہنمائی کرے گا۔"

پھر میں طوسیہ کے بے وجود پیکر کے ہمراہ اس خیمے سے باہر نکل آیا۔

گو خانہ بدوشوں کی اس بستی میں میرا گھوڑا موجود تھا لیکن طوسیہ نے مجھے مشورہ دیا کہ صحرائی سفر کے لئے اونٹ ہی مناسب رہے گا۔

صحرا کی خنک رات کے طلسماتی سکوت میں' میں نے اس بستی سے ایک اونٹ حاصل کیا اور اس پر سوار ہو کر بستی سے باہر نکل آیا۔

شمالی کھنڈرات کی جانب سفر طے کرتے ہوئے میرے ذہن میں رہ رہ کر مانیٔی اور سردار اپی کا خیال آ رہا تھا۔ میں نے جبرین میں مانیٔی کو سسکا سسکا کر اپنے ہاتھوں سے ختم کیا تھا اور اپنی دانست میں یہ سمجھ لیا تھا کہ اس موذی فتنے سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی ہے لیکن وہ مر کر بھی میرا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ دوسری طرف عجیب و غریب سردار اپی تھا جو میری بدقسمتی سے مجھ پر حاوی آ گیا تھا اور میں اس کی دہکتی ہوئی حیوانی آنکھوں کے سحر کا شکار ہو کر اپنی پیاری طوسیہ سے نفرت کرنے لگا تھا لیکن وہ پراسرار شخص جتنی تیزی کے ساتھ مجھ پر غالب آیا تھا اس سے کہیں سرعت کے ساتھ اس کا قصہ نمٹ گیا تھا۔

میں اسی ادھیڑ بن میں شمال کی جانب بڑھتا رہا اور جب صبح کا ابتدائی دھندلکا نمودار ہونے میں تھوڑی دیر باقی رہ گئی تو مجھے اپنے سامنے شکستہ کھنڈرات کے تاریک سائے نظر آنے لگے۔ صحرا کے سینے پر وہ خاموش کھنڈر دور ہی سے ہیبت ناک لگ رہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے بہت سے دیوپیکر عفریت اپنی بے نام محرومیوں پر سر جوڑے اداس کھڑے ہوں۔

میں نے پتھریلی عمارتوں کے کہن سال کھنڈرات کے باہر اپنا اونٹ باندھ دیا اور خود اندر داخل ہو گیا۔ تاحد نظر پھیلی ہوئی ادھڑی ہوئی دیواروں پر گری ہوئی چھتوں اور کرم خوردہ در و دیوار کے وہ کھنڈرات اپنی زبان حال سے ماضی کے ایک عظیم الشان شہر کی کہانی سنا رہے تھے جہاں کسی دور میں زندگی کی حرارت آگیں رعنائیاں اپنا نکھار دکھاتی رہی ہوں گی۔

میں تاروں کی خنک چھاؤں میں ان کھنڈرات کا جائزہ لیتا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک جانب سے ہلکی سی آہٹ سنائی دی اور میں بری طرح اچھل پڑا۔

ابھی میں ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک دیوار کی اوٹ سے سیاہ رنگ کا ایک کافی بڑا اور دلکش بلا اپنی نرم نرم دم ہلاتا میری جانب آنے لگا۔

میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا خوبصورت اور صحت مند بلا نہیں دیکھا تھا اس کے پورے جسم پر لمبے لمبے چمکیلے سیاہ بال ریشم کی طرح چمک رہے تھے اور اس کی نہ جھپکنے والی بلوریں آنکھیں روشن دیوں کی طرح میری جانب نگران

تھیں۔

وہ مجھ سے خوف زدہ ہوئے بغیر نہایت پیار کے ساتھ میرے قریب آیا اور اپنے حلق سے رحم انگیز آوازیں نکالتا میرے قدموں میں لوٹنے لگا۔

اس بلے کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پالتو جانور انسانوں کا صحبت یافتہ ہے اور شاید مدتوں بعد اس نے ان ویران کھنڈرات میں کسی انسان کا دیدار کیا ہے۔ میں بے اختیار نیچے بیٹھ کر اس کے بدن پر ہاتھ پھیرنے لگا اور وہ اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ کر میرے قدموں میں لیٹ گیا۔

پھر اس نے حلق سے دھیمی سی آواز نکال کر میری جانب دیکھا اور یک بیک میں پھریری لے کر رہ گیا۔ میرے لاشعور سے خوف کی ایک شدید لہر ابھری اور اس کی جلد پر پھسلتا ہوا میرا ہاتھ یکبارگی رک گیا۔ وہ بلا اب بے حس و حرکت میرے قدموں میں پڑا میری طرف گھورے جا رہا تھا۔

پھر اس سے قبل کہ میں اپنی چھٹی حس کی تنبیہہ قبول کر کے اس کے قریب سے ہٹتا اس نے ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ لیٹے لیٹے جست لگائی اور میرے شانے پر سوار ہو کر پشت میں اپنے نکیلے دانت پیوست کر دیئے۔

اس کا یہ حملہ اتنا بھرپور اور اچانک تھا کہ میں بری طرح چیختا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا لیکن اتنی ہی دیر میں وہ اپنے پنجوں سے میرا شانہ بری طرح ادھیڑ چکا تھا۔

ایک بظاہر بے ضرر اور پالتو جانور کے اس وحشیانہ رویئے پر میں بری طرح دہشت زدہ ہو چکا تھا۔ وہ میری پشت پر سوار کسی آدم خور درندے کی طرح غرا غرا کر اپنے پنجوں اور دانتوں سے میری جلد ادھیڑے ڈال رہا تھا۔ میں نے قدرے جھک کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے دبوچ کر کسی نہ کسی طرح اپنی پشت سے کھینچا اور پوری قوت سے ایک شکستہ دیوار پر دے مارا۔

اس بلے نے کریہہ چیخ ماری اور پھر بپھرے ہوئے انداز میں دوبارہ میری طرف جھپٹا۔ اس وقت اس کا سارا جسم کسی غبارے کی طرح پھولا ہوا تھا اور اس کی گردن کے بال سخت کانٹوں کی طرح سیدھے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ زمین پر کسی زندہ گیند کی طرح تیزی سے لڑھک رہا تھا۔

میں فوراً ہی ان ویران کھنڈرات میں ایک طرف دوڑ پڑا میں جانتا تھا کہ وہاں کوئی میری مدد کو نہ آ سکے گا۔ بس یہی ہو سکتا تھا کہ طوسیہ فوراً ہی وہاں آ پہنچتی۔ وہ یقیناً مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتی تھی۔

گو میں اس وقت اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا لیکن وہ سیاہ بلا دو تین ہی جستوں میں میرے سر پر آ پہنچا اور اچھل کر میری پنڈلی سے لپٹ گیا۔

جان بچنے کی کوئی صورت سامنے نہ پا کر میں بدحواسی کے عالم میں اس کے مقابلے پر تل گیا اور کسی نہ کسی طرح ایک بار پھر اسے خود سے دور دھکیل دیا۔

اس کے بعد وہ پینترے بدل بدل کر مجھ پر جھپٹتا رہا۔ لیکن میں بھی اپنی جان کو خطرے میں پا کر دیوانہ وار مقابلے پر اتر آیا تھا۔ میں نے اس پر بے تحاشا پتھر اور لاتیں برسائیں لیکن وہ خونخوار بلا کسی طرح ہمت ہارتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تا جیسے اس کے بدن میں کوئی خبیث بدروح حلول کر چکی ہو۔

ایک مرتبہ پھر میرا پھینکا ہوا پتھر اس بلے کی پیشانی پر پڑا اور وہ اپنی جگہ سے کئی گز اوپر اچھل گیا۔ تیز اور غصیلی غراہٹوں کے ساتھ وہ زمین پر گرا تو بری طرح تڑپنے لگا۔

"یہ تم نے بہت برا کیا نوجوان!" اچانک میرے عقب سے ایک کھردری انسانی آواز ابھری۔

"میں پیچھے پلٹا تو ایک کوزہ پشت اور کریہہ صورت شخص بھونڈے سے انداز میں دوڑتا ہوا اس بلے کی جانب چلا آ رہا تھا۔

وہ بہت ہی بدہیئت شخص تھا۔ اس کا رنگ کچھ ایسا تھا جیسے اس کی ساری جلد بری طرح جل کر سفید ہو گئی ہو۔ آنکھیں باہر کو ابلی ہوئی اور ورم آلود نظر آ رہی تھیں۔ اس کے جسم پر عجیب وضع کا سیاہ لباس تھا جس میں اس کے دونوں بازو اور ٹانگیں برہنہ نظر آ رہی تھیں۔ اس کے بازو بہت ٹھوس اور کسرتی تھے لیکن ٹانگیں تو بالکل سوکھی ہوئی شاخوں سے مشابہ لگ رہی تھیں وہ جس طرح اچھل اچھل کر دوڑ رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ دوسری سے قدرے چھوٹی ہے۔

وہ تڑپتے ہوئے بلے کے نزدیک زمین پر جھکا اور بڑی محبت کے ساتھ اس زخمی بلے کو اپنے سینے سے لگا کر بے تحاشا چومنے لگا۔

میں اپنے دل میں اس شخص کی جانب سے خوف اور کراہت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے کئی مرتبہ اپنے لٹکے ہوئے بدوضع ہونٹوں سے بلے کے زخم کو بھی چوما اور اس کے خون آلود ہونٹ کسی آدم خور کا تصور اجاگر کرنے لگے۔

وہ بلا اس کے بازوؤں اور سینے کے درمیان دبکا یوں ہولے ہولے آوازیں نکالتا رہا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کی چھاتیوں سے لپٹ کر منمناتا ہے۔

"جاؤ....! میں ابھی آتا ہوں۔" اس شخص نے بلے کو آخری بوسہ دے کر یہ کہتے ہوئے آہستگی سے زمین پر اتار دیا اور وہ سیدھا ایک طرف ہو لیا۔

اس شخص کا ہاتھ لگتے ہی وہ بلا حیرت انگیز طور پر صحت مند ہو چکا تھا اور اس کے زخم سے بہنے والی خون کی دھار بھی بند ہو چکی تھی۔

میں دہشت اور سکتے کے عالم میں کھڑا ہوا اس بدوضع اور ہیبت ناک شخص کو گھور ہی رہا تھا کہ وہ پلٹ کر اچکتا ہوا میری طرف آیا۔

"تت.... تم کون ہو؟" میں نے غیرارادی طور پر پیچھے سرکتے ہوئے اس کبڑے سے پوچھا۔

وہ زور سے قلقاری مار کر ہنسا۔ "کمال ہے تو مجھے نہیں جانتا' مجھ سے تو روئے زمین کا بچہ بچہ واقف ہے!" یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر آ کر رک گیا۔ اور مضحکانہ انداز میں مجھے گھورنے لگا۔

"وہ بلا تمہارا تھا۔" میں نے اپنے ہونٹ تر کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہاں--- نیا ہی آیا ہے میرے قبضے میں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "تو نے اسے زخمی کر کے بہت برا کیا۔"

"اگر میں اسے زخمی نہ کرتا تو وہ مجھے مار ہی ڈالتا۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا بلا بہت خونخوار اور وحشی ہے۔"

"تو سمجھتا ہے کہ اب وہ تجھے نہ مار سکے گا!" اس بدوضع کبڑے کا لہجہ طنزیہ تھا۔

یہ سن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس طرح وہ شخص مجھے جو کچھ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا وہ بہت ہی دہشت ناک تھا۔

"تت.... تمہارا مطلب ہے کہ تمہارا بلا مجھے قتل کر دے گا۔" میری آواز حلق میں

پھنسنے لگی۔

"تو اتنی رات گئے ان کھنڈرات میں کیا کرتا پھر رہا ہے؟" اس کبڑے کی کھردری آواز یک بیک کرخت بھی ہو گئی۔

"میں صحرا میں راستہ بھٹک گیا تھا' تھک کر یہاں رک گیا۔"

"اور آرام کر کے چلا جائے گا۔" اس نے زہریلے لہجے میں لقمہ دیا۔

"ہاں.... ہاں۔" میں نے بوکھلا کر اس کی تائید کی۔

"کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں.... آں۔" میں سٹپٹا کر رہ گیا۔

اس کبڑے نے اپنے خون آلود ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں قدرے صاف کیا اور چند ثانیوں تک مجھے گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ "یہ سچ ہے تو پھر ایسا ہی ہو گا۔ تو یہاں جس مقصد سے آیا ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا' تو انتظار کرتا رہے گا مگر طوسیہ نہ آئے گی اور آئے گی تو میرے پاس!"

اس کی زبان سے طوسیہ کا نام سن کر میں چونک پڑا۔

"جہاں میں ہوتا ہوں وہاں روحوں کا گزر نہیں ہوتا!" وہ یہ کہتے ہوئے چند قدم چلا۔ میں سکتے کے عالم میں اسے گھورے جا رہا تھا کہ اچانک وہ فضا میں تحلیل ہو گیا۔

میرے بدن کے تمام مساموں نے یک بیک اپنے دہانے کھول دیئے۔ میری ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں اور مجھے اپنی کھوپڑی خلا میں معلق محسوس ہو رہی تھی۔

نہ جانے وہ سیاہ بلا کہاں سے آیا تھا۔ وہ مکروہ کبڑا کون تھا۔ معاً میرے ذہن میں طوسیہ کے الفاظ نے سر ابھارا۔ مانینی مر چکا تھا مگر اس کی بدروح میری اور طوسیہ کی راہ پر لگی ہوئی تھی' تو کیا مانینی ہی اس کبڑے کے روپ میں ان کھنڈرات میں پہنچا تھا۔

میں چند ثانیوں سے زیادہ دیر تک یکسوئی کے ساتھ نہ سوچ سکا اور مجھے ان کھنڈرات سے سخت وحشت سی ہونے لگی۔ اسی وقت رات کے سناٹے میں کسی اونٹ کی بلبلاہٹ سنائی دی۔ میں وہاں رکنے کا حوصلہ نہ کر سکا اور لرزتے قدموں کے ساتھ اس طرف واپس لوٹنے لگا جہاں میں نے اپنا اونٹ باندھا تھا۔

کھنڈرات کے سناٹے میں اونٹ کی چیخیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ بظاہر ایسا

معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی میرے اونٹ کو بڑی بے رحمی سے پیٹ رہا ہو۔

آخری دیوار کی اوٹ سے نکلتے ہی ایک خوفناک منظر میرے سامنے تھا۔ کھنڈروں کے اختتام پر بوسیدہ ستون سے بندھا ہوا میرا اونٹ دہشت سے چیختا ہوا اور اچھلے جا رہا تھا اور وہی سیاہ بلا اچھل اچھل کر اسے لہولہان کئے دے رہا تھا۔ اس بار وہ کسی بندر کی سی پھرتی سے چھلانگیں لگا رہا تھا۔

میں نے اپنے ہاتھ میں ایک گری ہوئی دیوار کے ملبے کی اینٹ اٹھائی اور تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ یہ صحرائی کھنڈرات میرے لئے سخت دہشت ناک ثابت ہو رہے تھے اور یہاں سے نکلنے کے لئے اس اونٹ کے سوا میرے پاس کوئی سواری نہیں تھی - لہٰذا میں ہر قیمت پر اسے خونخوار بلے سے بچانا چاہتا تھا۔ اتنا تو مجھے پہلے بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ اس بلے کو شدید طور پر زخمی کئے بغیر اسے مفلوج کرنا ناممکن ہے۔

جوں ہی میں بلے کے قریب پہنچا وہ میری آہٹ پا کر ہوشیار ہو گیا۔ اس نے سر گھما کر میری جانب دیکھا اور غصیلی غراہٹ کے ساتھ چھلانگ لگا کر اونٹ کی گردن پر جا سوار ہوا۔

میں نے اضطراری طور پر وہیں سے پتھر مارا لیکن اونٹ کی اچھل کود کے باعث نشانہ خطا گیا۔ ادھر اونٹ پتھریلے ستون سے بندھی ہوئی مہار تڑانے کی کوشش میں شدید زخمی ہو چکا تھا۔ اب جو اس بلے نے اونٹ کی گردن میں اپنے دانت پیوست کئے تو وہ اتنی کربناک آوازوں میں بلبلایا کہ میں کانپ کر رہ گیا اور اس سے قبل کہ میں اونٹ کے نزدیک پہنچتا وہ اپنی مہار تڑا کر ایک طرف بھاگ نکلا۔ وہ سیاہ بلا تیزی کے ساتھ اس کی گردن نوچ نوچ کر شہ رگ چبا ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

میں کھنڈرات سے نکل کر تیزی کے ساتھ اونٹ کے پیچھے دوڑا لیکن کافی دور تک بھاگنے کے باوجود میں اس تک نہ پہنچ سکا۔ زندگی اور موت کی جاں گسل کشمکش میں پھنسا ہوا وہ مسکین چوپایہ بہت تیزی کی ساتھ صحرا کی خنک وسعتوں میں پھیلی ہوئی تاریکی میں مدغم ہوتا جا رہا تھا۔

کئی فرلانگ تک دوڑتے رہنے کے بعد آخرکار میں تھک کر رک گیا۔ میری پشت اور شانے بری طرح زخمی تھے اور سانس سینے میں سمانا مشکل ہو رہا تھا۔ آخرکار میں ہانپتا ہوا اسی جگہ بیٹھ گیا۔

تقریباً دس پندرہ منٹ تک اس آفت رسیدہ اونٹ کی لرزہ انگیز چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ اور آخرکار صحرا کے ابدی سکوت نے ان آوازوں کو نگل لیا۔ شاید ہمیشہ کے لئے۔

میں نے ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر بیٹھے بیٹھے پیچھے سر گھمایا' تاریک کھنڈرات پر بدستور موت کا سناٹا حکمران تھا۔ میں اس طرف دیکھتا رہا اور سفید جلد والے بدہیئت کیڑے کے بارے میں سوچتا رہا جو مینڈک کی طرح اپنی غیر متوازن سوکھی سوکھی ٹانگوں پر اچھل کود کر چلتا تھا اور دھوئیں کے مرغولوں کی طرح فضا میں تحلیل ہو جانے کی پراسرار قوت کا مالک تھا۔

پھر اچانک میرے نزدیک ہلکی ہلکی مانوس خوشبو ابھری میں چونک کر پلٹا تو طوبیہ کا ہیولا میرے سامنے موجود تھا۔ اس کے حسین چہرے پر تازگی اور شگفتگی کے بجائے بے رونقی نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں سے دبے دبے غم اور محرومی کا احساس نمایاں تھا۔

"طوبیہ.... تم اداس ہو' کیا بات ہے؟" بنت نیل کی حالت دیکھ کر میں اپنی افتاد اور اپنے زخم فراموش کر بیٹھا اور دل میں درد کی ایک ٹیس سی اٹھنے لگی۔

"ہاں میں اداس ہوں حسین!" وہ ایک سرد سانس لے کر بولی۔ "کیونکہ اداسی شاید میرا مقدر ہے' خوشی مجھے آج تک راس نہیں آئی ہے۔ ہر خوشی کے پردے میں ایک صدمہ میرا منتظر ہوتا ہے!"

"کیوں' کیا ہوا؟" بے اختیار میری زبان سے نکلا۔

"میں اب شیطان کی پجارن بن چکی ہوں حسین!" وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "میں ایک بہت بڑے فریب کا شکار ہوئی ہوں!"

"شیطان کی پجارن؟"" میرے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ہاں حسین!" وہ دھیمے سے بولی۔ "میں ان کھنڈرات میں پہنچی تو وہاں تم موجود تھے....!"

"نہیں نہیں.... وہ کوئی اور رہا ہو گا طوبیہ!" اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی میں بول پڑا۔

"ہاں.... وہ شیطان تھا مگر تمہارے بہروپ میں اس نے مجھ سے تمہارے ہی انداز میں محبت بھری باتیں کیں اور پھر اپنے لبادے سے ایک ایسی چیز نکال کر مجھے کھانے کے لئے پیش کی جو مجھے نہیں کھانی چاہئے تھی۔ میں اس چیز کو نہ پہچان سکی اور تمہاری خواہش کے

احترام کے دھوکے میں اسے کھا گئی۔ جوں ہی میں نے وہ چیز کھائی وہ شخص تمہارے بجائے اپنے اصل روپ میں آ گیا۔ اب میں اس کی غلام ہوں' اس کی پجارن!"

"کہیں وہ کبڑا تو نہیں تھا!" میں نے نقاہت آلود لہجے میں پوچھا۔

طوسیہ نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے شیطان کا جو حلیہ بیان کیا وہ ہوبہو اسی کبڑے کی تصویر پیش کرتا تھا جس نے زخمی بلے کا علاج کیا تھا۔

"میں بھی اس سے ٹکرا چکا ہوں۔" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور اپنی ساری روداد اسے سنا ڈالی۔

"تم مجھے بھول جاؤ حسین!" وہ آخر میں مایوسانہ لہجے میں بولی۔ "میں ایک جال میں پھنس چکی ہوں۔"

"مگر تم روح ہوتے ہوئے بھی اس کے قابو میں آ گئیں طوسیہ!"

"مردہ روحوں پر شیطان کا وار کارگر نہیں ہو سکتا' مگر میں ابھی زندہ ہوں۔ زندہ روحیں عام انسانوں کی طرح بہکائی جا سکتی ہیں۔"

"تم جانتی ہو طوسیہ کہ میں اب تمہیں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ تم نے صدیاں انتظار کے کرب میں گزاری ہیں۔ میں ہر قیمت پر تمہارا جسم اس صندلیں کلیسا سے حاصل کروں گا۔" میں نے پرجوش آواز میں کہا۔

"اب اس کے لئے بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں حسین!" وہ رحم انگیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میرا جسم اب شیطان کے ذریعہ کسی بھی وقت مجھے واپس مل جائے گا۔ شیطان اپنے پجاریوں کی ضرورت خود پوری کرتا ہے۔ ان کو خواہشوں کے سراب کا پیچھا نہیں کرنا پڑتا۔"

"لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا طوسیہ!"

"یہ میری تم سے آخری ملاقات ہے حسین!" وہ بولی۔ "پروردگار کی بارگاہ سے دھتکارے ہوئے اس سرکش فرشتے نے اس وقت بھی محض ترغیب کے لئے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں خود نہیں آئی ہوں۔ اگر تم شیطان کے پجاری بن جاؤ تو میں تمہاری ہو سکتی ہوں ورنہ میرا نام زندگی بھر کے لئے ایک نقش بن کر تمہارے ذہن پر چھایا رہے گا۔ اور میں جانتی ہوں کہ تم یہ شرط منظور نہیں کرو گے!"

بے اختیار میرا دل بھر آیا۔ میں نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آخر یہ لعین کس طرح ہمارے درمیان آ گیا طوسیہ؟"

"مانیئی!" اس کی زبان سے یہ سنتے ہی میں چونک پڑا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "تم جانتے ہو نا کہ مانیئی کو بہت سی پراسرار قوتیں حاصل تھیں جس سے نہ صرف جوبا بلکہ سب قزاق خائف رہتے تھے۔ یہ قوتیں عام مجوسی پروہتوں کو حاصل نہیں ہوتیں۔ تم نے دیکھا کہ مانیئی کا جانشین کتنی بے بسی کے ساتھ میرے ہاتھوں مارا گیا۔ مگر مجھ پر مانیئی کی گرفت غیر متزلزل تھی۔ یہ مجھے ابھی شیطان ہی سے معلوم ہوا ہے کہ مانیئی دراصل شیطان کا پجاری تھا۔ اس نے شیطان سے اپنی روح کا سودا کیا ہوا تھا۔ اس کے پجاریوں کی موت کے بعد بھی وہ روحیں اس کی غلام رہتی ہیں۔ شیطان آگ سے پیدا کئے جانے کے فخر کی ہی وجہ سے آسمانوں سے زمین پر پھینکا گیا تھا اور اسے ہمیشہ سے بدعقیدہ آتش پرستوں سے محبت ہے۔ مانیئی بظاہر آتش پرست تھا لیکن وہ شیطان کا چہیتا پجاری تھا۔ جب وہ ذلت اور رسوائی کا شکار ہو کر کسمپرسی کے عالم میں مارا گیا تو اس کی روح انتقام پر تل گئی اس کی خواہش پر شیطان میری راہ پر لگا اور اب میں اس کے چنگل میں پھنس چکی ہوں۔ مانیئی کی روح کو اس نے ایک سیاہ خونی بلے کے جسم میں قیام کی اجازت دیدی ہے اور کھنڈرات میں یقیناً اسی نے تمہیں زخمی کیا ہو گا۔ مانیئی تم سے اپنا انتقام خود لینا چاہتا ہے اور تمہیں غافل پا کر وہ ایسا کر بھی سکتا ہے لیکن میں ایک روح ہوں۔ مجھ کو زیر کرنا مانیئی کے بس میں نہیں ہے۔ اسی لئے شیطان کو خود میرے سامنے آنا پڑا۔ مگر تم ہوشیار رہنا حسین۔ مانیئی شیطان کی پشت پناہی سے اسی سیاہ بلے کے روپ میں تم سے اپنا انتقام لے گا اور میں اپنا جسم واپس مل جانے کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گی!" آخر میں طوسیہ کی آواز پر رقت غالب آ گئی۔

"میں امتحان میں پڑ گیا ہوں طوسیہ!" میں کمزور لہجے میں بولا۔ "مجھے مانیئی کے انتقام کی پرواہ نہیں۔ اگر میں شیطان کا پجاری بن بھی جاؤں تو شاید اس سے چھٹکارہ نہ مل سکے گا۔ مگر تم کو بھول جانا میرے بس میں نہیں ہے۔"

"شیطان کا پیغام میں نے تمہیں پہنچا دیا حسین!" وہ بولی۔ "گو اب مجھ پر تم سے ملنے کی پابندی ہے لیکن جذبوں کو ختم کرنا اتنا سہل نہیں ہے۔ تم میرے محبوب ہو اور میں تمہیں بتاتی ہوں کہ آزادی کی زندگی ایک نعمت ہے تم جو فیصلہ کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔ ایسا نہ

ہو کہ اس وقت مجھے یوں سامنے پا کر جذباتی بہاؤ میں تم اپنی آزادی کا سودا کر بیٹھو اور بعد میں عمر بھر اس پر پچھتاتے رہو۔"

میں کچھ نہ بولا۔ بس کھوئی کھوئی نظروں سے اس کو گھورتا رہا۔

اس وقت فضا میں صبح کا ابتدائی اجالا پھیل چلا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکوں میں عجب تازگی رچی ہوئی تھی مگر میرا بدن زخمی اور ارادے نڈھال تھے۔ میری محبت قفس کی قیدی بن چکی تھی۔ اب یا تو مجھے بھی اس قفس میں قدم رکھنا تھا یا اسے ہمیشہ کے لئے بھول جانا تھا فیصلہ اہم تھا۔ مگر میرا ذہن مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ اچانک میرے عقب سے ایک خوفناک غراہٹ ابھری۔

میں گھبرا کر پیچھے گھوما تو وہی خونی بلا موجود تھا اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک کوند رہی تھی۔ وہ خود پوری طرح چاق و چوبند تھا مگر اس کا بدن خون میں نہایا ہوا تھا۔ اور اس خون میں جا بجا بھورے بال اور گوشت کے لوتھڑے چپکے ہوئے تھے۔ غالباً وہ میرے اونٹ کو بے رحمی کے ساتھ ہلاک کرنے کے بعد ہی میری جانب واپس لوٹا تھا۔

ایک ثانئے کے لئے میری پلک جھپکی اور وہ خونخوار بلا غرا کر مجھ پر آ پڑا۔

اسی وقت میرے کانوں میں طوسیہ کی ترحم آمیز آواز آئی۔ "ہمیشہ کے لئے الوداع حسین' میں جا رہی ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنے سے ضرور معذور ہوں مگر یہ خونیں کھیل دیکھنے پر مجبور نہیں.... الوداع!"

اس وقت نہ مجھے طوسیہ کو روکنے کا ہوش تھا نہ اسے الوداع کہنے کا کیونکہ وہ بلا آتش انتقام میں جل رہا تھا۔ اور بے خطر ہو کر میری ٹانگوں سے لپٹ پڑا تھا۔ اس کے دانت اور پنجے میری جلد ادھیڑ کر ہڈیوں پر خراشیں ڈالنے لگے۔

میں اس بھرپور وار کے مقابلے میں چند سیکنڈ سے زیادہ دیر تک کھڑا نہ رہ سکا۔ لڑکھڑا کر ریت پر گرتے ہوئے میں نے ایک طرف کھڑے ہوئے خوفناک اور کریہہ صورت کبڑے کو دیکھا وہ بڑے آسودہ انداز میں یہ خونیں مقابلہ دیکھ رہا تھا۔

صحرا کے اس ویران حصے میں اس وقت میں تھا اور سیاہ خونیں بلا' یا پھر وہ خوفناک کبڑا۔ طوسیہ مجھے ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر جا چکی تھی۔ نئی منزل اور نئے مسکن کی تلاش میں۔

میرے ریت پر گرتے ہی وہ بلا تیز چیخ مار کر میری پنڈلیاں اور [illegible] میرے سینے

پر چڑھ آیا اور میں دونوں ہاتھوں سے اسے اپنی شہ رگ سے دور رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک طرف وہ طاقتور اور وحشی بلا میرے سینے کو ادھیڑ کر میری گردن چبا ڈالنے کے لئے بار بار تیز حملے کر رہا تھا اور دوسری طرف میری پشت کے زخموں میں گھسنے والی صحرائی ریت مجھے تڑپائے دے رہی تھی۔

زندگی اور موت کے اس دوراہے پر اتنی بدحالی کے باوجود نہ جانے کہاں سے میرے جسم میں وحشیانہ قوت عود کر آئی تھی اور میں ہر بار اس بلے کو اپنے سینے سے دور دھکیلے جا رہا تھا۔

ایک بار جوں ہی میں نے اس بلے کو اپنے سینے سے اچھال کر ریت پر پھینکا' قریب کھڑا ہوا کبڑا پوری قوت سے غصیلی آواز میں چیخ پڑا۔

"نامنی.... کیا ایک اونٹ نے تجھے اس قدر ناکارہ کر دیا ہے؟"

اپنے آقا کی یہ للکار سنتے ہی وہ سیاہ خونی بلا جست لگا کر میرے سر کی جانب پہنچا اور میرے اٹھنے سے قبل ہی میرا چہرہ عبور کر کے گردن پر سوار ہو گیا اور میری آنکھوں کے سامنے موت کے طاغوتی سائے ناچنے لگے۔

اس سیاہ خونی بلے نے میرا چہرہ ادھیڑ کر میری گردن پر اپنے پنجے جمانے چاہے' ایک ثانئے کے لئے تو میری نگاہوں کے سامنے موت کا اندھیرا چھا گیا مگر میں جانتا تھا کہ اس وقت کی ذرا سی غفلت مجھے کربناک موت کی دلدل میں پھنسا دے گی۔

میں نے اپنی تمام تر جسمانی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ اس بلے کے کھلے ہوئے جبڑوں کے درمیان اتنی قوت سے ٹھونس دیا کہ وہ بوکھلا کر غراتا ہوا مجھ پر سے اتر گیا۔

بلے کی اس وقتی بوکھلاہٹ سے اس بار مجھے اتنی مہلت مل گئی کہ میں زمین سے اٹھ گیا۔ وہ بلا اب بدہیئت کبڑے کے قدموں میں بیٹھا بری طرح ہانپ رہا تھا مگر اس کی خونخوار نگاہیں میرے اوپر ہی جمی ہوئی تھیں جیسے اس کا بس چلے تو مجھے کچا ہی چبا جائے۔

ٹیڑھے خد و خال اور پھولی ہوئی بدوضع ناک والا وہ کبڑا اپنی غیر متوازن ٹانگوں پر ایک طرف کو جھکا ہوا کھڑا تھا۔ اس کی پشت پر ابھرا ہوا کوبڑ رہ رہ کر یوں پھڑک رہا تھا جیسے اس میں کوئی زندہ کیھوا چھپا ہوا ہو۔ اس کے برص زدہ ہونٹوں پر طنز اور حقارت کی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اور وہ آنکھیں اٹھائے آسمان کے مشرقی گوشوں سے ابھرتے سورج کو گھورے جا رہا تھا۔

"تم کون ہو؟" میں نے غیر ارادی طور پر کانپتی ہوئی آواز میں اس کوزہ پشت اور کریہہ شخص سے سوال کیا۔ دراصل میں ذہنی طور پر ابھی تک یہ بات قبول نہیں کر سکا تھا کہ میرا واسطہ شیطان ہی سے پڑا ہے۔

"میں تجھے بتا چکا ہوں۔ طوبیہ تجھے سمجھا چکی ہے کہ میں انسانوں کی خواہشوں کے عوض ان کی روحوں کو غلام بناتا ہوں اور یہ سودے اٹل ہوتے ہیں۔ میں دیکھوں گا۔" اتنا کہہ کر وہ کھردری آواز میں زور سے ہنسا۔ "ہاں دیکھوں گا کہ تو کب تک اور کیسے مجھ سے

بچتا ہے؟"

"اور کیا یہ مانیتی ہی ہے؟" میں نے اس راندہ درگاہ مخلوق کے قدموں میں ہانپتے ہوئے خونخوار سیاہ بلے کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "ہاں۔ یہ جبرین کے آتش پرستوں کا وہی مقدس پروہت ہے جو تیرے ہاتھوں ذلیل اور بے آبرو ہو کر مارا گیا تھا۔ یہ اپنی زندگی میں سچے دل سے میرا پجاری تھا اور اب موت کے بعد بھی اس کی روح میرے قبضے میں ہے۔ میں نے محض تجھ سے انتقام کی خاطر اسے اس سیاہ بلے کے جسم میں داخل کر دیا ہے اور اب تیرے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ میری اطاعت یا مانیتی کا ہولناک انتقام۔"

میں خاموش اپنی جگہ پر کھڑا کانپتا رہا۔

"اور یہ یاد رہے۔" وہ کھنڈرات کی طرف بڑھتے ہوئے تنبیہہ آمیز لہجے میں بولا۔ "کہ مانیتی کی پشت پر میری تمام شیطانی قوتیں صف آرا ہیں۔"

یہ کہہ کر کبڑا شیطان اپنی استخوانی اور غیر متوازن ٹانگوں پر اچھلتا ہوا واپس کھنڈرات کی طرف چل دیا۔

میں حیرت اور دہشت سے آنکھیں پھاڑے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ سیاہ بلا بڑے آسودہ انداز میں اس کے پیچھے چلا جا رہا تھا پھر اچانک اس نے جست لگائی اور نہایت اطمینان سے شیطان کی پشت پر ابھرے ہوئے بڑے سے کوبڑ پر سوار ہو گیا۔

مانیتی یا اس سیاہ بلے کے سوار ہوتے ہی شیطان اس سمیت اچانک فضا میں تحلیل ہو گیا۔

میں اس وقت جسمانی طور پر بری طرح نڈھال اور زخمی تھا۔ میری اعصابی مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ قوت ارادی پاش پاش ہو چکی تھی۔ شیطان جو یوں اچانک غائب ہوا تو میری نگاہوں کے سامنے یک بیک تاریکی ناچنے لگی اور میں لڑکھڑا کر ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو سب سے پہلے میری ناک میں عجیب سی ناگوار اور تیز بو کی لہر گھستی محسوس ہوئی۔ میں نے بڑی کوشش کے بعد آنکھیں کھولیں تو اسی کے ساتھ کانوں میں دبا دبا سا شور بھی گونجا جیسے مجھ سے کچھ فاصلے پر بہت سے انسان بیک وقت دھیمی دھیمی آوازوں میں بول رہے ہوں۔

یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ اس وقت میں صحرا کے بجائے انسانوں کی کسی جدید بستی

میں ہوں اور گلی سڑی سبزیوں وغیرہ کے ایک انبار میں دفن ہوں اسی کے ساتھ مجھے بدبو کا سبب بھی معلوم ہو گیا۔ وہ ایک خاصی کشادہ اور پختہ کوٹھری تھی جس کا دروازہ شاید باہر سے مقفل تھا لیکن دیواروں میں ایک جگہ کھڑکی سی کھلی ہوئی تھی۔

میں سانس روکے اس متعفن دلدل میں کھڑا ہوا اور جونہی اس موکھلے کے نزدیک پہنچا' باہر سے کسی نے ذبح کئے ہوئے پرندوں کی آلائش کا ایک ڈھیر اس کوڑے دان میں پھینکا اور میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔ اس وقت مجھ پر بے بسی کے ساتھ ہی سخت غصے کی کیفیت بھی طاری تھی۔

میری چیخ کے ساتھ ہی باہر پے در پے کئی دہشت زدہ چیخیں ابھریں اور پھر زمین یوں دہلنے لگی جیسے باہر سینکڑوں گیدڑوں کا کوئی وحشت زدہ غول سرپٹ دوڑ رہا ہو۔

میں سر سے پیر تک غلاظت میں لتھڑا ہوا تھا اور یہ اندازہ کر چکا تھا کہ اس کوڑے گھر میں سے ایک انسانی آواز سن کر باہر والے خوفزدہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے خود ہی آگے بڑھ کر کوڑے دان کے آہنی دروازے پر زور آزمائی کرنی چاہی لیکن وہ شاید باہر سے مقفل تھا۔

آخرکار میں موکھلے کے قریب پہنچا اور باہر نگاہ ڈالی تو ہر طرف ہو کا سناٹا طاری تھا۔ پھوس کے جھونپڑوں میں بنی ہوئی دکانیں ویران پڑی ہوئی تھیں۔ زمین پر لگا ہوا سارا مال بری طرح روندا جا چکا تھا اور میری کریہہ چیخ کے نتیجے میں پڑنے والی بھگدڑ کے بعد اب وہ سارا بازار ویران ہو چکا تھا۔

میں اس موکھلے سے کود کر باہر نکلا ہی تھا کہ کئی آوارہ کتے میری طرف لپکے جیسے وہ میرے ہی منتظر ہوں۔ میں نے سنبھلتے ہی انہیں ہشکارنے کا ارادہ کیا لیکن وہ کتے قطعی بے ضرر تھے اور میرا کام آسان کر رہے تھے میں سانس روکے ریتلی زمین پر پڑا رہا اور وہ فاقہ زدہ کتے بے صبری کے ساتھ میرا سارا بدن چاٹ چاٹ کر صاف کرتے رہے۔

پھر ان میں سے ایک کتا میرے چہرے پر چپکے ہوئے پروں وغیرہ میں لگے ہوئے گوشت کی طرف متوجہ ہوا تو کراہت کے باعث میں یک بیک اٹھ گیا اور وہ سب غراتے ہوئے دور ہٹ گئے۔

اٹھ کر میں نے اپنے سراپا کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ میرے بدن پر صرف ستر پوشی کے لئے ایک مختصر سا زیر جامہ ہے۔ میرے کپڑے نہ جانے کہاں غائب ہو چکے تھے۔

کتے اپنی لمبی لمبی زبانیں باہر نکالے مسکین اور للچائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھے جا رہے تھے۔

اس وقت وہاں دوپہر کا عمل تھا' سورج ٹھیک سر پر چمک رہا تھا لیکن اس کی کرنوں میں وہ جھلسا دینے والی تپش نہیں تھی جو صحرائی علاقوں کا خاصہ ہے۔ میں ان باتوں پر غور کئے بغیر غیر ارادی طور پر دکانوں کی طرف بڑھنے لگا۔

وہاں ضروریات زندگی کی سستی اور معمولی اشیاء جا بجا نظر آ رہی تھیں۔ جب میں ان کے درمیان سے گزرتا ہوا آگے پہنچا تو ایک جگہ آہنی توے پر مچھلی کے پارچے نظر آئے۔ شاید دکاندار آگ جلتی چھوڑ کر ہی بھاگ نکلا تھا۔

میں وہیں بیٹھ کر بے صبری کے ساتھ مچھلی کے وہ تلے ہوئے پارچے کھانے لگا ادھر میں آتش شکم سرد کرنے میں منہمک تھا اور دوسری طرف خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلنے والے مقامی ڈرے سہمے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر میرے گرد جمع ہوتے جا رہے تھے۔

جب میں نے پوری طرح سیر ہونے کے بعد سر اٹھایا تو میرے گرد عسرت زدہ مقامیوں کا ہجوم جمع تھا۔ وہ سب ہی حیرت سے میری جانب دیکھ رہے تھے لیکن اب ان کے چہروں پر خوف کی کوئی علامت نہیں تھی۔ شاید وہ سمجھ چکے تھے کہ کوڑے گھر سے ابھرنے والی چیخ ایک انسان ہی کی تھی۔

میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجمع میں کھڑے ہوئے ایک ادھیڑ عمر اور سنجیدہ شخص کے قریب جا کر رک گیا۔

"تم لوگ اتنی حیرت سے مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ تم ایک اجنبی ہو!" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا یہاں اجنبیوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا؟"

میری اور اس شخص کی گفتگو سننے کے لئے مجمع ہمارے گرد سمٹنے لگا تھا۔ "یہ ایک جزیرہ ہے۔" وہ شخص بولا۔ "اور باہر کی دنیا سے سمندر کے علاوہ ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے بستی میں ہم لوگوں کی نظروں میں آئے بغیر کوئی اجنبی داخل نہیں ہو سکتا۔ ... میں ایک آدھ ... سمندری طوفان کا شکار ہونے والے کسی نہ کسی بدنصیب جہاز کے [illegible] مردہ مسافر ...

پر بستے کنارے پر آ لگتے ہیں اور ہم کسی جہاز کے ادھر آ نکلنے تک مدتوں ان کی میزبانی کرتے ہیں لیکن تم....“ وہ یک بیک خاموش ہو گیا اور چند ثانیوں بعد دبی دبی آواز میں بولا۔

”تمہیں نہ ہم میں سے کسی نے ساحل سے اٹھایا‘ نہ ہی ادھر کوئی جہاز آیا ہے پھر تم کس طرح کوڑے کے اس ڈھیر میں آ گرے؟“

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب ان لوگوں کی تشویش کا سبب واضح ہو چکا تھا۔

”یہ کون سا جزیرہ ہے؟“ میں نے موضوع بدلنے کی خاطر اس سے سوال کیا۔

”ان اطراف میں کئی چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں لیکن انسانی آبادی صرف ہمارے جزیرے پر ہی ہے۔ یہ سب مل کر بحرا شیاطین کہلاتے ہیں۔“ وہی شخص بولا۔

”بحرا شیاطین!“ میں یک بیک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ ”لیکن یہ تو سمندر کا نام معلوم ہوتا ہے‘ جزیرے کیا کہلاتے ہیں؟“ میں نے جلدی سے سوال کیا۔

”سمندر اور جزیروں۔۔۔ سب کا یہی نام ہے‘ لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے پہنچے ہو؟“ وہ شخص میرے بارے میں جاننے کے لئے بہت بے چین تھا۔

شیطان کے نام کا حوالہ آتے ہی مجھ پر شدید گھبراہٹ سوار ہونے لگی تھی اور مجھے اپنے صحرائی تجربات یک بیک یاد آ گئے تھے۔ کبڑا اور کریہہ صورت شیطان‘ سیاہ بلے کے جسم میں چھپا ہوا خونخوار مانیئی اور شیطان کے چنگل میں پھنسی ہوئی بنت نیل۔

”میں تم لوگوں کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔“ میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں اس شخص سے کہا۔ ”اس وقت میری حالت غیر ہے اور میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے اپنے سردار تک پہنچا دو!“

”سردار!“ اس شخص نے خیال انگیز لہجے میں دہرایا۔ ”آؤ میں تمہیں لئے چلتا ہوں۔“

وہ مجھے ہمراہ لے کر دکانوں وغیرہ کے درمیان سے گزرتا ایک طرف چل دیا۔ وہاں جمع ہو جانے والے لوگ پرجوش انداز میں سرگوشیاں کرتے منتشر ہونے لگے۔ دکانوں اور پھر رہائشی جھونپڑوں سے نکل کر ہم ریتیلے میدان میں آ گئے جہاں جا بجا ماہی گیری کے جال وغیرہ پھیلے ہوئے تھے اور اس سے کافی آگے سمندر کی بپھری ہوئی موجیں سر پٹختی نظر آ رہی تھیں۔

پھر وہ شخص ساحل کے متوازی چلنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بستی ختم ہو گئی اور ہم

جزیرے کے شمالی حصے میں نظر آنے والے گھنے جنگلات کی طرف بڑھنے لگے۔

”کیا تمہارا سردار جنگل میں رہتا ہے؟“ میں نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس سے پوچھ ہی لیا۔

”یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔“ وہ شخص سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

”دوسرے جزیروں پر جا کر ماہی گیری کرنے والے ہمارے ساتھیوں نے بحرا شیاطین کے ساتوں جزیروں پر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہاں ہمیں جب بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی جنگل میں کہیں نہ کہیں ہم تک آ پہنچتا ہے۔“

”جب وہ اتنی رازدارانہ زندگی بسر کرتا ہے تو کیا مجھے اپنے پاس پناہ دے گا۔“

”پتہ نہیں۔“ وہ کھوئی کھوئی آواز میں بولا۔ ”ہو سکتا ہے وہ تمہیں میرے ہی حوالے کر دے۔“

”کیا پہلے آنے والے بدنصیب بحری مسافر بھی بستی والوں ہی کے پاس رہتے آئے ہیں!“ میں نے اس کی طرف نظریں گھما کر سوال کیا۔

”ہاں۔ ان میں سے کسی نے بھی سردار کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔“ وہ جنگل میں گھستے ہوئے بولا۔ ”نہ سردار نے کبھی اس مہمان نوازی کو ناپسند کیا۔ تم پہلے اجنبی ہو جو سردار سے ملنا چاہتے ہو۔“

”تمہارا سردار بھی عجیب آدمی ہے۔“ میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”آدمی!“ اس نے تحیر آمیز آواز میں کہا اور چلتے چلتے رک کر مجھے گھورنے لگا۔

”کیوں۔ کیا میں نے کوئی عجیب بات کہہ دی ہے؟“ یہ کہتے ہوئے میری چھٹی حس مجھے کسی عجیب و غریب انکشاف کی خبر دے رہی تھی۔

”ہاں۔ وہ آدمی نہیں ایک سیاہ بلا ہے....!“

وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن اتنا سنتے ہی مجھ پر دہشت طاری ہو گئی اور میں چیخ مار کر واپس دوڑنے لگا۔

معاً داہنی جانب کی جھاڑیوں میں غصیلی غراہٹ سنائی دی اور میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ اسی کے ساتھ وہی خوفناک سیاہ بلا جھاڑیوں سے جست لگا کر میری راہ میں حائل ہو گیا جس

نے صحرائی کھنڈرات میں مجھے بری طرح لہولہان کیا۔

وہ سرد اور خوفناک آنکھوں سے مجھے گھور رہا اور اپنا پیٹ زمین سے لگائے حملہ آور ہونے کی پوزیشن میں تھا۔

اسے اپنے سامنے موجود پاتے ہی میں بدحواس کر واپس جنگل کی جانب مڑا لیکن ادھر میرے ساتھ آیا ہوا ادھیڑ عمر مقامی دونوں بازو پھیلا عقاب کی طرح میرے اوپر ٹوٹ پڑا۔ میں نے اس کی زد سے بچنے کی بھرپور کوشش کی لیکااس کی وحشیانہ ٹکر سے نہ بچ سکا۔ منہ پر پڑنے والی یہ ٹکر اتنی شدید تھی کہ میری آنکھ کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اور میں لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

"اجنبی ہماری بستی کے بھی کچھ آداب ہیں۔" شخص غصیلی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"محترم سردار کے سامنے ادب سے سر جھکائے کھڑے رہو' سردار کو پشت دکھانا جرم ہے اور بحر اشیاطین میں اس جرم کی سزا بہت بھیانک ہے۔"

میں نے خود کو سنبھالا اور اس ادھیڑ عمر مقامی سے محفوظ رہنے کی خاطر اس کینہ پرور سیاہ بلے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

"اے مقدس سردار!" چند ثانیوں کے بوجھل ت کے بعد ادھیڑ عمر مقامی کی عقیدت میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ "تیری پراسرار قوتوں .کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے مگر ہم لوگ اس اجنبی کی جانب سے شبہات میں مبتلا ہیں کسی کو معلوم کہ یہ کس طرح بحر اشیاطین میں آ پہنچا ہے؟"

وہ سیاہ بلا جو یقیناً مانیٹی ہی تھا تیزی کے ساتھیا اور اپنی جگہ سے جست کر کے فضا میں اڑتا تیزی سے میرے سینے کی طرف آیا۔ میں بھی دو مرتبہ اس بدکار سے نبرد آزما ہو چکا تھا اس لئے اس کا ارادہ بھانپتے ہی تیزی سے اطرف سرک گیا اور وہ اپنے ہی زور میں ایک درخت کے تنے سے جا ٹکرایا۔

درخت سے ٹکرا کر گرتے ہی اس نے ایک چخ ماری اور اس سے قبل کہ وہ میری جانب پلٹتا میں نے زمین سے ایک درخت کی ٹوٹی ہواخ اٹھا لی۔

وہ مقامی ایک طرف کھڑا حیرت کے ساتھ میرزُف دیکھ رہا تھا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ بحر اشیاطین کے اس موذی اور وحشی سردارت بھی پہنچائی جا سکتی ہے۔

میرے ہاتھ میں چھڑی دیکھ کر وہ بلا اپنی جگہ ٹھٹکا ایک دو بار پینترے بدل کر میری پھرتی کا اندازہ لگایا اور غیر متوقع طور پر تیزی کے ساتھ میری طرف دوڑ پڑا۔

میں نے انتظار کئے یا کسی بھی قسم کا اندازہ لگائے بغیر اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی چھڑی اندھوں کی طرح گھمانی شروع کر دی۔ اب یہ اس بلے کی بدقسمتی یا میری خوش نصیبی ہی تھی کہ وہ اس چھڑی کی زد میں آ گیا۔

اگلے دھڑ پر چوٹ کھا کر وہ کسی منحوس بدروح کی طرح چیختا ہوا میری پنڈلیوں سے لپٹ گیا اور آناً فاناً میں اپنے خونی پنجوں سے میری جلد ادھیڑ کر گوشت میں دانت پیوست کر دیئے۔

میں درد اور اذیت سے بے تاب ہو کر تڑپتا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا مگر گرتے گرتے اس کی کھوپڑی پر درخت کی ٹہنی سے گہرا زخم ڈال دیا۔

مجھے صحرائی کھنڈرات ہی میں اندازہ ہو چکا تھا کہ اس بلے کی پیشانی بہت نازک ہے اور وہ سر پر چوٹ کھا کر چوکڑی بھول جاتا ہے۔ اس بار یہی تجربہ کام آیا اور وہ لہولہان ہوتے ہی میری پنڈلی چھوڑ کر اذیت سے غراتا ہوا گھنے جنگل میں گھستا چلا گیا۔

بلے کے روپوش ہوتے ہی ادھیڑ عمر مقامی اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور سختی کے ساتھ میرا بازو تھام کر مجھے سیدھا کھڑا کر دیا۔ اس کی نگاہوں میں میری جانب سے نفرت اور خوف کے آثار بہت واضح تھے۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔" میں نے اسے جھٹکتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔ "اور میری کچھ مدد کرو' میری پنڈلی بری طرح زخمی ہے۔"

"مدد!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "تم خوش نصیب ہو کہ اس وقت زندہ ہو ورنہ سردار کے سامنے لائے جانے والے یا تو انعام سے نوازے جاتے ہیں یا وہ خود ہی بے رحمی کے ساتھ ان کے نرخرے چبا ڈالتا ہے' تم زندہ ضرور ہو مگر اب ہمارے قیدی ہو!"

اپنی قید کی خبر سن کر میں اپنی تکلیف فراموش کر بیٹھا اور فوراً ہی ایک تدبیر نکال کر اس سے سوال کیا۔ "یہ بلا جزائر اشیاطین پر کب سے حکمران ہے؟"

"چند ہی دن سے!" وہ مجھے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولا اور مجھے اس کی بات سچ ہی معلوم ہوئی۔ مانیٹی کی موت چند ہی ہفتوں کی بات تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ

مانیٹی کی روح سیاہ بلے کے جسم میں قیام کی اجازت ملنے کے بعد ہی بحرا لشیاطین میں آ پہنچی تھی۔

"اور اس سے پہلے تمہارا سردار کون تھا؟" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس سے پوچھا۔

"اسی قسم کا لیکن اس سے قدرے چھوٹا ایک بلا اس کا پیش رو تھا۔ ایک دن ہم سردار کی تلاش میں اس جنگل میں آئے تو اس کی لاش دم کے بل ایک درخت سے لٹکی ہوئی تھی اور یہ بڑا بلا خود بخود اس کی جگہ لے چکا تھا۔" اس کو کہتے کہتے کچھ خیال آیا اور وہ چونک کر بولا۔ "لیکن تمہیں ان سب باتوں سے غرض' چلو اب سردار کا اگلا حکم ملنے تک تم بستی میں ہمارے قیدی رہو گے۔"

"لو تمہارا سردار تو خود چلا آ رہا ہے۔" میں نے اچانک بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس مقامی نے اضطراری طور پر میرا ہاتھ چھوڑ کر اس طرف سر گھمایا اور میں اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر میں اسے نیچے دھکیل کر گھنے جنگل میں دوڑ پڑا۔

میری دانست میں یہی بہتر تھا کہ میں بستی میں بے دست و پا قیدی بن کر کسی وقت بے خبری میں سیاہ بلے کا نشانہ بننے کے بجائے جنگل میں آزاد رہ کر اپنی نجات کی راہ نکالوں۔

جس وقت وہ مقامی سنبھل کر چیختا ہوا میرے تعاقب میں آتا میں ادھر ادھر چکراتا ایک ایسے گھنے اور دشوار گزار کنج میں جا کر دبک گیا جہاں تک رسائی ذرا دشوار ہی تھی۔

چند ثانیوں بعد اس مقامی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز میرے قریب سے گزر کر جنگل کے تیز شور میں تحلیل ہوتی چلی گئی۔

مجھے وہاں چھپے کافی دیر گزر گئی لیکن آس پاس کوئی مشکوک آہٹ نہیں سنائی دی۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں وہ مقامی اپنی ناکامی کے بعد پوری بستی کو ہمراہ لے کر وہاں نہ گھس آئے لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ پھر بھی میں احتیاطاً اندھیرا پھیلنے تک وہیں دبکا رہا۔

جب دھندلکا پھیلنے کے وقت بحری پرندوں کی لمبی لمبی قطاریں پرمسرت اور آسودہ آوازیں نکالتی اپنے دور دراز مسکنوں کی طرف لوٹنے لگیں اور جنگل' بسیرا کرنے والے پرندوں کی تیز چہکار سے گونجنے لگا تو میں نے اپنی شب گزاری کے لئے کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش

کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

دھندلکا گہری سیاہی میں بدلنے سے قبل ہی میں ایک چھدرے سے درخت پر جا چڑھا جس کی مضبوط شاخوں کے درمیان پھنس کر میں باآسانی پوری رات گزار سکتا تھا۔

رات کی سیاہی میں جنگل میں سکوت طاری ہوتے ہی تیزی کے ساتھ میرا حوصلہ جواب دینے لگا اور ذہن میں کبڑے شیطان کی مہیب شخصیت کے ساتھ ہی خونی بلے کا خوف بھی سر ابھارنے لگا اور میں بے چینی کے ساتھ بار بار اپنے اردگرد پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گمنام مگر خوف آور ہیولوں کو تلاش کرنے لگا جو میری دانست میں اس وقت جنگل کے چپے چپے پر میری تلاش میں نگران تھے۔

رات ڈھلتی رہی اور میرا خوف دھیرے دھیرے جان لیوا دہشت میں بدلتا چلا گیا۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ اس بار میرا ٹکراؤ غیر مرئی اور پراسرار قوتوں سے ہے' جن کا وار جھیل جانا آسان نہیں تھا۔ ہر آن مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ رات کے اس طاغوتی اندھیرے سے یک بیک رقص ابلیس میں مبتلا جہنمی روحیں نکل پڑیں گی اور پھر کسی بے جان استخوانی ڈھانچے کے بے رحم اور یخ بستہ ہاتھ میری گردن دبوچ لیں گے۔

نہ جانے وہ کیسی قیامت کی رات تھی کہ لمحات ایک ہی جگہ ٹھٹھر کر رہ گئے تھے۔ وقت تھا کہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میرے حواس جواب دے چکے تھے۔ دہشت کے باعث آنکھیں پتھرا کر رہ گئی تھیں کہ کہیں پلک جھپکتے ہی کوئی وار نہ کر گزرے' سوکھتے ہوئے تازہ زخموں کی چیخ سے پورا بدن دکھ رہا تھا' دوران خون میری کنپٹیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا' دل کی دھڑکنیں دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھیں اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں مسلسل تکان اور دہشت کے باعث بخار کا شکار ہو چکا ہوں۔

آخر کار وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ آدھی رات کے وقت میں نے خود کو تقویت پہنچانے کی خاطر آنکھیں موند کر سر پیچھے ٹکانا ہی چاہا تھا کہ کسی زندہ لاش کے استخوانی ہاتھوں کی سخت اور کھردری انگلیاں میری گردن سے ٹکرائیں اور میں بری طرح چیخ مار کر اچھل پڑا۔

میں دونوں شاخوں کے درمیان کچھ اس طرح پھنسا ہوا تھا کہ نیچے تو نہ گر سکا البتہ میری دونوں رانیں بری طرح زخمی ہو گئیں۔ ادھر میری چیخ سن کر پورے جنگل کے پرندے

ہوشیار ہو گئے اور خوفزدہ آوازوں میں ڈراؤنے تسلسل کے ساتھ چیخنے لگے۔

میں درخت کی شاخوں سے لپٹا سانس روکے ان سخت اور کھردری انگلیوں کا انتظار کرتا رہا لیکن کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی کوئی میرے قریب نہ آیا تو ڈرتے ڈرتے میں نے اپنا سر پیچھے گھمایا۔ وہاں میری گردن کے قریب ہی ایک نازک سی بے برگ و بار شاخ خنک ہوا کے جھونکوں سے آہستہ آہستہ کانپ رہی تھی۔ اور وہاں میرے سوا کوئی اور موجود نہیں تھا۔

میری چیخ پر چونکنے والے پرندے ابھی تک شور مچائے جا رہے تھے۔ ان کی تشویش کے جواب میں دور دور سے جوابی شور ابھرنے لگا تھا اور اب پورا جنگل بھانت بھانت کی ان آوازوں سے گونج رہا تھا۔

پہلے تو مجھے اس شور سے کافی تقویت ملی کیونکہ یوں تنہائی کا وحشت انگیز احساس ایک حد تک جاتا رہا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس ہنگامہ میں' میں جنگل میں ابھرنے والی ان خطرناک آہٹوں کو نہ سن سکوں گا جو میرے لئے موت کا پھندا لئے اس جنگل میں سرگرداں ہوں گی۔ یہ خیال آتے ہی مجھے ان آوازوں سے سخت الجھن ہونے لگی اور میرا جی چاہا کہ ایک ہی وار میں ان سب کو ٹھکانے لگا دوں۔

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ شور یک لخت موقوف ہو گیا بالکل یوں محسوس ہوا جیسے یک بیک کائنات کی گردش تھم گئی ہو۔ میری دانست میں یہ غیر فطری سناٹا بھی کسی ہولناک خطرے کا پیش خیمہ تھا۔

کافی دیر کے روح فرسا سکوت کے بعد ایک جانب سے سوکھے ہوئے پتوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی ان پر سے گزر رہا ہو۔ میں سانس روک کر آنے والے کٹھن لمحات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہی سیاہ بلا موقع غنیمت جان کر دبے قدموں میری گھات میں نکلا ہے تا کہ مجھے جنگل کے کسی گوشے میں اونگھتا ہوا پا کر میرا کام تمام کر دے۔

میں گھور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آہٹوں کی جانب گھورتا رہا لیکن مجھے وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ تاریکی کا رچاؤ اتنا گہرا تھا کہ ہر چیز اپنی انفرادیت کھو چکی تھی۔ ہاں موت کے قدموں کی وہ آہٹیں بدستور میری ہی جانب بڑھتی آ رہی تھیں۔

میرے درخت کے نیچے پہنچ کر وہ آہٹیں موقوف ہو گئیں میں نے بھینچے بھینچے سانسوں

کے درمیان نیچے نگاہ ڈالی تو سر سے پیر تک لرز کر رہ گیا۔

وہاں ایک پستہ قامت اور کوزہ پشت انسانی ہیولا موجود تھا۔

پھر نیچے سے زہریلی ہنسی کی ڈراؤنی جھنکار ابھری اور میرے رہے سہے شبہات بھی زائل ہو گئے۔ موت آخرکار میرے سرہانے آ پہنچی تھی۔

"پہچان لیا حسین!" وہ سایہ طنزیہ آواز میں بولا۔ "میں آ پہنچا ہوں۔ میں نے کہا تھا نا کہ تجھے پاتال میں بھی مجھ سے پناہ نہ مل سکے گی۔ تو مانیتی کو ہر بار زک دے رہا ہے لیکن اطمینان رکھ کہ میں خود تجھ پر کوئی وار نہیں کروں گا۔ یہ میری توہین ہے۔ میں آگ سے پیدا کیا گیا اور مٹی کے پتلوں سے الجھنا میرے شایان شان نہیں ہے۔ اپنے کام کے لئے میرے قبضے میں تیرے بے شمار ہم نسل ہیں' میرے یہ گرگے سارا کام میری مرضی کے مطابق کرتے ہیں۔ اگر تو نے اپنی ناکام تمناؤں کے عوض مجھ سے اپنا سودا نہیں کیا تو تیرے ہاتھوں بے بس و مجبور چوہے کی طرح مارے جانے والے مانیتی کی روح ہی تجھے ٹھکانے لگائے گی۔ میں تجھے ڈراؤنے جنگلوں' بے رحم ویرانوں اور خوف آور تنہائیوں میں سسکا سسکا کر تیری قوت مزاحمت تباہ کر دوں گا اور پھر وہ خونی بلا تیرے سینے پر سوار ہو کر تیرا نرخرا چیر دے گی۔ تیری آنکھیں نوچ لے گا' تیرا سینہ ادھیڑ ڈالے گا۔"

پھر نیچے سکوت چھا گیا۔ میں دہشت سے ساکت و صامت اس کوزہ پشت ہیولے کو گھورتا رہا۔ پلکیں جھپکائے بغیر۔

آخر وہ ہیولا وہاں سے اچھلتا ہوا ایک طرف چل دیا۔ خشک پتوں کے کچلے جانے کی آوازیں ابھریں اور آخرکار تاریکی نے اس سیاہ ہیولے کو بھی اپنی بے کراں آغوش میں چھپا لیا۔

کوزہ پشت ابلیس کی یوں آمد نے میرے جسم سے رہی سہی طاقت بھی نچوڑ لی اور میں ہوش اور بے ہوشی کی درمیانی کیفیت میں ان شاخوں کے درمیان جما رہا۔ میں نے اپنے آئندہ منصوبے کے بارے میں سوچنا چاہا لیکن میرا ذہن بھی میرا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ اس لئے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

خدا خدا کر کے وہ ہولناک رات صبح کے پرنور اجالے میں معدوم ہونے لگی اور میں نے کئی گھنٹوں کے بعد پہلی بار اپنے تھکے ہوئے جسم کو جنبش دی تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرا

جوڑ جوڑ بری طرح دکھ رہا ہے۔

شدید دشواری کے بعد میں کسی نہ کسی طرح اس درخت سے نیچے آیا۔ اب میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ میں بحرا لشیاطین سے فرار ہو جاؤں۔ دنیا کے کسی ایسے گوشے میں پہنچ جاؤں جہاں مانیتی مجھ تک نہ پہنچ سکے۔

پھر میں کسی مقصد کے بغیر ایک طرف بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ایک درخت کا گرا ہوا تنا نظر آیا اور میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوند گیا۔

اس وقت جنگل کی مدہوش کن فضا پرندوں کی رنگ برنگی چہکار سے پوری طرح بیدار ہو چکی تھی اور میرا ذہن رات کے خوف آور سنائے اور شیطانی وحشت کے طلسم سے کسی حد تک نجات پا چکا تھا میں اس تنے کے قریب کھڑا اپنے منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔

آخرکار میں نے فیصلہ کر ہی لیا اور اس تنے کا ایک سرا پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا ایک طرف چل دیا۔ وہ جنگل میرے لئے نیا تھا اس لئے مجھے اپنا راستہ بنانے اور سمت کا تعین کرنے میں کافی دشواری ہوئی۔

کئی گھنٹوں کی صبر آزما مشقت کے بعد آخرکار میرے کانوں میں کافی دور سے ابھرتی ہوئی سمندر کے شور کی آوازیں آئیں اور میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا۔

ساحل قریب آ جانے کے احساس نے میرے تھکے ہوئے اعصاب میں نئی زندگی پھونک دی اور میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ سمندر کی موجوں کا شور اب لحظہ بہ لحظہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔

دوپہر ہونے تک میں گھنے جنگلات کی اختتامی ڈھلانوں پر نکل آیا۔ یہاں چھدرے درختوں کے درمیان سمندر کی متلاطم سطح دور ہی سے چمکتی نظر آ رہی تھی۔ سب سے بڑھ کر خوش نصیبی کی بات یہ تھی کہ یہ علاقہ ویران تھا۔ آس پاس آبادی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے جس سے گزر کر میں جنگل تک پہنچا تھا۔

میں اس تنے کو گھسیٹتا ساحل تک پہنچ ہی گیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میں اس خونی بلے سے سامنا ہوئے بغیر یوں ساحل تک پہنچ سکوں گا لیکن اس وقت تو شاید قسمت مجھ پر مہربان تھی۔

کچھ دیر تک ساحل پر کھڑا سمندر کے تموج کا اندازہ کرتا رہا پھر اس تنے کو پانی میں دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ جوں ہی سمندر کا کھاری پانی میرے زخموں پر پڑا اذیت کی ایک نئی لہر میرے وجود میں سرایت کر گئی لیکن بحرا لشیاطین کے آسیبی جزیروں سے نجات کا جذبہ اس تکلیف پر غالب آ گیا اور میں پانی میں آگے ہی بڑھتا رہا۔ کمر کمر گہرے پانی میں پہنچ کر میں نے آخری بار اس تنے کو زور سے آگے دھکیلا اور پھر اچھل کر اس پر چڑھ گیا۔ چند ثانیوں کے لئے ڈگمگاتے ہوئے تنے پر میرا توازن بگڑا مگر جلد ہی میں نے خود کو سنبھال لیا اور وہ تنا مجھے ہمراہ لے کر سمندر کے بہاؤ پر آگے بڑھنے لگا۔ بحرا لشیاطین کے آباد جزیرے کا ساحل آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ وہ خونخوار سیاہ بلا اب پانی میں تیر کر میرا تعاقب نہ کر سکے گا۔

اب میرے سامنے تاحد نظر سمندر کی بے کراں وسعت پھیلی ہوئی تھی کہیں کہیں اکا دکا دھندلے سے دھبے نظر آ رہے تھے۔ شاید وہ بحرا لشیاطین کے ساتوں جزیروں کے آثار تھے۔ اب میری کوشش یہی تھی کہ میں ان جزائر سے دور ہی دور رہ کر کسی ایسے مقام پر جا لگوں جہاں شیطانی نحوستیں میرا تعاقب نہ کر سکیں۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اس بار میں اس چکر سے نجات پا لوں گا۔ سمندر کا سینہ پرسکون اور موسم خوشگوار تھا۔ میں نہایت اطمینان کے ساتھ اس تنے سے لپٹا ہوا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اضطراری طور پر میری نگاہیں عقب میں اٹھ جاتی تھیں جہاں وہ جزیرہ ایک سبز اور دھندلائی ہوئی لکیر میں بدلتا جا رہا تھا۔

چند گھنٹوں کے اس سفر کے بعد آخرکار اس آباد جزیرے کے آثار بالکل معدوم ہو گئے اور مجھے اپنا سفری شہتیر ایک اور جزیرے کی طرف بڑھتا ہوا نظر آنے لگا جس وقت دن بھر کا تھکا ہارا سورج اپنے سفر کی آخری منزل پر تھا تو شام کے خونیں اجالے میں ایک بے آب و گیاہ بھوری پٹی نظر آ رہی تھی۔

گو میں ہر قیمت پر اب بحرا لشیاطین سے دور نکل جانا چاہتا تھا لیکن اس وقت میں نے اپنا رخ بدلنا مناسب نہ سمجھا۔ میں دن بھر کی تکان اور بھوک پیاس کے باعث کافی نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ لہٰذا بہتر یہی سمجھا کہ اس جزیرے پر اتر کر اپنی کھوئی ہوئی توانائی دوبارہ بحال کروں اور رات بھر آرام کرنے کے بعد اس جزیرے سے دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو

جاؤں۔

طوسیہ کی آخری گفتگو کا ایک ایک لفظ میرے دل پر نقش تھا۔ اور مجھے اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ ابلیس کے چنگل میں قطعی بے بس و مجبور ہے۔ میری مدد تو درکنار' وہ شاید اب مجھ سے ہمیشہ کے لئے روٹھ چکی تھی اور اسے حاصل کرنے کے لئے اب مجھے خود کو شیطان کے حوالے کرنا ضروری تھا۔

میرا ذہن حالات کے اسی تانے بانے میں الجھا ہوا تھا۔ جوں جوں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ میری تشویش خوف اور بے چینی میں بدلتی جا رہی تھی اور جب اجالے کی آخری کرن بھی تاریکی کے بھیانک جبڑوں میں اتر گئی تو یک بیک مجھے اپنے فیصلے پر افسوس ہونے لگا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے لے جانے والا تنا بحرالشیاطین کے ہی کسی جزیرے کی طرف بڑھ رہا ہے اور روایات کے مطابق یہ جزیرہ ویران اور غیر آباد تھا۔ گو سیاہ بلے نے سمندر میں میرا تعاقب نہیں کیا تھا اور نہ ہی عام حالات میں وہ کسی اور ذریعے سے اس آباد جزیرے سے باہر پہنچ سکتا تھا۔ لیکن حالات بہت پراسرار تھے شیطان کی غیر انسانی قوتیں اس کینہ پرور بلے کی پشت پناہ تھیں اور مانیتی کا وہ حیوانی آسیب ان کے سہارے ہر جگہ پہنچنے اور سب کچھ کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں تصورات کی غیر یقینی بھول بھلیوں سے اس وقت نکلا جب شہتیر سے نیچے ٹھنڈے سمندری پانی میں لٹکتے ہوئے میرے پیروں نے ٹھوس زمین محسوس کی۔

اتھلے پانی میں آ جانے کا مطلب تھا کہ اب میں دوسرے جزیرے کے ساحل پر آ پہنچا تھا۔ میں نے اپنے پیر اوپر اٹھا لئے اور پھر دو تین ہی موجوں کے ریلے نے مجھے اس شہتیر سمیت پانی سے نکال کر ریتلے ساحل پر پھینک دیا۔

تنے سے الگ ہو کر کئی ثانیوں تک میں سانس روکے وہاں کھڑا رہا۔ فضا پر اس وقت مہیب سناٹے کی حکمرانی تھی۔ سمندری موجوں کے دھیمے دھیمے اور مسلسل شور سے قطع نظر پورے جزیرے پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے وہاں صدیوں سے کسی ذی روح کا گزر نہ ہوا ہو۔

ایسے عجیب ماحول میں تنہائی کا احساس بہت بھیانک تھا۔ میرا دل اب کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ میں نے جھک کر اپنے قدموں میں پڑے ہوئے شہتیر کو خشکی میں اندر کھینچنا

شروع کر دیا۔ اس وقت بس وہی شہتیر میری امیدوں کا سہارا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں صبح سویرے چڑھتے سمندر کی موجیں اسے ساحل سے نہ بہا لے جائیں۔

اس شہتیر کو کافی دور تک کھینچ لانے کے بعد میں آگے بڑھنے لگا میرے کان ہواؤں پر جمے ہوئے تھے لیکن میں دھیمی دھیمی اور یکساں سنسناہٹ کے سوا کچھ نہ سن سکا۔ ہواؤں میں وہ گونج بالکل مفقود تھی جو درختوں اور جنگلوں میں سے گزرنے کے بعد سنائی دیتی ہے۔

اس کا یہی مطلب تھا کہ بحرالشیاطین کا یہ جزیرہ صرف ویران ہی نہیں بنجر بھی ہے۔

میں کافی دیر تک بے مقصد آگے بڑھتا رہا۔ قدموں میں پھیلے ہوئے ناہموار ریتلے ٹیلے مجھے سنبھل کر چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔

پھر اچانک فضا کا سناٹا مجروح ہو گیا اور میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا۔ اس جزیرے کے قرب و جوار سے کسی تیز سیٹی کی گھٹی گھٹی سی آواز ابھری تھی۔ یوں معلوم ہوا جیسے کسی جہاز نے وسل دی ہو۔

وہ آواز اتنی گونجیلی اور مختصر تھی کہ میں سمت کا اندازہ نہ کر سکا۔ مگر پھر بھی بے قابو ہو کر دیوانہ وار آگے کی طرف دوڑنے لگا۔

جب کافی دیر تک دوبارہ کوئی آواز نہ سنائی دی تو میں نے خود ہی کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک جگہ رک گیا۔

"کیا اس جزیرے پر کوئی ہے؟" میں نے پوری قوت سے گلا پھاڑ کر پوچھا۔

میں کئی ثانیوں تک جواب کا منتظر رہا۔ لیکن میری آواز کی دم توڑتی ہوئی بازگشت کے علاوہ اس بنجر اور ویران جزیرے پر کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

طویل وقفے کے بعد میں نے ایک بار پھر مقدر آزمائی کا فیصلہ کیا اور پوری قوت سے چیخ کر بولا۔ "میں زخمی اور بھوکا ہوں مجھے مدد کی ضرورت ہے۔"

اور اس بار میری کوشش بار آور ہوئی۔

کسی جانب سے وہی ہوٹر کی تیز آواز ابھری اور اس کی آخری سانس سے ایک چیختی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔ "اس جزیرے کے ساحل پر ہمارا جہاز موجود ہے۔ ہم ایک سرخ روشنی بلند کرتے ہیں تم اسی طرف آ جاؤ۔"

"میں آ رہا ہوں۔" میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔

پھر ایک طرف آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی ہوئی سرخ روشنی نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بھڑکتی ہوئی مشعل کسی بانس سے باندھ کر بلند کی جا رہی ہو۔

میں جزیرے کی ناہموار سطح کا خیال کئے بغیر اس روشنی کی سمت میں دوڑ پڑا۔ امید کی کرن نظر آتے ہی میں اپنی ساری تکلیف بھول گیا تھا اور میرے بدن میں بے پناہ توانائی جاگ اٹھی تھی۔

شاید نصف گھنٹے میں وہ روشنی اتنی قریب آگئی کہ مجھے اس کے زیر سایہ ایک چھوٹا سا بحری جہاز ہچکولے کھاتا ہوا نظر آنے لگا۔

جب میں ساحل پر پہنچا تو وہ مشینی جہاز ساحل سے کچھ دور گہرے پانی میں لنگر انداز تھا اور اس پر گہرا سکوت طاری تھا۔ فضا میں اٹھی ہوئی مشعل کے علاوہ جہاز پر کوئی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"آگے بڑھتے آؤ۔" جہاز پر چھائے ہوئے گہرے اندھیرے میں سے ایک پرکشش نسوانی آواز ابھری۔ "میں رسی کی سیڑھی لگا کر اوپر بلا لوں گی۔"

اس غیر متوقع مدد پر مجھے اتنی خوشی تھی کہ میں سب کچھ بھول کر پانی کاٹتا آگے بڑھنے لگا اور جب میں اس آہنی جہاز کے قریب پہنچا تو وہاں واقعی رسی کی ایک سیڑھی جھول رہی تھی۔

جہاز کی آہنی ریلنگ پر ایک نسوانی ہیولا موجود تھا۔ اس نے کچھ کہے بغیر سہارا دے کر مجھے عرشے پر اتار لیا اور پھر سیڑھی کھول کر سمندر ہی میں پھینک دی۔

"میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔" میں فرط جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں اس سے کہنے لگا۔ "اگر تم میری مدد نہ کرتیں تو شاید میں اس ویران جزیرے پر سسک سسک کر مر جاتا۔"

"تمہارے کپڑے گیلے ہیں' انہیں اتار دو' ورنہ سمندری ہواؤں میں تم نمونیہ کا شکار ہو کر مرجاؤ گے۔" اس نیک دل عورت نے اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"مگر.... مگر میں کیا پہنوں گا؟" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے..... اتنے اندھیرے میں تو شاید ہم ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔" وہ مترنم آواز میں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تو.... تو کیا اس جہاز پر بالکل روشنی نہیں ہے؟" میں نے حیرت اور بوکھلاہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں..... اس جہاز کا نام ہی سفینہ ظلمات ہے' ہاں یہ تو بتاؤ کہ یہ کون سی جگہ ہے۔" شاید اسے یک بیک خیال آگیا۔

"یہ بحر الشیاطین کے سات جزیروں میں سے ایک ہے۔" میں نے سردی کے احساس سے چھٹکارا پانے کے لئے جھجکتے ہوئے اپنا گیلا لباس اتارتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بالکل ویران ہے۔"

"اوہ۔" اس نے شاید اطمینان کا سانس لیا جس کا مفہوم میں نہ سمجھ سکا۔

جب میرے بدن پر صرف زیر جامہ باقی رہ گیا تو اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور میں پھریری لے کر رہ گیا۔ اس کا لمس حرارت آگیں اور نشاط پرور تھا۔ اپنی پوری زندگی میں اس وقت تک میں نے صرف ایک بار طوسیہ کے نسوانی پیکر کی چند لذت انگیز رعنائیوں کو دریافت کیا تھا۔ اب جو اس نے یوں بے حجابی سے میرا ہاتھ تھاما تو میرے روئیں روئیں میں سرور کا ایک سمندر انگڑائیاں لینے لگا۔

"شاید تم بھوکے ہو۔" وہ میری کیفیت سے لاعلمی کے انداز میں بولی۔ "میرے جہاز پر تمہیں صرف گوشت مل سکے گا' نمکین اور لذیذ گوشت۔"

"ہاں' ہاں... اس وقت تو میں لوہے کی چادریں تک چبا ڈالوں گا۔ بھوک اور پیاس سے میری آنتیں بری طرح اینٹھ رہی ہیں۔" میں اپنے خشک ہوتے ہوئے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

وہ دلنواز انداز میں دھیمے سے ہنسی۔ "مجھے نہ پھاڑ کھانا' میں اس جہاز پر اکیلی ہوں۔"

"اکیلی؟" میں نے چونک کر دہرایا۔ "تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟"

"ساتھی!" وہ یک بیک اداس ہو گئی۔ "کوئی بھی زیادہ دنوں تک میرے ساتھ نہیں رہتا۔ ہر نیا آنے والا سفینہ ظلمات پر ایک مقررہ مدت میرے ساتھ گزارتا ہے پھر وہ اسے کہیں لے جاتا ہے اور میں نئے ساتھی کی تلاش میں دربدر بھٹکنے لگتی ہوں۔"

"وہ کون؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس عورت کی باتیں مجھے عجیب سی لگ رہی تھیں۔

"چھوڑو۔۔ تمہیں اس سے کیا مطلب تم بھوکے ہو نا؟"

اسی وقت جہاز پر گھنٹیوں کا تیز شور گونجنے لگا۔ وہ مجھے بتا چکی تھی کہ جہاز پر اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اب جو یہ شور ابھرا تو میں خوفزدہ ہو گیا مگر وہ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیئے بغیر میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑ پڑی۔ ذرا ہی دور ایک تاریک دروازے سے گزر کر ہم کسی کشادہ کمرے میں پہنچے جہاں گوشت کی سوندھی سوندھی بو رچی ہوئی تھی۔

"لو یہ کھا لو۔" اس نے اندھیرے ہی میں ایک طشتری میری طرف بڑھائی۔

میں نے نمکین اور خوش ذائقہ گوشت کا پہلا ہی لقمہ نگلا تھا کہ گھنٹیوں کا شور جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح یک لخت موقوف بھی ہو گیا اور جہاز پر ہلکا ہلکا مشینی شور ابھرنے لگا جو بتدریج تیز ہوتا جا رہا تھا۔ پھر پے در پے کئی بار جہاز کا ہوٹر گھٹی گھٹی آواز میں چیخا اور تیز جھٹکے کے ساتھ جہاز حرکت میں آ گیا۔

"یہ جہاز خود بخود چل رہا ہے۔" میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا۔

"ہاں۔ تم ڈرو نہیں' یہ کسی چٹان سے نہیں ٹکرائے گا۔" وہ بے خوفی سے بولی۔

میں نے پہلی بار اس عورت سے دہشت سی محسوس کی۔ میں نہ جانے کس آسیبی جہاز پر آ پھنسا تھا۔ "آخر اسے کون چلا رہا ہے؟"

"کوئی نہیں۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی پھر یک بیک میرے بدن سے آ لگی۔ "اتنے بڑے جہاز پر ایک خوبصورت اور جوان لڑکی تنہا تمہارے ساتھ ہے اور تم خوف سے مرے جا رہے ہو۔"

کچھ بھوکے پیٹ میں پہنچی ہوئی لذیذ غذا کا خمار' کچھ اس کا دہکتا ہوا قرب' میں نے پھریری لے کر والہانہ انداز میں اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

آسیبی جہاز کی رفتار شاید یک بیک تیز ہو گئی۔ اس کے ہوٹرز بھی بار بار چیخنے لگے۔

اس وقت بنت نیل' کبڑا شیطان' خونی بلا' بحرا شیاطین اور آسیبی جہاز' غرض ہر خوف' نشاط کے سمندر میں ڈوب کر تصور سے اوجھل ہو چکا تھا اور جب اس سرکش طوفان نے دم توڑا تو میں بری طرح نڈھال ہو چکا تھا اور میرے سارے زخموں کی کسک یک بیک جاگ اٹھی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا۔

"میرا نام گناہ ہے ہم سفر۔۔۔ گناہ جو سب سے حسین اور گھناؤنا ہوتا ہے۔ تم نے محسوس کیا ہو گا کہ گزرے ہوئے لمحوں میں' میں کتنی حسین تھی اور اب...." وہ ایک ثانئے کے لئے خاموش ہوئی۔ "اب شاید کچھ دیر کے لئے تم مجھے گھناؤنا سمجھو گے۔ گناہ کی اگلی چنگاری بھڑکنے تک شاید تم میرے قریب بھی نہ آؤ۔"

"پہیلیاں نہ بجھواؤ۔" میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اس وقت مجھے تم سے خوف آ رہا ہے' میں تمہارے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"وقت گزر چکا ہے' اب تم جان کر بھی کچھ نہ کر سکو گے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"پتہ نہیں تم مجھے کس بات کا احساس دلانا چاہتی ہو!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"تم نے جو گوشت کھایا وہ کیسا تھا؟" وہ اچانک پوچھ بیٹھی۔

"لذیذ تھا۔" میں نے حیرت کے ساتھ کہا۔ "مگر تمہیں اس وقت گوشت کا خیال کیسے آ گیا؟"

"جانتے ہو وہ کیا تھا؟"

"میرے لئے تو بس وہ گوشت ہی تھا۔"

"کان کھول کر سنو کہ پہلے میں بھی آزاد تھی۔ اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ اور اپنے جیسے انسانوں کے درمیان زندگی گزار رہی تھی۔ پھر ایک انقلاب آیا۔ میں ہر قیمت پر اس لڑکی کو اپنی راہ سے ہٹانا چاہتی تھی جس نے میرے محبوب کو مجھ سے چھین لیا تھا۔" وہ سپاٹ آواز میں کہے جا رہی تھی۔ "میں بہت کچھ سوچتی رہی مگر اپنی بزدلی کے باعث کچھ نہ کر سکی' پھر ایک شیطان صفت شخص نے خاص ترکیبوں سے سکھایا اور بھونا ہوا انسانی دل مجھے کھلایا۔ میری رقیب اس رات دماغ کی کوئی رگ پھٹنے سے ہلاک ہو گئی مگر میرا بے وفا محبوب بھی مجھے نہ مل سکا۔ اس نے اپنی دوست کی موت سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ انسانی دل کھانے کے بعد میں شیطان کی پجارن بن چکی ہوں۔"

"تم.... شیطان کی پجارن؟" یک بیک دہشت کی ایک سرد سی لہر میرے پورے وجود پر چھاتی چلی گئی۔

"ہاں اجنبی ہم سفر۔۔۔ میں پندرہ برس سے سفینہ ظلمات پر بحری سفر کر رہی ہوں۔"

میرا یہ آسیبی جہاز سینکڑوں بار خشکی کے قریب لنگر انداز ہوا ہے لیکن میرے قدم کبھی زمین پر نہیں پڑے۔ میں اپنے آقا شیطان کی ہدایت پر کئی دن سے بحر شیاطین کے اسی ویران جزیرے پر تیری منتظر تھی اور اب تو اس جہاز پر میرا قیدی ہے!" وہ پُراعتماد لہجے میں یہ کہہ کر زور سے ہنس پڑی۔

اس وقت اس کی مترنم آواز اپنی کشش کھو چکی تھی اور میں اس سے بے حد دہشت محسوس کر رہا تھا۔ وہ ہنسی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سوکھی ہوئی ہڈیوں کے کئی انسانی پنجر آپس میں الجھ پڑے ہوں۔

"نہیں، میں کسی کا قیدی نہیں ہوں۔ تو مجھے نہیں روک سکتی۔ میں اس ڈراؤنے جہاز سے کھلے سمندر میں کود پڑوں گا۔"

"میرا وار اتنا اوچھا نہیں ہوتا اجنبی!" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "میں نے اس تاریکی میں تجھے نمکین گوشت کھلایا ہے جس پر سحر کیا ہوا تھا میری ہم آغوشی سے لذت اندوز ہونے کے بعد اب تو میری یا میرے آقا کی مرضی کے بغیر سفینہ ظلمات سے کہیں نہ جا سکے گا۔"

"میں جا رہا ہوں۔ میں جا رہا ہوں۔" میں خوفزدہ آواز میں یہ کہتا ہوا اس تاریک کمرے سے باہر نکل بھاگا۔

جوں ہی میں کھلے ہوئے عرشے پر پہنچا جہاز میں ہر طرف بے شمار گھنٹیوں کا خوفناک شور ابھرنے لگا۔ میں ایک جگہ رک کر متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ میرے اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی میں سے لاتعداد سرکٹے ہیولے ابل پڑے۔

وہ سرکٹے سیاہ ہیولے دونوں ہاتھوں سے اپنی رانیں پیٹتے، اچھلتے ہوئے چاروں طرف سے میری جانب بڑھے آ رہے تھے۔ یہ صورتحال میرے لئے بہت دہشتناک تھی۔ میرے قدم خودبخود تھم کر رہ گئے اور میرے حلق سے غیر ارادی طور پر پے درپے چیخیں نکلنے لگیں۔

"لوٹ آ ننھے بچے!" مجھے اپنے عقب میں وہی طنزیہ نسوانی آواز سنائی دی۔ "ورنہ یہ مخلوق تجھے خودکشی پر مجبور کر دے گی۔ سفینہ ظلمات پر آنے والے اپنی مرضی سے واپس نہیں لوٹا کرتے۔"

شاید وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔ ان سرکٹے ہیولوں کی اتنی بڑی تعداد عرشے پر جمع ہو چکی تھی۔ میرے آگے بڑھنے کا راستہ مفقود ہو چکا تھا۔ میں چند ثانیوں تک ہکا بکا اسی جگہ

کھڑا رہا۔ پھر بوکھلا کر واپس اسی تاریک کمرے کی جانب دوڑ پڑا جہاں وہ پُراسرار لڑکی موجود تھی۔

اس کمرے میں داخل ہوتے ہی عرشے پر پھیلا ہوا ہنگامہ ختم ہو گیا اور میں تاریکی میں اپنے تیز تیز سانسوں کی آواز سنتا رہا۔ اس وقت میرا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

معاً میں نے اپنے برہنہ شانے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا اور دہشت سے اچھل پڑا۔

"ڈرو نہیں!" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "صبح نمودار ہونے والی ہے۔ اب تم خود ہی سارا جہاز گھوم سکو گے لیکن موقع پا کر کھلے سمندر میں فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا، سفینہ ظلمات کے گرد بڑا سخت حفاظتی حصار قائم ہے جسے توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں۔" اتنا کہہ کر اس نے میرے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"تت.... تمہارا نام کیا ہے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے کانپتی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا۔

میں کئی منٹ تک اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن اس کیبن میں چھائی ہوئی گہری تاریکی میں سے کوئی آواز نہ ابھری، بس میں اپنے ہی دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔

اس لڑکی کی پُراسرار روپوشی کے بعد میں بمشکل چند ہی منٹ اس تاریک کیبن میں رکا اور اسی دوران میں مجھ پر زبردست گھبراہٹ طاری ہونے لگی اور میں بوکھلا کر کھلے آسمان کے نیچے عرشے پر نکل آیا۔

خلاف توقع اس بار سفینہ ظلمات کے عرشے پر نہ کوئی شور برپا ہوا اور نہ ہی سرکٹوں کی یلغار ہوئی۔ میں اپنی ہی آہٹوں پر چونکتا ہوا آہستہ آہستہ عرشے کی ریلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت سمندر کی سطح بہت پُرسکون تھی۔ آہستہ آہستہ ہلکورے لیتے ہوئے سیاہی مائل پانی کی سطح کہیں کہیں ستاروں کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ کھلے سمندر میں ہونے کے باعث یہ معلوم ہو رہا تھا کہ سفینہ ظلمات ایک ہی جگہ کھڑا ہلکورے لے رہا ہے۔

میں نے جہاز کی رفتار کا اندازہ لگانے کے لئے عرشے سے رسی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر سمندر

میں پھینکا اور جہاز تیزی کے ساتھ اسے پیچھے چھوڑتا آگے بڑھ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جہاز کافی تیز رفتاری کے ساتھ گہرے سمندر میں کسی گمنام منزل کی جانب بڑھا جا رہا تھا۔

عرشے کی کھلی فضا اور تاروں بھرے آسمان کے سائے میں مجھے قدرے سکون مل رہا تھا' اس لئے میں اس ہولناک کیبن میں واپس لوٹنے کے بجائے عرشے پر پڑی ہوئی ایک تابوت نما آہنی پٹی پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن بدستور موجودہ حالات میں الجھا ہوا تھا اور پچھلی رات فرار کی ناکام کوشش کے بعد میری ہمت بالکل پست ہو چکی تھی۔

رات کے پرہول سناٹے میں جہاز کے وزنی انجنوں کی گڑگڑاہٹ اور رہ رہ کر ابھرنے والی ہوٹر کی آواز بہت ڈراؤنی لگ رہی تھی۔ اس پراسرار لڑکی نے بحرالشیاطین کے دوسرے جزیرے پر میری رہنمائی کے لئے جو مشعل بلند کی تھی وہ اب کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

آخرخدا خدا کر کے آسمان کے مشرقی گوشوں پر سیاہی کے سینے کو چیرتی' روشنی کی دھندلائی ہوئی کرنیں نظر آئیں اور میں اضطراری طور پر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

صبح کے ابتدائی اجالے میں' میں نے بے چین نگاہوں سے جہاز کا جائزہ لیا تو عرشے پر ہر طرف سیاہ رنگ نظر آیا۔ وہ پورا جہاز وزنی آہنی چادروں کا بنا ہوا تھا اور اس کے چپے چپے پر کالا رنگ کیا گیا تھا۔ کسی کسی جگہ اکھڑے ہوئے رنگ کے نیچے لوہے کی زنگ خوردہ سطح بھی نظر آ رہی تھی۔ عرشے کے جس آخری سرے پر میں موجود تھا وہاں سیاہ رنگ کے بڑے بڑے آہنی صندوق زنجیروں میں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے رکھے تھے۔ ان کے قریب ہی جوٹ کی میلی رسیوں کا بہت بڑا ڈھیر پھیلا ہوا تھا لیکن عرشے پر کہیں بھی جان بچانے والا وہ مخصوص سامان نہیں تھا جو عام طور پر طوفان یا ہنگامی حالت میں مسافر اور عملے کے کام آتا ہے۔

اور جب مشرقی افق سے خون کے کفن میں لپٹے ہوئے سورج نے سر ابھارا تو میں عرشے کا جائزہ لے چکا تھا اور میرا رخ بلند پلیٹ فارم پر بنے ہوئے کنٹرول روم کی جانب تھا۔

میں زنگ آلود سیڑھیاں عبور کرتا کنٹرول کیبن میں پہنچا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہاں بہت سے آلات خود بخود حرکت کر رہے تھے۔ یہاں در و دیوار پر ہر جگہ زنگ کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ میں یہ سب دیکھ ہی رہا تھا کہ معاً ایک سلاخ خود بخود نیچے آئی اور جہاز کا

ہوٹر کسی ذبح ہوتے ہوئے سانڈ کی طرح چیخنے لگا۔ میں دہشت زدہ ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ چند ثانیوں بعد ڈوری سے بندھی ہوئی وہ سلاخ نیچے آئی اور ہوٹر کا شور رک گیا۔

کنٹرول کیبن سے نیچے آنے کے بعد میں نے پورے جہاز کی تلاشی کا کام شروع کیا۔ دوپہر تک میں نے عرشے اور درمیانی منزل کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن ہر طرف ویرانی اور بے رونقی کے سوا کچھ نہ مل سکا۔

جہاز کا انجن روم بھی بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ مشینیں تیز اور یکساں شور کے ساتھ یوں چل رہی تھیں جیسے ازل سے اسی حالت میں ہوں۔ سب سے نچلی منزل پر پہنچ کر خوف سے میرا بدن پسینوں میں ڈوب گیا۔ اس وسیع تہ خانے کے نمناک اندھیرے میں بے شمار خشک انسانی پنجر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ ہڈیوں کے ان ڈھانچوں کے درمیان پڑی ہوئی انسانی کھوپڑیاں دہشت اور عبرت کا بھیانک سماں باندھ رہی تھیں۔

میں پورے تہ خانے کا جائزہ لئے بغیر ہی افراتفری کے عالم میں واپسی کے لئے مڑا تو میری ٹھوکر سے ایک کھوپڑی لڑھکتی ہوئی آگے بڑھ گئی اس کھوپڑی کا شور ہوتے ہی اس بھیانک تہ خانے میں ہلچل سی پیدا ہو گئی اور بے جان انسانی کھوپڑیوں میں دبکی ہوئی بے شمار بحری چمگادڑیں چیخ چیخ کرتی میرے اردگرد منڈلانے لگیں۔

میں نے چیخ مار کر اپنا چہرہ کہنیوں میں چھپایا اور فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ تہ خانہ بدستور چمگادڑوں کے شور ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے گونج رہا تھا۔ بھٹکی ہوئی چمگادڑیں بار بار میرے ہاتھوں اور جسم کے دوسرے حصوں سے بھی ٹکرا رہی تھیں۔

مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں یہ چمگادڑیں میرے بدن پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ میں کافی دیر یوں ہی دم بخود بیٹھا رہا' پھر اچانک چمگادڑوں کا ایک غول بری طرح چیختا ہوا میرے بدن سے لپٹ گیا۔ میں نے ان کے تیز پنجوں اور نوکیلے دانتوں کی چبھن اپنے سارے بدن میں محسوس کی' لیکن میں نے اپنے منہ سے ہاتھ ہٹانے کی حماقت نہیں کی' اس وقت میرے بدن کا صرف وہی حصہ ان خون آشام پرندوں کی زد سے محفوظ تھا جو میرے ہاتھوں اور کلائیوں میں چھپا ہوا تھا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ میں جوں ہی ہاتھ ہٹاؤں گا یہ چمگادڑیں میرے چہرے کو بھی لہولہان کر دیں گی۔ اس وقت میں سخت اذیت میں مبتلا بری طرح چیخ رہا تھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا جو میری مدد کرتا۔

معاً سفینہ ظلمات کے اس تہہ خانے میں ایک کھردری اور سخت سی آواز ابھری۔ ساری چمگادڑیں فوراً ہی میرے جسم سے الگ ہو گئیں اسی کے ساتھ وہ کھردری سرگوشی بھی معدوم ہو گئی جس نے شاید انہیں ہشکارا تھا۔

اس اذیت سے یوں نجات مل جانے پر مجھے مسرت آمیز حیرت ہوئی اور میں نے ڈرتے ڈرتے اپنے سر سے ہاتھ ہٹائے تو چمگادڑیں تیزی کے ساتھ بے جان انسانی کھوپڑیوں اور نمناک تہہ خانے کے تاریک گوشوں میں گھس رہی تھیں۔ میں شدید وحشت اور گھبراہٹ کے عالم میں سیڑھیوں پر گرتا پڑتا تہہ خانے سے نکلا اور کہیں بھی رکے بغیر سیدھا عرشے پر جا پہنچا۔

عرشے پر ایک نئی دہشتناک مصیبت میری منتظر تھی۔ جب میں بوکھلاہٹ کے عالم میں آگے بڑھا تو آہنی زنجیروں سے آپس میں بندھے ہوئے لوہے کے تابوت نما صندوقوں کے زنگ آلود ڈھکنے علیحدہ بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ میں پورے جہاز کا جائزہ لے کر اندازہ لگا چکا تھا کہ اس آسیبی جہاز پر میرے سوا کوئی شخص موجود نہیں ہے اور میں جاتے ہوئے یہ سارے صندوق بند چھوڑ کر گیا تھا لیکن اب ان کے ڈھکنے کھلے ہوئے تھے۔ آخر یہ سب کس نے کیا ہے۔ میرے ذہن میں یہ خوف آور سوال بڑی شدت سے ابھرا تھا۔

میں ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا تو پہلے آہنی تابوت میں جبرین کے آتش پرست اور قزاقوں کے خوفناک سردار جوبا کا بے جان جسم اس حالت میں رکھا ہوا تھا کہ اس کی کھلی ہوئی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابل آئی تھیں اور اس کے چہرے کے کرخت نقوش سکرات کی اذیت سے گزرنے کے بعد بے حد بھیانک ہو گئے تھے۔

جوبا کی لاش پر نظر پڑتے ہی میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ پھر بھی میں دوسرے تابوتوں کے بارے میں اپنے تجسس کو نہ چھپا سکا۔ دوسرا تابوت جوبا کے گونگے اور بہرے غلام طالیس کی معذور لاش سے سجا ہوا تھا۔ لاش کا کہنی پر سے ٹوٹا ہوا خون آلود ہاتھ لاش کے سینے پر الگ سے یوں رکھا گیا تھا جیسے وہ سارا عمل ذرا ہی دیر قبل کیا گیا ہو۔

"تیسرے اور چوتھے آہنی تابوت میں جبرین کے قزاق' راعون کے دونوں بیٹوں کی لاشیں تھیں جنہوں نے مانینی کو گناہ کی سیج سے منہ چھپا کر لوٹتے رنگے ہاتھوں پکڑ کر سرعام رسوا کیا تھا۔

سفینہ ظلمات کے سیاہ عرشے پر گیارہ تابوت پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے چھ لاشیں میں نے پہچان لیں۔ یہ سب وہ بدنصیب تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں میری دانست میں مانینی کو کھلی زک پہنچائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ باقی پانچ لاشیں بھی ایسے ہی بدبختوں کی رہی ہوں گی جنہوں نے کبھی نہ کبھی مانینی کو چوٹ دی ہو گی۔

اس جہاز پر مجھے پے در پے ایسے مہیب واقعات پیش آ رہے تھے کہ میں بے اختیار اس سے نجات حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے چوروں جیسی نگاہوں سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اس وقت وہاں میرے آس پاس کوئی نہیں تھا' یہ جہاز تو ویسے بھی ویران ہی تھا' میرے نزدیک گیارہ انسانی جسم آہنی تابوتوں کے قیدی تھے۔ لیکن وہ زندگی اور عمل کی ہر قوت سے محروم تھے۔

میں نے جب ایک مرتبہ پھر ان آہنی تابوتوں پر نظر ڈالی تو میرے وجود میں خوف کی ایک ایسی شدید لہر سرایت کر گئی کہ میں بری طرح چیختا ہوا عرشے کی ریلنگ عبور کر کے جھاگ اڑاتے سمندر میں کود گیا۔

جونہی میں سمندر کی جھاگ اڑاتی سرکش موجوں میں گرا میرے اردگرد سے مہیب آوازیں ابھرنی شروع ہو گئیں اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی بھنور میں پھنس گیا ہوں۔ میں کافی دیر تک اسی سمندری بھنور میں گھرا سفینہ ظلمات کے پیچھے پیچھے بہتا رہا۔ پھر کئی وزنی مچھلیاں سمندر کی سطح پر ابھریں اور جارحانہ انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوئیں۔ اس وقت میری حالت بہت ابتر تھی اور میں سمندری تھپیڑوں کے سامنے بالکل نیم جان ہو کر رہ گیا تھا۔

معاً اوپر فضا میں کسی پرندے کی کریہہ چیخ سنائی دی' میں نے بمشکل اوپر کی طرف دیکھا تو سیاہ اور سفید پروں والا ایک دیوہیکل سمندری گدھ اپنے بڑے بڑے پروں کو پھڑپھڑاتا میرے اوپر منڈلا رہا تھا۔

ادھر مجھ پر حملہ آور ہونے والی مچھلیاں اب بری طرح آپس میں لڑ پڑی تھیں۔ غالباً ان میں سے ہر ایک مجھ پر بلاشرکت غیرے قابض ہونے کی فکر میں تھی۔ ایک مرتبہ جونہی میں اس بھنور میں ڈوب کر سطح پر ابھرا' اوپر منڈلاتا ہوا گدھ چیختا ہوا تیزی کے ساتھ نیچے آیا اور مجھے اپنے پنجوں میں دبوچ کر اوپر اٹھتا چلا گیا۔

اس کے پنجوں کی چبھن اور اس کے بدن سے پھوٹنے والی سخت بدبو نے مجھے شدید اذیت میں مبتلا کر دیا۔ چمگادڑوں کے لگائے ہوئے زخموں نے مجھے پہلے ہی بدحال کیا ہوا تھا اور اب مجھے بھیانک موت اپنے سر پر منڈلاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ گدھ یقینی طور پر مجھے ہلاک کر کے اپنی آتش شکم سرد کرنی چاہتا تھا۔ وہ گدھ مجھے اپنے پنجوں میں لئے کافی بلندی تک اٹھتا چلا گیا۔ سفینہ ظلمات کا سیاہ آہنی پیکر موجوں پر ہچکولے کھاتا بدستور کسی گمنام سمت میں بڑھا جا رہا تھا۔

میرے نیچے گہرا سمندر تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر میں کسی طرح خود کو اس گدھ کے پنجوں کی گرفت سے آزاد کرا لوں تو پانی میں گر کر زخمی نہیں ہو سکوں گا۔ میں اس گدھ کے پنجوں میں اس طرح دبا ہوا تھا کہ میری پشت اس کے جسم سے لگی ہوئی تھی' پنجے میرے پیٹ میں چبھ رہے تھے اور میرا منہ گدھ کی چونچ کے نیچے سمندر کی جانب لٹکا ہوا تھا اور ہاتھ فضا میں جھول رہے تھے۔

میں چند ثانیوں تک اپنے حواس مجتمع کرتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے اس گدھ کے پنجے مروڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ چند لمحوں تک وہ گدھ یوں پرسکون انداز میں اڑتا رہا جیسے اس پر میری زور آزمائی کا کوئی اثر ہی نہ ہوا ہو پھر یک بیک اس نے چیختے ہوئے نیچے غوطہ لگایا اور اپنی خوفناک چونچ سے بار بار میری کھوپڑی نوچنے لگا۔

میں نے بوکھلا کر اپنی کوششیں ترک کر دیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ میری کھوپڑی کے کسی نازک حصے کو بری طرح زخمی نہ کر دے۔

میں نے اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا لیکن وہ گدھ بہت بڑے دائرے کی صورت میں چکر کاٹ کر بدستور نیچے آتا جا رہا تھا اور اس کا رخ واپس سفینہ ظلمات کی جانب تھا۔

معاً میرے ذہن میں سفینہ ظلمات والی پراسرار لڑکی کے کہے ہوئے الفاظ گونجے کہ میں اس کی یا اس کے آقا شیطان کی مرضی کے بغیر سفینہ ظلمات سے نہ جا سکوں گا۔ اگر اس کی بات سچ تھی تو مجھے پنجوں میں دبوچ کر پرواز کرنے والا یہ مہیب گدھ یقینی طور پر اسی طاغوتی گروہ سے متعلق تھا اور اب مجھے کھلے سمندر سے نکال کر دوبارہ اس پراسرار جہاز پر پہنچانا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میرے اندیشوں کی تائید ہو گئی۔

وہ گدھ سیاہ آہنی جہاز پر پہنچ کر منڈلانے لگا تھا۔ جہاز پر اس وقت بھی ہولناک ویرانی کا راج تھا۔ عرشے پر پڑے ہوئے آہنی تابوتوں میں پڑی ہوئی لاشیں مجھے ماٹنی کے ہولناک انتقام کی یاد دلا رہی تھیں۔ اس وقت سورج' سمندر کی بیکراں وسعتوں پر الوداعی نظریں ڈالتا مغربی افق کی گہرائیوں میں روپوش ہوتا جا رہا تھا اور شفق رنگ آسمان کے سائے میں ڈوبتی ابھرتی موجیں رنگوں کا ایک طوفان بپا کئے دے رہی تھیں۔

حلق سے ہلکی سی کراہ نکال کر وہ گدھ تیر کی طرح سفینہ ظلمات کے عرشے پر اترا اور آہستگی کے ساتھ مجھے اپنے پنجوں کی گرفت سے آزاد کر کے ایک طرف ہٹ گیا۔

میں اس وقت زخموں سے چور اور دہشت سے بدحال تھا۔ پھر بھی اس گدھ کے متوقع حملے کے اندیشے نے مجھے اٹھ جانے پر مجبور کر دیا میں اٹھا تو حیرت اور خوف سے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جہاز کے عرشے پر اس بحری گدھ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ ہاں آسمان پر بہت دور ایک سرمئی پرندہ اپنے گمنام مسکن کی طرف لوٹتا نظر آ رہا تھا اور عرشے پر اس گدھ کے بجائے چمکیلی جلد والا ایک توانا اور چاق و چوبند سیاہ بلا میرے مقابل موجود تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی دم ہلاتا اپنی مقناطیسی آنکھوں سے میری جانب گھورے جا رہا تھا۔

بلے کے حلق سے نکلنے والی غراہٹ نے مجھ پر چھائی ہوئی سکتے کی کیفیت کو ختم کیا۔ وہ غصیلی آوازیں نکالتا بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ جوبا کے کھلے ہوئے آہنی تابوت پر جا چڑھا جو میرے قریب ہی پڑا ہوا تھا اور غضب ناک انداز میں اپنے پنجوں اور تیز دانتوں سے اس لاش کا سینہ ادھیڑنے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر میرے حواس گم ہو گئے اور میں تیورا کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو آہنی جہاز پر مشینوں اور انجنوں کا شور بدستور بیدار تھا۔ گو سورج پوری طرح غروب ہو چکا تھا لیکن فضا پر مہیب تاریکی طاری نہیں ہوئی تھی۔

اور اس سرمئی شام میں عرشے پر میرے نزدیک سفینہ ظلمات سے وابستہ ڈراؤنے خواب حقیقت کا روپ دھارے موجود تھے۔ صحرائی کھنڈرات میں نظر آنے والا کبڑا شیطان اپنی سوکھی ہوئی استخوانی ٹانگوں کے سہارے ایک طرف جھکا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے کریہہ چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ اس کے قدموں میں وہی خونخوار سیاہ بلا موجود تھا جس میں ماٹنی کی روح حلول کر چکی تھی۔ بلے کے قریب ہی آہنی عرشے پر گوشت کا ایک لوتھڑا

ہوا تھا جو اپنی ہیئت کے اعتبار سے انسانی دل معلوم ہو رہا تھا۔

کوزہ پشت شیطان کے پہلو میں چھریرے بدن اور دراز قامت والی ایک خوبرو لڑکی باریک لبادے میں لپٹی یوں کھڑی ہوئی تھی کہ اس کے بدن کا ایک ایک نقش دیکھنے والوں کو دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر کشش انگیز مسکان رچی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہ لڑکی ہی پچھلی رات کے اندھیرے میں مجھے بحر الشیاطین کے دوسرے جزیرے سے سفینہ ظلمات میں لائی ہو گی۔

میں نے اپنے قدموں پر اٹھنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر رہ گیا۔ میرا سارا بدن بری طرح دکھ رہا تھا۔ زخموں میں نم ناک ہواؤں کے لمس تک سے ناقابل برداشت کسک ہو رہی تھی۔

”قیدی۔۔۔۔ کیا حال ہے تیرا؟“ چند ثانیوں کے بعد شیطان کی سخت اور کھردری آواز ابھری۔

میں بے بسی کے عالم میں اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

”اب تو مفلوج اور معذور ہو چکا ہے۔“ وہ حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ ”مانیتی کی بے چین روح اپنے انتقام کے لئے تڑپ رہی ہے۔ یہ تیرے لئے فیصلے کا وقت ہے۔ مانیتی کا ہلاکت خیز قہر یا میری محبت آمیز قربت..... بتا تجھے کونسا راستہ پسند ہے؟“

”تیری قربت!“ میں خوفزدہ آواز میں منمنایا۔ ”تو کیا چاہتا ہے مجھ سے؟“

”میرا پجاری بن جا۔“ شیطان کی آواز ہتھوڑی کی طرح میرے ذہن میں گونجی۔ ”پھر تیرے لئے امان ہے‘ میرے تمام پجاری آپس میں امان سے رہتے ہیں‘ مانیتی کبھی تجھ پر بری نظر نہیں ڈالے گا۔ اگر تو ایک شرط پوری کر سکے تو پھر تیری پہلی خواہش پوری کی جائے گی اور اس کے بعد ہر جگہ میری حمایت تیرے ساتھ ہو گی۔ میں اپنے ہر نئے پجاری سے اس کی پہلی خواہش کی قیمت وصول کرتا ہوں جو بہت معمولی ہوتی ہے۔“

میں تذبذب میں پڑ گیا۔ اس وقت میں جن روح فرسا حالات سے دوچار تھا ان میں میرا زندہ رہنا محال نظر آ رہا تھا اور شیطان مجھے آسودہ زندگی کی نوید دے رہا تھا۔ معمولی شرط کے عوض مجھے اپنی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے کا یقین دلا رہا تھا یعنی میری طوسیہ نہایت آسانی سے مجھے مل سکتی تھی جس کے تصور کے تعاقب میں میں مدتوں سے صحرا بہ صحرا پھر رہا تھا‘ جس کے گمشدہ پیکر میں مجھے اپنے فن کی تسکین کے ہزارہا پہلو خوابیدہ نظر آ رہے

تھے اور اب وہ صنم پرست شہزادی شیطان کی پجارن تھی اور اس کوزہ پشت‘ کریہہ مخلوق کی ہدایت پر مجھ سے بالکل ہی ترک تعلق کر چکی تھی۔

”طوسیہ میری شرط پوری کر چکی ہے۔“ مجھے خاموش پا کر اور شاید میرے خیالات پڑھ کر شیطان دعوت انگیز لہجے میں بولا۔ ”اور صحرا کے ایک گمنام صندلیں کلیسا میں سویا ہوا اس کا گمشدہ بدن اسے واپس مل چکا ہے۔ وہ اب ایک خیالی سایہ یا روح نہیں‘ وہ ایک جیتی جاگتی اور خوبصورت لڑکی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تیری پہلی خواہش کیا ہو گی‘ میں انسانوں سے ان کی ایسی ہی شدید تمناؤں کے سودے کیا کرتا ہوں۔ یقین کر کہ تیری بنت نیل تجھے مل جائے گی ورنہ تیری ادھڑی ہوئی اور ناقابل شناخت لاش بھی ایک آہنی تابوت میں سجا کر میرے اس جہاز کے عرشے پر چھوڑ دی جائے گی اور جب سمندری ہوائیں تیرے گوشت کا ریشہ ریشہ چاٹ جائیں گی تو تیری ہڈیوں کا پنجر جہاز کے اسی تہہ خانے میں پھینک دیا جائے گا جہاں خشک کھوپڑیوں میں خونی چمگادڑیں اپنا مسکن بناتی ہیں.....!“

یہ سن کر میرا رواں رواں کانپ اٹھا۔ ”خاموش رہو۔ میرے آقا رحم کرو مجھ پر‘ میں خود کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔“ میں دہشت سے لرزتی ہوئی آواز میں چیخ اٹھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی ہے‘ وہ اپنی غیر مساوی ٹانگوں پر اچھلتا ہوا میرے قریب آیا اور اپنی بائیں ہتھیلی میرے سامنے کر دی۔ ”لے یہ کھا لے‘ تو میرے پجاریوں میں شامل ہو جائے گا۔“

اس کی ہتھیلی پر سوکھا ہوا ایک دل رکھا ہوا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ دل حیوانی تھا یا انسانی لیکن اس وقت میں ذہنی اعتبار سے بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی ہتھیلی پر سے وہ سوکھا ہوا دل اٹھایا اور اسے منہ میں ڈال لیا۔ میرا ارادہ اسے یوں ہی نگل جانے کا تھا۔

”نہیں..... اسے نگلا تو یہ پھر میرے پاس لوٹ آئے گا‘ یہ ایک خاص عمل سے سکھایا ہوا انسانی دل ہے۔ تجھے اس کا ریشہ ریشہ چبانا ہے۔“ میرا ارادہ بھانپتے ہی کبڑا شیطان بول پڑا۔

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کرنے میں ہی عافیت سمجھی‘ میرا خیال تھا کہ وہ دل بدذائقہ ہو گا۔ لیکن دو تین بار جبڑے چلاتے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تو بہت لذیذ اور

انگیز ہے۔

رات کی سیاہی میں اس انسانی عضو کے کچلے ہوئے پارچے میرے معدے میں منتقل ہوتے رہے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے سارے زخموں کا درد یک بیک کافور ہو چکا ہے اور اب میرے وجود میں نئی توانائی موجزن ہوتی جا رہی ہے' جس کے سہارے میں شاید پہاڑوں سے بھی ٹکرا سکتا ہوں۔ میں نے آخری بار وہ اثر انگیز غذا نگل کر کبڑے شیطان کی طرف دیکھا اور یک بیک میرے دل میں اس کے لئے بے پناہ عقیدت کا جذبہ ابھر آیا۔

بظاہر کریہہ الخلقت اور کوزہ پشت نظر آنے والا وہ شخص کس قدر رحم دل اور مہربان تھا۔ یقیناً اس کے سینے میں ایک شفقت بھرا دل دھڑک رہا تھا۔ میری ساری تکلیف اور نقاہت اب یکسر ختم ہو چکی تھی۔ میں پھرتی کے ساتھ عرشے سے اٹھا اور اپنا سر شیطان کے قدموں میں رکھ دیا۔

"میں تیرا پجاری ہوں محترم شیطان..... تیری تخلیق آگ سے کی گئی جو دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اسی آگ کی حرارت ماں کی کوکھ میں مامتا بن کر حقیر لوتھڑوں کو جیتے جاگتے بچوں کو پروان چڑھاتی ہے اور یہی آگ سورج کے سینے سے زمین پر برس کر سبزے' پھولوں' پھلوں اور فصلوں کی بہار لاتی ہے۔ تو قوتوں کا مالک ہے اور ہم سے عظیم ہے' اب میرا ہر فعل تیری ہی مرضی کا تابع ہو گا۔"

"مبارک ہو..... آج سے تو شیطانی مسلک پر چلنے والوں میں شامل ہو گیا ہے۔" شیطان نے نرمی سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کی آواز میں محبت کا سمندر انگڑائیاں لیتا محسوس ہو رہا تھا۔ "اٹھ جا' مجھے علم ہے کہ تیری سب سے بڑی آرزو طوسیہ کا قرب ہے۔ مانینی نے جوبا کی لاش کا سینہ چیر کر اس کا دل نکال لیا ہے۔ اب تجھے اس دل پر ایک عمل کرنا ہے تاکہ میں یہ دل کھلا کر کسی اور کو اپنا پجاری بنا سکوں۔"

میں اس کے قدموں سے اٹھا اور سیاہ ملبے کے قریب عرشے پر پڑا ہوا جوبا کا بے جان دل اٹھا لیا۔

"آج سے تیرا نام جبلی ہے کیونکہ جبل کی صحرائی بستی تیری ہی خاطر اجاڑی گئی تھی۔" شیطان مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "اب میں جا رہا ہوں۔ مانینی تجھے کبھی تنگ نہ کرے گا اور یہ لڑکی اس دل پر عمل کے بارے میں تیری رہنمائی کرے گی۔ یہ مدتوں سے سفینہ ظلمات کی

تنہا مسافر ہے اور میری بچی پجارن ہے تو جب تک بحر اشیاطین کے کسی ویران جزیرے پر اپنا عمل پورا کرے گا یہ ساحل پر تیرا انتظار کرے گی پھر میں اسی جہاز پر جوبا کا دل لینے آؤں گا۔ اس کے بعد طوسیہ ہمیشہ کے لئے تیری ہو گی اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے میرے پیدائشی پجاری ہوں گے' میری قوتیں تیری نگہبان اور محافظ ہیں۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی سفینہ ظلمات کے تاریک عرشے پر میں اس لڑکی کے ہمراہ تنہا رہ گیا۔ شیطان اور مانینی نہ جانے کہاں روپوش ہو چکے تھے۔ جوبا کی ادھڑی ہوئی لاش آہنی تابوت میں موجود تھی اور اس کا بے جان دل میری مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

"جبلی!" اس لڑکی نے بوجھل سی آواز میں پکارا۔ "آؤ اس رات کا جشن منائیں۔ یہ اندھیرا ہمیں کچھ پیغام دے رہا ہے' صبح تک سفینہ ظلمات ان ساتوں میں سے کسی نہ کسی جزیرے پر جا کر رکے گا۔ پھر تم اپنا عمل شروع کر سکو گے!"

میں اس وقت سرور کی دنیا میں گم تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک تاریک کیبن کی طرف چل دیا۔

باریک لبادوں میں لپٹی ہوئی وہ حسین لڑکی دلربایانہ انداز میں میرے آگے آگے چلی جا رہی تھی۔ وہ سفینہ ظلمات پر میری قید کی دوسری رات تھی۔ پہلی رات کی طرح اندھیرے کا کفن اوڑھے ہوئے۔

شیطان مانیٹی سمیت سفینہ ظلمات سے کہیں جا چکا تھا۔ وہ آہنی جہاز خودبخود کسی گمنام منزل کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔ اس کے چپے چپے پر اس وقت تاریکی کا راج تھا۔ عرشے پر آہنی تابوتوں میں مانیٹی کے دشمنوں کی گیارہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جوبا کی لاش کا سینہ چیر کر نکالا جانے والا بے جان انسانی دل میری مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

گو اس وقت میرے لئے پچھلی رات سے زیادہ ہولناک ماحول تھا لیکن خاص عمل سے سکھایا ہوا انسانی دل کھانے اور یوں شیطان کا پجاری بن جانے کے بعد مجھ میں بے پناہ جرات اور بے خوفی پیدا ہو چکی تھی۔ میں یوں محسوس کر رہا تھا جیسے میں بھی اس ڈراؤنے کھیل کا ایک اہم کردار ہوں۔ رہ رہ کر میرے دل میں کریہہ اور کوزہ پشت شیطان کے لئے عقیدت اور احترام کے جذبات امڈے پڑ رہے تھے اور میں پوری طرح چاق و چوبند' اس لڑکی کے پیچھے چلا جا رہا تھا جو اس رات کا جشن منانا چاہتی تھی۔

سفینہ ظلمات کے تاریک کیبن میں پہنچ کر وہ رک گئی۔ اور میں اس کے مقابل کھڑا ہو کر اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"جبلی.... یہ رات کتنی حسین ہے!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ خمار میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ رات حسین ضرور ہے مگر تیرا قرب اسے حسین تر بنا رہا ہے!" میں نے پھنکتے ہوئے سانسوں کے درمیان اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے تجھ سے پچھلی رات ہی کہا تھا کہ میرا نام گناہ ہے۔ صرف گناہ اور گناہ

تنہائیوں میں بڑا دلفریب ہوتا ہے۔ اس کے دعوت انگیز حسن کے سامنے بڑے بڑے پارسا ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ کل میں نے تجھے سفینہ ظلمات کا قیدی بنانے کے لئے خود کو تیرے حوالے کیا تھا لیکن یہ رات میرے قرب کی رات نہیں ہے!" وہ مجھ سے دور سرکتی ہوئی نشیلی آواز میں بولی۔

"تو نے خود کہا تھا کہ یہ جشن کی رات ہے!" میرے وجود میں آہستہ آہستہ لاوا دہک رہا تھا۔

"ہم جشن ضرور منائیں گے!" وہ جلدی سے بولی۔ "جہاز کے تہہ خانے میں پرانی شراب کے ذخیرے ہیں' ہم وہ شراب پئیں گے' اس سے غسل کریں گے۔ انسانی کھوپڑیوں کے دیئے بنا کر چراغاں کریں گے۔"

"نہیں!" میں غصے سے چیختا اس کی طرف لپکا۔ "اب میں تیرا ہم مسلک ہوں' ہم دونوں شیطان کے پجاری ہیں اور میری خواہش کا احترام تجھ پر لازم ہو چکا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر اپنے بدن کو لچکاتی سفینہ ظلمات کے عرشے پر جا نکلی۔ میں بدستور اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ پراسرار لڑکی قہقہے لگاتی تہہ خانے کی جانب اترتی چلی جا رہی تھی۔ میں جھلا کر اس کے تعاقب میں تاریک زینے عبور کرنے لگا۔

سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ حسین سے جبلی بن جانے کے بعد نہ صرف میری کھوئی ہوئی انسانی توانائی بحال ہو چکی ہے بلکہ میری نگاہوں میں اندھیرے میں دور تک دیکھنے کی حیرت ناک صلاحیت بھی پیدا ہو چکی ہے۔

آخری سیڑھی پر آ کر میں نے اسے جا لیا۔

قدموں کا شور اور اس کے قہقہوں کی آوازیں سن کر انسانی کھوپڑیوں میں دبکی ہوئی بڑی بڑی چمگادڑیں خوفزدہ آوازیں نکالتی تہہ خانے میں چکرانے لگیں لیکن ان میں سے کسی نے ہماری طرف رخ نہ کیا۔

جوں ہی میں نے اس پراسرار لڑکی کے بدن پر ہاتھ ڈالا' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے قدموں کے نیچے سے فرش سرک گیا ہو اور میں نیچے گر پڑا۔

"میں شیطان کی پجارن ہوں جبلی!" چمگادڑوں کے شور میں قدرے دور سے اس کی آواز ابھری۔ "تم میری مرضی کے بغیر تو میرے قریب بھی نہیں آ سکتے۔"

میں اس کی بات کی پرواہ کئے بغیر دبے قدموں اس کی طرف بڑھنے لگا۔

چمگادڑیں غول در غول تہہ خانے سے باہر جا رہی تھیں۔ آج خلاف توقع کسی بھی چمگادڑ نے مجھ پر حملہ نہیں کیا تھا۔

"تو بہت بے صبرا ہے جبلی!" اچانک وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "یوں چوروں کی طرح تو مجھے نہ دبوچ سکے گا' اپنی ہی جگہ ٹھہر جا' میں تجھے ایک کھیل دکھاتی ہوں۔"

مجھے مجبوراً اپنی جگہ رک جانا پڑا۔

ادھر وہ تیز آواز میں کچھ نامانوس سے فقرے ادا کر رہی تھی۔ میں دم سادھے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جوں ہی وہ خاموش ہوئی' فرش پر پڑی ہوئی بے شمار انسانی کھوپڑیوں میں سے ایک کھوپڑی آہستہ آہستہ سرخ ہونے لگی جیسے اس کے اندر کوئی الاؤ روشن ہو رہا ہو۔

آخرکار وہ کھوپڑی کسی بڑے انگارے کی طرح دہکنے لگی۔ پورا تہہ خانہ ہلکی ہلکی سرخی مائل روشنی سے بھر گیا تھا۔ اس روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہ پراسرار لڑکی آنکھیں بند کئے ایک ٹانگ پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے لمبے لمبے بال سینے پر لہرا رہے تھے اور دونوں ہاتھ عجیب و غریب انداز میں فضا میں مسلسل حرکت کئے جا رہے تھے۔

معاً اس لڑکی نے زور سے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں پر مارے اور وہ روشن کھوپڑی کسی زندہ پرندے کی طرح آہستہ آہستہ خودبخود فرش سے اٹھنے لگی اور پھر فضا میں تیرتی' سیڑھیوں والی خلا سے گزرتی تہہ خانے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

اس کھیل نے مجھے اس لڑکی سے خاصا مرعوب کر دیا اور میں اندھیرا ہو جانے کے بعد بھی اسی جگہ کھڑا رہا' ساری چمگادڑیں بھی تہہ خانے سے جا چکی تھیں اور اب وہاں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا اور اس سکوت میں جہاز کی مشینوں کا آسیبی شور ہی سنائی دے رہا تھا ورنہ ہر آواز مفقود تھی۔

جب یوں ہی کافی دیر گزر گئی اور اس پراسرار لڑکی کی جانب سے کوئی آواز نہ سنائی دی تو میں نے خود ہی اسے مخاطب کرنے کا فیصلہ کیا۔

"تم کیا کر رہی ہو؟"

میری آواز تہہ خانے میں گونج کر رہ گئی اور اس کی جانب سے کوئی جواب نہ ملا۔

شاید شیطان کا پجاری بننے سے قبل اس صورت حال سے میں سخت خوفزدہ ہو جاتا۔ مگر اس وقت مجھے اس لڑکی پر سخت غصہ آیا جو شاید مجھے بے وقوف بنا کر تہہ خانے میں کہیں دبک گئی تھی۔

معاً مجھے خیال آیا کہ شیطان کی وہ پجارن اگر لباس سے نجات پا کر پراسرار قوتوں پر قادر ہو سکتی ہے تو میں بھی اب شیطان کا ہی پجاری ہوں اس کلئے کا اطلاق مجھ پر بھی ہونا چاہئے۔

لباس اتارتے ہی مجھے اس تہہ خانے کی ہر چیز یوں صاف نظر آنے لگی جیسے وہاں تیز روشنی پھیلی ہوئی ہو۔ فرش پر پھیلے ہوئے استخوانی ڈھانچوں اور انسانی کھوپڑیوں کے اس پار وہ پراسرار لڑکی میری طرف پشت کئے ایک بوسیدہ چوبی الماری کے سامنے کھڑی مٹی کے کسی برتن سے شاید شراب پی رہی تھی۔

میں دبے قدموں تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا اور اس سے پیشتر کہ وہ شراب نوشی سے فرصت پاتی میں اس کے عقب میں جا پہنچا اور اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

"تو بڑا چالاک ہے جبلی۔" وہ خلاف توقع پرسکون مگر نشے سے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تجھے کیسے پتہ چلا کہ لباس اتار کر تجھے بھی مجھ جیسی قوتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔"

"اب میں اس کا پجاری ہوں جو آگ سے پیدا ہوا۔ تو مجھ سے برتر تو نہیں ہے اس لئے اب تجھ پر تصرف میرا حق ہے' تو اب مجھے فریب نہ دے سکے گی۔"

میرے عزائم بھانپ کر وہ کسمسائی مگر میں اب نفس کی اس آگ میں جل رہا تھا۔ جو صرف گناہ کی معراج پر پہنچ کر ہی سرد ہوتی ہے۔ اس کی مزاحمت اس آگ کو اور بھی مشتعل کر رہی تھی۔ میں نے ٹھوکر مار کر قدموں میں پڑی ہوئی سوکھی کھوپڑیاں دور لڑھکا دیں اور وہ میرے ساتھ الجھی فرش پر آ رہی۔

سفینہ ظلمات کی آسیبی سیٹیاں یک بیک کئی بار چیخیں۔ جیسے میرے وجود پر چھایا ہوا اضطراب ان سیٹیوں میں حلول کر گیا ہو' اس لڑکی نے کراہ کر مجھے دور پھینک دینا چاہا لیکن بیاری نوشی کے باعث اس کی اعصابی مزاحمت پر انتشار طاری ہو چکا تھا' وہ بس ہاتھ پھینک کر رہ گئی اور میں اس پر حاوی ہوتا چلا گیا۔

لمحات گزر گئے' حیوانیت کا وہ شرمناک خمار ٹوٹتے ہی کسلمندی نے آ لیا اور وہ

انجانے خیال کے تحت خود بخود مسکرانے لگی۔

نہ جانے اس کی مسکراہٹ میں کیسا چیلنج تھا کہ میں اس کی نگاہوں کا سامنا نہ کر سکا اور اپنا سر دوسری طرف گھما لیا تاکہ میں اس کی مسکراہٹ کے وار سے خود کو محفوظ رکھ سکوں۔

"کیا ہو رہا ہے جبلی؟" اس نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں مجھے پکارا۔

"جا... تو باہر نکل جا۔" میں نے قدرے بے زاری کے ساتھ کہا۔ "میں کچھ دیر گہری اور پرسکون نیند سونا چاہتا ہوں' اب صبح ہی بات ہو گی۔"

"صبح!" وہ استہزائیہ انداز میں کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر سرگوشیانہ آواز میں بولی۔ "منزل قریب ہے جبلی۔ تجھے اسی رات کے اندھیرے میں جوبا کے دل پر شیطانی عمل شروع کرنا ہے۔"

"جوبا کا دل!" معاً میرے ذہن میں دھماکا سا ہوا اور میں ہڑبڑا کر فرش سے اٹھ بیٹھا۔ اس دوران جوبا کا دل میری مٹھی سے نکل گیا تھا۔

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ہر طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن جوباکے دل کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ لڑکی بدستور فرش پر دراز میری بدحواسی سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"کسے ڈھونڈھ رہا ہے جبلی میں یہاں ہوں۔" اس کی طنزیہ آواز ابھری۔

میں اس بے وقت کی راگنی پر طیش میں آ کر اس طرف پلٹا تو وہ جوبا کا بے جان دل اپنی چٹکی میں دبائے میرے سامنے نچا رہی تھی۔

"یہ میرے حوالے کر دے۔" میں یہ کہتا ہوا جوں ہی اس کے نزدیک پہنچا وہ جوبا کا دل فرش پر پھینک کر میرے گلے سے پٹ گئی۔

اس وقت وہ پراسرار لڑکی میرے لئے یک بیک اپنی تمام تر کشش کھو چکی تھی۔ اور میں جلد از جلد جوبا کا دل اپنے قبضے میں کرنے کے لئے بے چین تھا۔ میں نے بے رحمی کے ساتھ اسے اپنے بدن سے الگ کرنا چاہا لیکن وہ کسی جونک کی طرح مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ میں جبرین میں قیام کے دوران ہی سن چکا تھا کہ شیطان کی پجارنوں کی ساری قوت برہنہ جسم اور کھلے ہوئے بالوں میں ہوتی ہے۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتے دیکھ کر میں نے

آخری وار کے طور پر اس کی پشت پر لہراتی ہوئی چوٹی اپنی مٹھی میں جکڑ لی اور ایک جھٹکا دیتے ہی وہ مجھ سے الگ ہو گئی۔

اس وقت اس کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا' جذبات کی گلابی تپش لب و رخسار پر چھائی ہوئی خوف کی زردی میں ڈھل چکی تھی اور اس کا پورا بدن ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔

"جب تک میرے وجود میں گناہ کی چنگاریاں دوبارہ نہ بھڑکیں تیرا شباب میرے لئے بالکل بے کیف اور گھناؤنا ہے لڑکی!"

میں نے اسی کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے۔ "جب تک تو مجھ سے دور رہے گی میں تیرا ہم سفر اور ساتھی ہوں' مجھے تو اتنی آسانی سے اپنی خواہشات کا غلام نہ بنا سکے گی!"

وہ پھٹی پھٹی دہشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب میں تجھے اچھی طرح سمجھ چکی ہوں جبلی۔ آئندہ تجھے مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔"

میں نے آہستگی سے اس کے بال چھوڑ دیئے اور وہ شکست خوردہ قدموں سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگی۔ جب وہ تہ خانے سے نکل گئی تو میں نے آگے بڑھ کر فرش سے جوبا کا دل اٹھا لیا اور اسی جگہ لیٹ گیا۔

بظاہر میرے خادم حسین سے جبلی بننے کے درمیان چند ہی ثانیوں کا وقفہ حائل تھا لیکن ذہنی اور فطری اعتبار سے میری ذات میں ایک ایسا تغیر پیدا ہو چکا تھا کہ مجھے اپنا ماضی صدیوں کی ایک بھولی بسری یاد محسوس ہو رہا تھا اور میں بالکل بے خوف و خطر انسانی کھوپڑیوں اور ڈھانچوں سے بھرے چمگادڑوں کے اس دہشتناک مسکن میں یوں لیٹا ہوا تھا جیسے میں اسی ماحول میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔

میرے ذہن پر چھائی ہوئی غنودگی کی دھیمی دھیمی' سرور انگیز کر اس وقت چھٹی جب سفینہ ظلمات کے چنگھاڑتے ہوئے انجن ادھورے سانسوں میں غرا کر یک بیک خاموش ہو گئے اور فضا پر غیر فطری سا سناٹا چھا گیا۔

پھر یکے بعد دیگرے کئی بار اس آہنی جہاز کی تیز سیٹیاں گونجیں اور میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ شاید میری منزل آ چکی تھی اور اب مجھے اوپر جا کر اپنی ہم سفر سے آئندہ اقدامات کے بارے میں ہدایات حاصل کرنا تھیں۔

نہ جانے اس وقت سفینہ ظلمات پر روشنی پھیلی ہوئی تھی یا میری نگاہوں میں اندھیرے

کے باوجود ہر چیز کو صاف دیکھ لینے کی پراسرار قوت پیدا ہو چکی تھی کہ مجھے ہر چیز پوری تفصیلات کے ساتھ نمایاں نظر آ رہی تھی۔

میں سیڑھیاں عبور کر کے عرشے پر پہنچا تو وہ برہنہ تن لڑکی آہنی تابوتوں کے قریب کچھ کرتی نظر آئی۔ قریب پہنچتے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ اب عرشے پر صرف دس تابوت ہیں۔ جوبا کی ادھڑی ہوئی لاش، آہنی تابوت سمیت غائب تھی۔

"مبارک ہو جبلی۔ تیری منزل آ گئی ہے۔" میری آہٹ پا کر وہ لڑکی خوشگوار لہجے میں بولی۔ جیسے وہ تہہ خانے میں پیش آنے والے واقعات کو یکسر فراموش کر چکی ہو۔

"جوبا کی لاش والا تابوت کہاں ہے لڑکی؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"وہ تابوت تو اب تک سمندر کی تہہ میں بیٹھ چکا ہو گا اور جوبا کی لاش کو سمندری مخلوق نگل چکی ہو گی۔ جوں ہی وہ آہنی تابوت لاش سمیت عرشے سے اڑ کر سمندر میں گرا تھا میں سمجھ گئی تھی کہ اب تیری منزل آنے والی ہے۔" اس کا لہجہ طنزیا تلخی سے عاری تھا۔

"اوہ۔ جہاز تو شاید رک چکا ہے۔" میں نے اچانک کہا۔ میں جہاز کے ہلکوروں کے باعث ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ انجن بند ہو جانے کے بعد بھی جہاز اپنے زور میں ساحل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"ہاں۔ اب تو روانگی کی تیاری کر لے۔ یہ بحرا شیاطین کا سب سے پراسرار اور ویران جزیرہ ہے۔ اس بے رحم پہاڑی جزیرے پر ہر طرف بے آب و گیاہ پتھریلی چٹانوں کا جال بکھرا ہوا ہے۔ تجھے یہاں ایک بڑی چٹان سے ایک کتے کا سر تراشنا ہے۔ اس کتے کا منہ اتنا بڑا ہونا چاہئے کہ اس میں کم از کم ایک آدمی باآسانی داخل ہو سکے....!"

میں نے تجسس کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔ "میں سنگتراش ضرور ہوں لڑکی، مگر انگلیوں سے پتھر کو کاٹنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"یہ وہ بھی جانتا ہے جو آگ سے پیدا ہوا اور جس نے تجھے اس کام پر مامور کیا ہے۔ میں نے اس جہاز کے تہہ خانے سے وہ روشن کھوپڑی اسی انتظام کے لئے بھیجی تھی۔" وہ پرسکون لہجے میں کہتی رہی۔ "تجھے ایک بڑی چٹان کے نزدیک اپنے تمام ضروری اوزار موجود ملیں گے۔ اس جہاز سے وہی روشن کھوپڑی تجھے اس چٹان تک پہنچائے گی پھر سفید پروں والا ایک ایسا گدھ اس چٹان پر آ کر بیٹھے گا جس کے سینے پر ایک چوڑی سرمئی لکیر ہے اور وہ

ایک آنکھ سے محروم ہے۔ تجھے ایک خاص عمل پڑھ کر جوبا کا دل اس کی طرف بڑھانا ہے۔ وہ گدھ جوبا کا بے جان دل اپنی چونچ میں دبا کر تیرے سر پر ایک ہی جگہ اپنے پر پھیلا کر سایہ فگن رہے گا۔ اس کا سایہ پڑتے ہی تجھے چٹان پر اپنا کام شروع کر دینا ہے، تیرا کام مکمل ہونے کے بعد حالات خودبخود تیری رہنمائی کریں گے۔"

"کیا شیطان اپنے ہر نئے پجاری سے انسانی دل پر عمل کے لئے پتھریلی چٹانوں سے کتے کے سر ترشواتا ہے؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ اس سے پوچھا کیونکہ اس کلئے کی رد سے تو شیطان کے پجاریوں کا سنگتراش ہونا ضروری تھا۔

"نہیں۔" وہ پہلی بار بزرگانہ انداز میں ہنسی۔ "شیطان کے پجاریوں کا بھی ایک فلسفہ ہے۔ انسانی دل پر خاص عمل کے لئے کم از کم تین دن تک سچے دل سے شیطان کی عبادت ضروری ہے اور ہمارے نزدیک شیطان کے ہر حکم کی تعمیل اس کی عبادت ہی ہے۔ تو سنگتراش ہے اس لئے تیرے آقا نے تجھے اس کام کے لئے منتخب کیا ہے۔ جب تو پتھر پر چوٹ لگائے گا تو تیری روح کی گہرائیوں میں فن کی سچی تڑپ ہو گی اور تو ڈوب کر اپنا کام کرے گا اور یہی شیطان کی عبادت ہو گی۔"

اتنا کہہ کر اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں میں نے دیکھا کہ آسمان کی بلندی پر چمکنے والا ایک سرخی مائل ستارہ تیزی کے ساتھ سفینہ ظلمات کے عرشے کی طرف آ رہا ہے۔

شیطان کا پجاری بن جانے کے بعد..... خوف اور دہشت کے جذبات مجھ میں سے مفقود ہو چکے تھے۔ میں نہایت اطمینان کے ساتھ سمندر کی مرتعش موجوں پر ہلکورے لیتے ہوئے جہاز کے عرشے پر کھڑا اس سرخ ستارے کو دیکھتا رہا۔

چند ہی ثانیوں میں وہ سرخی مائل ستارہ اس قدر نیچے آ گیا کہ اس کی ساخت واضح ہو گئی۔ دراصل یہ وہی روشن انسانی کھوپڑی تھی جسے میرے پہلو میں کھڑی ہوئی پراسرار لڑکی نے کسی خاص مقصد کے تحت جہاز کے تہہ خانے سے کسی جانب روانہ کیا تھا۔

وہ سرخ کھوپڑی تیر کی طرح میرے سامنے آ کر فضا میں معلق ہو گئی۔

"دونوں ہاتھوں سے اس کھوپڑی کے جبڑے تھام لے۔ اب یہ تجھے جزیرے پر لے جائے گی۔" اس لڑکی نے ہدایت کی۔

میں نے قدرے جھجک کے ساتھ اس کی ہدایت پر عمل کر ڈالا۔ میرے اندیشے کے برعکس وہ کھوپڑی بالکل سرد تھی ورنہ میرا تو خیال تھا کہ اس استخوانی کھوپڑی میں یقیناً آگ دہک رہی ہو گی۔

جب میں نے اپنی گرفت مضبوط کر لی تو اس لڑکی نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ کھوپڑی آہستہ سے کانپ کر اوپر اٹھنے لگی۔ اور میرا بدن بھی کسی ہلکے پھلکے وجود کی طرح اس کے ساتھ اٹھنے لگا۔ مجھے اپنے شانوں اور انگلیوں پر کوئی بوجھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

وہ کھوپڑی مجھے لئے کئی سو فٹ کی بلندی تک عموداً اٹھتی چلی گئی - پھر آہستہ آہستہ نیچے پھیلے ہوئے جزیرے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں بہت غور سے جزیرے کی سطح کا جائزہ لے رہا تھا جو واقعی بنجر اور پہاڑی تھی۔

میرا یہ عجیب و غریب سفر بمشکل چند ہی منٹ جاری رہا پھر وہ کھوپڑی اونچی اونچی سنگلاخ پہاڑیوں کے درمیان اس اجنبی سرزمین پر اترنے لگی۔

جوں ہی میرے قدم زمین سے لگے وہ کھوپڑی ایک تیز جھٹکے کے ساتھ میری گرفت سے نکل گئی' فضا میں ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور کھوپڑی کے ٹکڑے جھلسے ہوئے کوئلوں کی طرح نیچے بکھر گئے۔

میں نے اپنے قدموں میں نظر ڈالی تو وہاں میرے اپنے وہ تمام اوزار موجود تھے جو میں جبرین ہی میں کھو چکا تھا۔ میں نے والہانہ انداز میں اپنی ہتھوڑی اٹھائی اور اس کا دستہ چوم لیا۔ ایک طویل مدت کے بعد یوں خود کو آزاد پا کر میرے دل میں خوشی کا ناقابل بیان جذبہ ابھر آیا تھا۔ میں اس وقت ایک بہت بڑی چٹان کے زیرسایہ موجود تھا جو کسی سائبان کی طرح آگے کو اٹھی ہوئی تھی۔ اطراف و جوانب میں بھی بے شمار پتھریلے ٹیلے اور چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور کافی دور سے سمندر کی موجوں کا دھیما دھیما شور سنائی دے رہا تھا۔

اچانک میری نگاہ ایک انسانی جسم پر پڑی جو مجھ سے کچھ دور ایک ناہموار زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ میں قدرے حیرت کے ساتھ اس کی جانب بڑھا کیونکہ میری اب تک کی معلومات کے مطابق یہ جزیرہ ویران تھا اور ایک غیر آباد جزیرے کے وسط میں کسی انسانی لاش کا پایا جانا میرے لئے حیرتناک تھا۔

قریب پہنچا تو اس لاش کی ہیئت دیکھ کر ایک مرتبہ تو میں کانپ اٹھا۔ وہ کسی تندرست

مگر ادھیڑ عمر شخص کی لاش تھی۔ اس کے سر اور داڑھی کے سرخی مائل بال بدستور موجود تھے اور پرسکون چہرے سے لے کر پیروں تک سارے بدن پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ لاش کا سارا لباس شاید سمندری ہواؤں کے باعث گل چکا تھا بظاہر وہ لاش وہاں مدتوں سے پڑی ہوئی تھی مگر ساری لاش بالکل صحیح سلامت تھی۔ صرف آنکھوں کے ڈھیلے پانی بن کر بہہ چکے تھے اور اب ان کی جگہ دو تاریک گڑھے نظر آ رہے تھے۔ اچانک چٹانوں کے عقب سے عجیب حیوانی آوازوں کا گونجیلا شور ابھرا میں نے جوں ہی سر گھمایا مجھے زمین پر کسی وزنی چیز کے گھسٹنے کی آواز سنائی دی میں پھرتی کے ساتھ پلٹا تو وہ لاش خود بخود زمین پر گھسٹتی ہوئی ان چٹانوں کی طرف چلی جا رہی تھی جدھر سے شور ابھر رہا تھا۔

اس لاش کا یوں سرکنا خاصا حیرتناک تھا۔ لاش کا کوئی بھی عضو حرکت نہیں کر رہا تھا۔ مگر وہ پھر بھی بڑھے جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے لاش کی پشت کے نیچے پہیوں والی کوئی نادیدہ اور خودکار گاڑی موجود ہو جو اسے آگے بڑھائے لئے جا رہی ہو۔

میں غیرارادی طور پر اس لاش کے تعاقب میں دوڑنے لگا۔

قدرے بلندی پر پہنچتے ہی میری نگاہ شور کرنے والوں پر پڑی۔ بھیگے ہوئے' برہنہ جسموں' کریہہ قد و خال اور غیر انسانی اعضاء والے بن مانس نما ہیولوں کا ایک غول غراتا اور اچھلتا چلا آ رہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی انہوں نے مسرت آمیز انداز میں اپنے بھونڈے ہاتھ لہرانے شروع کر دیئے جیسے مجھے خوش آمدید کہہ رہے ہوں۔

ادھر وہ بے جان لاش زمین پر گھسٹتی ان ہی کی طرف چلی جا رہی تھی۔ اس لاش کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سب بری طرح بوکھلا گئے اور خوفزدہ آوازیں نکالتے' ایک دوسرے پر گرتے پڑتے واپس دوڑ پڑے مگر اسی اثناء میں وہ لاش ان تک پہنچ چکی تھی۔

پھر میں نے دیکھا کہ ان میں سب سے پیچھے رہ جانے والی مخلوق بھاگتے بھاگتے منہ کے بل زمین پر گری۔ جیسے کسی نے اس کی ٹانگ دبوچ لی ہو اور پھر اس کا جسم تیزی سے غائب ہونے لگا۔ شاید وہ ڈراؤنی لاش اسے نگلتی جا رہی تھی۔ ایک بے جان بدن زندہ جسم کو نگل رہا تھا۔

میں یہ منظر دیکھنے میں محو تھا کہ مجھے اوپر کسی گدھ کی چیخ سنائی دی۔ بڑے بڑے سفید پروں والا ایک گدھ میرے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اس کے سینے پر پڑی ہوئی سرمئی لکیر بالکل

واضح تھی۔

مجھے خیال آیا کہ میں اس جزیرے پر اپنے "آقا" شیطان کی ہدایت پر آیا ہوں اور میری آمد کا ایک خاص مقصد ہے یہ احساس ہوتے ہی میں واپس اس چٹان کی طرف چل پڑا جس کے نیچے میرے تمام اوزار پڑے ہوئے تھے۔ وہ گدھ میرے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا۔

اس چٹان کے نزدیک پہنچ کر میں رک گیا اور وہ سفید گدھ اسی بڑی چٹان پر جا بیٹھا۔

اس وقت مشرقی افق سے سورج طلوع ہو رہا تھا اور فضا میں سرور آمیز حرارت سی پیدا ہو چلی تھی۔ میں نے ایک نظر اپنے اطراف میں دوڑائی۔ پھر اس گدھ کا جائزہ لیا' وہ واقعی داہنی آنکھ سے محروم تھا۔

پھر میں نے ایک پٹی کے ساتھ اپنی کمر سے بندھا ہوا جبرین کے سرکش سردار جوبا کا بے جان دل نکالا اور اسے داہنی ہتھیلی پر رکھ کر اپنا ہاتھ سیدھا فضا میں پھیلا لیا اور بائیں مٹھی اپنی پشت پر رکھ کر زیر لب سفینہ ظلمات والی لڑکی کا بتایا ہوا عمل پڑھنے لگا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد جب میں اختتامی الفاظ پر پہنچا تو وہ گدھ اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا فضا میں اٹھا اور میری ہتھیلی سے جوبا کا دل اپنی چونچ میں لے کر میرے سر پر آ گیا۔

میں نے جھک کر اپنے اوزار اٹھائے اور اس بڑی چٹان پر جا چڑھا۔ وہ گدھ چند ثانیوں تک اپنے پر پھڑپھڑاتا رہا۔ پھر میرے سر پر فضا میں ایک ہی جگہ یوں معلق ہو گیا کہ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کی روشنی سے بننے والا اس کا سایہ میرے سر پر پڑنے لگا۔

میں نے ایک نظر چٹان پر ڈالی اور پھر وہ ویران جزیرہ سنگ و آہن کی نغماتی گونج سے جاگ اٹھا۔ میں نے طویل مدت کے بعد اپنی مرضی سے اوزار اٹھائے تھے اور اپنے خوابوں کی اس تکمیل پر میرے رویں رویں میں مسرت کی لہریں جاگ اٹھی تھیں۔ جبرین کے صحرائی قزاقوں سے چھپ چھپ کر مشق کرنے والا فن کار آج اپنے آقا کی ہدایت پر دل و جان سے پتھر کا سینہ چیر کر اس میں چھپا ہوا حسن دریافت کر رہا تھا۔ صحیح معنوں میں بحرا لشیاطین کے اس ویران اور بنجر جزیرے پر میں نے پہلی بار مسرت اور تسکین کا شعور پایا تھا۔

لمحات ڈھلتے گئے' سنگریزے فضا میں اڑتے اور بھوری زمین پر بکھرتے رہے۔ جب مجھے کام کرتے پہلا پہر گزرا تو میں نے کسی غیر مرئی قوت کی ترغیب پر اپنا سر اوپر اٹھایا اور میرے سر پر سایہ فگن یک چشم گدھ کی چونچ میں دبے ہوئے انسانی دل سے گاڑھے خون کی ایک

بوند میرے منہ میں ٹپکی۔ اس خون میں عجیب سرور اور قوت تھی۔ میں کیف کے سمندر میں ڈوبنے لگا اور میرے دست و بازو میں بے پناہ توانائی جاگ اٹھی۔

پہر پر پہر گزرتے گئے مگر میں مسلسل کام میں لگا رہا۔ تکان اور بے کیفی کے الفاظ میرے لئے اپنے معنی کھو بیٹھے تھے۔ بس دل میں ایک ہی جوت روشن تھی کہ جلد از جلد اپنے "آقا" اپنے محسن کے سامنے سرخرو ہو سکوں۔ ہر پہر کے بعد میں اسی پراسرار ترغیب کے تحت اپنا سر اوپر اٹھاتا تھا اور جوبا کے دل سے خون کی ایک' صرف ایک سرور انگیز اور حیات بخش بوند میرے حلق میں آ ٹپکتی تھی جس کے بعد نہ مجھے غذا کی حاجت تھی نہ آرام کی ضرورت اور نہ ہی ذہن میں کوئی غیر متعلق خیال آتا تھا۔

پہلا دن ڈھلا' پہلی رات گئی اور نئے سورج نے پتھر کی اس بے ڈول چٹان کی جگہ بھونڈے نقوش والے کتے کا ایک دیوہیکل سر دیکھا۔ دوسری شب میرا شوق جنون میں ڈھل چکا تھا۔ آہنی چھینیاں ہتھوڑی کی مسلسل ضربوں سے انگارے کی طرح گرم ہو چلی تھیں' دھاریں کند ہوتی جا رہی تھیں لیکن شیطان کا نیا پجاری اپنی دھن کا پکا تھا۔ پوری رات سنگریزوں کی برسات رہی' ہر ضرب اس چٹان کے نئے روپ کو نکھارے دے رہی تھی۔

جب تیسری شام ڈھل رہی تھی تو میں ہر زاویئے سے اس پیکر کا جائزہ لے کر کہیں کہیں دھیمی ضربوں سے نوک پلک سنوار رہا تھا اور میرے سر پر مسلسل سایہ فگن' سفید گدھ میرے ساتھ ساتھ فضا میں حرکت کر رہا تھا۔

میں چٹان سے اتر کر قدرے دور جا کھڑا ہوا۔ ویران جزیرے کی بنجر زمین پر اب بھونڈی اور بے ڈول چٹان کے بجائے بڑے بڑے بالوں والے خونخوار کتے کا سر نظر آ رہا تھا۔ وہ غیض کے عالم میں اپنا منہ پھاڑے ہوئے تھا۔ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی - جبڑا اتنا بڑا تھا کہ اس میں بیک وقت کئی آدمی سما سکتے تھے۔

میں نے اپنے تنقیدی جائزے سے مطمئن ہو کر آسودہ انداز میں اپنے اوزار ایک طرف اچھال دیئے۔ اسی وقت میرے سر پر فضا میں معلق سفید' یک چشم گدھ نے ایک کریہہ چیخ ماری اور پھڑپھڑاتا ہوا میرے قدموں میں گر کر بے جان ہو گیا۔ اس کے بڑے بڑے سفید پر زمین پر پھیلے ہوئے تھے اور جوبا کا سوکھا ہوا دل ان ساکت پروں پر پڑا ہوا تھا۔

میں عقیدت کے ساتھ نیچے جھکا اور مردہ گدھ کے پروں پر سے وہ بیش قیمت انسانی دل

اٹھا لیا۔

وہ دل میرے ہاتھ میں آنا تھا کہ کسی جانب سے شور بلند ہوا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے خوبصورت اور نوجوان لڑکیوں کا ایک ہجوم دوڑتا ہوا آیا اور میرے گرد پھیلنے لگا۔ ان سب کے گداز اور جوان بدن پر پانی کے قطرات چمک رہے تھے اور ان کی چمکیلی زلفوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب سمندر میں میری کامیابی کی منتظر رہی ہوں اور میرا کام نمٹتے ہی گہرے پانیوں سے اس جزیرے پر ور آئی ہوں۔

ان میں سے چند لڑکیوں نے والہانہ انداز میں مجھے کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور وہ سب مجنونانہ رقص کرنے لگیں۔

"بناس.... بناس کی لاش آ رہی ہے۔" اچانک ان میں سے کئی لڑکیاں خوفزدہ آواز میں چیخیں اور وہ سب خوفزدہ ہرنیوں کی طرح کودتی ہوئی واپس دوڑ پڑیں۔ ان میں سے کئی لڑکیاں میرے تراشے ہوئے مجسمے کی طرف دوڑیں بلکہ ایک تو سیدھی کتے کے دہانے میں جا گھسی۔

یہ رنگین بھیڑ چھٹنے کے چند ہی ثانیوں بعد زمین پر گھسٹتی ہوئی وہ لاش ادھر آ پہنچی اور ہجوم کا پیچھا کرنے کے بجائے کتے کے دہانے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ عجیب و غریب لاش سنگیں کتے کی زبان سے پھسل کر دہانے میں گھسی اور اس جانب سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے دو بھینسے آپس میں الجھ پڑے ہوں۔

ابھی میں تذبذب کے باعث اپنی جگہ سے ہلنے بھی نہ پایا تھا کہ پرشور آواز کے ساتھ اس بت کے دہانے سے ایک انسانی کھوپڑی باہر آ گئی اور ناہموار زمین پر اچھلتی ہوئی دور تک چلی گئی۔

قدرے غور سے دیکھنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کھوپڑی اسی لاش کی ہے جو پراسرار طریقے پر حرکت کرتی پھرتی ہے۔ پھر تو اس بت کے دہانے سے پے در پے انسانی اعضا کی بوچھاڑ ہونے لگی اور آخر میں وہ لڑکی فاتحانہ انداز میں کتے کے دہانے سے باہر آ گئی۔۔ جس کے تعاقب میں وہ آدم خور لاش دہانے میں گھسی تھی۔

نیچے آ کر اس لڑکی نے مسرت کے ساتھ میری پیشانی پر بوسہ دیا اور خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تجھے مبارک ہو جبلی' آج بناس کا قصہ بھی طے ہو گیا۔ اس کی وجہ سے ہم میں سے کوئی اس جزیرے پر قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے ایک طرف لے چلی۔

"تم کون ہو.... اور بناس کون تھا؟" میں نے محتاط لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"اب ہم سب ایک برادری میں شامل ہیں.... شیطان کی اطاعت ہماری زندگی کا مقصد ہے' بناس مر کر بھی اس جزیرے کا..... ہوا تھا۔" وہ مجھے بتانے لگی۔ "ہماری برادری کا کوئی بھی جاندار اس جزیرے پر قدم رکھتا تو وہ لاش اسے زندہ نگل جاتی تھی۔"

"لاش نگل جاتی تھی!" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں!" وہ بولی۔ "اور آج تک کوئی اس پر قابو نہ پا سکا۔ اسے زیر کرنے کی بس یہی ایک صورت تھی کہ اس جزیرے پر کلب الشیطان کا بت بنایا جائے۔ اس بت میں داخل ہونے کے بعد اس لاش کا سحر ٹوٹ گیا۔ اور تمہارے سامنے میں نے اپنے ہاتھوں سے اس لاش کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ میں دانستہ اس بت میں گئی تھی تاکہ وہ لاش میرے تعاقب میں وہاں آ گھسے۔"

"لیکن بناس کون تھا؟" میں نے اس کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ نینوا کا ایک کٹر صنم پرست تھا اور عاطیس دیوتا کو پوجتا تھا۔ شہر میں اس کا اتنا اثر تھا کہ اس کے بہکانے کے سبب لوگ شیطانی مسلک سے دور بھاگتے تھے۔ آخر شیطان نے ایک تدبیر سے اسے اس ویران اور بنجر جزیرے پر لا پھینکا۔ اس کے بعد ہی نینوا کے کئی بڑے بڑے گروہ شیطان کے مسلک پر آ گئے مگر بناس کی پارسائی کے باعث شیطان اسے زک نہ پہنچا سکا۔" وہ لڑکی دھیمی مگر پرجوش آواز میں بتا رہی تھی۔ "کھانا پانی نہ ملنے کے سبب بناس اس ویران جزیرے پر جلد ہی مر گیا۔ اس کی موت کے بعد جب شیطان کے چند پجاری خاص عبادت کے لئے اس جزیرے پر آئے تو بناس کی لاش سب کو نگل گئی۔ اس کے بعد سے کسی نے دیدہ و دانستہ ادھر کا رخ نہیں کیا۔ بناس اپنی زندگی میں کہتا پھرتا تھا کہ وہ مر کر بھی بدی کے خلاف لڑتا رہے گا اور وہ صدیوں سے ایسا کر بھی رہا تھا پھر تو آیا اور اس نابکار کا فتنہ ہی مٹ گیا۔"

"مگر میں بھی تو شیطان ہی کا پجاری تھا۔ آخر اس نے مجھے زک کیوں نہیں پہنچائی؟" میں نے اپنی سب سے بڑی الجھن اس کے سامنے رکھ دی۔

"تیری بات مختلف تھی۔" وہ بولی۔ "وہ عاطیس دیوتا کا پجاری تھا اور تو جبل میں ماطیس

دیوتا کا بت تراش کر ان صنم پرستوں کے لئے باعث احترام ہو گیا تھا۔ پھر تو طوبیہ کا محبوب ہے جو خود عاطیس کی سچی پجارن تھی۔ محض یہی احترام بناس کی راہ میں آڑے آیا ورنہ تو بھی مارا جاتا۔ تیرے آقا کو ان سب باتوں کا خوب علم تھا اسی لئے اس نے تجھے یہاں بھیجا ورنہ وہ تجھے کسی اور جزیرے پر بھی پہنچا سکتا تھا۔ بحرا شیاطین کے سات میں سے چھ جزیرے بالکل ویران ہیں اور ساتوں پر تیرے آقا ہی کی حکمرانی ہے۔"

اب ہم آہستہ آہستہ ساحل سے قریب ہوتے جا رہے تھے میں نے غیر ارادی طور پر پیچھے نگاہ ڈالی تو کلب الشیطان کا وہ دیو پیکر بت صاف نظر آ رہا تھا جو بناس کا مدفن بنا تھا۔

جوں ہی میں اس لڑکی کے ہمراہ ساحل پر پہنچا۔ سمندر کی پرسکون موجوں سے کندن جیسے جسموں والی لڑکیاں نکل نکل کر ہماری طرف آنے لگیں۔

"اس وقت یہ سب تیری غلام ہیں جبلی۔" وہ لڑکی یہ کہتی ہوئی بھیڑ میں مل گئی۔ "اس جزیرے کی یہ رات تیرے نام وقف کر دی گئی ہے۔"

ان تمام لڑکیوں نے احترام اور مسرت کے ساتھ میرے گرد دائرہ بنایا اور پھر تالیوں کی گونج پر ترنم کے ساتھ کچھ اجنبی سے بول دہراتی رقص کرنے لگیں۔ ان سب کے لہجوں سے مسرت عیاں تھی' انداز میں احترام جھلک رہا تھا۔ میں شیطان کا پجاری ضرور بن چکا تھا لیکن خواہشات اور جذبوں کے اعتبار سے عام انسانوں سے ماورا نہیں تھا۔ ان لڑکیوں کے انداز مجھے لبھاتے رہے۔ میری کنپٹیوں میں دوران خون تیز ہونے لگا۔ سانسوں میں بے ترتیبی نمایاں ہونے لگی۔

اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ اس جزیرے کے غیر آباد ساحل پر سفینہ ظلمات میرے انتظار میں لنگر انداز ہے اور میرا کام پورا ہو جانے کے بعد شیطان میری محبوبہ طوبیہ کے جیتے جاگتے نسوانی پیکر سمیت جہاز کے عرشے پر میری سب سے شدید آرزو کا سودا کرنے کے لئے موجود ہو گا۔

"ٹھہرو۔" یہ خیال آتے ہی میں اضطراری طور پر چیخ پڑا۔

ان سب نے تحیر آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ ان کے قدم رک گئے اور آوازیں معدوم ہو گئیں۔ ہر لڑکی امید بھری نگاہوں سے میری جانب نگراں تھی۔ شاید وہ سمجھ رہی تھیں کہ میں کامیابی کی اس رات کے لئے ان میں سے کسی کا انتخاب کر چکا ہوں۔

"سفینہ ظلمات پر میرا آقا میرا منتظر ہے۔ میں تمہارے درمیان مزید وقت برباد نہیں کر سکتا۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد ان سے کہا۔

ان حسین چہروں پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور ایک لڑکی جوشیلی آواز میں بولی۔ "ہمارے بدن ان ہاتھوں کے لمس کو ترس رہے ہیں جنہوں نے پتھر کی چٹان سے کلب الشیطان کا مجسمہ تراشا ہے۔"

"یہ لمس کسی کی امانت ہے۔" میں غصیلی آواز میں بولا۔ "میرے بارے میں تم لوگوں کو یہ سب سوچنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"ہمارا آقا کچھ نہ کچھ انتظام کرے گا۔ جبلی کو سفینہ ظلمات تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔" ایک اور لڑکی نے اونچی آواز میں ان سب سے کہا۔

رکے ہوئے قدم اور ٹھٹھری ہوئی زبانیں حرکت میں آئیں اور یہ جلوس ناچتا گاتا مجھے ایک طرف لے چلا۔

ابھی ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ پہاڑیوں کے عقب سے حیوانی غراہٹوں کا شور ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے انسان نما وحشیوں کا ایک جم غفیر ٹیلوں کے پیچھے سے نمودار ہو کر اس جلوس پر ٹوٹ پڑا۔

فضا مسرت بھری سریلی چیخوں اور مست قہقہوں سے گونج اٹھی۔ آنے والے وحشیوں نے مال غنیمت کی طرح ان لڑکیوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔

چند ہی منٹ میں یہ افراتفری اعتدال پر آ گئی اور میرا جلوس دوبارہ آگے چل پڑا۔ اس بار لڑکیوں کے ہمراہ آنے والے انسان نما وحشیوں کے غول بھی چیختے اور اچھلتے چل رہے تھے۔

کچھ دیر کی مسافت کے بعد جزیرے کے ساحل پر دم توڑنے والی موجوں کا شور سنائی دینے لگا۔ میں نے پلٹ کر عقب میں نگاہ ڈالی تو وہاں کلب الشیطان کا خونخوار مجسمہ صاف نظر آ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجسمہ اتنی اونچی چٹان سے تراشا گیا ہے کہ جزیرے پر ہر طرف سے دیکھا جا سکے گا۔

تھوڑی ہی دیر میں سفینہ ظلمات بھی نظر آ گیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی لڑکیاں پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے ناچتی آگے بڑھنے لگیں۔

ساحل پر پہنچ کر میں تو رک گیا لیکن میرے تمام ہمراہی سمندری مخلوق کی طرح پانی میں تیرتے گہرے پانی میں لنگر انداز جہاز کی طرف بڑھنے لگے۔

ابھی میں رکا ہی تھا کہ سفینہ ظلمات کے عرشے سے سرخی مائل ایک گولا فضا میں اٹھا تیزی کے ساتھ میری جانب آیا اور پھر میرے سامنے آ کر فضا میں معلق ہو گیا۔ یہ بھی کوئی سوکھی ہوئی انسانی کھوپڑی ہی تھی جس کے اندر سے تیز سرخی مائل روشنی پھوٹ رہی تھی۔

میں نے سردار جوبا کا سوکھا ہوا دل آہستگی سے اپنے دانتوں میں دبالیا اور دونوں ہاتھوں سے اس روشن مگر سرد کھوپڑی کے جبڑے تھام لئے۔ کھوپڑی فوراً ہی فضا میں بلند ہوئی اور مجھے سفینہ ظلمات کی طرف لے جانے لگی۔

میں اس پراسرار آسیبی جہاز کے عرشے پر اترا تو کریہہ صورت اور کوزہ پشت شیطان وہاں کھڑا ہوا تھا اور انسان نما وحشی اپنی منتخب کی ہوئی لڑکیوں کے ہمراہ جہاز کی آہنی چادروں کو بوسے دے کر پانی میں تیرتے واپس جزیرے کی طرف جا رہے تھے۔

میرے عرشے پر اترنے کے بعد روشن کھوپڑی ہلکے سے دھماکے کے ساتھ پھٹ گئی اور اس کے کوئلے جیسے ٹکڑے عرشے پر ہی پھیل گئے۔

"مبارک ہو جبلی! آج بناس کی منحوس لاش کا قصہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ لا جوبا کا دل کہاں ہے؟" شیطان نے اپنے مخصوص لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں نے کچھ کہے بغیر سردار جوبا کا دل اس کی جانب بڑھا دیا۔ اس وقت میرے دل میں شیطان کے لئے عقیدت کا بے پایاں سمندر انگڑائیاں لے رہا تھا اور میں خود کو اس کا ایک ادنیٰ غلام تصور کر رہا تھا۔

"شاید تو یہاں طوسیہ کو تلاش کر رہا ہے!" شیطان نے میری بے چین نظروں کو بھانپ کر کہا۔

"ہاں میرے آقا! میں اس کے لئے تڑپ رہا ہوں۔"

"وہ آنے ہی والی ہے' جبلی! تو نے شرائط تو پوری کر دیں مگر ابھی عہد نامہ باقی ہے۔ جہاز کے تہہ خانے میں مانینی مسودے سمیت موجود ہے' یہ کام وہیں نمٹایا جائے گا۔"

یہ کہتے ہوئے شیطان تہہ خانے کو جانے والے راستے پر ہو لیا اور میں بے چون و چرا اس کے پیچھے چل پڑا۔

سفینہ ظلمات پر اس وقت بھی شاید گہری تاریکی کا راج تھا کیونکہ کہیں بھی کوئی روشن چیز نظر نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی عرشے وغیرہ پر کسی چیز کا سایہ بن رہا تھا۔ مجھے تاریکی کا پورا یقین اس لئے نہ ہو سکا کہ اب میں اندھیرے میں بھی دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت حاصل کر چکا تھا۔

سیڑھیوں سے اتر کر جب میں شیطان کے ہمراہ تہہ خانے میں پہنچا تو وہاں کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی۔

سارے انسانی ڈھانچے اور خشک کھوپڑیاں ایک گوشے میں ڈھیر کی جا چکی تھیں۔ انسانی کھوپڑیوں میں رہنے والی خونی چمگادڑیں تہہ خانے کی سیاہ چھت سے الٹی لٹکی ہوئی تھیں اور گوشوں میں مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے نظر آ رہے تھے۔ تہہ خانے کے وسط میں ایک صحتمند اور خونخوار سیاہ بلا اپنے اگلے پنجوں میں ایک تازہ انسانی کھوپڑی دبائے بیٹھا تھا۔

اچک اچک کر چلتا ہوا کبڑا شیطان جوں ہی اس سیاہ بلے کے قریب پہنچا اس نے دبی دبی غراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"مانینی!" شیطان نے سرد اور کھردری آواز میں اس سیاہ بلے کو مخاطب کیا۔ "جبلی اس جزیرے سے کامران واپس لوٹا ہے۔ اس نے وہاں کلب اشیطان کا مجسمہ تراش لیا ہے اور بناس کی لاش نیست و نابود ہو چکی ہے اور آج صحیح معنوں میں وہ جزیرہ پہلی بار میرے پجاریوں کے قبضے میں آیا ہے۔"

اس سیاہ بلے کے حلق سے مسرت آمیز غراہٹ بلند ہوئی اور وہ اپنے پنجوں میں دبی ہوئی کھوپڑی اسی جگہ چھوڑ کر جست کرتا میرے شانے پر آ چڑھا اور اپنی لجلجی زبان سے والہانہ انداز میں میری گردن چاٹنے لگا۔

میں نے آہستگی سے اس کے بدن پر تھپکی دی اور وہ اپنی دم ہلاتا' میرے کندھے سے اتر کر دوبارہ اسی کھوپڑی کے پاس جا بیٹھا جو پہلے اس کے پنجوں میں دبی ہوئی تھی۔

اس مرتبہ اس کھوپڑی کا رخ تبدیل ہوا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ مانینی کے سب سے بڑے دشمن جوبا کا بے جان سر تھا جو کسی وقت غرور سے تنا رہتا تھا۔

برص زدہ چہرے والا کوزہ پشت اور عجیب الخلقت شیطان اس وقت مجھے رحم' شفقت اور محبت کا مثالی پیکر نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور وہ آنکھیں

کئے زیر لب کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور زور سے تالی بجائی۔

فوراً ہی تہہ خانے میں کسی سنکھ کی آواز گونجی اور ایک کونے سے کوئی عورت شیطان کی طرف آتی نظر آئی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں ایک سینگ پکڑے ہوئے تھی اور اسے بار بار بے ہنگم تسلسل کے ساتھ بجا رہی تھی اس کا پورا جسم توے جیسی سیاہ رنگت لئے ہوئے تھا اور بڑے بڑے بال پورے جسم پر لہرا رہے تھے۔ اس کے سیاہ چہرے پر بڑی بڑی سفید آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلتی نظر آ رہی تھیں اور وہ اپنے پیروں میں بندھے آہنی گھنگھرو بجاتی ناچتی آ رہی تھی۔

وہ قریب آئی تو میں پہلی ہی نظر میں اسے پہچان گیا۔ گو اس کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا۔ ساری دلکشی ہیبت میں بدل چکی تھی۔ نقوش میں کرختگی نمایاں ہو چکی تھی لیکن خد و خال کی بنا پر میں لاکھوں کے ہجوم میں بھی اسے پہچان سکتا تھا۔ وہ سفینہ ظلمات کی وہی پراسرار لڑکی تھی جس کے ہمراہ میں بحرِ اشیاطین کے دوسرے ویران جزیرے پر پہنچا تھا۔ اس وقت اس لڑکی کے دونوں پیر پشت کی جانب مڑے ہوئے تھے اور ہاتھ پیروں کی انگلیوں کے تیز ناخن بہت بڑھے ہوئے تھے۔

وہ سنکھ اور آہنی گھنگھروؤں کے شور پر پاگلوں کی طرح ناچتی ہوئی شیطان کے قریب پہنچی اور بڑھ کر اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گئی۔

شیطان نے جھک کر اس کی کھلی ہوئی چوٹی کے بال کھینچے اور وہ سسکاری لیتی ہوئی اٹھ گئی۔ اپنا سنکھ اس نے شیطان کے قدموں میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

"مقدس میثاق نکالو۔ آج جبلی ایک بڑا مرتبہ پانے والا ہے۔" شیطان نے سخت اور کھردری آواز میں اس لڑکی کو حکم دیا۔

اس لڑکی نے اپنی پشت سے جھولتا ہوا ایک بدوضع چرمی تھیلا اتار کر شیطان کے حوالے کر دیا۔

شیطان نے وہ تھیلا فرش پر الٹ دیا اور اس سامان میں سے کسی پرندے کی لپٹی ہوئی کھال میری طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ الو کی کھال پر مور کے پر کے قلم اور سات جانداروں کے خون سے لکھا ہوا میثاق ہے۔ اس سامان میں وہ قلم بھی موجود ہے اور ایک چرمی ٹکڑا

بھی موجود ہے۔ مانتی اپنے تیز دانتوں سے تیری کسی شریان میں شگاف لگائے گا اور تجھے اپنے خون سے چرمی ٹکڑے پر اس مقدس عہد نامے کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے اپنا نام ثبت کرنا ہے۔"

میں نے تجسس کے ساتھ وہ مقدس عہد نامہ شیطان سے لے لیا اور اسے کھول کر دیکھا تو اس پر بے شمار آڑی ترچھی لکیریں بنی ہوئی تھیں جو میری سمجھ میں نہ آ سکیں۔

میں نے فرش سے سادہ چرمی ٹکڑا اور مور کے پر کا قلم اٹھایا' اسی وقت وہ سیاہ بلا پھرتی کے ساتھ میری جانب آیا' میں نے نیچے بیٹھ کر اپنی بائیں کلائی اس کے سامنے کر دی۔

مانتی یا اس سیاہ بلے نے پہلے میری کلائی کو سونگھا پھر اپنی زبان سے چاٹا اور کہنی کے قریب اچانک میری کلائی اپنے منہ میں لے لی۔ اسی وقت جہاز کا ہوٹر تیزی کے ساتھ چیخا اور شاید جہاز حرکت میں آ گیا۔

مجھے خلاف معمول بلے کی اس حرکت پر بالکل خوف نہ آیا اس کے دانت آہستگی کے ساتھ میری کلائی پر جمے اور پھر اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

میری کلائی پر اس کے دانتوں کے ہلکے ہلکے نشانات پڑ گئے تھے اور ان ہی میں سے ایک نشان سے خون کی چند تازہ تازہ بوندیں جلد پر ابھر آئیں۔

میں نے مور کے پر کا باریک سرا اپنے خون کی بوندوں میں تر کر کے الو کی کھال پر لکھی ہوئی نامعلوم تحریر سادہ چرمی ٹکڑے پر نقل کرنی شروع کر دی۔ شیطان میرے قریب کھڑا غور سے میرا لکھا ہوا عہد نامہ دیکھتا رہا۔ مانتی اور سفینہ ظلمات والی پراسرار لڑکی پر اتنی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہوں۔

جب میں نے وہ پورا مسودہ نقل کر لیا تو شیطان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے چرمی ٹکڑے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر مجھ سے کہا۔ "یہاں اپنے دستخط کر دو۔"

میں نے بغیر سوچے سمجھے شیطان کی بتائی ہوئی جگہ پر اپنے دستخط کر دیئے۔

یہ کام پورا ہوتے ہی شیطان نے جھپٹ کر میرا لکھا ہوا عہد نامہ اٹھا لیا اور سفینہ ظلمات والی پراسرار سیاہ فام لڑکی بقیہ سامان تھیلے میں ڈالنے لگی۔

"آج تو نے اس مقدس عہد نامے کی تکمیل کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے جبلی!" شیطان مسرت بھری آواز میں بولا۔ "اس عہد نامے کی رو سے میری تابع' بدی کی

تمام قوتیں آج سے تیری پشت پناہ ہوں گی۔ تو اپنے دشمنوں کو ہلاک کر سکے گا' برباد کرنے پر قادر ہو گا' ان کی عورتوں کی کوکھیں ویران کر سکے گا اور اس کے عوض تجھے کچھ بھی نہ کرنا ہو گا تو امتحان کے مرحلوں سے گزر کر میرا پجاری بن چکا ہے اور تو نے اس عہد نامے میں اپنی روح میرے حوالے کر دی ہے تو زندگی بھر میرے احکامات کا تابع رہے گا اور مرنے کے بعد تیری روح میری غلام ہو گی۔ تیرے نطفے سے جنم لینے والے پیدائشی طور پر میرے پجاری ہوں گے' میں ان سے جب اور جیسے چاہوں گا' کام لوں گا۔"

"تو میرا اور میری آئندہ نسلوں کا آقا ہے اے ابلیس!" میں نے فرط جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر تیرے قول کے مطابق اس وقت تک میری طوسیہ مجھے مل جانی چاہئے تھی' میں اس کے فراق میں مدت سے تڑپ رہا ہوں۔۔۔"

"کیا اب بھی تیرے دل میں اس کی یاد باقی ہے جبلی!" شیطان نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں' اسے بھولنا میرے اختیار میں نہیں ہے میرے آقا!" میرا لہجہ فریادی تھا۔

شیطان بھیانک آواز میں زور سے ہنس پڑا۔ "میرا علم سچا ہے جبلی۔۔۔۔ میرا پجاری بننے کے بعد انسان نیکی اور خلوص کے تمام رشتوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے' سچائیوں سے اسے نفرت ہو جاتی ہے۔ طوسیہ کو تجھ سے سچا پیار تھا اور وہ میری پجارن بننے کے بعد اب تجھے بالکل بھول چکی ہے اس کے لئے تو اور مانیتی ایک ہیں۔ اس لڑکی کو صرف مرد کی ضرورت ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی روپ میں ہو لیکن تو میرا پجاری بن کر بھی طوسیہ کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ تیری محبت یقیناً سچی اور بے لوث نہیں تھی۔ تو نے اپنی ہوس کو محبت کا نام دیا ہوا تھا لیکن تو فکر نہ کر تیری ہوس کی یہ آگ ضرور سرد کی جائے گی' طوسیہ ذرا ہی دیر میں اس جہاز پر آ پہنچے گی اور پھر سفینہ ظلمات کی تنہائی تم دونوں کو گناہ کی آگ میں تپا کر کندن بنا دے گی۔"

"ہاں مجھے طوسیہ کا قرب چاہئے' مجھے اس کا جوان اور گدرایا ہوا بدن چاہئے' میں بنت نیل کے حسن کا دیوانہ ہوں' مجھے نہ اس کی اچھائیوں سے محبت ہے' نہ اس کے پرانے مسلک کی سچائیوں سے رغبت ہے۔" میں بے اختیار بول اٹھا۔

شیطان نے اس سیاہ بلے کو اشارہ کیا اور وہ جوبا کا سر اپنے منہ میں دبائے تیزی کے ساتھ تہہ خانے سے باہر نکلا چلا گیا اور سفینہ ظلمات والی لڑکی کسلمندانہ انداز میں انگڑائی لے

کر میرے گلے سے آ لگی۔

"طوسیہ کے آنے تک یہ تیرا دل بہلائے گی' طوسیہ کے آ جانے کے بعد تجھے اختیار ہو گا کہ اسے کھلے سمندر میں پھینک دے یا کسی ساحل پر سفینہ ظلمات سے اتار دے!" شیطان میرا عہد نامہ' تاریخی قلم اور مقدس میثاق کا چرمی تھیلا اپنے ہمراہ لے جاتے ہوئے کھردری آواز میں بولا اور اس کی آہٹیں یک بیک معدوم ہو گئیں۔

میرے سینے سے آ لپٹنے والی لڑکی اپنا رنگ' روپ' نکھار اور کشش۔۔۔ سب کچھ ہی کھو بیٹھی تھی مگر اس وقت یک بیک میری نگاہوں پر ہوس کا پردہ آ پڑا تھا' مجھے محسوس ہوا کہ وہ جوان ہے اور اس کا بدن حرارت آگیں ہے۔

وہ تو پہلے ہی خود کو میرے حوالے کر چکی تھی۔ میں نے اس کی سپردگی سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور جب میں لذت و انبساط کے آخری مرحلوں کو چھو رہا تھا تو یکبارگی اس لڑکی کا بدن کانپا اور پھر ساکت ہو گیا۔ اسی کے ساتھ اس کے بدن کا درجہ حرارت بھی تیزی کے ساتھ گرنے لگا۔

میں نے اسے پکارا' ہلایا جلایا لیکن بے سود' پھر میں نے اس کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ وہ لڑکی میری بانہوں میں دم توڑ چکی ہے' اسے چھوڑ کر میں نے ایک گوشے سے اپنا لباس اٹھا کر پہنا اور جھلاہٹ کے عالم میں دوبارہ اسکے قریب آ پہنچا۔

میں نے بدمزگی اور حقارت کے ساتھ اپنی ٹھوکر سے اس کا بدن سیدھا کیا اور پھر وہ لاش اپنے کندھے پر لاد کر سیڑھیاں طے کرتا عرشے کی طرف جانے لگا۔

میں عرشے پر پہنچا تو زنگ خوردہ اور ویران آہنی چادروں پر صبح کا سورج روشنی بکھیر رہا تھا' اور سفینہ ظلمات چمکیلی دھوپ میں آہستہ آہستہ کسی گمنام منزل کی جانب بڑھا جا رہا تھا۔

میں نے ریلنگ کے قریب پہنچ کر اپنے شانوں پر لدی ہوئی لاش کھلے سمندر میں پھینک دی۔ لاش گرتے ہی سمندر کی سطح پر شدید تلاطم کے ساتھ چند خونی مچھلیاں اوپر ابھریں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس لاش کے ٹکڑے کر کے نگل گئیں۔ میں واپس پلٹا تو ایک سیاہ آہنی پائپ کے سہارے میرے خوابوں کی تعبیر' طوسیہ کھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت نہ اس کے سر پر جھلملاتا ہوا شاہانہ تاج تھا نہ ہی بدن پر بیش قیمت لبادہ سرسرا رہا تھا۔ میں نے یوں غیر متوقع طور پر اسے اس حالت میں دیکھا تو خوشی اور افسوس کی

لی جلی لہر سے مغلوب ہو کر اس کی طرف دوڑ پڑا۔ میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے گرمجوشی تو درکنار کسی شناسائی کا اظہار تک نہیں کیا۔

اپنے خوابوں کی شہزادی' طوسیہ کا یہ رویہ دیکھ کر مجھے سخت ذہنی دھچکا لگا۔ میرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور اس کی جانب بڑھے ہوئے بازو نیچے گر گئے۔ میں تحیر آمیز نظروں سے اس کی جانب دیکھتا رہا' پھر بمشکل میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"طوسیہ۔۔ کیا تم مجھے بالکل ہی بھول چکی ہو؟"

اس بت طناز کے لبوں کو جنبش ہوئی اور میرے کانوں میں رس گھولتی ہوئی' پہاڑی جھرنوں جیسی گنگناتی ہوئی آواز آئی۔ "نہیں.... جانتی تو ہوں۔"

"جانتی ہو!" میں حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔ "پھر تمہاری نگاہوں میں یہ اجنبیت کیسی ہے طوسیہ! میں تو تمہارے تصور کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھرا ہوں۔"

"نہیں جبلی! مجھے فریب نہ دو۔" وہ طنز بھرے لہجے میں بولی۔ "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم محض نفس کی خاطر میرے تعاقب میں لگے رہے' تمہارے قدم کیوں رک گئے؟ آگے بڑھو اور میرے جسم کو روند ڈالو' میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔ جب سے میں اپنے آقا کے مسلک میں داخل ہوئی ہوں' آئے دن شیطان کے نت نئے پجاری میرے ساتھ یہ کھیل کھیلتے رہتے ہیں اور تم بھی اب ان ہی میں سے ایک ہو' آؤ۔۔۔ میں تمہاری پیش قدمی کی منتظر ہوں۔"

"تم..... تم بہت سی آغوشیں سجا چکی ہو طوسیہ!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔۔ یہی نہیں' میری کوکھ سی ایک زندگی بھی جنم لے چکی ہے' یقین نہ ہو تو اس کیبن میں جا کر دیکھ لو۔" وہ قریبی کیبن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ زندہ لوتھڑا شاید گہری نیند سو رہا ہو گا۔"

"یہ چند ہی دنوں میں کیا ہو گیا طوسیہ!" نئے نئے انکشافات سن کر میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا ناچنے لگا۔

"چند دن نہیں۔۔۔ میں صحرائی کھنڈرات میں ملنے کے ٹھیک ایک برس اور گیارہ دن بعد تمہیں دیکھ رہی ہوں جبلی' ہو سکتا ہے کہ یہ مدت تم نے بیہوشی میں گزاری ہو۔"

یہ باتیں میرے لئے اس حد تک ناقابل یقین تھیں کہ اضطراری طور پر میرے قدم اس کیبن کی طرف اٹھ گئے جہاں طوسیہ نے اپنے بچے کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔

میں اندر پہنچا تو آہنی فرش پر ایک سرخ و سفید' صحت مند بچہ بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ اس بچے پر نظر پڑتے ہی میرے وجود میں غیض و غضب کی ایسی شدید لہر ابھری کہ میں نے لپک کر اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ میری کرخت انگلیوں کی چبھن محسوس کرتے ہی وہ بچہ بیدار ہو کر بری طرح رونے لگا مگر میں تو جنون کا شکار ہو چکا تھا' اس کے رونے کی پرواہ کئے بغیر اسے ہاتھوں میں دبوچ کر عرشے پر آیا۔ یہاں مجھے طوسیہ کی جانب سے مزاحمت کا اندیشہ تھا اس لئے ذرا بھی رکے بغیر آگے بڑھا اور روتے ہوئے بچے کو سمندر کی جھاگ اڑاتی بے رحم موجوں میں پھینک دیا۔

چند ثانیوں کے لئے موجوں کے شور میں بچے کی چیخیں سنائی دیں اور پھر وہ آوازیں ہمیشہ کے لئے ڈوب گئیں۔ اس بچے کو ٹھکانے لگانے کے بعد میں پیچھے مڑا تو طوسیہ وحشت زدہ انداز میں میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی' اس کے چہرے پر ماتا کا کرب نمایاں تھا اور وہ غضب ناک شیرنی کی طرح مجھے گھور رہی تھی۔ میرے مڑتے ہی طوسیہ نے حقارت کے ساتھ میرے چہرے پر تھوک دیا۔ "جبلی.... تو بڑا سفاک ہے' میں اپنے بچے کے قاتل کو کبھی معاف نہیں کر سکتی!" اس کی آواز غصے اور الم سے کانپ رہی تھی۔

"تیرا بچہ!" میں ہذیانی انداز میں ہنس پڑا۔ "وہ غلاظت کا ایک لوتھڑا تھا طوسیہ! ایسے کسی بچے کو اس دنیا میں سانس لینے کا حق نہیں جس کے باپ کا نام خود اس کی ماں کو بھی معلوم نہ ہو۔"

طوسیہ بے قابو ہو کر میری طرف جھپٹی اور میرا گریبان تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے گالی دیتے تجھے شرم آنی چاہئے جبلی' یہ تیرا ہی خون تھا تیرا نہیں بلکہ حسین کا خون تھا جو میری محبت کا دم بھرتا تھا۔"

"تو جھوٹی ہے!" میں نے یک بیک اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس کی۔

"ہاں۔۔۔ تو اس وقت جبلی نہیں بنا تھا بلکہ قزاقوں کی صحرائی بستی میں حسین کے نام سے کسی چرواہے کا منہ بولا بیٹا تھا' کیا تجھے یاد نہیں کہ جب میں اپنے جسم سے محروم محض ایک روحانی ہیولا تھی تو ایک روز درختوں کے کنج میں سردار جوبا کی لڑکی زینو کے جسم میں

حلول کر کے میں تیرے پاس آئی تھی اور تو نے محبت کی آڑ میں مجھے پامال کر دیا تھا۔ یہ بدنصیب بچہ میری اسی ملاقات کی یادگار تھا۔"

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" میں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ "اس وقت تو صرف ایک روح تھی وہ بدن زینو کا تھا۔ اگر یہ میرا ہی بچہ تھا تو اسے تیرے بجائے زینو کی کوکھ سے جنم لینا چاہئے تھا۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے جبلی۔" اس نے یہ کہتے ہوئے میرا گریبان چھوڑ دیا اور سر جھکائے ہوئے ایک طرف چل دی۔

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا طوسیہ' اب واپس لوٹ آؤ۔" میں نے اسے پکارا۔ وہ میری بات کا جواب دیئے بغیر سفینہ ظلمات کے اس کیبن میں جا گھسی جس میں سے میں نے وہ بچہ اٹھایا تھا۔ میں بھی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور طوسیہ تک جا پہنچا۔

وہ فرش پر بیٹھی' بچے کا ایک کپڑا سینے سے چمٹائے بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"طوسیہ۔۔۔!" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے اسے پکارا۔

"تم چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ زار زار روتے ہوئے غرائی۔ "تم بھیڑیئے ہو' تمہیں نہ اپنے اور پرائے خون کی تمیز ہے نہ تمہیں کسی ماں کی ممتا کا خیال ہے۔"

ایک فوری خیال کے تحت مجھے بہانہ ہاتھ آ گیا۔ "اب نہیں تو کچھ دن بعد' یہ ہونا تھا طوسیہ.... اب ہم دونوں شیطان کے پجاری ہیں' تمہاری گود میں پلنے والا کوئی بچہ ایسا نہیں ہونا چاہئے جو پیدائشی طور پر شیطان کا پجاری نہ ہو۔ وہ بچہ تمہاری کوکھ میں پہلی بار اس وقت کلبلایا تھا جب تم شیطان کی پجارن نہیں تھیں.... یہ.... یہ تو اچھا ہی ہوا کہ ماضی کے ساتھ تمہارا یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔"

"اگر یہی بات ہے تو تم بھی چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ بدستور بپھری ہوئی تھی۔ "تمہاری میری شناسائی بھی اس ماضی سی تعلق رکھتی ہے۔"

اسے راہ پر نہ آتا دیکھ کر مجھے بہت غصہ آیا لیکن ابھی اسے رام کرنا تھا اس لئے میں خون کے گھونٹ پی کر وہاں سے ہٹ گیا۔

اب مجھے اپنی شیطانی قوتوں کو بروئے کار لانا تھا جو صرف اسی وقت بیدار ہو سکتی تھیں جب میں اپنا جسم برہنہ کر دوں۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنا بدن سے لباس علیحدہ کیا اور

دوبارہ اسی کیبن میں جا گھسا' میری آہٹ پر طوسیہ نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔۔ اس کے گلابی رخسار آنسوؤں سے تر تھے اور ذرا ہی دیر میں' رونے کے سبب اس کی کشش انگیز آنکھوں پر ورم نمایاں ہو گیا تھا۔

"قریب آؤ' میری آغوش تمہاری منتظر ہے۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور شکست خوردہ انداز میں میرے سینے سے آ لگی۔ میں نے بے اختیار ہو کر اسے سختی کے ساتھ اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ "بے وقوف لڑکی۔" میں نے کہا۔ "ماضی سے بڑھ کر انسان کی خوشیوں کا دشمن کوئی اور نہیں ہے بھول جاؤ ان لمحوں کو جو اب سے پہلے حقیقت تھے۔"

"جبلی!" وہ میرے سینے سے سر ٹکا کر سسک پڑی۔ میں ہولے ہولے اس کی پشت سہلانے لگا۔ اسے خود سے اتنے قریب پا کر میں عجیب تسکین محسوس کر رہا تھا۔ گو اس کا رونا مجھ پر گراں گزر رہا تھا لیکن میں نے اسے خاموش کرنے کی کوئی موثر کوشش نہیں کی۔ میری دانست میں بہتر یہی تھا کہ اس کے دل کا سارا غبار ایک ہی بار صاف ہو جائے۔

پھر جب اس کی ممتا کا دہکتا ہوا لاوا سرد پڑا تو مجھے اس کی رفاقت میں ایک نیا لطف آنے لگا۔ ہم نہ جانے کب تک ایک دوسرے میں کھوئے رہے۔ آخرکار ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ کوئی جبلی جبلی پکار رہا تھا۔ اس آواز میں وہی مانوس سی کرختگی اور کھردرا پن تھا' جس کے لئے اب میرے دل میں بے پناہ احترام تھا۔۔

میں کیبن سے باہر نکلا تو کوزہ پشت شیطان اپنی چھوٹی بڑی ٹانگوں پر مینڈک کی طرح اچھلتا چلا آ رہا تھا۔ میں اور میرے ساتھ طوسیہ بھی آگے کو لپکی اور ہم دونوں شیطان کے ریچھ جیسے پیروں پر گر پڑے۔

"اٹھو!" شیطان نے ہدایت کی اور میں فوراً ہی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "میرے پجاری دنیا کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے ہیں۔۔" شیطان کہہ رہا تھا۔ "ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ میری تعلیمات کو عام کریں اور ہر طرف بدی اور گناہ پھیلائیں۔ ہر جگہ میرے پجاریوں کا ایک خاص دائرہ کار ہے اس طرح مجھے یہ اندازہ کرنے میں آسانی رہتی ہے کہ کس پجاری نے میرے لئے سب سے زیادہ کام کیا۔" پھر وہ خاص طور پر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "بناس کا فتنہ مٹا کر تو نے ایسا کام کیا ہے کہ میں تجھے کچھ انعام دینا چاہتا ہوں۔ کچھ ایسی قوتیں جو

آج تک میرے کسی پجاری کو حاصل نہیں رہیں۔"

"یہ تیری عنایت ہے مقدس آقا۔" میں خوشی سے سرشار لہجے میں بولا۔

"ابھی میں تجھ پر ایک عمل کروں گا۔ اس کے بعد تیرے بدن میں بے پناہ طاقت حلول کر جائے گی' تیرے سانس کی نالی کا گلے سے کوئی تعلق نہ رہ جائے گا بلکہ تو داہنی بغل سے سانس لے گا۔ اس طرح تیرا گلا دبا کر تجھے ختم نہیں کیا جا سکے گا۔ تیرے جسمانی نظام میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی کہ تو ہر چیز کھا سکے گا اور اگر غذا نہ ملے تو صرف درختوں کی چھال کا ابلا ہوا پانی تیرے لئے کافی ہو گا۔ اس کے بعد میں تجھے طوسیہ سمیت اوہام اور خوابوں کی اس سرزمین پر بھیجوں گا جہاں ہر طرف سحر' طلسم اور جادو کا وہم لوگوں کی جانوں کا روگ ہے۔ اپنی منزل پر پہنچ کر تجھے ایک پارس پتھر ملے گا جس کے لمس سے لوہا سونے میں بدل جائے گا اس طرح عسرت اور بدحالی میں مبتلا لوگ تیری دی ہوئی خوشحالی کے عوض بڑی آسانی سے اپنی روحیں میرے حوالے کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔"

"تو بڑا مہربان ہے میرے آقا۔"

پھر شیطان نے مجھے سفینہ ظلمات کے عرشے پر اسی جگہ لٹا دیا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کوئی عمل پڑھتے ہوئے' میرا بدن ٹٹول ٹٹول کر میری رگوں میں آہنی سوئیاں پیوست کرنے لگا' جن سے مجھے نہ کوئی تکلیف ہو رہی تھی نہ میرے بدن سے خون رس رہا تھا۔

شیطان تیزی کے ساتھ اپنا کام کر رہا تھا۔ ذرا ہی دیر میں میرے سارے بدن میں سوئیاں ہی سوئیاں پیوست ہو گئیں پھر وہ میرے سرہانے آیا اور میرا منہ چیر کر اپنا استخوانی ہاتھ میرے حلق میں اتار دیا۔ میں کسی بھی تکلیف کا احساس کئے بغیر سکون سے لیٹا رہا' ہاں یہ ضرور معلوم ہو رہا تھا کہ شیطان کی انگلیاں تیزی کے ساتھ میرے حلق میں بلکہ اس سے بھی نیچے حرکت کر رہی ہیں' کچھ دیر بعد شیطان مجھے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ میں عرشے سے اٹھا تو میرے سارے بدن کی شریانیں اس طرح جلد پر ابھری ہوئی تھیں جیسے ان پر ورم آ گیا ہو اور ان شریانوں میں ہر چند انچ کے بعد باریک باریک چمکیلی سوئیاں آر پار پیوست تھیں اور شیطان فاتحانہ نظروں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"تیرا نظام تنفس اب داہنی بغل سے وابستہ ہے' پانچ پہر گزرنے کے بعد طوسیہ تیری شریانوں سے یہ ساری سوئیاں نکال دے گی اس کے بعد تجھے وہ تمام قوتیں حاصل ہو جائیں

گی جن کے بارے میں' میں تجھے بتا چکا ہوں۔" شیطان نے پرسکون مگر کھردری آواز میں کہا۔

میں نے بائیں ہاتھ سے چھو کر دیکھا تو واقعی میری داہنی بغل میں ایک سوراخ پیدا ہو چکا تھا جس سے سانسوں کے ساتھ بار بار ہوا داخل اور خارج ہو رہی تھی۔

"اب سفینہ ظلمات اسی سرزمین کے ایک ویران ساحل پر جا کر رکے گا۔ وہاں اترنے کے بعد تم دونوں کی مرضی ہو گی کہ جہاں چاہو جاؤ مگر ہر وقت تمہارے پیش نظر وہی مقصد ہو گا جو میں بتا چکا ہوں۔" شیطان نے بتایا۔

"یہ تیری عنایت ہے کہ ہمیں اتنی آزادی دے رہا ہے۔" میں نے احسان مندانہ لہجے میں کہا۔

"اور یہ جہاز یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔" طوسیہ نے پوچھا۔

"ہاں.... تم لوگوں کو اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اتنا کہہ کر شیطان یک بیک فضا میں تحلیل ہو کر سفینہ ظلمات کے عرشے سے غائب ہو گیا۔

میں نے غور سے طوسیہ کی جانب دیکھا۔ اس وقت وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی اور اسکی نگاہوں میں بے نوری کے بجائے زندگی کی بھرپور چمک نظر آ رہی تھی۔

"پانچ پہر!" طوسیہ میری طرف دیکھ کر معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ہاں.... یہ تمہارے لئے خاصی طویل مہلت ہے۔" میں زور سے ہنسا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی تھی۔" وہ جلدی سے بولی۔ "پانچ پہر کی بات ہے اس کے بعد تم شیطان کے سب سے طاقتور اور محبوب پجاری ہو گے۔"

"یقیناً۔" میں خوش دلی کے ساتھ بولا۔ "اور میری یہ تمام قوتیں تمہارے اشاروں کی غلام ہوں گی۔"

اس کے بعد پانچ پہر' ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ہمراہ باتیں کرتے عرشے پر ٹہل ٹہل کر گزارے' جب یہ مدت گزر گئی تو میں عرشے پر ہی دراز ہو گیا اور طوسیہ ایک ایک کر کے میری شریانوں سے ساری آہنی سوئیاں نکالنے لگی۔ وہ ساری سوئیاں سمندر میں پھینکتی جا رہی تھی۔

جوں ہی میرے جسم سے آخری سوئی نکلی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے رگ و پے

میں بے پناہ توانائی سرایت کر گئی ہو۔ میں پھرتی کے ساتھ عرشے سے اٹھا اور اپنی قوت آزمائی کے لئے وہاں کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ عرشے پر کوئی اور چیز تو نظر نہ آ سکی' ہاں ایک آہنی شہتیر ضرور نظر آیا جو شاید کسی وقت زنجیریں لپیٹنے والی چرخی کو سہارا دیتا ہو گا۔

میں پھرتی کے ساتھ اس شہتیر کی طرف گیا اور اس وقت تو میری مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا جب پہلے ہی جھٹکے میں وہ شہتیر دوہرا ہو گیا۔

"مبارک ہو جبلی۔" طوسیہ دور ہی سے تالیاں بجا کر چلائی۔

میں طوسیہ کے قریب گیا اور بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر سر سے اونچا اٹھا لیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی میرے ہاتھوں میں تڑپنے لگی' آخر میں نے آہستگی کے ساتھ اسے نیچے اتار دیا۔

"اب مجھے صرف ایک بات کی فکر ہے!" میں نے طوسیہ کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"وہ کیا؟" اس نے شوق سے پوچھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ دیر قبل کی تلخ باتیں بالکل ہی فراموش کر چکی ہے بلکہ میرا وہ گناہ بھی معاف کر دیا ہے جو مجھ سے اس کے بچے کے قتل کی صورت میں سرزد ہوا تھا۔

"نہ جانے ہمارے آقا نے ہمارے لئے کون سی نئی منزل کا انتخاب کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"یوں تو کہیں بھی نہیں جانا چاہتا۔" میں یک بیک اداس ہو گیا۔ "میں نے جب اپنا وطن چھوڑا تو بہت کم سن تھا' ہوش سنبھالنے کے بعد بسا اوقات یہ خلش ستاتی ہے کہ میں اپنا وطن بھی دیکھوں۔"

"تمہارا وطن کہاں ہے؟"

"میں تو اب بے وطن ہوں۔" میری اداسی کچھ اور بڑھ گئی۔ "ہاں میرے بزرگوں کا کوئی وطن ہوا کرتا تھا۔ وہ ہندوستان کے کسی شہر لکھنؤ کے نواح میں رہا کرتے تھے۔"

"خیر اب تو یہ سب بھولی بسری کہانیاں ہیں۔" طوسیہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔

"یادوں کی اس راکھ کو کرید کر خلش کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ہم اپنی روحوں کے ساتھ ہی اپنا ماضی بھی شیطان کے ہاتھوں گروی رکھ چکے ہیں۔" میں خاموش ہو گیا۔

وہ دن گزرا اور پھر دن پر دن گزرتے چلے گئے۔ سفینہ ظلمات کی زندگی کی یکسانیت بے حد صبر آزما ہوتی' اگر مجھے اس آہنی جہاز پر طوسیہ کے دلفریب پیکر کا سہارا نہ ہوتا۔ میرے شب و روز اس کی گھنیری زلفوں کے سائے میں گزرتے تھے۔ ورنہ سفینہ ظلمات پر ہر وقت مشینوں کا یکساں اور مسلسل شور گونجتا رہتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی اس کے ہوٹر کی بھونڈی آوازیں یا بحری پرندوں کا شور اس لامتناہی تسلسل کو توڑ دیتا تھا۔

ہمیں سفینہ ظلمات پر سفر کرتے اکیس دن گزر گئے۔ اس دوران میں' میں دانستہ صرف ہلکی پھلکی خوراک پر ہی اکتفا کرتا رہا جس کے ذخائر جہاز پر پہلے سے موجود تھے لیکن اس کے باوجود مجھے ایک ثانئے کے لئے بھی نقاہت محسوس نہ ہوئی۔ ہاں طوسیہ اپنے لئے کھانے پکانے میں لگی رہتی تھی۔ تیئسویں دن شام کے وقت ہمیں سمندر میں کافی دور دھند میں لپٹی خواب ناک روشنیوں کی طویل قطاریں نظر آئیں جس کا مطلب تھا کہ اب کوئی ساحل قریب آ پہنچا ہے۔

"یہ تو کوئی بڑی بندرگاہ معلوم ہوتی ہے!" میرے شانے پر سے ان روشنیوں کا جائزہ لیتے ہوئے طوسیہ بولی۔ میں سرہلا کر رہ گیا۔ اس کی بات کا مفہوم میرے پلے نہ پڑ سکا۔ کیونکہ میں بندرگاہ کے تصور ہی سے ناآشنا تھا۔ تاریکی میں ڈوبا ہوا آہنی جہاز روشنیوں کی ان طویل قطاروں کی طرف بڑھتا رہا اور میں اس ہولناک یکسانیت سے نجات ملنے کی خوشی میں ایک ایک پل گنتا رہا۔

جب تاریکی کی چادر گہری ہو چلی تھی تو سمندر میں کسی جانب سے ایک انجن کی غراہٹ اور پانی کاٹنے کا تیز شور سنائی دیا' پھر ایک تیز روشنی ہوئی جس کا رخ سفینہ ظلمات ہی کی جانب تھا۔ وہ روشنی تیزی کے ساتھ حرکت کرتی' ہمارے جہاز کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گئی اور پھر تاریکی ہو گئی اور اس متحرک روشنی والی سمت سے کسی نے آواز بڑھانے والے آلے پر چیخ کر پوچھا۔

"اس جہاز پر کون ہے؟"

"دو بھٹکے ہوئے مسافر!" میں نے پوری قوت سے چیخ کر جواب دیا۔ میری چھٹی حس کسی بڑے خطرے کی بو محسوس کر رہی تھی۔

"جہاز پر اندھیرا کیوں کیا ہوا ہے؟" اسی آواز نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہمیں کچھ نہیں معلوم، تم جو کوئی بھی ہو، ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے!"

"اس جہاز کا کپتان کہاں ہے؟" ادھر سے پوچھا گیا۔

"پورے جہاز پر ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے!"

"پھر یہ کیسے چل رہا ہے؟" یہ سوال کرنے والے کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"خودبخود چلا جا رہا ہے! پتہ نہیں کہ اس آہنی جہاز کی منزل کیا ہے۔"

"خودبخود چلا جا رہا ہے۔" ادھر سے خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں دہرایا گیا۔ پھر اس آلے پر کئی آدمیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ شاید وہ لوگ مشورے کر رہے تھے۔

"ہم عرشے پر روشنی ڈالتے ہیں، تم دونوں ہاتھ اٹھا کر روشنی میں کھڑے رہو۔۔۔ ہم تمہاری جانب آتے ہیں، اگر ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا تو ہم بے دریغ تمہیں ختم کر ڈالیں گے!" اس بار کوئی نئی آواز سنائی دی۔

"چلے آؤ۔۔۔ ہم منتظر ہیں!"

اس جانب سے تیز روشنی کا ہالہ جہاز کے عرشے پر پڑا۔ میں طوسیہ کے ہمراہ دونوں ہاتھ سر سے بلند کئے روشنی میں عرشے کے کنارے آ کھڑا ہوا اور روشنی پیدا کرنے والی چیز، انجن کے تیز شور کے ساتھ سفینہ ظلمات کی طرف بڑھنے لگی، میں آنے والے لمحات سے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

سمندر میں موجوں کے تلاطم کے ساتھ ہی کسی طاقتور انجن کا شور بھی گونج رہا تھا اور سفینہ ظلمات کے تیرہ و تار عرشے پر روشنی پھینکنے والی کشتی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی آ رہی تھی۔ میں طوسیہ کے ہمراہ آہنی ریلنگ کے سہارے ہاتھ بلند کئے کھڑا تھا اور آنے والے لمحات کے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

اس کشتی کے قریب آنے پر پتہ چلا کہ وہ سفید رنگ کی کافی بڑی موٹر بوٹ ہے۔ شاید ان لوگوں نے خود کو چھپانے کے لئے ساری روشنیاں گل کی ہوئی تھیں اور اگلے حصے پر لگی ہوئی متحرک سرچ لائٹ سے ہماری نگرانی کے علاوہ، وہ لوگ اپنی رہنمائی کا کام بھی لے رہے تھے۔

"کیا تمہارے پاس کوئی سیڑھی ہے؟" اس موٹر بوٹ سے کسی نے بھرائی ہوئی بلند آواز میں پوچھا۔

"سیڑھی ضرور ہے۔ لیکن تم لوگ کون ہو؟" میں نے جواب میں کہا۔

"بحری کسٹم پولیس۔" اسی آواز نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم لوگ پوری طرح مسلح ہیں اور تم نے ذرا بھی شرارت کی تو زندہ نہ بچ سکو گے۔ ہم اپنی موٹر بوٹ قریب لا کر جہاز کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ تم دونوں سیڑھی کی مدد سے ہماری موٹر بوٹ پر اتر آؤ۔ یقین رکھو کہ اگر تم بے گناہ ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"

میرے ذہن میں اچانک ایک خیال نے جنم لیا اور میں نے فوری فیصلے کے تحت طوسیہ سے کہا۔ "تم روشنی کی زد سے نکل کر کسی جگہ دبک جاؤ، میں ان سے تنہا ہی نمٹوں گا۔"

طوسیہ پھرتی کے ساتھ نیچے جھک کر روشنی سے دور نکل گئی۔

"یہ لڑکی کدھر گئی ہے؟" موٹر بوٹ سے کسی نے سوال کیا۔

"وہ رسی کی سیڑھی تلاش کرنے گئی ہے۔" میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

معاً مجھے محسوس ہوا کہ سفینہ ظلمات تیزی کے ساتھ اپنا رخ بدل رہا ہے۔ موٹر بوٹ والوں نے بھی اس بھیانک خطرے کو بھانپ لیا اور چلانے لگے۔ "تمہاری ساتھی جہاز کا رخ ہماری طرف موڑ رہی ہے اسے فوراً روکو ورنہ ہماری مشین گن جہاز کے پیندے کو چھلنی کر ڈالے گی۔"

میں زور سے ہنس پڑا اسی کے ساتھ موٹر بوٹ سے دھماکے کی کئی پے در پے آوازیں بلند ہوئیں اور چند شعلے فضا میں اڑتے ہوئے میرے سینے سے آ ٹکرائے لیکن مجھے کوئی گزند پہنچائے بغیر نیچے گر گئے۔

صورت حال اتنی تیزی کے ساتھ بدلی تھی کہ وہ لوگ بدحواسی کے عالم میں موٹر بوٹ کو ایک دائرے کی صورت میں چکر دے کر راستہ بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ان کی کامیابی سے قبل ہی دیو ہیکل آہنی جہاز اپنا راستہ کاٹ کر تیز رفتاری کے ساتھ موٹر بوٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

موٹر بوٹ کی واحد سرچ لائٹ بھی بجھا دی گئی۔ پھر انجنوں اور موجوں کے شور میں مشین گن کا نغمہ گونج اٹھا۔ گولیوں کی تیز بوچھاڑ سفینہ ظلمات کی آہنی چادروں پر پڑنے لگی۔ لیکن اس کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ آہنی جہاز اپنے ہوٹروں کے شور کے ساتھ لحظہ بہ لحظہ فرار ہونے والی سفید موٹر بوٹ سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

آخرکار درمیانی فاصلہ اتنا کم رہ گیا کہ وہ موٹر بوٹ سفینہ ظلمات کے گرد پیدا ہونے والے سمندری بھونچال میں گھر گئی اور اس پر سے کئی سائے بے اختیار گہرے سمندر میں کود گئے پھر ایک تیز دھماکہ ہوا اور سفینہ ظلمات کی ایک ہی ٹکر میں اس موٹر بوٹ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ وہ شور اتنا تیز تھا کہ مرنے والوں کی آخری چیخیں تک نہ سنی جا سکیں۔

آگے بڑھتے ہوئے جہاز کے عرشے سے میں نے سمندر کی متلاطم موجوں پر موٹر بوٹ کے شکستہ ڈھانچے اور ساز و سامان کو بہتے دیکھا اور اپنی اس پہلی کامیابی پر میرا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔ مجھے یقین تھا کہ کسٹم والے سفینہ ظلمات پر آنے کے بعد یقینی طور پر مجھ سے الجھتے اور پھر مجھے اپنے ہاتھوں انہیں ٹھکانے لگانا پڑتا۔

"سب مارے گئے۔" طوسیہ میرے شانے پر اپنی ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے مسرت بھری آواز میں بولی۔ "اب ہمیں کوئی بھی زک نہیں پہنچا سکتا' تو نے دیکھا کہ ان کی چلائی ہوئی

گولیاں تیرے لئے کس قدر بے ضرر ثابت ہوئیں۔"

"ہاں۔ مگر اس سے زیادہ خوشی کی بات اور ہی ہے طوسیہ!" میں مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ کیا؟"

"ان لوگوں کی زبان میرے لئے اجنبی نہیں ہے!" میں نے کہا۔

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے!" وہ بولی۔ "شیطان کے پجاری دنیا کی ہر زبان بول اور سمجھ سکتے ہیں اور تم تو شیطان کے خاص پجاری ہو شاید پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بھی اب تمہارے لئے اجنبی نہیں ہوں گی۔"

"ہاں تو سچ کہہ رہی ہے!" میں معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور پھر اسے ساتھ لے کر ایک کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

سفینہ ظلمات کے ہوٹرز کافی دیر سے خاموش تھے۔ اس کے غراتے ہوئے انجن بھی کافی دیر قبل سسک کر دم توڑ چکے تھے لیکن وہ آہنی جہاز اب بھی ہولے ہولے آگے کی طرف رینگ رہا تھا۔ ساحلی روشنیوں کی چمکیلی قطاریں کافی دور تھیں اور سامنے ایک گہری سیاہ لکیر سمندر کے ساحل کی خبر دے رہی تھی۔ میں نے بہت غور سے اس طرف دیکھا اور یہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ سفینہ ظلمات پہاڑی کھاڑیوں کے درمیان جا کر رکنے والا ہے اور شاید یہی ویران جگہ ہماری منزل ہے۔

"جبلی!" اچانک طوسیہ نے نقاہت زدہ آواز میں مجھے پکارا۔

"ہاں طوسیہ!" میں فوراً ہی اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ہم کہاں ہیں؟" اس نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ "سفینہ ظلمات پر خاموشی کیسی ہے' کیا ہمارا جہاز رک چکا ہے؟"

"جہاز بس رکنے ہی والا ہے طوسیہ!" میں پرجوش آواز میں بولا۔ سحر' طلسم اور جادو کے اوہام میں مبتلا انسانوں کی وہ سرزمین آ چکی ہے جو ہمارے مقاصد کے لئے بہت زرخیز ہے۔"

"مجھے سہارا دے کر اٹھاؤ۔" وہ میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

میں ہنس پڑا اور جھک کر اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر یوں اٹھا لیا جیسے اس کا وجود بالکل ہی بے وزن ہو۔

ریلنگ کے قریب پہنچ کر میں نے اسے عرشے پر کھڑا کر دیا۔

دور نظر آنے والی دھند میں لپٹی ہوئی روشنی کی خوابناک قطاروں پر نگاہ پڑتے ہی طوسیہ بے قرار ہو گئی۔ "یہ روشنیاں اجنبی تو نہیں ہیں جبلی' جب میں مانیتی کی قید میں محض ایک روح تھی تو میں نے کئی بار ادھر کا سفر کیا تھا۔ اگر یہی ہماری منزل ہے تو سن لے کہ یہاں پتھر کے پوجنے والوں کی کثرت ہے اور یہاں قدم قدم پر ایسے پنڈتوں اور کاہنوں کی کثرت ہے جو نادیدہ اور غیر انسانی قوتوں پر حکمراں ہیں اور ان کے ابرو کی ایک جنبش بربادی یا خوش حالی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اور اسی سرزمین کی شمالی سرحدوں پر زرد قوم سے پہلے برف پوش پہاڑوں کی ایک فصیل ہے جہاں ہڈیوں میں گھسنے والی سرد برفانی ہواؤں کا راج ہے' میں کئی بار ان برفانی پہاڑوں میں مانیتی کا قہر جھیل چکی ہوں۔"

وہ خاموش ہوئی تو سفینہ ظلمات پر گہرا سکوت چھا گیا وہ دیوہیکل آہنی جہاز کوئی آواز پیدا کئے بغیر موجوں پر رینگتا کھاڑیوں سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

چند ثانیوں تک بس میں اپنے اور طوسیہ کے سانسوں کا شور سنتا رہا' پھر پرخیال آواز میں بولا۔ "یہ تو عجیب ہی کہانی ہے طوسیہ' یہاں والے تیرے ہم مسلک معلوم ہوتے ہیں۔"

وہ سرد اور سپاٹ آواز میں بولی۔ "میں صنم پرستی کو خیرباد کہہ چکی ہوں جبلی! اب میرا مسلک شیطان کی تقلید ہے جو آگ سے پیدا کیا گیا اور جو اب ہمارا آقا ہے۔"

"اور وہ زرد قوم...!" میں نے استفسار طلب لہجے میں پوچھا۔

"ہاں--- برفانی پہاڑوں کے اس پار دور دور تک زرد قوم کی حکمرانی ہے۔ وہ کون ہیں اور کس کے پجاری ہیں یہ کسی کو بھی معلوم نہیں۔ ان کی زرخیز زمینوں پر صدیوں تک افیون کے پودے لہلہاتے رہے ہیں۔ انہوں نے افیون کھا کھا کر زندگی کی سچائیاں دریافت کی ہیں اور اب وہاں افیون ناپید ہے بزدلی اور کم ہمتی عنقا ہے اور وہ اپنے ادہام کو شدید محنت کے لازوال طوفانوں میں نیست و نابود کر چکے ہیں ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو لیکن انہیں خوف اور اندیشوں کی دلدل میں پھنسا کر زندگی کی ٹھوس سچائیوں سے فرار پر اکسانا بڑا محال ہے۔ اگر ہمیں پہاڑوں کے اس پار جا کر زرد قوم میں اپنے مسلک کی تبلیغ کرنی پڑی تو یہ بڑا کٹھن کام ہو گا۔ ہاں پہاڑوں سے پہلے ہر قدم پر کامیابیاں ہماری منتظر ہوں گی۔"

"تجھے یاد نہیں کہ شیطان نے کیا کہا تھا' سفینہ ظلمات جہاں لنگر انداز ہو گا وہی ہماری

منزل ہو گی۔" میں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے کہا۔

اسی وقت جہاز کو ہلکا سا جھٹکا لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ آہنی جہاز رک چکا ہے۔

میں نے باہر نظر ڈالی تو داہنے پہلو پر ساحل کافی دور تھا۔ عرشے سے کافی نیچے سمندر کا سیاہی مائل پانی آہستہ آہستہ ہلکورے لے رہا تھا۔ میں طوسیہ کا ہاتھ تھام کر آہنی جہاز کے بائیں پہلو پر پہنچا تو ادھر عرشے سے چند فٹ نیچے پتھریلی چٹانیں بکھری نظر آئیں۔ ان چٹانوں سے جہاز کا فاصلہ بمشکل آٹھ دس فٹ رہا ہو گا۔ اس درمیانی خلا میں بھی نیچے سمندر کی موجیں لرز رہی تھیں۔

میں نے جلد ہی عرشے پر ایک کافی لمبی آہنی چادر تلاش کر لی' اور تھوڑی سی محنت کے بعد اس کا ایک سرا جہاز کے عرشے پر اور دوسرا سنگلاخ چٹانوں پر جمانے میں کامیاب ہو گیا۔

طوسیہ نے کچھ کہے بغیر میرا ہاتھ تھام لیا۔ ہم نے مڑ کر سفینہ ظلمات پر الوداعی نظریں ڈالیں اور پھر میں طوسیہ کو ہمراہ لئے اپنے بنائے ہوئے آہنی پل کو عبور کرنے لگا۔

چند سیکنڈ بعد جوں ہی ہمارے قدم پتھریلی زمین پر پڑے سفینہ ظلمات کے زنگ آلود ہوٹر سے گھٹی گھٹی سی تیز چیخ بلند ہوئی جیسے اس آہنی جہاز کے نادیدہ ملاح ہمیں الوداع کہہ رہے ہوں۔ میں نے والہانہ انداز میں طوسیہ کو اپنے بازوؤں میں دبوچ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

ہم دونوں فسوں خیز صحراؤں سے فرار ہو کر بحرا شیاطین کے راستے ایک نئی سرزمین پر آ چکے تھے۔ جو میرے لئے ابھی تک اجنبی مگر طوسیہ کے لئے جانی پہچانی تھی۔

ہم دونوں نے مڑ کر ویران اور ساکت جہاز کی طرف ہاتھ لہرایا' پھر ناہموار اور سنگلاخ ڈھلانوں کو عبور کرتے آگے بڑھنے لگے۔

ہم نہ جانے کتنی دیر تک خاموشی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ سمندر کی سرکش موجوں کا شور بہت پیچھے رہ چکا تھا اور ہمیں اپنے سامنے پھیلے ہوئے نشیب میں جا بجا نندا سی روشنیوں کے ہجوم آبادی کی نوید دے رہے تھے۔

جب مشرقی افق پر صبح کا ملگجا دھواں پھیلنے لگا تو فضا میں عجیب سی خوشبو کا رچاؤ محسوس ہونے لگا جس سے میں ابھی تک ناواقف تھا پھر قرب و جوار سے پالتو چوپایوں کی آوازیں آنے لگیں۔

سرسبز کھیتوں کے درمیان ایک پگڈنڈی سے گزرتے ہوئے سب سے پہلے جس آدمی سے ہمارا سامنا ہوا وہ شاید کوئی گوالا تھا اور اپنے سر پر مٹی کا برتن اٹھائے ننگے پاؤں تیزی سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے بدن پر نیلے رنگ کی آدھی آستینوں والی ایک صدری اور میلا سا تہمد نظر آ رہا تھا۔

جوں ہی اس کی نظر ہم دونوں پر پڑی وہ چونک پڑا اور اس کے قدموں کی رفتار سست پڑ گئی۔ شاید وہ صبح سویرے ایک جوان اور اجنبی جوڑے کو اپنی بستی کے نواح میں پا کر شبہات میں مبتلا ہو گیا تھا۔

میں نے اس کی گھبراہٹ محسوس کرتے ہی کہنی سے طوسیہ کو ٹھوکا دیا اور وہ لپک کر اس کے قریب جا پہنچی۔ "یہ کون سی جگہ ہے بھائی؟"

"یہ سب دیوگڑھ کا علاقہ ہے۔ اس راستے پر تین میل آگے کرم پورے کی بستی ہے تم دونوں اتنے منہ اندھیرے یہاں کیسے بھٹک رہے ہو؟" وہ اٹک اٹک کر بولا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ہم دونوں سے کافی حد تک خائف ہو چکا ہے اور ہم سے جھوٹ نہ بول سکے گا۔

"مقدر ادھر لے آیا ہے بھائی۔" طوسیہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "رشی جی کو ویرانوں سے پیار ہے' مجھے ان کے ساتھ بالا گھاٹ سے نکلے دو دن ہو گئے ہیں پر یہ کہیں رکنے کا نام ہی نہیں لیتے۔"

"بالا گھاٹ!" اس کے ہاتھ سے دودھ کا مٹکا چھوٹ کر نیچے گر گیا اور وہ ہکا بکا نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا جیسے میں کوئی بھوت ہوں۔

"کیا ہوا؟" طوسیہ نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"دیوی جی!" وہ خوف سے گھگھیائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بالا گھاٹ تو یہاں سے کئی سو میل دور ہے' تم دو ہی دن میں اتنی دور آ پہنچیں.... بھگوان یہ میں کیا سن رہا ہوں!"

"گھبراؤ نہیں۔" طوسیہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے دلاسہ دیتے ہوئے میری طرف اشارہ کر کے رازدارانہ لہجے میں بولی۔ "یہ بڑے پہنچے ہوئے رشی ہیں' ان کے لئے فاصلوں اور وقت کی کوئی حقیقت نہیں' اگر تم بستی تک ان کی رہنمائی کرو تو یہ خوش ہو کر تمہیں بھی نہال کر دیں گے۔"

"رشی جی!" وہ دیہاتی دوڑ کر میرے قدموں میں گر پڑا۔ "میں تمہارا غلام ہوں سر کے بل تمہیں بستی میں پہنچاؤں گا۔ شاید بھگوان کو ہی مجھ پر رحم آ گیا ہے جو میں یوں تم سے آ ملا ہوں۔"

"سیدھا ہو جا۔" میں نے اپنی ٹھوکر سے اس کی پیشانی دور ہٹاتے ہوئے کہا۔ "زیادہ بولنے والوں کے الفاظ سے مجھے پاپ کی بو آتی ہے!"

"تم سچ کہتے ہو رشی جی!" وہ یک بیک سسک کر رو پڑا۔ "مجھ سے پاپ ضرور ہوا تھا پر میں اس کی بڑی سزا اٹھا چکا ہوں۔ مجھ پر دیا کر دو رشی جی!"

میں اس سے جتنا پیچھا چھڑا رہا تھا وہ اسی قدر مجھ سے لپٹا جا رہا تھا۔ اسی لئے میں نے مزید کچھ کہے بغیر اپنے پیر اس کی گرفت سے آزاد کرائے اور کئی قدم پیچھے سرک گیا۔

اس دیہاتی کا دودھ کا برتن زمین پر گر کر چور ہو چکا تھا اور وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر عقیدت مندانہ انداز میں نگاہیں جھکائے کھڑا تھا۔

"رشی جی کو بستی تک پہنچاؤ' انہیں پڑاؤ پر پہنچ کر کچھ گیان دھیان کرنا ہے!" طوسیہ نے اس گم صم دیہاتی۔۔۔ کو شانے سے جھنجھوڑتے ہوئے نرم آواز میں کہا۔

"چلیں مہاراج! میرا جھونپڑا حاضر ہے۔۔" یہ کہہ کر وہ دیہاتی واپس چل پڑا۔

آبادی تک کا راستہ بالکل خاموشی کے ساتھ طے ہوا جب میں اس کے ہمراہ سرسبز قطعات سے گزرتا بستی میں داخل ہوا تو وہاں زندگی کا ایک نیا ہی انداز میرا منتظر تھا۔

مشرق سے ابھرتے سورج کی روشنی میں پوری بستی بیدار نظر آ رہی تھی عورتیں اپنے کچے اور نیم پختہ مکانوں کے باہر بیٹھی گھریلو کام کاج میں مصروف تھیں نوعمر لڑکوں کی خوش و خرم ٹولیاں شور مچاتی کھیل کود میں مصروف تھیں۔

اس دہقانی کے ہمراہ ہمیں دیکھ کر بستی والوں میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ گو میں بڑی بے نیازی کے عالم میں سر جھکائے چلا جا رہا تھا لیکن میں بخوبی یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس بستی والے اپنے کام کاج کو بھول کر مجھے اور طوسیہ کو گھورے جا رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں تحیر اور دلچسپی کے آثار نمایاں تھے۔

میں نے بچپن کے ابتدائی چند سالوں کے علاوہ اپنی عمر صحرائی بستیوں کی خشک اور روکھی پھیکی زندگی میں گزاری تھی جہاں ہر آن قتل و خونریزی' اور لوٹ مار کے مہیب سائے

رقص کناں تھے اورجب ان خون آشام مشغلوں سے فرصت میسر آتی تھی تو میری پرورش کرنے والے' اپنی ہی بنائی ہوئی پراسرار روایات کا طلسم برقرار رکھنے کے لئے آتش کدوں کے لہو رنگ شعلوں کے سامنے سربسجود ہو کر خود فراموشی کے عالم میں عبادت کیا کرتے تھے۔ اس زندگی میں گھٹن اور قدم قدم پر تصنع کا سامنا ہوتا تھا لیکن یہ بستی تو کچھ عجیب ہی تھی۔ یہاں کے ماحول میں نہ بوجھل پن تھا نہ بے کیفی۔ ہر شخص فطری انداز میں نظر آ رہا تھا۔

مختلف راستوں سے گزرتے ہم پیپل کے صدیوں پرانے گھنے درختوں کے ایک کنج کے قریب سے گزرے تو اس کے نیچے ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے قوی الجثہ شخص نے اپنے حقے کی نے چھوڑ کر حیرت سے ہماری جانب دیکھا۔ اس کے اردگرد زمین پر بیٹھے ہوئے حواریوں کی نگاہیں بھی اس کی تقلید میں ہماری جانب اٹھیں پھر وہی قوی الجثہ شخص گمبھیر آواز میں بولا۔ "کسے لایا ہے تیرتھ داس؟"

اس کے لہجے میں تمسخر اور تضحیک کا انداز اس قدر نمایاں تھا کہ میں اسے نظرانداز نہ کر سکا اور غیرارادی طور پر میرے قدم اسی جگہ رک گئے۔

میری رہنمائی کرنے والا شخص اس کی آواز پر خاصا بوکھلا گیا تھا۔ اب جو اس نے میرے کڑے تیور دیکھے تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا مگر وہ مجھ سے کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکا اور اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر اونچی آواز میں بولا۔ "چوہدری جی! یہ بڑے پہنچے ہوئے رشی ہیں' بالا گھاٹ سے ادھر آئے ہیں.....!"

"رشی!" چوہدری نے کھن گرج کے ساتھ ایک قہقہہ لگایا۔ "ابے یہ تو شکل ہی سے کوئی نوسرباز معلوم ہوتا ہے اور یہ چھوکری کون ہے اس کے ساتھ؟"

آخری جملے پر اس نے ہاتھ اٹھا کر طوسیہ کی جانب اشارہ کیا تھا اور پھر اس انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا جیسے آگے بڑھ کر طوسیہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کے فقروں پر اس کے حواریوں نے بھی خوشامدانہ قہقہے لگائے تھے۔

میرے لئے یہ توہین آمیز صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ تیرتھ داس' چوہدری کو روکنے کے لئے آگے لپکا تھا لیکن میں نے اسے للکارا اور وہ جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔

"چوہدری!" میں نے غضبناک لہجے میں اس قوی الجثہ شخص کو مخاطب کیا۔ "جہاں ہے

وہیں رک جا ورنہ میں تیرا حشر خراب کر دوں گا۔"

میرے مضبوط لہجے نے ایک ثانئے کے لئے تو چوہدری کو ہکا بکا کر دیا لیکن اب بات اس کی آن کی بھی تھی۔ وہ اپنے خوشامدیوں کے سامنے بزدلی کا اظہار نہ کر سکا اور قدرے جھجک کے بعد میرے مقابل آ گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر پھرتی کے ساتھ اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اسے اس کے ساتھیوں پر اچھال دیا۔ چوہدری ایک کریہہ چیخ کے ساتھ ان میں سے کئی کو ساتھ لئے نیچے ڈھیر ہو گیا۔

تیرتھ داس اپنی جگہ کھڑا بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس غیر متوقع ٹکراؤ پر اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

میں طوسیہ کا ہاتھ تھام کر لاپرواہیانہ انداز میں آگے بڑھا ہی تھا کہ چوہدری نے زمین پر پڑے ہوئے' کراہتے ہوئے مجھے ایک گندی سی گالی دی اور میں پھر کر واپس پلٹ پڑا۔ اس بار میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس ناپاک وجود کا قصہ ہی نمٹا دیا جائے تو بہتر ہو گا۔

میرے اشارے پر برگد کے ایک درخت سے خونخوار اور خون آشام مانتی' سیاہ بلے کے شیطانی پیکر میں جست لگا کر نیچے آیا اور چوہدری کے سینے پر سوار ہو گیا۔

وہاں موجود سب لوگ دہشت سے چیختے ہوئے فرار ہو گئے اور چوہدری اپنی موت سے دست بدست جنگ میں مصروف ہو گیا جو سیاہ بلے کی صورت میں اس پر سوار تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ مانتی کسی بھی قیمت پر چوہدری کو زندہ نہیں چھوڑے گا اس لئے میں مطمئن ہو کر آگے بڑھنے لگا لیکن تیرتھ داس میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکتا۔ میں نے سخت آواز میں اسے پکارا اور وہ کسی سحرزدہ معمول کی طرح میرے ساتھ ہو لیا۔

کرم پورے کے چوہدری کو خاک و خون میں لتھڑا' ایک خوفناک معرکے میں مبتلا چھوڑ کر ہم آگے بڑھتے رہے۔ ذرا ہی دیر میں چوہدری کی فلک شگاف چیخیں اور سیاہ بلے کی ہولناک غراہٹیں معدوم ہو گئیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اس جنگ کا فیصلہ میری مرضی کے مطابق ہی ہوا ہے۔

چند منٹ کی مسافت کے بعد ہم تیرتھ داس کے جھونپڑے پر جا پہنچے جس کے باہر چار

پانچ بھینسیں کھونٹوں سے بندھی ہوئی تھیں اور جھونپڑے کا دروازہ بند تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اکیلا ہی رہتا ہے۔

میرے اور طوسیہ کے اندر داخل ہونے کے بعد تیرتھ داس نے جھونپڑے کا دروازہ بند کیا اور بری طرح لرزتا کانپتا میرے قدموں میں آگرا۔ "میں بے قصور ہوں مہاراج' وہ بستی کے چوہدری کا لڑکا ہے' بڑا آوارہ اور بدمزاج ہے' بھگوان کے لئے مجھے معاف کر دو!" وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔

"خاموش۔" اس کے منہ سے بھگوان کا نام سن کر مجھے پھریری سی آگئی۔ "تیرے من میں شیطان رچا ہوا ہے مگر زبان سے بھگوان کا نام لیتا ہے خبردار جو میں نے تیرے منہ سے یہ لفظ سنا۔"

"نہیں سنو گے سرکار' ایک پاپی کے منہ سے یہ پوتر نام بھلا بھی نہیں لگتا!" وہ اپنی پیشانی میرے قدموں میں رگڑنے لگا۔

"کھڑا ہو جا۔ تو نے جو خون کیا وہ اگر رنگ لا رہا ہے تو گھبرانے کی بات نہیں۔" اس وقت تیرتھ داس کا ماضی آئینے کی طرح مجھے نظر آ رہا تھا اس لئے میں اعتماد سے کہنے لگا۔

"تیرے دشمن کے سب وار الٹے ہونے کا وقت آگیا ہے۔"

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے میرا منہ تکنے لگا۔ "تم سے کچھ بھی چھپا نہیں ہے مہاراج۔ میرے من کا پاپ اب دھیمے دھیمے میری آتما کو ڈس رہا ہے' میری سہائتا کرو مہاراج!"

"مدد سے پہلے میں تیری ہی زبان سے پوری کہانی سننی چاہتا ہوں۔" میں نے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے اس سے کہا۔ شیطان کا پجاری بننے کے بعد یہ میرا پہلا مقدمہ تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ تیرتھ داس پریشانیوں کے چنگل میں اس بری طرح جکڑا ہوا ہے کہ اب وہ صرف نجات چاہتا ہے۔ نیکی اور بدی' دھرم اور بھگوان ہر چیز سے اس کا اعتماد اٹھ چکا ہے اور بے یقینی کے اس عالم میں وہ بڑی آسانی کے ساتھ میرا شکار بن سکتا ہے۔

"میری بپتا بڑی شرمناک ہے مہاراج۔" وہ زمین پر بیٹھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا باپ ذات کا برہمن تھا اور اس کی دو ہی اولادیں تھیں۔ اس کے بھینسوں کے کاروبار کی دیکھ بھال ہمارے ہی پاس تھی۔ میرے بڑے بھائی ٹھاکر داس کی شادی اس بستی کی ایک برہمن لڑکی سے ہوئی مگر اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ باپ نے میری بھی شادی کرنی

چاہی پر میں ایک چمارن کو دل دے بیٹھا تھا۔ میرے باپ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے مجھے عاق کر دیا اور اسی صدمے نے اس کی جان لے لی۔ ٹھاکر داس بھی اس معاملے میں کم ظالم نہ تھا۔ باپ کی موت کے بعد بھی اس نے مجھے گھر میں نہ گھسنے دیا۔ ادھر جب میری محبوبہ کو پتہ چلا کہ اب میں کنگال ہو چکا ہوں تو اس نے بھی نظریں پھیر لیں۔ مہاراج عورت بری چیز ہے جس کے کارن میں گھر والوں سے برا بنا جب وہی مجھ سے پھر گئی تو میں اندھا ہو گیا۔ ایک دن میں نے موقع پا کر کھیتوں میں اس چمارن کو گھیر لیا اور زبردستی اس کی عزت لوٹ لی۔ جب اس سے بھی میرا دل نہ بھرا تو میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور دوسری بستی میں نکل گیا۔ میں نے سات برس دربدر کی ٹھوکریں کھائیں' پر مجھے سکھ نہ مل سکا' میں ہر وقت کوڑی کوڑی کو محتاج رہتا تھا۔ آخر میں ایک فیصلہ کر کے یہاں واپس آیا تا کہ ٹھاکر داس سے دو ٹوک فیصلہ کروں۔ پر میری بدنصیبی کہ سات برس گزرنے کے بعد میں اتنا بدل چکا تھا کہ ٹھاکر مجھے نہ پہچان سکا' میں نے بھی اسے ہوا نہ لگنے دی کہ میں اس کا چھوٹا بھائی ہوں اور اس کے پاس نوکری کر لی۔ تھوڑے ہی دنوں میں مجھے ایک بڑا راز معلوم ہو گیا۔ ٹھاکر کی بیوی اولاد کے چکر میں پڑ کر ایک پنڈت سے جا ٹکرائی تھی جس کا ٹھاکر کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ ادھر وہ پنڈت ٹھاکر کی بیوی کی جوانی اور ٹھاکر کی دولت پر دانت لگائے بیٹھا تھا۔ انہوں نے منصوبہ بنایا کہ ٹھاکر کی بیوی سارا زیور اور روپیہ سمیٹ کر پنڈت کے ساتھ بھاگ نکلے۔ مجھے جیسے ہی یہ بھنک ملی میں نے اپنا منصوبہ تیار کر لیا۔ ٹھاکر مجھ سے اکثر بڑے گندے الفاظ میں میرا ذکر کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے میرے دل میں رہی سہی خون کی محبت بھی دم توڑ چکی تھی۔ میں نے ایسا بندوبست کیا کہ ٹھاکر کی بیوی گھر سے بھاگتے وقت زیادہ مال ساتھ نہ لیجا سکی رات کے اندھیرے میں جیسے ہی ٹھاکر کی بیوی گھر سے فرار ہوئی میں نے اپنے سوئے ہوئے بھائی کو گنڈاسے سے قتل کر کے پوری بستی میں شور مچا دیا کہ وہ اپنے پتی کو مار کر سارا پیسہ لے بھاگی ہے۔ جان کے خوف سے پنڈت ٹھاکر کی بیوی کے ساتھ راتوں رات کہیں غائب ہو گیا اور میں بڑے آرام سے اپنے بڑے بھائی کے مال کا مالک بن گیا۔ میرے ہاتھوں یہ چوٹ کھا کر پنڈت بپھر گیا اور وہ مہینے میں دو چار بار میری بھینسوں پر موٹھ اتارنے لگا۔ وہ سفلی عمل کا ماہر تھا اور اب مجھ سے اپنی ہار کا بدلہ لے رہا ہے۔ ٹھاکر باون بھینسیں چھوڑ کر مرا تھا پر ایک ہی برس میں میرے پاس صرف سات جانور رہ گئے ہیں۔ میرے اچھے

بھلے جانور صبح مرے ہوئے ملتے ہیں مجھے کئی بار پنڈت خواب میں نظر آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے مار ڈالنا اس کے الٹے ہاتھ کا کھیل ہے پر وہ مجھے کوڑی کوڑی کو محتاج کر کے زندہ رکھے گا اور میں خود ہی سسک سسک کر مر جاؤں گا۔ اس موذی کی دہشت سے میری راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام ہو گیا ہے۔ میں نے اکثر آدھی رات گئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مٹی کی کئی کئی روشن ہانڈیاں آسمان پر ناچتی ہوئی تیزی سے نیچے آتی ہیں اور میرے جانوروں پر دو تین چکر کاٹ کر ان پر گر پڑتی ہیں۔ اور وہ جانور فوراً ہی دم توڑ دیتے ہیں!" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

اس کی کہانی سن کر میں نے چند ثانیوں کے لئے اپنی آنکھیں موندیں اور پھر ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "کرشن کمار اس مکار پنڈت کا نام ہے اور وہ ٹھاکر کی بیوی کے ساتھ سیتا پور میں ایک بڑے نواب کے پاس رہ رہا ہے۔" پھر میں نے معاملے کو ذرا مشکل بناتے ہوئے کہا۔ "کرشن کمار سے ٹکر لینا کھیل نہیں ہے' وہ بھی مہان شکتیوں کا مالک ہے' وہ میرا تو بال بھی بیکا نہ کر سکے گا مگر تو قربانی دیئے بغیر اس کا کوئی وار نہ سہہ سکے گا۔"

"میں تیار ہوں مہاراج۔" اس نے بڑھ کر میرے پیر تھام لئے۔ "میں تیار ہوں اس موذی سے چھٹکارا پانے کے لئے میں ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔"

میں نے پہلی بار نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر ضرور عمل کرے گا۔

معاً میرے ذہن میں شیطان کے الفاظ گونجے اور میں نے محسوس کیا کہ اوہام اور اسرار کے پردوں میں لپٹی ہوئی یہ سرزمین میرے کام کے لئے واقعی سازگار ہے۔ بحرا شیاطین سے یہاں آنے کے بعد جس پہلے شخص سے میری ملاقات ہوئی وہ خود ہی شیطان کے ہاتھوں اپنی روح کا سودا کرنے پر تلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اگر کامیابی کی رفتار یہی تھی تو میرا خیال تھا کہ بہت جلد اس خطے پر شیطان کے پجاریوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔

"آج کی رات صبر کر! کل صبح میں بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے!" میں نے دھیمی آواز میں کہا اور وہ میرے قدم چوم کر ہم دونوں کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرنے چلا گیا۔

وہ دن میں نے تیرتھ داس کے جھونپڑے میں ہی گزارا۔ اور اس کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر پورے جنون کے ساتھ طوسیہ کے شباب سے کھیلتا رہا۔ شرم اور حیا کے سارے فطری

جذبات مجھ سے اور میں ان سے لاتعلق ہو چکا تھا اب یہ داستان قلمبند کرتے ہوئے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کے اس ناقابل فراموش دور میں میرا وجود انسانی سانچے میں ایک انتہائی قابل نفرت اور خبیث پیکر تھا۔

جب باہر شام کا اندھیرا پھیل چلا تو میں نے طوسیہ کو وہیں چھوڑا اور تیرتھ داس کو ہمراہ لے کر باہر نکل گیا۔

"کسی ویران راستے سے مجھے شمشان تک پہنچا کر تجھے واپس لوٹ آنا ہے۔" باہر آ کر میں نے اس سے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ ایک بار پھر بستی والوں سے میرا سامنا ہو۔ اور میں چوہدری کے قتل کے بارے میں غیر ضروری الجھنوں سے دوچار ہو جاؤں۔"

"سرکار اجازت ہو تو کچھ کہوں!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد تیرتھ داس نے ڈرتے ڈرتے لب کشائی کی۔

میں نے اس کی طرف دیکھ کر پروقار انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

"بستی سے باہر والا راستہ بہت لمبا ہے' بستی میں سے نکل کر ہم جلد ہی شمشان پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ چوہدری کی لاش کے بارے میں تجھے کچھ پتہ چلا؟" میں نے اس کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے سوال کیا تاکہ بستی کی صورت حال کا اندازہ کر سکوں۔

"وہ لاش اسی جگہ پڑی ہوئی ہے رشی مہاراج۔" وہ جھرجھری لے کر بولا۔ "دو خون میں نے بھی کئے پر کسی مرنے والے کی ایسی درگت نہ دیکھی۔ لوگ اس لاش کے پاس جاتے ڈر رہے ہیں۔ تھانیدار نے وہاں آنے تک سے انکار کر دیا۔ کالے بلے نے پوری لاش کو بری طرح ادھیڑ دیا تھا۔ آج سارا دن کتے ادھر منڈلاتے رہے۔ سچ ہے پاپ کبھی نہیں پھلتا' مرنے والے نے اس گاؤں کی کئی بہو بیٹیوں کو زبردستی اپنی حویلی میں رکھ چھوڑا تھا۔"

"تیرتھ داس!" میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ "اس سنسار میں پاپ ہی سب سے بڑا پن ہے۔ آئندہ کبھی تیری زبان سے یہ سب بکواس نہ سنوں!"

"بہتر مہاراج!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "میں چوہدری کو ختم کرتا تو شاید بستی والے اسے پاپ اور انیائے ہی کہتے پر اب وہ سب ہی اسے سب سے بڑا پن کہتے ہیں۔ یہ گیان کی باتیں ہم جیسے کم عقلوں کی سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں۔ آئندہ میں خیال رکھوں گا۔"

"کیا کہتے ہیں بستی والے؟" اپنی اہمیت کی تفصیل جاننے کی خواہش کے تحت میں نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"وہ تمہارے جلال سے سہمے ہوئے ہیں مہاراج! ورنہ آج تو وہ میری خوش نصیب جھونپڑی کے تنکے تنکے تک تبرک میں نوچ کر لے جاتے۔ آتما کی آنکھوں سے دیکھنے والوں کا جلال ہی انہیں دنیا داروں سے بچا کر رکھتا ہے۔"

اس کے بعد سفر خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ دس پندرہ منٹ بعد ہی ہم بستی کے آخری سرے پر آ پہنچے اور میں نے وہیں سے اسے واپس کر دیا۔

تیرتھ داس کے اوجھل ہو جانے تک میں وہیں کھڑا رہا پھر کچی دیواروں سے گھرے ہوئے شمشان کی طرف چل دیا۔

بستی کی مناسبت سے شمشان بہت وسیع تھا اور آخری راتوں کے گھور اندھیرے میں ہر طرف ادھ جلی ہڈیاں خوفناک انداز میں چمک رہی تھیں لیکن میں بے دھڑک اندر گھستا ہی چلا گیا۔

قد آور اور گھنے درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے اچانک زمین پر تیز سرسراہٹ سنائی دی میں نے چونک کر ادھر دیکھا تو غیر معمولی حد تک بڑا ایک بچھو تیزی کے ساتھ میری طرف بڑھا آ رہا تھا گو تاریکی مہیب تھی لیکن میں اپنی شیطانی قوتوں کی وجہ سے ہر چیز بالکل صاف دیکھ رہا تھا۔

اس بچھو نے اپنے ڈنک میں ایک چھوٹا سا سرمئی پتھر اٹھایا ہوا تھا اور اس وزن کے باوجود وہ یوں دوڑ رہا تھا جیسے وہ پتھر اس کے وجود کا لازمی حصہ ہو۔

میرے قدموں میں آ کر وہ بچھو رک گیا۔ میں نے نیچے بیٹھ کر اسے اپنی بائیں ہتھیلی پر اٹھا لیا۔ اس بچھو نے وہ سرمئی پتھر میری ہتھیلی پر چھوڑ دیا اور اپنی پچھلی ٹانگوں پر اس کے گرد ناچنے لگا۔

وہ پتھر جس غیر معمولی انداز میں مجھ تک پہنچا تھا اس کی بنا پر میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ یہی وہ قیمتی پارس پتھر ہے جس کی مدد سے میں لوگوں کو خوشحالی دے کر ان کی روحوں کے سودے طے کر سکوں گا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میرے دانت زہریلے ہیں اور یہ بچھو بھی کم زہریلا نہ ہو گا'

اس لئے کیوں نہ میں اسی پر اپنے دانتوں کی ہلاکت خیزی کا تجربہ کروں۔

یہ خیال آتے ہی میں نے اس کا ڈنک اپنے داہنے ہاتھ کی چٹکی میں دبایا اور آہستگی سے اس پر کاٹ لیا۔ اس بچھو نے تڑپ کر میرے رخسار پر ڈنک مارا مگر مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا البتہ وہ بچھو دو بار میری ہتھیلی پر ہی تڑپا اور پھر اس کا بدن بالکل بے جان ہو گیا۔

صاف ظاہر تھا کہ میرے دانتوں کا زہر اس بچھو کے زہر سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ تجربہ مکمل ہونے پر میں نے بچھو کا بے جان جسم وہیں زمین پر پھینکا اور پارس پتھر جیب میں ڈال کر شمشان کے ایک مسطح حصے کی طرف بڑھنے لگا۔

اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ کر میں نے احترام کے ساتھ اپنا سر جھکایا' اور زیر لب کہا۔ "اے شیطان معظم۔۔ مقدس میثاق کی رو سے ہمارے درمیان جو رشتہ قائم ہوا تھا اس کی تکمیل کے لئے تیرا یہ غلام اوہام اور وسوسوں کی اس سرزمین پر حاضر ہے۔ اور اب تیرے حضور شرف باریابی چاہتا ہے!"

شمشان کے بھیانک سناٹے میں کسی درخت کی پتیاں اور ٹہنیاں پرشور آواز میں سرسرائیں اور دھم کی ہلکی سی آواز کے ساتھ کوزہ پشت اور کریہہ صورت شیطان میرے سامنے آ موجود ہوا۔

"جبلی۔۔ کامیاب سفر مبارک ہو!" وہ مسرت آمیز مگر کھردری آواز میں بولا۔

"تیری مدد کامیابیوں کی نوید ہے میرے آقا!" میرا لہجہ احترام سے سرشار تھا۔

"بدی اور گناہ کی راہ میں کسی کو اکیلا چھوڑنا میرا اصول نہیں ہے جو بھی سچے دل سے بدی کا عہد کرتا ہے میں پوری طرح اس کی مدد کرتا ہوں سچائیوں سے گریز اور فریب کی تبلیغ میرا مسلک ہے اور تو نے یہ سفر اسی مقدس مقصد کے لئے کیا تھا جبلی۔ اس راہ میں تو ہر جگہ مجھے موجود پائے گا۔" وہ اپنی سوکھی ہوئی ٹانگوں پر اچھلتا میرے قریب آ گیا۔

"میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے آقا!" میں نے نرم آواز میں کہا۔

"مجھے علم ہے۔ یہ یاد رکھ جبلی کہ زر اس دنیا کی سب سے بڑی بدی ہے اس کے زور سے تو لوگوں کی نیکیاں گروی کر کے انہیں میری راہ پر لگا سکتا ہے۔ تجھے دولت کی کلید مل چکی ہے۔ مجھے تیری یہ ادا پسند آئی کہ تو نے پارس پتھر لانے والے پر وار میں پہل کی میں نے تجھ سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔ تیری مدد کے لئے میرے تمام پجاری موجود

ہیں۔ میں ابھی ان سب کو طلب کرتا ہوں۔ اس طرح تو انہیں اچھی طرح پہچان لے گا اور وہ تجھے جان جائیں گے۔“

اتنا کہہ کر شیطان نے زمین سے ایک چٹکی میں مٹی اٹھائی اور ایک سمت میں اڑا دی پھر یہی عمل باقی تین سمتوں میں بھی کیا۔ اس کے بعد اس نے زور سے تالی بجائی اور شمشان میں یک بیک ایک غلغلہ اٹھ گیا۔

ملے جلے بے پناہ شور کے ساتھ ہی ہر سمت سے فضا میں غبار اڑنے لگا جیسے اس شمشان میں بے شمارہ آوارہ چوپائے بدمستی کے عالم میں گھس آئے ہوں۔

سب سے پہلا جو غول میرے سامنے آیا اس میں پیچھے کی جانب مڑے ہوئے پیروں اور خوفناک چہروں والی برہنہ عورتیں تھیں جو اپنی ٹھوکروں سے خشک انسانی کھوپڑیاں لڑھکاتی ہوئی آئیں اور اپنی چھاتیوں پر ہاتھ باندھ کر شیطان کے سامنے جھک گئیں۔

”یہ سروالیاں ہیں۔“ شیطان نے مجھ سے کہا۔ ”یہ کنواریوں پر قابو پانے کی ماہر ہیں اور ان کے سروں پر سوار ہو کر ان سے اپنی من مانی کراتی ہیں جو اولاد کو ہر رشتے سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں انہیں اپنے جال میں پھانسنے کے لئے تو ہر وقت ان سروالیوں سے کام لے سکتا ہے۔“

وہ ہیبت ناک اور سیاہ فام عورتیں استخوانی کھوپڑیاں اٹھا کر خاموشی سے ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

اس کے بعد پستہ قامت، گٹھیلے جسموں، تنگ پیشانیوں، چھوٹی چھوٹی، زردی مائل، سرد اور بے رحم آنکھوں والے مردوں کا ایک ہجوم آیا۔ وہ سب ہی صورت سے خونی لگ رہے تھے۔

”یہ پتلوں کے غلام ہیں۔“ شیطان نے آنے والوں کے بارے میں کہا۔ ”قہر اور ہلاکت کا ہر کام ان سے لیا جا سکتا ہے جسے زک پہنچانی ہو اس کے نام پر مونگ کا پتلا بنا اور اس میں سوئیاں گاڑ کر کسی گندی جگہ دفن کر کے ان میں سے ایک کو اس پر مامور کر دے۔ وہ یوں تو اپنی عمر پورے کر کے ہی مرے گا لیکن ساری عمر ناقابل علاج روگ اور بیماریاں اس کے پیچھے لگے رہیں گے۔ اگر اسے ما[illegible] ہ تو مونگ کے پتلے کی آنکھوں میں بھی سوئیاں پیوست کر دے۔ شکار تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔“ پھر مزید دو سمتوں سے دو گروہ آئے۔

شیطان نے تفصیل کے ساتھ ان کے بارے میں بھی مجھے بتایا اور وہ گروہ بھی شمشان میں ایک جانب کھڑے ہو گئے۔

”یہ رات تم سب کی رات ہے، آج اس شمشان میں کوئی ارتھی نہیں آئے گی۔ تمہیں پوری آزادی ہے کہ اس زمین کو ناپاک کرو جہاں لوگ اپنے مردوں کی آتماؤں کو پاک کرنے لاتے ہیں۔“ شیطان نے اونچی آواز میں سب سے مخاطب ہو کر کہا اور کھڑے کھڑے غائب ہو گیا۔

شیطان کے جاتے ہی وہ سب بدمست سانڈوں کی طرح ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ عورتوں کی کراہت انگیز چیخیں اور مردوں کے وحشیانہ قہقہے کانوں کے پردے پھاڑے دے رہے تھے۔ میں اپنی جگہ کھڑا خاموشی سے یہ سب دیکھتا رہا کچھ سروالیاں شمشان کے کسی خفیہ حصے سے شراب کے مٹکے اٹھا لائیں اور وہ کتوں کی طرح زبانوں سے وہ شراب پینے لگے اور جب آخری بوند بھی ختم ہو گئی تو مردوں نے عورتوں کے گرد حصار قائم کیا اور بھیانک چیخوں کے ساتھ ناچنے لگے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دنیا بھر کی جہنمی بلائیں اس رقص ابلیس میں شریک ہوں۔

اور جب ناچنے والوں کی آنکھوں میں ہوس کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں اور عورتوں پر خمار طاری ہونے لگا تو اچانک مجھے یاد آیا کہ طوسیہ تنہا ہے، مجھے اس کے پاس جانا چاہئے کیونکہ میری کنپٹیاں چٹخنے لگی تھیں اور آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی ناچ رہی تھیں۔ ایسے لمحات میں طوسیہ کا قرب ہی میری سب سے بڑی ضرورت ہوتا تھا۔

میں شمشان سے باہر نکلا تو شور یک بیک موقوف ہو گیا۔ اسکے دو ہی معنی تھے یا تو شیطانی مخلوق رخصت ہو چکی تھی یا وہ آوازیں شمشان سے باہر والوں کو نہیں سنائی دیتی تھیں۔ تجربے کے طور پر میں دوبارہ چار دیواری میں داخل ہوا تو بدستور وہی ہولناک شور برپا تھا گویا دوسرا خیال ہی درست تھا۔

میں جھونپڑے پر پہنچا تو طوسیہ روئی کے نرم بستر پر دراز تھی اور تیرتھ داس اس کی پنڈلیاں داب رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر طوسیہ دلفریب انداز میں مسکرائی اور میں تیرتھ داس کو دھکیل کر طوسیہ کے قریب ہی لیٹ گیا۔

”کہاں گئے تھے جبلی؟“ طوسیہ نے میرے سینے میں اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"شمشان میں گیا تھا' وہاں پارس پتھر بھی مل گیا اور آقا سے بھی ملاقات ہوئی۔"

"یہ تیرتھ داس بھی بہت بدمعاش معلوم ہوتا ہے!" طوبیہ نے چند ثانیوں کے بعد سرگوشیانہ آواز میں کہا۔

"معلوم نہیں ہوتا بلکہ بدمعاش ہے' دو آدمیوں کے قتل کا تو خود اقرار کر....!"

"یہ مطلب نہیں۔" طوبیہ نے میری بات کاٹ دی۔ "شاید وہ مجھے تمہارے چنگل میں پھنسی ہوئی بے بس لڑکی سمجھتا ہے' اسے نہیں معلوم کہ میں بھی شیطان ہی کی پجارن ہوں۔"

"کیوں؟" میں چونک کر اس سے الگ ہو گیا۔ "کیا اس سے بات ہوئی تھی؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اندھیرے میں اس کی آواز بڑی عجیب سی معلوم ہوئی تھی۔

"بات تو نہیں ہوئی مگر وہ رہ رہ کر چور نظروں سے مجھے گھورے جا رہا تھا' اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور آنکھوں سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں' جب بھی میں اس کی طرف دیکھتی وہ بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا تھا۔ جب میں لیٹی تو وہ خود پر قابو نہ پا سکا اور یہ کہتے ہوئے کہ میں رشی جی کے ساتھ بہت دور سے پیدل چلی آ رہی تھی۔ میرے داہنے بیٹھ گیا اور اب آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ اوپر رینگ رہے تھے۔ تم تھوڑی دیر اور نہ آتے تو شاید مجھے اس کے سامنے اپنی قوت کا کوئی ہلکا پھلکا مظاہرہ کرنا ہی پڑ جاتا۔"

"میرے سامنے کوئی قوت نہ چل سکے گی۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اسے پوری قوت سے بھینچ لیا۔

تیرتھ داس ہم دونوں کی سرگوشیوں سے بے خبر جھونپڑے کے ایک تاریک گوشے میں پڑا پہلو بدل رہا تھا۔

صبح سویرے تیرتھ داس جھونپڑے سے باہر گیا۔ میں اس وقت پوری طرح بیدار تھا اور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں منصوبہ بندی کر رہا تھا' طوبیہ گہری نیند سو رہی تھی۔

چند ہی منٹ بعد تیرتھ داس بری طرح بوکھلایا ہوا واپس آیا اور دروازے پر ہی رک کر سرسراتی ہوئی خوفزدہ آواز میں بولا۔ "رشی جی! تمہارے ہوتے اس نابکار نے رات بھر میرے جانوروں پر ہانڈیاں اتاریں۔ باہر میری دو خوبصورت بھینسیں مری پڑی ہیں۔ ساتوں میں صرف یہی دو بھینسیں میری گزر بسر کا ذریعہ تھیں۔ ان پانچوں میں تو اتنا بھی دودھ نہیں

ہے کہ میں ان کا خرچہ ہی نکال سکوں۔"

میں یہ سن کر چونک پڑا۔ میرے ہوتے ہوئے تیرتھ داس کے دو مویشیوں کا یوں مارا جانا میرے لئے بڑی سبکی کی بات تھی اور تیرتھ داس پر اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے اسی وقت کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔

میں بستر سے اٹھ کر جانے لگا تو طوبیہ بیدار ہو گئی۔

"کیا کہیں جا رہے ہو؟" اس نے نیند کے خمار سے بوجھل آواز میں پوچھا۔

"کرشن کمار کی شامت آئی ہے۔" میں نے بلند اور غصیلی آواز میں کہا۔ "وہ صرف سفلی اور موٹھ ہی کا عامل ہے' شاید اسے معلوم نہیں کہ اب تیرتھ داس اکیلا نہیں رہا ہے۔"

میرے لہجے سے اس کی نیند کافور ہو گئی اور وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا ہوا؟"

"کرشن کمار نے آج رات پھر دو بھینسیں ختم کر دیں۔" یہ کہہ کر میں دروازے میں کھڑے ہوئے تیرتھ داس سے مخاطب ہو گیا۔ "ان لاشوں سے زنجیریں کھول کر میرے پاس لاؤ۔"

وہ فوراً ہی باہر چلا گیا اور چند منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک آہنی زنجیر اور ایک رسی دبی ہوئی تھی۔ "مہاراج یہ لے آیا ہوں۔"

"کیا دوسری کے گلے میں رسی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں سرکار۔ باقی جانوروں کے گلے میں بھی رسیاں ہیں!" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

میں نے وہ دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لے کر رسی پر ایک پھونک ماری اور اسے لوٹا دی۔ "یہ جلا کر اس کی راکھ کسی ندی میں بہا دو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی نظریں بچا کر آہنی زنجیر کو پارس پتھر سے چھوا اور پتھر اپنی جیب میں واپس ڈال کر اسے ہدایت کی کہ وہ جھونپڑے میں ایک اتنا کشادہ گڑھا کھودے جس میں وہ زنجیر دفن کی جا سکے۔

اندر اس وقت سرمئی سا اجالا ہی نمودار ہوا تھا جس کی وجہ سے تیرتھ داس آہنی زنجیر کا بدلا ہوا رنگ نہ دیکھ سکا اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں گڑھا تیار کرنے لگا۔

گڑھا کھود کر وہ الگ ہٹا تو میں نے وہ زنجیر ڈال کر مٹی میں دبا دی اور آہنی زنجیر کے اس ننھے سے مقبرے پر پیشاب کرنے بیٹھ گیا' اس دوران تیرتھ داس ہی نہیں

حیرت سے میری جانب دیکھتی رہی۔ تیرتھ داس کے لئے تو میری ہر بات ناقابل فہم تھی۔ اور طوسیہ غالباً یہ سوچ رہی تھی کہ جب آہنی زنجیر پارس پتھر کے لمس سے سونے میں بدل چکی ہے تو میں اس پر مزید کیا عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

"جا تیری پریشانی دور ہو چکی ہے' اس گڑھے سے زنجیر نکال لے۔" میں طوسیہ کی طرف واپس آتے ہوئے بولا۔

تیرتھ داس گو قاتل ہی سہی لیکن ابھی تک اس کے مذہبی عقائد اپنی جگہ پر تھے۔ پاک اور ناپاک کا وہم اس کی جھجک سے خاصا نمایاں تھا لیکن ماحول کے تجسس نے اور اس سے بھی بڑھ کر لالچ نے اسے میری ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور کر دیا اس نے اپنے ہاتھوں سے مٹی ہٹائی اور زنجیر نکال کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

کئی سیکنڈ کی الٹ پلٹ کے بعد جب اس پر حقیقت کا انکشاف ہوا تو وہ مہاراج مہاراج کہتا میرے قدموں میں گر گیا۔

"دور ہو جا۔" میں غصیلی آواز میں غرایا۔ "خوشامد سے مجھے نفرت ہے مگر یہ سن لے کہ پاکی اور ناپاکی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ وہم کمزوری کی نشانی ہیں تجھے تیرا وہم اور دھرم مبارک ہو ہم اسی وقت یہاں سے جا رہے ہیں!"

تیرتھ داس کی نگاہوں پر لالچ کا دبیز پردہ پڑ چکا تھا اس کے دل پر دولت کی ہوس غالب آ چکی تھی۔ وہ گڑگڑاتے ہوئے اپنے گندے ہاتھ چاٹنے لگا۔ "معاف کر دو مہاراج' مجھ سے تم کو پہچاننے میں غلطی ہوئی تھی۔ بھگوان کے لئے ناراض ہو کر میری چوکھٹ سے قدم نہ نکالو۔ اب میں آنکھیں بند کر کے تمہاری بات مانوں گا۔"

اس کی حسرت بھری نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے حقارت کے ساتھ اس پر نظر ڈالی اور بے نیازی کے ساتھ کہا۔ "جھوٹ کہتا ہے تو..... میری بات ماننا اتنا آسان نہیں ہو گا۔"

"میں ہر امتحان کے لئے تیار ہوں رشی جی۔" وہ اپنا سر میری پنڈلیوں سے رگڑنے لگا۔

"جا دفع ہو جا یہاں سے' تیرا امتحان بھی ہو جائے گا۔" میں نے اپنے آئندہ اقدامات کی راہ ہموار کرتے ہوئے اسے دھتکارا اور وہ کسی سہمے ہوئے چوہے کی طرح طلائی زنجیر سمیت وہاں سے رخصت ہو گیا۔

"یہ سب کیا کر رہے تھے تم؟" اس کے چلے جانے کے بعد طوسیہ نے چڑچڑے پن کے ساتھ پوچھا۔

"ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔" میں شرارت بھرے لہجے میں بولا اور انگڑائی لیتا آگے بڑھ گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر میں بے خیالی کے عالم میں آئینے کے سامنے پہنچا تو اس کی دھندلی سطح کے پیچھے نظر آنے والی مہیب صورت کو دیکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

شیطان کا خاص پجاری بننے کے بعد مجھ میں ناقابل بیان تبدیلیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ میری کھلتی ہوئی گندمی جلد بالکل سیاہ پڑ چکی تھی آنکھوں کی نرماہٹ اور سفیدی وحشتناک سرخی میں بدل چکی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خونی غیض و غضب کے عالم میں گھور رہا ہو' حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی سرخ آنکھوں نے خود رو جھاڑیوں کی طرح بے ترتیبی سے بڑھی ہوئی داڑھی کو بھی بہت ڈراؤنا بنا دیا تھا' مجموعی طور پر میرے نقوش کی بنیادی ساخت اور ان کے تاثر میں ایسی ہولناک تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں کہ کسی کو بھی یقین دلانا ناممکن تھا کہ جبرین میں پرورش پانے والا خادم حسینؑ اور شیطان کا چیلا' جبلی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

اس تبدیلی سے مجھے خاصا شدید ذہنی دھچکا لگا مگر اس تبدیلی کے نتیجے میں مجھے جو قوتیں ملی تھیں ان کی کوئی بھی قیمت لگانی ممکن نہیں تھی لہٰذا تھوڑی ہی دیر میں تاسف کا یہ احساس ختم ہو گیا۔

دوپہر کے قریب تیرتھ داس خوشی سے ہانپتا کانپتا واپس آیا اور بتایا کہ اس نے سونے کی وہ زنجیر کرم پورے کے ساہوکار کو بیچ دی ہے اور اس نے اگلے روز اتنی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے کہ تیرتھ داس سو ڈیڑھ سو بھینسیں خرید سکتا ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ رقم ملتے ہی وہ اپنی زمین پر چوہدری کی حویلی سے بڑا مکان تعمیر کرائے گا اور جب بھی آس پاس مویشیوں کی ازمت لگے گی بھینسیں خرید لائے گا۔

میں اس کے ساتھ باتیں کرتا باہر نکلا تو دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "یہ کیا ہے تیرتھ داس؟" میں نے اس کی پانچ بھینسوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سرکار' جب تک میرے سر پر تمہارا ہاتھ ہے مجھے پنڈت کرشن کمار کی کوئی فکر

نہیں۔ میں نے رسیاں پھینک کر ان سب کے گلے میں موٹی موٹی کئی زنجیریں ڈال دی ہیں اب ایک بھینس مرے گی تو اس کے گلے سے تین چار زنجیریں اتریں گی۔ میری تو بھگوان سے دعا ہے کہ پنڈت آج پھر ایک آدھ موٹھ ادھر بھیجے۔ میرے تو دن ہی پھر گئے ہیں مہاراج!" خوشی کے باعث اس کے منہ سے ادھورے الفاظ نکل رہے تھے اور اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"مری ہوئی بھینسیں کہاں گئیں؟" میں نے سرسری لہجہ میں پوچھا۔

"وہ چمار لے گئے' گلابی دن ہیں ان کا کئی روز کابندوبست ہو گیا گرمیوں میں تو مردار دوسرے ہی دن سڑنے لگتا ہے۔ میں انہیں منع کر دوں گا کہ گوشت کھانے کے بعد کھال مجھے نہ لوٹائیں۔ غریب لوگ ہیں سرکار' دونوں کھالوں کے دس پانچ روپے بھی مل گئے تو برسوں احسان نہیں بھولیں گے۔" وہ فیاضانہ لہجے میں بولا۔

پھر وہ مزدوروں کا انتظام کرنے نکل گیا اور میں طوسیہ کو سمجھانے لگا کہ آج کی رات ہی تیرتھ داس پر اپنا وار کر گزرنا چاہئے کیونکہ ابھی اس پر گہرا نشہ چھایا ہوا ہے اور وہ مجھ سے بہت زیادہ متاثر ہے۔

کئی گھنٹے بعد تیرتھ داس تھکے قدموں اندر آیا۔ "مہاراج وہ نہیں مانتے!" اس نے منہ لٹکا کر کہا۔

"جب تو مزدوری پوری دے گا تو کیوں نہ مانیں گے!" میں نے تیز آواز میں کہا۔

"مزدور نہیں سرکار' میں بستی والوں کی بات کر رہا ہوں' جانے وہ کب سے باہر جمع ہیں اور ادب کے ساتھ مہاراج کے درشن کا انتظار کر رہے ہیں!" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"وہ کیوں آسکے ہیں یہاں؟"

"ساہوکار پیٹ کا ہلکا ہے مہاراج۔ میں نے بار بار اسے تاکید کی تھی کہ بستی میں کسی کو خبر نہ لگے مگر اس نے ہر آنے والے کو وہ زنجیر دکھا دکھا کر کہا ہے کہ تیرتھ داس کو مہاراج نے سونے کی زنجیر دی ہے' اب پوری بستی یہاں الڈ پڑی ہے!" وہ مجرمانہ احساس کے ساتھ دھیمی آوز میں بولا۔

"جا کر ان سے کہہ دے کہ ہمیں پریشان نہ کریں وہ اب بھی نہ گئے تو ان کے گھروں میں رکھا اور عورتوں کے جسموں پر لدا ہوا سونا لوہا بنا دیں گے!" میں نے پرزور لہجے میں

کھوکھلی دھمکی دی۔

"کیا تم واقعی سونے کو لوہا بنا سکتے ہو؟" تیرتھ داس کے چلے جانے کے بعد طوسیہ نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"بنا تو نہیں سکتا مگر ان سے جان چھڑانے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تو ضروری تھا۔" میں اس کے رخسار پر چٹکی لے کر ہنس پڑا۔

"جھوٹی باتیں منہ سے نہ نکالا کرو۔ اگر وہ اب بھی نہ گئے تو تمہارا سارا بھرم ٹوٹ جائے گا۔"

"سچ کی ترغیب نہ دو میری دیوی۔" میں نے اسے کہا۔ "سچ' نیکی ہے اور نیکی ہماری ضد۔ مال و دولت کی ہوس بری ہوتی ہے' تم دیکھ لینا ان میں سے کوئی نہ رکے گا۔"

اور چند منٹ بعد تیرتھ داس نے آ کر تقریباً یہی خبر دی۔ میری دھمکی کے نتیجے میں ساری بھیڑ چھٹ گئی تھی بس ایک بیوہ اور دو ادھیڑ عمر شخص جمے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تیرتھ داس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مفلسی کے ہاتھوں موت کے دہانے پر کھڑے ہیں - ان کے گھر میں سونے کی کیل تک نہیں ہے پھر میں اسے لوہے میں کیسے بدلوں گا۔۔ میں انہیں جو بھی سزا دوں لیکن وہ ایک بار دو بدو بات کئے بغیر واپس نہ لوٹیں گے۔

تیرتھ داس کی زبانی مجھے علم ہوا کہ اس بیوہ کی دو جوان اور قبول صورت لڑکیاں بن بیاہی' فاقوں کے دن کاٹ رہی ہیں۔ بوڑھی کو فاقوں سے زیادہ ان کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر تھی مگر بھری بستی میں کوئی بھی جہیز کے بغیر ان کا ہاتھ تھامنے کو تیار نہیں تھا۔ ایک معذور بوڑھے کو اس کے آوارہ لڑکوں نے بدچلنی سے روک ٹوک پر دھکے دے کر گھر سے نکالا ہوا تھا۔ دوسرے شخص کا سارا مال و متاع ایک قرضے کے عوض ساہوکار نے قرق کرا لیا تھا اور وہ اپنے بچوں سمیت مویشیوں کے باڑے میں سرچھپائے پڑا ہوا تھا۔

ان تینوں کے مسئلے مختلف تھے لیکن بنیاد ایک ہی تھی یعنی انہیں پیسے کی ضرورت تھی۔ میں تیرتھ داس کو طوسیہ کے پاس چھوڑ کر خود باہر گیا اور اشارے سے ان تینوں کو قریب بلایا۔

وہ روتے اور مجھے پرنام کرتے اتنی تیزی سے آگے آئے جیسے ان کی ذرا سی تاخیر سے کائنات کا سارا توازن درہم برہم ہو جائے گا۔

"زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "جلدی سے لوہے کے کچھ ٹکڑے تلاش کر کے لاؤ' مجھے معلوم ہے کہ تمہیں پیسے کی ضرورت ہے۔"

بوڑھی عورت نے فوراً ہی اپنے آہنی کنگن میرے حوالے کر دیئے۔ ان دونوں نے بھی تین زنگ خوردہ آہنی ٹکڑے تلاش کر لئے اور میری طرف بڑھا دیئے۔

میں نے ان سب کو پارس پتھر سے مس کیا۔ پھر میں وہ چیزیں انہیں لوٹانے ہی والا تھا کہ میری نظر تیرتھ داس کی بھینسوں کے گوبر کے ڈھیر پر پڑی اور میں اپنی اس شدید خواہش کو نہ دبا سکا کہ ان تینوں کو غلاظت میں بھیج کر اپنے آقا کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروں۔

میں نے آگے بڑھ کر وہ طلائی چیزیں پھرتی کے ساتھ گوبر کے ڈھیر میں پھینک دیں اور ان حیران و پریشان سوالیوں سے کہا۔ "تم تینوں اپنے ہاتھ کمر سے باندھ کر اس ڈھیر سے اپنے دانتوں سے وہ ٹکڑے نکالو۔ تمہارے دانت لگتے ہی وہ لوہا سونا بن جائے گا اور ہاتھ لگایا تو وہ لوہا آگ بن کر تمہیں جھلسا دے گا۔ جو چیز جسے ملے وہ اسی کی ہو گی۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ تینوں میری ہدایت پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے گوبر کے اس ڈھیر پر ٹوٹ پڑے جس میں وہ طلائی ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔

میں شاہانہ انداز میں جھونپڑی کی طرف واپس چل دیا۔

کرم پورے کی اس بستی میں تیرتھ داس کے بیان کے مطابق ساہوکار کے علاوہ کوئی ایسا ذی حیثیت شخص نہ تھا جس کے پاس قیمتی اشیاء فروخت یا رہن کی جا سکیں۔ تین نئے حاجت مندوں کے پیش نظر یہ بات یقینی تھی کہ اگلے روز بستی میں یہ خبر بھی پھیل جائے گی کہ میں نے کچھ اور لوگوں کو بھی سونا دیا ہے۔ اس کے بعد تو یہ لوگ اس جھونپڑے پر دھرنا دے کر بیٹھ جاتے جب کہ میں بھیڑ بھاڑ سے بچ کر ہی اپنا کام کرنا چاہتا تھا۔

اس کا ایک خاص سبب یہ بھی تھا کہ مجھے شیطان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور مجھے اپنی نو آموزی کا پورا پورا احساس تھا۔ صحیح معنوں میں ابھی مجھے یہ علم نہیں تھا کہ کون کون سی شیطانی قوتیں میرے قبضے میں ہیں اور میں ان سے کس نوعیت کا کام لے سکتا ہوں۔ میرا فیصلہ یہی تھا کہ سب سے پہلے اور جلد از جلد تیرتھ داس کو شیطان کا پجاری بناؤں اور پھر فوری طور پر سیتا پور روانہ ہو جاؤں تاکہ تیرتھ داس کے

دشمن کرشن کمار سے انتقام لے سکوں کیونکہ تیرتھ داس کے شیطانی حلقے میں داخل ہونے کے بعد اس کی مدد کرنا میرے لئے لازم ہو جاتا تھا۔

جھونپڑے میں پہنچ کر میں نے تیرتھ داس کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر کرم پورے کے نواح میں چماروں کی بستی میں جائے اور اپنی مردہ بھینسوں کے گوشت اور کھالوں کے عوض ان کی کسی عورت تک رسائی حاصل کر کے اس کے ہمراہ گناہ کا وہ مرحلہ طے کرے جو سب سے گھناؤنا مگر اسی قدر لذت انگیز ہے اور پھر ناپاکی کے اسی عالم میں سورج غروب ہونے تک خفیہ طور پر شمشان بھومی میں پہنچ جائے۔

میرا یہ حکم ہو سکتا ہے کہ تیرتھ داس کے لئے حیرت انگیز رہا ہو لیکن اس وقت اس کے بشرے پر حیرت کے بجائے مسرت کی لہر دوڑ گئی اور اس نے چماروں کی بستی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے میرا نام استعمال کرنے کی اجازت چاہی۔ اس کی دانست میں توہم پرست چمار میری قوتوں سے خائف ہو کر بڑی آسانی سے اپنی کوئی لڑکی ایک وقت کے لئے تیرتھ داس کے تصرف میں دے دیتے۔ مجھے محسوس ہوا کہ تیرتھ داس کسی خاص مقصد کے تحت یہ اجازت طلب کر رہا ہے۔ جب میں نے اسے پچکارا تو اس نے بول دیا کہ وہ ناجی نام کی ایک منہ زور چمارن کا غرور توڑنا چاہتا ہے جو بستی کے شرفا کے التفات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتی۔

تیرتھ داس نے ناجی کا جو رنگ روپ اور انداز بتایا اس نے میرے دل میں بھی گدگدی پیدا کر دی اور میں نے بظاہر روکھے لہجے میں اس سے کہا۔ "تو نے اچھا کیا کہ اس کا خیال دلا دیا' مجھے نظر آ رہا ہے کہ وہ مغرور لڑکی تجھے ذلیل کرے گی۔ میں خود اس کی خبر لوں گا' تو اپنے لئے کسی اور کا انتظام کر لے۔"

وہ فوراً ہی اس بات پر راضی ہو گیا اور بظاہر طوسیہ نے بھی اس تجویز پر کوئی تعرض نہ کیا۔

میں تیرتھ داس کے ہمراہ چماروں کے چوہدری کے ڈیرے پر پہنچا تو اتفاق سے ناجی وہیں موجود تھی۔ تیرتھ داس کے اشارے سے قبل ہی میں سمجھ چکا تھا کہ ناجی کون ہے۔ اس لڑکی سمیت اس وقت وہاں کل چھ نفوس تھے۔

"چوہدری' رشی مہاراج تمہارے ڈیرے پر آئے ہیں!" تیرتھ داس نے اونچی آواز میں

کہا۔

ناجی کے سوا سب لوگ میرے سواگت میں دونوں ہاتھ جوڑے زمین تک جھک گئے۔ ان کے چہروں پر یوں زلزلے کے سے آثار نظر آنے لگے تھے جیسے ملک الموت ان کی روحیں قبض کرنے آ پہنچا ہو۔

"مہاراج ہم نیچ لوگوں میں آنے کی تکلیف کیسے کی؟" چوہدری نے سیدھا ہوتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

"اپنا ایک آدمی تیرتھ داس کے ساتھ کر دے جو اس کی مرضی کے مطابق عمل کرے پھر میں تجھ سے بات کروں گا۔" چوہدری نے ایک آدمی سے میرا حکم دہرایا اور وہ تیرتھ داس کے ہمراہ ڈیرے سے چلا گیا۔ اس کی تقلید میں باقی چمار بھی باہر جانے لگے۔

"جب آخر میں ناجی بھی نکلنے لگی تو میں نے چوہدری کو للکارا۔ "اسے روک چوہدری! مجھے اس گستاخ چھوکری کے بارے میں ہی کچھ کہنا ہے۔"

یہ سن کر ناجی کا اٹھتا ہوا قدم رک گیا اور وہ تیوریوں پر بل ڈال کر بے حجابی کے ساتھ مجھے گھورنے لگی۔ اس کا یہ انداز مجھے بہت زیادہ پسند آیا اور میں کئی سیکنڈ تک اسے گھورتا رہا۔

چوہدری کی کھکھار پر میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "چوہدری بستی کے شرفا اس لڑکی سے نالاں ہیں اور اس کا رویہ ان کے ساتھ بہت برا ہے۔"

چوہدری کا بدن کانپنے لگا اور اس نے التجا بھری نگاہوں سے ناجی کی طرف دیکھا' جیسے اس سے خاموش رہنے کی فریاد کر رہا ہو پھر نحیف آواز میں بولا۔ "مہاراج چڑھتا خون ہے۔ نوک پلک سے ٹھیک ہے' بے عقلی میں الٹی سیدھی باتیں کر جاتی ہے۔"

"چوہدری بک بک نہ کر زیادہ!" وہ داہنا ہاتھ کمر پر رکھ کر سریلی آواز میں چیخ اٹھی اور میرے کانوں میں مٹھاس سی تیر گئی۔ "میں ان شرفا کو خوب جانتی ہوں' سب سے بڑا شریف تو ابھی تیرے آدمی کے ساتھ گیا ہے۔ میں بتائے دیتی ہوں کہ وہ بنیا ہے' جب پاؤ آدھ پاؤ دودھ کے لئے چھوکری مانگتا ہے' تو آج دو کھالوں کے بدلے تو جانے کیا مانگے گا۔"

چوہدری کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اور وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "مہاراج آپ خیال نہ کریں' یہ دل کی بری نہیں ہے۔" پھر یک بیک مرجھائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "بھگوان جانے ہم نیچ

گھرانوں میں ایسی سندر لڑکیاں کیوں پیدا ہو جاتی ہیں؟"

"دل کی بری ہو یا بھلی۔۔۔ اس نے میری توہین کی ہے۔ چوہدری!" میں کڑک کر بولا۔ مجھے اپنی خواہش کے اظہار کا موقع مل چکا تھا۔ "اور اسے اس کی سزا ملے گی' اس نیچ چمارن کی یہ مجال!"

"ہماری ذات چھوٹی ضرور ہے سرکار! پر اسے دوش نہ دو!" چوہدری کی آواز کانپ رہی تھی' اس کے لہجے سے خوف کے ساتھ ہی دبا دبا سا جوش بھی نمایاں تھا۔ "ہم چمار تو صدیوں سے بڑی ذات والوں کی خدمت کرتے آئے ہیں اور جو ہمارا اصلی خون ہوتا ہے وہ تو سر جھکا کر بری بھلی سن لیتا ہے۔ پر..... پر یہ شریف لوگ ہمارے خون کو بھی گندا کرتے آئے ہیں مہاراج! ناجی کسی چمار کا خون ہوتی تو تم جو کہتے سر جھکا کر سن لیتی' اور اپنی آبرو تک تمہارے قدموں میں ڈال دیتی۔ مگر یہ بڑے لوگوں کا خون ہے مہاراج۔ یہ کرم پورے کے اسی چوہدری کا خون ہے جو تمہارے ہاتھوں مارا گیا' یہ گندا خون تو سر چڑھ کر بولے گا۔ قصور اس کا نہیں ہے' اس چمارن کا نہیں جو اسے جنم دیتے ہی مر گئی تھی!"

"بکواس بند کر بڈھے۔" میں واقعی غصے میں آ گیا۔ "میں اس سرکش لڑکی کی نتھ اتاروں گا' ورنہ تیری بستی خاک کر دوں گا۔"

"میری نتھ وہ اتارے گا جو میرا پتی بنے گا۔" وہ پیر پٹخ کر چیخی۔ "چلا جا یہاں سے' ورنہ میں تیرا منہ نوچ لوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے ناجی میری طرف لپکی اور میں نے سختی کے ساتھ اس کے بازو جکڑ لئے۔

"چمارن ہوتی تو نظریں نیچی کر کے تمہارے ساتھ ہو لیتی مہاراج۔" چوہدری دردمندانہ اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ اونچی ذات کا خون ہے جو تمہارے منہ آ رہا ہے۔ چھوڑ دو اسے اس کے حال پر' میں بھی اسے سمجھا بجھا کر تھک چکا ہوں۔ اس کے بدلے میں پوری بستی کی عورتیں تمہارے قدموں میں لا ڈالتا ہوں۔"

چوہدری بولتا رہا اور میں نے دو تین ہی جھٹکوں میں ناجی کے لباس کے چیتھڑے اڑا دیئے' وہ میری گرفت میں کسی بھوکی اور غضبناک شیرنی کی طرح مچلے جا رہی تھی' چوہدری نے جب اس کا گدرایا ہوا جوان بدن یوں طلوع ہوتے دیکھا تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ ڈیرے سے نکلا چلا گیا اور میں نے ناجی کو نیچے گرا کر اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ جما دیا۔

اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں نفرت اور قہر کا جہنم بھڑک رہا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر میرا ہر وار ناکام بنا رہی تھی۔ مگر یہ جدوجہد زیادہ دیر تک اس کا ساتھ نہ دے سکی اور یک بیک اس کا غیض و غضب، بے بسی کے آنسوؤں میں ڈھل گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

میں اسے روتا چھوڑ کر باہر آیا تو چوہدری ایک درخت کے تنے سے پشت لگائے سر گھٹنوں میں دیئے بری طرح کانپ رہا تھا۔ میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنی راہ ہو لیا۔

جھونپڑے پر پہنچا تو طوسیہ نے کوئی باز پرس نہ کی۔ سورج غروب ہونے میں ابھی تھوڑی دیر باقی تھی اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے پہلے اہم کام کے بارے میں شیطان سے براہ راست ہدایات لے لوں۔

"شیطان معظم تیرا غلام تیرے حضور باریابی چاہتا ہے۔" میں نے زیر لب یہ کلمات دہرائے ہی تھے کہ کوزہ پشت شیطان اچھلتا ہوا جھونپڑی میں داخل ہوا اور اپنے سوکھے ہوئے داہنے استخوانی ہاتھ کی مٹھی میرے سامنے کھول دی۔

میں نے ادب و احترام کے ساتھ سوکھا ہوا اور سحر زدہ انسانی دل اس کی ہتھیلی سے اٹھا لیا۔

"یہ دل یہیں چھوڑ دے تو بہتر ہے، تیرے ذرا سے اشارے پر مانیتی یہ دل تجھ تک پہنچا دے گا۔ اور سن کہ تیرتھ داس میرا پجاری تو بن جائے گا لیکن اس کی سب سے بڑی خواہش میں پوری نہ کر سکوں گا اور نہ ہی اسے غیر معمولی قوتیں حاصل ہو سکیں گی، وہ لوہے کو سونا بنانے کی قوت حاصل کرنی چاہتا ہے جو میں نے صرف تیرے لئے مخصوص کی ہے۔" شیطان اپنی سرد اور کھردری آواز میں کہہ رہا تھا۔ "تو اب تک جو کچھ کرتا رہا، وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن ناجی کے معاملہ میں زبردستی کی ضرورت نہیں تھی، تو کسی بھی سر والی کو اس پر مامور کر کے اسے اپنی من مانی پر مجبور کر سکتا تھا۔"

"غلطی ہو گئی میرے آقا!" میں نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں ایک بات جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میرے لئے یہ ممکن ہے کہ میں طویل فاصلے مختصر مدت میں طے کر سکوں۔"

"اگر یہ ممکن ہوتا تو جزائر الشیاطین سے یہاں تک تجھے طویل سفر نہ طے کرنا پڑتا

جبلی!" شیطان نرم آواز میں بولا۔ "تجھے ضرورت پڑنے پر آہستہ آہستہ اپنی قوتوں کا علم ہوتا رہے گا اپنے کاموں کے لئے تجھے میری ہدایت کی ضرورت نہیں، تجھے سارا کام خود ہی سرانجام دینا ہو گا۔ جہاں ضرورت ہو گی وہاں میں خود تیری مدد کو آؤں گا۔"

اس نے بات پوری کی اور کھڑے کھڑے فضا میں تحلیل ہو گیا۔

"جبلی!" اچانک طوسیہ نے تھکی ہوئی آواز میں مجھے پکارا۔

"کیا بات ہے طوسیہ؟" میں نے سراپا محبت بن کر سوال کیا۔

"تم تو بغیر کھائے پیئے بھی کئی دن رہ سکتے ہو لیکن میں کمزور ہو چکی ہوں، انسانی گوشت میری اس کمزوری کا علاج ہے کیا میں اس کا بندوبست کر لوں؟" اس نے پوچھا۔

"ضرور کر لو پیاری! تمہاری صحت میری زندگی ہے۔" میں نے والہانہ انداز میں اسے چوم لیا۔

"پھر تم شمشان جاؤ، میں کوئی انتظام کرتی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

میں فوراً ہی اس سے رخصت ہو گیا۔ شمشان میں پہنچا، تو تیرتھ داس خوفزدہ انداز میں ایک درخت کے تنے سے چپکا ہوا کھڑا تھا، مجھے دیکھتے ہی اس کے ستے ہوئے چہرے پر تازگی کی لہر دوڑ گئی۔

"آج تیرا امتحان ہے تیرتھ داس!" میں نے اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

"میں تیار ہوں رشی مہاراج!" اس نے سر کو خم دے کر کہا۔

"تو نے کبھی گوشت کھایا ہے تیرتھ داس!" میں نے اس سے سوال کیا۔

"چوری چھپے کھاتا ہوں مہاراج!" وہ میرے اس سوال پر یک بیک سہم گیا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نرم آواز میں بولا۔ "گوشت کھانا بری بات نہیں اور انسانی گوشت تو بڑا ہی لذیذ ہوتا ہے۔۔۔ لے یہ ایک انسانی دل ہے۔ میں تجھ پر اس کا اثر دیکھنا چاہتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی مٹھی میں دبا ہوا انسانی دل اس کے سامنے کر دیا۔

تیرتھ داس نے جھجکتے ہوئے وہ دل میری ہتھیلی سے اٹھا لیا۔

"یہ انسانی دل تیرے معدے میں پہنچتے ہی تجھ پر زندگی کی نئی حقیقتیں آشکارا کر دے گا۔" میں ٹھہری ہوئی آواز میں اسے بتانے لگا۔ "یہ ایک خاص عمل کے ذریعے سکھایا ہوا سحر

زدہ انسانی دل ہے اور اس کا ایک ایک ریشہ انسان کی سوچ میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔"

"رام بھلی کرے گا مہاراج!" تیرتھ داس نے یہ کہتے ہوئے اس دل سے ایک ٹکڑا توڑا۔

"تیرتھ داس!" میں یک بیک غصے میں آ گیا۔ "اس وقت رام اور بھگوان کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ کیا تجھے مجھ پر بھروسہ نہیں جو ایسی بدشگونی پھیلا رہا ہے۔"

"رشی جی رات کا سے ہو چلا ہے۔" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "شمشان بھومی میں پاپیوں کی ادھ جلی ہڈیاں انگاروں کی طرح چمک رہی ہیں' ایسے میں بھلا کس کا پتہ پانی نہ ہو گا۔ بس دہشت میں الٹی سیدھی باتیں بک رہا ہوں۔"

"ٹھہر جا۔" یکایک میں نے اسے پکارا اور اسکا ہاتھ منہ کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔

"مجھ جیسے رشی کے قتل کو تو نیکی سمجھتا ہے یا گناہ؟"

وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلکیں جھپکانے لگا۔

"جواب دے میری بات کا!"

"میں نے دو خون ضرور کئے ہیں سرکار! مگر میں انسانی خون کو پاپ سمجھتا ہوں' پھر تم جیسے کا قتل تو مہا پاپ ہے مہا پاپ۔" وہ مجھے سمجھانے والے انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

اس کی یہ تفسیر سننے کے بعد میں نے اسے شارہ کیا اور اس نے سحرزدہ انسانی دل کا پہلا لقمہ منہ میں ڈال کر چبانا شروع کر دیا' اس کے چہرے سے حیرت اور مسرت کے ملے جلے آثار ہویدا تھے' یوں لگ رہا تھا جیسے انسانی دل کے خشک لحمی ریشے اسے بے پناہ لذت اور سرور سے آشنا کر رہے ہیں۔

وہ آہستہ آہستہ مزے لے لے کر انسانی دل چباتا رہا اور آخری لقمہ نگلنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مہاراج یہ تم نے مجھے کیا کھلا دیا کہ میرے دل سے ایک عجیب سی روشنی پھوٹنے لگی ہے' مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں اس ویران شمشان میں نہیں بلکہ سرور اور کیف کی کسی اجنبی دنیا میں موجود ہوں۔ تم بڑے پیارے ہو' میرے دل کی آواز بتا رہی ہے کہ تم بدی کے پجاری ہو' بدی جو انسان کی آرزوؤں کا سکھ ہے' نفس کی لذت ہے' اور نجات کی کنجی ہے' اب میں بھی اسی کا پجاری ہوں' جو تمہارا آقا ہے۔" یہ کہتے

ہوئے وہ احترام کے ساتھ میرے قدموں میں گر گیا۔ "تم نے مجھ مفلس کو مالا مال کیا ہے اور مجھے آسان زندگی کا راستہ دکھایا ہے کتنا پیارا ہے میرا نیا دھرم جس میں برائی کا تصور ہی نہیں ہے' میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ اب کے بعد میں پوری کوشش کروں گا کہ نیکیوں سے خود کو بچائے رکھوں' دھوکہ اور فریب اور مکاری میں بڑا آرام ہے۔"

"اٹھ جا تیرتھ داس!" میں نے جھک کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تو نے اس وقت جس کو اپنا نیا بھگوان بتایا ہے' اس کا نام یاد کر لے وہ شیطان کہلاتا ہے' اور نیکیاں اس سے پناہ مانگتی ہیں' تو ہماری برادری میں آ چکا ہے اور تجھ کو بہت جلد پنڈت کرشن کمار کے ظلم سے بھی نجات مل جائے گی۔ کیونکہ تیری مدد مجھ پر لازم ہو چکی ہے۔"

"تم بڑے پرماتما ہو رشی جی۔" وہ جذباتی لہجے میں بولا۔ "کرشن کمار واقعی کمینہ ہے اسے کچل ڈالو۔ پر میری بھی ایک التجا ہے۔ اگر تم ادھر کا رخ کر ہی رہے ہو تو یہ کام بھی کر ہی ڈالو۔"

"وہ بڑی ظالم ہے تیرتھ داس!" میں معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تو نے درانتی کے وار سے اپنے بڑے بھائی ٹھاکر داس کو مارا تھا' مگر وہ کسی ہتھیار کے بغیر تجھے ختم کر سکتی ہے۔"

"وہ اب بھی جوان ہے مہاراج!" اس کی خاطر میں دن میں دس بار بھی مرنے کو تیار ہوں۔" وہ ہوس ناک لہجے میں بولا۔ "جانے اب تک مجھے اس کا خیال کیوں نہ آیا' تمہارا دیا ہوا دل کھاتے ہی میرا جی چاہ رہا ہے کہ سریتا کو اپنے قابو میں کر کے اسے بری طرح بے عزت کروں کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔"

"وہ تیرے بڑے بھائی کی بیوی رہ چکی ہے تیرتھ!" میں نے اسے آزمانے کے لئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہنس دیا اور مکارانہ لہجے میں بولا۔ "رشی جی۔۔ وہ رہی ہو گی' مگر یہ بھی تو سوچو کہ وہ میرے بھائی کا مال چوری کر کے رات کے اندھیرے میں اپنے یار کے ساتھ فرار ہوئی تھی۔"

"اچھا تیرتھ! میرا کام پورا ہو گیا' تجھے سورج نکلنے تک یہ رات اسی شمشان میں بسر کرنی ہے۔"

"مہاراج سریتا مجھ تک کیسے پہنچے گی؟" تیرتھ داس نے بے چینی کے عالم میں پوچھا۔

"میں سیتا پور پہنچ لوں اس کے بعد سریتا پر ہاتھ ڈالنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ وہ بہت جلد تیرے پاس پہنچے گی!" میں نے اس کو تسلی دی اور پھر اچانک ہی اس سے پوچھ بیٹھا۔ "تیرتھ داس اب کیا خیال ہے تیرا مجھ جیسے آدمی کے قتل کے بارے میں!؟"

"تم میرے محسن ہو رشی جی!" تمہارے بارے میں تو میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہاں تمہاری جگہ کوئی اور ہو تو ضرورت پڑنے پر میں بلا سوچے سمجھے بھی اس کا جھٹکا کر گزروں گا۔" اس نے بلاتوقف جواب دیا۔

تیرتھ داس کی سوچ میں انقلاب پیدا ہو چکا تھا اور اب میری دانست میں اس کے پاس ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لئے میں نے اسے شمشان میں شب بسری کے بارے میں آخری ہدایات دیں اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بستی سے ہوتا جب میں تیرتھ داس کے جھونپڑے پر پہنچا تو طوسیہ ایک گوشے میں مصروف نظر آئی' میں اس کی قریب پہنچا تو حیرت سے میرے قدم ٹھٹک گئے۔

فرش پر ایک میلی سی چادر بچھی ہوئی تھی اور اس پر چماروں کی بستی کی الھڑ لڑکی ناجی کی برہنہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ طوسیہ کے داہنے ہاتھ میں لمبے پھل والی ایک تیز دھار چھری دبی ہوئی تھی' اس وقت وہ خود بھی برہنہ تن تھی اور اسکے کھلے ہوئے بال پشت پر پڑے ہوئے تھے' آنکھوں میں وحشیانہ چمک لہرا رہی تھی' میں سمجھ گیا کہ اس وقت طوسیہ کی محکوم شیطانی قوتیں پوری سرگرمی کے ساتھ روبہ عمل ہیں اور اس نے انہی کی مدد سے ناجی کو ہلاک کر کے اس کی لاش اپنے پاس منگوائی ہے۔

طوسیہ اپنے کام میں اتنی سرگرمی کے ساتھ محو تھی کہ میرے قدموں کی آہٹ بھی اسے چونکا نہ سکی اس نے تحیری انداز میں اپنا کندن کی طرح دمکتا ہوا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور چھری کا پھل ناجی کے بائیں پہلو میں اتار دیا۔

"طوسیہ!" میں نے آہستگی سے پکارا۔

وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی اور ایک ثانئے کے توقف کے بعد بھاری اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آؤ جبلی۔ ایک دعوت تمہاری منتظر ہے' کرم پورے کی مغرور چمارن کا تھرکتا ہوا بدن اب پوری طرح میرے قبضے میں ہے۔"

میرے دیکھتے ہی دیکھتے طوسیہ نے ناجی کے بائیں پہلو میں گہرا شگاف ڈالا اور اس کا بے جان دل نوچ کر باہر نکال لیا۔ چند ثانیوں تک وہ اس خون آلود لوتھڑے کو فاتحانہ نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر بے صبری کے ساتھ اسے اپنے دانتوں سے نوچ نوچ کر نگلنے لگی۔

میری دانست میں طوسیہ نے ناجی کو رقابت کے جوش میں ہلاک کروایا تھا۔ کیونکہ وہ چمارن اپنی اداؤں اور شباب کے سہارے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی' طوسیہ نے اس کا کام تمام کر کے نہ صرف رقابت کی تسکین کا سامان کیا تھا بلکہ اپنی انسانی گوشت کی اشتہا کو بھی سرد کر لیا تھا۔

"جبلی! کیا تم اس دعوت میں شریک نہ ہو گے؟" طوسیہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"نہیں۔ میں اس کے بغیر بھی گزارا کر سکتا ہوں' تم جلدی سے نمٹ لو ہمیں رات کے اندھیرے میں ہی اس بستی سے کہیں دور نکل جانا ہے۔" میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"اب شاید سیتا پور کا ارادہ ہے۔" وہ ناجی کی لاش پر سے اترتے ہوئے بولی۔

"ہاں اب سیتا پور ہی ہماری اگلی منزل ہے۔ ٹھاکر داس کی جوان بیوی سریتا کو پنڈت کرشن کمار کے چنگل سے آزاد کرا کے تیرتھ داس کے حوالے کرنا ہے۔"

"کیا تیرتھ داس ہمارے حلقے میں داخل ہو گیا؟" طوسیہ نے حیرت اور مسرت کے ساتھ پوچھا۔

"بھلا کیوں نہ ہوتا۔ اسے کرشن کمار سے پناہ چاہئے تھی!" میں نے بے نیازی کے ساتھ کہا۔

پھر تھوڑی ہی دیر میں طوسیہ نے ناجی کا پورا دل نگل لیا اور لباس پہن کر میرے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہو گئی' ہم نے ناجی کی لاش اسی جھونپڑی میں چھوڑ دی اور باہر نکل آئے۔

ابھی تک صرف دو ہی بار مجھے اپنی شیطانی قوتوں کو آزمانے کا موقع میسر آیا تھا' جب کھلے سمندر میں بحری کشتم والوں نے سفینہ ظلمات پر مجھے للکارا تھا۔ لیکن سفینہ ظلمات نے خود بخود رخ بدل کر انہیں تہس نہس کر دیا تھا۔ اور میری حسرت دل ہی دل میں رہ گئی تھی ہاں دوسری بار کرم پورے کے چوہدری سے معرکے میں میری انا کو قدرے تسکین حاصل ہوئی تھی اور اب سیتا پور کی جانب جاتے ہوئے میری چھٹی حس بار بار مجھے کسی بڑے اور ہولناک معرکے کی خبر دے رہی تھی۔

ہم دونوں کسی نادیدہ ہستی کی رہنمائی کے سہارے بڑے سکون کے ساتھ ایک طے شدہ راستے پر بڑھے جا رہے تھے کہ رات کے آخر پہر میں تاروں بھرے آسمان سے کافی نیچے دو سرخ روشن نقطے تیرتے نظر آئے۔

طوسیہ نے ان کی بار بار بھڑکتی اور ماند پڑتی روشنی پر حیرت ظاہر کی۔ تو مجھے بھی اس بارے میں کچھ سوچنا پڑا اور ہم دونوں ایک جگہ رک کر ان متحرک نقطوں کے آگے بڑھ جانے کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ ہی دیر میں ان نقطوں نے واضح شکل اختیار کر لی اور بلندی سے اترتے ہوئے تیزی سے ہماری جانب آنے لگے۔

"جبلی یہ تو مٹی کی روشن ہانڈیاں ہیں اور ہماری ہی جانب آ رہی ہیں۔" طوسیہ نے قدرے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"آنے دو انہیں بھی!" میں فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "شاید کرشن کمار کو معلوم ہو گیا ہے کہ کوئی تیرتھ داس کی مدد کر رہا ہے۔ لیکن اسے یہ علم نہیں ہے کہ مدد کرنے والا کون ہے؟"

اب وہ ہانڈیاں بہت قریب آ چکی تھیں ان کے دہانوں سے سرخ شعلے لپک رہے تھے اور حدت کے باعث ہانڈیوں کی مٹی بھی سرخ ہو کر چمک رہی تھی۔

میں ان کے قریب آنے کا منتظر ہی تھا کہ یک بیک ہانڈیوں کی رفتار تیز ہو گئی ان میں سے ایک میری طرف تیر کی طرح آئی اور میں غیر ارادی طور پر نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ اور عین اسی وقت طوسیہ کی خوفزدہ چیخ ابھری۔ پل بھر کے لئے میں اپنی پریشانی بھول کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو میرے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور میری کچھ سمجھ میں نہ آ سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

فرعونوں کے دیس کی نرم و نازک شہزادی، طوسیہ۔ اس وقت بہت ہیبت ناک لگ رہی تھی سرسرائی ہوئی ہوا میں اس کے سر کے کھلے ہوئے بال بے چین ناگوں کی طرح فضا میں لہرا رہے تھے، اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابل آئی تھیں اور وہ پوری قوت کے ساتھ چند الفاظ دہرا دہرا کر اپنے سر پر ناچنے والی روشن ہانڈی کی طرف مکا لہرا رہی تھی۔

میں نے بس ایک نظر اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنی مشکل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مٹی کی دوسری روشن ہانڈی ایک مختصر سے دائرے میں تیزی کے ساتھ گھوں گھوں کی آواز پیدا کرتے میرے سر پر ناچ رہی تھی۔

"آگ!" میں نیچے جھکتے ہوئے پوری قوت سے چیخا۔ "تجھے قسم ہے شیطان کی جو تیرے خمیر سے پیدا ہوا لوٹ جا اسی طرف جدھر سے تو یہاں بھیجی گئی ہے اسے خاک کر دے جس نے تجھے روشن کیا ہے!"

میرے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی وہ ہانڈی تیزی کے ساتھ آسمان کی جانب اٹھتی چلی گئی۔ میں اطمینان کا سانس لیتا سیدھا ہوا تو طوسیہ پر حملہ آور ہونے والی ہانڈی بھی بلند ہو کر ننھے سے روشن نقطے میں تبدیل ہو چکی تھی۔

ابھی میں پوری طرح اپنے حواس یکجا بھی نہ کر پایا تھا کہ اپنے عقب میں شیطان کی مانوس اور کھردری آواز سنائی دی۔ "جبلی ان ہانڈیوں کو فوراً تباہ کر دے، کرشن کمار کی موت سے مجھے افسوس ہو گا۔"

میں نے دل میں ان ہانڈیوں کو تباہ کرنے کا قصد کرتے ہوئے دور ہوتے ہوئے ان روشن نقطوں کی طرف اشارہ کر کے اپنی بائیں چٹکی مسلی اور وہ دونوں نقطے یک بیک تاریک ہو کر رات کی سیاہ چادر میں فنا ہو گئے۔

"اے آقا! تو فرشتوں کا استاد رہا ہے اور اب تیری بصیرت کے سامنے میں ایک حقیر ا

بے فہم لوتھڑا ہوں' مگر تو نے میرے اور تیرتھ داس کے جانی دشمن میں آخر کیا خوبی تلاش کی ہے کہ اس خوش نصیب کو چند سانسوں کی مہلت مل گئی ہے' تیرا حکم ہر دلیل اور ہر خواہش پر حاوی ہے مگر میں تیری عنایت چاہتا ہوں کہ مجھے اس فیصلے کے سبب سے ضرور آگاہ کر دے۔" میں نے سینے پر دونوں ہاتھ باندھ کر کوزہ پشت اور کریہہ الخلقت شیطان کے سامنے خم ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سخت اور بے رحم آواز میں ہنسا۔

کرشن کمار کا دھرم پتھروں کی پوجا ہے جبلی۔ وہ ان پتھروں کو رام اور بھگوان کہتا ہے جو اپنی جگہ سے ہلنے کی سکت نہیں رکھتے۔ جنہیں ندی نالوں کا تند رو پانی گھس گھس کر نیست و نابود کر دیتا ہے' وہ ان سرکش نالوں کو نہیں پوجتا۔ مگر کالی کے مجسمے کو انسانی لہو کا غسل دیتا ہے۔ وہ نیک نہیں ہے اور مجھے اس کی یہی ادا پسند ہے' وہ غلیظ ہے اور گندی قوتوں کا بھوکا ہے' مجھے اس کو ہلاکت میں ڈالے بغیر اپنا پجاری بنانا ہے' اس کے وجود میں اس کی روح کی گہرائیوں میں ایک ننھا سا شیطان پوشیدہ ہے' میری خواہش ہے کہ وہ شیطان ابھر کر اس کے کردار پر یوں حاوی ہو جائے کہ وہ میرے مسلک کا مبلغ بن جائے۔"

"میں سمجھ گیا میرے آقا!" میں بدستور احترام آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ میرے ہاتھوں ہرگز نہ مرے گا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ اسے تیرا پجاری بنا لوں۔"

"میری نظر میں تیرا رتبہ بہت بلند ہے جبلی! جا سیتا پور کی فضائیں تیری منتظر ہیں۔"

شیطان نے اپنے سخت اور استخوانی ہاتھ سے میری پشت پر تھپکی دی اور معدوم ہو گیا۔

شیطان کے چلے جانے کے بعد طوسیہ یک بیک زور سے ہنس پڑی۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا ہوا طوسیہ؟"

"تمہاری بدحواسی یاد آ گئی تھی!" اپنے سر پر روشن ہانڈی منڈلاتی دیکھ کر تمہاری حالت قابل رحم ہو گئی تھی۔" وہ بدستور ہنستے ہوئے میرے سینے سے آ لگی۔

رات کے اندھیرے میں ہمارا سفر جاری رہا۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر سیتا پور کی اجنبی بستی سر ابھار رہی تھی۔ ٹھاکر داس کی بیوی سمیت کرشن کمار اسی شہر کے ایک نواب کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسے میرے مقابلے میں زیادہ آزادی تھی جبکہ شیطان نے میرے لئے کچھ حد مقرر کر دی تھی۔ شیطان کی ہدایت سے پہلے تو میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ نابکار کرشن کمار کو پہلے ہی وار میں موت

کے گھاٹ اتار دوں گا تاکہ اس کو ہوشیار کر کے بلاوجہ پریشانیوں سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

تھوڑے سے پیدل سفر کے بعد ہم دونوں ناسک کے ریلوے اسٹیشن جا پہنچے۔ یہاں طوسیہ نے میرے لئے مقامی پنڈتوں جیسا لباس فراہم کیا اور کہیں سے ایک استرا بھی لے آئی' میں یہ سامان لے کر بلا تکلف پہلے درجے کی انتظار گاہ میں جا گھسا۔

وہاں موجود انگریزی تراش کے کپڑوں میں ملبوس مردوں اور عورتوں نے بڑی حقارت بھری نگاہوں سے میرا استقبال کیا۔ ظاہر تھا کہ ایک خستہ حال اور بھیانک صورت شخص کا یوں درانہ وار وہاں گھس آنا سب کو ناگوار گزرا تھا۔

میں نے اپنی فطری بدمعاشی سے مجبور ہو کر غسل خانے کی طرف جاتے جاتے ایک گورے کے ہمراہ بیٹھی ہوئی نوجوان لڑکی کی پشت پر ٹھوکا دیا اور وہ دبی دبی خوفزدہ آواز میں چیختی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

یہ آواز وہاں موجود لوگوں کے لئے تو گویا بہانہ بن گئی اور وہ سب طیش کے عالم میں میرے گرد سمٹ آئے۔

میں اپنے ہونٹوں پر طنز بھری مسکراہٹ لئے ان سے بے نیاز آگے بڑھتا رہا اور غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر جا گھسا۔

دروازہ بند کرنے تک پورے مسافر خانے میں وہی سفید فام لڑکی بول رہی تھی' باقی مسافروں کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ میری بدتمیزی پر میرے ساتھ کس طرح پیش آئیں۔

میں نے دروازہ بند کیا تو باہر سے بھی کنڈی لگنے کی آواز آئی۔ مسافروں نے اپنی دانست میں مجھے اندر مقید کر دیا تھا اور اب پورے جوش و خروش کے ساتھ میرے بارے میں اپنے گندے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔

میں دل کھول کر گرم پانی کے فوارے کے نیچے نہایا پھر آئینے کے سامنے جا کر اپنے سر اور چہرے کے سارے بال مونڈ دیئے' جب تک استرا میری بھنوؤں سے دور رہا۔ میری صورت قدرے بہتر نظر آتی رہی لیکن جب میں نے گھنی بھنویں صاف کیں تو میرے چہرے سے بلا کی مکاری اور خباثت ٹپکنے لگی۔

اس دوران باہر شاید پولیس طلب کی جا چکی تھی اور آنے والے بری طرح دروازہ پیٹ رہے تھے۔ لیکن میں نے لباس وغیرہ بدلنے تک ان دستکوں پر توجہ نہ دی۔

گیروے رنگ کی دھوتی' پتھروں کی مالائیں اور لکڑی کے کھڑاؤں پہننے کے بعد میں نے قد آدم آئینے میں آخری بار اپنے سراپا کا جائزہ لیا اور کھٹ کھٹ کرتا دروازہ تک آیا' کنڈی کھولی اور غسل خانے سے باہر نکل آیا۔

میرے باہر آتے ہی کئی تحیر خیز آوازیں ابھریں پھران سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"یہی ہے وہ بدمعاش جس نے اتنے معزز مسافروں کے سامنے میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔" سفید فام لڑکی نے مجھے دیکھتے ہی چیخ کر انگریزی زبان میں نیلی وردی والے ایک ادھیڑ عمر گورے سے کہا جس کے ہمراہ ریلوے پولیس کا عملہ بھی موجود تھا۔

مجھے یہ قیاس کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ نیلی وردی والا اسٹیشن ماسٹر ہے اور شاید لڑکی کی شکایت پر مسلح پولیس کے ہمراہ میری گرفتاری کی نیت سے آیا ہے۔

ادھیڑ عمر اسٹیشن ماسٹر کڑے تیوروں کے ساتھ میری جانب آیا تو بے اختیار مجھے ایک شرارت سوجھی اور میں خود بڑے تپاک سے اس کی طرف بڑھ گیا۔ "ہیلو مسٹر آرتھر کیا حال ہے؟"

میں نے شستہ انگریزی میں یہ رسمی فقرے ادا کرتے ہوئے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تو اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا اور اس نے کسی سحرزدہ معمول کی طرح اپنا داہنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

میں اسی طرح اس کا ہاتھ تھامے اسے بھیڑ سے نکال کر ایک طرف لے گیا اور نیچی آواز میں بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ وہ سفید فام لڑکی کون ہے؟" یہ کہتے ہوئے میرا لہجہ رازدارانہ تھا۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔ "تم کون ہو مسٹر! اور میرے نام سے کس طرح واقف ہو؟"

"میں رائل سیکرٹ سروس کا ایک ذمہ دار رکن ہوں اور ایک اہم کیس کے سلسلے میں بھیس بدلے یہاں ناسک میں بھٹک رہا تھا۔ آخرکار آج یہ لڑکی یہاں سے فرار ہوتی ہوئی نظر آئی مگر اس سے پہلے کہ میں کوئی کارروائی کرتا اس نے مجھے پہچان کر ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ یہ ایک باعزت گھرانے کی لڑکی ہے جو غلط ہاتھوں میں کھیل رہی ہے اور کئی ماہ سے رائل سیکرٹ سروس کو مطلوب ہے' مجھے یقین ہے کہ اب تم سارے ہنگامے کا پس منظر سمجھ گئے

ہو گے؟ اور میرے ساتھ تعاون کرو گے۔"

"مگر وارنٹ کے بغیر....." اس نے ہچکچاتے ہوئے زبان کھولی مگر میں نے برہمی کے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"تم جو کچھ کرو گے اس کی جواب دہی میری ذمہ داری ہے لیکن یاد رکھو اگر یہ لڑکی ہاتھ سے نکل گئی تو تم ساری عمر سلاخوں کے پیچھے سڑتے رہو گے۔" میرا لہجہ اتنا پراعتماد تھا کہ اسے نہ میری شناخت کا خیال آیا اور نہ اپنی قانونی ذمہ داری کا۔

وہ تذبذب کے عالم میں پیچھے مڑا اور مسافروں سے مخاطب ہو کر بارعب آواز میں بولا۔

"میں تاج برطانیہ کے نام پر آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ ازراہ کرم یہ انتظار گاہ خالی کر دیں۔ مس کارل یہیں رکیں گی۔"

مسافروں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے سروں کو جنبش دی اور خوف و حقارت سے میری جانب دیکھتے ہوئے یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔ آخر میں میں نے آگے بڑھ کر دروازہ مقفل کر دیا۔

"میں آپ کی اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھی۔" لڑکی خود پر قابو پاتے ہوئے تیز آواز میں اسٹیشن ماسٹر سے بولی۔ "آپ اس لفنگے کے خلاف کارروائی کرنے کے بجائے مجھے ہراساں کر رہے ہیں۔"

"تمہارے خلاف بہت سنگین الزامات ہیں مس کارل!" میں اپنی بائیں آنکھ دباتے ہوئے بھاری لہجے میں بولا۔ "تم تاج سے غداری کے جرم کی مرتکب ہوئی ہو۔"

یہ الفاظ اس بے گناہ لڑکی کے حواس پر بجلی بن کر گرے اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور ٹانگیں کپکپانے لگیں۔

"مجھے افسوس ہے مس کارل کہ میں اس افسوس ناک کارروائی میں ایک فریق بنا۔" اسٹیشن ماسٹر انگریزوں کے روایتی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "مگر میں تمہاری ہی درخواست پر یہاں آیا تھا' جب تک مسٹر...!" یہاں رک کر ادھیڑ عمر آرتھر نے جواب طلب نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

"جب تک میری تشفی نہ ہو جائے تم میری حراست میں رہو گی۔" میں نے آرتھر کو اپنا نام بتانے کے بجائے لڑکی کو پوری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

یہ سنتے ہی مس کارل کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور وہ تیورا کر فرش پر گر گئی۔

آرتھر تیزی سے اس کی جانب لپکا۔ مگر میں نے اسے روک دیا۔ "تمہارا شکریہ آرتھر۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم عقبی راستے سے نکل جاؤ۔ کیونکہ تمہارے فرائض منصبی تمہارے منتظر ہیں۔ اگلا دروازہ اندر سے مقفل ہے تم عقبی دروازے کے باہر مسلح گارڈ چھوڑ دو۔ میں اپنی تفتیش سے نمٹ کر خود تمہارے دفتر میں آؤں گا اس دوران یہ لڑکی تمہاری پولیس کی نگرانی میں رہے گی۔"

آرتھر اپنے آدمیوں کے ہمراہ بوجھل قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔ میں نے عقبی دروازہ بھی اندر سے مقفل کیا اور اس بے ہوش لڑکی کو کھینچتا ہوا ایک گوشے میں لے گیا۔

اس کے بدن کے لمس نے میرے اعصاب پر خمار انگیز سرور طاری کر دیا تھا۔ میں تیزی کے ساتھ اس پر جھکتا چلا گیا۔

اگلے ہی لمحے وہ ہوش میں آگئی اور خود کو میری وحشیانہ گرفت میں پا کر تیزی سے اٹھنا چاہا لیکن میں نے اس کو اٹھنے نہیں دیا اور اس کے نرخرے کو اپنی انگلیوں کی گرفت میں لیتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "اگر تیرے منہ سے ذرا بھی آواز نکلی تو تیرا نرخرا دبا دوں گا اور تو بے عزت الگ ہو گی۔"

اس لڑکی کی نگاہوں میں رحم انگیز التجا سمٹ آئی۔ "مجھے چھوڑ دے میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی..... مجھے معاف کر دے۔"

"تو خوبصورت ہے اور تو اپنے نیم برہنہ لباس میں ہر ایک کو دعوت نظارہ دے رہی تھی۔" میں اپنے ہاتھوں سے ہولے ہولے اس کی مخروطی گردن مسلتے ہوئے بولا۔ "میں تجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر چھوڑ دوں گا بس مجھے چند لمحوں کی مسرت چاہئے۔"

میری توقع کے خلاف اس نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔

جب میں اپنی تفتیش مکمل کر کے کارل کے ہمراہ آرتھر کے دفتر پہنچا' تو اول درجے کے سارے مسافر بے چینی کے ساتھ باہر ٹہل رہے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر ان کے چہروں پر حیرت اور اطمینان کے ملے جلے آثار نظر آئے۔

"میرا کام پورا ہو گیا آرتھر! یہ خاتون اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہیں تمہارے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔" میں یہ کہتا ہوا دروازے سے ہی واپس لوٹ گیا۔

پلیٹ فارم پر طوسیہ میری منتظر تھی۔

"تو بڑا مکار ہو گیا ہے جبلی!" وہ میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ "لڑکیاں تیری کمزوری بنتی جا رہی ہیں۔"

"اس میں میرے ارادوں کا دخل نہیں ہے۔" میں ٹرین کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اندر کوئی بھوکا درندہ چھپا بیٹھا ہے' جو رہ رہ کر مجھے اپنی خوراک تلاش کرنے پر مجبور کرتا ہے اور میں لڑکیوں کی طرف مائل ہو جاتا ہوں۔"

"خیر یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "شیطان کے پجاریوں کے لئے ہر بدی روا ہے۔"

میں نے اس کی بات نظرانداز کر دی اور تیسرے درجے کے ایک ڈبے میں داخل ہو گیا۔

تمام نشستیں بھر چکی تھیں لیکن میری ہیئت دیکھ کر بیک وقت کئی افراد نے اپنی جگہیں خالی کر دیں اور میں طوسیہ کے ہمراہ کھڑکی کے قریب والی خالی سیٹ پر جا بیٹھا۔

سفر کا بیشتر حصہ خاموشی کے ساتھ ہی گزرا تقریباً سارے ہی مسافر کسی نہ کسی طرح مجھ سے بات کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مگر میں نے ایک دو کو اس بری طرح دھتکارا کہ پھر کسی کو بات چھیڑنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

ناسک سے اندور' ساگر اور کانپور ہوتا ہوا میں لکھنؤ پہنچا' ارادہ تو یہ تھا کہ بلا رکے سیدھا سیتا پور کی جانب بڑھ جاؤں گا مگر اسٹیشن پر مقامیوں کے جو ڈھنگ دیکھے تو رہا نہ گیا اور میں نے ایک آدھ دن اس شہر میں رکنے کا فیصلہ کر لیا۔

اسٹیشن سے باہر آنے کے بعد میں نے اس شہر میں زندگی کا ایک نیا انداز دیکھا' لوگوں کے لباس اور انداز گفتگو سے عجیب فطری نزاکت کا احساس ہوتا تھا چھوٹے چھوٹے چائے خانوں میں ستھرے ستھرے لوگ بے فکرانہ انداز میں شعر و شاعری اور حالات حاضرہ پر بحث میں مصروف تھے۔ کہیں کہیں بٹیروں کی پالیاں ہو رہی تھیں۔

میں طوسیہ کے ہمراہ یوں ہی بے مقصد چلا جا رہا تھا کہ اچانک ایک خوبصورت کتا دم ہلاتا نظر آیا اور میرے قدموں میں لوٹنے لگا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور میرے دل میں عقیدت کے جذبات امڈ آئے' وہ میرا آقا تھا۔

باہمی شناخت کے بعد وہ کتا ایک طرف چل دیا اور میں اپنے آقا کی تقلید کرنے لگا۔

ایک قدرے ویران چوراہے پر رک کر اس سفید کتے نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور میں اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا۔

"جا طوسیہ!" میں نے کہا۔ "ہمارے آقا کا حکم ہے کہ ہم وقتی طور پر جدا ہو جائیں' وہ مجھ سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے جہاں تیری موجودگی الجھنیں پیدا کر دے گی۔ تجھے اب سے تیسرے دن سیتا پور پہنچنا ہے' وہاں میں خود تجھے تلاش کر لوں گا۔"

طوسیہ نے مسکرا کر مجھے الوداع کہا اور ایک طرف ہو لی اور میں اپنے آقا کی رہنمائی میں ایک بار پھر کسی انجانی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

سرشام میں ایک ایسے علاقے میں داخل ہوا جہاں ڈھول کی تھاپ اور پائل کی جھنکار سنائی دے رہی تھی' لوگ اپنے حواریوں کے جھرمٹ میں آتے پورے بازار کی دکانوں سے فرشی سلام قبول کرتے آگے بڑھتے اور پھر کسی بالا خانے کے زینوں میں یوں روپوش ہو جاتے جیسے وہ انہی کوٹھوں کی سرپرستی کے لئے پیدا کئے گئے ہوں۔

اپنے آقا کے ہمراہ پورے علاقہ کا چکر لگانے کے بعد جب میں دوبارہ ایک گلی میں داخل ہوا تو فطری طور پر چوکنا ہو گیا' ادھر دوسری بار آنے کا مطلب یہ تھا کہ اس گلی کے قرب و جوار میں ہی کوئی معرکہ ہونے والا ہے۔

اس گلی میں چند قدم آگے بڑھنے کے بعد سفید کتے کے روپ میں موجود شیطان ایک دودھ والے کی دوکان کے سامنے رک کر زمین کو سونگھنے لگا۔

کئی لوگوں نے حیرت بھری نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ شاید اس بازار میں مجھ جیسے رشی کا نظر آنا ان کے لئے معمول کے خلاف تھا۔

وہ سفید کتا زمین کو سونگھتا ہوا ایک بارونق بالا خانے کے چوبی زینوں کی طرف گیا اور پھر دم ہلاتا ہوا دودھ والے کی دکان کی طرف واپس لوٹنے لگا۔

چڑھی ہوئی مونچھوں والا تنومند شیر فروش گرد و پیش سے بے خبر دکان میں موجود نوجوانوں سے گپ شپ میں مصروف تھا کہ شیطان نے آگے بڑھ کر آگ پر چڑھے ہوئے دودھ کے گرم گرم کڑھاؤ میں منہ ڈال دیا اور زبان سے آوازیں نکالتا دودھ پینے لگا۔

"مستی خاں! کتا تیرا دودھ پی رہا ہے۔" اچانک ایک پان والے نے گلی کے سامنے والی

قطار سے چیخ کر کہا۔ اور مستی خاں یوں اچھل پڑا جیسے کسی نے اس کے سینے میں نیزے کی انی اتار دی ہو۔

"ارے خانہ خراب کر دیا۔" مستی خاں نے کتے کو دیکھتے ہی اپنا سر پیٹ لیا۔ مگر شیطان اس کی تشویش سے بے پرواہ اپنے کام میں مصروف تھا۔

مستی خاں نے پھرتی کے ساتھ اپنا بالائی کاٹنے والا کڑچھا اٹھایا' اور شیطان کے اوپر پھینک مارا۔ شیطان نے اپنے حلق سے ایک مسکین سی آواز نکالی' اور نیچے دبک کر خود کو بچا گیا۔

ادھر مستی خاں غصے سے پاگل ہو چکا تھا' وہ ایک چھری ہاتھ میں دبائے اپنی گدی سے نیچے لپکا' شیطان نے صورت حال کا اندازہ لگاتے ہی فرار کی راہ اختیار کی اور اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا میری جانب آیا اور چوں چوں کی آوازیں نکالتا میرے قدموں میں لوٹنے لگا جیسے اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہو۔

مستی خاں پہلے تو کتے کا خاتمہ کرنے کے لئے لمبے پھل والی چھری سنبھالتا آیا تھا' اب جو اس نے کتے کو میرے قدموں میں لوٹتے دیکھا تو اس کا پارا اور بھی چڑھ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں ہی اس کتے کا مالک ہوں۔

"کیوں بے' یہ تیرے باپ کی دکان تھی جو اسے ناپاکی پھیلانے کے لئے کھلا چھوڑ دیا ہے؟" مستی خاں غیرارادی طور پر اپنی داہنی مونچھ کو چھوتے ہوئے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں دھاڑا۔

یہ صورت حال میرے لئے خاصی غیر متوقع تھی مگر میں نے کسی بھی کمزوری کا اظہار کئے بغیر کہا۔ "کھلی گلی میں دودھ رکھے گا تو کتے بلیاں تو کیا گدھے گھوڑے بھی اس کڑھاؤ کو جائیں گے۔"

میرا جواب سن کر مستی خاں آپے سے باہر ہو گیا اور ننگی گالیاں بکتا ہوا مجھ پر لپکا۔

"ابے چٹنی کر دوں گا تیری۔ سالے رامپور کا اصلی خاں ہوں تیری ساری پنڈتائی ابھی خاک کر دوں گا۔"

اس اثناء میں مستی خاں کا شور سن کر وہاں ایک اژدہام جمع ہو چکا تھا۔ اس میں سے کئی ایک نے لپک کر مستی خاں کو پکڑ لیا۔ ورنہ وہ میری آنتیں نکال دینے پر تلا ہوا تھا۔

"ارے خاں صاحب! بھگوان سے ڈرو۔ کیوں کسی رشی منت کے منہ آتے ہو!" مجمع میں سے کسی نے اونچی آواز میں مستی خاں کو سمجھانا چاہا۔

مستی خاں چند ثانیوں کے لئے مجھے بھول گیا اور مجمع کی طرف منہ کر کے سارے رشی مہنتوں سے اپنے ناجائز رشتوں کا اعلان کرنے لگا۔ "کاٹ کے رکھ دوں گا اس سالے کو' میں کسی فساد سے نہیں ڈرتا' سالا اسے ہندو مسلم فساد کا بہانہ بنانا چاہتا ہے۔ میرے جیسے صرف دو پورے لکھنؤ کو ہلا کر رکھ دیں گے' اسے نہیں دیکھتا کہ اپنے باپ کو کھلا چھوڑ رکھا ہے۔"

سب لوگوں کو سانپ سونگھ گیا۔ مگر مستی خاں لوگوں کی گرفت سے نکلنے کے لئے پورا زور کر رہا تھا۔

میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا اسے گھورتا رہا۔

"چھوڑ دو' چھوڑ دو مجھے!" مستی خاں چھری ہوا میں لہراتا ہوا کسی پاگل بھیڑیے کی طرح چیخا۔ لیکن وہ دس بارہ آدمی جونک کی طرح اس سے لپٹے رہے۔

اس وقت تک بالا خانوں سے ابھرنے والا رقص و آہنگ کا سارا شور اس ہنگامے میں ختم ہو چکا تھا۔ چپے والیوں' ان کے رکھوالوں' اور تماشائیوں کے ہجوم بالاخانوں کی کھڑکیوں پر آن آئے تھے۔

کوئی راہ نہ پا کر مستی خاں نے ایک مرتبہ پھر زور کیا اور خود سے لپٹے ہوئے آدمیوں میں سے ایک کے پہلو میں چھری گھونپ دی' وہ بری طرح چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ مستی خاں کو پکڑنے والوں سمیت سارا ہجوم جان کے خوف سے وہاں سے بری طرح دوڑ پڑا۔ اور وہ خون آلود چھری لہراتا ہوا میری طرف لپکا۔

میں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بلند کر کے ایک جھٹکا دیا اور یوں محسوس ہوا جیسے کسی نادیدہ قوت نے مستی خاں کی گردن دبوچ کر اسے فضا میں اٹھا لیا ہو۔

بوکھلاہٹ میں اس کے ہاتھ سے چھری نکل گئی اور بالا خانوں سے جھانکنے والوں نے دیکھا کہ غیض و غضب سے دھاڑتے مستی خاں کی بری طرح گھگھی بندھ گئی ہے۔

مستی خاں یوں زمین سے دس گیارہ فٹ اوپر اٹھتا چلا گیا اور پھر کسی بے ضرر کیچوے کی طرح نیچے پھینک دیا گیا۔

نہ جانے یہ دہشت تھی یا گرنے کے سبب اسے کوئی اندرونی چوٹ آئی تھی کہ وہ جس پہلو گرا اسی پہلو بے ہوش ہو گیا۔ میں نے حقارت سے اس کی کھوپڑی پر ٹھوکر ماری اور شیطان اس کا منہ چاٹتا ہوا آگے ہو لیا۔

مستی خاں کا یہ حشر دیکھ کر بھاگنے والے تیزی سے دوبارہ میرے گرد جمع ہونے لگے' ایک دو ہندو تو فرط عقیدت سے میرے قدموں میں آ گرے۔

جب میرے ہاتھ پیر چومنے والوں کی کثرت ہونے لگی تو شیطان نے مشتعل ہو کر زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا اور اس مصیبت سے میری جان چھوٹ گئی۔

ابھی میں آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک دبلا پتلا شخص بھیڑ کو چیرتا اور بری طرح ہانپتا میرے قریب آیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "سرکار کو اعلیٰ حضرت نواب بنے خاں نے سرلا بائی کے کوٹھے پر یاد فرمایا ہے۔"

میں اس بوکھلائے ہوئے عجوبے کو دھتکارنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک شیطان نے میرا لبادہ اپنے منہ میں پکڑ کر ایک طرف کھینچنا شروع کر دیا اور میں نے اس شخص سے کہا۔ "تم چلو ہم ابھی آتے ہیں۔"

"سرکار اعلیٰ حضرت کا مزاج بہت تیز ہے۔ اکیلا گیا تو خون پی جائیں گے۔" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا۔

شیطان بدستور میرا لبادہ کھینچے جا رہا تھا اور اب میں سمجھ چکا تھا کہ اس نے یہ سارا کھیل اسی لئے رچایا تھا کہ نواب بنے خاں تک رسائی حاصل کی جا سکے۔

میں اس شخص کے ہمراہ بڑھا تو چند آدمی مستی خان کو اٹھا کر اس کی دکان میں لے جا رہے تھے اور دس پندرہ آدمی اس کے ہاتھوں زخمی ہونے والے کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

سرلا بائی کا کوٹھا ایک عظیم الشان مکان تھا' میں دو صاف ستھری روشوں اور راہداریوں سے گزرتا ہوا بڑے کمرے میں پہنچا تو شراب و شباب کی مسحور کن بو سے فضا مہک رہی تھی' کمرے کی چھت سے قیمتی فانوس لٹک رہے تھے' فرش پر دبیز ایرانی قالین بچھا ہوا تھا جس پر مخمل کے تکئے کا سہارا لئے ایک تنومند اور بارعب شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پہلو میں ایک حسین و جمیل رقاصہ گھنگھرو باندھے' پھولوں اور زیورات سے لدی شراب کا پیمانہ تیار کر رہی تھی۔ قالین کے وسط میں دو نوخیز پھرتیلی اور خوش جمال لڑکیاں طبلے کے اشارے

کی منتظر کھڑی تھیں۔ سازندوں کے پہلو میں ادھیڑ عمر ڈیرے دارنی پاندان سجائے بڑے آسودہ انداز میں چھالیہ کتر رہی تھی اور اس سے قدرے فاصلے پر سات افراد سانس روکے سہمے سکڑے یوں بیٹھے ہوئے تھے جیسے ملک الموت ان کے سامنے کھڑا مہلت کی سانسیں گن رہا ہو' ہاں آٹھواں شخص خاصا مستعد تھا۔ اور اس کے بدن پر بھی کم و بیش وہی لباس تھا جو میں پہنے ہوئے تھا۔ بس اتنا فرق تھا کہ میری تمام مالائی پتھر کی تھیں اور وہ کئی کئی سیر وزنی سونے کی مالائیں پہنے ہوئے تھا۔

"آیئے سرکار... آیئے!" تومند اور بارعب شخص اپنے ساقی کا سہارا لے کر نوابی شان سے اٹھتا ہوا لڑکھڑاتے لہجے میں بولا۔ شراب کا ساغر اب بھی اس کے داہنے ہاتھ میں تھا۔

"تم میں بنے خاں کون ہے؟" گو میں سمجھ چکا تھا کہ اٹھنے والا ہی نواب بنے خاں ہے لیکن میں نے ان سب کو اپنی بے نیازی سے مرعوب کرنے کی خاطر سوال کیا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے کہ سرکار مجھ سے ناآشنا ہیں۔" وہ ساغر سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے ہنس کر بولا۔ "ورنہ لکھنؤ کی سڑکیں اور گلیاں بھی میرے قدم پہچانتی ہیں۔"

میں دل ہی دل میں اس کی ہرزہ سرائی پر ہنسا اور سنجیدگی سے بولا۔ "دنیا داروں کی اس محفل میں مجھے کیوں بلایا ہے بنے خاں!"

"میں جھروکے سے دیکھ رہا تھا۔ خود دیکھ رہا تھا کہ مستی خاں تمہارے اشارے پر ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا' میں نے بھی ایک رشی پر بھروسہ کیا تھا' وہ مٹی کی روشن ہانڈیاں تو اڑا سکتا ہے مگر تم جیسا کوئی کمال وہ میری فرمائش پر بھی نہ دکھا سکا۔" بنے خاں ہچکیاں لیتا رک رک کر کہہ رہا تھا۔ "مجھے خوشی ہو گی سرکار! اگر تم دو چار دن میرے مہمان رہو۔"

میں نے بولنا چاہا۔ لیکن اچانک یوں محسوس ہوا جیسے میری زبان تالو سے چپک کر رہ گئی ہو۔ اور شیطان سونے کی مالاؤں والے کی طرف منہ کر کے زور زور سے بھونکنے لگا۔

میں نے کئی بار اپنی زبان کو جنبش دینے کی کوشش کی لیکن یہ میرے لئے ممکن نہ ہو سکا' ادھر شیطان بھونکتا ہوا اس طلائی مالاؤں والے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور وہ ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لئے اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس بالا خانے پر سراسیمگی پھیل چکی تھی اور سب لوگ دوڑ دوڑ کر بنے خاں کے گرد سمٹ آئے تھے۔

میں نے غضب ناک نگاہوں سے اس دوسرے رشی کی جانب دیکھا اور پوری قوت سے

اپنا بایاں پیر فرش پر مارا' وہ بے خیالی کے باعث اس پراسرار جھٹکے سے نہ سنبھل سکا اور منہ کے بل فرش پر آ رہا' اس کے حلق سے آزاد ہونے والی تیز غراہٹ کے ساتھ ہی میری قوت گویائی بحال ہو گئی۔

وہ فرش سے طیش کے عالم میں اٹھا تو اس کے دہانے سے خون جاری تھا اور اب شیطان بھی خاموش ہو چکا تھا۔

وہ مجھے کینہ توز نظروں سے گھورتا رہا۔ مگر میں فراخدلانہ مسکراہٹ کے ساتھ بنے خاں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "پہلے رہتا نہ رہتا۔ مگر اب ضرور تمہارا مہمان رہوں گا بنے خاں!"

"مگر تم نے اس پر کیا عمل کیا تھا؟" بنے خاں اضطراری کیفیت میں خالی ساغر منہ سے لگاتے ہوئے بولا۔ "یہ کھڑے کھڑے کیسے گر گیا؟"

"یہ آپس کی باتیں ہیں۔" میں بے نیازی کے ساتھ بولا۔ "تمہارا پنڈت کرشن کمار میرا پرانا دوست ہے' ہماری یہ نوک جھونک چلتی ہی رہتی ہے۔"

"خوب! تو تم اس کے نام سے بھی واقف ہو!" بنے خاں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے خالی ساغر دور اچھال دیا۔ "یہ اچھا ہی ہوا --- اب تم دونوں مل کر شاید کچھ کر سکو۔"

کرشن کمار نے ایک بار پھر مجھ کو گھورا اور اپنے دہانے سے خون صاف کرنے لگا۔

"یہ سارا عالم کھڑا کیوں ہے بائی جی!" بنے خاں نے اپنے بائیں پہلو سے لگی ہوئی رقاصہ کے رخسار کو چھوتے ہوئے کہا۔ "سازوں کو جگا دو تاکہ زندگی گردش میں آ سکے' جب تمہارے قدم رکتے ہیں تو زندگی تھم جاتی ہے' پائل اور طبلوں کا شور نہ ہو تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرے گرد قبر کا سکوت چھاتا جا رہا ہے ناچو اور دل کھول کر ناچو۔"

یک بیک طبلے چیخ اٹھے سرلا بائی کے ہمراہ ان دونوں نوخیز رقاصاؤں کے قدم بھی مچلے اور میں بنے خاں کے برابر میں جا بیٹھا۔ شیطان میرے پیچھے دیوار کے سہارے بیٹھ گیا۔

صرف سرلا بائی ہی نہیں اس کی ہمراہی لڑکیاں بھی سازوں کے زیر و بم پر اپنے کساؤ دار جسموں کے نشیب و فراز کو فنکارانہ چابک دستی سے تھرکاتی اور قدموں کو سرکاتی ناچ رہی تھیں مگر میں پوری طرح اس راگ و رنگ میں ہی نہیں کھویا ہوا تھا' میں نے اپنے حریف پنڈت کرشن کمار پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی' جو طیش اور جھلاہٹ کے عالم میں مسلسل میری

ہی جانب گھورے جا رہا تھا۔

میں جس طرح غیر متوقع طور پر کرشن کمار سے آ ٹکرایا تھا اس کے پیش نظر اب پورے معاملے کی اہمیت مجھ پر واضح ہو چکی تھی اور مجھے ہر لمحے اس کی جانب سے کسی جوابی کارروائی کا اندیشہ تھا۔

اب تک کے حالات سے صاف ظاہر تھا کہ نواب بنے خاں پر کرشن کمار کی گرفت بہت مضبوط ہے مگر مجھ سے پہلے ہی ٹکراؤ میں کرشن کمار کو بھرے کوٹھے پر منہ کی کھانی پڑی تھی اور وہ یقینی طور پر اس خفت کا حساب چکانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

نواب بنے خاں کے فیاضانہ انعامات کی بارش میں رقص جاری رہا سرلا بائی والہانہ انداز میں اس کے گرد چکر لگاتی اپنی اداؤں کا خراج وصول کرتی رہی مگر اس کے قدم نہ رکے۔

آدھی رات کے قریب نواب صاحب نے ایک انگڑائی لی اور نشے سے بھرائی ہوئی آواز میں فیصلہ صادر کیا۔ "سرلا بائی! تم ٹیڑھی میڑھی ناچ رہی ہو۔"

"ہاں نواب صاحب! فرش کچھ اونچا نیچا ہو گیا ہے۔" وہ ایک ثانئے کیلئے رک کر گہری سنجیدگی کے ساتھ بولی۔

"کیا ان سب نے بھنگ پی ہوئی ہی سرکار!" بنے خاں نے میری ران پر ہاتھ مار کر پوچھا۔ "ان کے چہروں پر نحوست سی چھاتی جا رہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے حواریوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

صحیح معنوں میں اس وقت شراب اس پر اپنا گہرا رنگ جما چکی تھی' لہٰذا میں نے کرشن کمار کی بے چارگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے بنے خاں سے کہا۔ "کرشن کمار کو باہر نکال دو بنے خاں! وہ تین بار سب کو بھنگ پلا چکا ہے۔"

"کرشن کمار! تم باز نہیں آئے اپنی حرکتوں سے!" بنے خاں سازوں کے شور پر حاوی آواز میں بولا۔ "جاؤ ہماری سواری کا انتظام کرو۔ سرلا بائی! تم بھی رک جاؤ! تمہارے قدم بہک رہے ہیں اور سازندے بھی شاید اونگھ چلے ہیں۔"

طبلوں پر آخری تھاپ پڑی اور چند ثانیوں کے لئے بالا خانے پر سکوت چھا گیا۔ کرشن کمار خونخوار نظروں سے مجھے گھورتا باہر نکلا چلا گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر سخت بیزاری کے آثار تھے۔

"تخلیہ!" بنے خاں نے شاہانہ انداز میں انگشت شہادت اٹھا کر کہا اور ساری بھیڑ فوراً ہی چھٹ گئی اب اس بڑے کمرے میں صرف ہم دونوں رہ گئے تھے یا سفید کتے کے روپ میں شیطان موجود تھا۔

"میں بہت اداس ہوں سرکار!" بنے خاں گہرے نشے کے باوجود مجھ سے احترام سے گفتگو کر رہا تھا۔ "میری آمدنی کم رہ گئی ہے' ساری جاگیریں گروی پڑی ہیں' بس میرا ہی دل جانتا ہے کہ کس طرح سرلابائی کے ناز اٹھا رہا ہوں۔۔۔" وہ ہچکیوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ "کرشن کمار کیمیا کی تلاش میں ہے اور بری طرح مجھے لوٹ رہا ہے۔ مگر میں کسی اچھی خبر کے انتظار میں اسے برداشت کر رہا ہوں۔ جس دن سے کرشن کمار میری حویلی میں آیا ہے میری اکلوتی لڑکی بیمار پڑ گئی ہے' اگر وہ کرشن کمار کے زیر علاج نہ ہوتی تو میں کبھی کا اسے نکال چکا ہوتا۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری لڑکی کا علاج میں کروں گا بنے خاں! ویسے تم کرشن کمار کو بھی پالے رہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" میں نے فوراً ہی اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"اسے تو رکھنا ہی پڑے گا!" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "وہ ہانڈیاں اتار کر جسے چاہے برباد کر سکتا ہے' مجھے ڈر ہے کہ وہ نکالے جانے پر انتقام پر نہ تل جائے۔"

اس مرحلے پر میں نے خاموشی ہی بہتر سمجھی' اپنی زبان سے کچھ کہنے کے بجائے یہ زیادہ بہتر تھا کہ میں اپنے حربوں سے کرشن کمار کو اس کی نظروں میں بے وقعت اور کمزور بنا کر رکھ دوں۔

"میری جاگیروں کا کیا بنے گا سرکار!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بنے خاں نے اداس لہجے میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا بنے خاں!" میں پر اعتماد لہجے میں بولا۔ "میں لوہے پر پیشاب کر دوں تو اسے سونا بنا دوں۔۔۔۔ تم پیسے کی فکر نہ کرو۔ ہاں تمہاری لڑکی کا قصہ ذرا ٹیڑھا ہے۔"

"کون سی لڑکی؟" بنے خاں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی جو بیمار ہے۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔

وہ ہنس پڑا۔ "مذاق نہ کرو سرکار! میں نے تو آج تک شادی ہی نہیں کی ہے۔"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس وقت بنے خاں کی ذہنی حالت غیر یقینی تھی

اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس کی صداقت کو پرکھنا ناممکن تھا اس لئے اس کی سننے ہی میں عافیت تھی۔

چند ہی منٹ بعد کرشن کمار نے سواری تیار ہونے کی خبر لا کر میری مشکل آسان کر دی۔

بنے خاں نے اٹھتے اٹھتے اپنے ہاتھ سے ایک بیش قیمت انگوٹھی اتار کر میری طرف بڑھا دی۔ "یہ لو سرکار! اسے دکھا کر تم جب چاہو سیتا پور میری حویلی میں آ سکتے ہو۔"

میں نے تذبذب کے عالم میں وہ انگوٹھی لے لی' مجھے حیرت تھی کہ اس نے ذرا ہی دیر قبل مجھے اپنا مہمان ہونے کی دعوت دی تھی' اب یوں کھلی دعوت دے کر واپس جا رہا تھا۔

اسی وقت کرشن کمار موقع پا کر میرے قریب آیا اور زہریلی آواز میں بولا۔ "سیتا پور کا رخ بھی کیا تو ناکوں چنے چبوا دوں گا۔ میں تجھے اچھی طرح پہچان چکا ہوں۔۔ ہانڈیوں سے بچنا کوئی کمال نہیں تھا مگر اب میرا وار ذرا کاری ہو گا۔"

اس سے پہلے کہ میں اس کی بات کا کوئی جواب دیتا وہ تیزی کے ساتھ واپس ہو لیا۔

میں نواب بنے خاں کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں طے کرتا نیچے گلی میں آیا جہاں ایک جگمگاتے ہوئے آرام دہ تانگے کے عقب میں کئی اور تانگے تیار کھڑے تھے' بنے خاں نے اگلے تانگے میں سوار ہو کر بھونڈے انداز میں مجھے الوداع کہا' اور یہ کارواں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

جب یہ جلوس گلی کے نکڑ سے گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں واپس زینوں کی طرف پلٹا' اس اثناء میں شیطان نہ جانے کہاں روپوش ہو چکا تھا۔

سرلا بائی کے کوٹھے پر حیرت اور احترام کے ساتھ میرا استقبال کیا گیا۔ اور ڈیرے دارنی بنے خانے کے دیئے ہوئے انعامات کا تخمینہ لگاتے لگاتے اٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے جھک گئی' سرلا بائی اور دوسری دونوں رقاصاؤں نے بھی مجھے اسی طرح تعظیم دی۔ اور میں ڈیرے دارنی کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔

"سرلا بائی کی ایک رات کی کتنی قیمت ہے بائی جی!؟" میں نے تحکم آمیز لہجے میں پوچھا۔

بیک وقت کئی حیرت زدہ نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں' شاید ان میں سے کسی کو یہ

امید نہیں تھی کہ کوئی منت یا رشی طوائف کے کوٹھے پر آ کر یوں کھلے بندوں جسموں کا مول تول کر سکتا ہے۔

چند ثانیوں میں ہی اس نائیکہ کو اندازہ ہو گیا کہ میں کافی حد تک سنجیدہ ہوں تو اس کا چہرہ اتر گیا اور وہ مردہ سی آواز میں بولی۔ "یہ ہیرا تو بے مول ہے مہاراج۔۔۔ میں نے اسے بڑھاپے کے لئے بڑے ارمانوں سے پالا ہے' نواب بنے خاں کے صدقے کہ وہ اسے دو سو روپے ماہانہ گزارہ دیتے ہیں اور انعام و اکرام کی بارش اس کے علاوہ ہے....!؟"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔" میں ڈپٹ کر بولا۔

"مہاراج!" وہ کانپتی ہوئی میرے قدموں میں آ گری۔ "ہم وضعدار لوگ ہیں' ہمارا کاروبار ہی بھروسہ پر چلتا ہے' جب تک میری لڑکی بنے خاں کے گزارے پر ہے اور ان سے ان بن نہیں ہوتی کوئی غیر مرد اس کوٹھے پر نہیں آ سکتا' میری بچی اس کوٹھے ہی کی نہیں بنے خاں کی بھی عزت ہے۔"

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ سرلا بائی روتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

"ڈھکوسلے بازی نہ کر بڑھیا!" میں نے اسے پرے دھکیل دیا۔ "طوائف اور کوٹھے کی عزت صرف دولت ہوتی ہے' وہ تیری لڑکی کو مہینے کے دو سو دیتا ہے' میں ایک رات کے چار سو دوں گا۔"

میری اس پیشکش کا بڑھیا پر کوئی اثر نہ ہوا' اور وہ اپنے آنسو پیتی ہوئی مضبوط لہجے میں بولی۔ "یہ نہیں ہو سکتا مہاراج۔ وہ رو رو کر مر جائے گی لیکن بنے خاں سے دغا نہیں کرے گی' اگر ایک بار یہ کوٹھا بدنام ہو گیا تو شرفا کبھی ادھر کا رخ نہ کریں گے اور مجھے ہر رات اپنی لڑکی کے لئے ایک نیا گاہک ڈھونڈھنا پڑے گا..... اس بازار میں ایسے بھی کوٹھے ہیں جہاں چند کوڑیوں کے مول تمہیں جوان چھوکریاں مل جائیں گی' بھگوان کے لئے مجھ پر رحم کرو....!"

میں نے طیش میں آ کر اسے دھکا دیا اور تیزی کے ساتھ اس دروازے میں داخل ہو گیا جس میں گھس کر سرلا بائی میری نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔

راہداری کے دوسرے ہی کمرے میں مجھے سرلا بائی نظر آ گئی وہ اپنا منہ تکئے میں چھپائے اوندھی لیٹی بری طرح رو رہی تھی۔ میں کسی عیار چیتے کی طرح دبے قدموں آگے بڑھا اور

بستر پر ہی اسے دبوچ لیا۔

سرلا بائی کے حلق سے خوفزدہ سی چیخ نکلی اور اسی وقت نائیکہ بھی میرے تعاقب میں وہاں آ پہنچی۔ "بھگوان کے قہر سے ڈرو مہاراج! یہ کیسا اندھیر ہے کہ جس کوٹھے پر ایروں غیروں کا گزرنا محال تھا آج وہاں ایک مہنت میری بچی کی آبرو لوٹنے گھس آیا ہے۔"

میں نے طیش میں آ کر بڑھیا کے سینے پر لات ماری اور وہ ایک تیز ہچکی لے کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گئی' پتہ نہیں وہ مرگئی تھی یا صرف بے ہوش ہی ہوئی تھی۔

"اماں! ہمیں بچالو.... ہم بنے خاں کو کیا منہ دکھائیں گے....!" سرلا بائی میری بے رحمانہ گرفت میں بلک بلک کر بری طرح مچلنے لگی تھی مگر اس کی ماں خاموشی کے ساتھ فرش پر بے حس و حرکت پڑی رہی' نائیکہ کے ساتھ آنے والے سازندے بڑھیا کا حشر دیکھ کر اپنی جان کے خوف سے بھاگ چکے تھے۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی اور تڑپتی رہی ذرا ہی دیر میں اس کی خوبصورت آنکھیں متورم ہو گئیں مگر مجھ پر جنون طاری ہو چکا تھا' میں نے اپنے دانتوں اور سخت انگلیوں سے اس کا بدن بری طرح ادھیڑ ڈالا۔

اور عین اس وقت جب میں اس طوائف زادی کو پوری طرح بے دست و پا کر چکا تھا' راہداری میں کئی قدموں کی دھمک گونج اٹھی اور پھر کھلے ہوئے دروازے سے نابکار کرشن کمار کی زہریلی آواز سنائی دی۔

"دیکھ لیجئے نواب حضور۔۔! یہ مجھے صورت ہی سے بدطینت لگتا تھا.... یہاں سے جاتے جاتے میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔۔۔۔ اب تو آپ نے خود دیکھ لیا کہ یہ رشی کے روپ میں شیطان ہے۔"

"چھوڑ دے سرلا بائی کو۔" اچانک نواب بنے خاں کی گمبھیر اور تند آواز ابھری۔

میں نے سرلا بائی پر اپنی گرفت کمزور کئے بغیر پلٹ کر قہربار نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا' نواب بنے خاں کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا' اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں میں ولایتی طمنچہ دبا ہوا تھا جس کی نال میری ہی جانب اٹھی ہوئی تھی۔

اس وقت' مجھ پر طمنچے نے اثر ڈالا' اور نہ بنے خاں کے تیوروں نے۔ اور میں

لاپرواہیانہ انداز میں سرلا بائی پر آخری وار کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

معاً ایک زبردست دھماکا ہوا' میرے نیچے دبی ہوئی سرلا بائی دردناک آواز میں چیخ کر اچھلی اور مجھ سے دور جا رہی۔ بنے خاں کا نشانہ خطا گیا تھا اور سرلا بائی کی داہنی ران میں گولی پیوست ہو چکی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر بنے خاں پر جنون کا عالم طاری ہو گیا' اس نے یکے بعد دیگرے چار اور فائر کئے' مگر ساری گولیاں میرے بدن سے ٹکرا ٹکرا کر موم کے ٹکڑوں کی طرح نیچے گر گئیں۔

بنے خاں کے لئے طمنچے کی گولیوں کا یہ حشر حیرتناک تھا۔ اس نے حیرت زدہ نظروں سے اس کی دھواں اگلتی ہوئی نال کی طرف دیکھا اور پھر خوفزدہ انداز میں مڑ کر کرشن کمار سے بولا۔ "مردود! تو میرا منہ کیا تک رہا ہے تیری سنتیاں کہاں سو رہی ہیں؟"

میں بڑھ کر ایک بار پھر تکلیف سے تڑپتی ہوئی سرلائی بائی کی طرف بڑھا اور اسے اپنی بانہوں میں بھینچ کر آخری بار اس کے بوسے لئے اور واپس دوڑ پڑا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ دھماکوں کا شور پورے علاقے کو اپنی طرف متوجہ کر چکا ہو گا اور اب ذرا ہی دیر میں پولیس پہنچنے والی ہو گی جبکہ پولیس وغیرہ کی الجھن میں پڑنا میرے لئے مناسب نہیں تھا۔

مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر بنے خاں اپنے حواریوں سمیت چیختا ہوا راہداری میں بھاگا' مگر میں ان سب کو دھکیلتا زینہ طے کر کے گلی میں آتر آیا۔

گلی میں مختلف سمتوں سے لوگ دوڑتے ہوئے سرلابائی کے کوٹھے کی طرف آ رہے تھے' میں نے ایک جگہ رک کر بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ "اوپر کی خبر لو۔ نواب بنے خاں سرلا بائی کو مار ڈالنے کے درپے ہے۔"

یہ سنتے ہی لوگ کوٹھے کی طرف روانہ ہو گئے۔

میں اپنا لبادہ کوٹھے سے ساتھ لانا نہ بھولا تھا' اندھیرے اور بدلی ہوئی آواز کے سبب شاید کوئی مجھے نہ پہچان سکا تھا مجھے پورا پورا یقین تھا کہ اب میں محفوظ ہو چکا ہوں بنے خاں کے لئے پولیس سے اپنی جان بچانا محال تھا بلکہ عین ممکن تھا کہ وہ اپنی گلوخلاصی کے لئے رشوت وغیرہ سے کام لے کر پولیس کو اس معاملے سے الگ ہی کر دیتا۔

میرے لئے اب لکھنؤ میں رکنا بے سود تھا' میں رات کی گاڑی سے ہی سیتا پور روانہ ہو

گیا۔

دوسرے روز سیتا پور پہنچا تو نواب بنے خاں کی حویلی کے ایک ملازم کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔

سیتا پور پہنچنے کے فوراً ہی بعد میں نے اپنا حلیہ کسی مجذوب کا سا بنا لیا تھا اور اپنی اسی وضع قطع کے سہارے میں حویلی کے نکڑ پر واقع ایک میدان میں جا بیٹھا اور اوٹ پٹانگ حرکتیں شروع کر دیں۔

مجھے وہاں دیکھ کر کچھ لوگ عقیدت و احترام کے ساتھ میرے پاس آئے اور اپنی پریشانیوں کے لئے میری ذات کا سہارا لینا چاہا۔ لیکن میں نے یہ معلوم ہوتے ہی کہ ان کا بنے خاں کی حویلی سے کوئی تعلق نہیں ہے انہیں اپنے پاس سے بھگا دیا۔

شام کے وقت بنے خاں کا ایک مالی میرے پاس آیا' وہ خاصا ضعیف شخص تھا اور اپنی سب سے بڑی جوان لڑکی کی جانب سے فکر مند تھا' جو روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ مالی کا کہنا تھا کہ بنے خاں اس کی لڑکی کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتا تھا' گو وہ لڑکی رسوئی کے اوپری کاموں پر مامور تھی لیکن اس کا بیشتر وقت بنے خاں کی بیوی کے ساتھ گزرتا تھا' جو حویلی میں بڑی بیگم کے نام سے مشہور تھی۔ جب کرشن کمار نے لڑکی کو دیکھا تو اس پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں شروع کر دیں لڑکی کسی نہ کسی طرح خود کو بچاتی رہی لیکن ایک روز کرشن کمار نے مالی کو موجود نہ پا کر جھونپڑی ہی میں لڑکی کو آ لیا' لڑکی نے شور مچانے کی دھمکی دے کر اپنی عزت تو بچا لی۔ لیکن کرشن کمار جاتے جاتے یہ دھمکی دے گیا کہ وہ جس حسن پر ناز کرتی ہے' اپنی پراسرار قوتوں کے سہارے اسے گہنا دے گا۔

اور ہوا بھی یہی۔ تیسرے روز لڑکی کو تشنج کا شدید دورہ پڑا اور وہ چیختے چیختے بیہوش ہو گئی اس کے بعد سے ہر ہفتے یہ دورے پڑنے لگے' مالی نے جھاڑ پھونک کے کئی علاج کرا ڈالے لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا اور کرشن کمار تو اس موضوع پر بات کرنے کو ہی تیار نہ تھا۔

"کرشن کمار کیا اس حویلی میں تنہا رہتا ہے؟" میں نے بارعب لہجے میں مالی سے پوچھا۔

"نہیں مہاراج! وہ تو حویلی میں کبھی کبھار ہی نظر آتا ہے۔" مالی ہاتھ جوڑ کر بولا۔ پھر یک بیک اس کا لہجہ رازدارانہ ہو گیا۔ "سنتے ہیں کہ حویلی کے پیچھے ایک ویران تہ خانہ ہے' وہ زیادہ تر وہیں رہتا ہے' نواب صاحب بھی اس سے ملنے وہیں جاتے ہیں' ان پر اس

بدمعاش کی پوری گرفت ہے' وہ اپنے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی بھی لایا تھا اور آج وہ اس حویلی میں بیگم بنی بیٹھی ہے۔"

یہ انکشاف میرے لئے غیر متوقع تھا' مجھے یہ امید بھی نہیں تھی کہ کرشن کمار نے اپنی محبوبہ کو کسی دوسرے کے حوالے کر دیا ہو گا' اس مرحلے پر ایک اور شبہ نے میرے ذہن میں سر ابھارا۔ اگر بنے خاں اتنا ہی ہوس پرست تھا کہ کرشن کمار کی محبوبہ پر ہاتھ ڈال دیا تو آخر حویلی کے قدیم مالی نے اپنی لڑکی کے بارے میں اس پر اعتماد کیسے کر لیا؟ یہ تو مالی خود ہی کہہ چکا تھا کہ بنے خاں اس کی لڑکی کو بہت زیادہ عزیز رکھتا ہے۔

"تو جھوٹ کیوں بولتا ہے بڈھے! کیا یہ ٹھیک نہیں ہے کہ تو اپنی لڑکی کو چارہ بنا کر نواب کی دولت سمیٹنے کے خواب دیکھتا رہا ہے۔" میں غصیلی آواز میں بولا۔

ایک ثانیے کے لئے مالی کی آنکھوں میں حیرت اور خوف کے آثار اڈ آئے اس کے ہونٹوں کے گوشے کانپے اور وہ لرزتی آواز میں بولا۔ "سچ ہے مہاراج تم سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے' مگر یہ غلط ہے کہ میں نے اپنی لڑکی کو چارہ بنایا تھا۔"

"میں ایک ایک لفظ سچ سننا چاہتا ہوں' ورنہ تیری بدکار لڑکی پر یہ رات گزارنی مشکل ہو جائے گی اور تو بھی زندہ نہ بچ پائے گا۔" میں مکا لہرا کر غرایا۔

"یہ اس حویلی کا بہت بڑا راز ہے مہاراج!" وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا کر لرزتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "نواب صاحب عورتوں کے لئے بالکل بے ضرر ہیں' یہ راز مجھے اس دن معلوم ہوا جب وہ اپنی خوابگاہ کے چور راستے سے حویلی کے عقبی تہ خانے میں لے گئے۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ وہ تہ خانہ ویران پڑا ہوا ہے لیکن نواب صاحب نے اسے بڑی اچھی طرح سجا بنا کر رکھا ہوا ہے' تہ خانے میں پہنچتے ہی جب انہوں نے لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کی تو وہ بری طرح گھبرا گئی' کیونکہ نواب صاحب ہمیشہ اسے بیٹی کہتے رہے تھے' پھر انہوں نے میری بیٹی شکلا کو پکڑنا چاہا' وہ ہرنی کی طرح تہ خانہ میں دوڑتی رہی اس وقت نواب صاحب بری طرح ہانپ رہے تھے' اور ان کی آواز میں عجیب سے بھراہٹ پیدا ہو گئی تھی' انہوں نے شکلا کے بدن سے ایک ایک کپڑا نوچ ڈالا اور جب وہ تھک کر رونے لگی تو نواب صاحب نے اپنے بھی کپڑے اتار دیئے اور اس کی فریاد پر کان دھرے بغیر اسے اپنی پشت پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ وہ پہلے تو اسے نواب صاحب کی چال سمجھی لیکن جب وہ چاروں ہاتھ

پیروں پر کسی چوپائے کی طرح اس کے گرد ناچنے اور اس کا بدن سونگھنے لگے تو وہ ڈرتے ڈرتے انکی کمر پر چڑھ گئی۔ تم یقین کرو مہاراج کہ نواب صاحب اسے کمر پر سوار کئے کسی پلے کی طرح چوں چوں کرتے پورے تہہ خانے میں قالین پر کافی دیر تک چکراتے رہے' پھر انہوں نے ایک تیز جھرجھری لی' شکلا کو کمر سے اتارا اور قالین پر آنکھیں موندھ کر اوندھے لیٹ گئے اور گہرے گہرے سانس لینے لگے۔ شکلا سمجھی کہ نواب صاحب مرنے والے ہیں اور اب یہ ساری ذمہ داری اسی پر آئے گی' وہ اپنے مقدر کو کوستی رو رو کر انہیں سنبھالنے لگی' تھوڑی دیر بعد نواب صاحب کے حواس بحال ہوئے تو وہ شکلا سے جھینپنے لگے اور ایک قیمتی ہار دے کر التجا کی کہ نہ حویلی میں کسی سے اس قصے کا تذکرہ نہ کرے۔ اس کے بعد اکثر یہ ہوتا کہ شکلا نواب صاحب کے کمرے میں کئی کئی گھنٹے گھسی رہتی اور کسی کو شبہ تک نہ ہوتا کہ وہ تہہ خانے میں جاتی یا کوئی شرمناک کھیل کھیلتی ہے۔ ایک دن اس کے کپڑوں کے صندوق سے اتفاقاً نواب صاحب کے دیئے ہوئے کئی قیمتی زیورات میرے ہاتھ لگ گئے' میں نے اسے کوٹھری میں بند کر کے بری طرح مارا تو اس نے ڈرتے ڈرتے پوری کہانی سنا ڈالی' اس نے کہا کہ مجھے محنت کرتے دیکھ کر وہ ہر وقت کڑھتی رہی ہے اور اگر عزت خراب کرائے بغیر دولت ہاتھ آتی ہے تو کیا برائی ہے۔ مجھے اس کہانی پر بالکل یقین نہ آیا۔ اس پر اگلے روز اس نے نواب صاحب کی لاعلمی میں مجھے تہہ خانے میں چھپا دیا اور میں نے اپنی آنکھوں سے وہی سب کچھ دیکھا جو میں شکلا سے سن چکا تھا۔ بس مہاراج میری آنکھوں پر ہوس کا پردہ پڑ گیا اور میں تھوڑے ہی عرصے میں لکھ پتی بننے کے خواب دیکھنے لگا اور شکلا میری اجازت سے نواب صاحب کے ساتھ تہہ خانے میں جاتی رہی' مگر مقدر کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہیں۔ ایک روز کرشن کمار شرمیلی نام کی لڑکی کے ساتھ یہاں آ پہنچا' چند ہی دنوں میں اسے تہہ خانے کا راز معلوم ہو گیا' پہلے اس نے شکلا کو نواب صاحب سے دور رہنے کا حکم دیا پھر دو بار مجھے دھمکیاں دیں اور آخری دھمکی کے تیسرے ہی روز شکلا پر وہ دورہ پڑا۔ کرشن کمار نے حویلی میں اڑا دیا کہ شکلا کو چھوت کی بیماری ہے' پہلے دورے سے سنبھلنے کے بعد شکلا حویلی میں گئی تو نواب صاحب نے چھوت کے ڈر سے اسے دور ہی سے دھتکار دیا' پھر شکلا کو آئے دن دورے پڑنے لگے۔ چند ہی مہینے بعد شرمیلی نواب صاحب کی بڑی بیگم بن گئی۔ کرشن کمار نے نواب صاحب کو بری طرح اپنے جال میں جکڑ لیا ہے۔ وہ

ایک روز نواب صاحب کو اپنے راستے سے ہٹا کر پوری جاگیر کا مالک بن جائے گا اور بڑی بیگم کو بھی ہتھیا لے گا' میں نے خود دیکھا ہے مہاراج کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے چوری چھپے پریم کرتے ہیں۔ میں ہر وقت کرشن کمار کی ٹوہ میں رہتا ہوں' کئی بار سوچا بھی کہ شرمیلی اور کرشن کمار کا راز نواب صاحب پر افشا کر دوں لیکن ہمت نہ پڑی۔ میں جانتا ہوں کہ کرشن کمار ان پر جادو کر چکا ہے' وہ میری ایک نہ سنیں گے اور بے عزتی کر کے گھر سے نکال دیں گے۔"

یہ کہانی بڑی سنسنی خیز تھی' مالی کے چہرے کا اتار چڑھاؤ اور لہجہ ایک ایک لفظ کی صداقت کا اظہار کر رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ شیطانی تعلیمات کا حامل بننے کی بہترین صلاحیتیں کرشن کمار سے زیادہ بنے خاں میں ہیں۔ جو شخص کسی لڑکی کو بیٹی کہہ کر اس کے ساتھ ایسا شرمناک اور گھناؤنا تعلق قائم کر سکتا ہے' اس سے بڑھ کر شیطانی وجود بھلا کون ہو سکتا ہے۔

"ہر گناہ کا ایک روپ ہوتا ہے۔" میں چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا۔ "یہ روپ ہم جیسوں کو ہی نظر آ سکتے ہیں' جب تک میں اس تہہ خانے کا راستہ نہ دیکھ لوں تیری لڑکی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔" یہ بات کہتے ہوئے مجھے یقین تھا کہ میں کچھ دیر شکلا کے ساتھ رنگ رلیاں منا سکوں گا۔

اور ہوا بھی یہی۔ مالی بولا۔ "میں ایک ہی بار تہہ خانے میں گیا ہوں' بس شکلا ہی تمہیں وہاں لے جا سکتی ہے۔ مگر آج کل اس کا حویلی میں آنا منع ہے اور کل دوپہر تو نواب صاحب خود بھی واپس آ رہے ہیں۔"

"یہ میرا کام ہے۔ تو کل صبح کی تیاری کر لے' میں خود ہی حویلی میں آؤں گا۔" میں اٹل لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے مہاراج! میں دروازے پر ہی رہوں گا۔" وہ اشتباہ آمیز لہجے میں بولا۔

"بس اب جا' مگر یہ یاد رہے کہ اندر آگ ہی کیوں نہ لگے تجھے باہر رکنا ہے۔"

"میں دروازے سے ہلوں گا بھی نہیں مہاراج!" یہ کہتے ہوئے اس نے میرے قدموں کے بوسے لئے اور واپس چلا گیا۔

جب وہ غائب ہو گیا تو میں بھی وہاں سے چل دیا۔

وہ رات میں نے ایک بستی کے عقبی میدان میں گزاری اور سورج طلوع ہونے سے بہت پہلے نواب بنے خاں کی حویلی کی طرف چل دیا۔ تاکہ اپنے منصوبے پر عمل کر سکوں۔

حویلی کے قریب پہنچتے ہی مجھے اطمینان ہو گیا کہ سارا کام حسب منشا ہو رہا ہے' حویلی سے چیخ و پکار کا ایک ہنگامہ سنائی دے رہا تھا۔جوں ہی میں پھاٹک کے سامنے آیا۔ "مالی دوڑتا ہوا میری جانب آیا اور جلدی جلدی بولا۔ "مہاراج! اس وقت اندر جانا خطرناک ہے' نہ جانے کہاں سے سفید رنگ کا ایک پاگل کتا اندر گھس آیا ہے' دو تین پنڈلیاں نوچ ڈالی ہیں' سب لوگ لاٹھی ڈنڈے لئے اس کا پیچھا کر رہے ہیں' مگر وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ!"

میں نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ تھاما اور تیزی کے ساتھ پھاٹک کی طرف بڑھا۔

ہم دونوں کے اندر گھستے ہی جھاڑیوں کے کنج سے ایک لڑکی تیر کی طرح ہماری جانب آئی اور میں پل بھر کے لئے اسے دیکھتا رہ گیا اس کی شکل و صورت میرے معیار سے تو بس واجبی ہی تھی ۔مگر اس کے گورے چہرے پر بڑی بڑی آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے سیاہ حلقے اور چہرے کی یرقان زدہ سی سفیدی بالکل کسی زندہ لاش کا تصور ابھار رہی تھی۔

اس لڑکی نے چند ثانیوں تک مجھے غور سے دیکھا اور اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی میں تند لہجے میں بولا۔ "اندر چلو۔۔ وہ کتا تمہیں پھاڑ نہیں کھائے گا۔"

حویلی میں کتے کے بھونکنے کے شور کے ساتھ ہی بے شمار مردانہ اور زنانہ چیخیں گونج رہی تھیں۔ جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سارا ہنگامہ کسی دور افتادہ حصے میں منتقل ہو چکا ہے۔

ویران ڈیوڑھی سے ہوتے ہم سیدھے نواب بنے خاں کی خوابگاہ میں جا پہنچے' یہاں شکلا نے ایک بڑی سی دیوار گیر چوبی الماری کے دستے کو اندر دبا کر اوپر کی سمت اٹھایا اور ایک کھٹکے کے ساتھ پوری الماری کسی موٹے پٹ کی طرح کھلتی چلی گئی۔

خواب گاہ کا دروازہ اندر سے مقفل کر کے مالی کو نگرانی کے لئے وہیں چھوڑا اور میں الماری کے عقب میں نمودار ہونے والی سیڑھیوں پر شکلا سمیت اتر گیا۔

شکلا کو دیکھنے کے بعد میری طبیعت اس پر مائل نہ ہو سکی تھی۔ اس لئے میں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی اور اندر اترتا ہی چلا گیا۔

زینے عبور کرتے ہی میرے قدم ٹھٹک کر رہ گئے' تہہ خانے میں اس وقت دیوار گیر مومی شمعوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور کچھ فاصلے پر پڑے ہوئے آہنی چادر کے ٹب کے

قریب دو سربریدہ نسوانی لاشیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

شکلا تو ان لاشوں کو دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ گئی مگر میں اسے الگ کرتا آگے بڑھتا چلا گیا۔

وہ دونوں سربریدہ لاشیں نوخیز اور خوبصورت لڑکیوں کی تھیں جن کی گردنیں بڑی بے رحمی کے ساتھ اتاری گئی تھیں لاشوں کے قریب کچھ نیم تازہ خونی دھبوں کے علاوہ بہت سے پرانے دھبے اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ تہہ خانے میں پہلے بھی خونی کھیل رچایا جاتا رہا ہے۔ آہنی ٹب میں صندل سے تراشا ہوا ایک ہیبت ناک بت کھڑا ہوا تھا' جو پوری طرح خون میں تر تھا اور ٹب میں بھی کئی انچ خون موجود تھا۔ جس کی سطح پر جمی ہوئی پپڑی اس بات کی شہادت دے رہی تھی کہ یہ خون کئی دن پہلے اس ٹب میں ڈالا گیا ہے' دوسری طرف وہ لاشیں بھی قدرے بدبو پیدا کر رہی تھیں۔

"ہائے بھگوان! نواب صاحب کالی کے پجاری ہیں۔" صندلیں بت پر نظر پڑتے ہی شکلا حیرت سے بول اٹھی۔

یہ انکشاف میرے لئے کافی تھا کرشن کمار کی آمد سے پہلے چونکہ تہہ خانے میں یہ سب مناظر ناپید تھے اس لئے یہ نتیجہ تو ظاہر ہی تھا کہ کرشن کالی دیوی کا پجاری ہے' البتہ بنے خاں کے بارے میں یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی تھی۔ ہاں یہ بات یقینی تھی کہ کالی کو انسانی خون کی بھینٹ دینا بنے خاں کی لاعلمی میں ناممکن تھا۔

گویا اس تہہ خانے میں وہ دونوں کالی کے نام پر انسانی خون کی ہولی کھیلنے میں مصروف تھے۔

میں نے کسی گمنام ترغیب کے تحت خون سے بھرے ہوئے ٹب میں ہاتھ ڈالا تو میری انگلیاں کسی گڑیا سے ٹکرائیں۔ میں نے اسے نکال کر دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔

خون میں تر بتر وہ گڑیا اتنی مہارت سے بنائی گئی تھی کہ اس کے خد و خال شکلا سے ہو بہو ملتے تھے' اور اس کے دل کے مقام پر تیاری کے بعد ایک گہرا شگاف ڈالا گیا تھا جس میں کئی کیلیں اس طرح پیوست تھیں کہ باہر سے چھو کر انہیں محسوس کرنا مشکل تھا۔ گڑیا کی چوٹی کی جگہ لگے ہوئے دھاگے اتنے لمبے تھے کہ ان کے نچلے سرے مضبوطی کے ساتھ گڑیا کے پیروں سے بندھے ہوئے تھے۔

"یہ رہی تیری بیاری!" میں نے وہ گڑیا شکلا کے سامنے کر کے کہا۔

وہ اپنی شباہت کا پتلا دیکھ کر کئی قدم پیچھے لڑکھڑا گئی اور پھر اپنا سر تھام کر فرش پر گئی۔

میں نے تیزی کے ساتھ گڑیا کے بالوں کی گرہیں کھولیں پھر اس کی ٹانگیں چیر ارادہ کیا ہی تھا کہ شکلا تڑپ کر فرش پر گر گئی جیسے اس کی ہی ٹانگوں کو چیرا گیا ہو۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور پھر گڑیا کے سینے میں پیوست کیلیں نکالنے لگا' میں کیل پر تھوک کر اسے خون سے بھرے ہوئے ٹب میں پھینکتا جا رہا تھا اور شکلا خوفزدہ نظر سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔

ساری کیلیں نکالنے کے بعد میں نے پہلے احتیاط سے اس کی ٹانگیں کھینچیں' اس بار پر کوئی اثر نہ ہوا اور میں نے تیزی کے ساتھ گڑیا کے ٹکڑے کر کے ٹب میں ڈال دیئے اسے ہمراہ لئے تہہ خانے سے باہر آ گیا۔

"تیری لڑکی اب ٹھیک ہو جائے گی۔ لیکن کسی کو خبر نہ ہو کہ کوئی تہہ خانے میں ا تھا۔" میں نے مالی سے کہا اور وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں تشکرانہ کلمات بڑبڑا کر رہ گیا۔

الماری پہلے کی طرح بند کر کے ہم خوابگاہ سے باہر آئے تو حویلی کے اندرونی حصوں ابھی تک ہنگامہ برپا تھا' ہم تینوں کسی سے ٹکرائے بغیر باہر آ گئے جہاں میں باپ بیٹی سے الگ ہو کر پھرتی کے ساتھ کھسک گیا۔

شیطان کا پجاری بننے کے بعد سے میں خود میں بڑی بڑی تبدیلیاں محسوس کر رہا تھا نقاہت' بھوک' تکان یا کمزوری کا ہر احساس ناپید ہو چکا تھا اس لئے مزید آرام کی کو ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

پوری طرح دن نکل چکا تھا' میں ایک ویران سے بازار میں پہنچا اور لوہے کے ایک ٹکڑے کو سونے میں تبدیل کر کے شہر کے ایک صراف کی دکان پر فروخت کر دیا۔

نواب بنے خاں کی حویلی میں کالی دیوی کا بت دیکھنے کے بعد میرے ذہن میں عجیب خلش پیدا ہو گئی تھی' میں اپنے ذہن کو جس قدر کرید رہا تھا اتنی ہی الجھن بڑھتی جا رہی لہٰذا اس پہیلی کو جوں کا توں چھوڑ کر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے سیتا پور میں کوئی مکان کرا پر لے لینا چاہئے تاکہ میں بلاوجہ در در بھٹکنے سے بچ سکوں۔

میری تیسری ہی کوشش بار آور ہوئی اور آبادی سے قدرے الگ تھلگ ایک بڑا سا مکان معقول کرائے پر مل گیا۔ جو کئی برس سے محض اس لئے ویران پڑا ہوا تھا کہ لوگوں کو اس پر آسیبی اثرات کا شبہ تھا اور وہاں رہنے والے آخری دو کرائے دار اپنا ذہنی توازن کھو کر بال بچوں کو چھوڑ کر کہیں فرار ہو گئے تھے۔

ڈھنگ کے کپڑوں وغیرہ کا بندوبست کر کے میں اس مکان میں پہنچا تو اس کی ہیئت دیکھ کر مجھے خاصا سکون حاصل ہوا کچے صحن میں کئی کئی فٹ اونچی خود رو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں کمروں کی چھتوں دیواروں اور کھڑکیوں پر بڑے بڑے جالے تنے ہوئے تھے اور پلے ہوئے چوہوں کی بھاگ دوڑ نے اودھم مچا رکھا تھا۔

جو قلی بازار سے میرا سامان اٹھا کر لایا تھا وہ مکان میں داخل ہونے کے بعد وحشت زدہ ہو گیا۔ اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "صاحب! میری بیوی بیمار ہے۔ مجھے جلدی چھوڑ دو تو بڑا احسان ہو گا۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھا اور دس کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے سامان اتارتے ہوئے پھٹی پھٹی نظروں سے نوٹ کو گھورا اور بولا۔ "صاحب میرے پاس لوٹانے کو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

"یہ نوٹ لے اور یہاں سے دفعان ہو جا۔" میں نے اسے پھٹکارا۔

وہ نوٹ تھام کر بوکھلائے ہوئے انداز میں واپس دوڑ پڑا' وہ پہلے دروازے سے گزرنے ہی والا تھا کہ ناگہاں کہیں سے کبڑا اور کریہہ صورت شیطان بھیانک قہقہہ لگاتا کودا اور اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔

اس مزدور کی بری طرح گھگھی بندھ گئی اور شیطان کے نیچے دبا زمین پر ڈھیر ہو گیا اور اسی وقت شیطان نہ جانے کہاں روپوش ہو گیا۔

اس مصیبت سے نجات پاتے ہی وہ قلی بری طرح گرتا پڑتا اور چیختا باہر بھاگ گیا۔

قلی کے فرار کے بعد شیطان دوبارہ وہاں آ دھمکا۔

میں نے پورے احترام کے ساتھ اسے تعظیم دی' وہ اچھلتا ہوا ایک چوبی صندوق کے قریب پہنچا اور اسے ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ "یہ کیا لے آیا جبلی؟"

"میں فطری طور پر سنگتراش ہوں میرے آقا!" فرصت کے اوقات گزارنے کے لئے

کچھ اوزار خرید لایا ہوں۔" میں نے مجرمانہ احساس کے ساتھ دبی دبی آواز میں کہا۔

"فرصت کے لمحات نہیں جبلی۔ اب تو اپنے فن کے ذریعہ اپنا مشن پورا کرے گا۔" شیطان خوفناک ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تو پتھر کے بت تراشے گا اور وہ بت لوگوں کو بہکائیں گے۔"

میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں خاموش کھڑا رہا۔

"اس شہر کی بیشتر آبادی بتوں کی پجاری ہے۔" شیطان قدرے توقف کے بعد بولا۔ "کرشن کمار سے نمٹنے کے بعد تجھے ایک فنکار اور روحانی پیشوا کا روپ دھارنا ہو گا۔ تو دیوتاؤں کے بت تراشے گا اور یہاں جھوٹی روحانی محفلیں جمائے گا' تیرے تراشے ہوئے بت لوگوں کو برائی کی ترغیب دیں گے اور وہ دیوتاؤں کی مرضی سمجھ کر ان ہدایات پر عمل کریں گے اور تیرا کام صنم تراشی کے ساتھ ساتھ صنم فروشی بھی ہو گا۔"

یہ مژدہ سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ "میں ایسا ہی کروں گا میرے آقا!"

پھر شیطان روپوش ہو گیا۔ دوپہر کے قریب طوسیہ اپنی پراسرار قوتوں کے سہارے میرا سراغ لگا کر وہاں آ پہنچی' میں نے والہانہ گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

"تو نے لکھنؤ میں بڑا فساد پھیلایا جبلی!" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "مستی خاں کا شکار بری طرح زخمی ہوا تھا اور اب مستی خاں حوالات میں سڑ رہا ہے' سرلا بائی کے کوٹھے کا ہنگامہ بڑی رازداری کے ساتھ دبا دیا گیا کیوں کہ اس میں بنے خاں کو اپنی بے عزتی کا خوف تھا' وہ پہلی ہی گاڑی سے کرشن کمار کے ساتھ یہاں واپس آ پہنچا ہے۔"

"اب تو تیاری کر لے طوسیہ..... میں آج ہی بنے خاں کی حویلی میں جاؤں گا۔" میں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

سورج ڈھلنے سے ذرا ہی دیر پہلے میں نواب بنے خاں کی حویلی پر پہنچا تو لباس اور وضع قطع سے میرا حلیہ اس قدر بدلا ہوا تھا کہ جس نے مجھے سرسری طور پر دیکھا ہوتا اس کے لئے شناخت کرنا ناممکن تھا۔

میرے اور طوسیہ کے قیمتی کپڑوں اور باوقار انداز نے چوکیدار کو مہلت ہی نہ دی کہ وہ ہمیں روک سکتا۔

راستے میں ایک ملازم سے میں نے نواب بنے خاں کو پیغام بھجوایا کہ لکھنؤ سے اس کے

مہمان آئے ہیں۔ وہ ملازم ہمیں دیوان خانے میں چھوڑ کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد بنے خاں پوری سج دھج کے ساتھ وہاں آیا تو اس کا منہ تحیر زدہ انداز میں کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بنے خاں! سرلا بائی کی بڑی بہن میرے ساتھ آئی ہے۔" میں نے اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر طوسیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سرلا بائی تمہاری گولی کی تاب نہ لا کر مر چکی ہے اور یہ محض اس لئے ادھر چلی آئی کہ تم سے سودا کر سکے' مرنے والی تو اب واپس نہ آئے گی' مگر سرلا بائی کی موت کا قصہ اچھالا گیا تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے' پولیس تمہارے رتبے کا لحاظ کئے بغیر تم پر قتل کا مقدمہ قائم کر دے گی۔"

بنے خاں کے چہرے پر ہلکی سی زردی دوڑ گئی۔ "خبیث! آخر تو یہاں تک آ ہی پہنچا۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ "کرشن کمار ابھی تیرے ٹکڑے اڑا دے گا۔"

"میں تو خود اس کی تلاش میں ہوں بنے خاں۔ وہ پرلے درجے کا مکار ہے اور شہزادی کے ذریعے تیری جاگیر ہتھیانے کے چکر میں ہے۔ اس کے علاج سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔"

بنے خاں میرے یہ الفاظ سن کر بری طرح بوکھلا گیا اور جلدی سے میرے قریب آ کر جھلائے ہوئے تحیر زدہ لہجے میں بولا۔ "کیا بکواس کر رہا ہے..... آہستہ بول اگر کسی نے سن لیا تو کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا؟" میں تمسخرانہ لہجے میں بولا۔ "سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سورما بننے والا بنے خاں بالکل ناکارہ ہے اور اپنی حویلی کے عقبی تہہ خانے میں لڑکیوں کو ننگا کر کے اپنی پشت پر سواری کراتا ہے۔"

"پتہ نہیں تو کیا بک رہا ہے۔" بنے خاں اپنی پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھتے ہوئے بولا۔ "تہہ خانہ تو کئی برسوں سے ویران پڑا ہے۔"

"اگر وہ ویران ہے بنے خاں! میں اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے بولا۔ "تو انسانی خون میں نہایا ہوا کالی کا صندلیں بت کہاں سے آیا؟ وہ سر کٹی ہوئی دو جوان نسوانی لاشیں کہاں سے آئیں؟"

بنے خاں ہانپتا ہوا دیوان پر گر گیا۔ "کرشن کمار سور کا بچہ ہے..... اس نے مجھے کہیں

کانہ رکھا' اسی کے بہکانے پر میں کالی کو جوان لڑکیوں کی بھینٹ دیتا رہا ہوں.... وہ کہتا ہے کہ اکیسویں بھینٹ دیتے ہی میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ بڑی بیگم کی کوکھ میں زندگی کی تخم ریزی کر سکوں۔"

"کرشن کمار سے تجھے کوئی فیض نہ پہنچے گا' وہ شہزادی کا عاشق ہے اور وہ دونوں تیری جاگیر اور دولت پر قبضے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ بلا کرشن کمار کو میں تجھے دکھاؤں کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔"

"وہ تہہ خانے میں ہے۔" بنے خاں نیم مردہ آواز میں بولا۔ "اور سن چھوکری۔ میں تیرا منہ سونے سے بھر دوں گا' لیکن سرلابائی کے قصے میں میرا نام نہ آنے پائے۔"

"سونا میرے لئے مٹی سے زیادہ نہیں ہے۔" طوسیہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "میں اپنی شرط تجھے تہہ خانے ہی میں بتاؤں گی۔"

بنے خاں ہم دونوں کو ہمراہ لئے اپنی خوابگاہ والے چور راستے سے دبے قدموں تہہ خانے میں پہنچا تو غصے سے پاگل ہو گیا۔ قالین کے وسط میں اسکی بڑی بیگم' شرمناک حالت میں کرشن کمار سے ہم آغوش تھی۔

"نمک حرام! تیری یہ مجال کہ بنے خاں کی عزت پر دانت رکھتا ہے۔" بنے خاں غصے سے دہاڑتا کرشن کمار کی طرف جھپٹا تاکہ اس کے سنبھلنے سے قبل ہی اسے دبوچ لے۔

"شہزادی بھی لڑکی ہے نواب صاحب!" وہ اچھل کر خود کو بچاتے ہوئے بولا۔ "اسے کسی سواری کی نہیں کسی مرد کی ضرورت ہے۔"

نواب بنے خاں غصے سے کانپ رہا تھا' کرشن کمار کے نکل جانے پر وہ اپنی بیوی پر ہی ٹوٹ پڑا اور اس کی گردن دبوچ لی' اس دوران طوسیہ برہنہ ہو کر اپنے بال کھول چکی تھی اس نے بدلی ہوئی غیر فطری آواز میں زور زور سے ہنسنا شروع کیا اور نواب بنے خاں فضا میں معلق ہو کر رہ گیا' اس کے حلق سے گھٹی گھٹی بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں اور شہزادی ایک طرف دیوار سے چپکی بری طرح کانپ رہی تھی۔

شاید کرشن کمار اندازہ لگا چکا تھا کہ اسکی بازی الٹنے کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہے' اس لئے اس نے مٹھیاں بھینچ کر زور زور سے کوئی منتر پڑھنا شروع کر دیا۔

چند ہی سیکنڈ میں کرشن کمار کی مٹھیوں سے دھویں کے مرغولے بلند ہوئے اور فضا میں

بڑھتے میری جانب بڑھے' کرشن کمار اپنی جگہ کھڑا پورے اعتماد کے ساتھ مسکراتا رہا۔ ان مرغولوں نے مجھ سے تھوڑی دور بڑے بڑے بالوں والے دیو ہیکل بندروں کا روپ دھارا اور پھر بجلی کی طرح میرے طرف لپکے۔

میں نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ ان بندروں کو آگ لگ گئی اور وہ کریہہ چیخیں مارتے فضا میں تحلیل ہو گئے اور صرف چند چنگاریاں ہی تیرتی رہ گئیں۔

یہ صورت حال کرشن کے لئے غیر متوقع تھی' وہ سراسیمہ سا نظر آنے لگا۔ فضا میں معلق بنے خاں تو دہشت سے بے ہوش ہو چکا تھا اور شہزادی منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

"اب میرا وار سنبھال کرشن کمار!" میں پرسکون لہجے میں بولا اور دل ہی دل میں شیطان کو یاد کر کے خواہش کی کہ شہد کی مکھیاں کرشن کمار کا بدن نوچ ڈالیں۔ میرے یہ سوچنے کی دیر تھی کہ چاروں طرف سے شہد کی مکھیوں کے غول کے غول امڈ پڑے اور تہہ خانہ کرشن کمار کی چیخوں سے گونج اٹھا۔

کرشن کمار نے اس مصیبت سے بچنے کے لئے چیخ و پکار کے درمیان کئی منتر پڑھے' مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر وہ نڈھال ہو کر فریاد پر اتر آیا۔

میرے اشارے پر شہد کی وہ خطرناک مکھیاں اسے چھوڑ کر تہہ خانے کے نیم تاریک گوشے میں غائب ہو گئیں۔

"میں تجھے اچھی طرح پہچان چکا ہوں۔" اس ناگہانی افتاد سے چھٹکارا پانے کے بعد کرشن کمار جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر میں اتنی آسانی سے ہار نہیں مانوں گا...."

میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "تو سنبھال پھر اگلا وار!"

"نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تو شیطان کا پجاری ہے اور مجھے بہت سی شکتیاں دے سکتا ہے' میں وہ شکتیاں لئے بغیر تیرے سامنے نہیں جھکوں گا۔"

میں پرغرور انداز میں ہنسا۔ وہ اپنے مقابلہ میں میری برتری کا کھلا اعتراف کر رہا تھا۔

"میں تجھ سے کوئی معاہدہ نہیں کرتا بس تو شہزادی سے ہاتھ اٹھا لے۔ مرے ہوئے ٹھاکر داس کی بیوی پر اس کے دیور کا زیادہ حق ہے۔"

وہ چند ثانیوں تک ہونٹوں کو بھینچے میری طرف گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں بھی بہت ط
شکتیوں کا مالک ہوں' میں تیرا مقابلہ کرتے کرتے مرجاؤں گا مگر یوں بے مقصد ہتھیار ا
ڈالوں گا۔"

اس کی ہرزہ سرائی سن کر جی تو یہ چاہا کہ اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دوں۔ لیکن
شیطان کی واضح ہدایت کی روشنی میں میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی لئے اس سے
کہا۔ "مجھے تیرے ہتھیار ڈالنے سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں بس شہزادی کو تجھ سے حاصل
کرنا چاہتا ہوں۔"

اسی وقت طوسیہ نے کوئی اشارہ کیا اور فضا میں معلق نواب بنے خاں بے ہوشی کے عا
میں فرشی قالین پر آ رہا۔

"اس کے لئے بھی میری شرط اپنی جگہ قائم ہے۔" وہ ہٹ دھری پر اتر آیا۔

"تو سن! کہ تجھے سچے دل سے شیطان کا پجاری بننا ہو گا اور ایک شرط پوری کر کے
اپنی سب سے بڑی اور پہلی خواہش پوری کر سکے گا۔" میں نے اس سے کہا۔

"میں اب کون سا رام کا پجاری ہوں..... میں تیری ہر شرط پوری کروں گا۔ مگر میں
ہمیشہ جوان رہنا چاہتا ہوں' میں ایسی قوتیں چاہتا ہوں کہ مال و دولت میرے اشاروں کی غلا
ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنے آقا شیطان کے نام پر تجھ سے یہ معاہدہ کرتا ہوں۔" میں نے
فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اب تو اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کر لے کہ تو امر جوانی کی شدید
آرزو رکھتا ہے یا مال و دولت پر اپنی قدرت چاہتا ہے۔"

وہ چند ثانیوں کے لئے الجھن میں پڑ گیا پھر بولا۔ "مال و دولت کی خاطر میں نے مردانگی
سے محروم نواب بنے خاں پر ہاتھ ڈالا تھا' اپنی دانست میں وہ میرے زیر علاج تھا' مگر میں
ایک روز اسے ٹھکانے لگا کر اس کی دولت پر قابض ہو جاتا۔ مفلس کی جوانی سے زیادہ بری
کوئی چیز نہیں ہے' میں تو بس "بیاری" بننا چاہتا ہوں کہ جہاں تھوک دوں وہاں سونا نظر
آئے۔"

پھر میں نے کرشن کمار کو دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ میں نے چند
شیطانی کلمات کا ورد کرتے ہوئے اس کے گرد تین چکر لگائے پھر اس کے سر پر آہستہ سے

ہاتھ پھیرا' فوراً ہی ایک سوکھی ہوئی انسانی کھوپڑی فضا میں تیرتی میری جانب آئی' میں نے
ہاتھ میں لے کر اس کا دہانہ ٹٹولا اور اس میں رکھا ہوا سحر زدہ خشک انسانی دل نکال لیا اور
کھوپڑی فرش پر ڈال کر اپنے پیر سے کچل دی۔

پھر میں نے خشک انسانی دل کرشن کمار کی طرف بڑھایا' اس نے بغیر کچھ کہے وہ دل لیا
اور اسکے ریشے نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ جوں جوں وہ ریشے اس کے حلق سے اترتے جا رہے
تھے اسکے چہرے پر کرختگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

پورا دل نگلنے کے بعد میری توقع کے خلاف کرشن کمار پر غنودگی سے چھانے لگی اور وہ
تیورا کر نیچے آ رہا۔

کرشن کمار کو یوں گرتا ہوا دیکھ کر روتی ہوئی شہزادی بری طرح دہشت زدہ ہو گئی۔

میں نے طوسیہ کو باہر جا کر انتظار کی ہدایت کی اور جب وہ تہ خانے سے نکل گئی' تو
میں اپنی آنکھوں میں ہوس ناک عزائم کی چمک لئے شہزادی کی طرف بڑھا۔

مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ چیخ اٹھی۔ "نہیں..... نہیں..... تم شکل سے خونی لگتے ہو
میرے قریب نہ آنا۔"

میں کسی عقاب کی طرح اس پر جھپٹا اور وہ کسی بے بس پرندے کی طرح میری گرفت
میں پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

"خاموش رہ لڑکی!" میں نے غرا کر کہا۔ "یہ نہ بھول کہ تجھ پر اپنے شوہر ٹھاکر داس
کے قتل کا الزام ہے۔ اگر تجھے تھانے پہنچا دیا تو ایک ہی سانس میں پوری نفری تجھے روند
ڈالے گی۔"

"یہ جھوٹ ہے... اسے میں نے نہیں مارا تھا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

میں نے پوری بے رحمی سے اس کی مزاحمت کو ناکام بنا دیا اور وہ درد و اذیت سے
تڑپ کر رہ گئی۔

میں اس تہ خانے میں کافی دیر تک اس کے شباب سے کھیلتا رہا۔ اس دوران بنے خاں
کو بھی ہوش آ گیا' لیکن وہ میری راہ میں حائل ہونے کی ہمت نہ کر سکا۔

جب میں قالین پر پڑا ستا رہا تھا تو طوسیہ نیچے آ پہنچی۔

"شہزادی کو تیرتھ داس کے حوالے کر کے تجھے یہیں واپس آنا ہے طوسیہ! میں کچھ

عرصے تک سیتا پور میں ہی رکوں گا۔" میں نے یہ کہتے ہوئے شہزادی کو اس کے ہمراہ جانے کا اشارہ کیا۔

گو مجھے پورا یقین تھا کہ حویلی میں کوئی بھی شہزادی اور طوسیہ کو نہیں روک سکے گا' پھر بھی میں خوابگاہ کا دروازہ مقفل کر کے ان دونوں کو باہر تک چھوڑنے آیا۔

جب میں واپس تہہ خانے میں پہنچا تو کرشن کمار کو ہوش آ چکا تھا اور نواب بنے خاں اسے بے تحاشا گالیاں بکتا دونوں ہاتھوں سے اس کا سینہ پیٹ رہا تھا۔ جس کے جواب میں کرشن کمار ہنسے جا رہا تھا۔

"بنے خاں!" میں تہہ خانے میں گھستے ہی دہاڑا۔

وہ سہم کر ایک طرف ہو گیا۔ "مہاراج یہ نمک حرام مجھے میری بیماری کے طعنے دے دے کر ہنس رہا تھا۔"

"اچھا اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں خود باہر آ کر تمہارا علاج کروں گا۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں بنے خاں سے کہا اور وہ دم دبائے وہاں سے چلا گیا۔ خوف کے باعث وہ زبان تو نہ کھول سکا لیکن اس کے بشرے سے نفرت اور انتقام کے آثار صاف نمایاں تھے۔

"یہ تیری خوش نصیبی ہے کرشن کمار! کہ اس تہہ خانے میں دو لاشیں موجود ہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "اب تجھے ان میں سے ایک لاش کا دل حاصل کرنا ہے' یہاں ایک پہر تک رک کر تجھے اس دل پر ایک خاص عمل کرنا ہو گا' پھر میرے مکان پر چل کر تجھے ایک امتحان سے گزرنا ہو گا۔ اس میں کامیابی کے بعد تیری مطلوبہ قوت تجھے مل جائے گی۔ تجھے یاد ہے نا کہ تیری پہلی خواہش کیا ہے؟"

"ہاں میں جس چیز پر تھوک دوں وہ سونا بن جائے۔" کرشن کمار جلدی سے بولا۔

"نہیں کرشن کمار۔ تو جہاں تھوکے گا وہاں سونا نظر آئے گا تیری یہ خواہش محض فریب نظر ہو گی' سونا بنانا تیرے بس کی بات نہیں۔"

کرشن کمار کا چہرہ سرخ ہو گیا "تو میرے ساتھ دھوکا کر رہا ہے۔"

"دھوکا نہیں۔ تیرے الفاظ یہی تھے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

کرشن کمار مغلظات بکتا۔ میری طرف لپکا اور اسی وقت تہہ خانے کی سیڑھیاں وزنی جوتوں کی دھمک سے گونج اٹھیں۔

سیڑھیوں پر جوتوں کی دھمک سن کر کرشن کمار کا سارا غصہ ہوا ہو گیا اور وہ بوکھلا کر کبھی سیڑھیوں والی سمت میں اور کبھی دونوں سر بریدہ نسوانی لاشوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"اسی بل پر مجھ سے ٹکرانے چلا ہے۔" میں نے تحقیر آمیز قہقہے کے ساتھ کہا۔

"یہ مجھے پولیس معلوم ہوتی ہے۔" وہ جھلائے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "ہم دونوں ہی دھر لئے جائیں گے۔"

"میری مرضی کے بغیر کوئی مجھے چھو بھی نہیں سکتا کرشن کمار!" میں بدستور اونچی آواز میں بولا۔ "میرا نام جبلی ہے اور میں کوئی ٹٹ پونجیا نہیں ہوں۔"

اتنا کہہ کر میں نے تالی بجائی اور وہ وزنی دھمک اسی وقت غائب ہو گئی۔

"ایسے وہم تیری زندگی دشوار کر دیں گے۔" میں اس کی خفت اور بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ "تیری خواہش تھی کہ تو جس چیز پر تھوک دے وہ سونا نظر آئے اور یہ قوت تجھے مل جائے گی لیکن سونا نظر آنے کے باوجود اس چیز کی اصل ماہیت جوں کی توں رہے گی۔"

اس مرتبہ کرشن کمار سراسیمہ اور شکست خوردہ سا نظر آنے لگا۔ شیطان کا پجاری بننے کے بعد پہلی بار اس کے رویئے میں تبدیلی آئی تھی اور وہ ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"ایسی شکتی کا میں کیا کروں گا جس سے مجھے کوئی فائدہ نہ ہو' میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ مال و دولت پر اختیار حاصل ہونے کے بعد میرے لئے شباب خریدنا مشکل نہ ہو گا۔"

"یہ تیری مرضی ہے کہ تو جو چاہے فیصلہ کرے لیکن اب تجھے اتنی تسلی ہونی چاہئے کہ دونوں کا مسلک --- ایک ہی ہے اور ہم ایک دوسرے کو کوئی زک نہیں پہنچائیں گے۔"

میں بھی اس کا رویہ دیکھ کر نرم پڑ گیا۔

"تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو.... لیکن میں کم از کم نواب بنے خاں کی دولت اور حویلی پر ضرور اپنا تصرف چاہتا ہوں۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے' اس کا بھی بندوبست کر لیا جائے گا۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"اور ان دو لاشوں کا کیا ہو گا؟" کرشن کمار نے سربریدہ لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"انہیں رات میں ٹھکانے لگائیں گے۔" میں نے کہا۔

پھر ہم دونوں تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ بنے خاں اپنی خواب گاہ میں پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔

"مہاراج اب کیا ہو گا۔ سرلا بائی کی بہن کہیں میرا راز فاش نہ کر دے!" وہ دونوں ہتھیلیاں مسلتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"تیرا کوئی راز نہیں ہے بنے خان!" میں بے رحمانہ انداز میں ہنسا۔ "اول تو اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اور وہ زبان کھول بھی دے تو کیا ہو گا۔ بھلا سوچو تو بنے خاں کو دور دور سے گدرائے ہوئے بدن والی نوجوان اور خوبرو لڑکیوں خود ہی تم پر سواری کرنے آئیں گی۔"

بنے خاں وحشت زدہ انداز میں دونوں ہاتھ جوڑتا بے اختیار میرے قدموں میں آگرا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو مہاراج۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں کسی کو بھنک بھی مل گئی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔"

"خواب گاہ کے دروازے بند کر دو کرشن کمار! میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اب بنے خاں کی باری ہے' ہماری برادری میں شامل ہو کر یہ فائدے میں ہی رہے گا۔"

کرشن کمار سعادت مندانہ انداز میں دروازے مقفل کرنے لگا اور طرحدار بنے خان کو سردی کھائے ہوئے پلے کی طرح بدستور فرش پر بیٹھا کانپتا رہا۔

"ہاں۔ نواب صاحب!" دروازے بند ہو جانے کے بعد میں مسہری پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔ "تو پھر تیار ہو کسی قسم کے سودے کے لئے؟"

"مجھے عزت پیاری ہے مہاراج۔ تم جو کہو' سنے بغیر مجھے منظور ہے!" وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔

"سنے بغیر نہیں بلکہ کان کھول کر سنو کہ تمہیں شیطان کا پجاری بننا ہو گا۔"

میرے الفاظ اس پر بجلی بن کر گرے وہ چند ثانیوں تک پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے یقینی کے تاثرات لئے مجھے گھورتا رہا پھر لرزتی ہوئی نحیف آواز میں منمنایا۔ "مہاراج کیوں مجھے امتحان میں ڈالتے ہو!"

"سن او نابکار!" مجھے اس پر بے اختیار طیش آگیا۔ "نہ میں رشی ہوں نہ مہنت۔۔ شیطان میرا آقا ہے اور میں اس کا سچا پجاری ہوں اور اب تجھے اپنا مذہب بھول کر میرا چیلا بننا ہو گا۔"

"نہیں نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ہذیانی انداز میں بڑبڑایا۔ "میں بڑا گناہ گار ہوں مگر مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والا یوں شیطان کا پجاری نہیں بن سکتا۔"

"یہ نہ بھول بنے خاں کہ اس وقت تیری عزت اور دولت غرض ہر شے داؤ پر ہے۔ تہہ خانے کی کہانیاں باہر پھیل گئیں تو تجھے کہیں پناہ نہ مل سکے گی' تو نے اپنے جھوٹے ٹھاٹھ کے لئے اپنی جائداد کی ایک ایک اینٹ گروی رکھی ہوئی ہے' تیری ذرا بھی ہوا اکھڑی تو سیتا پور کے سارے مہاجن تجھے تن کے کپڑوں سے باہر کر دیں گے!" میں غضبناک لہجے میں غرایا۔

"کچھ بھی ہو.... میں مر جاؤں گا مگر مذہب سے نہیں پھروں گا۔" وہ ہونٹ بھینچ کر کرب آلود لہجے میں بولا۔

"اس حویلی پر نحوست لہرائے گی بنے خان۔" میں اچھل کر مسہری سے نیچے اتر آیا۔ "بس یہ اس چھت کے نیچے تیری آخری رات ہو گی اگر تو نے فیصلہ نہ بدلا تو اگلی صبح کا سورج تجھے کھلے آسمان تلے دیکھے گا۔"

میں نے اسی جگہ کھڑے کھڑے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور خوابگاہ کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ آہنی کنڈے ریتیلے سانپوں کی طرح ٹوٹ کر نیچے آ رہے اور میں کرشن کمار کا ہاتھ تھام کر وہاں سے نکل گیا۔

"کیا تم نے سچ کہا ہے جبلی مہاراج کہ اس کا بال بال ساہوکاروں کے پاس رہن ہے؟" حویلی سے باہر آنے تک کرشن کمار صبر نہ کر سکا اور پوچھ ہی بیٹھا۔

"تیری شکتیاں کہاں سوتی رہیں؟" میں کڑوے لہجے میں بولا۔ "بنے خان اپنی ساکھ

کے بل پر اتنا قرض لے چکا ہے کہ خود بھی نیلام ہو جائے تو حساب نہیں چکا سکے گا۔ اس کا سارا لین دین تین ساہوکاروں سے ہے تو ابھی جا کر انہیں میرے مکان پر لے آ' مجھے معلوم ہے کہ وہ آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا۔"

راستے ہی میں میں نے کرشن کمار کو ساری بات سمجھا کر روانہ کر دیا اور خود اپنے مکان کی طرف چل دیا۔

میرے پاس جتنی رقم موجود تھی میں راستے میں اسے چھوٹے سکوں میں بدلتا چلا گیا اور جب میں اپنے مکان پر پہنچا تو سیروں وزنی سکے میرے ہمراہ تھے۔

وہ مکان بدستور اجاڑ اور وحشت ناک پڑا ہوا تھا۔ میں نے سب سے اندرونی کمرے میں روشنی کا انتظام کیا اور پھر تمام سکوں کو پارس پتھر کے لمس سے طلائی اشرفیوں میں تبدیل کر کے سونے کا تمام ڈھیر ایک کونے میں پھٹی ہوئی چادر کے نیچے چھپا دیا۔

میری توقع کے مطابق کرشن کمار جلد ہی ان تینوں ساہوکاروں کو لے آیا اور میں نے مصنوعی حیرت سے ان چاروں کا استقبال کیا۔

"کہو کرشن کمار ناوقت کیسے آ گئے!" میں نے انہیں اندرونی کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب یہ شہر کے سب سے بڑے ساہوکار....!" کرشن کمار نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی اور وہیں رک کر کھڑا ہو گیا۔

"میں کھرا سودا رکھتا ہوں کرشن جی.... نہ میں ساہوکار کو جانتا ہوں نہ کسی چور کو.... معاملہ میں نے نواب صاحب سے طے کیا ہے اور اب بھی اگر کوئی اس تمام جائداد کی اونچی بولی لگاتا ہے تو میں پیچھے ہٹا جاتا ہوں ورنہ صبح کا سورج نکلنے سے پہلے اس حویلی پر اور دوسری تمام جاگیر پر میرا قبضہ ہو گا۔"

کرشن کمار میری باتوں پر کچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔ وہ تینوں ساہوکار بھی حیرت سے کبھی میرا اور کبھی ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

"یہ اسی لئے آئے ہیں سیٹھ صاحب!" کرشن کمار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "نواب صاحب کے پاس کوئی جائداد ہی نہیں ہے تو پھر سودا کیسا اور کس چیز کا ہو رہا ہے؟"

"حویلی' اس کا باغ' چالیس ایکڑ زمین' سیتا پور اور لکھنؤ کے گیارہ مکان۔۔ آخر یہ سب کس کا ہے؟"" میں اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

تینوں ساہوکاروں نے بے چارگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ان میں سے ایک کھنکھار کر دھیمے سے بولا۔ "جو جائداد آپ نے گنائی وہ اصل قیمت سے کہیں زیادہ قرضے کے عوض ہم تینوں کے پاس گروی ہے اور نواب صاحب قانوناً اس کا کوئی سودا نہیں کر سکتے!"

"ہونہہ!" میں حقارت سے بولا۔ "سب سے بڑا قانون لاٹھی ہے' یہ سمجھ لو کہ مجھے دھوکا دے کر تم لوگ یہ سب جاگیر کوڑیوں کے مول نہ لے سکو گے میں یہاں پانسے کی ٹنیاں سنبھالے بیٹھا ہوں اور یہ سودا بالکل طے ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اشرفیوں کے انبار پر سے چادر الٹ دی۔

اتنا سونا دیکھ کر ان سب کی سٹی گم ہو گئی اور ان میں سے ایک تقریباً ہانپتے ہوئے بولا۔ "تمہیں لین دین کا پورا اختیار ہے سیٹھ صاحب مگر ہم ذرا سی مہلت چاہتے ہیں.... تم دو ایک دن کے لئے یہ سودا روک دو تاکہ ہم اس پھکڑ سے اپنی رقم وصول کر سکیں۔"

میں نے قہربار نظروں سے انہیں گھورا اور سرد لہجے میں بولا۔ "بس سورج نکلنے تک انتظار کر سکتا ہوں تمہیں جو کچھ کرنا ہے' اسی رات کر لو۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے!" وہ تینوں بوکھلائے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

میں نے مسکرا کر کرشن کمار کی طرف دیکھا وہ بڑی حریص نظروں سے اشرفیوں کے اس انبار کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تو میرا ساتھی بن چکا ہے اور اب یہ سارا سونا تیرا ہے!" میں نے اسے خوشخبری سنائی اور وہ اچھل کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

"سونا میرے لئے محض اشاروں کا کھیل ہے کرشن کمار۔" اس کے الگ ہو جانے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "جب تک تو میرے ساتھ ہے تو سونے میں کھیلے گا۔ تجھے بدکاری اور آوارگی کی بھی کھلی چھوٹ ہے لیکن اس کے ساتھ تجھے کچھ کام بھی کرنا ہو گا۔"

"شیطان اب میرا آقا ہے اور تو اس کا مہاپجاری ہے جبلی' تیری ہر بات میرے لئے حکم آخر کا درجہ رکھتی ہے۔" وہ والہانہ عقیدت کے ساتھ بولا۔

"تو سن کہ میں پیدائشی سنگتراش ہوں۔" میں نے نپے تلے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "میری ہر ضرب پتھروں کے سینے میں چھپے وہ خدوخال ابھارتی ہیں جس کا تصور تک ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں مگر اب میں شیطانی مسلک کی تبلیغ کی خاطر اپنے فن کو ایک نیا روپ دینا چاہتا ہوں آج ---- سے یہ مکان ایک نیا روپ دھارے گا۔ میں اسی کے ایک کمرے میں کالی دیوی کی مورتیاں تراشوں گا اور تو ان کے خریدار یہاں لائے گا جن کو گناہ اور فریب کے راستوں پر بھٹکانا میرا کام ہو گا۔ پھر ہم دکھی آتماؤں کی شانتی کے نام پر ہر ہفتے یہاں مقدس عبادت کی آڑ میں ایک مجلس جمائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ کتنی تیزی کے ساتھ ہمارا مسلک اختیار کرتے ہیں۔"

"تو ہر سے مجھے اپنا سچا سیوک پائے گا۔" کرشن کمار اب پوری طرح میرے دام میں آ چکا تھا۔

اس کے بعد ہم دونوں اسی کمرے میں لیٹ گئے۔

صبح سویرے کرشن کمار ناشتہ لینے باہر گیا تو خوشی خوشی ایک نئی خبر بھی لایا۔ ان تینوں ساہوکاروں نے رات ہی میں بھاگ دوڑ کر کے نواب بنے خان کی تمام جائداد اور ساز و سامان کو سرکار سے سیل کرا دیا تھا تاکہ بعد میں چھان بین کر کے اس کے نیلام سے ان کی رقمیں ادا کی جا سکیں بنے خان کے سارے ملازموں کو چھٹی دے دی گئی تھی اور حویلی وغیرہ پر گارڈ لگ چکی تھی' بنے خان کو بڑی بے آبروئی کے ساتھ حویلی سے نکلنا پڑا تھا اور اب وہ شہر والوں سے منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔

اس قلاش نواب کو پورا یقین تھا کہ یہ تمام کارروائی میری دھمکی کا نتیجہ تھی اور اب اسے بڑی شدت سے میری تلاش تھی پہلے تو میں نے سوچا کہ کرشن کمار کی معرفت اسے بلوا لوں لیکن پھر خیال آیا کہ ابھی اس کے دماغ میں مذہب کا اثر باقی ہو گا۔ دو چار دن ذلت اور رسوائی بھی بھگتنے کے بعد جب ہر چیز پر سے اس کا ایمان اٹھ جائے گا تو وہ بڑی آسانی کے ساتھ میرے سامنے ہتھیار ڈال دے گا۔

ناشتے وغیرہ سے نمٹ کر ہم دونوں باہر نکلے۔ میرا ارادہ پتھر کی خریداری کا تھا تاکہ میں فوری طور پر سنگتراشی شروع کر سکوں۔ کرشن کمار کو ان طلائی سکوں کی حفاظت کی فکر تھی جو میں نے اسے دیئے تھے مگر میں نے اسے دلاسہ دیا کہ شیطان خود ان چیزوں کی حفاظت کرے

گا۔

کرشن کمار بدستور جوگیوں والے لباس میں تھا اور میں معمولی لباس میں تھا۔ پھر بھی بازار میں لوگوں کی نظریں بار بار ہماری جانب اٹھ رہی تھیں۔

کچھ خریداری وغیرہ کے بعد ہم دوپہر تک گھر لوٹ آئے اور میں نے ایک کمرے میں اوزار وغیرہ جمع کر کے کالی دیوی کا پہلا مجسمہ تراشنا شروع کر دیا۔

پہلے روز میں کوئی قابل ذکر کام نہ کر سکا۔ گو سنگتراشی میرا فن آبائی پیشہ تھا لیکن طویل عرصے تک اس کام سے لاتعلق رہنے کی بنا پر مشق نہیں رہی تھی۔

دوسرے روز کرشن کمار سارا دن باہر ہی رہا اور میں نے پوری چابک دستی کے ساتھ اپنا پہلا مجسمہ تیار کر لیا۔ دوپہر کے قریب اس کام سے نمٹ کر میں نے ایک کمرہ کو درست کر کے کھڑکیوں اور دروازوں پر تاریک پردے ڈالے اور عود و عنبر وغیرہ سلگا کر اس کمرے کے ماحول کو کافی حد تک پراسرار اور مسحور کن بنا لیا۔

شام میں کرشن کمار واپس لوٹا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ سیتا پور میں ایک ویران مندر تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو بظاہر آسیب زدہ مشہور ہے لیکن وہاں خفیہ راستے سے کالی دیوی کے پجاری آتے جاتے ہیں اور نہایت رازداری کے ساتھ خفیہ پوجا کرتے ہیں۔ کرشن کمار یہ تو معلوم نہ کر سکا کہ وہ کس انداز میں پوجا کرتے ہیں لیکن اسے اتنا یقین ضرور تھا کہ وہاں غیر قانونی اور مجرمانہ حرکات کی جاتی ہیں۔

کرشن کمار نے اس مندر کے بڑے پجاری کو میرے گھر کا پتہ دیتے ہوئے وہاں آنے کی دعوت دی تھی اور اسے بتایا تھا کہ میں بہت پہنچا ہوا رشی ہوں اور میری روحانی محفل سے لوگوں کو بے پناہ فیض حاصل ہوتا ہے۔

کرشن کمار شیطان سے کئے ہوئے معاہدے کے زیر اثر اب پوری طرح بدی کی طرف راغب تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ وہ سحر زدہ انسانی دل نگلنے کے بعد نیکی سے نفرت کا شکار ہو چکا ہے اور اگر کسی مرحلے پر وہ بہک بھی گیا تو فوری طور پر شیطان اس پر مسلط ہو جائے گا۔

شام ڈھلے سب سے پہلے تین اجنبی میرے اس مکان پر پہنچے ان میں ایک کالی کے مندر

کا بڑا پجاری تھا اور باقی دو اس کے چیلے تھے۔ کرشن کمار نے ان تینوں کو اسی کمرے میں پہنچا دیا جہاں میں نے مصنوعی طور پر سحرزدہ سا ماحول بنایا ہوا تھا اور میرا تراشا ہوا کالی کا سنگی بت ایک چوبی تپائی پر رکھا ہوا تھا۔

اس وقت میرا رویہ انتہائی لاتعلقانہ تھا جس کی وجہ سے بڑا پجاری مجھ سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

میں نے ان تینوں کو اس کمرے کے فرش پر نیم دائرے کی صورت میں یوں بٹھایا کہ میں اور کرشن کمار ان تینوں کے درمیان تھے۔

"آتما کی شانتی اور مہان شکتیوں کی خاطر ہر رشی منش ویرانوں اور جنگلوں کی خاک چھانتا ہے پجاری جی!" میں نے دھیمی اور پراثر آواز میں پہلی بار اپنی زبان کھولی مگر اس سے کہیں زیادہ سکون تمہیں میرے اس کمرے میں ملے گا میں کالی کے بت خود ہی تراشتا ہوں اور پھر ان کی پوجا کرتا ہوں۔ میری رگ رگ میں قہر و جلال کی اس دیوی کی عقیدت رچی ہوئی ہے' میں بس تین رات اپنے ہر نئے بت کی پرستش کرتا ہوں پھر یہ بت میرے لئے پارس بن جاتا ہے اس بت کے سامنے دوزانو ہو کر جب میں منتروں کا جاپ کرتا ہوں تو میری آتما میرے شریر سے نکل کر ہلکے پھلکے معصوم پرندوں کی طرح آکاش کی نیلگوں وسعتوں میں پرواز کر جاتی ہے اور مجھے ایسا سکون محسوس ہوتا ہے جیسے میں ہر فکر سے بے پرواہ ہوں..... میں نے ابھی ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہو اور جب مجھے مال و زر کی ضرورت ہوتی ہے تو میں اسی بت کے قدموں میں لوہے کے ڈھیر ڈال دیتا ہوں اور چند ہی لمحے میں وہ لوہا سونا بن جاتا ہے اور میں کبھی تنگ دستی محسوس نہیں کرتا۔"

"لوہا سونا بن جاتا ہے!" بڑے پجاری کے دونوں چیلوں نے حیرت اور شکوک بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں!" میں قدرے تیز آواز میں بولا۔ "میری باتوں پر یوں شک نہ کرو میں جو کہتا ہوں وہ سچ ہوتا ہے اور اگر تمہاری آتمائیں گمراہی کے پرہول اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں تو جاؤ' اس گھر کے دروازے کھلے ہیں' یہاں بھٹکے ہوئے لوگوں کا کام نہیں ہے' یہ وشواس والوں کی جگہ ہے۔"

"نہیں مہاراج یہ بات نہیں ہے۔" مہا پجاری جلدی سے بول پڑا۔ "یہ ابھی بچے ہیں

شکتیوں کے کھیل ان کی سمجھ سے باہر ہیں۔ چند دن یہاں آتے جاتے رہے تو ان کا دھرم سیدھا ہو جائے گا۔"

"سن کر نہ مانو تو آنکھوں سے دیکھو۔" میں قدرے برہمی کے ساتھ ان سے بولا۔ "لاؤ اپنے ہاتھوں کے آہنی کڑے مجھے دو۔ ابھی تم میری سچائی کے قائل ہو جاؤ گے!"

کمرے کی نیم تاریک اور سحر آلود فضا میں لوہے کی کھنک ابھری اور ان تینوں نے اپنی کلائیوں سے آہنی کڑے اتار کر میرے حوالے کر دیئے۔

"کرشن کمار! روشنیاں اور دھیمی کر دے!" میں نے ہدایت کی جس پر فوراً ہی عمل کیا گیا۔

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے تاریکی کا سہارا لے کر نہایت رازدارانہ طریقے پر اپنی جیب سے پارس پتھر نکالا اور اسے آہنی کڑوں سے مس کر کے واپس جیب میں ڈال لیا پھر وہ کڑے کالی کے مجسمے کے قدموں میں ڈال کر میں اسی جگہ دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور اس بت کے چہرے پر نظریں جما کر زیر لب بے معنی الفاظ بدبدانے لگا۔

بوجھل لمحے گزرتے رہے اور اسی کے ساتھ ساتھ میری مہمل اور بے ربط آواز پر رقت آمیز بھراہٹ سی طاری ہونے لگی اب کمرے کی فضا میں میری آواز کے ساتھ ہی نئے آنے والوں کے تیز تیز سانس بھی ڈوبتے ابھرتے سنائی دے رہے تھے۔

پھر اچانک کالی کے مجسمے کی پتھریلی اور بے جان آنکھیں سلگتے ہوئے انگاروں کی طرح چمک اٹھیں۔

"جے کالی جی کی!" پیچھے سے ان تینوں کی کانپتی ہوئی آوازیں ابھریں اور وہ زور زور سے منتر پڑھنے لگے۔

پتھریلی آنکھوں کی وحشت ناک سرخی بتدریج بڑھتی ہی جا رہی تھی حتیٰ کہ ان سے پھوٹنے والی سرخ روشنی میں وہ پورا مجسمہ نمایاں نظر آنے لگا روشنی کی سرخ دھند میں چوبی تپائی پر کھڑا ہوا کالی کا وہ مجسمہ اس وقت ہیبت اور خوف کا ایک بے مثال پیکر نظر آ رہا تھا۔

معاً اس کمرے کے کسی نادیدہ گوشے سے دبی دبی ہنسی کی کھردری سی آواز ابھری اور میں اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ آواز میرے لئے اجنبی نہیں تھی اپنے آقا کی آواز تو میں لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔

وہ پراسرار قہقہہ دب گیا اور پھر شفقت بھری سرگوشیانہ آواز ابھری "میرے بچے.... میرے جبلی! تو میرا پرستار ہے۔ تیرے لئے ساری کٹھنائیاں آسان کر دی گئی ہیں۔ تو جس محنت سے میرے مشن کو آگے بڑھا رہا ہے اس کا پھل تجھے مل رہا ہے اور بہت جلد تو ایک بڑی خوشخبری پائے گا..... تیرے تینوں مہمان اندھی آتماؤں کے مالک ہیں..... ان کی بے نور آنکھیں کھلی سچائیوں کو نہیں دیکھ سکتیں' لوٹا دے انہیں آہنی کڑے تاکہ یہ بھی تجھے پہچان جائیں۔"

اسی کے ساتھ کالی کے سنگی مجسمے کی روشن آنکھیں دھندلا گئیں۔

میں نے خاموشی کے ساتھ اس بت کے سامنے سجدہ کیا اور ان تینوں کے دیئے ہوئے کڑے سنبھالتا اٹھ گیا۔

"روشنی بڑھا دے۔" میں نے اونچی آواز میں کرشن کمار سے کہا۔

روشنی ہوتے ہی وہ تینوں میرے قدموں میں آ گرے۔ ان کے تاریک چہرے پسینوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور وہ بری طرح سراسیمہ نظر آ رہے تھے' ان کے سانس بے قابو ہوئے جا رہے تھے اور جسموں پر لرزہ طاری تھا۔

"شما کر دو مہاراج..... ہم سے پہچاننے میں غلطی ہو گئی۔" مہا پجاری میرے قدموں میں اپنا سر رگڑتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اٹھو۔" میں نے کڑک کر کہا۔ "اور دیکھو کہ تمہارا دیا ہوا بے وقعت لوہا کیا بن چکا ہے!"

وہ بوکھلا کر میرے قدموں سے اٹھے اور میں نے وہ کڑے ان کی طرف بڑھا دیئے۔

سونے کے کڑے دیکھ کر ان کی جو حالت ہوئی وہ ناقابل بیان تھی۔ ان کے چہروں پر ہوس کی چمک کوند گئی اور انہوں نے بے صبری سے اپنے اپنے کڑے پہن لئے۔

"مہاراج! میں نے ساری عمر کالی کے چرنوں میں گزاری ہے' میں ہر چاند کی آخری رات کو مندر میں ایک سندر کنیا کی بھینٹ دیتا ہوں پر مجھے آج تک کوئی شکتی نہ مل سکی۔ میں ساری عمر اب تمہارے چرنوں کی خاک بن کر رہوں گا' پر مجھے کالی پوجا کے گر بتا دو....!"

"بس بس!" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مندر کو بھول جاؤ پجاری جی جس دل میں کالی سے محبت ہے وہ دل خود ایک مندر ہے۔ میں یہ بت تمہیں دیتا ہوں۔ اسے لے جاؤ

اور اپنے گھر پر ہی اس کی پوجا کرو اور ایک روز تمہارے کان وہی آواز سنیں گے جو یہاں گونجی تھی' جو ہدایت ملے اس پر عمل کرتے جاؤ تو تمہاری زندگی سنور جائے گی۔"

پھر میں نے وہ بت ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کے حوالے کر دیا اور وہ تینوں بڑے خوش خوش وہاں سے چلے گئے۔

یہ ابتدا ہی کامیاب ثابت ہوئی۔ پورے سیتا پور میں کالی دیوی کا ایک ہی مندر تھا اور جب میری ہدایت کے مطابق مہا پجاری نے مندر کے بجائے گھر ہی میں کالی کی پوجا شروع کر دی تو دوسرے پجاریوں نے اس سے رابطہ قائم کیا اور اس کی رہنمائی پر مجھ تک آنے لگے' وہ لوگ میرے پاس آتے تو میں گھنٹوں انہیں اپنے پاس بٹھائے رکھتا اور ان سے مبہم الفاظ میں ایسی گفتگو کرتا کہ مذہب سے ان کا عقیدہ اٹھ جائے اور جب میں یہ دیکھتا کہ لوہا گرم ہے تو انہیں اپنا تراشا ہوا کالی کا بت دے کر روانہ کر دیتا۔

چوتھے روز میں کرشن کمار سے طوسیہ کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ وہ بڑی بیگم کو تیرتھ داس تک پہنچانے گئی تھی اور اسے اب تک واپس لوٹ آنا چاہئے تھا مگر اس کا دور دور پتہ نہیں تھا۔

"جاگیر سے بے دخلی کے بعد سے نواب بنے خان کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے' کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے طوسیہ کو سرلا بائی کی بہن سمجھ کر اس پر ہاتھ ڈال دیا ہو۔" کرشن کمار نے جھجکتے ہوئے زبان کھولی۔

"بنے خان!" میں مٹھیاں بھینچتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "اگر اس نے یہ حرکت کی ہے تو اسے ننگا کر کے سیتا پور کی سڑکوں پر گھسیٹا جائے گا۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور مہا پجاری اندر گھستا چلا آیا اور میرے قدموں میں آ گرا۔

"مہاراج۔ تم نے میرے من کی آنکھیں کھول دیں' کالی نے کل رات مجھے درشن دیئے اور اسی کے آدرش پر میں تمہارے چرنوں میں آیا ہوں.... مہاراج مجھے شیطان کا پجاری بنا لو' میں جان چکا ہوں کہ بدی ہی اس سنسار کی سب سے بڑی سچائی ہے!"

"یہ وقت اس کام کے لئے مناسب نہیں ہے' رات کے بارہ بجے میں تجھے شمشان میں ملوں گا' یہ کام وہیں انجام پائے گا' اس وقت تو واپس لوٹ جا!" میں نے نرم لہجے میں اس

سے کہا۔

مہا پجاری میرے قدم چوم کر واپس چلا گیا مگر کسی خیال کے تحت دروازے سے دوبارہ لوٹ آیا۔

"اب کیا بات ہے؟" میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر اس سے پوچھا۔

"مہاراج پچھلے دنوں سے شہر سے جوان لڑکیاں اٹھائی جا رہی ہیں جن کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔ کالی مائی کے پجاری تم سے مورتیاں لے جا کر درشن کے شوق میں ہر روز نئی بھینٹ دے رہے ہیں اور پولیس نے بھاگ دوڑ کر کے بشن کو پکڑ لیا ہے۔ وہ برسوں ہی تم سے مورتی لے کر گیا تھا اور پھر۔۔۔ وہ جب پالی سنگھ نامی ایک افسر کی لڑکی اٹھا کر ساری رات اس کو مسلتا رہا اور منہ اندھیرے اس لڑکی کو بھینٹ چڑھا دیا۔ پولیس کو لڑکی کی لاش اور خون میں نہائی کالی کی مورتی اس کے گھر سے مل گئی ہے۔"

"اس نے بھینٹ کو گندا کیا تھا' اسے سزا ضرور ملے گی مگر تم کیوں پریشان ہو!" میں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"پولیس اس کو بری طرح مار رہی ہے کہیں وہ تمہارا نام بیچ میں نہ لے آئے مہاراج!" مہا پجاری ڈرتے ڈرتے آہستہ سے بولا۔

میں نے زور کا قہقہہ لگایا۔ "وہ میرا نام نہیں لے سکتا' اس وقت سے پہلے وہ گونگا کر دیا جائے گا۔" میں نے مکارانہ لہجے میں کہا۔ "پھر کالی کی مورتیاں بیچنا جرم تو نہیں ہے۔ اب پجاری جس طرح چاہیں پوجا کریں اس میں میرا کیا قصور ہے' میں نے تو اس سے بھینٹ نہیں دلوائی۔"

مہا پجاری مجھے پرنام کرتا الٹے قدموں لوٹ گیا۔

مہا پجاری کے لوٹ جانے کے بعد میں اندر آیا تاکہ کالی کے بت وغیرہ چھپا دوں۔ یہ احتیاط میں نے محض اس خیال سے ضروری سمجھی کہ کہیں بشن کے معاملے میں مجھے نہ کھینچ لیا جائے۔

میں اندر پہنچا تو حیرت کی باعث میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ کالی دیوی کے تمام مکمل اور نامکمل پتھریلے بت اس طرح سلگ رہے تھے جیسے وہ پتھر کے بجائے گیلی لکڑی سے تراشے گئے ہوں۔ میرے اوزاروں کا چوبی صندوق جل کر خاکستر ہو چکا تھا نہ جانے وہ کیسی

خوفناک آگ تھی کہ میرے تمام آہنی اوزار پگھل کر یکجان ہو گئے تھے۔

"آقا بڑا باخبر ہے جبلی مہاراج!" کرشن کمار نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔ "شاید اسے پہلے ہی معلوم ہو گیا کہ ان بتوں کی وجہ سے تم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے!"

میں نے تیز نظروں سے اسے گھورا اسی وقت وہ سارے بت تیز آوازوں کے ساتھ یوں چٹخ کر زمین پر بکھر گئے جیسے چونے کے پتھر پانی پڑتے ہی پھٹ جاتے ہیں۔

میں نے فوراً ہی گھر مقفل کیا اور کرشن کمار کو ساتھ لے کر باہر چل پڑا۔

تھانے کے آس پاس مجھے زیادہ دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ ایک ادھیڑ عمر اور پریشان حال سپاہی پر نظر پڑتے ہی میں اس کے پاس جا پہنچا۔

"بھائی کیا تم اسی تھانے میں ہو؟" میں نے خوشامدانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"میں جہنم میں ہوں۔۔۔۔۔ تم سے مطلب!" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں غرایا۔

"میرا چھوٹا بھائی دو دن سے یہاں کی حوالات میں بھوکا پیاسا پٹ رہا ہے' مجھے اس کی خیریت چاہئے!" میں نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"ہوں تو۔۔ تو بشن کا بڑا بھائی ہے' تجھے معلوم ہے نا کہ وہ خونی ہے' پکا خونی!" سپاہی زہریلے لہجے میں بولا۔

"خونی تو ہے مگر میرا اور اس کا رشتہ ہی ایسا ہے کہ دل نہیں مانتا' تمہاری مہربانی ہو گی اگر اسے کھانے کو کچھ سامان پہنچا دو۔"

"یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "لوگ اس کے لئے تو بھاری رشوتیں تک لئے پھرتے ہیں اور اگر میں شور مچا دوں تو ابھی تو بھی دھر لیا جائے گا۔ پولیس تو بشن کے فرشتوں تک کی فکر میں ہے۔"

"نہ نہ ایسا نہ کرنا۔" میں جلدی سے بول پڑا۔ "لو یہ بیس روپے رکھ لو اور اسے یہ ڈبہ پہنچا دو۔ اس کے منہ میں کچھ پڑ جائے تو میری محنت وصول ہو جائے گی۔"

اس نے جلدی سے بیس روپے لے کر جیب میں ڈال لئے اور ڈبہ لے کر تیز تیز قدموں سے تھانے کی طرف چل دیا۔

"بشن تو اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا۔" میں سپاہی کے جانے کے بعد تلخ لہجے میں بولا۔ "مگر طوبیہ کا معاملہ ابھی باقی ہے!"

"حکم ہو تو میں کرم پورے جا کر اس کی خبر لاؤں؟" کرشن کمار نے پوچھا۔

"نہیں' کل تک انتظار کرنا ہے!"

پھر ہم دونوں واپس ہو لئے۔

شام کے سرمئی اندھیرے میں ہم مکان کے قریب پہنچے تو کرشن کمار بری طرح بوکھلا گیا اور میں تو پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ وہ مکان ملبے کے ایک ڈھیر میں بدل چکا تھا اور کچھ لوگ ملبے میں گھسے ہوئے کچھ ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

"یہاں سے نکل چلو" میں واپس لوٹتے ہوئے زخمی بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "یقیناً کوئی نابکار پیچھے لگ گیا ہے' ایسے میں بھیڑ بھاڑ سے بچنا ہی بہتر ہے۔"

""مگر میرا تمام سونا.....!" کرشن کمار نے بولنا چاہا لیکن میں نے غصے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میں جہاں ہاتھ لگا دوں وہاں سونا ہی سونا ہو جائے گا' اسے بھول جا۔"

اب رات سر پر آ چکی تھی اور میں ان پے در پے واقعات سے کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کالی کے مجسمے اور میرے اوزار بھی میرے کسی نادیدہ دشمن نے خاکستر کئے ہیں۔

ان حالات میں جبکہ میرا دشمن اندھیرے میں تھا اور میں ہر وقت اس کی زد میں تھا' میری پریشانی برحق تھی - میں نے بجائے شہر میں گھومنے کے سیدھا شمشان کا رخ کیا جہاں آدھی رات کو مہا پجاری کو طلب کیا تھا۔

راستے بھر ہم دونوں بالکل خاموش رہے' شمشان کی ویران اور خاموش فضا میں داخل ہوتے ہی کرشن کمار کچھ بے چین نظر آنے لگا۔ وہ رہ رہ کر کبھی اپنے سینے اور کبھی گلے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"جبلی مہاراج!" آخر وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔ "میرا دم گھٹ رہا ہے' ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے سینے پر کوئی بوجھ آ پڑا ہو!"

میں نے اندھیرے میں غور سے اس کی طرف دیکھا اور فوراً ہی معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔

ہم دونوں کے سروں پر ہلکے ہلکے دھویں کا ایک بدہیئت مرغولہ چکرا رہا تھا۔ جو بار بار کبھی میرے سینے کی طرف اور کبھی کرشن کمار کے گرد ہالہ بنا لیتا تھا۔

معاملہ صاف ظاہر تھا' میرے نادیدہ دشمن نے مجھے ہراساں کرنے کے لئے دھواں میری طرف بھیجا تھا یہ وار مجھ پر تو کام نہ کر سکا مگر کرشن کمار پریشان ہوا جا رہا تھا۔

میں نے طیش کے عالم میں ایک شیطانی منتر پڑھ کر تین بار فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا۔ اور دھویں کا وہ بادل یک بیک غائب ہو گیا۔

شمشان کے خوفناک ماحول میں ہم دونوں آگے ہی بڑھتے رہے اور آخرکار ایک بوڑھے برگد کے نیچے جا کر ٹھہر گئے' میری نگاہیں بے چینی کے ساتھ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ہم دونوں اعصاب شکن خاموشی میں اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آدھی رات کے قریب سامنے سے ایک تاریک انسانی ہیولا اپنی طرف آتا نظر آیا۔ میں سمجھ گیا کہ مہا پجاری شیطان کے ہاتھوں اپنی روح کا سودا کرنے آ پہنچا ہے۔

اس کے قریب آنے سے قبل ہی میں نے دونوں آنکھیں بند کر کے ایک منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ منتر ختم کر کے میں نے آنکھیں کھولیں تو کافی دور سے ایک روشن کھوپڑی فضا میں پرواز کرتی میری جانب آ رہی تھی اور آنے والا اپنی جگہ پر رک کر اس کھوپڑی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"پجاری! میرے قریب آؤ!" میں نے مہیب سناٹے میں اسے آواز دی لیکن جواب ندارد۔

"مہاراج۔ وہ پجاری نہیں لگتا۔" کرشن کمار کی سرگوشیانہ آواز ابھری۔ "پجاری نہ اتنا دبلا ہے اور نہ ہی طویل قامت یہ تو کوئی اور ہی معلوم ہوتا ہے۔"

اور معاً مجھ پر ساری صورت حال واضح ہو گئی۔ اس پراسرار اجنبی نے فضا میں اڑتی ہوئی روشن کھوپڑی کی طرف دونوں ہاتھ بلند کر کے نہ جانے کیا عمل کیا کہ وہ یک بیک تاریک ہو کر شمشان میں کہیں گر گئی اور وہ شخص تیزی کے ساتھ میرے مدمقابل آ گیا۔

میں اپنی شیطانی قوتوں کی بنا پر اندھیرے میں دور تک دیکھنے پر قادر تھا۔ اس لئے مجھے وہ شخص صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے بدن پر دھوتی نما ایک کپڑا تھا اور اس کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔

"جبلی۔ اب تو اور تیرا آقا گردش میں آ چکا ہے۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ "میں تیر۔

پیچھے لگ چکا ہوں اور پاتال میں بھی تجھے نہ چھوڑوں گا۔"

اتنا کہہ کر اس نے زور سے میری جانب پھونک ماری۔ ایک ثانئے کے لئے میرے قدم لڑکھڑائے۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے زمین میرے قدموں کے نیچے سے سرک رہی ہو۔ مگر میں فوراً ہی اپنی جگہ پر جم گیا۔

"بھسم کر دوں گا تجھے!" میں نے اس کی طرف مکا لہرایا۔ اور کئی سمتوں سے بھڑکتے ہوئے شعلے ہوا کے دوش پر اس شخص کی جانب لپکے اور وہ ایک کریہہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ شعلے پوری طرح اسے اپنی گرفت میں لیتے اس نے زمین پر پڑے پڑے اپنے گرد انگلی سے ایک لکیر کا حصار کھینچا اور وہ شعلے معدوم ہو گئے۔

میں اپنے وار کو یوں ناکام ہوتا دیکھ کر غصے سے مٹھیاں بھینچتا اس کی طرف لپکا لیکن اسکے قائم کئے ہوئے حصار تک پہنچتے ہی اچھل کر پیچھے آگرا۔

اس نے میری ناکامی پر ایک بھرپور اور بھیانک قہقہہ لگایا۔ "تیرا ایک نیا چیلا شمشان سے باہر بے جان پڑا ہوا ہے۔ مہاپجاری کے ناپاک وجود کو میں نے نشٹ کر دیا ہے اور اب خود تیری باری ہے!"

اسی وقت کرشن کمار کی کریہہ چیخ ابھری۔ میں پیچھے پلٹا تو دو نہایت خونخوار سیاہ فام بندر اس سے لپٹے ہوئے اس کا بدن نوچ رہے تھے۔ میں نے زمین سے مٹی کی چٹکی اٹھا کر اس طرف اچھالی' وہ بندر تو غراتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے لیکن وہ مٹی کرشن کمار کے بدن سے جا ٹکرائی اور اس کے پورے جسم کو چھلنی کر دیا۔ وہ خون کے فواروں میں نہایا نیچے گر کر بری طرح تڑپنے لگا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے بے جان ہو گیا۔

"میرے سامنے تیری کوئی شکتی نہیں چلے گی جبلی!" حصار میں کھڑا ہوا شخص نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ "میں برسوں سے شیطان کے پجاریوں کی گھات میں تھا اور اب تو میرے ہاتھ لگ گیا ہے' میں تیرے چیلوں کو چن چن کر ختم کر دوں گا اور پھر تو بھی میرے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔"

میں نے دل ہی دل میں سروالیوں کو یاد کیا اور الٹے پیروں والی کریہہ صورت' برہنہ عورتوں کا ایک غول اپنی چھاتیاں پیٹتا اور شور مچاتا اس شمشان میں اتر آیا اور حصار کے باہر اس شخص کے گرد پھیل گیا۔

اس شخص نے اس یلغار پر کئی وار کئے لیکن وہ ایک سمت سے ان سروالیوں کو پیچھے دھکیلتا تو دوسری جانب سے وہ اس کی طرف لپکتی تھیں۔ ان کی کریہہ انگلیوں کے لمبے لمبے ناخن بار بار اس کی گردن کی جانب بڑھ رہے تھے۔ لیکن وہاں کوئی ایسی قوت کارفرما تھی جو انہیں اس سے دور رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"اگر میں نے تجھے برباد نہ کیا جبلی۔ تو میرا نام بھی شنکر نہیں!" اس نے اتنا کہا اور پھر وہ ان ہولناک بلاؤں کے درمیان سے تیزی کے ساتھ اوپر اٹھتا چلا گیا۔

میں نے تیزی کے ساتھ مٹی کی ایک چٹکی اس کی جانب اچھالی مگر وہ تمام کنکر واپس آ کر میرے ہی بدن سے ٹکرائے اور میں تلملا کر رہ گیا۔

شنکر اس مقابلے سے فرار ہو چکا تھا اس لئے میں نے سروالیوں کے غول کو بھی رخصت کر دیا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے کرشن کمار کا جائزہ لیا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔ اس کی خون میں نہائی ہوئی لاش کو اسی حالت میں چھوڑ کر میں شمشان سے واپس چل دیا۔ باہر آیا تو دیوار کے قریب ہی مہاپجاری کی لاش کسمپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے یوں باہر ابلی ہوئی تھیں جیسے مرتے ہوئے اس نے کوئی بھیانک منظر دیکھا ہو۔

ایک ہی روز میں ان پے در پے ناکامیوں کے باعث مجھ پر سخت جھلاہٹ طاری ہو چکی تھی۔ میں شمشان سے نکل کر سیتا پور کے ایک غیر آباد حصے میں پہنچا اور اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعہ وہاں مونگ کا آٹا فراہم کیا اور اس سے شنکر کا پتلا تیار کرنے لگا۔

وہ شخص جس انداز میں میرے مقابل آیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ میری سب آزادیاں سلب کر کے میرا جینا حرام کر دے گا اس لئے میں نے یہی بہتر سمجھا کہ پہلی فرصت میں اسے ٹھکانے لگا دیا جائے۔

میں مونگ کا پتلا تیار کر ہی رہا تھا کہ فضا میں غیر انسانی قہقہے کی سخت اور کھردری آواز ابھری۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا تو کبڑا اور کریہہ صورت شیطان میرے سامنے موجود تھا۔

میں نے احترام کے ساتھ اپنے کوزہ پشت آقا کو تعظیم دی اور پھر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"مشکل وقت آ پڑا ہے جبلی!" وہ سرد اور جذبات سے عاری آواز میں بولا۔

"ہاں میرے آقا۔ شنکر میرے لئے ایک ناگہانی مصیبت بن کر ناز[illegible] ہے۔" میں نے

یہ سب باتیں سن کر میرا سر غرور سے تن گیا۔ میں نے پورے شہر کو خوف اور سنسنی کے ایک ناگہانی عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔

ابھی میں ناشتے میں مصروف ہی تھا کہ شنکر ایک مشتعل ہجوم کے ساتھ ہوٹل میں آ گھسا۔ اس کا چہرہ غصے سے بھبھوکا ہو رہا تھا اور ہاتھ میں مونگ کا پتلا دبا ہوا تھا جو میں نے رات ہی کوڑے کے ڈھیر میں اس کے نام پر دفن کیا تھا۔

اس سے قبل کہ میں مدافعت کی کوئی راہ اختیار کرتا، شنکر کی زبان سے جب یہ سنا کہ میں شیطان کا پجاری ہوں تو وہاں سنسنی پھیل گئی اور لوگوں کا مشتعل ہجوم مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

جسمانی طور پر ان لوگوں کی مار پیٹ میرے لئے بے اثر تھی۔ ان میں سے کئی مجھے نیچے گرا کر میرے سینے پر چڑھ بیٹھے اور میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کرنے لگے لیکن میں اطمینان سے یونہی پڑا رہا۔ میرا نظام تنفس میرے پہلو میں ہونے کے سبب وہ مجھے بالکل بھی پریشان نہ کر سکے۔

وہ ہنگامہ اتنے وسیع پیمانے پر ہوا تھا کہ ذرا ہی دیر میں پولیس وہاں آ پہنچی اور عین اس وقت میرا آقا ایک پاگل کتے کے روپ میں غضب ناک تیوروں کے ساتھ اس ہجوم میں گھس آیا اور وہاں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ اس افراتفری میں مجھے ایک چور راستے سے فرار ہونے کا موقع مل گیا اور میں خاموشی کے ساتھ وہاں سے عقبی گلیوں میں کھسک گیا۔

اس ہنگامے سے مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ گو شنکر نے وہ پتلا برآمد کر کے شدید بیماری سے نجات ضرور حاصل کر لی تھی لیکن میرے اس وار نے اسے بری طرح بوکھلا دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ یوں احمقانہ انداز میں مجھ سے آ ٹکرایا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ ابھی تک اپنی لڑکی کی حالت سے بے خبر ہے۔ جب اسے علم ہو گا کہ اس کی لڑکی بھی شیطانی قوتوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے تو وہ یقیناً غصے سے پاگل ہی ہو جائے گا۔

شنکر جس انداز میں مجھ سے آ ٹکرایا تھا اور جس اعتماد کے ساتھ مجھ سے برسرپیکار تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سیدھے اور سچے راستے کا مسافر ہے لیکن اسے ایک بار طیش ولانے کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ آہستہ آہستہ اس کا اعتدال غیض و غضب کا شکار ہو جائے گا اور میں اسے زک پہنچا سکوں گا۔

اس واقعے کے بعد میں خاصا محتاط ہو گیا اور آباد علاقوں سے بچ کر گزرنے لگا۔ دراصل

میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ مجھے پہچان کر ایک مرتبہ پھر گھیر لیں۔

نصف شب کے قریب کبڑا اور کریہہ صورت شیطان مجھے ایک ویرانے میں ملا۔

”شاباش جبلی! تو بہت خوب جا رہا ہے مگر اب مجھے نواب بنے خان کو ذلیل کرنا ہے، اسی وجہ سے شنکر نے تجھ پر ہاتھ ڈالا ہے۔“ وہ اپنے روایتی سرد لہجے میں بولا۔

”میں خود اس نابکار کو گھیرنے کی فکر میں ہوں میرے آقا!“ میں نے اداس لہجے میں کہا۔ ”مگر طوسیہ کے فراق میں میرا ذہن کام نہیں کر رہا۔“

”طوسیہ۔“ شیطان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ”میں نے اسے فریب سے اپنی پجارن بنایا تھا ورنہ وہ فطرت کے اعتبار سے بہت نیک ہے شنکر لاولد اور غیر شادی شدہ ہے۔ کرم پور سے واپسی پر وہ شنکر سے جا ٹکرائی تھی جو اسے سرلا بائی کی بہن سمجھ کر بنے خاں کے ساتھ پورے شہر میں تلاش کر رہا تھا۔ اب طوسیہ اپنی گناہ آلود زندگی سے تائب ہو گئی ہے اور ایک مکان میں شنکر کی بیٹی بن کر رہ رہی ہے۔“

”طوسیہ... شنکر کی بیٹی...!“ میں حیرت سے بول اٹھا۔

”ہاں۔ اور تو نے ناناستگی میں اسی پر سر والیاں مسلط کی ہیں اور وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے۔ شنکر کا کوئی عمل اس پر کام نہیں کر سکا ہے۔“

”میں ہر قیمت پر اسے شنکر سے واپس لوں گا میرے آقا۔“ میں بے چین ہو کر بولا۔

”دنیا کی کوئی قوت اسے مجھ سے نہیں چھین سکتی۔“

”یقیناً۔ مگر اس کا بہتر توڑ یہی ہے کہ پہلے بنے خان کو ذلیل اور رسوا کیا جائے۔ میں ایک خوبصورت لڑکی کے روپ میں تیرے ساتھ چلوں گا اور تو بردہ فروش کا روپ اختیار کرے گا۔ ایک بار میں بنے خان کی خلوت میں پہنچ گیا تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔“

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ شیطان چاہے تو خود بھی براہ راست بنے خاں تک پہنچ سکتا ہے۔ نہ جانے میرا سہارا لینے میں اس کی کیا مصلحت پوشیدہ تھی۔

”میں خود بھی اس تک پہنچ سکتاہوں۔“ شیطان میرے خیالات کو بھانپتے ہوئے بولا۔ ”مگر وہ جانتا ہے کہ اس کا مقابلہ کس سے ہے۔ ایک اجنبی لڑکی کو خودسپردگی کے عالم میں دیکھ کر وہ ہوشیار ہو جائے گا۔“

"میرے آقا میں تیری جانب سے لوگوں کو گمراہ کرنے پر مامور کیا گیا ہوں اور میری ذات ہر وقت تیرے اشاروں کی غلام ہے۔ تو جو چاہے گا میں وہی کروں گا۔"

"کل دوپہر ہم بنے خاں کی حویلی میں جائیں گے۔ میں تجھے بڑے بازار میں ایک خوبصورت لڑکی کے روپ میں ملوں گا۔" شیطان نے یہ کہا اور غائب ہو گیا۔

اگلے روز شیطان حسب وعدہ ایسے خوبصورت نسوانی پیکر میں مقررہ مقام پر مجھ سے ملا کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑا سیاہی بلا سائے میں بیٹھا اپنا بدن چاٹ رہا تھا ---- میں اسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ کالے رنگ کا وہ خوبصورت سیاہی بلا مانینی کا شیطانی روپ تھا۔

ہم دونوں وہاں سے چلے تو مانینی بھی مناسب فاصلے سے ہمارے پیچھے ہو لیا۔

میں نے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنا حلیہ اس حد تک بدل لیا تھا کہ بنے خاں کے لئے مجھے پہچاننا دشوار ہی نہیں ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

بنے خاں کی حویلی پر پہنچ کر میں نے اندر پیغام بھجوا دیا کہ دور سے ہیروں کا ایک سوداگر کچھ قیمتی دانوں کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے آیا ہے۔

میرے اس پیغام کے جواب میں اندر سے فوراً ہی ایک چوبدار آیا اور مجھے ہمراہ لے جا کر اندر ایک کشادہ کمرے میں بٹھا دیا اور خود واپس چلا گیا۔

کچھ دیر بعد بنے خاں خود اس کمرے میں آیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میں نے اٹھ کر اسے تعظیم پیش کی۔ میرے اشارے پر شیطان نے بھی اسے خالص ہندوانہ انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا اور پھر سکڑا سہا سا میرے برابر میں بیٹھ گیا۔

"سرکار میں بڑی دور سے آس لے کر آپ کے در پر آیا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ بنے خاں بہت غور سے شیطان کے نسوانی بہروپ کو گھورے جا رہا ہے۔ ایک ثانیے کے لئے میرا دل تیزی سے دھڑکا۔ کہ شاید بنے خاں کو ہماری جعلسازی کی بھنک مل چکی ہے لیکن اگلے ہی ثانیے میرے اس شبہ کی تردید ہو گئی کیوں کہ بنے خاں کے چہرے پر ہوسناک سی چمک کوندنے لگی تھی۔

"وہ کونسا نایاب ہیرا ہے جو تم لائے ہو؟" بنے خاں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"سرکار کی نظریں جوہر شناس ہیں۔" میں خوشامدانہ لہجے میں بولا اور شیطان کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کے سامنے اس کی تعریف میں کچھ کہنا جوہری کو پتھر کی قسم سمجھانے کے برابر ہے۔ خود دیکھیں اور اس غلام کے فیصلے کی داد دیں کہ سیدھا آپ ہی کے در پر آیا ہے۔"

"اس کے کیا دام لو گے؟" بنے خاں دبے دبے جوش کے ساتھ بولا۔

"آپ کا ہر فیصلہ مجھے قبول ہو گا۔" میں نے بلاوجہ دانت نکال دیئے۔

"ایسے سودوں میں خود میرا کوئی فیصلہ نہیں ہوا کرتا۔ ویسے یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے' دیکھو میرا مشیر اس کے کیا دام لگاتا ہے۔"

اتنا کہہ کر بنے خاں نے زور سے تالی بجائی اور اس کمرے کی پرسکون فضا یک بیک درہم برہم ہو گئی۔

تالی کی آواز کے ساتھ ہی ایک پردے کی اوٹ سے میرا دشمن شنکر غصے سے آگ بگولہ نمودار ہوا اور مانینی نے خوفناک غراہٹ کے ساتھ بنے خان کے سینے پر چھلانگ لگا دی۔ شیطان نے ایک طویل سانس لے کر اپنے سر سے دوپٹہ اتار پھینکا اور انگڑائی لے کر فوراً ہی اپنے اصل روپ میں آ گیا۔

"نابکار تیری یہ مجال کہ تو اب پھر یہاں آ پہنچا۔" شنکر نے شیطان کے سامنے پہنچ کر کہا۔ "اس بار میں تجھے فنا کر دوں گا۔"

اور اسی وقت مانینی نے نواب بنے خان کو زمین پر گرا لیا اور بے رحمی کے ساتھ اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کا نرخرا چیرنے کی کوشش کرنے لگا۔

بنے خان کی دہشت زدہ چیخوں کے درمیان مجھے شیطان کی مکروہ آواز سنائی دی۔ وہ شنکر سے کہہ رہا تھا۔ "میں فنا ہونے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا..... میرا خمیر ناری ہے اور آگ ہمیشہ روشن رہے گی۔ تجھ جیسے خاکی انسانوں کے لئے فنا مقدر ہے اور تیرا یہ انجام بہت جلد ہونے والا ہے۔"

"تو نفس کے غلاموں پر غالب آ سکتا ہے مگر میرے سامنے تجھے ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔" شنکر یہ کہتا ہوا تیزی کے ساتھ بنے خان کی طرف جھپٹا جو مانینی کے چنگل میں پھنسا زندگی اور موت کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ اس کا سارا سینہ اور چہرہ مانینی کے خون آشام پنجوں سے لہولہان ہو چکا تھا۔

بنے خان سے نہ جانے کیوں، مجھے دشمنی سی ہو چکی تھی۔ شنکر کے آگے بڑھتے ہی میں بھی تیزی کے ساتھ آگے لپکا اور پھر اس سے لپٹ پڑا۔

شنکر نے ابھی تک شاید مجھے نظرانداز کیا ہوا تھا۔ میں جو یوں ناگہانی اس پر حملہ آور ہوا تو وہ میرے زور میں سر کے بل زمین پر آ رہا۔ اتنی دیر میں مانینی اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ میں نے مانینی کی آسودہ غراہٹوں کے ساتھ ہی بنے خان کا بدن تڑپنے کی آوازیں سنیں اور شنکر کا منہ نوچتا اس سے الگ ہٹ گیا کیونکہ وہ بار بار مجھے گرا دینے کے لئے زور کر رہا تھا۔

میں نے اس سے الگ ہٹ کر مانینی کو اس کی طرف ہشکارا وہ خونخوار بلا غراتا ہوا بنے خان کے بے جان جسم سے اتر کر شنکر کی طرف بڑھا۔ اسی وقت شنکر نے ہاتھ بلند کر کے کوئی منتر پڑھا اور مانینی خوفزدہ آوازوں میں چلاتا ہوا شیطان کے عقب میں جا چھپا۔ جیسے کوئی نادیدہ قوت اسے بے رحمی سے پیٹ رہی ہو۔

"میں جا رہا ہوں شنکر۔" شیطان ہڈیوں کو سلگا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تجھے معلوم ہے کہ میں بہت صلح جو اور امن پسند مخلوق ہوں مگر تیرے ہم نسل آپس کی رقابت اور انتقام کے چکروں میں پڑ کر مجھے فتنہ برپا کرنے پر اکساتے ہیں۔ اس بار تو مجھے معاف کر دے آئندہ میں خود کبھی تیرے آڑے نہیں آؤں گا۔"

شنکر نے گالیاں دیتے ہوئے ایک پھولدان اس کی طرف پھینک کر مارا۔ جسے شیطان نے پھرتی سے لپک لیا۔ پھر اسے بوسہ دے کر واپس شنکر کی طرف لڑھکا دیا۔

"شنکر جی۔ یہ سب رام سیوا چھوڑ دو۔" وہ میرے اور مانینی کے ہمراہ باہر نکلتے ہوئے پھر بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اپنا جانشین مقرر کر دوں گا تم جیسے دو چار مخلص مل جائیں تو دنیا کے کسی کونے میں امن، نیکی، سچائی اور خلوص کا نام و نشان تک باقی نہیں رہ سکتا۔ تم رام کی مالا ضرور جپتے ہو مگر تمہارا دل نفرت اور تعصب کی سیاہی میں ڈوبا ہوا ہے۔ تمہاری یہ زہریلی خوبیاں تمہیں میرے مقابلے میں کبھی سرخرو نہ ہونے دیں گی۔"

اس کے جواب میں شنکر پوری آواز کے ساتھ اسے مغلظات بکنے لگا اور شیطان ہنستا ہوا میرے ہمراہ اس کمرے سے باہر ویران راہداری میں نکل آیا۔

"فکر نہ کر جبلی۔ میں یہ معرکہ چھڑنے سے پہلے ہی اس حویلی والوں کو بہرا کر چکا

تھا۔" مجھے چوکنا دیکھ کر شیطان بولا۔ "انہیں خبر تک نہ ہوئی ہو گی کہ اندر نواب مارا جا چکا ہے۔"

اور اس کی بات درست ہی تھی، ہم بلا کسی روک ٹوک حویلی سے باہر نکل آئے۔

راستے میں شیطان کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ اگر شنکر آڑے نہ آتا تو شیطان لڑکی کے روپ میں نواب بنے خاں کو برہنہ کر کے اس کی پشت پر سواری کرتا اور پھر اسے پوری حویلی میں کسی چوپائے کی طرح ہانکتا پھرتا اور جب کسی بھری پری جگہ پر بنے خاں کا ذہن شیطان کے اثرات سے آزاد ہوتا تو وہ یقیناً کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

"جبلی! آج کی رات میرے چیلوں کی ایک اہم محفل ہے جس میں شریک ہو کر تو بہت کچھ سیکھ سکے گا۔" شیطان نے کچھ دیر بوجھل خاموشی کے بعد پھٹی پھٹی کرخت آواز میں کہا۔

"میرا ہر سانس تیرا غلام ہے آقا۔" میں نے نظریں جھکا کر کہا۔ "مگر میرا دل طوسیہ کے لئے بے قرار ہے، اسے شنکر کے چنگل سے کیوں کر نجات دلائی جا سکے گی۔"

اس نے بھی شفقت کے ساتھ اپنا استخوانی ہاتھ میرے شانے پر رکھا اور بولا۔ "طوسیہ گمراہی کے اندھیروں میں جا پھنسی ہے اور اب مجھے اس سے کوئی ایک امید نہیں رہی ہے، ویسے بھی اسے حاصل کرنا خاصا مشکل ہے کیونکہ وہ شنکر کی پناہ میں ہے۔ جو خود بہت پارسا اور باعمل یوگی ہے بس اس میں چند ہی برائیاں ہیں جن کی وجہ سے میں اب تک اس کا مقابلہ کرتا رہا ہوں، ورنہ اس قسم کے لوگوں پر میرا کوئی وار نہیں چلتا۔"

"طوسیہ پر سردالیاں مسلط ہیں۔" میں تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "اس کی حالت بہت ابتر ہو گی، اگر تو اجازت دے تو میں اسے اس عذاب سے نجات دلا دوں۔"

"نہیں۔" شیطان اٹل لہجے میں بولا۔ "میں آتش پرستوں کو عزیز رکھتا ہوں۔ دیکھ مانینی مر چکا ہے مگر اس کی روح ایک نئے جسم میں میرے گرد وفاداری سے ناچ رہی ہے۔ اور طوسیہ تو پیدائشی بت پرست ہے، شنکر بھی اپنے تراشے ہوئے خداؤں کا پجاری ہے۔ ان کا رشتہ بہت مضبوط ہے اور اسے کمزور کئے بغیر تو مر کر بھی طوسیہ تک رسائی حاصل نہ کر سکے گا۔"

میں خاموش ہو گیا۔

ایک ویرانے میں پہنچ کر شیطان نے یک بیک ایک ضعیف نابینا کا روپ دھار لیا اور بولا۔ "ہمیں اندھیرا گہرا ہونے تک وقت گزارنا ہی ہے۔ آ میں تجھے دکھاؤں کہ خلق خدا کو کتنی آسانی سے آزار میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔"

کچھ ہی دیر بعد میں اس کے ہمراہ بارونق علاقے میں جا پہنچا۔ مانیئی لوگوں کی ٹانگوں کے درمیان سے گزرتا ہمارے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔

گو شیطان اس وقت ایک باریش نابینا کے روپ میں تھا مگر ایک تہمد پوش برہمن کو دیکھتے ہی اس نے مجھ سے سرگوشی کی۔ "اب میں تجھے اس گنجے پنڈت کا تماشا دکھاؤں گا۔"

وہ مجھ سے الگ ہو کر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور لوگوں سے ٹکراتا ہوا تیزی سے اس برہمن کی طرف بڑھا اور اس کے شانے سے شانہ ملا کر چلنے لگا۔

اس برہمن نے گھور کر شیطان کو دیکھا اور ناک بھوں چڑھاتا اس سے الگ ہٹنے لگا لیکن شیطان نے حیرت ناک اداکاری کرتے ہوئے ٹٹول کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

اس وقت تک میں ان دونوں کے بالکل عقب میں پہنچ چکا تھا۔

"تم کون ہو بھائی؟ ہندو یا مسلمان؟" شیطان نے نہایت مسمسی آواز میں اس سے پوچھا۔

"دور ہٹ مجھ سے۔" وہ برہمن چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "میں پلید مسلوں سے دور بھاگتا ہوں۔" وہ داڑھی کی بنا پر شیطان کو مسلمان سمجھا تھا۔

"رام رام۔" شیطان جلدی سے بولا۔ "میں تو خود مسلمان سے دور بھاگتا ہوں۔ میری داڑھی پر نہ جاؤ۔ ناداری کے سبب کئی ہفتوں سے حجامت نہیں کرا سکا اور ابھی کچھ لفنگوں نے دھوکے سے گوشت کھلا دیا۔ شاید سیتا پور میں مسلمانوں کو کھلی چھٹی ہے... بھائی اگر کہیں سے گئو ماتا کا پیشاب ملے تو ذرا میرے سر پر ڈال دو تاکہ میرے دل کو تسلی ہو سکے ورنہ میں تو یونہی ناپاک پھرتا رہوں گا۔"

اتفاق سے قریب ہی ایک گائے بیچ سڑک میں پیشاب کر رہی تھی۔ اس احمق برہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور دونوں ہاتھ پیشاب کی چھینٹیں شیطان پر اڑانے لگا۔

یہ منظر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔ مسلمانوں نے جو یہ دیکھا کہ ایک برہمن باریش نابینا کو یوں ناپاک کر رہا ہے تو اس پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں فساد

برپا ہو گیا۔

شیطان کے لئے یہ مہلت کافی تھی۔ اس نے میرا ہاتھ تھاما اور بھیڑ میں گم ہو گیا۔ کافی دور تک مار پیٹ کا وہ شور ہمارا تعاقب کرتا رہا۔ مانیئی اس ہنگامے میں نہ جانے کہاں سے نکل آیا تھا۔

"بڑے دنوں سے اس شہر میں کوئی فساد نہیں ہوا تھا۔" شیطان ہنسنے لگا۔ "اب ذرا دو چار مریں گے تو شہر میں کچھ دن کے لئے رونق ہو جائے گی۔"

سورج غروب ہوا پھر اندھیرا گہرا ہونے لگا۔ لیکن شیطان آبادی سے میلوں باہر آ جانے کے باوجود اسی رفتار سے آگے بڑھتا رہا مگر میں اس سے منزل کے بارے میں کوئی سوال کرنے کی جرات نہ کر سکا۔

نصف شب کے قریب تاریک ویرانے میں روشن دھبے سے ٹمٹماتے نظر آئے اور میں نے قدرے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ شیطان کا رخ اسی جانب تھا۔

مجھے یہ تو یقین تھا کہ وہ روشن آبادی ہماری منزل ہو یا نہ ہو شیطان کم از کم وہاں ضرور رکے گا کیونکہ شیطانی مسلک کی رو سے رات کے درمیانی پہر میں قیام کر کے بدی اور گناہ کی ترویج اور ترغیب بہت زیادہ پسندیدہ فعل سمجھی جاتی تھی۔

آہستہ آہستہ وہ روشنیاں واضح ہوتی چلی گئیں اور ہمیں بے آب و گیاہ ویرانے میں ایک کچی اور عسرت زدہ بستی کے آثار نظر آنے لگے۔

کچھ اور آگے بڑھنے پر میں نے جو منظر دیکھا وہ بڑا عجیب و غریب تھا۔

بڑی بڑے توندوں اور سوکھی ہوئی ٹانگوں والے کئی برہنہ بچے خشک انسانی کھوپڑیوں کو ٹھوکروں میں ادھر ادھر لڑھکا کر خوش ہو رہے تھے۔

شیطان پر نظر پڑتے ہی وہ جہاں تھے وہیں سجدے میں گر گئے۔

"اٹھ جاؤ میرے پجاریو! اس سرزمین پر پھیلی ہوئی نیکیوں کو نگلنا ہی تمہارا کام ہے!" شیطان نے بزرگانہ انداز میں ان سے کہا اور وہ بے ہنگم شور مچاتے سیدھے ہو گئے۔

جب میں ان ڈراؤنے بچوں سے آگے بڑھا تو بے اختیار میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

پھوس کے پرانے جھونپڑوں کے پار ایک ہیبت ناک مخلوق کا اژدہام جمع تھا۔ ان میں ہی دو ٹانگوں والے حیوان لگ رہے تھے اور ان کے برہنہ جسموں کی ساخت انسانی بدن

سے یکسر مختلف تھی۔

شیطان کو دیکھتے ہی اس ہجوم نے والہانہ چیخوں سے اس کا استقبال کیا اور وہ مجھے ہمراہ لئے نہایت خاموشی کے ساتھ ان سب کے درمیان سے گزر کر ایک اونچی مسند پر جا بیٹھا جہاں خوفناک چہروں' بڑے بڑے دانتوں اور بے ہنگم جسموں والی بہت سی عورتیں اپنے بال بچھائے لیٹی ہوئی تھیں۔

"سکوت!" اچانک شیطان ہاتھ اٹھا کر بولا۔

فوراً ہی اس میدان میں گہرا سناٹا چھا گیا۔

"غور سے سنو اور میری باتوں کا جواب دو۔ یہ تمہارے درجے مقرر کرنے کا دن ہے!"

شیطان نے قدرے خاموشی کے بعد دوبارہ زبان کھولی۔

"ہم سن رہے ہیں۔" ہجوم نے یک زبان ہو کر کہا۔

"وہ کون ہے جو ہم میں رہا پھر سچائیوں میں گمراہ ہو گیا؟" شیطان نے سوال کیا۔

"وہ نیل کی بیٹی ہے!" کسی جانب سے پاٹ دار آواز گونجی۔ "جو صدیوں پہلے صنم پرست تھی پھر وہ تیری پجارن ہوئی اور اب قہر میں مبتلا ہے!"

"شاباش!" شیطان غیر جذباتی لہجے میں بولا۔ "تم سب باخبر ہو! اور اب سنو کہ وہ لڑکی ایک خطرناک پنجے میں پھنسی ہوئی ہے۔ اسے بہکانا اور بھڑکانا تم سب پر واجب ہے۔"

اس نے اک ثانئے کے لئے خاموش ہو کر ہجوم کا جائزہ لیا اور میرا بایاں ہاتھ تھام کر فضا میں بلند کر دیا۔ سب کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔

"نیل کی اس بیٹی کا نام طوسیہ ہے۔ وہ شنکر کی قیدی ہے جو اپنے شہر میں میرا سب سے بڑا دشمن ہے اور یہ جو میرے ساتھ کھڑا ہے تمہارا ہم مسلک ہے اور تم سب سے بڑا ہے' اسے تعظیم دو۔"

وہ سب بیک وقت نیچے جھکے اور پھر کوئی غیر مانوس سا لفظ کہتے ہوئے سیدھے ہو گئے۔

"یہ تم سے بڑا ضرور ہے مگر مجھ سے کم تر ہے کیوں کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا اور اس نے مٹی کے خمیر اور [illegible] سے جنم لیا ہے۔ اس کا رتبہ بہت بلند ہے اور اس کی [illegible] ہے جو صدیوں سے میرے غلام مانئی کی قید میں تھی۔ اب میں ایک [illegible] جاہوز کو حکم دیتا ہوں کہ وہ [illegible] اگلے زمانوں میں وفن اپنے مسکن سے باہر آ

جائے۔"

شیطان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی سب کی نگاہیں تاریک آسمان کے شمالی گوشوں کی طرف اٹھ گئیں جیسے وہ ادھر سے جاہوز کی آمد کی توقع رکھتے ہوں۔

"دیکھو وہ نابکار وہاں گہری نیند سو رہا ہے۔" شیطان کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد بولا۔ "اور اس لئے ان پھنکارتے پہاڑوں میں قید ہے کہ وہ نافرمان ہے۔ پھر ہر وقت ہوشیار رہنا اس کے بس سے باہر ہے مگر اب اس کی بیداری کا وقت آ گیا ہے۔ کیونکہ وہ ہلکے پھلکے پرندوں کی طرح کھلے آسمانوں میں پرواز کر سکتا ہے۔ اسے سمندروں اور پہاڑوں کو عبور کر کے ان بے رحم ریگ زاروں میں جانا ہے جہاں ایک صندلی کلیسا میں مانئی کے باپ دادا نے طوسیہ کا بدن قید کیا ہوا تھا۔ اس صندلی کلیسا میں تانبے کی ایک لوح ہے جس پر ایک پورا عمل لکھا ہوا ہے۔ جاہوز کو وہ عمل پورا کرنا ہے اور پھر طوسیہ کی روح اس کے بدن سے بچھڑ جائے گی۔ روح شنکر کے قبضے میں رہ جائے گی اور بدن اسی کلیسا میں پہنچ جائے گا اور تم جانتے ہو کہ میں روحوں کا سوداگر ہوں طوسیہ کی بے جسم روح زیادہ دن مجھ سے دور نہ رہ سکے گی اور ایک دن میرے قبضے میں آ جائے گی اور پھر وہ جبلی کی باندی ہو گی جو خود میرا غلام ہے!"

بات مکمل کر کے شیطان نے میرا ہاتھ نیچے گرا دیا اور ہجوم بری طرح چیخنے لگا۔

اسی وقت آسمان کے گوشوں پر بجلی کے سے کوندے لپکتے نظر آئے جو تیز رفتاری کے ساتھ اسی جانب چلے آ رہے تھے۔

وہ روشنی دیکھ کر بے معنی آوازیں گھٹ کر رہ گئیں اور شیطان مسرت بھری آواز میں بولا۔ "میں جانتا تھا کہ میری آواز اس تک ضرور پہنچے گی اور وہ آندھی کی طرح یہاں آئے گا۔"

آخرکار وہ کوندے سر پر آ پہنچے اور ان کے جلو سے ایک طویل قامت' قوی الجثہ مگر بیت ناک شخص نمودار ہوا' جس کی داہنی آنکھ کا ڈھیلا آنکھ سے باہر رخسار کی ہڈی پر لٹکا ہوا تھا اور بائیں آنکھ کی جگہ ایک بے نور گڑھا نمایاں نظر آ رہا تھا۔

اس نے احترام کے ساتھ آگے بڑھ کر شیطان کے قدموں کو بوسہ دیا اور سیدھا ہوتے ہوئے میری طرف دیکھ کر شیطان سے بولا۔ "کتے [illegible] شکل والا یہ انسان کون ہے میرے

آقا!"

"یہ وہی ہے جس کے لئے میں نے تجھے ندا دی ہے!" شیطان کا لہجہ سرد تھا۔

"اس کی شکل کتے جیسی کیوں ہے؟" وہ احتجاج آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا یہ مجھ سے زیادہ تیرا وفادار ہو سکتا ہے؟"

"ہاں" شیطان گرج کر بولا۔ "تو آگ کی تخلیق ہے اور میری اطاعت تیرا مزاج ہے مگر یہ مٹی سے پیدا کیا گیا اور پھر بھی میرے اشاروں کا غلام ہے۔ یہ اس اعزاز کا مستحق ہے کہ جب یہ میرے لوگوں میں آئے تو اس کی صورت میرے وفادار جانور جیسی نظر آئے۔"

غیر ارادی طور میرا ہاتھ اپنے چہرے پر پہنچا اور میں نے محسوس کیا کہ میرے چہرے کی ہیئت اس وقت بالکل بدلی ہوئی ہے۔ شاید شیطان جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچ ہی تھا۔

"اب جاجوز کے لئے کیا حکم ہے؟" وہ یک چشم اور ہیبت ناک شخص اپنی داہنی آنکھ کے باہر لٹکے ہوئے ڈھیلے کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"پرواز!" شیطان اپنا سوکھا ہوا ہاتھ لہرا کر بولا۔ "میرا پورا حکم تو اپنے مسکن ہی میں سن چکا ہو گا اس لئے اب تاخیر کی کوئی صورت نہیں۔"

اس نے کسلمندی کے ساتھ اپنے شانے اچکائے اور چھلانگ لگانے کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا دیئے اور آناً فاناً میں بلندی کی جانب پرواز کر گیا۔

اس کے جانے کے ساتھ ہی کبڑا شیطان اپنی سوکھی ٹانگوں پر اچھلتا ہوا چند قدم آگے بڑھا اور یک بیک فضا میں تحلیل ہو گیا۔

اس کا غائب ہونا تھا کہ فضا وحشیانہ قہقہوں اور ڈراؤنی چیخوں سے لرز اٹھی اور بہت سے بھیانک پیکر جنون کے عالم میں مجھ سے لپٹ پڑے۔

اس پراسرار بستی کے مہیب اور عجیب الخلقت باسی بھونڈے ہونٹوں سے میرے بدن کا روا‌ں رواں چوم رہے تھے۔ ان کی گرم گرم لجلجی زبانیں میرے بدن پر پھسل رہی تھیں اور میرے لباس کا ایک ایک چیتھڑا تبرک کے طور پر نوچ چکے تھے۔ میں نہایت سکون کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑا اس شیطانی مخلوق کی عقیدت سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر جب چند کریہہ اور ڈراؤنی صورتوں والے نسوانی پیکر ہوسناک انداز میں میرے جسم سے لپٹنے لگے تو میں چیخ پڑا۔

"دور ہٹ جاؤ.... تم میں کوئی اس قابل نہیں ہے کہ میرا قرب جیت سکے!"

وہ تمام ڈراؤنے پیکر شکست خوردہ انداز میں سر جھکائے مجھ سے دور ہٹ گئے۔ لیکن ان نسوانی چہروں پر اب بھی ہوسناک ارادوں کی چمک کوند رہی تھی۔ میں تنہا اس اونچائی پر کھڑا ہوا تھا معاً مجھے کچھ خیال آیا اور میں ان سے مخاطب ہو گیا۔

"یہ ساری زمین اور کائنات کس کی ہے؟" میں نے اس ہجوم سے سوال کیا۔

"یہ اس کی ہے جس سے ہمارے آقا نے بغاوت کی تھی جس نے آدم کو مٹی کے خمیر سے اور ابلیس معظم کو بھڑکتی آگ سے پیدا کیا اور جس کے بندوں کو ورغلانا اور گناہ پر اکسانا ہمارا مسلک ہے!" ان میں سے کوئی پھٹی پھٹی آواز میں بولا۔

"اور تمہارے پاس کیا قوتیں ہیں جو تم نیکی اور انصاف کو نگل جاتے ہو؟"

"جہالت ہمارا عمل ہے' شر ہمارا ہتھیار ہے' فتنہ و فساد اور گمراہی ہمارا مسلک ہے مگر ہم مجبور ہیں۔ ہمارا ہر فعل اپنے آقا کے اشاروں کا پابند ہے اور اس کے بعد اب تو' ہم میں سب سے برتر ہے تو نے شیطان کے لئے اتنی خدمات انجام دی ہیں کہ ہمارے درمیان تیرا چہرہ مسخ ہو کر کسی خبیث کتے کے روپ میں نظر آ رہا ہے۔ اس لئے شیطان کے بعد تیری اطاعت ہم پر لازم قرار پا چکی ہے!" وہی مکروہ آواز ابھری۔

"تو تم میرے حکم کے پابند ہو؟" میں نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

"ہاں!" پورے ہجوم نے ہم آہنگ ہو کر کہا۔

"تو جاؤ اس وقت ہر طرف رات کے اندھیروں کی حکمرانی ہے۔ یہ تمہارے عمل کا وقت ہے۔ اس وقت نیکیاں اونگھ جاتی ہیں اور ذہنوں میں بدکاری کلبلانے لگتی ہے۔ تمہاری ذرا سی ترغیب پر انسان اپنے درجے سے بہت نیچے آ جاتا ہے۔ رقابتیں بیدار ہو جاتی ہیں، فتنہ جاگ اٹھتا ہے اور انسان اپنی ہوس کی خاطر خون کی ہولی کھیلنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ جاؤ یہاں وقت برباد نہ کرو۔ رات کی یہ زرخیز ساعتیں تیزی سے سرک رہی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ رات یوں ہی امن و سکون سے گزر جائے اور اگلی صبح تمہارا آقا شرم اور غصے سے اپنے بال نوچتا پھرے!"

"تو واقعی اس قابل ہے کہ اونچا منصب پائے!" ان میں سے کوئی بولا پھر وہ ہجوم آہستہ آہستہ وہاں سے سرکنے لگا۔

"وہ سروالیاں یہیں رک جائیں جنہیں میں نے شنکر کی لڑکی پر مامور کیا تھا۔" میں نے اپنی جگہ سے انہیں مخاطب کیا۔

چند بدصورت اور ڈراؤنی عورتیں اس بھیڑ سی الگ ہو گئیں اور بقیہ شیطانی مخلوق سر جھکائے بستی میں بنے جھونپڑوں میں روپوش ہوتی رہی۔

"وہ لڑکی اب کس حال میں ہے؟" میں نے سروالیوں کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

"برے حال میں ہے.... اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے اور وہ بال بکھرائے ہر وقت حسین نامی کسی شخص کو پکارتی رہتی ہے!" ان میں سے ایک نے ناک میں بولتے ہوئے کہا۔

"وہ رہتی کہاں ہے؟"

"کنجڑوں کی بستی میں.... وہاں پکا بنا ہوا بس ایک ہی مکان ہے وہ اسی میں رہتی ہے!"

"اور بھوکی پیاسی رہتی ہے؟"

وہ سب زور سے ہنس پڑیں۔ جب ان کے بھیانک قہقہے رات کے مہیب سناٹے میں معدوم ہو گئے تو میں نے سخت آواز میں پھر اپنی بات دہرائی۔

"جن پر سروالیاں آتی ہیں وہ کبھی بھوکی پیاسی نہیں رہتیں.... ہم اس سے لئے موجود

پہنچاتی ہیں جس کی وہ ذرا بھی خواہش رکھتی ہو!"

"کیا تم حسین کو بھی اس تک پہنچا سکتی ہو؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ ہمارے اختیار میں صرف اس کا کھانا پینا ہے!" ایک عورت زمین پر پڑی ہوئی کھوپڑی کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولی۔

"جاؤ!" میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں اجازت دی۔

چند ہی ثانیوں میں پھوس کے روشن جھونپڑوں کی اس پراسرار بستی میں میں تنہا رہ گیا۔ تمام شیطانی مخلوق ان جھونپڑوں میں چھپی ہوئی تھی۔ میں واپسی کے ارادے سے پلٹا ہی تھا کہ یک بیک ساری جھونپڑیاں تاریک ہو گئیں اور پھر ان سے شعلے لپکنے لگے۔ حیرت کے باعث میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ آگ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی لیکن ابھی تک جھونپڑوں میں سے نہ کوئی چیخ و پکار ابھری تھی نہ کوئی باہر نکلا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے ان جھونپڑوں کا ایک ایک تنکا جاٹ گئی اور وہاں ہر طرف سلگتی ہوئی راکھ کے انبار باقی رہ گئے جن سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر راکھ کے انبار کو لکڑی سے کریدا لیکن وہاں کوئی جھلسی ہوئی لاش نظر نہ آئی۔

یہ معمہ میرے لئے بہت پراسرار اور ناقابل فہم تھا۔ میں جونہی واپس مڑا مجھے اپنا کوزہ پشت اور کریہہ صورت آقا نظر آیا جس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"کیا دیکھ رہا تھا جبلی؟" اس نے کھردری اور سپاٹ آواز میں سوال کیا۔

"تیرے سارے چیلے کہاں گئے آقا۔ یہاں تو صرف پھوس کی راکھ رہ گئی ہے؟" میں نے حیرانی کے ساتھ پوچھا۔

وہ اپنی ناہموار ٹانگوں پر اچھلتا ہوا میرے قریب آیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولا۔ "پانی پانی کو نقصان نہیں پہنچاتا، آگ آگ کو نہیں جلاتی۔ ہاں وہ تیری طرح مٹی کی مخلوق ہوتے تو ضرور جل جاتے مگر وہ سب آگ کے خمیر سے اٹھائے گئے ہیں!" میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"طوبیہ سے ملنا چاہتا ہے؟" مجھے خاموش پا کر شیطان نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

میں نے کرب آلود نظروں سے اپنے آقا کی جانب دیکھا اور دھیمی سی آواز میں بولا۔ "طوبیہ میرے جذبوں کی تسکین اور میرے خوابوں کی تعبیر ہے

”جاجوز فسوں خیز فضاؤں میں پہنچنے ہی والا ہے اور پھر وہ صندلی کلیسا میں پہنچ کر اپنا عمل شروع کر دے گا اور طوسیہ دو حصوں میں بکھر جائے گی۔“ شیطان کہنے لگا۔ ”روح شنکر کی قید میں ہو گی اور جسم پر میرا تسلط ہو گا۔“

”چلو.... چلو اس سے پہلے میں ایک بار طوسیہ سے بات کرنی چاہتا ہوں!“ میں اضطراری کیفیت میں شیطان کو ایک طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

”بات کرے گا۔“ شیطان بے رحمانہ انداز میں ہنس پڑا پھر نفرت بھری آواز میں بولا۔ ”اس کو روگ لگ چکا ہے جبلی۔ اس کی روح نیکی کے آزار میں مبتلا ہے جب تک وہ بدی اور گناہ سے محبت کرنا نہیں سیکھتی تو اسے حاصل نہیں کر سکتا۔“

”میں اسے اکساؤں گا‘ وہ میری خاطر سب کچھ قبول کر لے گی۔“

”طوسیہ کو بھول جا جبلی۔“ شیطان گمبھیر اور کھردرے لہجے میں بولا۔ ”اس نے میرے مسلک میں آنے کے بعد پھر نیکی کی راہ اختیار کی ہے۔ اس سے میری کھلی جنگ ہے۔ میں اسے تھکا کر اپنے قدموں میں زیر کر لوں گا اور تو۔ ہاں تو سنگتراش ہے‘ جا تیرے تخیل میں حسن کا جو بھی شاہکار ہو تو اسے پتھر کے سینے سے ابھار لے اور ایک روز تو دیکھے گا کہ وہ پیکر تیری آغوش میں ہے۔ تو اس ہرجائی لڑکی کو بھول جائے گا۔“

میں نے بے بسی سے اپنے سر کو جنبش دی۔ ”میرے آقا میں تیرا غلام ضرور ہوں مگر انسان ہی ہوں۔ اور ہر انسان کی طرح میرے تخیل کی بھی ایک حد ہے۔ اس حد سے تجاوز میرے بس سے باہر ہے۔ میں حسن کے بارے میں جہاں تک سوچ سکتا ہوں وہ سب طوسیہ کے روپ میں موجود ہے۔ اس سے کم مجھے قبول نہیں اور اس سے بڑھ کر میرے تخیل سے باہر ہے۔ اس کے بغیر شاید میں سسک سسک کر مر جاؤں گا۔“ میں نے اس وقت پہلی بار طوسیہ سے محبت کو اتنی شدت سے محسوس کیا تھا۔

شیطان کے چہرے پر رقصاں مسکراہٹ یک بیک معدوم ہو گئی اور اس کی جلتی ہوئی آنکھیں میرے وجود میں پیوست ہونے لگیں اور وہ کھردری آواز میں بولا۔ ”تو نے اپنی آنکھ جبرین کے آتش پرست قزاقوں میں کھولی اس لئے شاید تجھے علم نہیں مگر تیرے اجداد خوب واقف تھے۔ انہیں آسمانی صحیفوں میں بتایا گیا کہ اس کائنات کی ابتدا نیکی اور سکون سے ہوئی۔ آسمانوں پر ...ھ کی نہروں اور شہد کے تالابوں پر مشتمل ایک دنیا تھی جہاں دور دور گناہ کا

گزر نہیں تھا۔ پھر میں نے“ یک بیک شیطان کے لہجے میں غرور جھلکنے لگا ”اپنے نسب کا عرفان حاصل کیا۔ میرے پروردگار نے مجھے آگ سے تخلیق کیا تھا پھر اس نے مجھے مٹی کے ایک پتلے کو سجدے کا حکم دیا اور میں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ مجھے ملعون قرار دے کر راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ آسمان میرے لئے ممنوع قرار دے دیئے گئے اور آج بھی آسمانوں کے رکھوالے آتشیں گرز سنبھالے میری گھات میں لگے رہتے ہیں۔ مگر میں نے ہار نہ مانی۔ مٹی کے اس پتلے پر میرا وار چل گیا اور زمین آباد ہو گئی پھر اسی کے ہم نسلوں میں پہلی بار میری ترغیب پر عورت کی خاطر خونریزی ہوئی اور میں آج تک اس نسل سے برسرپیکار ہوں۔ میری ترغیب پر عمل کرنے والوں کے لئے بھیانک الاؤ اور جلتی ہوئی جان لیوا دلدلیں تیار کی گئی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ میرے پیروکار جہنموں میں پھینکے جائیں گے مگر وہ پھر بھی بدی اور گناہ کی ترغیب کو ٹھکرانے پر قادر نہیں ہیں اور سن کہ تو بھی مٹی کے خمیر سے پیدا کیا ہوا انسان ہے میں نے آج تک کسی انسان کو اپنے سچے پجاریوں کے انبوہ میں شامل نہیں کیا ہے۔ میں انہیں گناہ کی لذتوں سے روشناس کراتا ہوں۔ گمراہی کے آسان راستے دکھاتا ہوں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں مگر.... مگر تو نے بحرا شیاطین میں ابوالبشر کو ٹھکانے لگا کر میرے لئے وہ کام سرانجام دیا جو میں آج تک کسی سے نہ کرا سکا اور اسی کام کے انعام میں تجھے میں نے اپنے پجاریوں میں سب سے اونچا رتبہ دیا۔ میں نے تیری محبوبہ طوسیہ کو تیرے قدموں میں لا ڈالا تو نے پہلی بار سفینہ ظلمات پر طوسیہ کے وجود سے لذتیں چرائیں ورنہ اس سے پہلے وہ تیرے لئے ایک حسین سراب تھی۔ زندہ انسانوں کے لئے جسموں سے بھٹکی ہوئی روحیں بس ایک سراب ہوتی ہیں‘ تیرے لئے میں نے اس سراب کو حقیقت بنایا‘ غیر انسانی قوتوں کو تیرے لئے مسخر کیا مگر تیرے ہم نسلوں میں سے ایک نے تجھے پھر چوٹ دی ہے۔ تیری محبت میں نے نہیں ایک انسان نے چھینی ہے‘ تیری طوسیہ بدی کا نہیں‘ نیکی کا شکار ہوئی ہے‘ اگر تیری محبت سچی ہے تو تجھے انسانوں سے کام لینا چاہئے‘ نیکیوں سے جنگ نہیں کرنی چاہئے اور یہی میرا مسلک ہے!“

شیطان کے لہجے میں بڑی تاثیر تھی------ کہ میرے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی اور میں بھرائی ہوئی شکست خوردہ آواز میں بولا۔ ”تو ٹھیک کہتا ہے میرے آقا! تیری باتیں سن کر میرے وجود میں انتقام کا لاوا ابلنے لگا ہے۔ اب میرا نام چمکے گا۔ لوگ میرا نام سن کر لرز

انھیں گے میں ان کی عورتوں کو بازار کی کھلی جنس بناؤں گا۔ میں وہ سب کروں گا جو تو چاہے گا۔ آج سے انسانوں سے دشمنی میرا مقصد ہو گا اور میں طوسیہ کو بھول جانے کی پوری کوشش کروں گا۔"

شیطان نے بڑھ کر والہانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لگایا۔ اس کے استخوانی ہاتھ کو بھینچتے ہوئے میرے ہاتھ اس کی پشت پر پھڑکتے ہوئے زندہ کوبڑ سے مس ہوئے اور پھر میں پھریری لے کر رہ گیا۔

شیطان نے مجھے الگ کرنے کے بعد غور سے میری جانب دیکھا اور کہا۔ "تیرا یہ عہد نیا نہیں ہے جبلی' آج تو نے صرف اپنے عہد کی تجدید کی ہے تجھے یاد ہے نا کہ تو نے ہرن کی کھال پر مور کے پر کے قلم اور کئی حیوانوں کے مرکب خون سے لکھے ہوئی میثاق مقدس پر اپنی مہرثبت کی تھی اور اب مرتے دم تک تجھ پر اس کی پابندی لازم ہے۔"

"میں ہر چیز سے واقف ہوں میرے آقا!" میں نے سرجھکا کر کہا۔

"تو برہنہ ہے.... لے یہ لباس پہن لے!" شیطان کی آواز ابھری۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہاتھ میں قیمتی کپڑے کا ایک مردانہ جوڑا موجود تھا جو نہ جانے کہاں سے اس کے پاس آیا تھا۔ میں نے مزید کسی حیرانی کا اظہار کئے بغیر وہ کپڑے پہن لئے۔

"اب تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو سیتا پور سے دور نکل جا' ورنہ طوسیہ کی کشش تیرے لئے ہر وقت سوہان روح بنی رہے گی۔" شیطان نے مربیانہ لہجے میں کہا۔

"چلا جاؤں گا.... لیکن میں صرف ایک بار اس سے ملنے کی اجازت چاہتا ہوں' صرف چند لمحوں کے لئے!" میں نے جھجکتے ہوئے شیطان سے کہا۔

"پھر چند لمحوں کے لئے نہیں بلکہ کافی دیر کے لئے تجھے اجازت ہے۔" شیطان بولا۔ "جاجوز آج ہی رات صندلی کلیسا میں پہنچ کر اپنا عمل شروع کرے گا اس کا عمل جیسے ہی ایک خاص مرحلے پر پہنچے گا طوسیہ کے دونوں کانوں سے اور دہانے سے ہلکا ہلکا خون بہنے لگے گا اس وقت اس کی روح بدن سے جدا ہونا چاہے گی مگر فطری تعلق کی بنا پر آسانی سے الگ نہ ہو سکے گی۔ اس وقت تجھے چمڑے کے ایک چابک سے اسے بے رحمی سے پیٹنا ہو گا اسی دوران

میں وہ زمین پر گر کر تڑپے گی اور اس کا وجود دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو جائے گا پھر اس کا بدن ہی صندلی کلیسا میں ہو گا اور روح شنکر کے قبضے میں رہ جائے گی۔"

"میں ایسا ہی کروں گا آقا!"

پھر شیطان مجھے اپنے ہمراہ لے کر سیتا پور کی طرف واپس چل دیا۔ رات کی ہولناک سیاہی میں کوزہ پشت شیطان کے ہمراہ کئی گھنٹے کی مسافت کے بعد میں سیتا پور پہنچ گیا۔ وہاں ایک نانبائی کے گھر کے قریب پہنچ کر شیطان چھپ گیا اور مجھے ہدایات دے کر آگے بڑھا دیا۔ پہلی ہی دستک پر نانبائی نے دروازہ کھول دیا جیسے کسی کا منتظر رہا ہو۔

"چابک تیار ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"تیار تو ہے مگر شام میں تو کوئی اور ہی اس کا آرڈر دینے آیا تھا۔" وہ میرے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ وہ میرا ہی آدمی تھا۔" میں نے یہ کہتے ہوئے شیطان کی ہدایت کے مطابق بیس روپے کے نوٹ اس کی جانب بڑھا دیئے۔

نوٹ لے کر اس نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا اور صحن سے گزر کر ایک کمرے میں جا پہنچا وہاں ایک بے جان گائے زمین پر پڑی ہوئی تھی جس کا خون فرش پر جما ہوا تھا اور کھال غالباً اتاری جا چکی تھی۔ نانبائی نے ایک گوشے سے گائے کی تازہ کھال کی ایک نرم اور کافی لمبی پٹی نکال کر میرے حوالے کر دی۔ جسے لے کر میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ شیطان نے وہ چابک دیکھ کر کافی خوشی کا اظہار کیا اور پھر ایک نئے تماشے کا بندوبست کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد میں شیطان کے ہمراہ اسی محلے کے ایک دوسرے مکان پر دبی دبی دستکیں دے رہا تھا پانچویں دستک پر اندر سے کسی کی غراتی ہوئی خوابناک آواز ابھری۔ "کون ہے؟"

جواب میں شیطان نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی۔

چارپائی چرچرانے کی آواز کے بعد اندر سے کچھ اونچی بڑبڑاہٹیں سنائی دیں اور ایک ضعیف سے آدمی نے دروازہ کھول دیا اور لالٹین کی روشنی میں ہم دونوں کو گھورنے لگا۔

"مجھے اپنے باپ کے لئے دو سیر تازہ گوشت چاہئے۔" میں نے شیطان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"گوشت!" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"ہاں۔ گائے کا گوشت!" میں نے اس کے قریب ہو کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"گائے کا گوشت۔ ہائے رام یہ میں کیا سن رہا ہوں!" بوڑھا لڑکھڑاتے ہوئے کراہا۔

"ڈرو نہیں مکھا سنگھ۔ ہم کسی کو نہیں بتائیں گے!" میں اسے جھنجھوڑتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مکھا سنگھ!" بوڑھے پر حیرت کا ایک اور حملہ ہوا اور وہ غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تو وہ حرامزادہ دن میں مٹھائی بناتا ہے اور رات میں گئو کا گوشت کاٹتا ہے... وہ یقیناً مسلوں سے ملا ہوا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ باہر آ کر زور زور سے چیخنے لگا۔

"بھاگ لے جبلی!" شیطان نے پرجوش آواز میں کہا۔

اس وقت تک اس بوڑھے کی چیخ و پکار سن کر آبادی میں بیداری کی لہر دوڑ چکی تھی اور یکے بعد دیگرے بہت سے مکانوں سے لوگ لاٹھیاں وغیرہ سنبھالے باہر آنے شروع ہو گئے تھے۔ میں شیطان کے ہمراہ تیزی کے ساتھ ایک طرف ہو لیا۔ ہم بستی سے باہر آئے تو وہ پورا علاقہ چیخ و پکار سے گونج رہا تھا۔ شاید لوگوں نے اس کٹی ہوئی گائے تک رسائی حاصل کر لی تھی جسے شیطان کی ترغیب اور لالچ پر مکھا سنگھ نے ذبح کیا تھا اور وہاں آدھی رات کے بعد خونریز فساد اور مار پیٹ شروع ہو چکی تھی۔

سوتے ہوئے پرامن لوگوں کو خون خرابے پر اکسانے کے بعد شیطان کا رخ کنجڑوں کی آبادی کی طرف ہو گیا جو وہاں سے کافی فاصلے پر واقع تھی وہاں پختہ مکان تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کیونکہ دور ہی سے طوبیہ کی رہ رہ کر ابھرنے والی چیخیں اس مقام تک رہنمائی کر رہی تھیں۔ شاید وہ سرولیوں کے زیر اثر شدید اعصابی انتشار میں مبتلا ہو کر بری طرح چیخ رہی تھی۔ مکان کا دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ شیطان کی حوصلہ افزائی پر میں دیوار پھاند کر مکان کے اندر پہنچا اور وہ باہر ہی سے رخصت ہو گیا۔

اس مکان میں صرف دو کمرے تھے۔ طوبیہ ان ہی میں سے کسی ایک میں موجود تھی اس کے سر کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے اور غالباً مسلسل شب بیداری کی وجہ سے اس کی دہکتی ہوئی متورم آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں نظر آ رہے تھے۔ اس کے دہکتے ہوئے گلابی رخساروں پر جا بجا خراشوں کے لمبے لمبے نشان تھے۔ شاید وہ خود ہی اپنا منہ نوچتی

رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں بدستور اجنبیت اور ویرانی لہراتی رہی۔

"طوبیہ!" میں نے آہستہ سے پکارا۔

اس نے وحشت زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھا اور پھر زور زور سے قہقہے لگا کر اچھلنے لگی۔ اس کی آواز میں ناقابل بیان کرب اور وحشت نمایاں تھی۔ میں چند ثانیوں تک بغور اس کی حرکتوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میں نے دل ہی دل میں سرولیوں کو حکم دیا کہ وہ طوبیہ کو اپنے اثر سے آزاد کر دیں میرے حکم دیتے ہی طوبیہ کی اچھل کود اور چیخ پکار یک بیک تھم گئی۔ وہ چند لمحوں تک میری طرف پشت کئے ساکت و صامت کھڑی رہی پھر اچانک زمین پر بیٹھ کر اپنا منہ دونوں گھٹنوں میں چھپا کر سسکنے لگی۔

طوبیہ کو اس عالم میں دیکھ کر مجھے ہلکا سا قلق ہوا اور میرا جی چاہا کہ اسے مضبوطی کے ساتھ اپنی بانہوں میں بھینچ کر اسے بتاؤں کہ اب میں اس کے پاس آ پہنچا ہوں اور میری موجودگی میں دنیا کی کوئی طاقت نہ اسے ہراساں کر سکے گی نہ گزند پہنچا سکے گی۔ مجھ پر یہ جذباتی کیفیت ذرا ہی دیر قائم رہی اور شیطان سے کئے ہوئے نئے وعدے کا خیال آتے ہی مجھے یہ سب بھول جانا پڑا اور میں نے ایک فیصلے کے تحت آہستہ سے اسے پکارا۔

"طوبیہ!" میری آواز نرم اور قدرے سرگوشی کے انداز میں تھی۔

اس نے وحشی درندوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح سر گھما کر ادھر ادھر دیکھا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ مبہوت سی رہ گئی اور ٹکٹکی باندھ کر مجھے گھورنے لگی جیسے اسے اپنی نگاہوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

اسے یوں اپنی طرف متوجہ پا کر میں مسکرایا۔

"حسین.... میرے حسین!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں یہ کہتی اپنی جگہ سے اٹھی اور تڑپتی ہوئی میرے سینے سے آ لگی۔

میں نے مضبوطی کے ساتھ اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور وہ اپنا سر میرے سینے پر رکھ کر رونے لگی۔

طوبیہ کے جلتے ہوئے گداز بدن کا لمس محسوس کرتے ہی میرے بدن میں سینکڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میں نے اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی ڈبڈبائی ہوئی غزالی آنکھوں میں

جھانکا اور بے اختیار اپنے پیاسے ہونٹ اس کے گلابی رخساروں پر رکھ دیئے وہ میری بانہوں میں کسمسائی اور میرے ہونٹ بھک کر اس کے یاقوتی لبوں سے پیوست ہو گئے۔

"حسین.... حسین تم آ گئے!" وہ بے یقینی اور مسرت سے کانپتی ہوئی رقت آمیز آواز میں بولی۔ "تمہارا انتظار کرتے کرتے میری تو آنکھیں بھی پتھرانے لگی تھیں۔"

"ہاں طوسیہ--- میں آگیا ہوں! آج کی رات ہمارے لئے شب وصال ہے۔ اپنے بدن سے یہ لباس الگ کر دو تاکہ گزرتے ہوئے لمحوں کو ہم یادگار بنا سکیں!" میں نے تیز سانسوں کے درمیان کہا۔

"نہیں-- نہیں!" وہ غیرارادی طور پر میری بانہوں سے نکلنے کی کوشش کرنے گی۔ "مجھے نئی زندگی ملی ہے حسین! مجھے میرا بابا بھی مل گیا ہے' اسے بھنک بھی مل گئی کہ میں کسی غیر مرد کے قریب گئی ہوں تو شنکر بابا مجھے ادھیڑ کر رکھ دے گا۔" اس کی آواز سے خوف نمایاں تھا۔

"کوئی کسی کا بابا نہیں ہے طوسیہ!" میں اس کے گدرائے ہوئے نازک بدن پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔ "یہاں مرد صرف مرد ہے اور عورت صرف عورت۔ اس نے تیری طرف ترچھی نظروں سے دیکھا بھی تو میں شنکر بابا کی ٹانگیں چیر کر رکھ دوں گا۔"

"نہیں حسین!" میرے تیور بھانپ کر وہ میری گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کرتے ہوئے خوفزدہ آواز میں بولی۔ "ہوش میں آؤ' بھگوان کے لئے ہوش میں آؤ' تمہیں کیا ہو رہا ہے!"

اسی وقت باہر کچھ آہٹ سنائی دی لیکن میں نے اس کی پرواہ کئے بغیر طوسیہ کا لباس نوچنا چاہا۔ اس کی ایک آستین پھٹ کر میرے ہاتھ میں رہ گئی مگر وہ میری گرفت سے نکل گئی۔

"طوسیہ! میرے قریب آ!" میں اس کی آستین دور پھینکتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تو میری ہے اور تجھ پر میرا پورا پورا حق ہے!"

وہ کچھ نہ بولی۔ اسی جگہ کھڑی خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھتی اور کانپتی رہی۔ اسے اپنی جگہ سے ہلتا نہ دیکھ کر میرے قدم جنبش میں آئے اور اسی وقت میرے عقب سے ایک غصیلی مردانہ آواز ابھری۔

"رک جا نابکار--- ورنہ ابھی تیری لاش تڑپتی نظر آئے گی۔"

میں چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ پیچھے مڑا تو شنکر دروازے میں موجود تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار چھرا دبا ہوا تھا جو وہ کسی بھی لمحے میری طرف پھینک سکتا تھا۔

اسی وقت طوسیہ "شنکر بابا" کہہ کر اس کی طرف لپکی اور اس کے سینے سے لپٹ کر رونے لگی۔

"چھرا پھینک دے شنکر!" میں زہریلے لہجے میں بولا۔ "ورنہ اسی کی دھار تیرے خون سے رنگین ہو گی!"

شنکر تنفر آمیز انداز میں ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ "مجھے علم تھا کہ طوسیہ پر تو نے ہی کوئی گندا وار کیا ہوا ہے اور تو جلد یا بدیر ادھر کا رخ کرے گا۔ اب یہ کمرہ تیرے لئے چوہے دان ثابت ہو گا۔"

"چوہے دان!" میں نے قہقہہ لگا کر اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور چھرا اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں تیرتا میرے قدموں میں آ گرا۔

"تو الگ ہو جا بٹی مجھے اس کا قصہ تمام کرنے دے!" شنکر نے طوسیہ کو الگ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابا--- اسے نہ مارنا! یہ اس وقت شیطان کے قبضے میں ہے' اس کا کوئی قصور نہیں ہے!" طوسیہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے گڑگڑا کر کہا۔

شنکر نے غصیلی نظروں سے طوسیہ کو گھورا اور زیر لب کچھ پڑھ کر میری طرف پھونک ماری۔ اس کے پھونک مارتے ہی یک بیک میری نگاہوں کے سامنے دھند سی چھا گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری بینائی جاتی رہی ہو میں نے فوراً ہی اپنی آنکھوں پر بایاں ہاتھ پھیرا اور وہ دھند ایک دم غائب ہو گئی۔ وہ دھند صاف ہوتے ہی میں نے اپنے قدموں میں سے چھرا اٹھایا اور اس سے قبل کہ میں کوئی قدم اٹھاتا' اچانک ہی میری نگاہ طوسیہ پر گئی۔ اس کے دہانے اور دونوں کانوں سے ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا جسے وہ بڑی پریشانی کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

اس وقت تک شنکر پوری طرح میری طرف متوجہ تھا میں نے اپنا ہاتھ میں دبا ہوا چھرا شنکر کی توجہ مبذول کرانے کے لئے اس کی طرف اچھالا اور شیطانی عمل پڑھ کر زمین پر تھوک دیا۔ میرے تھوکتے ہی فرش پر ایک پھیلتا ہوا نیلے رنگ کا متحرک شعلہ نمودار ہوا اور

اس سے قبل کہ شنکر پوری صورت حال سمجھ کر طوسیہ کے قریب پہنچتا وہ شعلہ ایک دیوار کی طرح یوں پھیلاؤ اختیار کر گیا کہ اس کی ایک جانب شنکر تھا اور دوسری طرف طوسیہ میرے چنگل میں تھی۔

کئی گز کی بلندی تک بھڑکتے ہوئی نیلگوں شعلوں کے عقب میں شنکر میرا قائم کیا ہوا آتشی حصار توڑنے کے لئے اونچی آواز میں منتر پہ منتر پڑھ رہا تھا اور میں نہایت اطمینان سے گائے کی کھال کا لمبا چابک کھول رہا تھا۔ طوسیہ کسی سہمے ہوئے پرندے کی طرح کبھی میری طرف اور کبھی بھڑکتے ہوئے شعلوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

میں چابک لہراتا ہوا طوسیہ کی طرف بڑھا اور وہ پہلا چابک کھاتے ہی بری طرح بلبلا اٹھی اور اس کے کان اور دہانے سے بہتے ہوئے خون کی مقدار یک بیک بہت زیادہ بڑھ گئی۔

طوسیہ کے نرم و نازک بدن پر پہلا چابک مارتے ہوئے مجھے قدرے جھجک محسوس ہوئی لیکن اس کے بعد میرا ہاتھ مشینی انداز میں گردش کرنے لگا اور وہ کمرہ طوسیہ کی دلدوز چیخوں سے لرزنے لگا۔

مجھے پورا اطمینان تھا کہ طوسیہ کی چیخیں محلے والوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکیں گی کیونکہ ان کی دانست میں وہ ایک آسیب زدہ لڑکی تھی اور اکثر و بیشتر اسی طرح چیخ پکار مچاتی رہتی تھی۔

پھر چابک کی شائیں شائیں۔ طوسیہ کی چیخوں پر حاوی ہوتی رہی۔ اس کمرے میں ہولناک دھماکہ ہوا جس کے باعث فرش لرز کر رہ گیا۔

میں نے نیلگوں شعلوں کے آتشیں حصار کی طرف دیکھا تو شدید پریشانی کا شکار ہو گیا۔ وہ شعلے بار بار سکڑ اور بڑھ رہے تھے۔ جب بھی وہ سکڑتے ان میں سے ایسے دھماکے پیدا ہوتے جیسے بارودی انار پھٹ رہے ہوں پھر ایک بار آخری دھماکہ ہوا اور وہ تمام شعلے معدوم ہو گئے۔ میں نے شدید گھبراہٹ کے عالم میں شیطانی عمل دہرا کر فرش پر تھوکا لیکن اس بار شعلوں کا حصار پیدا نہ ہو سکا اور دبلا پتلا شنکر غیض و غضب سے کانپتا میرے اوپر ٹوٹ پڑا۔

میں اس ناگہانی حملے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے شنکر کے نیچے دبا فرش پر آ رہا۔ میرے گرتے ہی شنکر کسی بے چین سانپ کی طرح مچل کر میرے سینے پر سوار ہو گیا اور دونوں ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹنے کی سرتوڑ کوشش کرنے لگا۔

میں نہایت سکون کے ساتھ فرش پر پڑا رہا۔ شنکر کے اس وار سے مجھے مطلق کوئی تکلیف نہیں ہو رہی تھی کیونکہ میرے تنفس کا نظام اب میرے گلے کے بجائے میری بغل سے وابستہ تھا۔

مجھ پر کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر شنکر بار بار اپنی گرفت کے زاویئے بدلنے لگا اور میں گدگدی محسوس کر کے زور زور سے ہنسنے لگا۔

"اب شکتی کی نہیں طاقت کی لڑائی ہے شنکر!" میں ہنستے ہوئے اس سے بولا۔ "میں تجھے کسی حقیر چیونٹے کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے پوری قوت سے اسے اپنے سینے پر اچھال دیا اور اس کے سنبھلنے سے پیشتر ہی اس کا نرخرا دبوچ لیا۔ ایک ثانئے کے لئے شنکر تڑپا اور پھر اس کا پورا بدن کسی تختے کی طرح سخت ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا۔ اس کے چہرے سے گہرا سکون نمایاں تھا اور پتلیاں آنکھوں میں تضحیک آمیز انداز میں گردش کر رہی تھیں۔ میں نے اس کا قصہ تمام کرنے کی پوری کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ کم بخت میری توقع کے برعکس حبس دم کا زبردست ماہر نکلا اور اس نے اپنا سانس روک کر خود کو محفوظ کر لیا۔

میں نے طیش کے عالم میں اس کے جبڑے پر پوری قوت سے ایک گھونسہ رسید کیا اور اس کے سینے پر سے اتر گیا اور زمین پر پڑا ہوا چابک سنبھال کر طوسیہ کی جانب لپکا جو دہشت زدہ انداز میں ایک گوشے میں کھڑی بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کے دونوں کانوں اور دہانے سے خون کی لکیریں بہہ بہہ کر فرش کو رنگین کر رہی تھیں۔

مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر طوسیہ دہشت سے چیخ اٹھی مگر اس سے پہلے کہ میں اس پر وار کرتا۔ کسی نے پشت کی جانب سے وہ چابک مجھ سے چھین لیا۔ میں سخت طیش کے عالم یں پیچھے گھوما تو مکار شنکر میرا چابک سنبھالے سامنے موجود تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی فیصلہ کر پاتا شنکر نے اس چابک سے میرے داہنے شانے پر وار کیا اور میں اس کی ضرب سے تلملا کر رہ گیا۔ میں کسی مشتعل بھینسے کی طرح اس کی طرف لپکا لیکن اس نے کنی کاٹ کر میری پنڈلیوں پر چابک مارا اور میں اذیت سے چیخ اٹھا۔ جب تک میں اپنے ذہن کو قابو میں رکھے ہوئے تھا وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا لیکن چابک کی دو ہی چوٹوں پر میں غصے سے پاگل ہو گیا اور اندھا دھند اس پر جھپٹنے لگا۔ شنکر نے میری اس کیفیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور

مجھ سے دور رہ کر۔۔۔۔ مجھے چابک سے بری طرح پیٹنے لگا۔

چند ہی منٹ میں سارا غصہ خوف اور بوکھلاہٹ میں تبدیل ہو گیا میری عقل بالکل کام نہیں کر رہی تھی کہ شنکر اور اس کے چابک سے کس طرح نجات حاصل کروں۔ وہ موذی اب بڑی بے دردی سے ہنس ہنس کر میرے بدن کے مختلف حصوں پر چابک برسائے جا رہا تھا۔

ایک بار جوں ہی مجھے موقع ملا میں اس مکان سے نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ پڑا شنکر چابک پھنکارتا اور مغلظات بکتا میرے پیچھے آیا مگر میں پوری قوت سے دوڑتا باہر نکل گیا اور وہ پیچھے رہ گیا۔

کنجڑوں کی بستی سے باہر آنے تک میں نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ رات اپنے آخری سانسوں پر تھی اور ہر طرف خوابناک سکوت طاری تھا اس لئے میں بے خوف و خطر شہر کے وسط میں آ پہنچا۔ وہاں میں نے پہلی بار رک کر اپنے عقب میں نظر ڈالی تو وہاں دور دور تک سناٹا تھا۔ شاید شنکر نے میرا تعاقب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

میرے ذہن سے شنکر کا خوف دور ہوا تو مجھے اپنا سارا بدن دکھتا ہوا محسوس ہوا۔ شنکر نے گائے کی کھال کے چابک سے بڑی بے دردی کے ساتھ مجھے پیٹا تھا۔ میں دل ہی دل میں شنکر سے ہولناک انتقام کے منصوبے بناتا ایک طرف چل دیا۔ میں سر جھکائے چلا جا رہا تھا کہ اچانک سامنے سے کسی کے کھانسنے کی مانوس سی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا تو میرا آقا سامنے موجود تھا۔

"میں شرمندہ ہوں آقا!" میں نے نظریں جھکائے شیطان سے کہا۔

"شنکر میرے اندازوں سے کہیں بڑھ کر طاقتور ہے جبلی!" شیطان میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "اگر مجھے شبہ بھی ہوتا کہ کنجڑوں کی بستی والے مکان پر تیرا ٹکراؤ شنکر سے ہو گا تو میں خود تیرے ساتھ وہاں موجود رہتا اور پھر دیکھتا کہ وہ کیسے طوسیہ کو بچاتا ہے!"

"اس نے بڑی بے رحمی سے مجھے پیٹا ہے آقا!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں اسی وقت اس سے اپنی توہین کا بھرپور انتقام لینا چاہتا ہوں!"

"جلد بازی اور انتقام میرے وہ حربے ہیں جبلی' جس سے انسانوں کو اندھا کر کے غلط راستوں پر چلنے پر مجبور کرتا ہوں تو میرا پجاری ہے۔ تجھے یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

"ابھی تو میں بھی انسان ہی ہوں۔" میں دبی زبان میں بولا۔ "یہ عادتیں چھوٹتے ذرا وقت لگے گا۔"

"اور کچھ بھی معلوم ہے تجھے؟" شیطان نے اچانک مسرت آمیز آواز میں کہا۔

"کیا؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"پچھلی رات کے بلوے میں ملکھا سنگھ سمیت چھ آدمی مارے گئے' گیارہ بری طرح زخمی ہوئے' اگر بروقت پولیس نہ آ جاتی تو معاملہ اور طول کھینچتا۔" وہ مسرت آمیز آواز میں بولا۔

"مگر اس نے گائے کیوں کاٹی تھی؟"

"وہ سفلی کا عامل ہے اور گائے کی کھال کے ٹکڑوں پر نقش بنا کر لوگوں کو دیتا تھا۔ کسی کو پتہ نہیں تھا کہ وہ ہفتے عشرے میں کھال کے لئے ایک گائے کاٹتا ہے۔ کچھ دن پہلے مانی سیاہ بلے کے روپ میں بھوکا پیاسا بھٹک رہا تھا کہ گوشت کی بو اسے ملکھا سنگھ کے مکان میں لے گئی۔ مانی کو گائے کا گوشت کھاتے دیکھ کر ملکھا سنگھ مشتعل ہو گیا۔ مانی کی وجہ سے اس کا سارا عمل خراب ہو گیا اور اس نے مانی کو ایک لاٹھی سے اس بری طرح مارا کہ وہ ابھی تک لنگڑاتا پھر رہا ہے۔ اسی کے بعد میں نے چالیس روپوں کے عوض اسے وقت سے پہلے گائے کاٹنے پر اکسایا اور پھر لوگوں کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ فساد کے بعد مانی نے اپنے پنجوں سے اس کی پوری لاش کو ادھیڑ ڈالا ہے۔"

"آقا! تو نے مانی کا تو انتقام لے لیا مگر شنکر کا کیا ہو گا؟" میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"اس کا وقت بھی پورا ہونے والا ہے' میں کوشش کروں گا کہ طوسیہ کے جسم کو شنکر سے آزاد کرانے سے پہلے تو اپنی محبوبہ کے بدن سے اپنے زخموں کا خراج وصول کر سکے!" شیطان بولا۔

"میں اس وقت کا انتظار کروں گا میرے آقا!"

"میں بہت جلد کچھ کروں گا۔" شیطان یہ کہہ کر اچانک غائب ہو گیا۔

شنکر کے لگائے ہوئے زخموں میں کافی تکلیف ہو رہی تھی اس لئے میں زیادہ دیر تک نہ چل سکا اور ایک ٹوٹی گھر کی دیوار کے سہارے بیٹھ کر اونگھنے لگا۔ صبح کی چہل پہل سے میری آنکھ کھلی تو ایک نیا خیال میرے ذہن میں جنم لے چکا تھا۔ گو شیطان نے مجھے جلد بازی سے گریز کا مشورہ دیا تھا لیکن کچھ کر گزرنے سے منع نہیں کیا تھا

میں نے سب سے پہلے گھوم پھر کر لوہے کے چند ٹکڑے جمع کئے اور پارس پتھر کے مس سے انہیں سونے میں تبدیل کر لیا' اپنے آئندہ اقدام کے لئے مجھے رقم یا سونے کی شدید ضرورت تھی۔

دوپہر تک جگہ جگہ کی ٹھوکریں کھانے کے بعد میں کچی شراب کی ایک بھٹی پر سیتا پور کے نامی گرامی بدمعاش اچھن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ دیسی شراب کے اس خفیہ کارخانے کے ایک حصے میں پورے زور و شور سے جوا چل رہا تھا اور اچھن بھی وہیں موجود تھا۔ ایک اجنبی کو اڈے پر دیکھ کر نگہبان پوری طرح چوکنا ہو گیا۔

"کیا ہے بے۔ اس ویرانے میں کیا لینے آیا ہے؟" اڈے کے باہر موجود غنڈے نے میرے شانے پر زور سے ہاتھ مار کر مشکوک لہجے میں سوال کیا۔

"میں اچھن دادا سے ملنے آیا ہوں!" میں نے اس کے تضحیک آمیز لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کام ہے؟" اس نے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ضروری کام ہے۔ اچھن دادا سے ہی بات کروں گا۔"

اس نے مجھے ہمراہ لیا اور اندر جا پہنچا۔ اچھن نے اس کی بات سن کر غور سے میرا جائزہ لیا اور محبت آمیز مگر اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولا۔ "کیا کام ہے۔ میں چھوٹے موٹے دھندوں میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔"

اچھن کے ساتھی مجھے ناقدانہ نظروں سے دیکھ کر آپس میں زیر لب سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"کام چھوٹا نہیں ہے۔ اور معاوضہ بھی معقول ہو گا' کیا ہم تنہائی میں بات نہیں کر سکتے؟" میں نے اس کا مقصد سمجھتے ہوئے تفصیلی جواب دیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھے ساتھ لئے ایک تنگ سی کوٹھری میں جا پہنچا۔ جہاں فرش پر ایک قیمتی قالین بچھا ہوا تھا اور ایک دیوار کے سہارے دیسی شراب کی پیٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ قالین پر بیٹھ کر اس نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنی جیب سے آدھا پاؤ وزنی سونے کا ایک ٹکڑا نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔ "ایک لڑکی اغوا کرانی ہے دادا۔"

اس نے حریصانہ انداز میں وہ ٹکڑا میرے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور متحیر نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی سونے کو دیکھنے لگا۔ شاید یہ معاوضہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔

"میرے ایک دشمن نے اسے کنجڑوں کی بستی والے پکے مکان میں قید کیا ہوا ہے۔"

اسے خاموش پا کر میں نے بات آگے بڑھائی میری بات سن کر وہ چونک کر بولا۔ "وہ پاگل چھوکری تو نہیں جسے شنکر نے بیٹی بنایا ہوا ہے؟"

"وہی وہی!" میں جلدی سے بولا۔ "شنکر لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اسے بیٹی کہتا ہے ورنہ وہ خود اس پر دانت رکھتا ہے اور اس نے لڑکی کا دماغی توازن بگاڑ دیا ہے۔"

اچھن نے لاپرواہی سے شانے اچکائے اور بولا۔ "ہو گا کچھ..... لڑکی اٹھ جائے گی اسے کب اور کہاں پہنچانا ہے؟"

"آج رات ریلوے اسٹیشن پر میں اس کا انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے' سودا منظور ہے۔ میرے آدمی بارہ سے ایک بجے تک ریلوے اسٹیشن کی ٹھوکر پر مال لے کر آئیں گے ادھر ذرا سناٹا رہتا ہے!؟"

"ٹھیک ہے!"

پھر میں وہاں سے اٹھ گیا۔ مجھے یہ معاملہ اب خلاف توقع نہایت آسانی سے نمٹتا نظر آ رہا تھا۔ مجھے افسوس تھا کہ مجھے پہلے ہی یہ تدبیر کیوں نہیں سوجھی ورنہ اب تک تو میں طوبیہ سمیت نہ جانے کہاں پہنچ چکا ہوتا۔ دن کا باقی حصہ میں نے شہر میں آوارہ گردی کر کے گزارا اور سرشام ہی ریلوے اسٹیشن جا پہنچا تاکہ سیتا پور سے اپنی روانگی کا بندوبست کر سکوں۔

ریلوے اسٹیشن کی ٹھوکر کچے پلیٹ فارم کے دور افتادہ اور ویران حصے پر تھی۔ جہاں نہ روشنی کا کوئی بندوبست تھا اور نہ ہی آمد و رفت کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔

سات بجے ہی سے اسٹیشن پر سناٹا طاری ہو گیا۔ گیارہ بجے تک اسٹیشن پر دو ٹرینیں آئیں اور ذرا سی دیر رک کر آگے روانہ ہو گئیں۔ ان پر سوار ہونے والا کوئی نہیں تھا۔ اکا دکا اترنے والے اپنا سامان خود ہی سنبھالے غنودہ روشنیوں کے نیچے سے گزرتے اسٹیشن سے باہر نکل گئے اور میں بے چینی کے ساتھ آنے والے مسرت افزا مگر سنسنی خیز لمحات کا انتظار کرنے لگا۔

ٹھیک ساڑھے بارہ بجے ٹھوکر کے قریبی کچے میدان میں ایک تانگہ آ کر رکا میں

دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میری نظریں اسی تانگے پر جمی ہوئی تھیں۔ اترنے والے دو آدمیوں نے اگلی نشست پر سے کسی سائے کو پشت پر لادا جو غالباً بے ہوش تھا اور میری طرف آنے لگے قریب آنے پر میں ان دونوں کو پہچان گیا۔ دن میں وہ مجھے اچھن کے اڈے پر نظر آئے تھے۔

"لے استاد۔ لونڈیا آ گئی ہے!" ان میں سے ایک نے یہ کہتے ہوئے بے ہوش طوسیہ کو ایک پختہ بینچ پر ڈال دیا۔ "سالی بڑی مشکل سے قابو میں آئی ہے۔"

میں نے بغیر کچھ کہے اپنی جیب سے سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکال کر انعام کے طور پر ان کو دے دیا اور وہ خاموشی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

تانگہ روانہ ہونے کے بعد میں نے غور سے طوسیہ کو دیکھا اس وقت بھی اسکی حالت جنونیوں کی سی ہو رہی تھی۔ بے ہوشی کے عالم میں اس کے چہرے کا حسن کچھ اور ہی بڑھ گیا تھا۔

میں نے بے اختیار جھک کر اس کے لب و رخسار چوم لئے اور پھر سہارا دے کر اسے اپنے پہلو میں اس طرح بٹھا لیا کہ دور سے دیکھنے پر کسی کو اس پر بے ہوش ہونے کا شبہ نہ ہو سکے۔

میں کچھ دیر یوں ہی طوسیہ کے بے ہوش بدن کو خود سے ہم آغوش کئے بیٹھا رہا پھر مجھے خیال آیا کہ یہ صورت خاصی مخدوش ہے سامنے ہی اسٹیشن پر ایک بڑی سی مال گاڑی شام ہی سے کھڑی ہوئی تھی جس کے بارے میں مجھے سن گن ملی تھی کہ رات کے پونے دو بجے لکھنؤ' کانپور اور جھانسی کے راستے بھوپال کے لئے روانہ ہو گی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میرا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ نابکار شنکر میرے سر پر آ پہنچا ہے۔ میں پھرتی کے ساتھ طوسیہ کو بینچ پر لٹا کر کھڑا ہوا تو ریلوے کا ایک سنتری مضحکہ خیز وردی میں میری طرف چلا آ رہا تھا۔

مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر سنتری نے دور ہی سے ہانک لگائی۔ "کیوں بے یہاں کیا کر رہا ہے اور یہ تیرے ساتھ کون ہے؟"

"میری عورت ہے سنتری جی!" میں نے اپنی مرضی کے خلاف خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"یہ سنتے ہی سنتری کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ اس نے بینچ کے قریب پہنچ کر طوسیہ کے بے حس و حرکت بدن کو ہلایا جلایا پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ اسے مار کر لاش ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہے!"

"یہ بے ہوش ہے سنتری جی!" میں اپنی جیب سے سونے کا ایک ڈلا نکالتے ہوئے بولا۔ "اچھن کے غنڈے کئی دن سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یہ ان ہی کی دہشت سے بے ہوش ہوئی ہے' میں ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس شہر ہی سے جا رہا ہوں۔ لو تم یہ رکھ لو۔"

سنتری نے سونے کا ڈلا ہاتھ میں لے کر حریصانہ نظروں سے دیکھا پھر رعب گانٹھتے ہوئے بولا۔ "خوب۔۔۔ تو کہیں ڈاکہ بھی مارا ہے۔ نکال کتنا مال ہے تیرے پاس؟"

"ڈاکہ نہیں۔ یہ میری کل پونجی ہے۔ لو تم یہ بھی لے لو!" میں نے دانستہ مصالحت اختیار کرتے ہوئے سونے کے باقی ماندہ ٹکڑے بھی اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "اپنی عورت کے لئے میں سب کچھ قربان کر سکتا ہوں۔"

سنتری میری اس بات پر زہریلے انداز میں ہنسا۔ "یہ تیری عورت ہے۔ اب میں کھمبے کی آڑ سے خود دیکھ رہا تھا کہ اچھن کے غنڈوں نے یہ بے ہوش لڑکی تانگے سے اتار کر تیرے حوالے کی ہے۔"

"تم نے کسی اور کو دیکھا ہو گا سنتری جی۔" میں بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"اگر تم نے انہیں دیکھا ہی تھا تو انہیں للکارا کیوں نہیں!؟"

میرے رویئے سے سنتری کی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے ڈنڈے سے میری کہنی کے جوڑ پر ضرب لگائی۔۔۔ اور مکارانہ لہجے میں بولا۔ "انہیں للکار کر مجھے اپنی جان گنوانی تھی۔"

کہنی کی چوٹ نے مجھے مشتعل کر دیا اور میں نے جھپٹ کر اس کی گردن دبوچ لی۔ سنتری کو میری جانب سے اس رویئے کی قطعی توقع نہیں تھی وہ حلق سے بے معنی آوازیں نکالتا زمین پر ڈھیر ہو گیا اور میری انگلیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے نجات پانے کے لئے بری طرح ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ جب تک اس نے میری کہنی پر ڈنڈا نہیں مارا تھا میرا ارادہ اسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر گلوخلاصی حاصل کرنے کا تھا لیکن اب اس کی گستاخی نے مجھے بے

حد مشتعل کر دیا تھا۔ چند ہی منٹ میں اس کی ساری جدوجہد دم توڑ گئی۔ میں نے اسے ہلا جلا کر پوری طرح اپنا اطمینان کیا پھر اس کی ٹانگیں پکڑ کر لاش کو گھسیٹتا کنارے پر لے گیا اور پلیٹ فارم سے ریل کی چمکتی پٹڑیوں پر پھینک دیا۔

اب میرا مزید وہاں رکنا خطرناک تھا۔ میں نے بے ہوش طوسیہ کو کندھے پر لادا اور پلیٹ فارم سے اتر کر پٹڑیاں عبور کرتا مال گاڑی کے ایک کھلے ڈبے کی طرف بڑھنے لگا جس پر لکڑیاں لدی ہوئی تھیں۔ میں نے تھوڑی کوشش سے ایک گوشے میں جگہ بنا لی اور نہایت اطمینان سے ڈبے کی چند فٹ اونچی دیواروں کے عقب میں دبک کر بیٹھ گیا اور طوسیہ کے لب و رخسار سے کھیلنے لگا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد چند آدمیوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دیں - وہ ہر ڈبے کو ٹھونک پیٹ کر دیکھ رہے تھے۔ میں سانس روکے اپنی جگہ پر دبکا ہوا تھا۔ میرے لئے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ لوگ مال گاڑی کے اس رخ پر نہیں تھے جدھر پلیٹ فارم کے نیچے سنتری کی لاش پڑی ہوئی تھی ورنہ بلا وجہ وہاں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا اور شاید گاڑی کی روانگی میں بھی تاخیر کا امکان پیدا ہو جاتا۔ کافی دیر بعد خدا خدا کر کے دور سے آتا ہوا انجن کا شور سنائی دیا۔ یہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اس گاڑی کے لئے انجن شاہ جہان پور سے آئے گا۔

گاڑی کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ رات کے پرہول اندھیرے میں انجن نے یکے بعد دیگرے کئی سیٹیاں بجائیں پھر گارڈ کی تیز اور طویل سیٹی کے ساتھ ہی مال گاڑی حرکت میں آ گئی۔ میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ اور پھر بے ہوش طوسیہ پر جھک گیا۔ شنکر کو یوں چوٹ دے کر نکلنے پر مجھے بے حد خوشی تھی اور میں اس خوشی کے اظہار میں طوسیہ سے ہم آغوش ہونا چاہتا تھا۔

مال گاڑی یکساں رفتار سے کھلے آسمان کے سائے میں آگے بڑھتی رہی۔ طوسیہ سوتی رہی اور میں جاگتا رہا۔ آہستہ آہستہ میرے وجود میں سوئے ہوئے حیوانی جذبے بھی بیدار ہوتے رہے۔ میرے اعصاب پر دبا دبا سا جنون طاری ہونے لگا اور میں نے یکے بعد دیگرے طوسیہ کے بدن سے لباس کے وہ سارے حجاب سرکا دیئے جو میرے شیطانی جذبوں کی تسکین کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ انجن کی سیٹی کا آہنی شور پوری قوت سے گونجا۔ طوسیہ

نے کراہ کر پہلو بدلا اور مجھ پر یکایک بجلی سی آ گری میرے پورے وجود میں چنگاریاں دہک اٹھیں۔ طوسیہ میری محبت اور میری جاگیر تھی اس پر شفقت اور قہر و بربریت کا ہر حق صرف مجھے حاصل تھا لیکن میرا یہ حق پامال کیا جا چکا تھا۔ طوسیہ کا کومل بدن اس زیادتی کا کھلا اعلان تھا۔ اچھن کے غنڈوں نے میری طوسیہ کو کنجڑوں والی بستی کے مکان سے اغوا کرنے کے بعد یقیناً اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا اور جب وہ اذیت سے بے ہوش ہو گئی یا شاید بے ہوش کر دی گئی تو ان غنڈوں نے اسے میرے سامنے لا ڈالا۔

میرا جی چاہا کہ اپنی بوٹیاں نوچ ڈالوں۔ طوسیہ کے دلدار شباب کو چلتی گاڑی سے باہر اچھال دوں لیکن میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ ہاں اگر شنکر کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور سیتا پور واپس جاتا اور اچھن کے ان آدمیوں کو سربازار رسوا کر کے عبرتناک موت کا نشانہ بناتا۔

اشتعال کے اس عالم میں میرے سارے حیوانی جذبات لاشعور کی گہرائیوں میں جا سوئے اور میں مبہوت سا اپنے سامنے پڑا طوسیہ کا کندن بدن تکتا رہا جس کی مٹھاس چرائی جا چکی تھی۔ جس کی خوشبو لوٹی جا چکی تھی۔

کچھ دیر بعد طوسیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور ہچکولے محسوس کرتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"تم کون ہو...... میں کہاں ہوں؟" اس نے میرے بدن کو ٹٹولتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں حسین ہوں۔ اور تم میرے ساتھ ایک مال گاڑی میں ہو!" میں نے اپنے غصے پر اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

"حسین!" وہ سسک کر میرے سینے سے آ لگی۔ "میں تم تک کیسے آ پہنچی، مجھے تو چند بدمعاش اٹھا کر لے گئے تھے۔" وہ ڈبوں کے شور کے درمیان بولی۔

"تم دو غنڈوں کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔ وہ تمہیں بے ہوش کر کے ایک تانگے میں لے جا رہے تھے تو میں نے انہیں للکارا اور زبردست مقابلے کے بعد وہ تمہیں چھوڑ بھاگے۔"

"شنکر بابا کہاں ہیں؟"

"اسے بھول جاؤ۔" میں غصیلے لہجے میں بولا۔ "یہ گاڑی لحظہ بہ لحظہ اسے اور اس کے شہر کو دور چھوڑتی جا رہی ہے۔ اب تم میرے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرو گی۔"

"میں دل و جان سے تمہیں چاہتی ہوں.... تم میری پہلی اور آخری محبت ہو حسین!" وہ بلکتے ہوئے بولی۔ "مگر مجھے معلوم ہے کہ تم شیطان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہو۔ مجھے میرے بابا کے پاس پہنچا دو' میں وعدہ کرتی ہوں کہ ان کے پاس تمہاری امانت بن کر رہوں گی۔ جس دن بھی تم شیطان کے چنگل سے نکلے میں تمہاری بن جاؤں گی۔"

"شیطان کو بھول جاؤ طوسیہ!" میں اسے بھینچتے ہوئے بولا۔ "اب ہم یہاں سے بہت دور روشنیوں کے ایک شہر میں چلیں گے۔ وہاں انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رواں دواں رہتا ہے۔ ہم اس ہجوم میں شیطان اور شنکر سے چھپ کر محبت کی ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔"

"سچ حسین!" وہ حیرت اور مسرت سے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"لڑکی!" اچانک میرے قریب سے شیطان کی آواز ابھری۔ "یہ یاد رکھ کہ عورت ایک تیز شراب ہے۔ اس کے نشے میں مرد ہمیشہ بلند بانگ دعوے کرتا ہے لیکن جب شباب کی کلیوں کو مسلنے کے بعد اس کا خمار اترتا ہے تو وہ ٹھوس حقیقتوں کو اپنے سامنے پاتا ہے۔ نئی زندگی بہکے ہوئے جبلی کا ایک دعویٰ ہے اور میں ایک ٹھوس حقیقت ہوں!"

یہ آواز سن کر میں نے طوسیہ کو چھوڑ دیا اور چور نظروں سے شیطان کی طرف دیکھنے لگا۔

"جاہوزا!" اچانک شیطان پوری قوت سے چیخا اور پھر ایک نامانوس زبان میں جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔ "شیطان کے خاموش ہوتے ہی طوسیہ پر بے چینی طاری ہونے لگی۔ وہ بار بار دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا اور سینہ مسل رہی تھی جیسے اس کے سینے میں کوئی چیز پھنس رہی ہو۔

پھر شیطان نے پہلی بار مسکرا کر میری جانب دیکھا اور اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

"جبلی تو ابھی ناتجربہ کار ہے یہ تیری خوش قسمتی ہے کہ تجھے طوسیہ کو زیر کرنے کی مہلت مل گئی مگر تو اس کو رنگ رلیوں میں کھو کر ضائع کر رہا تھا۔ شنکر کو علم ہے کہ تو نے غنڈوں کی مدد سے طوسیہ کو اغوا کرا لیا ہے وہ کسی بھی قیمت پر طوسیہ سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہے۔ اسے سیتا پور کے اسٹیشن پر پہنچنے میں ذرا تاخیر ہو گئی اور وہ ٹرین چلنے کے بعد پہنچا۔ ورنہ تجھے ذرا بھی مہلت نہ ملتی۔ اب لکھنؤ میں یقیناً تیرا اس سے ٹکراؤ ہو گا۔ ہمیں لکھنؤ سے

پہلے ہی طوسیہ کے جسم پر قبضہ کر لینا ہے ورنہ ہم ایک بار پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"میں شرمندہ ہوں آقا۔"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے طوسیہ کے دونوں کانوں اور دہانے سے خون رواں ہو گیا۔ شیطان نے اپنی کمر سے بندھا چرمی چابک کھولا اور مال گاڑی کے ڈبے کے تنگ گوشے میں طوسیہ کو گھیر لیا۔ اسی وقت ٹرین کے انجن نے سیٹی بجائی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کچھ فاصلے پر کسی آبادی کی مدھم سی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ مال گاڑی کو سیتا پور سے روانہ ہوئے کم و بیش تین گھنٹے گزر چکے تھے اور میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اب ہم لکھنؤ کے نواح میں داخل ہو چکے ہیں۔

پہلے چابک پر طوسیہ بری طرح بلبلا اٹھی' پھر شیطان نے پہلو بدل بدل کر چابکوں کی بوچھاڑ کر دی اور فضا طوسیہ کی پے در پے کربناک چیخوں سے لرز اٹھی۔ یہ کھیل کئی منٹ جاری رہا۔ پھر مال گاڑی آبادی کے درمیان داخل ہونے لگی۔

"آقا اسٹیشن قریب آ رہا ہے۔" میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں شیطان سے کہا۔

شیطان نے ایک بار سر اٹھا کر ڈبے سے باہر دیکھا اور اس کا ہاتھ تیزی کے ساتھ چلنے لگا۔

چند طویل لمحات اور گزرے۔ مال گاڑی کا انجن بار بار چیخنے لگا۔ بوگیوں کی رفتار سست پڑنے لگی۔ بریکوں کا تیز شور گونجنے لگا۔ لیکن طوسیہ مسلسل پٹنے کے باوجود اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی تھی۔ نہ اس کے جسم پر لرزہ تھا اور نہ ہی وہ ابھی لڑکھڑاتی نظر آ رہی تھی۔

آخر کار مال گاڑی اسٹیشن کی حدود میں داخل ہو گئی جہاں پلیٹ فارم پر پولیس اور سادہ پوش لوگوں کا ایک بڑا ہجوم جمع تھا۔ شیطان کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔ طوسیہ کی دلدوز چیخیں اب ہر شور پر غالب تھیں۔

مال گاڑی پلیٹ فارم سے کئی پٹڑیوں کے فاصلے پر تھی وہاں موجود پولیس کی جمعیت نسوانی چیخیں سن کر پلیٹ فام سے پٹڑیوں پر کود پڑی اور تیزی سے ہمارے رینگتے ہوئے ڈبے کی طرف جھپٹی۔

"پولیس آ رہی ہے آقا۔" میں شدید ہیجان کے عالم میں بولا۔

"آنے دے۔" وہ جھلا کر ہانپتا ہوا بولا۔ "یہ لڑکی آخری سانسوں پر ہے مگر شنکر کی

قوت ارادی نے اس کی روح کو جسم چھوڑنے سے روک رکھا ہے۔"

آہنی پٹریوں پر بوگیوں کے پہیوں کی تیز رگڑ کی آواز ابھری اور مال گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔

شیطان نے پوری قوت سے لگاتار کئی چابک طوسیہ کے بدن پر برسائے اور وہ کانپ کر نیچے ڈھیر ہو گئی۔ اب اس کے بدن پر تشنج کی کیفیت طاری تھی اور اس کا بدن لطیف دھویں کی صورت میں فضا میں تحلیل ہونے لگا تھا۔

"پکڑ لو' پکڑ لو اس نابکار کو' اس نے میری طوسیہ کو چھین لیا ہے! میری بچی.... میری طوسیہ!" بوگی کی طرف آتے ہوئے ہجوم میں شنکر کی غضب ناک چیخیں ابھریں۔ شاید وہ جان چکا تھا کہ طوسیہ شیطان کے سامنے ہمیشہ کے لئے سپر ڈال چکی ہے۔

شیطان نے فاتحانہ شان سے میری جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہیبت ناک چمک کوند رہی تھی اور اس کا چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور طوسیہ کا کانپتا ہوا بدن تیزی کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

میں نے غیر ارادی طور پر بوگی کی دیواروں پر سے ریلوے کے یارڈ میں جھانکا۔ پولیس کی مسلح جمعیت بوگی تک آ پہنچی تھی اور ان سب سے آگے بپھرا ہوا شنکر زنجیریں پکڑ کر اوپر چڑھ رہا تھا۔

"آقا وہ آ گئے۔" میں ہیجانی انداز میں یہ کہتا ہوا مڑا مگر شیطان وہاں موجود نہیں تھا۔ طوسیہ کے بدن کے چند مختصر سے اعضا دھویں میں تحلیل ہو رہے تھے۔

شنکر غیض و غضب سے بپھرا ہوا لکڑیوں سے بھری بوگی پر چڑھا اور اسی وقت میں لطیف دھویں کا آخری بادل اوپر اٹھتا چلا گیا۔ طوسیہ کا پورا بدن فضا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

"قاتل.... خود غرض.... کمینے!" شنکر نے میرا گریبان ایک ہی جھٹکے میں تار تار کر دیا۔

اسی وقت پولیس افسران بوگی پر آ چڑھے ان کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔

"ہوش میں آؤ شنکر.... لڑکی کہاں ہے؟" ایک افسر نے مجھے شنکر کی گرفت سے بچاتے ہوئے کہا۔

"کون سے لڑکی جناب؟" میں نے نہایت معصومانہ حیرت سے پوچھا۔

پولیس افسر نے تند نظروں سے مجھے گھورا۔ اس کے اشارے پر چند سپاہیوں نے میرے

بازو تھام لئے اور باقی لوگ روشنیاں چمکاتے وہاں کسی لڑکی کو ڈھونڈنے لگے۔

"لڑکی کہاں گئی.... ہم نے خود اس بوگی سے ایک لڑکی کی چیخیں سنی ہیں۔" وہی افسر کڑک کر بولا۔

"چیخیں۔" میں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور روہانسی آواز میں بولا۔ "نہ جانے میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میں تو خود اس خونی درندے سے جان بچا کر سیتا پور سے اکیلا ہی اس بوگی میں آیا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے شنکر کی طرف اشارہ کیا۔

شنکر گالیاں دیتا میری طرف بڑھا مگر کئی سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔

وہ بوگی اور پھر پوری مال گاڑی چھان ڈالی گئی' ایک جماعت ریلوے لائن کے سہارے کئی فرلانگ پیچھے تک ہو آئی مگر طوسیہ تو کیا انہیں کسی چڑیا کے بچے کا بھی سراغ نہ مل سکا۔

میرے ساتھ ہی پولیس نے شنکر کو بھی حراست میں لے لیا اور پھر ہمیں کوتوالی روانہ کر دیا گیا۔

سورج طلوع ہونے سے پہلے پولیس افسرون سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ایک کمرے میں میرا بیان لیا گیا' میں نے انہیں بتایا کہ میں اپنی محبوبہ طوسیہ کے ساتھ سیتا پور میں رہتا تھا۔ پھر شنکر کی نظر طوسیہ پر پڑ گئی وہ جادو ٹونے کا ماہر اور خونی آدمی ہے اور نہ اس کے کوئی اولاد ہے۔ اس نے زبردستی طوسیہ کو مجھ سے چھین لیا اور اسے اپنی بیٹی کے روپ میں ایک جگہ قید کر دیا جہاں وہ شنکر کے ہوس آمیز تشدد کا شکار ہو کر ذہنی توازن کھو بیٹھی۔ اس دوران --- شنکر نے کئی بار میرا خاتمہ کرنا چاہا مگر ہر مرتبہ میں بچتا رہا۔ آخر پچھلی شب اس نے کئی غنڈوں کے ساتھ مجھے گھیر لیا۔ میں اس سے بچتا بچاتا سیتا پور کے اسٹیشن جا پہنچا مگر وہاں بھی اس نے مجھے پکڑ لیا اسی دوران--- شامت کا مارا ایک سنتری میری مدد کو آ پہنچا اور شنکر مجھے چھوڑ کر اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ اسی اثنا میں میری نظر مال گاڑی پر پڑی۔ اور میں اس میں جا چھپا۔ سنتری کو ٹھکانے لگانے کے بعد شنکر مجھے تلاش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی دوران---- انجن جوڑا گیا اور مال گاڑی مجھے لے کر سیتا پور سے روانہ ہو گئی اور اب لکھنؤ میں ایک نئی مصیبت میری منتظر ہے۔

بیان کے بعد مجھے بتایا گیا کہ شنکر نے پولیس کو اطلاع دی تھی کہ ایک خونی اس کی بیٹی کو سیتا پور سے لے کر فرار ہو رہا ہے اور مال گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔ پھر افسروں نے ہر

پہلو سے مجھ پر جرح کی اور میں اپنے بیان کا دفاع کرتا رہا۔

پھر شنکر کو بھی بلایا گیا۔ اس نے اپنی پرانی کہانی دہرائی۔

"معاً ایک پولیس افسر نے اس سے سوال کیا۔ "تمہاری لڑکی کو کب اغوا کیا گیا؟"

"کل رات!" شنکر نتھنے پھلا کر بولا۔

"تمہیں یہ کب معلوم ہوا کہ ملزم لڑکی کو لے کر مال گاڑی سے فرار ہوا ہے؟"

"میں لڑکی کی تلاش میں اسٹیشن پہنچا تو مال گاڑی چھوٹ چکی تھی۔ میں نے ایک ڈبے میں اس کی جھلک دیکھی تھی۔" شنکر بدستور غصیلے لہجے میں بولا۔

"پھر تم سیتا پور سے لکھنؤ اتنی کم مدت میں کیسے آ سکے جبکہ رات میں ادھر سے کوئی لاری نہیں چلتی۔" افسر نے فاتحانہ شان سے آخری سوال کیا۔

"میرے پاس کچھ شکتیاں ہیں۔" شنکر غصے سے دھاڑا۔ "اور میں جب چاہوں جہاں چاہوں جا سکتا ہوں!"

اس کے عجیب و غریب جواب پر پورے کمرے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور ہم دونوں کو حوالات کے الگ الگ کمروں میں بھیج دیا گیا۔

میرا بیان اتنا مربوط اور جامع تھا کہ پولیس افسران کو اس پر شبہ کا کوئی جواز نہ مل سکا۔ دوسری طرف شنکر نے اپنی شکتیوں کی دھونس دے کر خود میرے اس بیان کی تائید کر دی تھی کہ وہ جادو ٹونے کا ماہر ہے۔

اس دن شنکر کی کوٹھری سے بار بار تشدد آمیز باز پرس کی آوازیں آتی رہیں لیکن میری طرف کسی نے بھی رخ نہیں کیا۔ دوپہر کا کھانا لانے والے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر معاملہ طوسیہ تک ہی محدود رہتا تو سارے افسر اس بات پر متفق تھے کہ معاملہ ختم کر کے دونوں کو رہا کر دیں لیکن سیتا پور ریلوے اسٹیشن کی لائنوں سے ایک سنتری کی ٹرین کے نیچے کچلی ہوئی لاش ملنے کے سبب معاملہ سنگین ہو گیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ جب تک تفتیش کے نتیجے میں میرے بیان کا کوئی قصہ غلط ثابت نہ ہو کوئی افسر میری طرف رخ نہیں کرے گا۔ شنکر بے چارے کو تو شاید میرے بیان سے پہلے سنتری کے قتل کا علم ہی نہیں تھا ورنہ وہ مجھ پر یہ جرم بھی عائد کرتا۔ اس کی لاعلمی سے میں نے دور رس فائدہ اٹھا لیا تھا اور اب پولیس مجھے سنتری کے قتل کا ایک اہم گواہ تصور کر

رہی تھی۔

رات کو جب میں غلیظ کمبل پر لیٹا ہوا سونے کی کوشش کر رہا تھا تو حوالات کے دروازے پر آہٹیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور میرے کانوں میں اپنے آقا کی محبت بھری آواز آئی۔

"باہر آ جا جبلی! یہ در و دیوار میرے پجاریوں کے لئے نہیں ہیں۔"

شیطان کی آواز پر میں بجلی کی سی تیزی سے کمبل سے اٹھا اور حوالات سے باہر نکل آیا۔

راہداری اس وقت بالکل تاریک پڑی ہوئی تھی۔ اور وہاں کوئی سنتری وغیرہ بھی موجود نہیں تھا۔ ہم دونوں کسی کا سامنا کئے بغیر کوتوالی کے عقبی حصے پر نکل آئے۔

کھلی فضا میں آ کر میں نے چند گہرے گہرے سانس لئے۔ میرا دیکھا بھالا شہر ایک بار پھر میرے سامنے تھا۔ یہیں کے ایک بازار میں سرلا بائی کا وہ کوٹھا تھا جہاں پہلی بار میرا سامنا بے خال سے ہوا تھا اور پھر اسی کی وجہ سے منحوس شنکر میرے پیچھے لگا تھا۔

"پرانی یادوں کو بھول جا جبلی!" شیطان میرے خیالات پڑھ کر بولا۔ "یہاں سے بہت دور روشنیوں کا ایک شہر ہے۔ وہاں ایک نئی زندگی تیری منتظر ہے۔"

شیطان نے ایک تانگہ روکا۔ کوچوان نے حیرت بھری نظروں سے اس مخلوق کو دیکھا پھر ہم دونوں کو لے کر اسٹیشن کی طرف چل دیا جہاں تانگے سے اترنے کے بعد شیطان غائب ہو گیا۔

لکھنؤ سے میرا کامیاب فرار ایک خوش آئند واقعہ تھا۔ میں نہایت ٹھاٹھ سے دوسرے درجے میں سفر کر رہا تھا۔ نفیس لباس زیب تن کر کے میری شخصیت کچھ نکھر سی گئی تھی۔ ہلکی ہلکی داڑھی نے میرے چہرے کے ڈراؤنے خد و خال کو بڑی حد تک چھپا لیا تھا۔

گاڑی چلتی رہی۔ اوہام اور وسوسوں کی سرزمین کے خوابناک شہر ایک کر کے گزرتے رہے۔ اناؤ' کانپور' فتح پور' الہ آباد۔ ساری بستیاں تیزی سے گزرتی جا رہی تھیں اور میری منزل ان سب سے بہت دور تھی۔ ہزار بارہ سو میل دور' غضب ناک سمندر کے ساحل پر ایک نیا شہر اور نئی زندگی میری منتظر تھی۔

وقت گزرتا رہا' آبادیاں اور ویرانے پیچھے دوڑتے رہے۔ پھر ٹرین چیختی چنگھاڑتی اس شہر

کے نواح میں داخل ہوئی اور مجھ پر عجیب سی جذباتی کیفیت طاری ہونے لگی۔

اسٹیشن پر انسانوں کا ایک بڑا ہجوم موجود تھا اور لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے۔ ہر سو بھاگ دوڑ اور افراتفری کا ایسا سماں تھا جیسے تھوڑی دیر بعد وہاں غدر برپا ہونے والا ہو۔

اس سے پہلے کبھی میں نے اتنے مصروف انسان نہیں دیکھے تھے۔ وہ سب ایک دوسرے سے لاتعلق نظر آ رہے تھے مگر پھر بھی ان میں ربط تھا وہ سب ہی مجھے کسی بگڑی ہوئی مشین کے پرزے معلوم ہو رہے تھے۔ پختہ پلیٹ فارم پر پہنچ کر ٹرین ایک ہلکے سے جھٹکے سے رک گئی اور بہت سے لوگ لٹیروں کے انداز میں ڈبوں پر ٹوٹ پڑے۔ میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے ڈبے سے باہر نکلا اور فوراً ہی کئی آدمی میری طرف لپکے۔

"قلی صاحب؟"

"مزدور چاہئے؟"

"چونی پھیرا لوں گا داوا۔"

میں نے افلاس سے بدحال صورتوں پر نظر ڈالی۔ان کی نگاہوں میں فریاد' التجا اور بھیک تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اب میں صحیح مقام پر آیا ہوں۔ جہاں لوگوں میں آسودگی مفقود ہو' تفکرات کی ارزانی ہو' وہی جگہ میرے آقا کے مقاصد کے لئے موزوں ترین ہو سکتی تھی۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چند نوٹ نکالے اور ایک ایک ان سب کو تھما دیا۔ دس دس روپے دیکھ کر وہ حیرت اور مسرت سے ہکا بکا رہ گئے اور میں انہیں اسی عالم میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ مجھے کدھر جانا ہے۔ بس اسی طرف کو ہو لیا جدھر دوسرے مسافر سامان اٹھائے جا رہے تھے۔

ایک بات رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں اس نئے شہر کے باسیوں سے خود کو نہ منوا سکا تھا۔ سفر کے دوران میں مجھے اپنی خوش پوشی اور نفاست کے بارے میں خاصی توقعات تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ جب میں خسروانہ انداز میں اجنبی شہر میں اتروں گا تو لوگ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گے کہ یہ کون سی معزز ہستی ہے جو ان کے شہر میں آئی ہے مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ لوگ مجھ سے شانہ لڑاتے' دھکے دیتے یوں بے نیازی اور پھرتی سے دوڑے جا رہے تھے جیسے ذرا بھی تاخیر ہوئی تو تعاقب میں آنے والا کوئی آدم خور

انہیں پھاڑ کھائے گا۔

میں آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک جگہ چیخ و پکار نے میری توجہ ہجوم کی طرف مبذول کرا دی۔ بہت سے پرسکون اور غیرجانبدار تماشائیوں کے وسط میں ایک ادھیڑ عمر شخص بال بچوں اور ساز و سامان سمیت کھڑا غصے کے عالم میں ایک قلی سے لڑ رہا تھا۔

"ہم بولتا پڑا ہے کہ اکھا سامان کا سوا روپیہ سے کم نہیں ہو گا۔" قلی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا ستم ہے۔ ارے حضرت نہ ہوا لکھنؤ ورنہ چھ آنے میں قلی یہی سامان گھر تک پہنچاتا' گھر تک!" وہ شخص غصے سے کانپتے ہوئے بولا۔

"پھر ٹکٹ بھیج کر ادھر سے قلی بلاؤ!" مزدور مضحکہ خیز انداز میں یہ کہہ کر بیڑی سلگانے

"تم کو تو سوا روپیہ ہرگز نہ دوں گا۔" وہ عیال دار شخص غالباً کافی دیر سے اس تکرار میں الجھا ہوا تھا اس لئے اپنی برقعہ پوش بیوی کے کہنی مارنے پر آگ بگولا انداز میں تماشائیوں میں کھڑے ایک اور قلی سے مخاطب ہو گیا۔

"واللہ اگر اہل و عیال ساتھ نہ ہوتے تو چھ سوا چھ آنے نہ دیتا۔ چلئے حضرت آپ بسم اللہ کریں' سوا روپیہ اجرت اور ایک آنہ انعام!" یہ پیش کش کر کے اس شخص نے اس فاتحانہ شان سے مجمع پر نظریں دوڑائیں جیسے ان سب سے اپنی سخاوت کی داد چاہتا ہو۔

"تمہارا سامان کو اپن سالا ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔۔ اسی چری سے بات کرو!" دوسرے قلی نے اس فیاضانہ پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔

"غضب ہے جناب!" وہ شخص ماتھے پر ہاتھ مار کر روہانسی آواز میں بولا۔ "یہاں تو کھلی گروہ بندی ہے..... آپ لوگ دیکھ رہے ہیں یہاں کیسا اندھیر آ لگا ہے! شریف مسافر ناپسندیدہ عناصر کا کھلونا بن کر رہ گئے ہیں۔"

تماشائی اس کی بے بسی کا کوئی اثر لئے بغیر دلچسپی کی نگاہوں سے کبھی اسے اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ سب بہ زبان خاموشی یہی کہہ رہے تھے کہ تم دونوں آپس میں کرو' ہمیں درمیان میں گھسیٹ کر کیوں ہماری غیر جانبداری کو داغدار کرتے ہو۔

"ابھی تمہارا سامان اکھے بومبے میں کوئی نہیں اٹھائے گا۔" جھگڑالو قلی بیڑی کا گہرا کش

لے کر بولا۔ "ابھی ہم کو سوا روپیہ دو ورنہ چار دن تک ادھر مرتا رہے گا۔"

اسی وقت میری نگاہ اس مسافر کی ہمراہی ایک برقعہ پوش لڑکی کے ذرا سرکے ہوئی نقاب میں جا ٹھسی اور یک بیک میرے دل میں اس شخص کے لئے ہمدردانہ اشتعال پیدا ہو گیا۔

میں بھیڑ کو ہٹاتا وسط میں جا پہنچا اور اس کا سامان اٹھاتے ہوئے بولا۔ "چلو جی۔ تمہارا سامان میں بلا معاوضہ پہنچاؤں گا۔ یہاں تو سب ہی زنانے لگتے ہیں۔"

میرے ان الفاظ پر تماشائیوں کے چہروں پر غصے کی لہر دوڑ گئی۔

"او سیٹھ۔ کیوں ہمارا روزی خراب کرتا ہے!" ایک جھگڑالو قلی مجھے للکار بیٹھا۔

میں نے اسے گھور کر دیکھا اور دوسرا صندوق اٹھانے لگا۔ وہ پریشان حال مسافر اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ اس نے تکلفاً بھی مجھے نہیں روکا بلکہ صندوق اٹھانے میں میری مدد کرنے لگا۔ برقعہ پوش خواتین سرگوشی کے انداز میں میری ہمت اور انسان دوستی کی تعریف کر رہی تھی۔

"ارے سیٹھ۔ سامان نیچے پھینکو!" اس بار وہ قلی میرے مقابل آ کر کڑے تیوروں کے ساتھ خشک لہجے میں بولا۔

میں اس شہر میں بالکل نووارد تھا۔ شہر کے رسم و رواج سے بالکل نا آشنا۔ طیش میں آ کر بائیں ہاتھ میں دبا ہوا صندوق اس پر اچھال دیا۔ اگر وہ چیخ مار کر پیچھے نہ ہٹ جاتا تو بلاشبہ اس کی شناخت محال ہو جاتی۔ مگر اس کے کئی حمایتی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ بھیڑ چھٹی تو سامان لے جانے والے قلی بھی اپنا اپنا بوجھ پھینک کر صورت حال جانے بوجھے بغیر مجھے مارنے کو لپکے۔

میری وحشیانہ ضربوں نے دو کو تو وہیں زمین بوس ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ باقی لوگ ذرا پہلو بچا کر گھات لگانے لگے۔ میں نے کنکھیوں سے برقعہ پوش لڑکی کو دیکھا۔ وہ شاید ادھیڑ عمر مسافر کی لڑکی تھی اور اپنی ماں کے شانے سے لگی بری طرح کانپ رہی تھی۔

میں نے فسادیوں کے تردد سے فائدہ اٹھا کر فوراً ہی اپنے آقا کو یاد کیا اور وہ فوراً ہی ایک بپھرے ہوئے کتے کے روپ میں کہیں سے آ نکلا۔ فسادی تو جوش انتقام میں اندھے ہو رہے تھے مگر تماشائی بھی اس کتے سے خوفزدہ نہ ہوئے۔ شیطان نے دو تین بار تو ہیبت انداز میں بھونکنے کے بعد بھی کوئی اثر نہ دیکھا تو ایک قلی کی پنڈلی پر منہ مار دیا۔ وہ چیختا ہوا بھاگا تو

شیطان نے اچھل کر بھاگتے ہوئے ایک مدراسی کی دھوتی پر منہ مارا اور پھر لوگ فساد کو بھول کر 'پاگل کتا' پاگل کتا' کا شور مچاتے وہاں سے بھاگ نکلے۔

چند ثانئے تو میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر خیال آیا کہ میرے یوں رکے رہنے سے مجھے ہی ہنگامے کا مالک تصور کیا جائے گا لہٰذا میں بھی ادھر چل پڑا۔ جدھر وہ عیال دار' ادھیڑ عمر مسافر بھاگ رہا تھا۔

اس افراتفری میں لڑکی کا برقعہ نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔ میں نے اس ماہ وش کو دیکھا اور بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ خوف اور دہشت سے تمتمایا ہوا اس کا شہابی چہرہ سفر سے بکھری ہوئی گھنی ریشمی زلفوں کے سائے میں سنگتراش کے تخیل کا ایک اچھوتا شاہکار نظر آ رہا تھا۔

طوبیہ اور وہ لڑکی۔ وہ لڑکی اور طوبیہ۔ پل بھر کے لئے میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں اور میں یہ بالکل ہی بھول گیا کہ ابھی خطرے سے پوری طرح باہر نہیں ہوں اور فسادی قلی شیطان کی زد سے بچ نکلنے کے بعد دوبارہ مجھے گھیر سکتے ہیں۔

"بس یہیں رک جاؤ۔ وہ کتا دور نکل گیا ہے۔" میں نے لپک کر ادھیڑ عمر شخص کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور وہ رک کر وحشت زدہ نظروں سے پلیٹ فارم پر پھیلی ہوئی افراتفری کا جائزہ لینے لگا۔

برقعہ سے بے نیاز خوبرو لڑکی بھی اپنی ماں کے ہمراہ رک گئی تھی اور اب خود کو بے پردہ پا کر بری طرح گھبرائی ہوئی تھی وہ کبھی دوپٹہ سے اپنا جسم چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اور کبھی اپنی ماں کی آڑ لے رہی تھی۔

میں چند سیکنڈ تک دلچسپی کے ساتھ اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میں نے اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کا برقعہ تھوڑی دور ایک بینچ میں الجھا ہوا تھا' میں وہ برقعہ لے کر تیزی سے واپس آیا اور براہ راست اسی سے مخاطب ہو گیا۔ "لو یہ برقعہ پہن لو!"

میری بھرائی ہوئی آواز سن کر اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ایک ثانئے کے لئے نگاہیں چار ہوئیں اور اس نے بے قراری کے ساتھ میرے ہاتھ سے برقعہ جھپٹ لیا۔

"بھائی! تم بڑے خدا ترس معلوم ہوتے ہو!" وہ ادھیڑ عمر شخص میری توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے احسان مندانہ لہجے میں بولا۔ "ورنہ اس شہر میں انسانیت اور ہمدردی نام کو نہیں ہے۔"

پلیٹ فارم پر ابھی تک شدید افراتفری پھیلی ہوئی تھی' اس ادھیڑ عمر شخص نے میری مدد سے اپنا سامان سمیٹا اور میں انہیں ہمراہ لے کر تیزی کے ساتھ اسٹیشن کی پرشکوہ عمارت سے باہر نکل آیا۔

انہیں سواری دلا کر بظاہر میں ان سے الگ ہو گیا۔ مگر کچھ دور نکلنے کے بعد ایک تانگے میں ان کا تعاقب شروع کر دیا۔•

وہ لڑکی اس قدر حسین اور میرے خوابوں کی شہزادی طوسیہ سے اس قدر مشابہہ تھی کہ پہلی نظر میں تو مجھے اس پر طوسیہ کا ہی دھوکا ہوا تھا اور اب میں ہر قیمت پر اسے حاصل کرنے کا عہد کر چکا تھا۔

کافی دیر کے سفر کے بعد تعاقب کا یہ سلسلہ ایک پختہ مکان پر جا کر ختم ہوا اور میں کرایہ ادا کر کے تانگے سے اتر پڑا۔ جب وہ لوگ مکان میں داخل ہو گئے تو میں بھی واپس ہو لیا۔ بمبئی میرے تصورات سے بھی زیادہ حسین اور رنگین شہر تھا۔ ہر طرف بلند و بالا عمارات بکھری ہوئی تھیں' سڑکوں اور بازاروں میں اتنی ریل پیل تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ میں انسانوں کے اس سمندر میں ایک حقیر ذرے کی طرح بے مقصد ادھر ادھر بہتا رہا۔ پھر شام ڈھلے ایک بڑے ہوٹل میں جا پہنچا۔

میں وہاں بھانت بھانت کے لوگوں کے درمیان کھانے پینے کی چیزوں سے دل بہلا رہا تھا کہ ایک گوری چٹی اور خوبصورت لڑکی بڑے محبوبانہ انداز میں مسکراتی ہوئی میری طرف آئی اور بے تکلفی کے ساتھ یوں میز پر بیٹھ گئی' جیسے میری اور اس کی پرانی شناسائی رہی ہو۔

میں سوالیہ نگاہوں سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

وہ دلفریب انداز میں مسکرائی اور پلکیں جھپکا کر بولی۔ "میرا نام کشوری ہے... تم بمبئی میں اجنبی سے لگتے ہو۔"

"کشوری!" میں نے اس کے نام کی مٹھاس محسوس کرتے ہوئے دہرایا "نام تو اچھا ہے' صورت بھی پیاری ہے۔"

"واقعی!" وہ شرمائے بغیر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"میں اس شہر میں واقعی اجنبی ہوں۔" میں اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔ "اور مجھے یہاں ایک ساتھی کی بڑی شدید ضرورت ہے۔"

"میں خود ہر روز کسی ساتھی کی تلاش میں نکلتی ہوں!" مجھ سے بات کرتے کرتے وہ ایک قریب سے گزرتے ہوئے بیرے سے مخاطب ہو گئی۔ "ایک بڑا پیگ برن لاؤ۔"

"لیکن یہاں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔" میں نے بیرے کے چلے جانے کے بعد کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اگر تمہاری جیب میں پیسہ ہے تو تم ساری زندگی اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں گزار سکتے ہو۔" وہ بیباکانہ لہجے میں بولی۔

"پیسہ بہت ہے۔" میں نے اپنی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"تم نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا!" وہ نوٹوں کو حریصانہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"جو نام چاہو دے لو' کبھی میرا نام خادم حسین تھا۔ پھر مجھے جبلی کہا جانے لگا۔ اب اس شہر میں بے نام ہوں جو نام تم دو گی قبول کر لوں گا۔"

"جبلی!" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "نام تو اچھا ہے۔"

اسی دوران بیرا بربن کا گلاس اور سوڈے کی بوتل لے آیا۔

وہ سوڈا ملائے بغیر شراب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ پھر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولی۔ "اگر تم چاہو تو میرے ساتھ ہی رہ سکتے ہو!"

"تمہارے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟"

"گھر والے!" وہ تلخ آواز میں ہنس پڑی۔۔ "میرا باپ آنکھوں سے معذور ہے اور ہر وقت اپنی کوٹھری میں گھسا نہ جانے کیا کرتا رہتا ہے اور مجھے اپنا جسم بیچ کر اپنے اور اس کے لئے روٹی کمانی پڑتی ہے۔"

اپنی باتوں سے وہ خاصی دکھی معلوم ہو رہی تھی' میں تھوڑی دیر اس کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا' پھر ہم دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔

کشوری کا مختصر سا گھر بہت صاف ستھرا اور آرام دہ تھا' اس نے مجھے ایک کمرے میں چھوڑا اور خود مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

میں مسہری پر نیم دراز طوسیہ سے مشابہ۔۔ لڑکی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک دروازے کے باہر کی راہداری میں کسی کے وزنی قدموں کی چاپ کے ساتھ ہی لکڑی ٹیکنے کی آواز ابھرنے لگی جو بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔ میرے لئے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ کشوری کا باپ میری جانب آ رہا ہے۔ چند ہی ثانیوں کے بعد ایک طویل قامت اور چوڑے چکلے بدن والا اندھا اس کمرے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا' اس کے سر کے برف کی طرح سفید بال بری طرح الجھے ہوئے تھے اور پتھرائی ہوئی آنکھوں کی ویران پتلیاں خلا میں کسی نقطے پر مرکوز تھیں۔

"اجنبی کیا تیرا نام جبلی ہے؟" بوڑھے نے اسی جگہ سے کرخت اور بارعب آواز میں

پوچھا۔

اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے الجھن سی ہونے لگی تھی اور میرا جی چاہ رہا تھا کہ خاموشی کے ساتھ اس گھر سے نکل کر بھاگ جاؤں۔ لیکن وہ نکلنے کے واحد راستے میں یوں اڑا ہوا تھا کہ اس سے الجھے بغیر میرا باہر نکلنا محال تھا۔

"اجنبی!" مجھے خاموش پا کر وہ دھاڑا۔

"ہاں' میرا نام جبلی ہے۔" میں نے بے دلی کے ساتھ کہا۔

"اور تو شیطان کا پجاری ہے۔"

اس کے ان الفاظ نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں نادانستگی میں یقیناً کسی جال میں آ پھنسا تھا' ورنہ اس اندھے کو کیا معلوم کہ میں کون ہوں اور کس کا پجاری ہوں۔ "میں کسی کا بھی پجاری ہوں.... تجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔" میں حوصلہ کر کے درشت لہجے میں بولا۔ "میں نے کچھ دیر کے لئے تیری بیٹی کا جسم خریدا ہے' سودا پورا ہو جانے پر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"خاموش گستاخ!" اندھے کا چہرہ غصے سے دہک اٹھا اور وہ اپنی لاٹھی خلا میں لہرا کر چیخا۔ "اگر رشتے کا خیال نہ ہوتا تو میں ابھی تیری ہڈیاں سرمہ کر دیتا!"

"رشتہ!" میں اس کے لہجے سے مرعوب ہو کر تحیر خیز آواز میں بولا۔

"ہاں' کیا تجھے اپنے باپ کا نام یاد ہے؟" اندھے نے اسی غصیلی آواز میں پوچھا۔

معاً میری نگاہوں میں وہ روح فرسا منظر گھوم گیا جب صحرا میں بھٹکے ہوئے ہمارے کارواں کو جبرین کے قزاقوں نے بے رحمی کے ساتھ تاراج کیا تھا۔ سب لوگ مار دیئے گئے ان کے سر نیزوں پر اچھالے گئے اور مال و متاع ان لٹیروں نے ہتھیا لیا' یہ تو میری محض خوش نصیبی تھی کہ میں جبرین کے آتش پرست بھیڑیوں کے درمیان زندہ رہ سکا۔

"میرے باپ سے تجھے کیا مطلب؟" میں نے اپنے فطری تجسس کو دباتے ہوئے اپنا جارحانہ انداز برقرار رکھا۔

"کیا یہ غلط ہے کہ تیرے باپ کا نام مظاہر حسین تھا؟" اندھا میرے سوالوں کو نظرانداز کرتے ہوئے سرد اور تحکمانہ آواز میں بولا۔

یہ نام سن کر میں چونک پڑا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن میری ولدیت کے بارے میں

درست ہی کہہ رہا تھا۔ "فرض کرو کہ تمہارا خیال درست ہو' تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں اس سے کافی حد تک مرعوب ہو چکا تھا۔ لیکن میری فطری ہٹ دھرمی مجھے اس کی بالا دستی قبول کرنے سے روک رہی تھی۔

"اور تیرا اصل نام خادم حسین ہے.... تیرا باپ تجھے ہمراہ لے کر چندی گڑھ سے زیارت کے لئے جانے والے ایک قافلے کے ساتھ نکلا تھا۔" اندھا پرجوش آواز میں کہنے لگا۔ "مگر کسی کو اس قافلے کا حشر معلوم نہ ہو سکا' تیرا باپ مجھے پاگل اور خبطی سمجھتا تھا' مگر میں علم کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ میں نے سینکڑوں میل دور رہتے ہوئے ایک خون آشام رات کے سائے میں پورے کارواں کو اپنی آنکھوں سے تہس نہس ہوتے ہوئے دیکھا' مگر میں مجبور تھا میں اپنے خون اپنے سگے بھائی کے لئے کچھ نہ کر سکا اور وہ بے رحمی سے کاٹ ڈالا گیا۔ اور تو اپنی بدبختی کے دن پورے کرنے کے لئے اپنی پوری ڈھٹائی کے ساتھ زندہ رہا۔"

وہ سانس لینے کے لئے خاموش ہوا اور میں بے چینی کے ساتھ اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔

"اور تو نے جس دن اس سرزمین پر قدم رکھا تھا اسی روز مجھے تیری آمد کا علم ہو گیا تھا" اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تو اگر خود ادھر نہ آتا تو میں تجھ تک پہنچتا..... تو نے سیتا پور میں شنکر سے ٹکر لی۔ وہ شکتی کا پجاری ہے اور اپنی گندی طبیعت کی وجہ سے تجھ پر اور تیرے ذلیل آقا پر قابو نہ پا سکا۔ مگر وہ تیرا پیچھا کرتا یہاں تک آ پہنچا۔ اس نے طوسیہ کو اپنی منہ بولی بیٹی بتایا تھا۔ مگر تو نے اپنے مالک کے ساتھ مل کر اس کا بدن چھین لیا' اب اس کا بدن شیطان کے قبضے میں ہے اور روح شنکر کے پاس ہے۔ اسی کے عمل پر تجھے اسٹیشن والی لڑکی میں طوسیہ کی جھلک نظر آئی اور تو اپنی پرانی محبوبہ کی شباہت دیکھ کر بے چین ہو گیا اور تیرے ذہن میں کسی عورت کے قرب کی خواہش شدت سے بیدار ہو گئی' یہ شنکر کا بہت کامیاب وار تھا' وہ تیری کمزوری سے خوب واقف ہے' پھر اس کی شہ پر کشوری تیرے پاس پہنچی۔۔ گرم لوہے پر وار کامیاب ہوا اور تو بے چون و چرا یہاں آ پہنچا اور اب تو میرے قبضے میں ہے اور میں تجھے صرف پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں کہ طوسیہ کی روح کو اس کا بدن لوٹا دے' ورنہ میں تجھے اپنے رشتہ کی پرواہ کئے بغیر خون تھوکنے

پر مجبور کر دوں گا۔"

جواب میں میں نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور بولا۔ "مجھے آنکھوں والے زک نہیں دے سکتے' تو ایک اندھا بھلا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے؟"

"خادم!" اندھا اتنی زور سے چیخا کہ اس کے گلے کی رگیں ننھے ننھے سانپوں کی طرح جلد پر ابھر آئیں۔ "میرے قہر کو دعوت نہ دے' میرے نام سے بنارس اور متھرا کے بڑے بڑے رشی اور پنڈت لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ میں ایک اشارے میں تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا۔"

"میں نہ رشی ہوں اور نہ پنڈت!" میرا لہجہ بدستور تضحیک آمیز رہا دراصل میں اس اندھے کو دروازے سے ہٹانا چاہتا تھا تاکہ موقع ملتے ہی باہر فرار ہو سکوں۔ "میں شیطان ہوں' بڑے شیطان کا پجاری.... دیکھتا ہوں تو میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

میرے جواب سے اندھے کے تیور ایک دم نرم پڑ گئے' وہ خلاف توقع فراخدلی سے ہنسنے لگا اور اسی دوران بولا۔۔ "شیطان ایمان کا دشمن ہے اور غصہ عقل کو نگل جاتا ہے' تو مجھے اس دروازے سے ہٹا کر فرار نہ ہو سکے گا۔ رہی میری طاقت تو لے یہ سنبھال!"

اتنا کہہ کر بوڑھے نے عربی زبان میں تیزی کے ساتھ کچھ الفاظ ادا کئے جن کا مفہوم میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔

بوڑھے کی زبان سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہی کوئی بھاری بھرکم اور نادیدہ وجود میرے اوپر آ پڑا' میں نے اس کی گرفت سے نکلنا چاہا۔ لیکن اس نے عقب سے مجھے بری طرح اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا اور میرے سنبھلنے سے قبل ہی مجھے دونوں ہاتھوں پر اوپر اٹھا لیا۔

میں فضا ہی میں اس کے ہاتھوں پر بری طرح تڑپا اور اپنے ہی زور میں کمرے کے پختہ فرش پر آ رہا اور میری کھوپڑی کچھ اس بری طرح فرش سے ٹکرائی کہ میں اپنی بے ساختہ چیخ پر قابو نہ پا سکا۔

اپنا زخم سہلاتا میں پھرتی کے ساتھ فرش سے اٹھا اور نامعلوم حملہ آور کی طرف بڑھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کمرے میں میرے اور اندھے کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں ہے۔

میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس صورت حال سے خوفزدہ ہو جاتا۔ مگر میں خود شیطان

کا پجاری ہونے کے ناطے نادیدہ قوتوں کا عامل تھا۔ میں نے فوراً ہی سر والیوں کو اندھے پر یلغار کرنے کا حکم دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس کمرے میں ہیبت ناک چہروں اور برہنہ جسم والی سیاہ رنگت والی بہت سی چڑیلیں نہ جانے کہاں سے گھس آئیں اور سینہ کوبی کرتی اندھے کی طرف بڑھیں۔

اندھے نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے اپنی لاٹھی کو ان کی طرف لہرایا۔ اور وہ کریہہ چیخیں مارتی یک بیک روپوش ہو گئیں جیسے اس کمرے میں ان کا وجود ہی نہ ہو۔ "تیرے قبضے میں بدی کی بے شمار قوتیں ہیں اور میرے پاس صرف دو موکل ہیں۔ مگر تو مر کر بھی میرے ان موکلوں کو ہراساں نہ کر سکے گا!" اندھے نے غصیلی آواز میں کہا۔ "اور اب تو میرے پنجے سے نہ نکل سکے گا۔"

میں غصے اور بوکھلاہٹ کے عالم میں اندھے کی طرف لپکا۔ مگر دو تین قدم بڑھاتے ہی میں کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا اور میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ یوں محسوس ہوا جیسے میں پوری قوت سے کسی پتھریلی دیوار سے جا ٹکرایا ہوں۔ اس ٹھوس چیز سے ٹکرا کر میں پشت کی بل فرش پر گر پڑا اور کئی سیکنڈ تک بے حس و حرکت یونہی پڑا رہا۔ میری ناک اور پیشانی میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور ان دونوں زخموں سے بہتی ہوئی گرم گرم خون کی دو تازہ لکیروں کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

اس وقت پہلی بار مجھ پر خوف کا غلبہ ہوا اور میں نے دل ہی دل میں بڑی شدت سے اپنے آقا کو یاد کیا اور وہ کریہہ صورت کبڑا نہ جانے کہاں سے اس کمرے میں آ موجود ہوا۔

میں نے قدرے خوف کے ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن میرے اور اس اندھے کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔ اور وہ بدستور اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔

"نابکار! تیری یہ مجال!" شیطان کے وارد ہوتے ہی اندھا غصے میں پکارا۔ "تو نے میرے گھر میں قدم رکھنے کی جرات کیسے کی؟"

"میں مصیبت میں اپنے پجاریوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔" شیطان اپنی روایتی سرد اور کرخت آواز میں بولا۔ "اور نہ میں انہیں مصائب میں پھنسا کر ان کا امتحان لیتا ہوں۔"

"امتحان!" اندھے نے حقارت سے اپنا سر جھٹکا۔ "امتحان وہ دیتے ہیں۔ جن میں

عقیدے کی پختگی ہو، تیرے پجاری ریت کی دیواروں پر اپنی توقعات کے محل تعمیر کرتے ہیں اور تیرا ان کا رابطہ کسی بھی امتحان میں پورا اتر ہی نہیں سکتا۔"

"جبلی کا راستہ چھوڑ دے۔۔۔!" شیطان تنبیہہ آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ میرا خاص پجاری ہے اور اس کی راہ میں آنے والے میرے عتاب سے نہیں بچ سکتے۔" اندھے نے ایک پرشور قہقہہ لگایا پھر بلند آواز سے لاحول پڑھا شیطان بری طرح چیخیں مارتا ہوا، دو تین بار فضا میں اچھلا اور پھر معدوم ہو گیا۔

"خادم! مہلت گزر رہی ہے۔" اندھے نے اب مجھے للکارا۔ "تو اپنے آقا کا حشر دیکھ چکا ہے اور میں اپنی جگہ سے ہلے بغیر اللہ کی نصرت سے تجھے بے دست و پا کر سکتا ہوں۔"

"طوبیہ صرف میری ہے۔" میں اپنے زخم صاف کرتے ہوئے بولا۔ "اس کی روح اس کے جسم میں صرف اس وقت داخل ہو گی جب تو یہ عہد کرے کہ وہ بلا شرکت غیرے میری ملکیت ہو گی۔ میں نے اسے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس کی خاطر بے شمار صعوبتیں جھیلی ہیں اور اب میں کسی طرح اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔"

"تجھے طوبیہ سے واقعی محبت ہے؟" اندھے نے ایسے لہجے میں سوال کیا جس میں طنز کے ساتھ تجسس بھی محسوس ہوتا تھا۔ میں خاموش رہا۔

"اگر تجھے اس سے محبت ہے تو سن کہ وہ بھی تیرے لئے تڑپتی ہے مگر وہ بدی کے راستے کو چھوڑ کر اب میری پناہ میں آ چکی ہے شنکر نے اسے میری حفاظت میں دے دیا ہے اور تو جب تک شیطان کا پجاری ہے وہ تیری نہیں ہو سکتی تو آج شیطان سے اپنا تعلق ختم کر لے اور وہ آج ہی تیری ہو جائے گی۔" مجھے خاموش پا کر اندھا دوبارہ بولا۔

"نہیں جابر!" اچانک شیطان پھر کہیں سے گھس آیا اور مضحکانہ لہجے میں اندھے سے بولا۔ "میرے ایک سچے پجاری کو تو اتنی آسانی سے نہ بہکا سکے گا۔"

"یہ اس کی محبت کا امتحان ہے ملعون!" اندھا جابر غصے میں بولا۔ "طوبیہ اور شیطان۔۔۔ ان دو میں سے اسے ایک کا انتخاب کرنا ہے، یہ اس کا اپنا فیصلہ ہو گا، تو یہاں سے دفع ہو!!"

شیطان نے اندھے جابر کی طرف رخ کر کے اپنے مکروہ دہانے سے ایک تیز پھونک ماری جو بھڑکتے ہوئے آتشیں شعلوں کی لکیر کی صورت میں جابر کے جسم سے ٹکرائی، وہ ایک

ثانئے کے لئے ہڑبڑا کر پیچھے سرکا اور اس مسلسل لکیر پر جلدی سے پھونک ماری' وہ آگ یک بیک سرد پڑ گئی۔

اپنا یہ وار ناکام ہوتے دیکھ کر شیطان نے فوراً اپنے سر سے ایک بال توڑا اور اسے اپنے لعاب دہن میں تر کر کے زمین پر پھینک دیا' وہ بال آناً فاناً میں پھنکاریں مارتے ہوئے مہیب ناگ میں تبدیل ہو گیا' اور تیزی کے ساتھ بل کھاتا ہوا جابر کی طرف بڑھا۔

اس سانپ کی پھنکاریں اتنی غضب ناک تھیں کہ جابر کو صورت حال سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ ایک پل کے لئے نیچے جھکا اور اس نے زیر زبان نہ جانے کیا عمل پڑھا کہ غیض و غضب سے پھنکارتا ہوا ناگ نہایت سکون کے ساتھ رینگتا ہوا اس کے قدموں میں پہنچا اور کنڈلی مار کر وہیں بیٹھ گیا۔

"دفع ہو مردود اب یہاں سے۔" اندھے جابر نے یہ کہتے ہوئے زور سے لاحول پڑھا۔

شیطان بری طرح چیختا ہوا فضا میں اچھلا اور یک بیک نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔

"دیکھا تو نے اپنے آقا اور اس کے حربوں کا حشر!" چند ثانیوں کے فتح مندانہ توقف کے بعد اندھے جابر نے زبان کھولی۔

"تو میرے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے ۔مگر میں تیرے اشاروں پر ہرگز نہ ناچوں گا۔" میں نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"میں تیرا ایسا بندوبست کر دوں گا کہ تیرا جینا حرام ہو جائے گا خادم! مگر تیرے ساتھ یہ سب کر کے مجھے خود دکھ ہوگا۔ آخر کو تو میرا ہی خون ہے....!" اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"مجھے نہ تیری ہمدردی کی ضرورت ہے اور نہ تیری نصیحتوں کی.... میں خود اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہوں۔"

"اچھا!" وہ یک بیک غصے میں آ گیا۔ "تو لے' میں اسی وقت اپنا ایک موکل تجھ پر مامور کر رہا ہوں۔ وہ تیرا جینا حرام کر دے گا۔ اور تو خود میرے قدموں میں....!"

اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی' کیونکہ اس وقت مکان کے صحن سے کسی گائے کی آواز ابھری' پھر ایسا دھماکا سنائی دیا جیسے کوئی وزنی چیز زمین پر گر کر تڑپی ہو۔

جابر دانت پیستا ہوا اندر کی طرف بھاگا اور میں بھی راستہ صاف پا کر باہر دوڑ پڑا۔ کمرے

کے آگے برآمدے سے گزرتے ہوئے میری نظر صحن میں پڑی وہاں ایک گائے.... زمین پر گری ہوئی تھی اور میرا آقا شیطان ہاتھ میں تیز دھار چھری دبائے اسے ذبح کرنے ہی والا تھا کہ اندھا جابر لاٹھی ٹیکتا اس کی طرف جھپٹا۔

میرے لئے وہاں رک کر تماشا دیکھنے کا موقع نہیں تھا' اس لئے میں باہر کے راستہ سے کھلی سڑک پر آ گیا۔ وہاں میرے کانوں میں شیطان کی پے درپے کئی چیخیں سنائی دیں۔ لیکن میں رکے بغیر سیدھا دوڑتا چلا گیا۔

اس وقت ہر طرف رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور کہیں کہیں مکانوں سے آنے والی روشنی کے بڑے بڑے دھبے میری رہنمائی کر رہے تھے' تھوڑی دیر میں میں اتنی پیچ در پیچ گلیوں سے گزرا کہ اب مجھے پورا اطمینان ہو گیا کہ جابر مجھ تک نہ پہنچ سکے گا۔ تھوڑی دیر میں میں آبادی سے دور نکل آیا' درمیان میں چند فرلانگ کے غیر آباد حصے کے بعد پھر مکانوں کے تاریک ہیولے رات کی تاریکی میں سر جھکائے کھڑے تھے۔ میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ میدان میں یکایک شیطان کی آواز سنائی دی اور میرے قدم زمین پر جم کر رہ گئے۔

میرا آقا میرے قریب ہی موجود تھا۔

"آج وہ اندھا بال بال بچ گیا۔" شیطان نے مکارانہ قہقہے کے ساتھ مجھ سے کہا۔

"آقا! تیرے سامنے وہ بھی بے بس ہے!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "نہیں' وہ بے بس ہوتا تو آج بے موت مارا جاتا.... اگر وہ غافل ہوتا تو میں اس کے مکان میں گائے کاٹ کر ہندوؤں کی پوری بستی میں شور مچا دیتا کہ اندھے جابر نے گئو ہتیا کی ہے' اس کو براہ راست زیر کرنا تو میرے لئے بہت مشکل ہے' مگر ہندو بلوائی اس کے ٹکڑے اڑا ڈالتے۔" وہ سفاکانہ لہجے میں بولا۔

"تو کیا وہ بلوائیوں کو اپنی قوت سے زیر نہیں کر لیتا۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں!" شیطان نے پورے وثوق سے کہا۔ "جابر جیسے لوگ سرعام اپنی قوتوں کے مظاہرے نہیں کرتے۔ جس دن وہ ایسا کرے گا' اس کے موکل اس کی گرفت سے نکل جائیں گے۔ وہ لاکھ یقین دلاتا کہ وہ بے قصور ہے' مگر ہندو گئو ہتیا کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔"

"تو مجھ سے بہتر جانتا ہے آقا!" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "تیری اس تدبیر کے نتیجے میں

مجھے اس خبیث اندھے کی قید سے نجات مل گئی۔ ورنہ وہ تو بری طرح میرے درپے آزار تھا۔"

"اب تو اس شہر میں اوم ناتھ کے پاس رہے گا۔ وہ میرا پجاری تو نہیں ہے' مگر کافی شکتیوں کا مالک ہے۔" شیطان اتنا کہہ کر مجھے راستہ کاٹ کر ایک طرف لے چلا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم ایک میدان میں جا پہنچے جہاں دور دور تک ٹیلے بکھرے ہوئے تھے اور رات کے سناٹے میں سمندری لہروں کا تیز شور ابھر ابھر کر ڈوب رہا تھا۔

"وہ اوم ناتھ کی کٹیا ہے۔" شیطان نے اس میدان میں ایک ٹیلے پر بنی ہوئی واحد جھونپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جہاں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

پھر شیطان اپنی ناہموار ٹانگوں پر اچھلتا ہوا واپس ہو لیا اور میں تن بہ تقدیر اوم ناتھ کی کٹیا کی طرف بڑھنے لگا۔ جہاں گہرے سناٹے کا راج تھا۔

جب میں ٹیلے پر چڑھا تو بلندی سے سطح سمندر چمکتی ہوئی نظر آئی۔ ساحل اوم ناتھ کی کٹیا سے بمشکل ڈیڑھ فرلانگ دور رہا ہو گا۔

میں جھونپڑی پر پہنچا تو اندر سے خراٹوں کا تیز شور ابھر رہا تھا۔ میں چند ثانیوں تک وہیں رکا رہا۔ پھر جھجکتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن اندر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک کر رہ گیا۔

کچی زمین پر بچھی ہوئی چٹائی پر گھٹے ہوئے سر اور مضبوط جسم والا ایک سیاہ فام پستہ قامت شخص لنگوٹی باندھے بے خبری کے عالم میں سو رہا تھا اور اس کے بدن سے ایک خوبصورت اوز جواں سال لڑکی نیم برہنگی کے عالم میں یوں لپٹی سو رہی تھی' جیسے اس سیاہ فام گنجے کے بدن میں سما جانے کی کوششیں کرتے کرتے تھک گئی ہو۔

میں اسی جگہ کھڑا ہوا تھا کہ اچانک کسی نے پشت سے مجھے دھکا دیا۔ اور میں اپنا توازن کھو کر سوئے ہوئے گنجے پر جا گرا۔ میرا سر اس لڑکی کے جسم سے ٹکرایا اور وہ خوفزدہ چیخیں مارتی بیدار ہو گئی' سیاہ فام گنجا بھی بے تحاشا گالیاں بکتا بیدار ہو گیا اور اپنی دہکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورنے لگا۔

میں نے بے بسی کے ساتھ پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی سایہ تک نہیں تھا۔

<مم..... میں مسافر ہوں..... یہاں شب گزاری کی نیت سے رکا ہی تھا کہ کسی نے تمہارے اوپر دھکا دے دیا۔" میں نے زمین سے اٹھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "مسافر!" وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔ "یہاں ویرانے میں کیا لینے آیا تھا؟"

"پناہ! اوم جی۔ میں تمہاری پناہ لینے آیا تھا۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "اور تجھے کسی نے دھکا دیا تھا؟" وہ قہربار لہجے میں بولا۔

میں نے بے بسی سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"مالا!" اوم ناتھ اچانک خوفزدہ لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "یہ سالا صورت ہی سے حرامی لگتا ہے۔ لیکن خیر' میرا کیا بگاڑے گا۔ اسے ایک چٹائی دے دے' باہر پڑ کر سو جائے گا۔" پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "دیکھ بے! میں بہت خطرناک آدمی ہوں اور یہ مالا بھی کوئی شریف لڑکی نہیں ہے' باہر پڑ کر سو جا۔ اگر تاک جھانک کی تو گھونسہ مار کر تیرا بھیجا نکال دوں گا۔"

مالا نے تنکوں کی ایک بوسیدہ چٹائی حقارت سے میری طرف اچھال دی اور میں اسے سمیٹتا کٹیا سے باہر آ گیا۔

کٹیا کے پہلو میں چٹائی بچھا کر لیٹا تو نیند کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ذہن میں رہ رہ کر طلوسیہ کی یاد خلش پیدا کر رہی تھی۔ میں نے کئی بار اپنے خیالات کا دھارا موڑنا چاہا۔ لیکن کامیابی نہ ہو سکی اسی اثنا میں اندر سے ایک بار پھر اوم ناتھ کے لاپرواہ خراٹے گونجنے لگے۔

میں کافی دیر تک یونہی پہلو بدلتا رہا۔ پھر اچانک ہی کوئی بوجھ میرے سینے پر سوار ہو گیا۔ میں نے ہاتھ چلائے لیکن وہاں سمندر سے آنے والی سرد ہوا کے جھونکوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ دوسری طرف میرے سینے پر سوار بوجھ ساکت نہیں تھا۔ بلکہ بار بار یوں اچھل رہا تھا جیسے دانستہ کوئی میرے سینے پر کود رہا ہو۔

گو شیطان کا پجاری بننے کے بعد میرا نظام تنفس حلق کے بجائے بائیں پہلو سے وابستہ ہو چکا تھا مگر سینے کا بوجھ لامحالہ میرے لئے دشواری پیدا کر رہا تھا اور میرا سانس سینے میں پھنسنے لگا تھا۔ میں نے کئی بار اچھل اچھل کر اسے نیچے پھینکنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ تنگ آ کر میں نے اس نادیدہ بوجھ سے نجات پانے کے لئے اسکے اچھلتے ہی پھرتی سے کروٹ بدل لی' وہ تو نہ گر سکا مگر اس کے نیچے آتے ہی میری چیخ نکل گئی' وہ بری طرح میری پسلیوں پر گرا

تھا۔

میں ذرا ہی دیر میں ہانپنے لگا اور گھبرا کر چٹائی سے اٹھنا چاہا۔ لیکن کسی نظر نہ آنے والے وجود نے میرے بال پکڑ کر میرا سر اتنی زور سے پتھریلی زمین پر مارا کہ میں بمشکل اپنی دوسری چیخ روک سکا۔ اور اسی کے ساتھ وہ میرے بائیں بازو کو پسلیوں کے ساتھ ملا کر پوری قوت سے یوں دبانے لگا کہ میرا سانس رکنے لگا' اور میں اس آہنی بوجھ کے نیچے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

اس سے قبل کہ کنپٹیوں پر بڑھنے والا خون کا دباؤ کسی شریان کو پھاڑتا ایک سخت اور وزنی ہاتھ نے پوری شدت سے میرے منہ پر تھپڑ مارا اور میں اچانک ہی اس بلا کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

اس واقعہ نے مجھے بری طرح ہراساں کر دیا۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ یہ تازہ مصیبت اندھے جابر کے مسلط کئے ہوئے موکل نے نازل کی ہے اب رہ رہ کر میرے ذہن میں یہ خیال سر ابھار رہا تھا کہ وہ نادیدہ قوت اگر اسی طرح مجھ پر حاوی رہی تو شاید میرے لئے زندہ رہنا ہی مشکل ہو جائے۔

بہرحال اب میری آنکھوں سے نیند جا چکی تھی اس لئے میں صبح کے طلوع ہونے کے انتظار میں بے چینی کے ساتھ اوم ناتھ کی کٹیا سے باہر ٹہلنے لگا۔ کئی بار میرے ذہن میں اس خیال نے بھی سر ابھارا کہ موقع ملتے ہی اپنی ساری بپتا اوم ناتھ کو سنا ڈالوں' ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے جابر کی زیادتی سے بچا سکے' رہا میرا آقا تو اس کا حشر تو میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ جابر کے مقابلے میں میری کوئی موثر مدد نہ کر سکے گا۔

میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ صبح کا اجالا پھیلتے ہی شیطان میرے سامنے آ موجود ہوا۔ اس کا سیاہ چہرہ جا بجا سوجا ہوا تھا' ہونٹوں' اور گردن پر گہرے زخموں کے نشان تھے جیسے کسی نے اسے بے رحمی سے پیٹا ہو۔

"میں بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں میرے آقا!" میں نے اسے دیکھتے ہی گڑگڑا کر کہا۔

شیطان نے جھلا کر میرے سینے پر گھونسہ مارا اور چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "تو ہی مصیبت میں نہیں ہے' تیری نحوست مجھ پر بھی منڈلا رہی ہے۔ دیکھتا نہیں میری کیا حالت ہو رہی

ہے۔"

میں شیطان کے لئے سرتاپا غلام تھا' اس کے بدلے ہوئے جارحانہ رویئے پر نہ مجھے ملال ہوا' نہ دل میں اس کے خلاف کوئی خیال ابھرا۔ بلکہ میں نے بڑے دردمندانہ لہجے میں پوچھا۔ "وہ کون ملعون ہے میرے آقا! جس کے ہاتھ تیرے گریبان تک جا پہنچے۔"

"گئو ہتیا والے حربے سے بوکھلا کر جابر میری تلاش میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔" وہ اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے بولا۔ "کم بخت نے ساری رات بری طرح مجھے مارا ہے۔"

"اور اس کا مسلط کیا ہوا موکل کل یہاں میرے سینے پر مونگ دلتا رہا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو نے مجھ سے عہد کیا ہوا ہے اور اس میثاق کی رو سے تجھے یہ سب مصائب جھیلنے ہوں گے۔ اور میں تجھے ہی چارہ بنا کر جابر کو زک دوں گا۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

"میرا رواں رواں تیرا غلام ہے آقا!"

"میں تجھ کو کھلی چھوٹ دینے آیا ہوں۔" شیطان بولا۔ "اس شہر میں تجھ سے جو کچھ ہنگامہ ممکن ہو کھڑا کر دے۔ جابر کو خلق خدا کا بڑا خیال رہتا ہے' وہ بہت جلد میرے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔"

اس نے کہا اور حسب معمول غائب ہو گیا۔

میں وہیں چٹائی پر بیٹھا بہت کچھ سوچتا رہا۔

اسی اثناء میں اوم ناتھ بیدار ہو گیا اور اس نے کٹیا میں سے ہی گالی بک کر مجھے طلب کیا۔

میں فوراً ہی اندر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نہ وہاں کوئی آیا نہ گیا۔ نہ کٹیا میں کہیں آگ نظر آ رہی تھی لیکن اوم ناتھ کے سامنے گرم گرم حلوہ پوری اور لسی کے تین گلاس رکھے ہوئے تھے اور ملا اس کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ دونوں پہلے ہی سے ناشتے میں مصروف تھے اوم ناتھ منہ کا لقمہ نگلتے ہوئے غرایا۔

"ابے منہ کیا دیکھ رہا ہے' یہ سب تیرے باپ کا مال ہے۔۔۔ دل بھر کر کھا۔"

یہ کہہ کر وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ ملا بھی خوبصورت آواز میں اس کے ساتھ شریک ہو گئی۔

شیطان کا پجاری بننے کے بعد سے میں بھوک اور پیاس سے خاصی حد تک بے نیاز ہو چکا تھا، مگر میں ابھی اس پر اپنی اصلیت ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے بے تابی ظاہر کرتے ہوئے ناشتے میں شریک ہو گیا۔

"تیرا نام کیا ہے؟" ناشتے کے دوران اوم ناتھ نے سوال کیا۔

"جبلی!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"مسلا ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

میں نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"ہندو؟" اس نے استفسار کیا۔

"نہیں۔۔۔ میرا کوئی دھرم نہیں ہے!" میں نے جلدی سے کہا۔ "اس دنیا میں قوت اور شکتی ہی سب سے بڑا دھرم ہے، ورنہ سب ڈھکوسلا ہے۔"

"آدمی کام کا معلوم ہوتا ہے۔" اوم ناتھ مالا سے مخاطب ہو کر مکارانہ لہجے میں بولا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تو کہاں سے آ رہا ہے؟"

"سیتا پور میں چند خون ہو گئے تھے، کل ہی وہاں سے ادھر آیا ہوں۔" میں نے مسمسی آواز میں کہا۔

"خون ہو گئے تھے۔۔۔ تو نے نہیں کئے تھے! واہ بیٹا تو بھی استاد معلوم ہوتا ہے!" وہ خوشدلانہ قہقہہ مار کر اونچی آواز میں بولا۔

"تم جو کہو گے، کرنے کو تیار ہوں مہاراج!"

"آج دن میں عیش کر، میرے دھندے سورج ڈوبنے کے بعد شروع ہوتے ہیں۔" وہ لسی کے گلاس سے آخری بوند حلق میں انڈیلتے ہوئے بولا۔ "اور ہاں، یہ مالا بڑی چڑھتی ہوئی طبیعت کی مالک ہے۔ جب میں یہاں ہوں تو یہ میری ہے اور میرے جانے کے بعد اسے خوش رکھنا تیری ذمہ داری ہے۔" میں نے بوکھلا کر اوم ناتھ کی طرف پھر مالا کی طرف دیکھا، اوم ناتھ کسی اور طرف دیکھ رہا تھا۔ مالا مجھے آنکھ مار کر دعوت انگیز انداز میں مسکرانے لگی۔

"تو نے کبھی کوئی جاپ واپ کیا ہے؟" چند ثانیوں بعد اوم ناتھ اچانک ایک بے تکا سوال کر بیٹھا۔

"کئے تو نہیں، مگر سوچتا ضرور ہوں۔" میں نے دبی زبان سے کہا۔

"جاپ بزدلوں کا کام نہیں ہے۔" اس نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔

"آزمائش شرط ہے۔" میں اس کے سامنے پہلی بار مسکرایا۔

اور عین اسی وقت کسی نادیدہ قوت نے میری داہنی پسلیوں میں پوری لات رسید کی۔

اور میں بری طرح چیختا ہوا زمین پر دوہرا ہو گیا۔

"ارے! کیا ہو گیا اسے؟" مالا میری طرف لپکی۔

"ٹھہر جا مالا!" اوم ناتھ گمبھیر لہجے میں بولا۔ "میں اس کٹیا میں کسی کی بو سونگھ رہا ہوں۔ جبلی کی پسلیوں پر یقیناً کسی نے وار کیا ہے۔ مگر ہم اسے نہیں دیکھ سکے۔" میں دونوں ہاتھوں سے اپنی پسلیاں پکڑے زمین پر لوٹتا رہا اور کراہتا رہا۔ "گیا۔ وہ جو بھی تھا اب واپس چلا گیا۔" اچانک اوم ناتھ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے چیخا۔

"مگر وہ تھا کون اوم جی!" مالا ابھی تک حیران و پریشان تھی۔

"یہ ذرا سنبھلے تو پتہ چلے گا۔" اوم ناتھ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو یہ بھی شکتیوں ہی کے پھیر کا آدمی لگتا ہے۔"

وہ دونوں میرے قریب کھڑے بغور میرا جائزہ لیتے رہے۔ کچھ دیر بعد میری تکلیف میں آہستہ آہستہ کمی ہونے لگی اور جب درد کا احساس بالکل ہی دب گیا تو میں ان کی باز پرس کے لئے تیار ہو گیا۔

"تو کون ہے؟" اوم ناتھ نے ہونٹ بھینچ کر مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ "میں نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔" میں نے سفید جھوٹ بولا۔ "بات صرف اتنی ہے کہ اس شہر کا ایک اندھا عامل میرے پیچھے پڑ گیا ہے، وہ کسی غلط فہمی کی بنا پر مجھے شیطان کا پجاری سمجھتا ہے۔"

"شیطان کا پجاری!" اوم ناتھ نے بھیانک قہقہہ لگایا۔ "شیطان تو بہت بڑی شکتی ہے، اگر ہر رلو چلتا اس کا پجاری ہونے لگے تو بس کام ہو لیا۔" اتنا کہہ کر وہ قدرے خاموش ہوا، پھر چونک کر بولا۔ "مگر اندھا جابر سچ کہتا ہے۔ دراصل کل سے پورے شہر میں خبر گرم ہے کہ یہاں شیطان کا ایک پجاری آنے والا ہے اور وہ تجھ ہی کو وہ مہان پجاری سمجھ بیٹھا۔"

"اندھا ہے نا!" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آنکھ والا ہوتا تو یوں دھوکا نہ کھاتا۔"

"خیر، یہ بات تو نہیں ہے۔" اوم ناتھ تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ نابکار آنکھ والوں سے

زیادہ بینا ہے۔ پورے شہر کے عامل اس سے زچ ہیں۔ وہ سفلی والوں اور کالی کے پجاریوں کا تو ازلی دشمن ہے' پچھلے سات دن میں وہ میری بارہ ہانڈیاں برباد کر چکا ہے' متھرا' بنارس اور دوارکا اور اجین تک اس کمبخت کی شہرت ہے' کوئی پنڈت پجاری اس کے مقابلے پر آنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔ اس کے پاس صرف دو موکل ہیں اور میرے تین بیر ہیں۔ مگر اس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔"

"میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہ جابر ہی کے کسی موکل کی کارگزاری ہے' رات میں پہلے اس نے مجھے تم پر دھکا دیا' پھر رات بھر مجھے پریشان کرتا رہا۔ اور ابھی اس نے میری پسلیاں ہی توڑ کر رکھ دیں۔"

"ابھی تو میں شہر جا رہا ہوں۔ واپسی میں تیرا بھی کوئی علاج کروں گا۔" اوم ناتھ اٹھتے ہوئے بولا۔ "میری واپسی تک مالا تیرے ساتھ ہے۔ ہم شکتی والے عورتوں پر اپنی ملکیت نہیں جتاتے۔ عورت بس عورت ہوتی ہے اور اس پر ہر مرد کا برابر حق ہوتا ہے' کونے میں تاڑی کا پیالہ اور شراب کا مٹکا بھی پڑا ہوا ہے۔ میری واپسی تک تجھے کسی چیز کے لئے باہر نہیں جانا پڑے گا۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر آ گیا اور میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ ریتلا میدان عبور کر کے ٹیلوں کی اوٹ میں نہ چھپ گیا۔

میں کٹیا میں آیا تو مالا مٹکے سے شراب نکال رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر کسل مندی کی مسکراہٹ سی تیر گئی۔ "میں تیرے لئے شراب نکال رہی ہوں۔"

"شراب تو میں نے آج تک نہیں چکھی ہے' ہاں شباب کی دعوت دے تو میں حاضر ہوں۔" میں نے اس کے سامنے جا کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہ نہ!" وہ ایک ادا کے ساتھ دور سرک گئی۔ "شباب کا نشہ اسی وقت گہرا ہوتا ہے جب شراب کی مستی بھی اس میں شامل ہو جائے۔"

میں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے سینے سے لگا کر اس کے ہاتھ سے شراب سے بھرا ہوا پیالہ لے کر آہستہ آہستہ پینے لگا۔

وہ نہ جانے کس قسم کی شراب تھی کہ دو تین ہی گھونٹوں میں میری کنپٹیاں دہکنے لگیں اور جوڑ جوڑ میں پرکیف ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

پیالہ خالی کر کے میں نے دور پھینکا اور مالا کے نیم برہنہ جسم کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اس نے آنکھیں موند کر ہولے ہولے چند سسکاریاں لیں اور اپنا منہ میری چھاتی میں چھپا لیا۔

"مالا!" میں نے اس کو مسلتے ہوئے خواب ناک لہجے میں کہا۔ "تیرے بدن کا جلتا ہوا لمس میرے وجود کو پگھلا کر رکھ دے گا۔ میں کئی روز سے عورت کے لئے ترس رہا ہوں۔"
"میں عورت کب ہوں۔" وہ میرے سینے میں منہ چھپائے منمنائی۔ "میں تو لڑکی ہوں لڑکی!"

شراب آہستہ آہستہ اپنا رنگ دکھا رہی تھی' میرے اعصاب بے قابو ہونے لگے' ذہن پر خمار کی گہری دھند چھانے لگی اور میں نے بے رحمی کے ساتھ مالا کو زمین بوس کر دیا۔
جب میں نیچے جھک کر اسے فرش پر لٹا رہا تھا' تو ناگہاں کسی نے میری پشت پر لات رسید کی اور میں چیختا ہوا سر کے بل کئی گز دور جا گرا۔
میرے منہ سے کئی بے ربط' مگر خاصی ثقیل گالیاں آزاد ہو گئیں۔
مالا "کیا ہوا' کیا ہوا" کی تکرار کرتی میری طرف لپکی' مگر مجھے سیدھا ہونے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ اسی نادیدہ موکل نے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری' مجھے یوں محسوس ہوا' جیسے میرا سر چٹخ گیا ہو' آنکھوں کے سامنے ستاروں کی کہکشاں جھلملائی اور میں کراہتا ہوا بے ہوش ہو گیا۔

میری وہ بے ہوشی خاصی طویل تھی۔ اس کے بعد مجھے اپنا وجود خلا میں تیرتا ہوا محسوس ہوا میں نے کسمسا کر اپنے دکھتے ہوئے بدن کو جنبش دی اور اسی وقت اوم ناتھ کی بوکھلائی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"وہیں پڑا رہ جبلی.... اس کنڈل سے باہر موت کا راج ہے۔ آج میں جابر کو برباد کر دوں گا.... اب اس کی یہ مجال کہ اس کے موکل میری کٹیا میں گھس کر شہ زوری دکھاتے پھریں۔"

یہ سن کر میرا سانس جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ اور میں اسی جگہ بے حس و حرکت پڑا اپنے حواس کو مجتمع کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اوم ناتھ ہندی یا سنسکرت میں پرجوش انداز میں کوئی منتر پڑھ رہا تھا ... آہستہ

آہستہ آنکھیں کھولیں مگر میرے سامنے جھونپڑی کی دیوار حائل تھی۔ پھر میں نے سر گھمایا تو اوم ناتھ بالکل مادر زاد برہنہ' زمین پر کھنچے ہوئے ایک حصار کے اندر داہنی ٹانگ پر کھڑا آنکھیں بند کیے مسلسل کوئی منتر پڑھے جا رہا تھا۔ مالا ڈرے سہمے انداز میں اس کے عقب میں اسی حصار میں کھڑی ہوئی تھی۔

میں نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو خود کو مٹی پر بنے ہوئے ایک گول حصار میں پایا۔ یہ اندازہ کرنے کے بعد کہ اس گول لکیر میں میں پوری طرح محفوظ ہوں۔ میں نے اپنی بکھری ہوئی اعصابی قوت مجتمع کی اور کنڈل کے وسط میں اکڑوں ہو کر بیٹھ گیا۔

"پاربتی پاربتی۔۔۔ پاربتی پاربتی۔" اوم ناتھ کی آنکھیں بند تھیں' چہرے کی رگیں پھولی ہوئی تھیں' رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ دہانے سے کف جاری تھا اور وہ بتدریج چیخوں میں بدلتی ہوئی آواز میں منتر پڑھ رہا تھا۔ "شیو تیرا دھرم پتی' تیرا پجاری اوم ناتھ' چھوڑ کے ساری پوجا پاٹ' آیا تیرے دوار۔۔۔ کالی مائی تیری دہائی' درگا مائی تیری دہائی۔۔۔" وہ نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔ اس سے آگے میرے پلے کچھ نہ پڑ سکا۔

چند منٹ تک وہ اسی منتر کی پرزور تکرار کرتا رہا۔ پھر اس نے خون کی طرح سرخ اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنے حصار میں سے مٹی کی ایک چٹکی اٹھائی' اس پر پھونک ماری اور وہ مٹی ہوا میں اڑا دی۔

اس مٹی کا ہوا میں اڑنا تھا کہ مجھے ان ذروں سے شعلے کوندتے نظر آئے پھر ہر شعلہ بھیانک ہیولوں میں تبدیل ہو گیا۔ ان میں ایک بندر جیسی صورت والا دیوہیکل درندہ تھا۔ دوسرا ہاتھی' جیسے چہرے والا خونخوار گنیش تھا۔ وہ سب غراتے اور چیختے ہوئے فضا میں اٹھے اور کٹیا سے نکل گئے۔

اوم ناتھ جس حالت میں تھا اسی طرح کھڑا رہا۔ چند سیکنڈ بعد اس کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا۔ اس کے بدن پر اس طرح لرزہ طاری ہوا جیسے کوئی اسے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا ہو۔ جب س کا رعشہ ختم ہوا تو میں نے اس کے چہرے پر غصے اور مایوسی کی علامات ابھرتی دیکھیں۔

"وہ پھر بچ گیا۔" اوم ناتھ دانت پیس کر غرایا۔ "جابر کے دونوں موکلوں نے اسے گھیرا ہوا ہے۔ انہوں نے گنیش کا ایک کان بھی توڑ دیا۔۔۔ اور اب ان میں سے ایک ادھر آ رہا۔۔۔"

ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہوا کا ایک تیز جھکڑ کٹیا میں آیا۔ اوم ناتھ اگر مالا کے بدن کا سہارا نہ لیتا تو کنڈل سے باہر آ گرتا۔ میں نے سنبھلنے کی پوری کوشش کی مگر میرے قدم زمین سے اکھڑ گئے اور میں اپنے احصار سے اڑ کر کئی فٹ باہر جا گرا۔

میرے حصار سے نکلنے کی دیر تھی کہ ایک جانب سے میرے بدن پر ایک چرمی چابک پڑا۔ میں بلبلا کر زمین سے اٹھ گیا اور اپنے حصار کی طرف بھاگا مگر اس بار وہ چابک میری پنڈلیوں میں الجھ گیا اور میں منہ کے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حصار مجھ سے بمشکل چند انچ دور تھا۔ اور مجھ پر اتنی شدت سے چابک برس رہے تھے کہ میں ہر قیمت پر اس منڈل میں گھس جانا چاہتا تھا۔

میں نے فریاد بھری نظروں سے اوم ناتھ کی طرف دیکھا۔ وہ چند سیکنڈ تک غیض و غضب کے عالم میں مجھے گھورتا رہا۔ پھر یک بیک اس نے میری طرف جست لگائی اور فضا میں اڑتا میرے داہنی جانب کسی نادیدہ پیکر پر آ پڑا۔

اس کے منہ سے گالیوں کا ایک طوفان ابل رہا تھا اور وہ کسی نظر نہ آنے والے وجود کو اپنے بازوؤں میں جکڑے اس پر ٹکریں برسا رہا تھا۔

مجھ پر چابکوں کی بوچھاڑ بند ہو چکی تھی۔ میں ہڑبڑا کر زمین سے اٹھا اور اپنے حصار میں جا گھسا۔

ادھر اوم ناتھ کسی بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح بظاہر ہوا سے لڑ رہا تھا۔ اس نے چند ہی سیکنڈ میں اپنے نادیدہ حریف کو لہولہان کر دیا کیونکہ زمین پر خون کے بڑے بڑے دھبے پڑ گئے تھے۔ اوم ناتھ کی پیشانی پر بھی خون لگا ہوا تھا مگر اس کے پورے بدن پر کوئی زخم نظر نہیں آ رہا تھا۔

پھر شاید اس کے حریف کو بھی طیش آ گیا۔ اوم ناتھ کے سینے پر کسی قسم کی شدید ضرب لگی اور وہ کربناک چیخیں مارتا فرش پر گر گیا۔

پھر شاید اس کے منہ پر اس گمنام دشمن نے ٹھوکر رسید کی۔ کیونکہ اس کا سر ایک جھٹکے سے دوسری طرف مڑ گیا اور اس کی پیشانی پر بڑا سا زخم نمودار ہو گیا۔ اس کی غضب ناک چیخیں فضا کو دہلائے دے رہی تھیں۔

اوم ناتھ چند سیکنڈ تک خاک اور خون میں لوٹتا رہا۔ پھر دہاڑتا ہوا زمین سے اٹھ کر کٹیا

کے دروازے کی طرف لپکا۔

"جاتا کدھر ہے.... آج فیصلہ ہو گا کہ مہان شکتی والا کون ہے!؟"

پھر شاید وہ اپنے دشمن سے لپٹ پڑا۔

ان دونوں میں ایک بار پھر خونریز ٹکراؤ ہو گیا۔ چند ہی لمحوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس بار اوم ناتھ اپنے دشمن کو زک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا ہے کیونکہ ایک طرف اس پر ہونے والے حملوں کی شدت میں کمی آ گئی تھی دوسری طرف وہ جارحانہ انداز میں وار کرتا نظر آ رہا تھا۔

اس وقت میری تمام تر ہمدردیاں اوم ناتھ کے ساتھ تھیں۔ میری خواہش تھی کہ وہ جابر کے اس موکل کو ایسی زک پہنچائے کہ جابر دوبارہ اوم ناتھ کے بارے میں نہ سوچ سکے اور اب بظاہر میری توقعات پوری ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ لیکن یہ صورت حال زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔

اچانک کھٹ کی آواز کے ساتھ اوم ناتھ کے سر سے کوئی ٹھوس چیز ٹکرائی اور وہ چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے داہنے کان کے اوپر سر کی ہڈی چٹخ گئی تھی اور اس سے خون کی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔ وہ کرب کے عالم میں' خون میں نہلایا' اندھوں کی طرح ادھر ادھر ہاتھ پھینک ہی رہا تھا کہ اچانک وہی کھٹ کی آواز آئی۔ پھر کسی نے اس کے کاسہ سر کا ایک بڑا حصہ اس کی جگہ سے یوں اکھاڑ کر ایک طرف اچھال دیا جیسے وہ اوم ناتھ کا سر نہیں بلکہ کسی قاب کا ڈھکنا ہو۔

اوم ناتھ کا بھیجا باہر ابل پڑا۔ اس کا جسم آخری بار تڑپا۔ دھڑ ایک لمحے کے لئے زمین سے قدرے بلند ہوا اور بے جان ہو کر گر گیا۔

مقابلہ ختم ہو چکا تھا۔ دور سے آنے والی سمندری موجوں کے شور کے سوا فضا میں کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ مٹی خون سے مل کر سرخ گارے میں تبدیل ہو چکی تھی اور اس گارے میں پڑی ہوئی اوم ناتھ کی بے سر کی لاش مجھے رہ رہ کر اندھے جابر کی قوت یاد دلا رہی تھی۔

میں نے کئی بار اپنے منڈل سے باہر آنے کی کوشش کی لیکن حوصلہ نہ کر سکا۔ اندھے کے موکل کی بربریت اور سفاکی دیکھتے ہوئے میرا رواں رواں کانپ رہا تھا اور میں دل ہی دل

میں ڈر رہا تھا کہ کہیں میرے باہر آتے ہی وہ اوم ناتھ کی طرح میرا بھی بھیجہ باہر نہ نکال دے۔

اوم ناتھ تو میری خاطر اپنی جان پر کھیل گیا تھا مگر میں اسکے لئے تو کیا' خود اپنے لئے بھی ایسی حماقت کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے پر فکر انداز میں اوم ناتھ والے منڈل کی طرف نظریں اٹھائیں۔ اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ نیم عریاں اور خوبرو لڑکی معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی جس کا محبوب ابھی ابھی بے دردی کے ساتھ مار ڈالا گیا تھا اور جس کی لاش تک ابھی ٹھکانے نہیں لگائی جا سکی تھی۔

میں مالا کے یہ تیور دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا۔

"سہما ہوا کیوں ہے جبلی؟" وہ میٹھے مگر قدرے طنزیہ لہجے میں بولی۔ "اوم ناتھ اب اس روپ میں کبھی اس سنسار میں واپس نہ آ سکے گا۔ تیرے اور میرے درمیان کی وہ دیوار ٹوٹ چکی ہے' تو بالکل جنگلی اور وحشی ہے اور مجھے تیری یہی ادا پسند ہے۔ اوم ناتھ کی موجودگی میں مجھے زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزارنا پڑتا تھا۔"

"مالا۔" میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔ "ابھی اوم ناتھ کی لاش یہیں پڑی ہے۔"

"لاش سامنے ہے اسی لئے تو مجھے یقین ہے کہ وہ مارا جا چکا ہے.... ورنہ کوئی یہ خبر سناتا تو میں ہرگز یقین نہ کرتی۔۔۔ وہ بڑا مکار اور پاپی تھا۔" مالا کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

"آ جا۔۔۔ اوم ناتھ کی موت کا جشن منائیں۔"

"نہیں نہیں۔" میں اپنے بدن کو اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں سے بچاتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ "میں اس کنڈل سے باہر نہیں آؤں گا۔ جابر کا موکل میرا کام تمام کر دے گا۔"

"کنڈل۔ جابر کا موکل۔" وہ سر جھٹک کر شرابیوں کی طرح زور زور سے ہنسنے لگی۔

"جس سے اوم ناتھ کی آتما نے اس کا شریر چھوڑا' اس کے بنائے ہوئے سارے کنڈل منڈل' جنتر منتر ختم ہو گئے..... جابر کا موکل بھی شاید جا چکا ہے۔۔۔ وہ یہاں ہوتا تو کبھی کا تجھے مار چکا ہوتا۔"

مالا کی یقین دہانی پر بھی میں اس کنڈل سے باہر آنے کی جرات نہ کر سکا۔

جب اس نے میری بزدلی کا یہ عالم دیکھا تو پھرتی سے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے قریب کھینچ لیا اور اپنے سلگتے ہوئے ہونٹ میرے سوکھے لبوں میں پیوست کر کے میری چیخ کو گلے ہی میں دفن کر دیا۔

میں مرد تھا۔ بقول مالا۔ ایک وحشی مرد۔۔۔ وہ ایک حسین و جمیل دوشیزہ تھی جو اپنے حسن کے تمام تر فطری رنگوں کو بے حجاب کئے، کسی پکے پھل کی طرح میری آغوش میں آ گرنے کی آرزو مند تھی۔

میں نے اس کے تمتماتے ہوئے چہرے کو اپنی بھدی اور کھردری ہتھیلیوں میں بھینچ کر اس کی نیلگوں آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے اوم ناتھ کی لاش سے وحشت ہو رہی ہے مالا۔۔۔ یہاں سے کہیں اور چلو یا یہ لاش سمندر میں پھینک دو۔"

"یہاں سے کہاں جائیں گے؟" وہ میرے بدن سے چپک کر بولی۔ "اس شہر میں نہ جانے کتنے لوگ میرے، اور اوم ناتھ کے بارے میں جانتے تھے۔ جب بھی اس کی لاش ملے گی، شبہ مجھ پر ہی کیا جائے گا۔"

"اس طرح تو اسے سمندر میں ڈالنا بھی خطرناک ہے، دو تین ہی دن میں لاش پھول کر کنارے پر آ جائے گی۔" میں تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

"نہیں۔۔ ادھر بہت خونخوار مچھلیاں ہیں۔ وہ چند سیکنڈوں میں ساری لاش کھا جائیں گی اور لاش ساحل پر آ بھی گئی تو کیا ہوا۔ آدھا سر پہلے ہی اڑ چکا ہے۔ چہرہ ہم پتھروں سے کچل کر ناقابل شناخت بنا دیں گے۔ اگر لاش باقی رہی اور پھول کر کنارے پر آ گئی تو بھی کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ یہ اوم ناتھ کی لاش ہے۔"

مالا کی تجویز بہت مناسب اور قابل عمل تھی۔ اس ویران ساحل پر ایک تو کیا، سو لاشیں بھی خاموشی سے ٹھکانے لگائی جا سکتی تھیں۔

میں باہر نکلا اور ایک وزنی پتھر لے کر اندر آیا تو مالا کٹیا کے دروازے پر ہی کھڑی تھی۔ اس نے مسکرا کر حوصلہ افزا نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں اوم ناتھ کی ہیبت ناک لاش کے قریب پہنچ گیا۔

وہ میرا محسن ضرور تھا اگر اس نے ہمت نہ کی ہوتی تو اس وقت شاید اس کی جگہ میری

لاش ہوتی اور میرے بجائے س کے ہاتھ میں پتھر ہوتا لیکن یہ سب تو مقدر کے کھیل ہیں۔ اگر میری قسمت خراب ہوتی۔ تو صورت حال وہ نہ ہوتی جو اس وقت درپیش تھی۔

میں نے لاش کے سرہانے پہنچ کر وہ پتھر دونوں ہاتھوں پر سر سے اونچا اٹھایا اور اوم ناتھ کے خون آلود چہرے کا نشانہ لے کر، آنکھیں موند کر چھوڑ دیا۔ پتھر ایک دھماکے کے ساتھ گرا۔ اس کے چہرے کی بے شمار ہڈیاں کڑکڑائیں اور میرا سارا بدن خون کی چھینٹوں میں نہا گیا۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس وزنی پتھر اور زمین کے درمیان بہت معمولی سا فاصلہ تھا۔ اوم ناتھ کا چہرہ ان دونوں کے درمیان سے نکل کر پوری کٹیا میں پھیل گیا تھا۔

پھر میں نے ریت ڈال ڈال کر اوم ناتھ کی لاش پر سے خون صاف کیا اور اس کی ٹانگیں پکڑ کر لاش کو گھسیٹتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔ مالا میرے پیچھے پیچھے لاش کے بنائے ہوئے نشانات مٹاتی آ رہی تھی۔

میں پتھروں، ٹیلوں اور خود رو جھاڑیوں کی پرواہ کئے بغیر اوم ناتھ کا دھڑ گھسیٹ رہا تھا لیکن اس کے باوجود میں پسینوں میں نہا گیا۔ اوم ناتھ کسی تندرست سانڈ سے کم وزنی نہیں تھا۔

اور عین اس وقت جب میں ساحل تک پہنچنے کے لئے آخری ٹیلے پر چڑھ رہا تھا تو معاً سامنے سے کئی مسلح سپاہی ایک گورے انسپکٹر کے ساتھ نمودار ہوئے۔ اور اس گورے نے اپنی کڑکدار گورا شاہی اردو میں مجھے حکم دیا کہ میں جہاں ہوں وہیں رک کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لوں۔

اس ویرانے میں پولیس کی آمد میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ میں اس جمعیت کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا اور اوم ناتھ کی ٹانگیں چھوڑ کر غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھ بلند کر دیئے۔

"میں بے گناہ ہوں، اسے اس کے ایک دشمن نے ہلاک کیا ہے۔" میں نے گورے کی قہربار نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے مسمسی آواز میں کہا۔

اس نے میرے خون آلود کپڑوں پر نظر ڈالی پھر حقارت بھرے لہجے میں بولا۔ "تیرا حلیہ س بات کی گواہی دے رہا ہے کہ تو بے گناہ ہے۔ اس لاش کو شاید غسل دینے کے لئے

سمندر کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔"

اس کا گہرا طنز محسوس کر کے میں کسمسا کر رہ گیا۔ حالات سو فیصدی میرے خلاف تھے گو مجھے پورا یقین تھا کہ وہ لوگ مجھے زیادہ دیر حوالات میں قید نہ رکھ سکیں گے اور میرا آقا نہایت اطمینان کے ساتھ مجھے سرکاری مہمان خانے کے تکلفات سے نجات دلا دے گا لیکن پھر بھی وقتی پریشانی کو میں نہ ٹال سکا۔

پولیس کی گاڑی ٹیلے کے اس پار موجود تھی گورے نے میرے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ڈال کر گاڑی کے عقبی حصے میں اپنے ماتحتوں کے حوالے کر دیا اور خود اگلی نشست پر مالا کو لے کر بیٹھ گیا۔ میں ذرا ہی دیر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ گورا مالا کے بے حجاب حسن کو خاصی دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہا ہے اور وہ خود بھی گورے کو اپنی طرف متوجہ پا کر ریشہ خطمی ہوئی جا رہی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ گورا راستے ہی میں اسے شیشے میں اتار لے گا۔

یوں تو مجھے اپنے آقا کی مدد اور حمایت پر پورا اعتماد تھا۔ لیکن جابر کے سامنے اس کی بے بسی پھر اوم ناتھ کی موت کے بعد مجھے حالات کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔ جہاں تک قانونی گلو خلاصی کا سوال تھا تو اس کا سارا ہی انحصار مالا کے رویئے اور بیان پر تھا۔

کافی دیر کے سفر کے بعد وہ بند لاری کسی جگہ رکی۔ دروازہ کھول کر مجھے باہر نکالا گیا تو مجھے یہ اندازہ کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ میں کوئی کوتوالی پہنچایا جا چکا ہوں۔

گورے نے میری ہتھکڑی تھام کر جس انداز میں مالا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اس نے مجھ پر راستے کے سارے رازوں کا انکشاف کر دیا۔ مالا مجھ سے بے رخی کا اظہار کر رہی تھی۔ شاید اس کے نزدیک خلوص اور محبت نام کے جذبے وجود ہی نہیں رکھتے تھے۔ اور وہ اپنے شباب کے تقاضوں کی تسکین کے لئے ہمیشہ آسان سے آسان تر راستے کو اپنانے کی عادی معلوم ہوتی تھی۔

وہ گورا مجھے لے کر اکڑتا ہوا ایک کشادہ اور شاندار دفتر میں داخل ہوا جہاں دبیز قالین پر چمکتی ہوئی دیوہیکل میز کے اس پار ڈھلتی ہوئی عمر مگر مضبوط قویٰ اور بارعب چہرے والا ایک اور انگریز پولیس افسر براجمان تھا اور اسکے قریب ہی میرا خود ساختہ عزیز' جابر ایک کرسی پر بیٹھا اندھی آنکھوں سے خلا میں تک رہا تھا۔

گورے افسر نے ایڑی بجا کر اپنے افسر کو سلام کیا پھر مودب ہو کر بولا۔ "ہمیں مسٹر جابر کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے ہمیں ایک ہولناک قتل کی اطلاع دی۔ ہم نے مجرم کو اسی حالت میں ساحل سے پکڑا ہے جہاں وہ مسخ شدہ لاش سمندر میں پھینکنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

اس وقت میں گورے کے بالکل برابر میں کھڑا ہوا تھا اور مالا کافی دور جابر کے تقریباً عقب میں کھڑی ہوئی تھی۔ اسی دعوت انگیز انداز میں۔

"لاش کہاں ہے؟" گورے افسر نے کسی ہیجان کا اظہار کئے بغیر پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"مجرم خطرناک تھا' اس لئے میں اسے لے کر یہاں آیا۔ لاش کی نگرانی کے لئے دو آدمی چھوڑ دیئے تھے۔ کٹیا میں بھی خون کے نشانات بھاری تعداد میں پائے گئے۔ وہاں آلہ قتل بھی موجود ہے یعنی وہ پتھر جس سے مقتول کا چہرہ کچل کر ہلاک کیا گیا۔ وہاں آدمی چھوڑنے کے بعد ہی میں نے مجرم کا تعاقب کیا تھا۔" انسپکٹر جوشیلے لہجے میں بغیر رکے کہتا چلا گیا۔ شاید وہ اپنے افسر سے چند تعریفی کلمات کا طالب تھا۔

"خوب۔" افسر نے سرسری انداز میں سر کو جنبش دی۔ "شکریہ مسٹر جابر! آپ کا پتہ ہمارے پاس موجود ہے۔ جب بھی ضرورت ہو گی آپ کو تکلیف دی جائے گی۔"

"ضرورت۔" اندھا جابر خونخوار انداز میں ہنسا۔ "میں یہ بتا دوں کہ آپ کو اس وقت بھی میری ضرورت ہے۔ جس بات پر آپ توجہ نہیں دے رہے وہ یہ ہے کہ ملزم شیطانی قوتوں کا مالک ہے اور بند حوالات میں سے فرار اس کے لئے ایک معمولی بات ہے۔"

افسر نے ناگواری کے انداز میں تیوریاں چڑھائیں پھر خلیقانہ لہجے میں بولا۔ "آپ کی ہر بات توجہ کے ساتھ نوٹ کر لی گئی ہے۔ اگر آپ اس کے فرار کو روکنے کے لئے کوئی قابل۔۔ عمل تجویز پیش کرنا چاہیں تو وہ منظور بھی کی جا سکتی ہے۔ دراصل ملزم کی موقع واردات سے گرفتاری نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں آپ کے ایک ایک لفظ پر غور نہ کروں۔"

"میں اس جگہ کا ایک چکر لگانا چاہتا ہوں جہاں پیشی تک ملزم کو قید رکھا جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے جابر کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی اور میرا دم آدھا رہ گیا۔ میں خوب سمجھ

رہا تھا کہ وہ اندھا میرے بارے میں کیا عزائم رکھتا ہے۔

گورے افسر نے گھنٹی بجا کر اردلی کے ذریعے ایک شخص کو طلب کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ جابر کو تین نمبر حوالات کا ایک چکر لگوا کر اسے سرکاری گاڑی میں گھر پہنچوا دے۔

میرا دشمن اس کمرے سے چلا گیا۔ ایک ثانیئے کے لئے دونوں گوروں کی توجہ میری جانب سے اندھے جابر کی طرف مبذول ہوئی اور کمرہ چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ انسپکٹر میری سات پشتوں کو گالیوں سے نوازتا مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اس کی ساری شان اور تمکنت جنون میں بہہ گئی۔

"مم.... میں نے نہیں مارا۔ میں نے نہیں مارا۔" میں فریاد کرتا رہا۔ لیکن اس نے مجھے قالین پر گرا کر کئی ٹھوکریں ماریں۔ جب پھر بھی گدی پر پڑنے والے تھپڑ کا غصہ نہیں اترا تو ہتھکڑی کے سرے سے دو تین ایسی ضربیں لگائیں کہ میں بلبلا اٹھا۔ گورا افسر اپنی ہی جگہ پر کھڑا انگریزی میں جھاگ اڑاتا رہا۔

"یہ واقعی کسی گندی نسل سے معلوم ہوتا ہے۔" اپنا غبار نکالنے کے بعد انسپکٹر ہانپتے ہوئے بولا۔ "اس نے محض اس لڑکی کی خاطر اپنے ساتھی کو اس بے دردی سے قتل کیا ہے کہ بھیڑیئے بھی شرما جائیں۔ راستے میں یہ لڑکی مجھے پوری کہانی سنا چکی ہے اور اوم ناتھ کے قتل کا جگر خراش منظر دیکھنے کے بعد اس سے نفرت کرنے لگی ہے۔ یہ اس مقدمے میں سلطانی گواہ کے طور پر پیش ہو گی۔"

"بیٹھ جاؤ لڑکی۔" گورے افسر نے مالا کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

مالا اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔

میں گورے افسر کی کسی نئی ٹھوکر سے بچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ جابر کا مسلط کیا ہوا موکل ایک بار پھر میرے خلاف سرگرم عمل ہو چکا تھا۔ کیا معلوم کہ کب وہ انسپکٹر کے دوسرا طمانچہ رسید کر دیتا۔

"ملزم کا بیان قلم بند کرا کے اسے تین نمبر حولات میں ڈال دو۔ اگر یہ اقرار جرم نہ کرے تو تمہیں ہر کاروائی کا حق ہے۔" گورا افسر مجھے سنانے کے لئے انسپکٹر سے اردو میں بولا۔ "اس کے خلاف اتنی واقعاتی شہادتیں ہیں کہ اب اسے کوئی قوت پھانسی سے نہیں بچا سکتی۔"

انسپکٹر نے ایڑی بجا کر سلام کیا اور مالا سے بولا۔ "چلو لڑکی! تم بھی ادھر آؤ۔"

"نہیں ٹرنر۔" گورے اسفر نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اس کا بیان خاصا اہم ہو گا۔ وہ میں خود قلم بند کروں گا۔ تم آج قاتل پر ہی اکتفا کرو۔"

اتنی دیر میں پوری کوتوالی میں ہولناک قتل کی کہانی جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی اور لوگ ایسے شقی القلب قاتل کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھے۔

انسپکٹر ٹرنر میرے بیان پر بہت برہم ہوا۔ مالا گوروں کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہونے کے بعد میرے خلاف آخری حد تک بھی جانے سے گریز نہ کرتی۔ لہٰذا میں نے اوم ناتھ کے قتل سے سراسر لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے بیان دیا کہ میں اوم ناتھ کا معتقد تھا۔ میں وہاں پہنچا تو اوم ناتھ اپنا کوئی منتر الٹا ہونے کے نتیجے میں اپنی ہی شکتی کا شکار ہو کر تڑپ رہا تھا میں نے اس کو سنبھالنا چاہا لیکن اسی عالم میں وہ مر گیا اور پراسرار طریقے پر اس کا چہرہ کچل دیا گیا۔ حالات ایسے ہی تھے کہ مجھے یا مالا کو قاتل سمجھا جاتا۔ لہٰذا مالا کے مشورے پر طے پایا کہ لاش ساحل پر ڈال دی جائے اور کٹیا سے سارے نشانات مٹا کر پولیس کو ساحل پر اوم ناتھ کی لاش ملنے کی اطلاع دی جائے۔ لیکن منصوبہ پورا ہونے سے قبل ہی پولیس نے دھر لیا جبکہ قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

ٹرنر نے اقبالی بیان کے لئے مجھے ڈرایا دھمکایا' لالچ دیئے لیکن میں اپنے بیان پر ہی اڑا رہا۔ آخرکار اس نے باز پرس کے لئے مجھے مرزا نامی ایک ہندوستانی افسر کے حوالے کر دیا جس نے میرے خون آلود کپڑے تحویل میں لے کر مجھے ایک بے ہنگم سا لباس فراہم کر دیا۔

سورج غروب ہونے سے قبل ہی مجھے تین نمبر حوالات میں پہنچا دیا گیا۔ وہ عجیب ہیبت ناک کمرہ تھا۔ تین طرف اونچی اونچی سپاٹ دیواریں' آگے لوہے کے جنگلے والا دروازہ' جس میں بقول مرزا رات کو برقی رو دوڑا دی جاتی تھی۔ کمرے میں---- ایک پلنگ اور ایک دری موجود تھی اور فرش میں کئی کھونٹے گڑے ہوئے تھے۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی سپاہیوں نے مرزا کی ہدایت پر مجھے نیچے گرا کر میرے دونوں پیر تقریباً خط مستقیم کی صورت میں چیر کر فرش میں گڑے ہوئی کھونٹوں سے جکڑ دیئے۔ پھر میری دونوں ہتھیلیوں پر چارپائی کے پائے رکھ کر اوپر اینٹوں کا وزن لاد دیا گیا۔

اس ساری کاروائی کے بعد سپاہیوں کو روانہ کر دیا گیا اور مرزا رازدارانہ انداز میں

میرے قریب آ گیا۔

"دیکھ کان کھول کر سن لے۔" وہ میرے قریب اکڑوں بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں بڑا خطرناک آدمی ہوں۔ میری باز پرس کے نتیجے میں بمبئی کے کئی نامی گرامی غنڈے آج معذور پھر رہے ہیں۔ انگریز افسر خود تشدد نہیں کرتے لیکن مقامی افسر اگر حوالاتی کے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو اس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اور تو یوں ہی میرے پاس نہیں آیا ہے میں نے اپنے مرشد کی ہدایت پر ٹرنر سے تجھے مانگا ہے۔ میرے مرشد نے بتایا ہے کہ تو شیطان کا پجاری ہے۔ مگر میں شیطان کا بھی باپ ہوں۔"

"مرشد۔" میں نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔ "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"نابینا پیر جابر حسین صاحب۔" وہ احترام آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ دوپہر میں خود اس حوالات کو کیل کر گئے ہیں اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی اس سے دو گز سے زیادہ قریب نہیں آ سکتا۔" وہ مجھ پر اپنی بات کا اثر دیکھنے کے لئے قدرے خاموش ہوا پھر بولا۔ "تیرے لئے اب دو ہی صورتیں ہیں۔ ٹرنر تجھے جلد از جلد پھانسی کے پھندے پر دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی ہدایت پر کسی نہ کسی طرح تجھ سے اقبالی بیان لے ہی لوں گا۔ یہ چارپائی اور کھونٹے تو ہمارا بہت معمولی حربہ ہیں....."

اسی وقت باہر کسی کے قدموں کی وزنی دھمک سنائی دی اور مرزا اچھل کر چارپائی پر جا لیٹا اور میں اذیت سے بری طرح تڑپ اٹھا۔

حوالات کا دروازہ غیر مقفل تھا۔ آنے والا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

"مرزا....." آنے والے کی آواز میں پہچان گیا۔ وہ انسپکٹر ٹرنر ہی تھا۔ اس نے انگریزی میں مرزا سے کچھ کہا جس پر اس نے حیرت کا اظہار کیا پھر وہ میری طرف آیا اور چارپائی کے نیچے جھک کر اپنی چھڑی سے میری کھوپڑی پر ضرب لگاتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔ "ڈیم فول۔"

اس بار مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے تڑپ کر ٹرنر کو دیسی گالیاں دینی شروع کر دیں۔

میری تیز آواز پر بپھر کر ٹرنر دوبارہ میری طرف لپکا مگر مرزا نے اسے روک دیا اور قہربار نظروں سے مجھے گھورتا میرے پاس آ بیٹھا اور اطمینان سے سگریٹ سلگانے لگا۔

"مالا کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں؟" اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر سوال کیا۔

"میں اس سے آج ہی ملا تھا۔" میں نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

مرزا نے مجھے جواب سوچنے کا موقع دیئے بغیر تیزی سے اپنی داہنی چٹکی میں دبا ہوا سگریٹ کا سلگتا ہوا سرا میرے رخساروں پر رکھ دیا۔ میں اذیت سے بلبلا اٹھا۔ وہ سگریٹ میرے رخسار پر سرکتی تو رہی لیکن ہٹ نہ سکی۔ اور مرزا نے سرد لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

"میں نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا۔" میں کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخ پڑا۔

"ویری گڈ مرزا۔ ویری گڈ۔" انسپکٹر ٹرنر خوشی سے چہکا۔

مرزا نے سگریٹ میرے رخسار سے ہٹالی اور اسی روح فرسا لہجے میں بولا۔ "میں گھڑی دیکھ رہا ہوں۔ بس دو منٹ انتظار کروں گا۔ اگر جواب نہیں ملا تو....." اس نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ سلطانی گواہ بن کر گورے افسر کے پاس تھی۔" میں ہذیانی انداز میں چیخا۔

"آہستہ بول۔" مرزا نے بے رحمی کے ساتھ میری کنپٹی کے بال نوچ ڈالے۔ "وہ اس واردات کی واحد چشم دید گواہ تھی۔ وہ ڈی ایس پی کی نرم دلی سے فائدہ اٹھا کر ان کی کوٹھی سے کہیں فرار ہو گئی۔ اگر آج رات وہ نہ ملی تو تشدد کے سامنے تیری زندگی جواب دے جائے گی۔ یہ انسپکٹر ٹرنر اور ڈی ایس پی کی نوکری کا معاملہ ہے۔ میں تجھے ختم کر دوں گا۔ اور لوگوں کو یہی بتایا جائے گا کہ مالا حوالات میں قاتل کو ہلاک کر کے خود پراسرار طریقے پر روپوش ہو گئی۔"

"مار ڈالو۔ تم سب مل کر مجھے مار ڈالو۔" میں کرب اور اذیت کے عالم میں اپنا سر کچے فرش پر مارتے ہوئے چیخا۔ "میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔ وہ اندھا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"اندھا۔" مرزا نے دانت پیس کر میرے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور میں نے اپنے دہانے میں خون کی گرم گرم لکیر بہتی محسوس کی۔ "وہ تجھ سے زیادہ بینائی رکھتا ہے..... خبردار جو اب اپنی ناپاک زبان سے اس کا نام لیا۔"

"لوں گا..... لوں گا" میں بے بسی کے عالم میں بھرائی ہوئی آواز میں چیخ پڑا۔ "اندھا۔ اندھا۔ جابر' حرام خور' سور کا....."

مرزا نے بلا توقف میرے کھلے ہوئے دہانے میں اپنی بید ٹھونس دی اور میں تڑپ کر دوہرا ہو گیا۔ میرے گلے میں شدید زخم پڑ گئے اور تکلیف سے آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

مرزا اس وقت غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ شاید وہ کچھ اور بھی تشدد کرتا لیکن ٹرنر نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے انگریزی میں کچھ کہا اور مرزا اس کے ہمراہ باہر کی طرف چل دیا۔

حوالات کا دروازہ مقفل ہونے اور پھر دو آدمیوں کے قدموں کے دور جانے کی آواز سن کر میری کچھ جان میں جان آئی اور میں اپنے حلق میں اترتا ہوا خون تھوکنے کی کوشش کرنے لگا۔

بے بسی اور اذیت کے یہ لمحات میرے لئے صدیوں سے زیادہ طویل تھے۔ ذہن پر اس قدر جھلاہٹ طاری تھی کہ میرا ذہن سوچنے اور سمجھنے کی ہر صلاحیت سے یکسر محروم ہو چکا تھا۔ ذہن میں رہ رہ کر آندھیاں سی ناچ رہی تھیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو مرزا کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ ابھی تک براہ راست جابر نے بھی مجھے اتنی اذیت نہیں پہنچائی تھی جتنی اس ملعون نے چند منٹ میں دی تھی۔

چارپائی کے پائے میری ہتھیلیوں کی ہڈیاں توڑے دے رہے تھے۔ چری ہوئی ٹانگیں درد سے بے حال ہوئی جا رہی تھیں۔ جسم اور چہرے کے سارے زخم چیخ رہے تھے اور ان کی کسک مجھے بے حال کئے دے رہی تھی منہ اور گلے کے زخموں میں ناقابل برداشت سوزش ہو رہی تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شیطان نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے مجھے ضبط اور برداشت کی جو ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں عطا کی تھیں وہ سب اس تیسری حوالات میں معطل ہو کر رہ گئی تھیں۔ نہ میری مایہ ناز جسمانی صلاحیتیں باقی رہی تھیں' نہ میں اردو کے علاوہ کوئی اور زبان سمجھنے کے قابل رہ گیا تھا۔ حالات سے صاف ظاہر تھا کہ اب اندھے جابر اور شیطان کے ایک پجاری کے بجائے جابر اور ایک بے بس و کمزور عام آدمی کے درمیان مقابلہ ہو گا۔

اس ایک ہی دن میں مجھ پر اس قدر مصائب ٹوٹے تھے کہ میری عقل خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے کئی بار بڑی شدت سے اپنے آقا' شیطان اور اپنی پیاری طوسیہ کو یاد کیا تھا۔ طوسیہ تو خیر روح اور جسم کے رشتے سے محروم ہو کر بے بس ہو چکی تھی۔ مگر شیطان کو کیا

مجبوری لاحق تھی۔ آخر وہ کیوں مجھ سے کنارہ کش ہو چکا تھا جبکہ میں اس کے مقربین خاص میں تھا۔ میں نے میثاق مقدس پر لہو سے تصدیق ثبت کر کے اسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا۔ اس کے ہر اشارے پر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ لیکن میری مصیبت کے لمحات میں' وہ جابر کی قوتوں سے خوفزدہ ہو کر نہ جانے کہاں جا چھپا تھا۔

طوسیہ۔۔۔ جو میری زندگی کی پہلی اور آخری محبت تھی' اسے محض شیطان کی خواہش پر میں نے فریب دے کر تنکر کی پناہ سے اغوا کیا اور پھر اس کے حسین اور دلفریب پیکر کو بے وجود اور بے روح وجود میں تقسیم کر دیا۔ مگر شیطان کی جانب سے مجھے کیا ملا۔۔۔ کٹھن لمحات میں اذیت ناک تنہائی اور بے بسی۔

میں نے اپنی سن ہتھیلیوں کو وزنی پایوں سے نیچے کھینچنا چاہا لیکن اذیت کا احساس پورے وجود میں ٹیسوں کے روپ میں رینگنے لگا۔

حوالات کے اندر اور باہر رات کا گہرا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میرے ذہن میں آہستہ آہستہ شیطان کے خلاف باغیانہ خیالات سر ابھار رہے تھے کہ اچانک کسی جانب سے ایک آواز ابھری۔ جانی پہچانی اور مانوس سی آواز۔ کسی نے آہستہ سے میرا نام پکارا تھا۔ میرا دل یکبارگی کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ وجود میں ایک عجیب سا جذبہ سرایت کر گیا اور میں آنے والے فیصلہ کن لمحات کے لئے تیار ہو گیا۔

تیسری بار حوالات کی تاریکی میں وہی آواز دوبارہ ابھری۔ "جبلی!"

"تو آ گیا آقا!" میں نے اذیت کے باوجود تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تو اپنے پجاریوں کو کبھی نہیں بھولتا۔"

شیطان کی مکروہ ہنسی کی دھیمی سی آواز ابھری۔ "میں اپنے پجاریوں کو کبھی نہیں بھولتا جبلی۔ تو نے میرے ساتھ سفینہ ظلمت کے آہنی تہہ خانے میں ایک مقدس عہد کیا تھا اور اس کا احترام تجھ پر فرض ہے۔"

"میں بھی اسی احترام کے عذاب میں مبتلا ہوں۔" میں نے اپنی ہتھیلیوں کے زخموں کی کسک کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تو اب ہے کہاں۔ میرے آقا میرے قریب آ آقا۔ میری ساری قوتیں ایک ایک کر کے دم توڑ چکی ہیں۔ نہ میں اندھیرے میں دیکھ سکتا ہوں۔ نہ بھوک پیاس برداشت کر سکتا ہوں۔ اور میرا نظام تنفس اب پھر عام انسانوں جیسا ہو گیا ہے۔ کوئی بھی میرا نرخرہ دبوچ کر مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"میں تیرے قریب نہیں آ سکتا جبلی!" حوالات کے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں سے آواز آئی۔ "اس اندھے نے اپنی پراسرار قوتوں سے اس حوالات کے گرد خوفناک حصار باندھا ہوا ہے!"

"تو کیا اب میں اس اندھے کے ہی رحم و کرم پر ہوں؟" میں نے سسکاری لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ میں اس بڈھے سے اتنا کمزور بھی نہیں ہوں!"

"لیکن تیری اس آزمائش میں مجھ پر کڑا وقت گزر رہا ہے!"

"تو ایسا کر کہ اب میں جو کچھ کہوں تو اسے اسی طرح دہراتا جا۔ تجھے اس مشکل سے نجات مل جائے گی!" شیطان نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ "ڈرنے کی بات

نہیں۔۔۔ یک چشم جاجوز اب بھی تیرے حکم کا غلام ہے۔"

پھر وہ رک رک کر عجیب و غریب اور مشکل الفاظ ادا کرنے لگا اور میں وہ الفاظ اسی ترتیب اور تلفظ میں دہرانے لگا۔ محض اس امید میں کہ شاید اسی طرح مجھے اس عذاب سے نجات مل جائے۔

شیطان کی تقلید میں وہ الفاظ دہراتے مجھے تھوڑا ہی وقفہ گزرا تھا کہ یک بیک کسی نے میرے گلے پر پوری قوت سے اپنا پیر رکھ دیا۔ میں وحشت زدہ ہو کر بری طرح چیخنے لگا۔ تڑپنے کے باعث پلنگ کے پایوں کے نیچے دبی ہوئی میری ہتھیلیوں میں ناقابل برداشت کسک پیدا ہو رہی تھی۔ میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن مجھے کوئی ایسا ہیولہ نظر نہ آیا جسے میں حملہ آور سمجھتا۔

"یہ جابر کا مسلط کیا ہوا خونخوار موکل ہے!" حوالات کے باہر سے شیطان کی آواز ابھری۔

اسی وقت کچھ فاصلے سے دوڑتے ہوئے قدموں کا شور سنائی دیا۔ شاید میری چیخوں نے وہاں والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

پھر اچانک ہی میرے گلے پر سے وہ پیر غائب ہو گیا۔ میں سانس روکے اس کے نئے حملے کا منتظر رہا لیکن کئی منٹ گزر گئے اور مجھ پر کوئی نئی افتاد نازل نہ ہوئی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کا شور بڑھتے بڑھتے حوالات کے بالکل قریب آ گیا اور اندھیرے میں مجھے انگریز انسپکٹر ٹرنر کی زہریلی آواز سنائی دی۔

وہ اپنی گورا شاہی اردو میں کسی سے میرے تجربے کے بارے میں اظہار خیال کر رہا تھا۔

پھر باہر تاریکی میں سوئچ کے دو کھٹکوں کی ہلکی سی آواز ابھری اور میری کال کوٹھری ایک دھندلے بلب کی روشنی سے بھر گئی دوسرا سوئچ غالباً برقی رو کا سلسلہ منقطع کرنے کے لئے بند کیا گیا تھا۔

پھر قفل میں چابی گھومنے اور بھاری دروازہ کھلنے کا شور بلند ہوا اور کئی آدمی اندر گھس آئے۔

میں زمین پر بے بسی کے عالم میں پڑا ہونے کے سبب ان سب کو [illegible]

ٹرنر اور اس کے خاص معتمد مرزا کی مضحکہ اڑاتی خوفناک صورتیں میرے سامنے تھیں۔

آنے والوں کا رویہ اس بار ناقابل فہم تھا۔ انہوں نے نہ میرے جسم پر ٹھوکریں برسائیں نہ پلنگ پر اچھل کود کی۔ بلکہ پلنگ کے وزنی پائے میری ہتھیلیوں پر سے اتار دیئے گئے اور چند آدمی میری چری ہوئی ٹانگوں کی بے رحمانہ بندشیں کھول کر مجھے آزاد کرنے لگے۔

اور آخری بندش کھل جانے کے بعد مرزا نے کرخت آواز میں مجھے للکارا۔ "اٹھ بے۔۔۔ کیا مردے کی طرح ہاتھ پیر پسارے پڑا ہوا ہے!؟"

میں نے اپنے بدن کو ہلانا چاہا لیکن درد اور اذیت کی ناقابل بیان شدت سے میری دبی دبی چیخیں نکل گئیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا جوڑ جوڑ الگ کر دیا گیا ہو۔

اس پر مرزا آگے بڑھا اور میرا ہاتھ تھام کر بے رحمی سے مجھے سیدھا کھڑا کر دیا۔ لیکن میں لہرا کر واپس فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ میری ٹانگیں اس قابل نہیں رہی تھیں کہ فوری طور پر میرا بوجھ سہار سکیں۔

"اب مصیبت جھیلنے کا حوصلہ نہیں تھا تو خون خرابہ کیوں کرتا پھر رہا تھا!" مرزا نے تحقیر آمیز لہجے میں یہ کہتے ہوئے میرے بائیں ٹخنے پر اپنی بید سے ضرب لگائی۔

مرزا کے وحشیانہ سلوک پر میں پاگل ہو گیا اور تقریباً چیختے ہوئے اپنی شیطانی قوتوں کو پکارا اور مجھے اس حوالات میں کئی سروالیاں نظر آئیں۔

مجھے معلوم تھا کہ میں تو ان سروالیوں کو دیکھ رہا ہوں لیکن کسی اور کو وہ ہرگز نظر نہ آ سکیں گی۔ پھر انہوں نے اچانک ہی مرزا کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے گرا دیا اور اس کی ٹانگیں چیرنے لگیں۔ مرزا کی دہشتناک چیخوں سے فضا لرز اٹھی۔ انسپکٹر ٹرنر اور اس کے ہمراہی یوں پراسرار طریقے پر مرزا کی ٹانگیں خود بخود چرتے دیکھ کر چیختے ہوئے حوالات سے فرار ہو گئے۔

مرزا بڑا خوش نصیب تھا جو چند ہی منٹ میں اس کا جسم بے جان رہ گیا۔ ورنہ وہ جس طرح قیدیوں کو سسکا سسکا کر تشدد کا نشانہ بناتا تھا' اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ مرزا کو ایذا اور کرب کے طویل ترین سلسلوں سے گزار کر بھی مرنے نہ دیا جائے! سروالیاں اس کو ٹھکانے لگا کر غائب ہو چکی تھیں۔

اس وقت مجھے کئی باتوں پر حیرت اور خوشی ہو رہی تھی اول تو یہ کہ میری تابع شیطانی قوتیں ابھی تک میرے قبضے میں تھیں۔ دوئم یہ کہ حوالات کے باہر جابر کا قائم کیا ہوا حصار میری خوش قسمتی سے ٹوٹ چکا تھا۔ ورنہ اس کی موجودگی میں تو شیطان تک اندر آنے کی جسارت نہ کر سکا تھا۔ جب کہ اس وقت سروالیوں نے اندر داخل ہو کر مرزا جیسے موذی کو نہایت سکون کے ساتھ ٹھکانے لگا دیا تھا۔

بہرحال اب میں مشکل حالات سے نکل چکا تھا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ یہ نجات عرضی ہے یا دائمی۔ میں نے اپنی تمام شکستہ قوتوں کو بحال کیا اور لنگڑاتا ہوا حوالات سے باہر نکل آیا۔

مجھے یقین تھا کہ ٹرنر اور اس کے ہمراہیوں نے اس وقت تک پورے تھانے میں اس ہولناک اور مافوق الفطرت واقعہ کا ڈھنڈورا پیٹ دیا ہو گا اس لئے میں نے اپنے فرار کے لئے آسان ترین راستے کا انتخاب کیا اور حوالات سے نکل کر قریبی دیوار کی طرف بڑھ گیا۔

احاطہ کی وہ دیوار زیادہ اونچی تو نہیں تھی لیکن میں اپنی جسمانی حالت کے باعث بمشکل اس دیوار پر چڑھ کر عقب میں واقع پتلی سی گلی میں کود سکا۔

اس وقت میری حالت اس قدر ابتر تھی کہ اگر مجھے جابر اور مرزا سے نجات کی بے پناہ خوشی نہ ہوتی تو میں کئی گھنٹوں تک اپنے قدموں پر اٹھ بھی نہ سکتا تھا لیکن اب مجھ میں آزادی اور نجات کا زبردست جذبہ بیدار ہو چکا تھا۔ میں درد اور اذیت کی ہر لہر کو فراموش کرتا تیزی کے ساتھ ایک طرف بڑھنے لگا۔

ڈھلتی ہوئی رات کے بیکراں سناٹے میں کئی محلے اور گلیاں عبور کرنے کے بعد آخرکار میں ایک تاریک میدان میں نکل آیا۔ جہاں میرا آقا پہلے سے میرا منتظر تھا۔

"رہائی مبارک ہو جبلی!" وہ مجھے دیکھتے ہی سرد اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ "آج میں نے جابر کو ایسی چوٹ دی ہے کہ وہ عمر بھر تلملاتا رہے گا۔ مرزا کا حشر دیکھ کر ٹرنر اور اس کے ساتھیوں کے دماغ الٹ چکے ہیں اور وہ تھانے میں ڈراؤنے قہقہے لگاتے پھر رہے ہیں۔ وہ زندگی بھر کسی کو نہ بتا سکیں گے کہ تیری حوالات میں انہوں نے کیا دیکھا تھا!"

"تو میرا محسن ہے آقا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن میں حیران ہوں کہ جس حصار سے گزر کر تو حوالات میں داخل نہ ہو سکا اس سے سروالیاں کیسے گزر گئیں!"

شیطان نے اپنی کبڑی ٹانگوں پر اچھل کر کھردری آواز میں قہقہہ لگایا۔ "یہی تو میری کامیابی ہے جبلی۔ تیری جسمانی صلاحیتیں ضرور مفلوج ہو چکی ہیں لیکن تیری تابع قوتیں جابر کے سوا ہر حریف کے مقابلہ میں تیرا ساتھ دیں گی۔ ہاں جابر سے نمٹنے کے لئے میرے یا جاجوز کے سوا کوئی تیرے پاس نہ آئے گا۔ جیسے ہی تجھ پر موکل نے پہلا وار کیا میں طیش کے عالم میں سیدھا جابر کی طرف پہنچا۔ اس منحوس نے میری بھی مٹی پلید کی تھی۔ اس وقت وہ گہری نیند سو رہا تھا اور اس کا ایک موکل اسکی حفاظت پر مامور تھا۔ مجھے علم ہے کہ جابر ہر وقت پاک رہتا ہے۔ اس کے سارے حصار اور عمل اسی وقت تک کارآمد رہتے ہیں جب تک وہ پاک حالت میں ہو۔ اس کے ناپاک ہوتے ہی سارے حصار ٹوٹ جاتے ہیں۔ میں نے پہلے اس کے گھر کی چھت پر خوب اچھل کود کی۔ جوں ہی اس کا موکل بستر کے قریب سے ہٹا۔ میں نے سوئے ہوئے جابر پر گوبر پھینک دیا۔ یہ تیری خوش نصیبی ہے کہ تو نے حصار ٹوٹنے کے بعد ہی سروالیوں کو بلایا ورنہ تجھے مایوسی ہوتی!"

"تیرا علم بڑا وسیع ہے آقا!" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اب تو جابر بھی تیری مٹھی میں ہے۔ اس وار کے بعد اس کا دن کا سکون اور رات کی نیند حرام ہو جائے گی۔ وہ جب بھی ذرا غافل ہو۔ تو اسے ناپاک کر کے بے بس کر سکتا ہے!"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے جبلی۔ وہ میری اس حرکت پر بھنایا ہوا تو ہے لیکن اسے اپنے نفس پر بہت زیادہ قابو حاصل ہے۔ وہ چالیس چالیس راتیں سوئے بغیر عبادت میں گزار دیتا ہے۔ وہ ان میں سے نہیں ہے کہ ایک ہی وار سے دوسری مرتبہ بھی زک اٹھا سکے۔"

"اب میرے لئے کیا حکم ہے۔۔ یہ شہر تو میرے لئے بہت منحوس ثابت ہوا ہے۔"

"اگر تجھے طوسیہ سے محبت ہے تو اس کی روح جابر کے قبضے سے حاصل کئے بغیر اس شہر سے نکلنا بے کار ہے۔ اس کا بدن میرے قبضے میں ہے اور روح شنکر نے جابر کے سپرد کر دی ہے۔ طوسیہ میری سچی پجارن تھی۔ اس نے مجھے فریب دے کر سچائی کی راہ اختیار کی ہے انسان مجھ سے ہر طرح حقیر ہے۔ میرا خمیر ناری ہے اور ہر انسان خاک سے اٹھایا گیا ہے۔ میں اس لڑکی کو سبق دیئے بغیر دل سے خلش کو نہ نکال سکوں گا۔ ایک بار بس ایک بار اس کی روح جابر کی گرفت سے نکل جائے تو پھر تو دیکھے گا کہ وہ میری ہی پجارن ہو گی اور تجھے اس پر پورا تصرف حاصل ہو گا۔"

"لیکن جابر اپنے موکلوں کے ذریعہ جب اور جہاں چاہے مجھے زک پہنچا سکتا ہے!" میں نے تشویش زدہ لہجے میں اپنے آقا سے دریافت کیا۔

"یہ مصیبت تو جھیلنی ہی ہو گی۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ اس چالاک اندھے کو کسی اور طرف الجھا دوں۔" شیطان نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اس کے بعد شیطان یک بیک فضا میں تحلیل ہو گیا۔

اب میرے سامنے دو اہم کام تھے۔ سب سے پہلے خود کو جابر کے موکلوں کے عذاب سے بچانا' پھر مالا کی تلاش۔۔ اس خبیث لڑکی نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ مجھے انتقام پر اکسا رہا تھا۔

وہ رات میں نے بمبئی کے ایک ویران گوشے میں دبک کر گزاری۔ صبح ہوئی تو میرے زخموں کی کسک بڑھ چکی تھی اور مجھے اپنا سارا بدن ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

میں نے وہیں پڑے پڑے شیطان کے سب سے خوفناک کارندے جاجوز کو طلب کیا۔ کافی دیر گزر گئی مگر وہ یک چشم نہ آیا۔ میں نے غصے کے عالم میں اسے دوبارہ طلب کیا۔ اس بار کئی منٹ کے وقفہ کے بعد وہ میرے سامنے آ موجود ہوا۔ اس کے بشرے سے سخت ناگواری عیاں تھی اور آنکھ سے باہر رخسار کی ہڈی پر لٹکتا اور حرکت کرتا ہوا داہنا ڈھیلا خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہا تھا اور بائیں آنکھ کی جگہ تاریک گڑھا نمایاں تھا۔

میرے سامنے آ کر وہ طویل قامت قوی الجثہ اور ہیبت ناک شیطانی مخلوق جارحانہ انداز میں کھڑی ہو گئی اس کے تیور بہت بگڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"کیا مصیبت ہے؟" اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں غرا کر پوچھا۔

میں جانتا تھا کہ جاجوز نہایت سرکش اور نافرمان ہے اسی کے ساتھ کاہلی بھی اس کے خمیر میں شامل ہے۔ محض ان ہی خرابیوں کی وجہ سے شیطان نے اس عفریت کو دھواں اگلتے خوفناک پہاڑوں میں رہائش کا حکم دیا ہوا تھا مگر وہ خبیث وہاں بھی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر کسی کھو میں پڑ کر سو رہتا تھا۔

"ہوش میں رہ کر بات کر!" میں نے غصے سے اسے ڈانٹا "کیا تیرے آقا نے تجھے نہیں بتایا کہ اس کی نگاہ میں میرا رتبہ تجھ سے بھی بلند ہے!"

"رتبہ بلند ہے!" اس نے حقارت سے کہا۔ "اگر میں تیری طرح خوشامدی ہوتا تو آج

اپنے آقا کا منظور نظر ہوتا۔ اب زیادہ توقیر نہ کر اور یہ بتا کہ میری نیند میں خلل کیوں ڈالا ہے۔"

وہ اس قدر بدتمیز اور نافرمان تھا کہ میں نے بحث مناسب نہ سمجھی اور اس سے بولا۔

"مجھے مالا کا سراغ چاہئے وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"کون سی مالا؟" وہ غرایا۔ "اس شہر میں نہ جانے کتنی مالائیں رہتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ بکھر گئی اور میں سمجھ گیا کہ وہ انجان بن کر مجھے پریشان کر رہا ہے دراصل اس کو اپنی برتری پر بہت ناز تھا۔ اور اسے اپنی انا کے خلاف میرا محکوم بننا پڑ گیا تھا۔ اب وہ میرے حکم کو ٹال کر شیطان کے قہر میں تو جتلا نہیں ہو سکتا تھا لیکن مجھے زچ کرنے پر قادر تھا۔

میں نے اس کے سامنے خود کو بے بس سا محسوس کیا اور کہا "وہ مالا جو اوم ناتھ کی محبوبہ تھی جو گورے پولیس افسر کو چکمہ دے کر فرار ہو گئی۔"

جاجوز نے قہقہہ مار کر میری بات درمیان ہی سے اچک لی "اور جس کے ساتھ اوم ناتھ کی ویران کٹیا میں رنگ رلیاں منانے کی کوشش کرتے ہوئے تو نے جابر کے ایک موکل سے اپنی درگت بنوائی تھی۔"

"میں تجھے جہنم واصل کر دوں گا مردود!" میں دانت پیس کر چیخا۔

"تو مٹی سے پیدا ہوا ہے گندے کیڑے۔ اپنی اوقات میں رہ!" وہ مشتعل ہو کر زور سے چیخا۔ "مالا اس وقت بمبئی کے شار ہوٹل کے ساتویں کمرے میں اپنے نئے آشنا کے ساتھ ننگی پڑی سو رہی ہے اور اب تو نے کسی کام کے لئے مجھے بلایا تو میں تیری گردن مروڑ دوں گا۔"

اس نے وہیں کھڑے کھڑے طیش کے عالم میں اپنے دونوں بازو پھیلا کر فضا میں لہرائے اور کسی ہلکے پھلکے پرندے کی طرح فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

وہ تو چلا گیا لیکن میں غصہ میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ میں اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر شیطان کا پجاری بن چکا تھا۔ میں نے بحرا شیاطین کے ایک ویران جزیرے پر کڑے امتحان سے گزر کر سفینہ ظلمات پر میثاق مقدس پر اپنے خون سے وفاداری کی مہر ثبت کی تھی لیکن اس کے باوجود مجھے بار بار مٹی کی مخلوق ہونے کا طعنہ سننا پڑ رہا تھا۔ میں شیطان کی خاطر اپنی

پیاری محبوبہ طوبیہ سے جدائی کا عذاب جھیل رہا تھا لیکن اس کے ہم نسلوں کے نزدیک میری ان قربانیوں کا نام صرف خوشامد تھا۔

کچھ دیر بعد میں نے اپنے غصہ پر قابو پایا اور وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے پاس شیطان کی دی ہوئی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس کی مدد سے میں روپیہ حاصل کر سکتا۔ اس لئے میں نے اپنی بھوک کو وقتی طور پر بھلا دیا۔

اسٹار ہوٹل کی تلاش میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن وہ خاصا معیاری ہوٹل نظر آتا تھا جب کہ میرا شیو بے ترتیبی سے بڑھا ہوا تھا لباس خستہ تھا۔ بدن جا بجا زخمی تھا۔ ایسی حالت میں کوئی بھی مجھے ہوٹل میں داخل نہ ہونے دیتا۔ میں آرام کرنے کی نیت سے باہر فٹ پاتھ پر ہی بیٹھ گیا۔

میرے بیٹھتے ہی کسی نے اکنی میرے آگے پھینک دی' میں نے سر اٹھایا تو ایک بابو آگے بڑھتا نظر آیا۔ پھر وہاں سے گزرنے والے کافی لوگ مجھے بھکاری سمجھ کر میری خستہ حالی پر رحم کھاتے ہوئے پیسے دینے لگے۔

میں کچھ دیر تک بیٹھا پیسے بٹورتا رہا۔ ذرا ہی دیر میں میرے پاس سوا تین روپے جمع ہو گئے۔ میں نے ایک روپیہ ہاتھ میں رکھا اور بقیہ رقم پھٹی ہوئی جیب میں اڑستا ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دربان نے دور ہی سے حقارت بھرے لہجے میں مجھے پھٹکارا مگر میں اس کے قریب جا پہنچا اور اسے زبان کھولنے کا موقع دیئے بغیر جلدی سے بولا۔ "بھائی یہ رکھ لو اور ذرا میرا ایک کام کر دو۔"

اس نے ایک روپے کی ریزگاری وصول کی تو اس کا رویہ نرم ہو گیا اور اس کے چہرے پر بھی کرختگی کے بجائے نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کیا کام ہے؟"

"ساتویں کمرے میں ایک جوڑا ٹھہرا ہوا ہے' تم مرد کو معلوم ہوئے بغیر لڑکی کو صرف یہ پیغام پہنچا دو کہ جبلی باہر اس کا انتظار کر رہا ہے۔"

وہ سر ہلاتا اندر چلا گیا اور میں دوبارہ کھمبے کے پاس فٹ پاتھ پر آ بیٹھا۔ مجھے یقین تھا کہ پیغام پاتے ہی وہ باہر آنے پر مجبور ہو جائے گی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی ہو گی کہ میں اپنی تمام تر مجبوریوں کے باوجود اتنی جلدی نہ صرف پولیس سے چھٹکارا پا لوں گا بلکہ اس کا سراغ بھی

نکال لوں گا۔"

چند ثانیوں کے بعد وہ دربان باہر آیا تو اس کا چہرہ دیکھ کر ہی مجھے خاصی مایوسی ہوئی۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ جوڑا رات بھر رہنے کے بعد تھوڑی دیر پہلے ہوٹل سے نکل گیا ہے۔

میں اس چوٹ پر تلملا کر رہ گیا۔ مالا کو میں ہر قیمت پر کڑی سزا دینی چاہتا تھا۔

ہوٹل سے میں خالی الذہنی کے عالم میں ایک طرف روانہ ہو گیا۔

ایک مصروف بازار سے گزرتے ہوئے میرے شکست خوردہ ذہن میں اچانک ایک شیطانی منصوبہ ابھرا اور میں نے بچاؤ بچاؤ کا نعرہ لگاتے ہوئے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔ میرے پھٹے ہوئے خون آلودہ کپڑے اور زخموں سے چور جسم لوگوں کو میری نعرہ زنی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ ادھر ادھر سے بہت سے لوگ تجسس کے ساتھ میری طرف لپکے مگر میں وہی ہانک لگاتا دوڑتا رہا اور لوگ مجھے روکنے کی کوشش کرتے میرے پیچھے ہو لئے۔

یہ بھاگ دوڑ زیادہ دیر نہ چل سکی۔ ایک شخص نے دوڑ کر مجھے روک ہی لیا۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" مجمع میں سے بیک وقت کئی آوازیں ابھریں۔

"ادھر....!" میں نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کر کے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ادھر تین مسلمان چھوکرے ایک برہمن لڑکی کو زبردستی موٹر میں ڈال رہے تھے۔ میں نے منع کیا تو مجھ پر....!"

اس سے آگے کسی نے میری بات نہ سنی۔ ہجوم نے دو تین زور دار نعرے بلند کئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں فساد برپا ہو گیا۔ ہندو نوجوان مشتعل ہو کر مسلمانوں کے خوانچوں اور دکانوں پر ٹوٹ پڑے تھے اور کسی کو میری فکر نہیں رہ گئی تھی۔

میرے لئے یہ مہلت غنیمت تھی۔ میں اپنی جان بچا کر اس غضب ناک ہجوم سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ بھرے پرے بازار تیزی کے ساتھ ویران ہوتے جا رہا تھا۔ دوکانیں دھڑا دھڑ بند ہو رہی تھیں پھر ایک طرف سے کثیف دھوئیں کے بادل اڈتے نظر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ادھر سے تیز شعلے بھڑکنے لگے۔

مجھے فساد زدہ علاقے سے باہر آنے میں زیادہ دیر نہ لگی یہ بلوہ کرانے کے بعد میں عجیب سی دلی تسکین محسوس کر رہا تھا۔ بمبئی والوں نے میرے ساتھ نفرت اور حقارت کا جو سلوک

روا رکھا تھا میں نے بھرپور طریقے پر اس کا انتقام لینا شروع کر دیا تھا۔

پرسکون علاقہ میں پہنچنے کے بعد میں نے بھیک میں ملی ہوئی رقم سے سیر ہو کر اپنی شکم پری کی۔ میرا حلیہ اتنا بگڑا ہوا تھا کہ میں بار بار مشکوک نظروں کا نشانہ بن رہا تھا۔ اس لئے میں نے کھانے کے بعد بچنے والی رقم سے دو معمولی سے تہمد خریدے۔ اپنے کپڑے اتار کر وہیں چھوڑے اور ان دونوں تہمدوں سے اپنا جسم چھپا کر ایک طرف چل دیا۔

اس وقت میری کوئی منزل تھی نہ مقصد۔ میں ہر ایک سے بیزار ہو چکا تھا۔ شیطان' انسان' جابر' جاجوز سب ہی نے میرے خلاف خوفناک محاذ قائم کیا ہوا تھا۔ کسی کو مجھ سے ہمدردی نہیں تھی تو میں کیوں کسی پر رحم کھاتا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے اردگرد رواں دواں انسانی انبوہ سے ٹکرا جاؤں' انہیں تباہ کر دوں یا خود بے نام و نشان ہو جاؤں تاکہ بے توقیری اور اذیتوں کی زندگی سے نجات مل سکے۔

میں سارا دن اس بے رحم شہر کی سنگلاخ راہوں پر کسی خارش زدہ کتے کی طرح مارا مارا پھرتا رہا۔ فساد کی آگ نے کم و بیش پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کئی جگہ میں نے اپنی آنکھوں سے مشتعل ہجوموں اور پولیس کے درمیان محاذ آرائی کی کیفیت دیکھی۔ بمبئی کا سارا سکون غارت ہو چکا تھا۔ اپنی اپنی ادھیڑ بن میں مبتلا انسان سارے معیار بھول کر یک بیک جانبدار بن گئے تھے۔ ان میں کوئی بھی انسان نہیں رہا تھا وہ صرف خونی بھیڑیئے تھے جو معصوم بھیڑوں کی گردنیں اپنے خونخوار دانتوں سے نوچ رہے تھے۔

شام کے دھندلکے میں سرکاری گاڑیاں حرکت میں آگئیں حکام تفتیش کے بعد یہ سراغ لگا چکے تھے کہ پورے شہر میں کسی جوان لڑکی کے اغوا کی کوئی واردات نہیں ہوئی بلکہ یہ افواہ کسی شرپسند کی پھیلائی ہوئی ہے۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر پورے شہر میں چیختے رہے لیکن ہندوؤں کی جوش میں آئی ہوئی غیرت نے ان کی ایک نہ سنی۔ وہ دل کھول کر شہر کی انتظامیہ کو گالیاں دے رہے تھے۔ ان کی دانست میں سرکاری حکام نے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جانبداری اختیار کرتے ہوئے اغواء کے واقعہ کو جھٹلانے کی کوشش کی تھی۔ شہر میں نہ جانے کتنے لوگ تھے جو اغواء ہونے والی لڑکی اور اسے اٹھانے والوں کے نام بتاتے پھر رہے تھے۔ ہر محلے میں اس واقعہ کا ایک نہ ایک چشم دید گواہ موجود تھا۔ مجھے سارا شہر بھول چکا تھا۔

رات کے اندھیرے میں میں ایک ویرانے میں جا پہنچا۔ بمبئی کے تاریک آسمان پر جا بجا

چمکتے اور ماند پڑتے ہوئے خون رنگ دھبے ان آتش زدگیوں کی کہانی سنا رہے تھے جنہوں نے بلوائیوں کے ذہنوں میں کھولتے ہوئے نفرت کے لاوے سے جنم لیا تھا۔

نصف شب کے قریب شیطان میرے پاس آیا۔

"جبلی۔ تو اس قابل ہے کہ میرا منظور نظر بنے!" اس نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس روز میں نے پہلی اور آخری بار شیطان کی سپاٹ آواز میں کوئی جذباتی تغیر محسوس کیا تھا۔ "آج اس خطے میں وہ کشت و خون ہوا ہے کہ آئندہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں...!"

"مجھے معلوم ہے آقا۔ لوگ آپس کی رفاقتیں اور احسان بھول چکے ہیں ان کی انا خونریزی سے اپنی پیاس بجھانی چاہتی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے میں خود ان ہی حالات سے دوچار ہوں۔"

میرے لہجے کی تلخی سن کر شیطان چونک پڑا۔ "کیا بات ہے جبلی۔ میں تیرے لہجے میں سرکشی کی بو سونگھ رہا ہوں۔ آخر تجھ پر کیا افتاد آ پڑی ہے۔"

"میرا خمیر تو مٹی سے اٹھایا گیا ہے آقا۔" میں اپنے خوف پر قابو پا کر اسی تلخی کے ساتھ بولا۔ "میں ہمیشہ سے وفاداری کا عادی رہا ہوں یہ سرکشی جو تجھے اجنبی لگ رہی ہے میں نے تیرے لوگوں سے ہی سیکھی ہے!"

"جبلی!" شیطان کی ہڈیوں میں سرایت کر جانے والی سرد اور کرخت آواز گونجی۔ "یہ مت بھول کہ تو اس وقت اپنے آقا سے ہم کلام ہے۔"

"یہی سبق تو یک چشم جاجوز کو دیتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔" میرا لہجہ نرم ہو گیا مگر الفاظ کا تیکھا پن بدستور قائم رہا۔ "وہ بہت سرکش اور کمینہ ہے۔ اگر وہ تیرا پجاری نہ ہوتا تو میں اسے اندھا ہی کر دیتا۔"

"جاجوز۔" شیطان نے آہستہ سے کہا۔ "اسے اس بات پر بہت زیادہ فکر ہے کہ وہ آتش نسل سے ہے۔ شاید آج اس نے تیری بہت زیادہ دل آزاری کی ہے' میں اسے یادگار سبق دوں گا۔"

"نہیں آقا" میں یک بیک افسردہ ہو گیا۔ "آج میں نے جو چرکے محسوس کئے ہیں ان کی بدولت مجھے اپنی حیثیت کا اندازہ ہو چکا ہے مجھے جس سے محبت تھی وہ میرے لئے ایک

خواب بن کر رہ گئی ہے اور اب مجھے کسی سے ہمدردی نہیں۔ اسی بیزاری کے عالم میں میں نے اس بارونق شہر کو فساد کی آگ میں جھونکا ہے۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے شیطان نے جاجوز کو طلب کر لیا۔ وہ شراروں کی صورت میں آسمان پر کوندتا پل بھر میں وہاں آ موجود ہوا۔

"آج تو نے جبلی کے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔" شیطان نے پوچھا۔

"ہاں آقا۔ میں فطرت سے مجبور ہوں۔" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ "تو نے مجھے ہمیشہ انسان دشمنی کے سبق پڑھائے ہیں اور اب یہ جذبہ میری فطرت بن چکا ہے میں دانستہ تیرے اس منظور نظر سے نہیں الجھا تھا۔"

"لیکن میں نے تجھے اپنی اطاعت کا خوگر بھی بنایا ہے۔"

"یہ تیری اطاعت ہی ہے آقا کہ تیرے ایک اشارے پر میں اپنی نیند کو خیرباد کہہ کر پہاڑ اور سمندر عبور کرتا پل بھر میں تیرے قدموں میں حاضر ہو جاتا ہوں۔"

"آج سے تجھ پر ایک کڑی ذمہ داری ہے۔" شیطان بولا "تو کاہل اور غبی ہو گیا ہے۔ تیرے دماغ اور اعصاب کا زنگ دور کرنے کے لئے میں نے سوچا ہے کہ تو آٹھوں پہر جبلی کے ساتھ رہے گا اور اس کی پوری پوری اطاعت کرے گا۔ اگر تو ایک پل کے لئے بھی غافل ہوا تو تیری خیر نہیں۔"

"آقا" جاجوز گڑگڑا کر شیطان کے قدموں میں گر پڑا۔ "مجھے اس کڑے امتحان میں نہ ڈال۔"

"نہیں۔" شیطان کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "اس حکم سے کوئی فرار ممکن نہیں جبلی پر اس اندھے نے بھی ایک موکل مامور کیا ہوا ہے جسے آج دن بھر میں نے مصروف رکھا۔ اس کا کام جبلی کو ایذا پہنچانا ہے اور میں تجھے اس کے آرام پر مامور کرتا ہوں' یاد رکھ تیری ذرا سی غفلت تیری اور جبلی کی بربادی کا بہانہ بن جائے گی۔"

جاجوز سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اب یہ ہر وقت تیرا غلام رہے گا۔" شیطان مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اس کا ہر فعل تیری مرضی کا تابع ہو گا تو جب چاہے گا یہ سب کو نظر آئے گا۔ جب خواہش کرے گا دوسروں کی نظروں سے روپوش ہو کر صرف تجھے نظر آئے گا۔ اس کا سونا' جاگنا' کھانا پینا سننا

اور سونگھنا سب تیرے حکم سے ہو گا۔"

"آقا میری ایک آرزو ہے۔" شیطان کو مہربان پا کر میں نے کہا۔

"اگر میرے بس میں ہوا تو میں اسے ضرور پورا کروں گا۔"

"طوسیہ کے بغیر میری زندگی بے مقصد اور ادھوری رہ گئی ہے۔"

"تو جانتا ہے کہ وہ اس وقت میری دسترس سے باہر ہے۔" شیطان نے صرف اتنا کہا اور یک بیک غائب ہو گیا۔

جاجوز دونوں ہاتھ سینے پر باندھے میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

"مالا اس وقت کہاں ملے گی؟" میں نے نرم لہجے میں اس سے دریافت کیا اور وہ زمین پر بیٹھ کر انگلیوں سے کچھ آڑی ترچھی لکیریں بنانے لگا۔ میں خاموشی کے ساتھ اس کے انہماک کا جائزہ لیتا رہا۔

"مالا اس وقت ایک فساد زدہ علاقہ میں گھری ہوئی ہے اس کا ایک رات کا آشنا اسے چھوڑ کر جا چکا ہے اور وہ اپنی تنہائی سے بہت ہراساں ہے!" جاجوز نے کچھ دیر کے بعد بتایا۔

"تجھے مالا تک میری رہنمائی کرنی ہے۔"

جاجوز مجھے لے کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ رات خاصی گزر چکی تھی لیکن لوگ مخالف فرقہ کے حملے کے خوف سے نہ صرف جاگ رہے تھے بلکہ گھروں سے باہر ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

میں تھوڑی ہی دیر میں ایک چھوٹے سے مکان پر جا پہنچا پہلی دو دستکوں کے جواب میں اندر گہرا سکوت چھایا رہا۔ میں نے تیسری مرتبہ کنڈی ہلائی تو اندر سے ایک گھبرائی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔ "کون ہے؟"

میں وہ آواز پہچان گیا۔ "میں جبلی ہوں کنڈی کھول دے مالا!"

اندر کچھ آہٹیں ابھریں پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مالا کی سرخ آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتہ نہیں تھا۔ البتہ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں تھے۔

میرے ساتھ ہی جاجوز بھی مکان میں داخل ہو گیا لیکن وہ مالا کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔

"میں تیری طرف سے بہت فکرمند تھی جبلی!" اس مکار لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں خود تو کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل بھاگی لیکن بار بار تیرا ہی خیال ستا رہا تھا۔"

میں کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ خواب گاہ میں آ گیا۔

وہاں پہنچتے ہی مالا نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور چہرہ میرے سینے میں چھپا لیا۔ میں نے جاجوز کی طرف دیکھا۔ وہ خبیث اتنی دیر میں دیوار کے سہارے لیٹ کر گہری نیند سو چکا تھا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مالا سے ملنے کے بعد میں کچھ دیر کے لئے اس سے بے نیاز ہو جاؤں گا۔

میں وہاں گیا تو کسی اور ہی خیال سے تھا لیکن مالا نے جو بے حجابانہ رویہ اختیار کیا اس پر میری بھی رال ٹپک پڑی۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ پہلے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لوں اس کے بعد تو اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنانا میرے اپنے اختیار میں تھا۔

میں نے مالا کو بے دردی سے اپنی بانہوں میں بھینچ کر اس کے نرم اور دہکتے ہوئے رخساروں پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اور وہ میرے بدن سے لپٹی ہولے ہولے منمناتی رہی۔ جوں جوں وقت سرکتا رہا' میری آتش شوق بھڑکتی رہی۔ ادھر وہ خود بھی مجھ میں سما جانے کے لئے بے چین ہوئی جا رہی تھی۔

میں نے ایک بار پھر جاجوز پر نگاہ ڈالی۔ وہ بالکل بے خبری کے عالم میں سو رہا تھا۔ میں مالا کو بستر پر لے آیا اور چاہتا تھا کہ اس کے شکن آلودہ لباس میں چھپے سارے اسرار عیاں کر دوں کہ کسی نادیدہ وحشی نے میرے منہ پر پوری قوت سے طمانچہ رسید کیا۔ اور میں ایک ہلکی سی چیخ مار کر بستر سے نیچے گر گیا۔ میرے چہرے کے خشک ہوتے ہوئے زخموں سے ایک بار پھر خون کی گرم گرم لکیریں بہہ نکلی تھیں۔

مالا ہکا بکا سی بستر پر ہی پڑی رہی۔ میں غراتا ہوا فرش سے اٹھا تو کسی نے میرے بال پکڑ کر اتنی زور سے کھینچے کہ آنکھوں کے سامنے تارے ناچ اٹھے۔

"جاجوز!" اسے بدستور گہری نیند سوتے پا کر میں نے زور سے آواز دی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ چند ثانیوں تک اپنی جگہ پر کھڑا جھومتا رہا پھر کسی شکاری کتے کی طرح اچھل کر میری بائیں جانب کسی نظر نہ آنے والے وجود پر ٹوٹ پڑا۔

چند ثانیوں قبل مالا کے گدرائے ہوئے پر شباب جسم کے بارے میں میرے ذہن میں جو حیوانی جذبات پیدا ہوئے تھے وہ صورت حال بدلتے ہی کسی بلبلے کی طرح تہہ نشین ہو گئے اور اس کی طرف سے میرا انتقامی جذبہ پوری شدت سے بیدار ہو گیا۔

اس کمرے میں یک چشم جاجوز کسی نادیدہ وجود سے بری طرح برسرپیکار تھا۔ مالا سہمی ہوئی سی بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے ایک بار اس آبرو باختہ اور ہرجائی لڑکی کو غور سے دیکھا پھر اس پر ٹوٹ پڑا۔

اس سے پیشتر کہ وہ میرے اس حملہ کا صحیح مقصد سمجھ پاتی میری سخت انگلیاں بے رحمی کے ساتھ اس کے گلے پر جم گئیں خوف اور وحشت سے اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل آئیں اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن الفاظ حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئے اور زبان باہر لٹک آئی۔

جب تک مالا کا بدن تڑپتا رہا اس کے گلے پر میری گرفت کمزور نہ پڑی۔ اس کا بدن بے جان ہوتے ہی میں اسے چھوڑ کر بستر سے اٹھ گیا۔

ادھر جاجوز کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ شاید جابر کے موکل کا پیچھا کرتا کہیں باہر نکل گیا تھا۔ میں بھی اپنے کام سے نمٹ چکا تھا اور اب میرا وہاں رکنا بے سود تھا اس لئے میں بھی باہر آ گیا۔

میں مالا کے محلّہ سے نکلا ہی تھا کہ جاجوز واپس آ پہنچا۔ وہ بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے جاجوز۔ تو بہت خوش نظر آ رہا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

جواب میں وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا۔ "وہ بہت پھرتیلا تھا مگر میں نے آج وہ ہاتھ دکھائے کہ خود میری طبیعت خوش ہو گئی۔ میں دراصل اسی لئے کاہل ہو گیا ہوں کہ مدت سے کوئی شاندار مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس پر پے در پے وار کر کے اسے بوکھلا کر رکھ دیا اور اسے میلوں دور تک بھگاتا چلا گیا۔ وہ اتنا پریشان تھا کہ مجھ سے پناہ لینے کے لئے ایک کنویں میں کود گیا اور میں نے اسے چوہے دان میں پھانس دیا۔ میں نے اس کنویں میں اپنے بے شمار بال ڈال دیئے جو حشرات الارض کا روپ دھار کر اس سے لپٹ پڑے۔ اس نے باہر آنا چاہا تو میں نے آہنی گرز مار مار کر اسے لہولہان کر دیا اور اب اس کی لاش اسی گہرے کنویں میں تیر رہی ہے۔ اب اس مصیبت سے ہمیشہ کے لئے تیرا پیچھا چھوٹ چکا ہے۔"

یہ خبر سن کر میرا دل بلیوں اچھل پڑا میرا خود ساختہ عزیز اب مفلوج ہو چکا تھا۔ اس کے پاس دو میں سے صرف ایک موکل رہ گیا تھا جسے وہ اپنے ساتھ رکھتا یا میرے پیچھے لگاتا۔

بیک وقت دو دو محاذوں پر مقابلہ کرنا اس کے لئے ناممکن ہو کر رہ گیا تھا کیونکہ اب برابر کی ٹکر تھی۔ اس کے پاس موکل تھا اور میرے پاس جاجوز۔

اس رات میں نے جاجوز کی مدد سے ایک دوکان میں نقب زنی کر کے کئی ہزار روپیہ حاصل کیا اور اگلے روز ایک عمارت میں تنگ و تاریک سا کمرہ کرائے پر لے لیا جہاں میں خود کو پولیس کی نظروں سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔

تین دن تک پورا شہر لوٹ مار اور ہنگاموں کی آگ میں جلتا رہا۔ پھر بھاری جانی اور مالی نقصان نے فریقین کی آنکھیں کھول دیں اور آہستہ آہستہ بلوائیوں کے مشتعل ہجوم غائب ہونے لگے۔

ساتویں روز شہر کی زندگی معمول پر آ گئی۔ لوگوں کے رویئے سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں برسوں سے کوئی ہنگامہ نہ ہوا ہو۔ اگر شہر میں چند خاکستر عمارتیں موجود نہ ہوتیں تو کسی بھی اجنبی کے لئے گزرے ہوئے ہولناک واقعات کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

اس دوران میں میری زندگی بھی سکون سے گزرتی رہی جابر کو اپنے ایک موکل سے ہاتھ دھونے کے بعد شاید عقل آ گئی تھی اس لئے اس نے مجھ پر کوئی دوسرا وار نہ کیا۔ جاجوز شب و روز کی یکسانیت سے اکتا چلا تھا اور اس کے رویئے سے وقتاً فوقتاً بدمزاجی اور سرکشی کا اظہار ہونے لگا تھا۔

میں خود بھی اس جمود سے خوش نہ تھا۔ ہر آن طوسیہ کی ہنستی مسکراتی حسین صورت میری نظروں میں گھومتی رہتی تھی کبھی کبھی تو میرا خون جوش مارتا کہ جا کر اندھے جابر سے بھڑ جاؤں اور اسے زیر کر کے طوسیہ کی روح اس کے قبضے سے چھین لوں تاکہ وہ ایک بار پھر جیتے جاگتے روپ میں میرے سامنے آ سکے۔

طوسیہ پہلے صرف ایک صحرائی سراب تھا۔ وہ جبرین کے بوڑھے پروہت مانینی کی قیدی تھی جو بت پرستوں اور آتش پرستوں کے عقائد کی جنگ کا شکار ہو کر صدیوں سے کرب میں مبتلا تھی۔ پھر وہ ایک ہیولے کے روپ میں مجھے نظر آئی سردار جوبا کی لڑکی زینو کے روپ میں تحلیل ہو کر میری آغوش کی زینت بنی اور آخرکار سفاک مانینی میرا دشمن ہو گیا۔

مانینی سے نجات اور طوسیہ کے حصول کی خاطر میں نے صحراؤں کی خاک چھانی، دربدر بھٹکتا

رہا۔ اور آخرکار شیطان کے چنگل میں آ پھنسا اور سفینہ ظلمات پر طوسیہ پہلی بار ایک عام عورت کے روپ میں میرے قریب آئی۔

طوسیہ اگر صرف میرا تصور ہی رہتی تو شاید میں اس کے لئے اتنی تڑپ محسوس نہ کرتا لیکن وہ نازنین اپنی سانسوں کی حیات آفرین حرارت سے مجھے روشناس کرا چکی تھی مجھے علم تھا کہ وہ زندہ ہے.... اس لئے اسے بھول جانا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ اب وہ میری محبت اور زندگی تھی۔

کافی سوچ بچار کے بعد آٹھویں روز میں نے جابر سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

جاجوز کو میرے عزائم کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا اسے اپنی شہہ زوری اور چالاکی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے واضح طور پر مجھے یقین دلایا کہ جابر کو بے بس کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

جب نصف رات ڈھل گئی تو میں جابر کے مکان پر جا پہنچا کھڑکیوں کی دوسری جانب گہرے اندھیرے کا راج تھا لیکن ان میں لگی آہنی سلاخوں کے باعث ادھر سے اندر داخل ہونا ناممکن تھا۔

میرا اشارہ پا کر جاجوز فضا میں اڑتا دیوار کے اس پار جابر کے مکان میں جا اترا اور بہت احتیاط کے ساتھ دروازے کی کنڈے کھول دی۔

میں اندر داخل ہوا تو مکان میں گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا جیسے وہ مکان کئی دن سے ویران ہو۔ میں احاطے کی دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا اور جاجوز میری ہدایت پر مکان کا جائزہ لینے اندر جا گھسا۔ میرے لئے وہ ایک ایک لمحہ ناقابل برداشت تھا۔ کافی دیر بعد جاجوز واپس آیا اور اطلاع دی کہ مکان میں اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی ذی روح موجود نہیں ہے۔

یہ سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہ خیال تو سرے سے ہی ناقابل قبول تھا کہ جابر مجھ سے یا شیطان سے خوفزدہ ہو کر فرار ہو گیا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ اندھا کہاں ہے۔

میں نے یکے بعد دیگرے مکان کے سارے کمرے روشن کر دیئے اور جاجوز کے خیال کی تصدیق بھی کر لی۔ وہ مجھ سے لاتعلقی کے انداز میں کچے فرش پر بیٹھا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے زمین پر عجیب سے نقش و نگار بنائے جا رہا تھا۔

"تو وہاں کیا کر رہا ہے جاجوز؟"

"جابر کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"کیا وہ زمین میں گھسا ہوا ہے؟"

"نہیں۔ یہ میرا علم ہے۔ میں مٹی پر لکیریں بنا کر ہر چیز کا سراغ لگا سکتا ہوں۔" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "مجھے اتنا تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس وقت وہ اس شہر میں نہیں ہے۔ ذرا سمت کا اندازہ ہو جائے تو ذرا سی دیر میں یہ بھی بتا دوں گا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

مکان میں مزید چھان بین اب بے سود تھی اس لئے میں جاجوز کے قریب آ کر دلچسپی کے ساتھ اس کی حرکتوں کا جائزہ لینے لگا۔ بظاہر وہ یک چشم عفریت جتنا سرکش اور کاہل نظر

آتا تھا درحقیقت وہ اس سے کہیں بڑھ کر عیار اور کارآمد ثابت ہو رہا تھا۔

"ارے غضب ہو گیا جبلی!" وہ اچانک حیرت بھری آواز میں چیخا۔ "جابر تو بہت ہی خطرناک نکلا۔ اس نے ہمارے آقا کو کسی چوب کی طرح بے بس کیا ہوا ہے۔"

"کیا بک رہا ہے!" میں نے بے اعتباری اور غصے کے ساتھ کہا۔

"میں بک نہیں رہا۔ اگر تجھے میری بات کا اعتبار نہ ہو تو اسی وقت آقا کو یاد کر' وہ آزاد ہوا تو فوراً یہاں پہنچے گا۔" جاجوز زمین سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی بات معقول تھی۔ میں نے اسی وقت شیطان کو یاد کیا۔ کئی سیکنڈ پھر کئی منٹ گزر گئے۔ لیکن شیطان نہ آیا۔ گو میرے دل میں شبہات سر ابھار رہے تھے مگر میں اس کی جانب سے بالکل ہی مایوس نہیں ہوا تھا۔

"انتظار بیکار ہے جبلی۔ میں جو کہہ چکا ہوں وہ پتھر کی لکیر ہے!" مجھے مضطرب پا کر جاجوز تیز آواز میں بولا۔ "آقا نہ جانے کہاں قید ہے۔ میرے علم کی زمین کے چپے چپے پر رسائی ہے مگر میں اسے تلاش نہ کر سکا اور اندھا جابر بھی میرے دائرہ علم سے باہر ہے۔ اس کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔"

"سب سے پہلے ہمیں اس مکان سے نکل جانا چاہئے۔ پھر کچھ سوچیں گے!" میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ہم دونوں تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ باہر سے مقفل ہو چکا تھا جبکہ میں اسی دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔

"میں باہر جا کر دیکھتا ہوں۔" جاجوز یہ کہہ کر تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ پھر چند ہی ثانیوں بعد اس نے باہر سے دروازہ کھول دیا اور میں تیزی سے باہر نکل گیا۔

اس صورت حال سے میں اتنا ہراساں ہو گیا کہ جاجوز کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف واپس چل دیا۔ اور دروازہ کھول کر میں کوٹھری میں داخل ہوا اور جوں ہی لالٹین کی لو اونچی کی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

اندھا جابر دروازے کے قریب ہی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ رقصاں تھی اور پتھرائی ہوئی آنکھیں فضا میں کسی گمنام نقطے پر مرکوز تھیں۔ میں نے گھبرا کر جاجوز کی طرف دیکھا' وہ اس صورت حال سے بے تعلق نظر آ رہا تھا۔

"خادم۔ میں تجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔" کچھ دیر کے سنسنی خیز سکوت کے بعد اندھے جابر نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اٹل لہجے میں کہا۔

میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا رہا۔

"خادم!" جابر نے اس بار تادیبی لہجے میں پکارا۔

اس بار میں خاموش نہ رہ سکا۔ "میرا نام خادم نہیں۔۔ جبلی ہے جبلی۔"

"تیرا نام جو بھی ہو مگر اب تیری رسی بہت دراز ہو چکی ہے۔ تو چوٹ پر چوٹ کھا کر پاگل ہو چکا ہے اور خلق خدا کو آزار پہنچانے کے درپے ہے۔"

"اپنے ایک موکل کا حشر دیکھنے کے بعد بھی تو میرا تعاقب کئے جا رہا ہے!" میں نے بھاری لہجے میں کہا۔ "یاد رکھ! میں تجھے اپنی چٹکیوں میں مسل سکتا ہوں۔"

جابر کے بے نور چہرے پر یکایک قہر کی بجلیاں کوند گئیں۔ "میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنے محافظ' جاجوز کو اسی وقت اس صندلی کلیسا کی طرف روانہ کر دے جہاں طوسیہ کا بدن شیطان کا قیدی ہے۔"

"میں تیرے کسی حکم کا پابند نہیں۔"

"تیرا آقا اس وقت چوب کی طرح بے بس ہے۔ میں تیرے ٹکڑے بھی اڑا دوں تو وہ تیری مدد کو نہ آ سکے گا۔ مجھے طوسیہ کا بدن آزاد چاہئے۔"

اپنے آقا کے بارے میں سن کر میں چونک پڑا۔ اس کی قید کو وقتی طور پر میں بھول ہی گیا تھا۔ اب جابر کے مقابلے میں مجھے صرف جاجوز کی حمایت حاصل تھی اور اس سے مجھے زیادہ توقعات نہیں تھیں۔

"اور اگر میں انکار کر دوں؟" میں نے حوصلہ کر کے کہا۔

جابر نے بس ایک ثانئے تک توقف کیا پھر اس نے زور سے زمین پر داہنا پیر مارا اور میں اچھل کر یوں چھت سے جا ٹکرایا' جیسے میرے پیروں کے نیچے اسپرنگ آ گئے ہوں۔ نیچے گرتے ہوئے میں اپنی چیخ پر قابو نہ پا سکا۔ میرے گرتے ہی جابر آگے جھپٹا اور اس نے اپنا وزنی پیر میرے سینے پر یوں رکھ دیا کہ میرا سانس گھٹنے لگا۔

میں نے تڑپ کر اس کے پیر کے نیچے سے نکل جانے کی ہمت کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکا' آخر میں جھلا کر جاجوز پر دہاڑا "مردود کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے۔ اس اندھے کے ہاتھ پیر

توڑ کر اسے گلی میں پھینک دے۔"

میری بدزبانی پر جابر نے اپنے پیر کا دباؤ کچھ اور بڑھا دیا۔ "وہ مجھ سے ٹکر نہ لے سکے گا۔ اس کی رسائی صرف موکلوں تک ہے۔ عاملوں سے اس کی روح فنا ہوتی ہے۔"

اور میں نے دیکھا کہ جاجوز میرے چیخنے کے باوجود اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب میرا سانس سینے میں پھنسنے لگا تو میں بے اختیار چیخ اٹھا۔

"مجھے چھوڑ دے، مجھے چھوڑ دے۔"

میرے سینے پر جابر کے پاؤں کا دباؤ بہت ہلکا ہو گیا۔ مگر اس نے پیر نہ ہٹایا۔ میں نے سرک کر اٹھ جانا چاہا لیکن جابر کے لئے میری یہ حرکت غیر متوقع نہیں تھی، اس نے میری پسلیوں میں اپنا انگوٹھا اتنی سختی کے ساتھ چبھویا کہ میں تڑپ گیا اور دوبارہ زمین سے اٹھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو اسی وقت جاجوز کو نیل کے صحرا میں اس صندلی کلیسا کی طرف روانہ کر دے۔ جہاں طوسیہ کا بے روح بدن تیرے منحوس آقا کا قیدی ہے۔" جابر میرے سینے پر سے پیر اٹھائے بغیر تحکم آمیز لہجے میں بولا۔ "وہاں ایک لوح پر وہ سارا عمل نقش ہے جس پر عمل کر کے جاجوز طوسیہ کے بدن کو شیطان کی قید سے نجات دلا سکتا ہے۔"

"مم..... مگر مجھے علم نہیں کہ وہ لوح کہاں پوشیدہ ہے!" میں نے ڈرتے ڈرتے جان بچانے کی آخری کوشش کی۔

"جاجوز کو سب علم ہے!" جابر کا لہجہ پراعتماد تھا۔ "وہ لوح اسی نے اپنے ہاتھوں سے غلاظت کے ایک ایسے ڈھیر میں چھپائی ہے جہاں میرا کوئی موکل نہیں پہنچ سکتا!"

"جاجوز!" میں نے وہیں پڑے پڑے اس یک چشم عفریت کو مخاطب کیا۔ "تو نے سب کچھ سن لیا؟"

"میں صرف تیرا حکم سننے اور ماننے پر مامور کیا گیا ہوں۔ دوسروں کے احکام کی جانب سے میرے کان بہرے ہیں۔ مجھ سے جو کام لینا ہے تو خود مجھے بتا!" اس نے رکھائی کے ساتھ کہا۔

"شاید طوسیہ کی قید کی مدت پوری ہو چکی ہے!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہنا

شروع کیا۔ "اور اب اس کی رہائی ہمارے مفاد میں ہے۔ تو ہلکے پھلکے پرندوں کی طرح کھلے آسمانوں میں پرواز کرنے پر قادر ہے۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اسی وقت گمنام صندلی کلیسا کی طرف روانہ ہو جا۔ تجھے رکے بغیر جلد از جلد وہاں پہنچنا ہے اور طوسیہ کے بے روح بدن کو آقا کی قید سے آزاد کرانا ہے۔"

"بہت اچھا!" اس نے شاید دانت پیس کر کہا۔ "پھر اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں کئی منٹ تک زمین پر پڑا اس بات کا منتظر رہا کہ جابر میرے سینے پر سے پیر ہٹا کر مجھے سیدھا کھڑا ہونے کی اجازت دے لیکن وہ یوں بے فکر کھڑا ہوا تھا جیسے یہ بات اس کے ذہن سے اتر چکی ہو کہ میں اس کے پیر کے نیچے دبا زمین پر پڑا ہوا ہوں۔

"میں کب تک یوں ہی پڑا رہوں گا؟" میں نے اس کے پیر کے نیچے کسمساتے ہوئے چڑچڑے اور شکست خوردہ لہجے میں پوچھا۔

"سیدھا کھڑا ہو جا!" جابر نے چونک کر میرے سینے پر سے پیر ہٹا لیا۔

"تو اپنا مقصد حاصل کر چکا ہے۔ شاید اب میری ذات تیرے لئے بیکار ہو گئی ہے!" میں نے فرش پر سے اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" وہ آہستہ سے ہنسا۔ "میں ایک بڑا مقصد حاصل کر چکا ہوں تیرا آقا ہر برس کی ایک رات قدرت کی جانب سے قید کر دیا جاتا ہے تاکہ اس مقدس رات کے پرسکون پرور لمحوں میں خدا کے بندے عبادت کے ذریعے اپنے دلوں سے گناہ کی سیاہی صاف کر سکیں اور آج ہاں آج وہی رات ہے۔ تیرا آقا کسی گمنام گوشے میں معذور اور مفلوج پڑا ہوا ہے۔ میرے پاس یکسوئی کے ساتھ عمل کی یہی ایک رات تھی اور میں تجھے بے بس کر کے اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ ایک ثانئے کو سانس لینے کے لئے رکا پھر پرسکون لہجے میں بولا۔ "کچھ اور ہو نہ ہو، آج کی رات طوسیہ کا بدن تیرے منحوس آقا کی نحوست سے ضرور آزاد ہو جائے گا۔ میں تجھے بھی گمراہی کی دلدلوں میں بھٹکنے کے لئے نہ چھوڑوں گا تو کتنا بھی برا سہی مگر میرا ہی خون ہے۔ تجھے سچائی کا راستہ دکھانا میرا فرض ہے۔"

اس کی باتیں سیدھی اور صاف تھیں۔ اب تک میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ شیطان کو جابر نے کہیں قید کیا ہوا ہے اور اسی وجہ سے میں نے بھرپور مزاحمت کئے بغیر اس کے سامنے

ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اگر مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ شیطان کسی فطری نظام کے تحت مخصوص مدت کے لئے مفلوج ہوا ہے تو میں جابر کو مقابلے یا باتوں میں الجھا کر وہ مدت گزارنے کی کوشش ضرور کرتا بہر حال اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور مجھے اپنی اس حماقت کا پورا پورا خمیازہ بھگتنا ہی تھا۔

"تو مجھے اب مزید دھوکہ نہیں دے سکتا۔" میں اس سے دور کھسکتے ہوئے بولا۔ "نہ میں تجھ سے شناسا ہوں اور نہ تیرا خون ہوں۔ نہ ہی مجھے کسی ہدایت کی ضرورت ہے۔ میں جس راستے پر چل رہا ہوں وہ زندگی کی سب سے بڑی سچائی اور روشنی ہے۔"

طیش سے اندھے جابر کا چہرہ یک بیک دہک اٹھا۔ "کفر بکتا ہے نابکار۔ یہ رحمتوں اور معافی کی وہ رات ہے جب شیطان قید ہوتا ہے مگر تو اب بھی شیطانی کلمات بک رہا ہے۔"

اس کے لہجے کی گرج سے میں خائف سا ہو گیا۔ "آخر تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

"رات تیزی سے گزرتی جا رہی ہے۔ وقت کم اور کام زیادہ ہے' صبح کا اجالا پھیلتے ہی تیرا آقا آزاد ہو جائے گا۔ وہ اتنا بدذات ہے کہ مجھے ہراساں کرنے کے لئے خلق خدا کو آزار پہنچانے سے بھی باز نہیں آتا۔ طوبیہ کا جسم تو جلد ہی آزاد ہو جائے گا اور اس وقت تو میرے ساتھ ہو گا۔ چل نکل باہر یہاں سے۔"

"میں اس کمرے سے کسی قیمت پر باہر نہیں نکلوں گا۔" میں نے جھپٹ کر روشنی گل کر دی۔

تاریکی میں جابر کی ہنسی کی گونج خاصی بھیانک تھی۔ "میں نابینا ہوں۔ روشنی اور اندھیرا میرے لئے بے معنی ہے۔ میں تیری گردن پکڑ کر تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

روشنی گل ہوتے ہی میری آنکھوں کے سامنے چند ثانیوں کے لئے تاریک دھند پھیل گئی اور جابر میری اس مفلوج حالت سے فائدہ اٹھا کر آواز پیدا کئے بغیر اپنی جگہ سے حرکت میں آیا اور میری گردن دبوچ لی۔

اس کے بعد میں نے بہت کوشش کی لیکن جابر کی آہنی گرفت سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ اور جب میں نے ہتھیار ڈال دیئے تو جابر نے میرا داہنا ہاتھ تھاما اور اپنے ہمراہ لے کر کوٹھری سے باہر نکل آیا۔ اس وقت اس کے پاس لاٹھی وغیرہ نہیں تھی' لیکن وہ نالیوں اور رکاوٹوں کو عبور کرتا ایسے اعتماد سے آگے بڑھا چلا جا رہا تھا جیسے وہ ہر چیز صاف دیکھ رہا ہو۔

"پتہ نہیں۔ تو کس کے گناہوں کی پاداش میں گمراہی کی دلدلوں میں دھکیل دیا گیا ہے۔" کافی دور تک خاموشی سے راستہ طے کرنے کے بعد جابر نے نرم اور ہمدردانہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "لیکن اس میں تیرا اتنا قصور نہیں ہے۔ تو حالات کا شکار ہوا ہے۔"

اس کی باتوں سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی اور مجھ پر اس کی شخصیت کا رعب بھی طاری ہو چلا تھا۔ میں نے حسب سابق اسے تحقیر آمیز لہجے میں مخاطب کرنا چاہا لیکن جرات نہ ہو سکی اور شاید یہی وہ لمحات تھے جہاں سے میری قلبی کیفیات میں بنیادی تبدیلیاں ظاہر ہوئیں۔

"تت.... تم ضعیف اور نابینا ہو' میں تم سے دور بھاگتا رہا۔ لیکن تم سائے کی طرح میرے تعاقب میں لگے ہوئے ہو۔ تم نے مجھے قتل کے الزام میں گرفتار کرایا ہے۔ میں نے زندگی کے بدترین مصائب تمہاری وجہ سے جھیلے' پھر بالا میرے ہاتھوں ماری گئی۔۔۔ جھلاہٹ میں اس شہر میں فساد کا شوشہ کھڑا کیا اور اب پھر تم میرے راستے میں آ کھڑے ہوئے ہو۔"

"بولتا رہ۔ بولتا رہ۔ خاموش کیوں ہو گیا۔ بولنے سے دل کا غبار ہلکا ہوتا ہے۔" مجھے خاموش پا کر اندھے جابر نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں نہیں سمجھ سکا' نہ جانے تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ بس تیری عاقبت کی سلامتی چاہتا ہوں' تو جس راستے پر جا رہا ہے وہ بربادی اور رسوائی کی راہ ہے' تیرا آقا راندہ درگاہ ہے اور وہ لوگوں کی مجبوریوں کا سب سے بڑا خریدار ہے' تو دیکھ چکا ہے کہ وہ تجھے مصیبت میں الگ چھوڑ کر لاتعلق ہو جاتا ہے' آخر تیری آنکھیں کیوں نہیں کھلتیں۔"

میری نگاہوں کے سامنے یک بیک رنگ برنگی دھند ناچنے لگی۔ دل میں پہلی بار خوف کی ایک نامانوس اور اجنبی سی لہر دوڑ گئی۔ اس سے قبل میں بارہا خوفزدہ اور دہشت زدہ ہوا تھا لیکن ہمیشہ یہ خوف اپنی جان ہی کے بارے میں تھا لیکن وہ خوف۔۔۔ وہ تو کوئی نئی ہی چیز تھی جس سے میں اس وقت تک ناآشنا تھا۔ نہ جانے وہ کس کا اور کیسا خوف تھا۔ میں نے جابر کے ساتھ چلتے چلتے اپنے ذہن کو ٹٹولا۔ اس خوف کی پشت پر دور دور تک میرے آقا کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر ذہنی رو شیطان کی طرف بھٹک گئی۔

شیطان میرا' میرے جسم' میری روح اور میری خواہشات تک کا آقا تھا۔ جب میں تپتے ہوئے بے رحم صحرا کے خون آشام قزاقوں میں گھرا لہلہاتے نخلستان میں پناہ گیر تھا تو وہاں میری ہر جنبش شیطان کے پجاری' مانتی کی خواہشات کی تابع تھی پھر طوسیہ کی محبت نے مجھے ویران کھنڈرات میں شیطان کے رو برو لا کھڑا کیا اور میں نے اس کے سامنے سپر ڈال دی۔

شیطان سے میرا سمجھوتہ یک طرفہ تھا' وہ ایک ظالم اور مظلوم کا معاہدہ تھا جو زندگی اور محبت کے نام پر خوف آور تجربوں اور جان توڑ ریاض کے بعد طلسماتی اندھیروں میں کیا گیا۔ میں نے شیطان کے ہاتھوں اپنی روح تک بیچ ڈالی تھی اور وہ صرف زبانی یقین دہانیاں کرا کے مجھے ہر آن اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا رہا اور اب میری موت کے بعد شیطان کی مرضی تھی کہ وہ میری روح کو آوارہ رہنے دیتا یا اسے کسی ہیولائی روپ میں قیام کی اجازت دے دیتا۔ اس نے بحر الشیاطین کے ایک جزیرے کی تسخیر پر مجھے ناقابل تصور انعام سے نوازا تھا۔ میری طوسیہ ایک ہیولاتی پیکر کے بجائے پہلی بار مجھ سے جسمانی وجود کے ساتھ ہم آغوش ہوئی تھی لیکن جب تک ہم دونوں شیطان کے مقاصد کے لئے کام کرتے رہے وہ ہماری آویزش سے صرف نظر کرتا رہا مگر جس آن طوسیہ نے اس سے انحراف کیا' وہ اس کے لئے سراپا قہر بن گیا۔ میری محبت' میری زندگی میرے لئے شجر ممنوعہ قرار دے دی گئی۔

"میں شیطان کو چھوڑ دوں تو کہاں پناہ لوں!" جذبات کی اس یلغار سے مغلوب ہو کر میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"شکر ہے۔ تیری آواز کی رقت میں ہدایت کی روشنی نمایاں ہے!" جابر گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "تو شیطان سے ترک تعلق کر لے' بس یہی تیری پناہ ہے۔ شیطان کا خود کوئی وجود نہیں۔ وہ بدی اور گناہ کا سب سے بڑا پیغامبر ہے جس دن تو ان دو چیزوں سے کنارہ کر کے نیکی کی راہ اپنا لے گا' تیرے لئے پناہ ہی پناہ ہے۔ تیرا آبائی مذہب تیرے لئے سب سے بڑی پناہ ہے۔ تو نے اتنی مدت بدی سے شناسائی کر کے بھی دیکھ لیا' اب ذرا سچائی کے اس مذہب کی لذت بھی چکھ لے' تو بھول جائے گا' خادم تو سب کچھ بھول جائے گا۔" جابر نے آخری فقرہ پرجوش لہجے میں کہا۔

میرے کان ان الفاظ سے ناآشنا تھے۔ میں نے ہوش تقریباً جبرین کے قزاقوں ہی میں سنبھالا۔ وہاں نیکی اور بدی کی قدریں مفقود تھیں۔ بس قوت اور اختیار ہی ہر چیز کا منبع تھا۔ وہ

آتش کدے کے پراسرار ماحول میں سلگتی ہوئی چنگاریوں کی پرستش کرتے تھے کہ حرارت ہی سے زندگی ملتی تھی' اس کی وکھ سے بے آب و گیاہ صحرا کے سینے پر ہرے بھرے نخلستان ابھرتے تھے اور ان کے عقائد کے مطابق یہی آگ مامتا بنکر ماؤں کی کوکھ میں حقیر کو تخموں کو زمین روندنے کے لئے تیار کرتی تھی۔

وہاں نہ مذہب کے بارے میں نہ مسلک کے بارے میں کوئی تضاد تھا۔ ہوش سنبھالنے تک تو اس صحرا نشین اور گمنام قبیلے میں میری رائے یہی تھی کہ پوری دنیا میں صرف جلتی آگ پوجی جاتی ہے اور طاقت انسانوں کے مقدر کا سب سے بڑا فیصلہ ہے جس سے کوئی گریز ممکن نہیں۔

پھر شیطان ملا۔ وہ کون تھا' کہاں سے آیا' کیوں آیا' اسے کیوں پراسرار قوتیں حاصل ہیں' یہ سب سوچنے کی مجھے مہلت ہی نہ مل سکی اور اس نے مجھے زیر کر لیا۔ پھر میرے ذہن نے اسے اپنا آقا تسلیم کر لیا کیونکہ وہ مجھ پر اپنی برتری ثابت کر چکا تھا۔ وہ طاقت اور صلاحیت کے اعتبار سے مجھ سے برتر تھا اور اسی برتری نے مجھے اس کے آگے سرنگوں کر دیا۔ اس کی ہدایت پر میں ہندوستان آیا تو میرے ذہن میں اپنے وطن کی دھندلائی ہوئی سی یادیں موجود تھیں لیکن میں وہاں شیطان سے آشنی پا آیا تھا' میرے رگ و ریشے میں شیطان پرستی رچی ہوئی تھی۔ اس لئے میں ہندوؤں' بدھوں' سکھوں' عیسائیوں اور مسلمانوں سے واسطہ پڑنے کے باوجود کبھی نہ سوچ سکا کہ یہ مذاہب کیا ہیں' شیطان کون ہے' بدی کا پرستار کیوں ہے؟

مگر اب اندھے جابر کی پراعتماد شخصیت اور اس کے انداز نے میرے اندھے اعتقاد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اگر طاقت ہی پرستش کا معیار تھی تو جابر شیطان سے کم طاقتور نہ تھا۔ وہ بھی پراسرار قوتوں کا حامل تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ شیطان سراسر نفاق اور فتنہ تھا اور جابر محبت کا علم بردار تھا۔ میرے ذہن نے اس وقت پہلی بار بھرپور انداز میں نیکی اور بدی کا موازنہ کیا اور مجھے افسوس ہوا کہ میں نے شیطان کی شہ پر کئی بار بڑے پیمانے پر قتل و خونریزی کے بازار گرم کئے۔ مرنے والے بھی میری ہی طرح انسان تھے اور ایک انسان کی بالادستی کا انتقام بھری پری بستیوں سے لینا میری محدود عقل سے بھی باہر تھا۔

میں نے سوچا کہ جو منفی قوتیں شیطان کی غلامی کے سبب میری جھولی میں جابر سے

سمجھوتے کے بعد ان ہی جیسی قوتیں نیکی کے روپ میں مجھے مل سکتی ہیں، رہا اختیار تو شیطان سے سودا مجھے بڑا مہنگا پڑا تھا۔ مجھے طوسیہ سے ملنے پر بھی اختیار نہیں تھا جبکہ جابر کئی بار کہہ چکا تھا کہ شیطان سے عہد توڑنے کے بعد طوسیہ ہمیشہ کے لئے میری ہو گی۔

طوسیہ کو اپنانے کا تصور ذہن میں ابھرتے ہی سرور کی ایک لہر میرے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ طوسیہ کے بارے میں پختہ یقین دہانی کے بعد میں اگر جابر کی غلامی قبول کر لوں تو یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔

"تم میرے آبائی مذہب کی بات کرتے ہو۔" میں نے جابر کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"مگر میں اس مذہب سے لاعلم ہوں۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا، مجھے یہی معلوم ہے کہ اس زمین پر آگ پوجی جاتی ہے، اور طاقت کو ہر چیز پر بالا دستی حاصل ہے، آگ کو میں نے کبھی سجدہ نہ کیا نہ کروں گا لیکن میرا آقا کہتا ہے کہ وہ آگ ہی سے پیدا کیا گیا اور میں مٹی کی پیداوار ہوں اسی لئے وہ مجھ سے افضل ہے۔ میری طوسیہ کا مذہب بت پرستی تھا۔ وہ ٹھنڈے اور بے جان پتھروں کی پجارن تھی اس لئے بھڑکتی آگ کے پجاری صدیوں سے اس پر غالب رہے رہی طاقت تو تم بھی شیطان سے کمزور نہیں ہو، میں تمہاری غلامی اختیار کرنے کو تیار ہوں۔ مگر اس شرط پر کہ طوسیہ میری ہو گی اور میری رہے گی۔"

میری بات سن کر جابر فوراً کچھ نہ بولا۔ تاروں کی چھاؤں میں اس کے کرخت چہرے پر چھائے ہوئے تناؤ سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا ہو۔ چند ثانیوں بعد وہ بولا تو اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش نمایاں تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت دور کسی گہرے کنوئیں سے بول رہا ہو۔ "طوسیہ بلاشبہ تیری ہو گی مگر میں تجھے اپنا غلام نہیں بنانا چاہتا، تجھے کسی اور کی غلامی کرنی ہو گی، کسی اور کو سجدہ کرنا ہو گا۔"

"میں مدتوں سے بے گھر اور بے وطن مارا مارا پھر رہا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"میں نے اتنی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ اپنے سے طاقتور کسی بھی ذات کو سجدہ کرنے کو تیار ہوں۔" میرا خیال تھا کہ اس پیشکش پر جابر کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھے گا مگر وہاں تو میرے الفاظ پر مایوسی کی ایک گھٹا سی امڈ آئی۔

"کاش۔ کاش میری آنکھیں ہوتیں۔" اس نے پوری قوت سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔ "میری اندھی آنکھیں بے نور ہیں بیٹے.... اگر یہ روشن ہوتیں تو ان کی چمک تجھے

سب کچھ سمجھا دیتی، تو جان لیتا کہ میں تجھے جس ذات کی غلامی میں دینا چاہتا ہوں وہ تجھ سے نہیں، سب سے برتر ہے، سب سے طاقتور ہے، اسی نے تیرے موجودہ آقا کو آسمانوں سے زمین پر پھینکا ہے اور قیامت کے لئے گمراہی کا طوق اس کے گلے کی زینت بنا دیا ہے۔"

جابر کی دبی دبی سی آواز میں ایسا جوش اور ولولہ پنہاں تھا کہ میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس کی باتیں میرے لئے ناقابل فہم تھیں۔ نہ جانے وہ سیدھے سادے لفظوں میں کیا کہنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس سے بحث کرنے کے بجائے خاموشی ہی سادھ لی۔

پھر ہم دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ نہ جانے وہ مجھے کہاں لئے جا رہا تھا۔ ایک جگہ اچانک اسے سخت ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ اگر وہ میرا ہاتھ نہ تھامے ہوتا تو منہ کے بل ابھرے ہوئے پتھروں پر جا گرتا۔ اس کے حلق سے ہلکی سی کراہٹ نکلی اور وہ سیدھا ہو کر رک گیا۔

"چلو میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ کدھر جانا ہے!" میں نے کہا۔

"نہ جانے باتوں ہی باتوں میں، میں کہاں نکل آیا ہوں۔" وہ شاید میری بات سنے بغیر پرخیال انداز میں بڑبڑایا۔ "صبح طلوع ہونے والی ہے اور کام بہت باقی ہے۔"

"تم کو جانا کہاں ہے؟" میں نے ہمت کر کے پوچھ ہی ڈالا۔

"کہاں جاؤں گا۔ گھر جانا تھا۔" وہ بے دلی کے ساتھ بولا۔ "بے نور آنکھیں کبھی کبھی بڑا دکھ دیتی ہیں۔ خیر دکھ نہ دیں تو بینائی کا احساس کیسے ہو۔"

"گھر!" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم تو راستہ بھٹک کر کافی دور آ نکلے ہو۔"

"مجھے صرف اتنا بتا دے کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ پھر میں خود گھر پہنچ جاؤں گا۔"

"علاقے کا نام تو مجھے نہیں معلوم۔ ہاں تمہارے گھر کا راستہ مجھے معلوم ہے۔"

"بک بک نہ کر!" وہ جھلا گیا۔ "میں مختصر ترین راستے سے گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔ نام نہیں معلوم تو مکانوں کی ساخت وغیرہ بتا دے۔"

میں جلدی جلدی اس جگہ کا محل وقوع بتانے لگا۔ اندھے جابر نے درمیان میں چند سوالات کئے۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر تیزی سے واپس چل دیا۔ تنگ و تاریک اور پیچ در پیچ گلیوں سے گزرتا وہ میری توقع سے کہیں جلد اپنے مکان پر جا پہنچا۔ مانوس راستوں پر قدم

پڑتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔

مکان کا داخلی دروازہ میری اور جاجوز کی واپسی کے بعد سے بدستور کھلا ہوا تھا۔ مکان میں روشنی بھی جوں کی توں موجود تھی۔ پہلے جابر دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے میں نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے میری کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر زور سے جھٹکا مارا اور میرا ہاتھ جابر کی گرفت سے نکل گیا۔ میرے حلق سے دہشت زدہ سی چیخ آزاد ہوئی اور میں گلی کے وسط میں آ گرا۔

میں ہڑبڑا کر زمین سے اٹھا تو کریہہ صورت شیطان خوفناک تیوروں کے ساتھ میرے سر پر مسلط تھا۔ میرا ہاتھ چھٹتے ہی جابر بھی بوکھلا کر مکان سے باہر آیا تھا۔ پھر شاید اس کی چھٹی حس نے اسے صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ باہر آتے ہی جابر نے اپنی بے نور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور پھر سر جھکا لیا جیسے صبح کا اجالا اتنی جلد نمودار ہو جانے پر کسی نادیدہ قوت سے شکایت کر رہا ہو۔

"میں اب آزاد ہوں جابر۔" شیطان نے اپنی سرد اور کرخت آواز میں کہا۔ "اور تو اتنی آسانی کے ساتھ میرے غلام کو نہیں چھین سکتا۔ اس کا خون سے تصدیق کیا ہوا مقدس عہد نامہ میرے پاس محفوظ ہے۔ اور اگر تو نے اسے چھیننے میں میرے ساتھ زبردستی کی تو میں ابھی اسے ہلاک کر دوں گا۔"

جابر نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹ ڈالا۔ اور سر جھکا کر شکست خوردہ انداز میں اپنے مکان میں جا گھسا۔ میں سہمے ہوئے انداز میں زمین سے اٹھ گیا۔

"جبلی! تو نے آج ثابت کر دیا کہ میں نے تجھ پر جو اعتماد کیا تو اس کا ہرگز اہل نہیں تھا۔" شیطان نے سینے کو چھید ڈالنے والی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ جابر کی زبان میں بلا کا زور ہے آقا اور۔۔۔ اور اس کی باتیں تیرے آ جانے کے بعد بھی میرے دل میں چبھ رہی ہیں!" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"سب بکواس ہے۔" شیطان غرایا۔ "جاجوز سچ کہتا ہے۔ خاک کے پتلے کبھی آتشی مخلوق کی ہمسری نہیں کر سکتے۔"

"تیری بے بسی کے بعد میں خود کو بے سہارا محسوس کر رہا تھا آقا۔" میں نے خوشامدانہ

لہجے میں کہا۔ "جابر تو مجھے مار ڈالنے پر تلا ہوا تھا۔"

"طوسیہ میری مرضی سے معتوب کی گئی تھی' اس کے بدن کو میری ہدایت پر جاجوز نے صندلی کلیسا میں قید کیا ہوا تھا لیکن تو نے اپنی جان کے خوف سے اسے میری مرضی کے خلاف عمل کرنے کا حکم دیا۔ تیری جگہ جاجوز ہوتا تو مر جاتا مگر وہ نہ کرتا جو تو نے کیا۔ تیرے حکم سے وہ وہاں چلا ضرور گیا۔ مگر وہ بہت زیرک ہے۔ جانتا ہے اس نے کیا کیا؟"

میں اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا اور چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے زبان کھول ہی دی۔ "اس نے طوسیہ کے بدن کو جابر کی دست برد سے بچانے کے لئے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے اور وہ تمام ٹکڑے دور دراز دریاؤں کی روانی میں بہا دیئے۔ اب میں ہی ان ٹکڑوں کو یکجا کر سکتا ہوں ورنہ طوسیہ مر چکی ہے۔"

"طوسیہ مر گئی!" میں صدمے اور حیرت کے ساتھ کراہا۔

"ہاں تیرے لئے وہ مر چکی ہے اور اب تو میری سزا کے لئے تیار ہو جا۔" شیطان نے بے رحمانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"سزا۔" میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ "نہیں آقا' مجھے سزا نہ دے' میں اپنے عمل سے اپنے ماضی کی تلافی کر دوں گا' آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔"

"نہیں!" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "سمندر کے سینے پر ابھرا ہوا ایک ویران اور بے آب و گیاہ جزیرہ تیرا منتظر ہے۔ میں تجھے وہاں بھوک اور پیاس سے سسکا سسکا کر ماروں گا۔"

میں بہت گڑگڑایا۔ مگر شیطان کا فیصلہ تبدیل نہ ہو سکا۔ پھر اس نے اسی جگہ سے میری کنپٹی پر ٹھوکر ماری۔ وہ زمین پر کھڑے کھڑے فضا میں اچھل کر ناچتا ہوا اوپر معلق ہوا تھا اور اس سے پہلے کہ میں اس کے ارادوں سے آگاہ ہو سکوں اس نے میری کھوپڑی پر بھرپور ٹھوکر ماری اور میں تیورا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

میں کب تک بے ہوش رہا' مجھے یاد نہیں۔ جب دوبارہ ہوش آیا تو میں نے سمندر کی لہروں کا غضب ناک شور سنا۔ سورج میرے سر پر چمک رہا تھا اور میں ایک خوفناک جزیرے کے ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کے اتھلے پانی میں پڑا ہوا تھا میں کئی ثانیوں تک اپنی قوتیں مجتمع کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر میں کہنیوں کے سہارے اٹھا اور بے اختیار مجھے غش

آ گیا۔

وہ واقعی سپاٹ اور بنجر جزیرہ تھا۔ سمندر کی سطح پر ابھرے ہوئے کسی خشک پھوڑے کی طرح اس کا رقبہ بہت مختصر تھا۔ وہ ایک بگڑے ہوئے بھورے رنگ کے دائرے کی صورت میں پھیلا ہوا تھا اور اس کا تمام ساحل مجھے بخوبی نظر آ رہا تھا۔ کھاری نیلگوں پانی یا بھوری پتھریلی زمین۔ یہ میرے لئے شیطانی عذاب تھا اور میں اسے جھیلنے کے لئے اپنے مقدر کے ہاتھوں وہاں پھینک دیا گیا تھا۔ میں نے کئی بار پلکیں جھپکا کر اپنے اطراف میں نظریں دوڑائیں لیکن وہ کوئی سراب نہیں تھا۔ میں بیرونی دنیا سے اپنا ہر رابطہ منقطع کر چکا تھا۔ میرے چاروں طرف سمندر کی چنگھاڑتی ہوئی طوفانی لہریں تھیں یا پھر وہ جزیرہ جہاں نہ سبزہ تھا نہ آبادی۔

خوف سے میرا حلق خشک ہونے لگا اور بے اختیار میرے قدم آگے بڑھنے لگے، مجھے اس وقت شدت سے ٹھنڈے پانی کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس جزیرے پر مجھے انگلیاں بھگونے کو بھی میٹھا پانی نہ مل سکے گا۔ مگر تلاش کے بغیر مایوسی شاید انسانی فطرت کے خلاف ہے، میرے قدم آگے بڑھتے ہی رہے۔

وہاں ہر طرف وہی بھوری بے آب و گیاہ ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ چلتے چلتے میرے قدم جواب دینے لگے، سورج کی تمازت سے میری پیاس ناقابل برداشت ہونے لگی تھی۔

میں نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر اس سمندری پھوڑے کے چاروں طرف جھاگ اڑاتے سمندر پر نگاہیں دوڑائیں اور سب سے قریبی ساحل کی طرف گھسٹنے لگا تاکہ پانی نہ سہی تو ساحلی ہواؤں میں رچی ہوئی نمناک بو سے ہی اپنے دل کو بہلاؤں راستے میں جا بجا خشک اور خار دار جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں جن میں سبزی نام کو نہ تھی ان خود رو جنگلی جھاڑیوں کا رنگ بھی اس جزیرے کی زمین اور چٹانوں سے مختلف نہ تھا۔

آخر کار میں ساحل پر اتھلے پانی میں ابھری ہوئی ایک پتھریلی چٹان پر آ بیٹھا اور اپنے پاؤں پانی میں ڈال دیئے۔ میں کرب اور خالی الذہنی کے عالم میں نہ جانے کب تک یونہی بیٹھا رہا۔ پھر میرے ذہن میں اندھے جابر کی پرجوش اور سنسنی خیز باتیں سر ابھارنے لگیں۔

وہ نہ آگ کا پجاری تھا نہ شیطان کا ہمنوا۔ وہ خود شیطان سے بہت زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن شیطان کے برخلاف وہ اپنی پرستش نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اسے خود پیش کش کی تھی

کہ وہ مجھے اپنا غلام بنا لے، لیکن وہ مجھے کسی اور کا غلام بنانا چاہتا تھا، کسی اور کو سجدہ کرانا چاہتا تھا جو مجھ سے، شیطان سے، جابر سے سب سے برتر تھا اور جس نے شیطان کو آسمان سے زمین پر پھینک کر قیامت تک کے لئے اس کے گلے میں گمراہی کا طوق ڈال دیا تھا۔

نہ جانے کیسا تھا جابر کا رب، جو نہ پتھر تھا، نہ آگ، نہ شیطان تھا، نہ جابر۔۔۔ مگر وہ تھا ضرور۔

میں جوں جوں اس بارے میں سوچ رہا تھا، میرے دل میں ہول سے اٹھ رہے تھے اور دل پر رقت طاری ہوئی جا رہی تھی۔ اس وقت رہ رہ کر میرا دل تڑپ رہا تھا کہ کاش جابر اس وقت میرے پاس ہوتا تو میں اسی وقت اس کے خدا کی اطاعت کر لیتا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ میرا خون سے تصدیق کیا ہوا میثاق مقدس جب تک شیطان کے قبضے میں ہے میری نجات ممکن نہیں۔ میں نے خود کو اس بری طرح کریہہ صورت ابلیس کے چنگل میں پھنسا دیا تھا کہ اب اس کی غلامی میرے گلے کی ہڈی بن کر رہ گئی تھی۔

"اے رب کائنات!" اچانک میرے دل کی گہرائیوں سے کانپتی ہوئی آواز ابھری۔ "اے جابر کے معبود! اگر تو ہے اور ویسا ہی ہے جیسا جابر کہتا ہے تو مجھ پر کرم کر دے۔ اے پروردگار مجھے گمراہی کے اس بحر ظلمات سے نکال لے۔ میری پیشانی تیرے سجدوں کو تڑپ رہی ہے مگر..... مگر تو کہاں ہے! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ تجھے کیسے سجدہ کروں؟ آہ اس ویران اور بے نور جزیرے پر کون میری رہنمائی کر سکتا ہے! میں بھوکا ہوں، پیاسا ہوں، میرا بدن زخموں سے چور چور ہے، میں مرنے کے قریب ہوں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ موت کے بعد کیا ہو گا، مجھ پر کیا گزرے گی مگر میں اپنے مرنے سے پہلے تمام مظالم۔ تمام گناہوں، تمام برائیوں سے سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔"

میں بے خودی اور خود فراموشی کے عالم میں نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ نکلی تھیں اور ان کے اوٹ سے ہر چیز لرزاں نظر آ رہی تھی۔ معاً میری نگاہ سمندر کی موجوں پر ابھرتے ڈوبتے ایک انسانی سر پر پڑی جو بہتا ہوا شاید جزیرے ہی کی طرف آ رہا تھا۔

میں بے چین اور پرامید ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس باہمت انسان کو تلاش کرنے لگا جو سمندر کی غضب ناک موجوں سے لڑتا اس طرف آ رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں میری غلط فہمی دور ہو گئی۔ وہ کوئی انسانی سر نہیں بلکہ ایک مٹکا تھا جو لہروں پر سواری کرتا' بل کھاتا ساحل کی طرف رواں دواں تھا۔ میرے دل میں یک بیک امید کی کرن جاگ اٹھی۔ بھوک اور پیاس کا احساس شدید ہو گیا اور میں دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ یہ مٹکا خالی نہ ہو ابھی وہ مٹکا ساحل سے دور ہی تھا کہ میں لہروں کے رخ کا اندازہ کر کے مٹکے کو پتھریلے ساحل سے دور ہی روک لینے کے لئے مناسب جگہ پر جا پہنچا۔

میں منتظر رہا۔ وہ مٹکا کشاں کشاں میری طرف آتا رہا۔ پھر وہ آخری لہر پر سوار ہو کر تیزی سے ساحل کی طرف آیا۔ میں آگے کو لپکا اور اس سے قبل کہ اچھلے پانی میں آ کر پتھروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتا' میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

پہلی نظر ڈالتے ہی میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ اس میں دو ناریل لڑھکتے نظر آ رہے تھے۔ ساتھ ہی گندمی روٹی کی بھینی بھینی اشتہا انگیز خوشبو بھی پھوٹ رہی تھی میں وہ مٹکا سینے سے چمٹائے پاگلوں کی طرح ویران ساحل پر آ گیا اور دونوں ناریل باہر نکال لئے' اس وقت میرے لئے پیاس کی برداشت محال ہو رہی تھی۔ میں نے ایک پتھر تلاش کر کے پھرتی مگر احتیاط کے ساتھ ایک ناریل میں سوراخ کیا اور اس کا ٹھنڈا ٹھنڈا' مٹھاس بھرا پانی دو تین ہی سانسوں میں پی گیا۔

اس وقت میری تقویت اور مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ پانی کے دو قطروں کے سامنے پوری خدائی ہیچ تھی۔

ذرا اوسان بحال ہوئے تو مٹکے کا جائزہ لیا۔ اس میں ناریل ہی کے پتوں میں لپٹی ہوئی بیسن کی دو روغنی روٹیاں بھی موجود تھیں جن کی تازگی سے پتہ چل رہا تھا کہ انہیں تیار کئے چند پہر سے زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔ دونوں روٹیوں کے درمیان چٹنی بھی موجود تھی۔

اس وقت بیسن کی روغنی روٹیاں اور ناریل کے دانے میرے لئے من و سلویٰ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ میں نے سیر ہو کر وہ روٹیاں کھائیں۔ بغیر پانی والا ناریل توڑا اور اس کا گودا کھا کر باقی حصہ اور دوسرا سالم ناریل احتیاط سے اسی مٹکے میں رکھ دیا۔

میری عقل اس معجزے پر سخت حیران تھی۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کھلے سمندر میں وہ گھڑا کہاں سے آیا۔ آخر وہ کون خدا ترس شخص تھا جو اس طرح روٹیاں اور ناریل مٹکے میں ڈال کر سمندر میں بھیج دیتا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ ڈھلتا رہا' پھر پرہول رات کی ویرانیاں اس جزیرے پر اُمڈ آئیں۔ خوف اور دہشت سے میں ساری رات جاگتا ہی رہا۔ دوسرا دن آیا پھر تیسرا دن طلوع ہو گیا۔ اس دوران میں میری کل رسد ناریل اور اس کا پانی تھا میں نے ایک ایک گھونٹ کر کے وہ پانی استعمال کیا۔ مگر کب تک؟ ایک مرحلہ آیا کہ وہ بھی جواب دے گیا۔ ناریلوں کا گودا سات وقت میری بھوک مٹانے کے بعد تیسرے روز ختم ہو گیا اور اب میں اس جزیرے پر بھوک اور پیاس کا عذاب جھیلنے کے لئے ایک بار پھر بے سہارا رہ گیا تھا۔ ان دنوں میں سارا سارا وقت کھلے سمندر میں دیکھتا رہتا۔ یہاں تک کہ میری آنکھیں پتھرا جاتیں مگر اس جیسا کوئی مٹکا مجھے دوبارہ نظر نہ آیا۔

تیسری رات میرے اعصاب شکستہ تھے۔ سمندری ہواؤں نے جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اندھیرا پھیلنے پر میں ایک مسطح پتھر پر جا لیٹا اور میری آنکھ لگ گئی۔

میری بیداری کا سبب وہ ہولناک سی گونج تھی یا رخساروں پر برسنے والے تھپڑ۔ یہ مجھے معلوم نہیں۔ ہاں ہوش آیا تو خود کو چوٹی اور گنجے سروں والے موٹے موٹے نیم برہنہ پنڈتوں کے درمیان موجود پایا۔ وہ سخت بے قراری کے عالم میں مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے اور کسی قریبی جگہ سے بہت سے لوگوں کو مدھم آواز میں گانے کا ہم آہنگ سا شور گونج رہا تھا۔ جس سے عبادت کا رنگ نمایاں تھا۔

"تیرا نام؟" مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر ایک پنڈت جس کی پیشانی پر سیندور ملا ہوا تھا' دانت پیس کر بولا۔

"جبلی!" میں نے سہم کر کہا۔

"ذات؟"

میں بوکھلا گیا۔ یہ سوال میرے لئے عجیب سا تھا۔ ساتھ ہی میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اب کس جنجال میں آ پھنسا۔ میں تو اس ویران جزیرے پر سویا ہوا تھا۔ آخر اب یہاں کیسے آ پہنچا۔

"تیری ذات؟" وہ پنڈت میرے بازو میں چٹکی لے کر غصے میں بولا۔

"برہمن۔" غیر ارادی طور پر میرے منہ سے نکل گیا' کیونکہ اس وقت تک میں ذات کی صرف ایک ہی قسم سے واقف تھا۔

کئی پنڈتوں کے منہ سے میرے جواب پر مایوسانہ آوازیں نکلیں۔ اسی وقت کمرے میں افراتفری سی پھیل گئی لوگوں کی باتوں سے پتہ چلا کہ مندر کا مہا پجاری آ پہنچا ہے۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" وہ میرے قریب آتے ہوئے بولا۔

"مہاراج غضب ہو گیا۔" ایک پنڈت رو دینے والی آواز میں بولا۔

"کیا ہوا؟"

"یہ مندر کی دیوار تلے پڑا سو رہا تھا۔ ہم اسے اندر اٹھوا لائے کہ آج کی پوجا پر اجنبی کی بھینٹ دیں گے پر یہ بے ہوش تھا۔ اب پوجا پاٹھ شروع ہو چکی ہے اور یہ کہتا ہے کہ برہمن ہوں۔

"انیائے۔ انیائے!" مہا پجاری دونوں کان چھو کر بولا۔ "اسے فوراً باہر پھنکوا دو۔ برہمن کی بھینٹ الٹی ہو جاتی ہے۔"

"مہاراج اندر سارا انتظام مکمل ہے۔ پجاریوں میں اس بات کا بڑا جوش ہے کہ آج بھینٹ دی جانے والی ہے۔" ایک پجاری دبی دبی آواز میں بولا۔

معاً میری نگاہ چھت پر گئی اور میرا رواں رواں کانپ اٹھا' چھت پر ابھری ہوئی ہنومان کی مورتی سے شیطان لپٹا ہوا تھا۔ غصے اور نفرت سے اس کا چہرہ دہک رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔ البتہ میرا دل اب بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا اور میں سمجھ چکا تھا کہ اس نابکار نے میرا قصہ نمٹانے کے لئے ہی کسی طرح اس مندر میں پہنچوایا ہے اور اب میرے فی البدیہہ جھوٹ پر کام بگڑ جانے سے سخت طیش کے عالم میں آیا ہوا ہے۔

"بھینٹ ضرور دی جائے گی۔" مہا پجاری رازدارانہ لہجے میں پنڈتوں سے بولا۔ "پرسوں بدری ناتھ جو مسلمان کنیا اٹھا کر لایا تھا' آج اس کی بھینٹ ہو گی ہم اپنا کوئی اور بندوبست کر لیں گے۔"

پھر وہ سب مجھے کسی خارش زدہ کتے کی طرح ہانکتے ہوئے مندر سے باہر لائے اور دھمکیاں دے کر رات کے ہولناک سناٹے میں کافی دور چھوڑ دیا۔ مجھے توقع تو یہ تھی کہ شیطان مجھے تنہا پاتے ہی میرے پاس آئے گا لیکن وہ نہ آیا۔

میں کچھ دیر تک اس ویرانے میں یکہ و تنہا کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ ایک طرف چل

دیا۔ کچھ دیر بعد میں ایک عسرت زدہ خوابیدہ بستی میں جا پہنچا جہاں بہت سے مکین گرمی اور جگہ کی تنگی کے باعث اپنی ٹوٹی پھوٹی چارپائیاں جھونپڑیوں سے باہر ڈالے بے خبر سو رہے تھے۔

میں سر جھکائے گندی گلیوں اور تنگ راستوں سے گزر رہا تھا کہ اچانک کسی طرف سے ایک خوبصورت اور جوان لڑکی میرے سامنے نکل آئی۔ میں نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا' "تم کون ہو؟"

"ایک لڑکی!" وہ بے باکانہ لہجے میں بولی۔ "جو رات کی گناہ پرور تاریکی میں کھلی دعوت کے ساتھ تمہارے سامنے آئی ہے۔"

میں اس صورت حال پر پراگندہ ذہنی کا شکار ہو گیا۔ ذرا ہی دیر قبل میں عتاب اور مصائب میں مبتلا تھا اب ایک خوبصورت لڑکی میری ظاہری مفلسی اور خستہ حالی کے باوجود خود کو میرے سامنے پیش کر رہی ہے۔

"اور یہ مفت کی دعوت نہیں ہے۔" لڑکی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "میری قیمت چاندی کے سکے ہیں۔"

"مگر میں بالکل قلاش ہوں۔" میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ شان بے نیازی سے بولی۔ "میں اکیلی ہوں اس لئے چوری چھپے گاہک تلاش کر رہی ہوں۔ اب تم میرا ساتھ دو۔ آج کی رات کے لئے کوئی موٹی آسامی مل گئی تو رات کے باقی لمحے تمہارے ہوں گے۔"

"بھلا میں تمہارا ساتھ کیسے دے سکتاہوں۔"

"بہت آسانی سے۔ پولیس مل جائے تو تم میرے پتی' گاہک ملے تو میرے محافظ!" اتنا کہہ کر اس نے میرا جواب سنے بغیر ہاتھ تھاما اور ساتھ لے کر ایک طرف چل دی۔ وہ جس طرح تیز تیز قدموں سے اور سیدھا راستہ چھوڑ کر ایک مخصوص راستے پر بڑھ رہی تھی اس کی وجہ سے میرے ذہن پر چھاتا ہوا آوارگی کا خمار ماند پڑنے لگا۔

ایک جگہ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں اس سے پوچھ ہی بیٹھا۔ "تمہیں کہاں پہنچنے کی جلدی ہے؟"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر اچانک میرے سینے سے آ لگی اور اپنے گرم گرم یاقوتی ہونٹ میرے رخساروں پر رکھ دیئے میں نے بھی بے چین ہو کر اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ معاً آس پاس سے کسی گشتی سپاہی کی سیٹی کی آواز ابھری اور وہ مچھلی کی طرح پھسل کر مری بانہوں سے نکل گئی۔

ہم دونوں اس جگہ سے ذرا ہی دور گئے ہوں گے کہ سامنے سے کوئی دراز قامت ہیولیٰ اپنی لاٹھی سے پختہ سڑک پر کھٹ کھٹ کی آواز پیدا کرتا تیزی کے ساتھ اپنی طرف آتا نظر آیا۔ لڑکی نے ایک ثانئے کے لئے گھبرائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا' پھر مجھ سے ہاتھ چھڑایا اور وہیں کھڑے کھڑے ایکدم فضا میں تحلیل ہو گئی۔

میرے روئیں روئیں سے پسینے کی ٹھنڈی بوندیں بہہ نکلیں۔ پھر اس سے قبل کہ میں وہاں سے فرار ہوتا وہ ہیولا قریب آ پہنچا۔ اسے پہچانتے ہی میرا دل بلیوں اچھل پڑا! اور میں نے یوں محسوس کیا کہ جیسے میں اب ہر قسم کے مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ ہو چکا ہوں۔

آنے والا اندھا درویش جابر تھا۔

"خادم!" اس نے مجھ سے چند قدم دور ہی رک کر مجھے پکارا۔ "مبارک ہو کہ اب تو شیطان لعین کے چنگل سے ہمیشہ کے لئے نجات پا چکا ہے!"

"بابا۔" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور دوڑ کر اس کے قدموں میں گر گیا۔

"اٹھ جا' اٹھ جا۔ مجھے گناہ گار نہ کر۔" وہ میرا شانہ پکڑ کر مجھے اٹھاتے ہوئے بولا۔

"بابا--- بابا! میں کیسے آزاد ہوا؟ یہ لڑکی کون تھی؟"

"میں شیطان سے تیرا عہد نامہ چھین چکا ہوں۔" جابر ٹھہری ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اس نے تجھے ایک جزیرے پر بھوک اور پیاس سے سسکا سسکا کر مارنے کی کوشش کی تھی' لیکن خدا نے تجھ کو وہاں بھی رزق پہنچایا جہاں نہ سبزہ تھا نہ پانی۔ اور اب تجھ پر شیطان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے تجھے سزا دینے کے لئے اس نے تجھے بھینٹ چڑھوانے کی کوشش بھی کی تھی جو خدا کے فضل سے ناکام ہوئی اور اب میں آڑے نہ آتا تو اس کی بھیجی ہوئی یہ لڑکی تجھے اپنے شباب کے نشے میں مدہوش کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتی--- اب چل ساتھ تیرے دل میں روشنی کی کرن پھوٹ چکی ہے اور اب سچائی کا راستہ تیرا منتظر

ہے۔"

"مگر... مگر طوسیہ کا کیا ہو گا بابا؟" اپنی محبوب کا خیال آتے ہی میں یک بیک مضطرب ہو گیا۔ "شیطان تو کہتا تھا کہ جاجوز نے اس کے بدن کے ٹکڑے تیز دریاؤں کے پانی میں بہا دیئے ہیں۔"

"اس کی روح آزاد ہے۔" جابر مجھے ساتھ لے کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "مگر جسم ابھی تک اسی صندلی کلیسا میں شیطان کا قیدی ہے۔ تجھے پریشان کرنے کے لئے اس نے جھوٹ بولا تھا۔ جب تک اس کی زندگی ہے نہ جاجوز اس کی بدن کے ٹکڑے کر سکتا ہے نہ شیطان اسے مار سکتا ہے۔"

"وہ رہا کیسے ہو گی' اس کے بغیر میں زندہ نہ رہ سکوں گا بابا!"

جابر کچھ نہ بولا۔ اس کی اندھی آنکھیں خلا میں کسی گمنام نقطے پر مرکوز تھیں۔ راستے میں ہی مجھے جابر کی زبانی اس غیبی مٹکے کی حقیقت کا علم ہوا جس میں تر و تازہ ناریل اور جیسنی روٹیاں سمندر میں بہتی مجھ تک پہنچی تھیں۔

بمبئی کے ایک ساحلی گاؤں میں ایک بوڑھی بیوہ رہتی تھی جس کا ایک ہی جوان بیٹا تھا اور وہ اپنی اکلوتی اولاد کو دیوانوں کی طرح چاہتی تھی۔ اس کا لڑکا پیشے کے اعتبار سے ماہی گیر تھا اور گاؤں سے جانے والی بادبانی کشتی پر کھلے سمندروں میں پہنچ کر مچھلیاں پکڑتا تھا۔ ایک روز اس کا لڑکا کھلے سمندر میں گیا اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ غضب ناک ہواؤں نے کشتی کے بادبانوں کے چیتھڑے اڑا دیئے' طوفانی لہروں نے کشتی کا ایک ایک تختہ الگ کر دیا اور سارے ماہی گیر جان بچانے کے لئے سمندر میں کود گئے۔ اگلے تین دنوں میں اس کشتی کے تیرہ میں سے صرف سات مچھیرے کھلے سمندر کی سرکش موجوں سے مقابلہ کرتے خستہ حالی کے عالم میں گاؤں لوٹے۔ آنیوالوں نے بوڑھی بیوہ کے لڑکے کو آخری بار ایک بڑے سے تختے سے لپٹے سمندر میں زندگی کی جدوجہد کرتے دیکھا تھا۔ پھر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اس خبر نے عورت کا دماغ الٹ دیا۔ وہ یقین کر ہی نہ سکی کہ اس کا گبرو جوان مر سکتا ہے اور اسی روز سے وہ ایک مٹکے میں اپنے بیٹے کا کھانا کھلے سمندروں میں روانہ کرتی ہے۔ اسے پورا پورا یقین ہے کہ اس کا بیٹا زندہ ہے اور کسی ویران جزیرے پر مدد کا منتظر ہے۔ جس دن کوئی جہاز اسے نظر آ گیا وہ سیدھا گاؤں آئے گا اور اس سے لپٹ جائے گا۔

اسی کا بھیجا ہوا ایک مٹکا جزیرے کے ساحل پر من و سلویٰ بن کر مجھ تک پہنچا تھا۔

"یہ قدرت کے نیارے کھیل ہیں بیٹے!" اندھا جابر پرجوش آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اس بڑھیا کو لوگ پاگل سمجھ کر اس کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔ وہ سارا دن بستی والوں سے مانگ مانگ کر دو مٹھی آٹا جمع کرتی ہے چند لقمے خود کھاتی ہے اور باقی اپنے بیٹے کو بھیج دیتی ہے جو نہ جانے کب کا مرکھپ چکا ہے۔ گاؤں والے سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح رزق ضائع کرتی ہے مگر وہ فرزانے کیا جانیں کہ قدرت دیوانے سے بھی بڑے بڑے کام لیتی ہے۔"

"اگر وہ مٹکا نہ پہنچتا تو میں بھوکا پیاسا ہی مرگیا ہوتا!" جابر کچھ نہ بولا اس نے زیر لب کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

اگلے روز جابر نے مجھے تمام جسمانی آلودگیوں سے نجات حاصل کر کے پاک ہونے کی ہدایت کی۔ میں نے اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے غسل وغیرہ کیا' لباس تبدیل کیا جس کے بعد وہ مجھے ساتھ لے کر اس کمرے میں پہنچا جہاں وہ چٹائی کے بستر پر سوتا تھا اور کچے فرش پر عبادت کرتا تھا۔

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا۔" جابر نے مجھے ہدایت کی۔ "جس نے شجر حجر' جاندار' بے جان سب کو پیدا کیا' جس نے ماؤں کی کوکھ میں گندے لوتھڑوں میں جان ڈالی پھر ایک جان میں دو جسموں کو پروان چڑھایا اور جب وہ کلبلاتے جسم دنیا میں آئے تو ان کی نگہبانی کی' ان کی ماؤں کی خشک چھاتیوں میں دودھ اتارا۔ کہ ان کو رزق ملے' پھر وہ چلنے اور سمجھنے کی عمر کو پہنچے تو ان کو عقل دی کہ وہ پہچانیں اپنے خالق کو اپنی ذات سے' اپنے اردگرد کی چیزوں سے' انہیں ہر ہر قدم پر پرنور سچائیوں کا جلوہ دکھایا تاکہ وہ اپنے معبود کی عظمت کو پہچانیں' اپنی پیشانیاں اس کے سامنے جھکا دیں' اپنی زبانوں سے اس کی حمد و ثنا کریں۔"

وہ رک رک کر کہتا گیا' میں دہراتا گیا۔ یہ کلمات ادا کرتے ہوئے میرے دل میں رہ رہ کر گدگدیاں سی پیدا ہو رہی تھیں۔ مجھے اپنا پیکر کسی پرندے کی طرح ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہو رہا تھا' ذہن پر بے نام سا سرور طاری ہوا جا رہا تھا! تھوڑی دیر میں مجھ پر رقت طاری ہونے لگی۔ میری آواز بھرا گئی' اور آنکھوں سے خود بخود آنسو بہہ نکلے۔ نہ جانے یہ عرفان کے آنسو تھے یا ندامت کے۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے!" جابر کے کہے ہوئے الفاظ میں نے پورے جذبے کے ساتھ دہرائے اور بے اختیار ذہن میں اپنے پرانے آقا' شیطان کی کریہہ مگر شکست خوردہ سی تصویر پھر گئی۔

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے۔" جابر کے دل کی گہرائیوں سے یہ کلمات آواز بن کر ابھرے اور میں نے اس کی تقلید کی۔ "پڑھ۔۔ نہیں ہے کوئی معبود۔۔!" جابر نے جوشیلی آواز میں کہا۔ میں خاموش رہا۔ ذہن میں الجھن سی ہونے لگی۔

"پڑھتا کیوں نہیں۔" جابر کا چہرہ غصے سے لال ہونے لگا۔

"غلط بات کیسے پڑھوں بابا۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کیا کفر بک رہا ہے!" وہ دہاڑا۔

"معبود تو ہے بابا۔ اتنی دیر سے تم خود اس کی ثنا کر رہے ہو' اس کی نشانیاں بتا رہے ہو..... اور اب کہتے ہو.....!"

جابر کے بے نور چہرے پر آسودہ اور مشفقانہ مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔ "تو ٹھیک کہتا ہے۔ اب پھر نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے!" اور یہ پڑھتے ہوئے میرا دل مطمئن تھا۔

جابر نے عجیب سے کرب اور اضطراب میں ڈوب کر مجھے آسمانی مذہب کی تلقین کی' مقدس کلمات پڑھائے اور یوں میں عمر کا بیشتر حصہ بے دینی میں گزارنے کے بعد ایک بار پھر اپنے آبائی مسلک میں شامل ہو گیا جس میں نہ بے جان پتھروں کی پرستش روا تھی' نہ آگ کو مقدس رتبہ حاصل تھا۔ بس ایک ان دیکھے مگر سب سے برتر اور موجود خدا کی عبادت لازم تھی جو واحد ہے اور احد ہے' ازل سے ہے اور لازوال ہے۔

میں نے اس وقت زندگی میں پہلی ذہنی سکون کی لذت محسوس کی اور میرے وجود پر ہر وقت سرور کی کیفیت طاری رہنے لگی اور اپنے مستقبل کی طرف سے بھی بے فکری سی ہو گئی جیسے میں اب محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکا ہوں۔

کئی دن گزر گئے۔ اپنی تمام تر آسودگی کے باوجود میرے ذہن سے طوبیہ کی یاد محو نہ ہو سکی۔ میں دن میں اس کے تصور میں کھویا رہتا۔ رات کو اس کا دلفریب پیکر اپنی حرارت

تمام رعنائیوں سمیت خوابوں میں نظر آتا۔ لیکن اس دوران میں جابر نے طوبیہ کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کی' یوں لگتا تھا جیسے وہ میری سرگزشت کے اس اہم ترین کردار کو یکسر فراموش کر چکا ہے۔ آخر ایک روز میں نے خود ہی بات چھیڑی' جب سے میں شیطان سے بدظن ہو کر اندھے جابر کے ساتھ ہوا تھا' میرے دل میں اس عبادت گزار بوڑھے کے لئے احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور اب میں اسے بابا کہنے لگا تھا۔ مجھے اس بات پر بھی یقین آ چکا تھا کہ وہ میرے مرحوم باپ کا بڑا بھائی ہے۔

"بابا۔۔ تم نے مجھ سے کوئی وعدہ کیا تھا!" میں نے کہا۔

"ہوں!" بوڑھا پرخیال انداز میں بولا۔ "وعدہ اب بھی برقرار ہے لیکن تو اسے بھول جا تو بہتر ہے!"

"نہیں۔۔ ایسا نہ کہو' یوں نہ کہو بابا۔" میں تڑپ اٹھا۔

"میں بلاوجہ ایسا نہیں کہتا۔" وہ رک کر بولا۔ "اس کی بھی کوئی وجہ ہے۔"

"آخر ایسی بھی کیا وجہ ہو سکتی ہے!"

"مشیت کے بعض اسرار ایسے ہوتے ہیں بیٹے جن کا اظہار درویشوں کے لئے ممنوع ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کفر اور بدگمانیاں پھیلنے کا امکان ہوتا ہے۔۔۔ لوگ درویشوں کو غیب داں سمجھنے لگتے ہیں اور خدا سے لو لگانے کی بجائے فقیروں کے آستانوں پر پیشانی رگڑتے رہتے ہیں۔"

"طوبیہ کے ساتھ ایسا کیا راز وابستہ ہے بابا.... تم نے خود ہی کہا تھا کہ وہ میری ہو جائے گی' وہ مجھے مل جائے گی!"

"کہتا تو اب بھی ہوں۔۔۔ مگر میری اندھی آنکھیں مستقبل میں کچھ دیکھ رہی ہیں۔ وہ بنت نیل ہے بیٹا۔۔ وہ آج بھی اپنے ہی عہد میں جی رہی ہے اس کے لئے تیرا ریاض رائیگاں جائے گا۔ وہ تجھے مل کر بھی تجھے نہ مل سکے گی' اسے ایک خواب سمجھ کر بھول جا۔"

جابر کی الجھی الجھی باتیں میری سمجھ میں نہ آ سکیں۔ "آج تم نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہو.... وہ مجھے مل کر بھی مجھے نہ مل سکے گی۔۔۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"میں اس کے بغیر سکھ کی زندگی نہ گزار سکوں گا بابا۔ مجھے اس کا سہارا چاہئے!" میں

خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

جابر نے مجھے لاکھ سمجھانا چاہا۔ مگر میں اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہ حقیقت تھی کہ طوبیہ کے بغیر میری زندگی اب بے کیف تھی۔ اس کوشش میں جابر کی حالت خاصی اشتباہ آمیز تھی۔ وہ رہ رہ کر یوں مضطرب ہو جاتا تھا۔ جیسے وہ کوئی خاص بات کہنی چاہتا ہو' لیکن نہ کہہ پا رہا ہو! اور جب اسے یقین ہو گیا کہ میرے لئے طوبیہ کو بھول جانا ناممکن ہے تو اس نے تھکے تھکے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"تو سنگتراش ہے نا!"

"ہاں بابا۔ یہ تو میرا آبائی پیشہ ہے۔"

"پیشہ ضرور ہے مگر تو پتھر کے بہروپ تراش بھی سکتا ہے یا صرف نام کا سنگتراش ہے؟"

"کاش تمہاری آنکھیں ہوتیں۔" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "پھر میں تمہارا بت تراشتا اور تم دیکھتے کہ میری انگلیوں میں کیا نزاکتیں خوابیدہ ہیں۔"

"سنگ تراشی منع ہے خادم۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔ "تیرا باپ نادان تھا۔ میں نے تو بچپن سے ہی چھینی ہتھوڑی کو ہاتھ نہ لگایا' پھر میری آنکھیں ضائع ہو گئیں اور یہ اچھا ہی ہوا۔ اس طرح میں کم از کم دیکھنے کے گناہ سے تو بچ گیا۔ بیٹا مسلمان بت تراش نہیں بت شکن ہوتا ہے۔"

"پھر تم کیوں پوچھ رہے تھے؟"

"تیری محبت کی خاطر۔ طوبیہ کے لئے۔"

"کہو کہو بابا۔ رک کیوں گئے؟" اور جابر نے مجھے کچھ ہدایات دیں۔

اگلے روز میں نے بازار سے اوزار خریدے' پتھر فراہم کیا اور مکان کے صحن میں اس پتھر کو تراشنا شروع کر دیا دو روز تو مجھ پر دھیما پن چھایا رہا۔ مشق نہ ہونے کے باعث میرے ہاتھ رک رک کر چل رہے تھے۔ اس دوران میں جابر اپنے کمرے سے باہر نہ آیا۔ کھانے وغیرہ کے لئے وہیں سے آواز دے کر مجھے بلا لیا کرتا تھا۔

تیسرے دن میرے وجود میں بجلی سرایت کر گئی۔ فضا میں سنگریزوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ میرے ہاتھ مشینی انداز میں چل پڑے اور پتھر موم ہو گیا۔ دوپہر میں جابر نے مجھے آوازیں دیں لیکن میرے کان شاید بہرے ہو چکے تھے میں نے سنی ان سنی کر کے اپنے کام

میں لگا رہا۔ جابر نے بھی باہر آکر میرے کام میں دخل اندازی نہیں کی۔

دن ڈھل گیا اور تیرگی کے سائے ہر سو دراز ہونے لگے لیکن میرے ہاتھ اسی طرح چلتے رہے۔ اس پتھر کا ایک ایک حصہ میرے ذہن میں بیٹھ چکا تھا۔ محض اندازے پر میرے ہاتھ چلتے رہے۔ اور شاید قدرت بھی میرے ساتھ تھی۔ تاریکی میں صنم تراشی کی یہ زحمت زیادہ دیر جاری نہ رہی۔ وسطی دنوں کا بھرپور چاند اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی نقرئی کرنوں سے صحن کو منور کرنے لگا۔

میں تین دن تک پاگلوں کی طرح اس پتھر کو تراشتا رہا۔ اب آہستہ آہستہ وہ طوبیہ کا بے جان روپ دھارتا جا رہا تھا۔ اس دوران میں نہ جابر میرے پاس آیا نہ میں اس کے کمرے میں گیا۔ شاید اسے احساس ہو چکا تھا کہ اب میں اپنے کام میں ڈوب چکا ہوں۔

ساتویں دن دھیمی دھیمی آخری ضربوں کی گونج ابھری اور میرے ورم زدہ ہاتھوں سے ہتھوڑی چھوٹ گئی۔ میں نے گرم چھینی کو چوم کر مجسمے کے قدموں میں ڈال دیا اور کسی مدہوش شرابی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا چند قدم پیچھے ہٹ آیا۔

پتھر کی اس مرمریں چٹان کی جگہ اب میری طوبیہ کھڑی ہوئی تھی۔ دراز قامت، ریشمیں زلفیں، شاہانہ تاج، دمکتی ہوئی کشادہ پیشانی، ادھ کھلی غزالی آنکھیں، گھنیری پلکیں، ستواں سی ناک، پتلے پتلے یاقوتی ہونٹ جن پر ابدی مسکراہٹ ثبت تھی، گداز بدن، ڈھیلا لبادہ اور فضا میں میری طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ، میں بے اختیار خود بخود مسکرا اٹھا۔

"طوبیہ...طوبیہ!" میں نے اپنی پراسرار سی سرگوشی کسی گہرے کنویں سے ابھرتی محسوس کی! وہ بت اپنی جگہ کھڑا رہا۔ خاموش اور اٹل، ہونٹوں پر لازوال مسکراہٹ لئے، پلکیں جھپکائے بغیر، قدموں کو جنبش دیئے بغیر۔

"طوبیہ۔۔۔ میں تھک گیا ہوں۔" میں وفور شوق سے ہانپتے ہوئے بولا اور اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا دیئے۔ "طوبیہ۔۔۔ میری آغوش میں آ جا.... دیکھ میں کب سے تیرے انتظار کے کرب میں مبتلا ہوں۔ آ جا؟"

وہ بت پھر بھی نہ بولا۔

میں جھومتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے سارے بدن پر ورم آ چکا ہے۔ میری چال میں لغزش تھی، بدن کے رؤیں رؤیں سے آگ سی نکلتی محسوس ہو

رہی تھی۔

"تو بولتی کیوں نہیں؟" میں اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر غصیلی آواز میں بولا۔ "پھر نہ جانے اس بت نے جنبش کی یا میرا سر چکرایا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں۔ میں تیورا کر پتھر کے فرش پر بکھرے ہوئے سنگریزوں پر گرا۔ نگاہوں کے سامنے تاریک اور گنجان دائروں کی ایک کہکشاں سی لرزی اور ذہن پر دھند چھاتی چلی گئی۔

میں کتنی دیر بے ہوش رہا۔ یہ مجھے یاد نہیں! ہوش آیا تو میں شدید بخار میں جل رہا تھا۔ بوڑھا جابر میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ اداس اور خاموش۔ پھر اچانک ہی مجھے اپنی پیشانی پر کوئی نرم نرم اور گداز سا نسوانی ہاتھ سرکتا محسوس ہوا، میں نے بمشکل اپنا سر گھمایا تو خوشی سے میری چیخ نکل گئی۔

میری طوبیہ جیتے جاگتے انسانی پیکر میں میرے سرہانے موجود تھی۔

میں اسے پکارتا دیوانہ وار بستر سے اٹھا۔ مگر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ طوبیہ نے اپنی آغوش کا سہارا دیا اور میرے دکھتے ہوئے بدن کو بستر پر لٹا دیا۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہا، لیکن زبان لڑکھڑا گئی اور میں پھر بے ہوش ہو گیا۔

اگلی بار ہوش آیا تو نہ جابر سامنے تھا نہ طوبیہ سرہانے موجود تھی۔

"بابا۔ تم کہاں ہو؟ طوبیہ کہاں ہے؟" میں نے نحیف آواز میں جابر کو پکارا۔ لاٹھی کی کھٹ کھٹ کے ساتھ ہی جابر میرے سامنے آ موجود ہوا۔ اس کی آندھی آنکھوں کے گوشوں میں آنسوؤں کے قطرے جھلملا رہے تھے۔

"میں تیرے پاس ہی ہوں بیٹا!" وہ سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔

"تم رو کیوں رہے ہو۔ طوبیہ کہاں ہے، وہ میرے پاس کیوں نہیں آتی؟" جابر کی حالت دیکھ کر مجھے وحشت ہونے لگی۔

"میں رو تو نہیں رہا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "اور طوبیہ بھی تیرے پاس ہے۔"

"کہاں ہے۔ کہاں ہے وہ؟" میں اپنی ساری قوت مجتمع کر کے بستر پر بیٹھ گیا۔

"دوسرے کمرے میں ہے!" اس کی آواز کانپی اور داہنی آنکھ سے ایک آنسو اس کے بوڑھے رخسار پر ڈھلک آیا۔

”تم جھوٹے ہو۔“ میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔ ”وہ دوسرے کمرے میں ہے تو تم رو کیوں رہے ہو۔ تم مجھے دھوکہ کیوں دے رہے ہو!“ میں کانپتا لرزتا بستر سے اتر پڑا۔

”مشیت کا وہ راز۔“ جابر اب خود پر قابو نہ پا سکا۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ”جسے میں تجھ سے چھپا رہا تھا‘ آج ایک اٹل حقیقت بن چکا ہے طوسیہ تجھے مل کر بھی تجھے نہ مل سکی۔“

”بکواس مت کرو!“ میں جابر کے گریبان سے جھول گیا۔ ”صاف صاف بتاؤ کہ تم پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔“ میں غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

”میں نے۔ میں نے طوسیہ کا بدن تیرے منحوس آقا سے چھین لیا۔ اس کی گمشدہ روح جسم میں سما کر تیرے پاس آئی مگر تیرا ریاض بیکار تھا بیٹے۔۔ اس کی عمر کم رہ گئی تھی‘ ذرا دیر پہلے وہ نزع کا شکار ہو چکی ہے۔ دیکھ لے‘ آخری بار اسے دیکھ لے۔“

”تم جھوٹے ہو۔ وہ نہیں مر سکتی۔“ میں دہشت کے عالم میں چیختا دوسرے کمرے کی طرف لپکا اور وہاں ایک اندوہناک صدمہ واقعی میرا منتظر تھا۔

میری محبت‘ میری زندگی۔۔ طوسیہ چارپائی پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا گلابی چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ جیسے اس کے بدن سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑا جا چکا ہو۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ نہ جانے کہاں گم ہو چکی تھی‘ چہرے سے سخت کرب نمایاں تھا اور ادھ کھلی دہشت زدہ آنکھوں میں انتظار کی کیفیت سمٹ آئی تھی۔ اور‘ اور بدن پر لرزہ طاری تھا۔

”طوسیہ۔“ میں چیخ کر اس سے لپٹ گیا۔

”خادم۔“ اس کے ہونٹوں سے موت کی سرگوشی ابھری۔

میں نے بے اختیار اس کے لرزتے ہوئے یخ بستہ ہونٹوں کو چوم لیا۔ اس کا جسم میری آغوش میں آخری بار بری طرح کانپا اور ساکت ہو گیا۔ گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور میں بلک کر رو پڑا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اب بھری دنیا میں تنہا رہ گیا ہوں۔

وہ ایک قیامت تھی جو مجھ پر بیتی۔ میری محبت‘ طوسیہ مر گئی‘ اور میں زندگی کے دشوار سفر کو طے کرنے کے لئے تنہا رہ گیا۔ کئی روز مجھ پر پاگلوں جیسی کیفیت طاری رہی۔ میں ہر وقت خلا میں گھورتا رہتا اور پھر چونک کر طوسیہ طوسیہ پکارنے لگتا۔ اندھے جابر کی حالت بھی ابتر تھی۔ اپنی مصیبت میں اس کی طرف توجہ دینے کی نوبت ہی نہ آ سکی۔ پھر جب میرا

اعصابی تناؤ اور جنون دھیمے دھیمے سوگوار سے اضمحلال میں تبدیل ہوا تو میں جابر کی حالت دیکھ کر کانپ اٹھا۔

وہ بیٹھے بیٹھے گڑگڑا کر رو پڑتا‘ کبھی اپنے منہ پر تھپڑ برساتا اور کبھی نادیدہ ہیولوں سے ڈر کر ادھر ادھر چھپنے لگتا۔ پہلے تو مجھے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ چند ہی دن میں اس کا سارا کساؤ بڑھاپے میں ڈھل گیا۔ کمر جھک گئی‘ چہرے گردن اور ہاتھوں پر گہری جھریاں نمودار ہونے لگیں۔ احساس اس قدر ختم ہو گیا کہ چند قدم بھی لاٹھی کے بغیر نہ چل سکتا تھا۔ وہ بار بار در و دیوار سے ٹھوکریں کھاتا تھا۔ اور خود کو زخمی کرتا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کا ذہنی توازن بالکل ہی بگڑ گیا اور اس کی بے تکی چیخ وپکار سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ درویش منش اور خدا ترس انسان تھا لیکن میری خاطر اس نے اپنے مسلک سے بغاوت کی طوسیہ کے حصول کے لئے اس نے مجھے بت تراشی کی ترغیب دی اور یوں خود معتوب ہو گیا اور میں بھی طوسیہ سے محروم ہی رہا۔

اس مرحلے پر اس کی یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ طوسیہ مجھے مل کر بھی مجھے نہ مل سکے گی اور میں نے بارہا سوچا کہ کاش میں نے اس کی بات مان لی ہوتی۔ شاید اسے پہلے ہی سے آگاہی حاصل ہو چکی تھی کہ طوسیہ اب چند دن کی مہمان ہے جو کرب و اذیت کی قید میں صدیوں زندہ رہی وہ میری آغوش میں چند ثانئے بھی سانس نہ لے سکے گی۔

میں نے جابر کا بہت علاج کیا‘ لیکن بے سود۔ وہ علاج اور شفا کی حدود سے تجاوز کر چکا تھا۔

اس کی حالت سے مجھے بھی عبرت ہوئی اور میں نے صنم تراشی سے صدق دل سے توبہ کر لی۔ میں اب بھی سنگتراش ہی ہوں لیکن پتھر سے جانداروں کے پیکر نہیں تراشتا بلکہ میرا فن سنگ مرمر پر نقوش نگاری کی راہ اختیار کر گیا ہے جب اس کام سے تھک جاتا ہوں تو ان لوگوں کے سرہانے کی نشانیاں تیار کرتا ہوں جو اب ہم میں نہیں ہیں اور فکر و عمل کی ہر قوت سے محروم ہو کر منوں خاک کے نیچے دبے پڑے ہیں۔

اور اندھا جابر۔۔۔ وہ پاکستان آنے کے بعد میرے سائے سے بھی بدکتا ہے۔ اس کے جنون کا وہی عالم ہے اور وہ آپ کو بندر روڈ کی فٹ پاتھوں پر اکثر لاٹھی ٹیکتا اور قرات کرتا نظر آئے گا۔ اس کی کمر خمیدہ ہو چکی ہے قویٰ جواب دے چکے ہیں‘ چہرے سے وحشت

برستی ہے جس میں بے ترتیبی سے اُگی ہوئی داڑھی اور اضافہ کرتی ہے۔
وہ بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کرتا ہے اور رات کسی سائبان تلے گزار دیتا ہے۔ میں نے کئی بار اسے اپنے پاس لانا چاہا لیکن وہ مجھے پہچانتے ہی ننگی ننگی گالیاں بکنی شروع کر دیتا ہے۔ ایک دو بار میں نے ادھر سے گزرتے ہوئے اس سے بات کئے بغیر اسے خیرات دینے کی کوشش کی لیکن وہ شاید میری بو پہچانتا ہے اور سارے پیسے پھینک کر کسی وحشت زدہ چوپائے کی طرح چیختا ہوا ہجوم سے ٹکراتا ایک طرف بھاگ نکلتا ہے اور بار بار چلاتا ہے۔
"مجھے اس موذی سے بچاؤ' یہ سنگ تراش ہے' اس نے میری عاقبت تباہ کر دی ہے۔"
میں طوسیہ کے بعد اس کی طرف سے بہت دکھی ہوں اور اس کے سکون کی خاطر اس کے قریب جانا ترک کر چکا ہوں۔ ہاں خیریت کی خاطر دوسرے تیسرے روز دور ہی سے اسے دیکھ آتا ہوں۔ ایک دو شناساؤں نے بھی اس سے ملنے کی کوشش کی لیکن وہ جوں ہی اس کا نام لیتے ہیں' وہ بدک جاتا ہے۔ "چلے جاؤ یہاں سے' میں کسی جابر کو نہیں جانتا' میں جابر نہیں ہوں' مجھ اندھے مجبور کو تنگ نہ کرو۔"
شیطان مجھے آخری ملاقات کے بعد کبھی نہیں ملا۔ طوسیہ مرچکی ہے۔ میں نے جابر کے مکان میں اس کا جو سنگی مجسمہ تراشا تھا وہ ہوش میں آنے کے بعد مجھے چٹخے ہوئے ٹکڑوں کے ڈھیر کی صورت میں صحن میں پڑا ہوا ملا تھا۔ شاید جابر کے عمل کے نتیجے میں جب طوسیہ کی روح اس کے جسم میں داخل ہوئی تو وہ پتھر کا صنم تباہ ہو گیا تھا' جابر پاگل ہو چکا ہے اور میں ہوش و حواس سمیت زندہ ہوں' میرا ماضی ہر وقت ڈراؤنے خوابوں کی طرح میرے ذہن میں چکراتا رہتا ہے اور اکثر میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا مستقبل بھی دیوانگی پر ہی منتج ہو گا! اور میں اس دن کا منتظر ہوں۔ اس طرح میں کم از کم ذہنی عذاب سے تو بچ سکوں گا۔

ختم شد○